تاریخ اسلام

حصّہ اوّل

مُصنّفہ
مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی

نفیس اکیڈمی
بلاسس اسٹریٹ
کراچی

تاریخ اسلام

حصہ اوّل

مصنفہ

مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی

نفیس اکیڈمی

بلاسس اسٹریٹ ـــــــ کراچی

قیمت فی حصہ:- بارہ روپے ۱۲
مکمل (تین حصے) چھتیس روپے

چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری

مالک نفیس اکیڈیمی و مسعود پبلشنگ ھاؤس کراچی

نے تاریخ اسلام (مکمل تین حصہ) کے جملہ حقوق طباعت و اشاعت دائمی

جناب ملک محمد الدین صاحب مالک صوفی بک ڈپو،

پنڈی بہاء الدین سے باضابطہ خرید کر شائع کیا۔

طبع اوّل .... اکتوبر ۱۹۵۶ء

طبع دوم .... مارچ ۱۹۵۷ء

طبع سوم .... جولائی ۱۹۵۹ء

قیمت فی حصہ .... بارہ روپے } پاکستان و ہندستان سے

مکمل تین حصے .... چھتیس روپے }

ممالک غیر سے :-

فی حصہ .... ایک اسٹرلنگ پاؤنڈ

مکمل تین حصے .... تین پاؤنڈ

نوٹ :- یہ کتاب صرف مکمل ہی مہیا کی جاسکتی ہے۔ علیحدہ علیحدہ حصے نہیں فروخت کئے جاتے۔

مطبوعہ انٹرنیشنل پریس کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مطالعۂ تاریخ

از محمد اقبال سلیم گاہندری

یہ دنیا علت واسباب کے مربوط سلسلہ سے وابستہ ہے، دنیا کا ہر جدید واقعہ کسی نہ کسی گذشتہ علت کا لازمی نتیجہ ہے۔ اگر موسمِ گرما میں آفتاب کی گرم کرنیں سمندروں سے پانی کو بھاپ بنا کر اُڑاتی نہ رہیں تو سوکھی زمین پر مینہ کبھی نہ برسے، اور اگر برسات میں بارش نہ ہو تو کھیت میں غلہ پیدا ہو، اور نہ شہروں میں تمدن وجود میں آئے۔ بالکل اسی طرح دنیا کے تمام حوادث و واقعات اپنے ماضی سے وابستہ ہیں۔ ماضی سے اچھی طرح واقف ہوئے بغیر نہ مستقبل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور نہ حال کے لئے کوئی لائحہ عمل مرتب کیا جاسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر زندہ قوم تاریخ عالم کا عموماً اور اپنی قومی تاریخ کا خصوصاً مطالعہ جاری رکھتی ہے۔ اسی تاریخ کے ذریعہ قوموں کے عروج وزوال کا اُصول معلوم کیا جاتا ہے۔ اور اسی فنِ تاریخ کے ذریعہ ذہنِ انسانی کی صحیح تربیت کی جاتی ہے۔ جس قوم کو آئندہ کی باعزت زندگی سے محروم کردینا مقصود ہو، اُس کے حال کا رشتہ اس کے ماضی سے منقطع کردیجئے، پھر دیکھئے کہ وہ کس طرح چوہڑے، چمار، گونڈ اور بھیل کی پستیوں تک جا پہنچتی ہے۔ نہ بڈھوں کے دل میں ترقی کی تمنا بیدار رہتی ہے اور نہ جوانوں کے دل میں کوئی حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ مرحوم اقبال نے کیا خوب کہا ہے

زندہ فرد از ارتباطِ جان و تن
زندہ قوم از حفظ ناموس کہن

فردِ انسانی روح وبدن کے باہمی ربط سے زندہ رہتا ہے، لیکن قوموں کی زندگی کا دارومدار تاریخی روایات کو زندہ رکھنے پر، جو قوم اپنی تاریخ سے واقف نہیں رہتی وہ اس دنیا میں ایک زندہ قوم بن کر نہیں رہ سکتی۔

فنِ تاریخ

فنِ تاریخ مسلمانوں کا خصوصی فن ہے، اِن ہی نے اسے ایک باقاعدہ فن کا درجہ دیا، اس کے اصول وضوابط مرتب تاریخی روایات اور خرافاتی قصہ کہانیوں کے مابین فرق کو واضح کیا۔ روایات تاریخی کو پرکھنے اور کھری کھوٹی کے مابین امتیاز کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ اور اس فن میں ابنِ قتیبہ، ابن خلدون، ابن خلکان اور ابوالفدا، اسمٰعیل جیسے یگانہ روزگار ماہرین پیدا کئے۔

اسلام سے پہلے تاریخی روایات اور قصہ کہانیوں کے درمیان کوئی امتیاز قائم نہ تھا۔ یونان کے افسانے، مصری کہانیاں، ہندوستانی دیومالا اور چینی افسانے اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ کون

کہہ سکتا ہے کہ ہنومان جی کے قصّے، مہا بھارت کے افسانے، انگلو سیکسن قوم کی کہانیاں اور یونان و روما کی روایات کسی معنی میں بھی تاریخ کہے جانے کی مستحق ہیں۔ اس کے برخلاف اسلامی مورخوں نے بڑی سختی کے ساتھ ایسے افسانوں کو جانچ پڑتال کر کے تاریخ سے بدگوشت کی طرح کاٹ کر پھینک دیا۔ اور تاریخ نویسی کا ایسا محکم و عظیم الشان معیار قائم کیا جو آج تک دنیا کی ہر قوم کے لئے مشعلِ ہدایت کا کام کر رہا ہے، اور آج بھی دنیا کا کوئی مورخ ابن خلدون اور ابوالفدار کے احسانات سے سبکدوش نہیں ہے۔

اِسلامی زندگی

اسلامی زندگی کیا ہے۔ بقول حضرت اقبال ؎

نہ اس میں عہدِ نو کی حیا سے بیزاری
نہ اس میں عہدِ کُہن کے فسانہ و افسوں

اور اسی زندگی کی سچی کہانی اور حقیقی ترجمانی کا نام ہے۔ **تاریخ اسلام**:- تاریخ اسلام نہ دیومالا ہے اور نہ شاہنامہ نہ پریوں کی کہانی ہے اور نہ دیووں کا افسانہ، یہ تو ایک صاف سُتھرا آئینہ ہے جس میں گردشِ ایام کی ہُوبہُو تصویر دکھائی دیتی ہے۔ جس میں یہ نظر آتا ہے کہ ایک صحرانشین، اَن پڑھ، غیر متمدن، اُجڈ اور جاہل قوم جب یقین محکم کے ساتھ محبت انسانیت میں سرشار ہو کر عمل پیہم میں استوار ہو جاتی ہے تو کس طرح دیکھتے ہی دیکھتے فاتح عالم کا مقام بلند حاصل کر لیتی ہے۔ اسلام کے نامور مورخ علامہ شبلی نعمانی نے مطالعۂ تاریخ اسلامی کے بعد کس قدر بے ساختگی کے ساتھ کہا تھا کہ ؎

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچّے
کھیلنے جاتے تھے ایواں گہہ کسریٰ میں شکار

اور

یہ اسی کا تھا نتیجہ کہ عرب کے رہزن
چاک کرنے لگے جبریل امیں کے اسرار

تاریخ اسلام کا مطالعہ کیجئے

کیا آپ اس کا تصور بھی کر سکتے ہیں کہ آپ اپنی زندگی کے لئے کوئی لائحہ عمل بنا سکتے ہیں یا اپنی قوم کے مستقبل سنوارنے کی کوئی کامیاب تدبیر پیدا کر سکتے ہیں، جب تک کہ آپ اپنے درخشاں ماضی اور اپنی تابناک تاریخ سے پوری طرح واقف نہ ہوں، جب تک آپ یہ معلوم نہ کر لیں کہ ع

وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

آپ کا فرض ہے کہ آپ تاریخِ اسلام کو تفصیل کے ساتھ پڑھئے، بار بار پڑھئے، اور دیکھئے کہ آپ کسی درماندہ و پست قوم کے فرد نہیں ہیں، آپ ہمیشہ ایسے کم ہمت، کم زور اور بے بضاعت نہیں تھے، بلکہ

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سردارا

آپ کو صرف تاریخ اسلام کے مطالعہ ہی سے یہ معلوم ہو گا کہ آپ کے بزرگوں نے کن اصولوں پر عمل کر کے دنیا میں یہ حیرتناک سربلندی حاصل کی تھی، اور وہ کیا فروگذاشتیں، غلطیاں اور بے اعتدالیاں تھیں جن کی وجہ سے یہ قوم بام عروج سے فرشِ مذلت پر آگئی، اس طرح آپ اپنی اور اپنی قوم کے لئے آیندہ کا بہترین لائحہ عمل مرتب کر سکیں گے، اور یہ اچھی طرح سمجھ سکیں گے کہ بُرے نتائج سے محفوظ رہنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے۔ اور سربلندی کے حصول کے لئے کون سا زینہ بار بار کا آزمایا ہوا مضبوط و استوار زینہ ہے۔

تاریخ اسلام

تیرہ سو سال قبل فاران کی چوٹیوں سے ایک نور چمکا۔ اس کی ایک ہی کرن نے ظلمت کدۂ گیتی کو مطلع انوار بنا دیا۔ اس عالمگیر انقلابی آواز نے انسانیت اور حق و انصاف کی ایسی بنیادیں تعمیر کیں جس میں سیاسی، اقتصادی، معاشی اور اخلاقی آزادی تھی۔ اسی شمعِ امن و سلامتی کے مٹھی بھر پرستار عرب کے تپتے ہوئے صحراؤں سے صرف حق و صداقت اور توحید و رسالت کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر کبھی افریقہ کے میدانوں میں کبھی چین کے چٹیل پہاڑوں میں، کبھی اسپین میں اور کبھی بتکدۂ ہند میں پہنچے اور دیکھتے ہی دیکھتے اُفقِ عالم پر چھا گئے۔ مجاہدوں کے قافلے اپنی منزلیں طے کرتے رہے اور ہر منزل پر قدموں کے چند ایسے نشان چھوڑ گئے جن کو حوادثِ زمانہ کی طوفانی موجیں آج تک نہیں مٹا سکیں۔ حقائق کی چٹانوں پر تاریخ کے یہ سربہ فلک مینار آج بھی اقوامِ عالم کی رہنمائی کر رہے ہیں۔

یہ کتاب ان ہی مسلمان حکمرانوں، جانبازوں اور بہادروں کے زندہ جاوید کارناموں کی مفصل تاریخ ہے جس کے مطالعہ سے آپ کی رگِ حمیت پھڑک اٹھے گی۔ اور آپ حق و صداقت کی راہوں پر دوبارہ گامزن ہو کر اپنا حال اور مستقبل بھی اتنا ہی شاندار بنا لیں گے جتنا آپ کا ماضی درخشاں رہا ہے۔

مغربی مورخین نے تاریخ اسلام کے واقعات کو تعصب کے زہر میں بجھے ہوئے قلم سے لکھ کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور ایک عرصہ تک تاریخ اسلام کا طالب علم حقیقت سے ناواقف رہا۔ مورخِ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی نے برسہا برس کی محنت سے یہ مفصل اور مستند تاریخ مرتب کی! جس کی ہر سطر اسلامی سطوت و عظمت کی آئینہ دار ہے۔ اس بلند پایہ کتاب کا اندازِ تحریر بے انتہا دلکش ہے، آج جبکہ ہم اہم ترین تاریخی دور سے گذر رہے ہیں ہمارے لئے تاریخ اسلام کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ "یہ وہ شہرۂ آفاق تاریخ اسلام ہے جس کے متعدد ایڈیشن پاکستان کے عالمِ وجود میں آنے سے قبل شائع ہو چکے ہیں" لیکن اب یہ کتاب ہر جگہ نایاب تھی، ہم آج اس شہرۂ آفاق کتاب کا پہلا پاکستانی ایڈیشن پیش کر رہے ہیں۔ اور حق تعالےٰ سے دست بہ دُعا ہیں کہ مرحوم مصنف علامہ کے فیض سے ہمارے نوجوانوں کو فیضیاب فرمائے۔

فہرست مضامین

تاریخ اسلام ۔ جلد اوّل

دُوسرا باب

آنحضرت محمدؐ صلعم

تیسرا باب

خلافت راشدہ

حضرت ابو بکر صدیق رضہ

خلافت صدیقی کے اہم واقعات

چوتھا باب

خلافت راشدہ کا نصف آخر

پیش لفظ!

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ○ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۵ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ

وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ؛ اَمَّا بَعْدُ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ

صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ

لا الٰہ الا اللہ :- تاریخ عالم پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے ہر ملک اور ہر زمانے میں جس قدر نبی، مُصلح، پیشوا اور بانیانِ مذاہب گذرے ہیں وہ سب کے سب ایک ذات واجب الوجود کے قائل و معتقد تھے اور سب نے اپنی اپنی جماعت کو ہستی باری تعالیٰ کا یقین دلانے کی کوشش کی۔ حضرت آدم علیہ السّلام، حضرت نوح علیہ السلام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانوں میں اگرچہ سینکڑوں، ہزاروں برس کے فاصلے ہیں۔ لیکن سب کی تعلیم میں توحید باری تعالیٰ کا مسئلہ مشترک ہے۔

کرشن جی، رامچندر جی، گوتم بُدھ اور گورو نانک ہندوستان میں ہوئے۔ کیقباد و زرتشت ایران میں گذرے۔ کنفیوشس چین میں، حضرت لقمان یونان میں، حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں، حضرت لُوط علیہ السلام شام و فلسطین میں تھے۔ لیکن توحید باری کا عقیدہ سب کی تعلیمات میں موجود ہے۔

دنیا کے قریبًا تمام آدمی بچّے، بوڑھے، جوان، عورت، مرد، عیسائی، یہودی وغیرہ اللہ تعالےٰ کو مانتے ہیں یا صرف چند جو کسی قطار میں نہیں آسکتے۔ ممکن ہے ایسے بھی مِل سکیں جو اپنی زبان سے خدائے تعالےٰ کا انکار کریں مگر دل اُن کے بھی ہستئ باری تعالےٰ کے اقرار پر مجبور ہیں اور اُن کو بالآخر یہ ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ سلسلۂ علل و معلول کسی مدبّر بالارادہ کے ماتحت چل رہا ہے۔ اُسی مدبّر بالارادہ ہستی کا نام اللہ تعالےٰ ہے ؎

بہ لوح گر ہزاراں نقش پیداست
نیاید بے قلم زن یک الف راست

دنیا کے اس عظیم الشان اتفاق کا انکار اور تمام اہلِ دانش و بینش کے متفقہ عقیدہ کی تغلیط و تردید پر کوئی شخص جو دیوانہ نہ ہو آمادہ نہیں ہو سکتا۔

محمد رسول اللہ:۔ رُوما کی عظیم الشان سلطنت کے ٹکڑے ہو چکے تھے، اُس کے نیم وحشیانہ آئین و قوانین بھی مسخ ہو کر اپنے مظالم و معائب کو اور بھی زیادہ مہیّا و موجود اور محاسن کو جو پہلے ہی بہت کم تھے معدوم و مفقود کر چکے تھے۔ ایران کی شہنشاہی ظلم و فساد کا ایک مخزن بنی ہوئی تھی۔ چین و ترکستان خونریزی و خونخواری کا مامن نظر آتے تھے۔ ہندوستان میں مہاراجہ اشوک اور راجہ کنشک کے زمانہ کا نظام و انتظام ناپید تھا۔ مہاراجہ بکرماجیت کے عہدِ سلطنت کا تصوّر بھی کسی کے ذہن میں نہیں آسکتا تھا۔ نہ بُدھ مذہب کی حکومت کا کوئی نمونہ موجود تھا۔ نہ برہمنی مذہب کا کوئی قابلِ تذکرہ پتہ و نشان دستیاب ہو سکتا تھا۔ عارف بُدھ کا نام عقیدت سے لینے والوں کی حالت یہ تھی کہ حکومت کے لالچ، دنیا طلبی کے شوق اور ضعیف الاعتقادی کے نتیجہ میں سخت سے سخت قابلِ شرم حرکات کے مُرتکب ہو جاتے تھے۔ سری کرشن کے نام کی سُمرن جپنے والوں کی کیفیت یہ تھی کہ اشرف المخلوقات کو نباتات و جمادات کے آگے سربسجود بنا دینے میں اُن کو دریغ نہ تھا۔ یورپ اگر ایک بیابان گرگستان اور وہاں کے باشندے خون آشام و مردم کُش درندے تھے تو عرب تمام عیوب و فسادات کا جامع تھا اور وہاں کے باشندے حیوانوں سے بھی بدتر حالت کو پہنچ چکے تھے۔ غرضکہ دنیا کے کسی ملک اور کسی خطہ میں انسانی نسل اپنی انسانیت اور شرافت پر قائم نظر نہیں آتی تھی اور بحر و بر سب ماؤف ہو چکے تھے۔ ایسی حالت

میں جب کہ تمام دنیا تیرہ وتار ہو چکی تھی ہندوستان والوں کا فرض تھا کہ وہ گیتا کے چوتھے باب میں شری کرشن مہاراج کے اس ارشاد پر غور کرتے کہ

"اے ارجن جب دھرم کی ہانی ہوتی ہے اور ادھرم بڑھ جاتا ہے
تب میں نیک لوگوں کی رکھشا کرتا ہوں اور پاپوں کا ناش کرکے دھرم کو
قائم کرتا ہوں"

ایران والوں کا فرض تھا کہ وہ شت وخشور زرتشت کے ارشادات کے موافق کسی رہبر کی تلاش میں نکلتے۔ یہودیوں کے لئے وقت آگیا تھا کہ وہ فاران کے پہاڑوں کی چوٹیوں سے روشنی کے نمودار ہونے کا انتظار کرتے اور معماروں کے رد کئے ہوئے پتھر کو کونے کا پتھر بنتے ہوئے ضد اور انکار سے باز رہتے۔ عیسائیوں کا فرض تھا کہ وہ دعائے خلیل اور نوید مسیحا کو اپنی اُمید گاہ بناتے۔ لیکن دنیا کے عالمگیر فساد اور زمانہ کی ہمہ گیر تاریکی نے دلوں کو اس قدر سیاہ اور آنکھوں کو اس قدر بے بصارت بنا دیا تھا کہ کسی کو اتنا بھی ہوش نہ تھا کہ اپنے آپ کو مریض جانتا اور دوا کی طلب میں قدم اُٹھاتا۔

ایسے زمانے اور مُلکِ عرب جیسے خطّے میں ہادیٔ برحق رسولِ رب العالمین۔ خیر البشر۔ شفیع المذنبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرک کی خباثت۔ بُت پرستی کی تاریکی۔ فتنہ وفساد کی نجاست اور عصیان وبے شرمی کی پلیدی کو دُور کرنے کے لئے لا الٰہ الا اللہ کی آواز بلند کرکے انسان نما لوگوں کو انسان۔ انسانوں کو با اخلاق۔ انسان اور با اخلاق انسانوں کو باخدا انسان بنا کر دنیا کی تاریکی وظلمت کو ہدایت۔ نور۔ امن۔ راستی اور نیکی سے تبدیل کرنے، یعنی گمراہ۔ بُت پرست عصیاں شعار لوگوں کو مسلمان بنانے کا فریضہ انجام دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام عراق عرب کے گمراہ لوگوں کو راہ راست پر لانے میں سینکڑوں برس مصروف تبلیغ رہ کر بالآخر رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا" کی تلوار سے سب کا قصّہ پاک کرنے پر مجبور ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصریوں اور اُن کے متکبر بادشاہ کو راہِ راست پر لانے کی امکانی کوشش کی لیکن بالآخر موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے وہ نظارہ دیکھا جس کی نسبت ارشاد ہے۔ کہ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ۔

ہندوستان میں مہاراجہ رام چندر جی کو لنکا پر چڑھائی اور راکھشسوں سے لڑائی کرنی پڑی۔ شری کرشن مہاراج کو کرکشیتر کے میدان میں ارجن کو جنگ پر آمادہ کرنا اور کوروں کی نافرمان

جماعت کو پانڈوں کے ہاتھوں برباد کرانا پڑا۔ ایران میں زرتشت نے اسفندیار کی پہلوانی اور سلطنت کیانی کی حکمرانی کو ذریعہ تبلیغ و اشاعت بنایا۔

مگر پاستانی صحائف اور عرانی روایات، جو اہل نظر تک پہنچی ہیں سب کی سب متفق ہیں ۔ کہ تمام قابل تکریم بانیانِ مذاہب اور مستحق تعظیم ہادیانِ صداقت کی کوششوں اور کامیابیوں میں یہ نظیر ہرگز تلاش نہیں کی جا سکتی کہ پچیس سال سے کم مُدت میں دنیا کا بہترین ملک اور عرب کے جاہل وحشی لوگ ساری دنیا کے معلم اور سب سے زیادہ مہذب و بااخلاق بن گئے ہوں؛ سَو برس سے کم یعنی صرف اسّی سال کے عرصہ میں حضرت محمد صلعم کے لائے ہوئے مذہب کو ماننے والے بحرِ اطلانطک سے بحرِ الکاہل یعنی چین کے مشرقی ساحل تک یا یوں کہئے کہ تمام متمدن دنیا کا احاطہ کر چکے ہوں۔ اس محیر العقول اور خارق عادت کامیابی کی نظیر دنیا پیش نہیں کر سکتی اور تعلیم اسلامی کی خوبی اگر تمام قوانین مذاہب پر فائق اور محاسن ملل کی جامع ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیر البشر، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین ہونے میں کسی کو کیا کلام ہو سکتا ہے؟ اور دنیا میں کس کا حوصلہ ہے جو اُن کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید کی اس لانظیر صفت اور اس ناقابل تردید دعویٰ اور خدائی دعویٰ کی تردید پر آمادہ ہو سکے کہ "نحن نزّلنا الذکر وانا لہ لحافظون"۔

قوموں کو منازلِ ترقی طے کرانے اور قوموں کو ذلت و پستی سے بچانے کے لئے تاریخ ایک زبردست مؤثر اور نہایت قیمتی ذریعہ ہے۔ قومیں جب کبھی قعرِ مذلت سے بامِ ترقی کی طرف متحرک ہوئی ہیں۔ اُنھوں نے "تاریخ ہی کو سب سے بڑا محرک پایا ہے" قرآنِ کریم نے ہم کو یہ بھی بتایا ہے کہ سعادت انسانی اور دین و دُنیا کی کامرانی حاصل کرنے کے لئے تاریخ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے لوگوں کے عبرت پذیر اور نصیحت یاب ہونے کے لئے کلام پاک میں جابجا اُمم سابقہ کے حالات یاد دلائے ہیں کہ فلاں قوم نے اپنی بداعمالیوں کے کیسے بدنتائج دیکھے اور فلاں قوم اپنے اعمال حسنہ کی بدولت کیسی کامیاب و فائز المرام ہوئی۔ آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ وغیرہم کے واقعات اور فرعون۔ نمرود۔ عاد۔ ثمود وغیرہم کے حالات قرآن کریم میں اس لئے مذکور و مسطور نہیں ہیں کہ ہم ان کو دل بہلانے اور نیند لانے کا سامان بنائیں۔ بلکہ یہ سچے اور یقینی حالات اس لئے ہمارے سامنے پیش کئے گئے ہیں کہ ہمارے اندر نیک کاموں کے کرنے کی ہمت اور بداعمالیوں سے دُور رہنے

کی جُراُت پیدا ہو اور ہم اپنے حال کو بہترین مستقبل کا ذریعہ بنا سکیں۔

انبیاء علیہم السلام جو بنی نوع انسان کے سب سے بڑے محسن، سب سے زیادہ خیر خواہ اور سب سے زیادہ شفیق علی الخلق اللہ ہوتے ہیں۔ اُنھوں نے جب کبھی کسی قوم کو ہلاکت سے بچانے اور عزت و سعادت سے ہمکنار بنانے کی سعی و کوشش فرمائی ہے تو اُس قوم کو عہد ماضی کی تاریخ یاد دلائی ہے۔ دُنیا کے بڑے بڑے لیڈروں اور ریفارمروں میں کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کو حالاتِ رفتگان اور واقعاتِ گذشتگان کے مُطالعہ نے محو و مدہوش اور از خود فراموش بنا کر آمادۂ کار اور مستعدِ سعی و ایثار نہ بنایا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک واعظ اور ہر ایک لیکچرار جو سامعین کو اپنے حسب منشا پُر جوش اور آمادہ کار بنا سکتا ہے۔ اُن کے وعظ یا لیکچر میں پاستانی واقعات اور بزرگانِ گذشتہ کے حالات کی یاد دہانی یعنی تاریخی چاشنی ضرور موجود ہوتی ہے۔ مشاہیر گذشتہ کے حالات و واقعات میں بھی جن مشاہیر سے مذہبی قومی۔ مُلکی تعلقات کے ذریعہ ہمارا قریبی رشتہ ہوتا ہے اُن کے حالات کا ہم پر زیادہ اثر ہوتا ہے۔ رُستم و اسفندیار اور گشتاسپ و نوشیروان کے حالات کا مُطالعہ جس قدر ایک ایرانی یا ایک پارسی کے دِل میں شجاعتِ مذہبیت اور عدل و انصاف کے جذبات کو مشتعل بنا سکتا ہے کسی چینی یا ہندوستانی پر ویسا اثر نہیں کر سکتا بھیم و ارجن اور بکرماجیت و پرتھی راج کی داستانیں ہندوؤں پر جو اثر کرتی ہیں عیسائیوں پر اُن کا ویسا ہی اثر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج جبکہ قوموں کی تاریخ کے اثر و نتائج سے لوگ واقف ہو چکے ہیں اور یہ حقیقت عالم آشکارا ہو چکی ہے کہ کسی قوم کو زندہ کرنے اور زندہ رکھنے کے سامانوں میں اُس قوم کی گذشتہ تاریخ سب سے زیادہ ضروری سامان ہے تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ وہ قومیں جو اپنی کوئی باعظمت و پُر شوکت تاریخ نہیں رکھتیں فرضی افسانوں اور جھوٹے قصّوں کی تصنیف و تالیف میں مصروف ہیں اور اُن فرضی قصّوں کو تاریخی جامہ پہنا کر افرادِ قوم اور نوجوانانِ مُلک کے سامنے اس طرح پیش کر رہی ہیں کہ اُن کی صداقت کا یقین ہو جائے دروغ کو فروغ دینے کی یہ قابلِ شرم کوشش قوموں کو محض اس لئے کرنی پڑ رہی ہے کہ وہ قومیں اپنے افراد کو اُن کے علو مرتبت کا یقین دلائے بغیر مسابقتِ اقوام کے میدان میں تیز گام بنا ہی نہیں سکتیں۔ اور یہی سبب ہے کہ ہر ایک وہ قوم جو کسی دوسری قوم کو رقابت یا عداوت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اُس کی تاریخ کو مسخ

کرنے اور اُس کے افراد کو اپنی تاریخ سے غافل اور ناواقف رکھنے کی کوششوں میں مصروف نظر آتی ہے۔

مسلمانوں کا شان دار کارنامہ

اقوامِ عالم میں صرف مسلمان ہی وہ قوم ہے جو سب سے زیادہ شان دار تاریخ رکھتی اور سب سے بڑھ کر اپنے بزرگوں کے کارناموں کی نسبت ایسا یقینی علم حاصل کرسکتی ہے جو ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہے۔ مسلمانوں کو ہومر کے الیڈ و اوڈے سے روشناس کرنے کی مطلق ضرورت نہیں مسلمانوں کو مہابھارت و راماءن کی بھی کوئی احتیاج نہیں کیونکہ اُن کی یقینی حقیقی تاریخ میں ہر قسم کے نمونے اور کارنامے الیڈ و اوڈے سے اور مہابھارت و راماءن کے واقعات سے زیادہ شان دار اور محیر العقول موجود ہیں لیکن ان مذکورہ افسانوں اور داستانوں کی غلط بیانی و بے اعتباری اُن کے پاس تک نہیں پھٹک سکتی۔ مسلمانوں کو فردوسی کے شاہنامے اور اسپارٹا والوں کے افسانے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ اُن کی تاریخ کا ہر ورق بہت سے رستم اور بہت سے اسپارٹا پیش کرسکتا ہے۔ مسلمانوں کو نوشیروانِ عادل اور حاتم طائی کے کہانیوں کے سننے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ اُن کی سچی اور حقیقی تاریخ میں لاتعداد حاتم و نوشیروان جلوہ فرما ہیں۔ مسلمانوں کو ارسطو و بیکن اور بطلیموس و نیوٹن کی بھی کوئی احتیاج نہیں ہے کیونکہ ان کے اسلاف کی مجلس میں ایسے ایسے فلسفی و ہیئت دان موجود ہیں۔ جن کی کفش برداری پر مذکورہ مشاہیر کو فخر کا موقع مل سکتا ہے۔

کس قدر افسوس اور کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ آج جبکہ مسابقتِ اقوام کا ہنگامہ تمام دنیا میں برپا ہے۔ مسلمان جو سب سے زیادہ شان دار تاریخ رکھتے ہیں وہی سب سے زیادہ اپنی تاریخ سے بے پروا اور غافل نظر آتے ہیں۔ مسلمانوں کے جس طبقہ کو کسی قدر بیدار اور ہوشیار کہا جاسکتا ہے اُس کی بھی یہ حالت ہے کہ اپنے لیکچروں، تقریروں، تحریروں، مضمونوں۔ رسالوں، اخباروں اور کتابوں میں جہاں کہیں اخلاق فاضلہ کے متعلق کسی نظیر و تمثیل کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تو یورپ اور عیسائیوں میں سے کسی مشہور شخص کا نام فوراً اور بلاتکلف زبان اور زبانِ قلم پر جاری ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ مستحق سینکڑوں۔ ہزاروں مسلمانوں میں سے کسی ایک شخص کا نام بھی اُن کو معلوم نہیں ہوتا۔ اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے

کہ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ اور علوم جدیدہ سے واقف مسلمانوں کی تقریروں اور تحریروں میں نپولین۔ ہنی بال۔ شیکسپیئر۔ بیکن۔ نیوٹن وغیرہ مشاہیر یورپ کے نام جس قدر کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ایسی کثرت سے خالد بن ولید۔ صلاح الدین ایوبی۔ حسان بن ثابت فردوسی۔ طوسی۔ ابن رشد۔ بوعلی سینا وغیرہ کے نام تلاش نہیں کئے جا سکتے۔ اس کا سبب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ مسلمان اپنی تاریخ سے ناواقف اور غافل ہیں۔ مسلمانوں کی ناواقفیت اور غفلت کا سبب یہ ہے کہ اول تو علم کا شوق دوسری ہمسر قوموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو کم ہے۔ دوسرے علم حاصل کرنے کے مواقع اور فرصتیں میسر نہیں تیسرے سرکاری مدارس و کالجوں نے اسلامی درسگاہوں کو اس ملک ہندوستان میں قریباً ناپید کر دیا۔ چوتھے مسلمانوں میں جس طبقہ کو تعلیم یافتہ طبقہ کہا جاتا ہے۔ اور جو ہندوستانی مسلمانوں میں پیش رو سمجھا جاتا ہے۔ وہ سب کا سب سرکاری درسگاہوں و کالجوں میں ہو کر نکلا ہوا ہوتا ہے جہاں اسلامی تاریخ نصابِ تعلیم کا کوئی جزو نہیں اور اگر ہے تو وہ کوئی اور ہی چیز ہے جس کو اسلامی تاریخ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کالجوں کے ڈپلومے حاصل کرنے کے بعد نہ تعلیم کے قابل عمر باقی رہتی ہے نہ اسلامی علوم حاصل کرنے کی مہارت و فرصت میسر ہو سکتی ہے۔ بہرحال ہمارے مُلک کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اُسی اسلامی تاریخ پر اعتماد کرنا پڑتا ہے جو مسلمانوں کے رقیبوں اور مخالفوں کی مرتب کی ہوئی مسخ شدہ تاریخ انگریزی تصانیف میں موجود ہے۔

اسلام سے پیشتر دنیا کے کسی مُلک اور کسی قوم کو یہ توفیق میسر نہیں ہوئی کہ وہ فن تاریخ نویسی کی طرف متوجہ ہوتی یا اپنے بزرگوں کی صحیح تاریخ مدوّن و مرتب کرتی۔ اس حقیقت سے واقف ہونے کے لئے کہ اسلام سے پیشتر دنیا میں فن تاریخ نویسی کی کس قدر اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی ہو چکی تھی۔ بائبل کے صحیفوں اور مہابھارت و رامائن کے افسانوں کا مطالعہ کرنا کافی ہے۔ مسلمانوں نے احادیث نبوی کی حفاظت و روایت میں جس احتیاط اور عزم و ہمت سے کام لیا ہے اُس کی نظیر اس ربع مسکوں پر رہنے بسنے والی انسانی نسل ہرگز ہرگز پیش نہیں کر سکتی۔ اصولِ حدیث و اسماء الرجال وغیرہ مستقل علوم محض حدیث نبوی صلعم کی خدمت و حفاظت کے لئے مسلمانوں نے ایجاد کئے۔ روایات کی چھان بین اور تحقیق و تدقیق کے لئے جو محکم اصول مسلمانوں نے ایجاد کئے اُن کی نظیر دنیا نے اپنی اس طویل عمر میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔

مسلمانوں کا پہلا کارنامہ جو فن تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔ علم حدیث کی ترتیب و تدوین ہے۔ اسی سلسلہ اور اسی طرز و انداز میں انھوں نے اپنے خلفاء۔ امراء و سلاطین۔ علماء، حکماء وغیرہ

کے حالات قلمبند کئے اسی تمام ذخیرے کو اسلامی تاریخ سمجھنا چاہیے۔ مسلمانوں کی تاریخ نویسی دُنیا کے لئے ایک نئی چیز اور بالکل غیر مترقبہ مگر بے حد ضروری سامان تھا۔ دوسری قومیں جب کہ اپنی بائیبل اور مہا بھارت وغیرہ کتابوں کو مایۂ ناز "تاریخی" سرمایہ سمجھتی ہیں تو انسان حیران رہ جاتا ہے کہ مسلمان تاریخ خطیب کو بھی اپنی مستند تاریخی کتابوں کی الماری سے نکال کر جُدا کر دیتے ہیں۔ آج یورپی مؤرخین فن تاریخ کے متعلق بڑی بڑی موشگافیوں سے کام لیتے ہوئے نظر آتے ہیں اور مسلمان اُن سے مرعوب اور اُن کے کمال فن کی داد دینے میں پورے خلوص سے کام لے رہے ہیں لیکن اُن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ شمالی افریقہ کے رہنے والے ایک اندلسی عرب خاندان کے مسلمان مؤرخ ابن خلدون کے مقدمہ تاریخ کی خوشہ چینی نے تمام یورپ اور ساری دنیا کو فن تاریخ کے متعلق وہ وہ باتیں سمجھا اور سُجھا دی ہیں۔ کہ مؤرخین یورپ کی تمام مؤرخانہ سعی وکوشش کے مجموعہ کو مرقد ابن خلدون کے مجاور کی خدمت میں جاروب بنا کر مؤدبانہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ مگر مُسلمان مؤرخین کے علو حوصلہ اور رفعتِ ذوق کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ علماء اسلام کی مجلس میں ابن خلدون کے بے نظیر مقدمۂ تاریخ کو چھوڑ کر اصل تاریخ ابن خلدون کی کوئی غیر معمولی وقعت اور نمایاں عظمت مسلم نہیں ہے۔

ابن ہشام۔ ابن الاثیر۔ طبری۔ مسعودی وغیرہ سے لے کر احمد ابن خاوند شاہ اور ضیاء برنی تک بلکہ محمدؐ قاسم فرشتہ اور ملائے بدایونی تک ہزارہا مسلمان مؤرخین کی مساعی جمیلہ اور کارہائے نمایاں جن ضخیم جلدوں میں آج تک محفوظ ہیں اُن میں سے ہر ایک کتاب مسلمانوں کی مبہوت کُن شوکت رفتہ اور مرعوب ساز عظمتِ گذشتہ کا ایک مرقع ہے اور ان میں سے ہر اسلامی تاریخ اس قابل ہے۔ کہ مسلمان اُس کے مُطالعہ سے بصیرت اندوز اور عبرت آموز ہوں۔ لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اب فی صدی ایک مسلمان بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اپنی اسلامی تاریخ سے واقف ہونے کے لئے ان مسلمان مؤرخین کی لکھی ہوئی تاریخوں کو مطالعہ کرنے کی قابلیت بھی رکھتا ہو۔ حالانکہ مِل۔ کارلائل۔ الیٹ۔ گبن وغیرہ کی لکھی ہوئی تاریخیں پڑھنے اور سمجھنے کی قابلیت بہت سے مسلمانوں میں موجود ہے۔

اندریں حالات جب کہ تمام اسلامی تاریخیں عربی وفارسی میں لکھی گئی ہیں اور ہندوستان میں فی صدی ایک مسلمان بھی عربی یا فارسی سے ایسا واقف نہیں کہ اُن تاریخوں کا مُطالعہ کر سکے۔ مُسلمانوں کو تاریخ اسلامی کی طرف توجہ دلانے سے پہلے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اردو

زبان میں اسلامی تاریخ لکھی جائے۔ اس تاریخ کو اب سے بہت پہلے ہندوستان کے مسلمان محسوس کر چکے اور کئی شخص اُردو زبان میں تاریخ اسلام کے لکھنے پر آمادہ ہو چکے ہیں۔ مگر آج تک اُردو زبان میں ایسی جامع و بالغ تاریخ نہیں لکھی گئی۔ جو کم فرصت و کم شوق مسلمانوں کے لئے تاریخ اسلام کے متعلق ضروری واقفیت بہم پہنچانے کا کافی سامان تصور ہو سکے۔ اگر اس قسم کی کئی کتابیں پہلے لکھی جا چکی ہوتیں تب بھی تاریخ اسلام ایک ایسا ضروری اور اہم مضمون ہے کہ اس پر دوسرے مصنفین کو ہمت آزمائی کا موقع باقی رہتا۔ اور اب کہ میں اپنی ناچیز قابلیت اور معمولی استطاعت کے ساتھ اس کتاب کو مرتب کر کے پیش کر رہا ہوں۔ دوسرے وسیع النظر اصحاب کے لئے یقیناً موقع حاصل ہے کہ وہ اسی طرز پر اس سے بہتر تاریخیں اُردو زبان میں لکھیں۔ اور میرا خیال ہے کہ جس قدر زیادہ اسلامی تاریخیں اُردو زبان میں لکھی جائیں گی۔ اُسی قدر زیادہ مسلمانوں کو اپنی تاریخ کی طرف توجہ ہو گی۔

تاریخِ اسلام کی کیفیت اور حقیقت

تاریخ اسلام درحقیقت ایک مستقل علم یا فن ہے۔ جو اپنے پہلو میں ہزارہا ضخیم کتابیں بالغ نظر اور عالی مقام مصنفین کی لکھی ہوئی رکھتا ہے۔ عام طور پر مسلمان مؤرخین نے اپنے ہم عہد سلاطین یا کسی ایک مُلک یا کسی ایک قوم یا کسی ایک سلطنت یا کسی ایک سلطان یا کسی ایک عظیم الشان واقعہ کی تاریخیں جدا جدا لکھی ہیں۔ بعض مؤرخین نے صرف علمائے اسلام بعض نے صرف حکمائے اسلام۔ بعض نے صرف فقرائے اسلام کی سوانح عمریاں ترتیب دی ہیں۔ غرض اس قسم کی مستند تاریخی کتابیں ہزارہا سے کم ہرگز نہیں ہیں۔ اس تمام عظیم الشان ذخیرہ اور مجموعہ کا نام تاریخ اسلام یا فنِ تاریخ اسلام قرار دیا جا سکتا ہے اور جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے اس ذخیرۂ کتب میں اضافہ ہوتا جاتا ہے.....

اسلامی سلطنتوں اور اسلامی ملکوں کی تعداد بھی اس قدر زیادہ ہے کہ اگر ایک ایک اسلامی مُلک اور ایک ایک اسلامی سلطنت کی ایک ہی ایک تاریخ انتخاب کی جائے تو یہ منتخب مجموعہ بھی دو چار الماریوں میں نہیں بلکہ کتب خانہ کے کئی کمروں میں سما سکتا ہے۔ اُردو زبان میں ایک متوسط درجہ کی تاریخ مرتب کرنا درحقیقت تاریخ اسلام کی کتابوں کا عطر نکالنا

اور خلاصہ در خلاصہ کرنا ہے۔ کسی بہت بڑے منظر کا فوٹو ایک کارڈ پر لے لینا یا کسی عظیم الشان عمارت کی عکسی تصویر کو دانۂ تسبیح کے سوراخ میں رکھ دینا بہت ہی آسان کام ہے لیکن تاریخ اسلام کو کسی ایک کتاب میں جس کی ضخامت صرف دو ہزار صفحات کے قریب ہو مختصر کردینا بے حد دشوار اور نہایت مشکل کام ہے۔ اسی لئے میں خود کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوا ہوں یا نہیں۔ اس کا فیصلہ قارئین کرام ہی کر سکیں گے۔ کہ میری یہ کتاب تاریخ اسلامی کے متعلق کیا حیثیت رکھتی ہے اور مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے۔

جہاں تک واقعات کا تعلق ہے میں نے اس واقعہ اور اس زمانہ کی مستند سے مستند تاریخ کو تلاش کیا اور کئی کئی مورخین کی تاریخوں کو لے کر ان کو پڑھ کر خود اس واقعہ کی نسبت ایک صحیح اور پختہ رائے قائم کی اس کے بعد پھر اپنے الفاظ میں اس کو حتی الامکان مختصر طور پر لکھا جہاں کہیں مورخین کے اختلاف نے ایسی صورت اختیار کی کہ فیصلہ کرنا اور کسی ایک نتیجہ کو مرجح قرار دینا دشوار معلوم ہوا وہاں ہر مورخ کے الفاظ کو بجنسہٖ معہ حوالہ ترجمہ کر دیا ہے۔ جہاں کہیں استخراج نتائج اور اظہار رائے کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں بلا تکلف میں نے اپنی رائے کا اظہار اور اہم نتائج کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔ چونکہ یہ تاریخ اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔ لہٰذا ہندوستانی مسلمان ہی اس سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔ بنا بریں میں نے ان اسلامی ممالک اور ان حکمران مسلمان خاندانوں کے متعلق کسی قدر زیادہ توجہ اور تفصیل سے کام لیا ہے جن کو ہندوستان اور ہندوستانی مسلمانوں سے زیادہ تعلق رہا ہے یا جن کو ہندوستانی زیادہ جانتے اور زیادہ پہچانتے ہیں تاہم جن اسلامی ممالک یا جن مسلم حکمران خاندانوں کو ہندوستان والے کم جانتے پہچانتے ہیں۔ ان سے واقف کرنے اور اسلامی تاریخ کا مکمل نقشہ پیش کرنے میں کوئی کوتاہی عمل میں نہیں آئی ہے۔ صحابہ کرامؓ اور مابعد زمانہ کے اسی قسم کے مشاہیر کی نسبت جن کو کسی نہ کسی اسلامی فرقہ یا گروہ سے کوئی خصوصی تعلق ہے حالات لکھنے میں میں نے کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ایسی تفصیلات سے پرہیز کروں جو مسلمانوں کے اندر نا اتفاقی پیدا کرنے یا جمعیتِ اسلامی کو نقصان پہنچانے کا موجب ہو سکیں۔ لیکن اس احتیاط کو میں نے اس قدر زیادہ اہمیت ہرگز نہیں دی ہے۔ کہ میری کتاب کی تاریخی حیثیت اور میری مورخانہ شان کو کوئی صدمہ پہنچ سکے۔ میں نے اس کتاب کو

ایک اسلامی خدمت اور عبادت سمجھ کر لکھا ہے۔اور اسی لئے خدائے تعالیٰ سے اجر و ثواب کا متوقع ہوں۔

میں اپنی کم بضاعتی و بے مائیگی کا اقرار کرتا ہوں کہ قدم قدم پر میرا ٹھوکر کھانا ممکن اور غلطی سے پاک و مبّرا رہنا عجائبات میں شمار ہو سکتا ہے۔جو صاحب بغرض اصلاح نکتہ چینی کریں گے میں اُن کو محسن سمجھوں گا۔جو صاحب حسد و عداوت کی بناء پر میری عیب شماری میں مصروف ہوں گے اُن کو میں حوالہ بہ خدا کرتا ہوں!

اکبر شاہ خاں نجیب آباد

یکم محرم الحرام ۱۳۴۳ھ

مقدمہ

تاریخ:- علم تاریخ اصطلاحاً اُس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ پادشاہوں۔ نبیوں۔ فاتحوں اور مشہور شخصوں کے حالات اور گذرے ہوئے مختلف زمانوں کے عظیم الشان واقعات و مراسم وغیرہ معلوم ہوسکیں اور جو زمانہ گذشتہ کی معاشرت۔ اخلاق۔ تمدن وغیرہ سے واقف ہونے کا ذریعہ بن سکے۔ بعض شخصوں نے تاریخ کی تعریف اِن الفاظ میں بیان کی ہے کہ انسانوں کے یک جا ہوکر رہنے کو تمدن اور اُس انسانی مجمع کو مدینہ اور اُن مختلف حالتوں کو جو طبعًا اُس کو عارض ہوں۔ واقعاتِ تاریخی اور پچھلوں کو پہلوں سے سُن کر اُن واقعات کو اکٹھا کرنے اور اپنے سے پیچھے آنے والوں کی عبرت اور نصیحت کے لئے بطورِ نمونہ چھوڑ جانے کو تاریخ کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ تاریخ کے جزو آخر کو مقلوب کرکے لفظ تاریخ بنایا گیا ہے۔ اور تاخیر کے معنی ہیں۔ اولین وقت کو آخرین وقت کے ساتھ نسبت دینا مثلاً یہ بتلانا کہ فلاں مذہب یا فلاں سلطنت یا فلاں معرکہ فلاں وقت میں ظاہر ہوا تھا۔ جو واقعات خاص اس وقت میں ظہور پذیر ہوئے۔ اُن سب کے معلوم کرنے کا مبدا یہی وقت ہوتا ہے۔ غرض اسی طرح تاریخ کی تعریف بیان کرنے میں بڑی بڑی موشگافیاں کی گئی ہیں۔ لیکن خلاصہ اور حاصل مطلب سب کا وہی ہے جو اوپر سب سے پہلے بیان ہوچکا ہے۔ اس مذکورہ خلاصہ کا اور بھی خلاصہ کرنا مقصود ہو تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ "جو حالات و اخبار بقیدِ وقت لکھے جاتے ہیں اُن کو تاریخ کہتے ہیں"۔

تاریخ کی ضرورت اور اُس کے فوائد:- تاریخ ہم کو بزرگوں کے حالات سے واقف کرکے دل و دماغ میں ایک بابرکت جوش پیدا کردیتی ہے۔ انسانی فطرت میں ایک خاص قسم کی پیاس اور خواہش ہے۔ جو ممالک کی سیاحی۔ باغوں کی سیر اور کوہ و صحرا کے سفر پر آمادہ کردیتی ہے۔

یہی فطری تقاضا ہے جو بچوں کو رات کو چڑے چڑیا کی کہانی اور جوانوں کو طوطا مینا کی داستان سننے پر آمادہ کرتا ہے۔ اور یہی تقاضا ہے جو فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون کے حکم کی تعمیل اور تاریخی کتابوں کے مُطالعہ کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے۔ اس فطری تقاضے پر نظر فرما کر فطرتوں کے خالق نے کتبِ سماویہ میں چاشنی رکھی ہے۔ بنی اسرائیل کی کیسی عظیم الشان قوم تھی کہ نحن ابناء اللّٰہ واحبائہ تک کہہ گذرے لیکن جب اپنے بزرگوں کے حالات سے بے خبر ہوتے گئے قعر مذلت میں گرتے گئے۔ اسی لئے خدائے تعالیٰ نے یا بنی اسرائیل اذکروا کے الفاظ سے بار بار اُن کو مخاطب فرمایا اور اُن کے بزرگوں کے حالات کو یاد دلایا ہے۔

تاریخ کے فوائد

تاریخ کا مطالعہ حوصلہ کو بلند کرتا۔ ہمّت کو بڑھاتا۔ نیکیوں کی ترغیب دیتا اور بدیوں سے روکتا ہے۔ تاریخ کے مُطالعہ سے دانائی اور بصیرت ترقی کرتی۔ دُور اندیشی بڑھتی۔ حزم اور احتیاط کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ دِل سے رنج و غم دُور ہو کر مسرّت و خوشی میسر ہوتی ہے۔ تاریخی کتابوں کا مطالعہ کرنے والوں میں احقاقِ حق اور ابطال باطل کی قوت ترقی کرتی اور قوت فیصلہ بڑھ جاتی ہے۔ تاریخی مطالعہ سے صبر و استقلال کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ اور دل و دماغ میں ہر وقت تازگی اور نشوونمائی کی کیفیت موجود رہتی ہے۔ غرض کہ علم تاریخ ہزاروں واعظوں کا ایک واعظ اور عبرت آموزی کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ تاریخی مطالعہ کے ذریعہ انسان ہر وقت اپنے آپ کو بادشاہوں۔ فاتحوں۔ رسولوں۔ ولیوں۔ حکیموں۔ عالموں اور باکمالوں کی مجلس میں موجود دیکھتا ہے اور ان تمام معززین سے استفادہ کرتا ہے۔ بڑے بڑے بادشاہوں۔ وزیروں۔ سپہ سالاروں اور حکیموں سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں یہ اُن سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ کوئی علم ایسا نہیں جس کے مطالعہ کو انسان اس قدر مسرّت اور شادمانی کے ساتھ بلا کسی قسم کی کوفت و ماندگی برداشت کئے ہوئے جاری رکھ سکے جیسا کہ تاریخی مطالعہ کو جاری رکھ سکتا ہے۔

قومی خصوصیات کی حفاظت بذریعہ تاریخ:۔ جس قوم کو اپنے تاریخی حالات اور باستانی واقعات

سے پورے طور پر اطلاع ہوتی ہے۔ اُس کے قومی امتیازات اور خصوصیات بھی محفوظ اور قائم رہتے اور قوم کے افراد کا کسی میدان اور کسی مقابلہ میں دل نہیں ٹوٹنے دیتے۔ بلکہ کرہمت کو چُست رکھ کر انجام کار کھوئے ہوئے کمالات تک پھر پہنچا دیتے ہیں۔ وہ شخص جو اپنے باپ دادا کے حالات سے بے خبر ہے موقع پاکر خیانت کر سکتا ہے۔ لیکن جو یہ جانتا ہے کہ میرے دادا نے فلاں موقع پر لاکھوں روپے کی پرواہ نہ کر کے دیانت کو ہاتھ سے نہ دے کر عزت و ناموری حاصل کی اُس سے خیانت کا ارتکاب دشوار ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو اپنے باپ دادا کے حالات سے بے خبر ہے میدانِ جنگ سے جان بچاکر فرار کی عار گوارا کر سکتا ہے لیکن جو واقف ہے کہ میرے باپ نے فلاں فلاں میدانوں میں اپنی جان کو معرض ہلاکت میں ڈال کر میدانِ جنگ سے مُنہ نہ موڑ کر عزت اور شہرت حاصل کی تھی وہ کبھی نہ بھاگ سکے گا اور فرار کا خیال دل میں آتے ہی اُس کے باپ کے کارناموں کی یاد زنجیر پا ہو جائے گی۔ اسی طرح وفا۔صدق۔ مقال۔ پاک دامنی۔ حیا۔ سخاوت۔ وغیرہ اخلاق فاضلہ کو قیاس کر لو۔ بزرگوں کے حالات کی واقفیت ہی دنیا میں بہت کچھ امن اور قوموں میں زندگی کی روح پیدا کر سکتی ہے غالباً اسی بات پر غور کر کے ہماری ہمسایہ قوموں میں سے بعض نے جو اپنی کوئی شاندار تاریخ نہیں رکھتیں فرضی افسانوں اور جھوٹے ناولوں کو تاریخ کا جامہ پہنا کر اپنا کام نکالنا چاہا ہے اور مُطلق پرواہ نہیں کی کہ ہم راست گفتاری کی عدالت اور مورخوں کی مجلس میں کس قدر ذلیل و خوار ٹھیرائے جائیں گے۔

تاریخ اور شرافت نسبی:۔ تاریخ میں چونکہ اچھے آدمیوں کی خوبیاں اور بُرے لوگوں کی بُرائیاں لکھی جاتی ہیں۔ لہٰذا کسی رذیل یا کمینہ خاندان والے کو علم تاریخ سے بہت ہی کم محبت ہو سکتی ہے شریف قوموں کو اپنے آباؤ اجداد کے کارہائے نمایاں یاد ہوتے ہیں جن کی پیروی کو وہ اپنی شرافت قائم رکھنے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ رذیل قومیں امتداد زمانہ کے سبب اپنے بزرگوں کے بزرگ کاموں کو بھی بھول جاتی ہیں۔ کسی خاندان یا قوم کو جس کے باپ دادا نے خدا پرستی۔ جوانمردی۔ علم و ہنر جاہ و حشمت وغیرہ میں خصوصی امتیاز حاصل کیا ہو اور وہ اُس کو بالکل فراموش نہ کر چکے ہوں تو اُن کو بزرگوں کے بڑے بڑے کارنامے بار بار یاد دلا کر عزم و ہمت اور غیرت و حمیت اُن میں پیدا کر سکتے ہیں۔ مگر رذیل قوموں کے اندر یہ کام نہیں ہو سکتا۔ یہی سبب ہے کہ علم تاریخ کا شوق رکھنے والے اکثر شریف القوم۔ عالی نسب۔ بزرگ زادے اور نیک آدمی

ہوتے ہیں۔ کوئی کمینہ خاندان کا آدمی یا خدائے تعالیٰ کا منکر یعنی دہریہ یا کوئی بُزدلی میں شہرت رکھنے والا دُنیا میں اعلیٰ درجہ کا مؤرخ اور تاریخ کا امام نہیں گذرا۔

مؤرخ:۔ بہترین مؤرخ وہ ہوتا ہے جو سالم العقیدہ اور پاک مذہب ہو۔ جو کچھ لکھے وہ بیان واقع ہو۔ نہ کسی بات کو چھپائے نہ کوئی غلط بات اپنی طرف سے بڑھائے۔ جہاں کہیں کم فہم لوگوں کے ٹھوکر کھانے اور غلط فہمی میں مُبتلا ہونے کا اندیشہ ہو وہاں اُس واقع کے متعلق اپنی طرف سے تشریح کر دینا اور حقیقت کو سمجھا دینا جائز ہے۔ مؤرخ کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ نہ کسی کی خوشامد کرے اور نہ کسی سے عداوت رکھے۔ مؤرخ کی عبارت سادہ عام فہم اور بے ساختہ ہونی چاہیئے۔ تکلفات اور قافیہ بندی کے التزام میں مدعائے تاریخ نویسی اکثر فوت ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو تاریخیں نظم میں لکھی گئی ہیں وہ عموماً پایۂ اعتبار سے ساقط سمجھی جاتی ہیں مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ امانت و دیانت میں ممتاز ہو۔ صدق مقال اور حسن اعمال میں خصوصی امتیاز رکھتا ہو۔ جھوٹ سے کوسوں دُور بیہودہ سرائی سے نفور و مہجور رہو۔ تاریخ کی تدوین و ترتیب میں مؤرخ کو بڑی کاوش و جانکاہی سے کام لینا پڑتا ہے۔ پھر بھی حقیقت و اصلیت تک رسائی یقینی نہیں ہوتی۔ علم ہیئت۔ علم طبقات الارض۔ علم تمدن اور مذاہب عالم سے واقف ہونے کے ساتھ ہی مؤرخ کو ذہین۔ نکتہ رس اور مُنصف مزاج ساتھ ہی ادیب اور قادر الکلام بھی ہونا چاہیئے کہ مافی الضمیر کو بآسانی ادا کر سکے۔ باوجود اِن سب باتوں کے بعض ایسی مُشکلات ہیں جن کا حل کرنا قریباً ناممکن ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کے تھیٹر میں شریک ہونے کا حال راوی نے روایت کیا ہے۔ اب اس روایت سے متعدد نتائج مرتب ہو سکتے ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی ایک نتیجہ بھی صحیح ہے یا نہیں:۔

۱۔ وہ شخص جو تھیٹر میں گیا گانا سننے کا بہت شوقین ہے۔

۲۔ گانا سُننے کا شوقین نہیں ہے حسن پرست ہے۔

۳۔ حسن پرست بھی نہیں ہے کسی ایکٹرس پر اتفاقاً عاشق ہو گیا ہے۔

۴۔ کسی پر عاشق بھی نہیں ہے وہاں کسی دوست سے ملنا ضروری تھا۔

۵۔ تھیٹر کے متعلق ایک مضمون لکھنا چاہتا تھا لہٰذا اُس کا دیکھنا ضروری ہوا۔

۶۔ تھیٹر کی مخالفت میں ایک لیکچر دینا تھا اس لئے اُس کے معائب کا مشاہدہ کرنا ضروری ہوا۔

۷۔ خفیہ پولیس میں مُلازم ہے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کے لئے جانا پڑا۔

۸۔ خود تو تھیٹر میں جانے سے متنفر تھا مگر دوستوں نے مجبور کر دیا۔
۹۔ باخدا اور اعلیٰ درجہ کا عابد زاہد تھا۔ لہٰذا لوگوں کی خوش عقیدگی زائل کرنے کے لئے تھیٹر میں چلا گیا۔
۱۰۔ صرف اس لئے گیا کہ وہاں موقع پاکر کسی کی جیب کترے یا کسی کی جیب میں سے اشرفیوں کا بٹوہ نکال لے۔

غرض اسی طرح ایک روایت سے سینکڑوں نتائج مترتب ہو سکتے ہیں۔ پھر کسی ایک نتیجہ کی صحت کے لئے دوسرے اسباب سے تائید حاصل کرنی پڑتی ہے۔ اُن تائیدی اسباب میں بھی اسی طرح مختلف احتمالات ہوتے ہیں۔ اگر مؤرخ منصف مزاج نہیں ہے اور کسی ایک نتیجہ کی طرف پہلے ہی سے اُس کا دل کھچا جاتا ہے تو وہ اُس کے مخالف دلائل کو بڑی آسانی اور بے پروائی سے نظر انداز کر جاتا ہے۔ اور موافق دلائل کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مہیا کر لیتا ہے اس طرح خود گمراہ ہو کر دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش بجا لاتا ہے۔

قارئین تاریخ:۔ جس طرح تاریخ کا مرتب کرنا اور تاریخ کی کتاب لکھنا بے حد دشوار اور مشکل کام ہے۔ اسی طرح تاریخ کا مُطالعہ کرنا اور اُس مطالعہ سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے تاریخ پڑھنے والوں کو چاہیئے کہ حالاتِ رفتگان کے مطالعہ کو عبرت آموزی کا ذریعہ سمجھیں پہلے لوگوں کی غلطیوں اور بداعمالیوں کے بد نتائج سے واقف ہو کر اُن غلطیوں اور بداعمالیوں سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنے کا عزم صمیم کرتے جائیں۔ نیکوں کی نیکیوں کے بہترین نتائج سے مطلع ہو کر اُن نیکیوں کے عامل بننے پر آمادہ ہو جائیں۔ کسی ایسے شخص کو بُرا کہنا یا گالیاں دینا جو اس دُنیا کے تماشا گاہ سے رُخصت ہو چکا ہے جوانمردی سے بعید ہے ہاں کسی گذرے ہوئے سے محبت کا اظہار اور اُس کے لئے دُعائے خیر کرنا اُس کی بُرائیوں کی نیک تاویل کرنا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ مُلکوں۔ شہروں۔ پہاڑوں۔ صحراؤں۔ تماشا گاہوں۔ بازاروں کی سیر کرنا اور تاریخی کتابوں کا مُطالعہ کرنا ایک دوسرے سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ملکوں اور شہروں کا سیاح اپنی ساری عمر کی سیاحت و سفر سے جو تجربہ حاصل کر سکتا ہے تاریخی کتابوں کا پڑھنے والا اس سے زیادہ قیمتی تجربہ اپنے ایک دن یا ایک ہفتہ کے مطالعہ سے کر سکتا ہے۔ تاریخی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا جس قدر بے جا تعصب میں مُبتلا ہو گا اُسی قدر اُس کو تاریخی مُطالعہ کا نفع کم ہو گا۔

تاریخ کے ماخذ:۔ تاریخ کے ماخذوں کو عموماً تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ... یعنی
آثارِ مضبوطہ:۔ آثارِ مضبوطہ سے مراد تمام لکھی ہوئی چیزیں ہیں۔ مثلاً کتابیں یادداشتیں دفتروں کے کاغذ، پروانے، فیصلے، دستاویزیں اور احکام وغیرہ۔
آثارِ منقولہ:۔ آثارِ منقولہ سے مراد زبان زد باتیں ہیں۔ مثلاً کہانیاں نظمیں، ضرب الامثال وغیرہ۔
آثارِ قدیمہ:۔ آثارِ قدیمہ سے مراد پرانے زمانے کی نشانیاں ہیں۔ مثلاً شہروں کے خرابے قلعے۔ مکانات۔ عمارتوں کے کتبے۔ پتھروں کی تصویریں پرانے زمانے کے ہتھیار۔ سکے۔ برتن وغیرہ۔ لیکن ان ہر سہ اقسام کے سامانوں سے فائدہ اٹھانا اور تاریخ مرتب کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اعلیٰ درجہ کی ذہانت۔ محنت۔ ہمت شوق اور بصیرت کے بغیر یہ تمام سامان ہیچ معلوم ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں ان قوموں کے مخصوص مراسم مخصوص عادات و خصائل۔ مخصوص خط و خال اور جغرافیائی حالات بھی بہت کچھ مؤرخ کے لئے مددگار ثابت ہو جاتے ہیں۔

اقسامِ تاریخ:۔ مختلف اعتبارات سے تاریخ کی بہت سی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً باعتبارِ کمیت دو قسمیں، عام اور خاص ہو سکتی ہیں۔ عام تاریخ وہ ہے جس میں ساری دنیا کے آدمیوں کا حال بیان کیا جائے۔ خاص وہ جس میں کسی ایک قوم یا ایک ملک یا ایک خاندان کی سلطنت کا حال بیان کیا جائے۔ باعتبارِ کیفیت تاریخ کی دو قسمیں روایتی اور درایتی ہیں۔ روایتی تاریخ وہ ہوتی ہے جس میں راوی کا بیان اس کے مشاہدہ کی بنا پر درج کیا گیا ہو اور اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے متعلق قابلِ قبول اور تسکین بخش روایتیں مؤرخ کو حاصل ہو گئی ہوں یا مؤرخ نے براہِ راست اس واقعہ کو خود مشاہدہ کیا ہو۔ ایسی تاریخیں سب سے زیادہ مفید اور قابلِ قدر سمجھی جاتی ہیں۔ اور ان میں قیاس کے گھوڑے دوڑانے اور موہوم باتوں کو حقیقت کا جامہ پہنانے کی کوشش نہیں کرنی پڑتی۔ بلکہ ان تاریخوں سے فہم و عقل اگر غلطی کرے تو اس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ درایتی تاریخ اُس تاریخ کو کہتے ہیں جو محض آثارِ قدیمہ و آثارِ منقولہ اور عقلی ڈھکوسلوں کے ذریعے ترتیب دی گئی ہو۔ اور ہم عہد مؤرخ یا ہم عہد راوی کا بیان اس کے متعلق مطلق دستیاب نہ ہو سکتا ہو۔ جیسے کہ قدیم مصر۔ قدیم عراق۔ قدیم ایران کی تاریخیں آج کل لکھی گئی ہیں۔ ان تاریخوں سے بھی بہت کچھ فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن یقینی علم

کسی طرح بیشتر نہیں ہو سکتا۔

تاریخی زمانے:۔ بعض مؤرخین نے تاریخ کو تین زمانوں پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) قرونِ اُولیٰ۔

(۲) قرونِ وُسطیٰ۔

(۳) قرونِ متاخرہ۔

قرونِ اولیٰ میں ابتدائے عالم سے سلطنت روما کے آخر تک کا زمانہ شامل ہے۔
قرونِ وسطیٰ میں سلطنتِ روما کے آخر زمانہ سے قسطنطنیہ کی فتح کا زمانہ جب یہ شہر سلطان محمد ثانی عثمانی کے ہاتھ پر فتح ہوا شامل ہے۔

دنیا کے بعض عظیم الشان واقعات سے دوسرے واقعات کے زمانوں کا پتہ دیا جاتا ہے مثلاً پیدائشِ آدم سے اتنے برس بعد۔ یا طوفان نوح سے اتنے برس پہلے یا بعد۔ یا پیدائش عیسیٰ علیہ السّلام یا بکرماجیت یا آنحضرتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مکّہ سے مدینہ کو ہجرت فرمانے یا کسی پادشاہ کے تخت نشین ہونے کے زمانے سے برسوں کا شمار کر لیا جاتا ہے۔
آج کل دُنیا میں سب سے زیادہ عیسوی اور ہجری سنین رائج ہیں۔

اسلامی تاریخ:۔ دنیا کی تمام قوموں اور تمام مذہبوں میں صرف اِسلام ہی ایک ایسا مذہب اور مُسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جس کی تاریخ شروع سے لے کر اخیر تک بتمامہ مکمل حالت میں محفوظ و موجود ہے اور اُس کے کسی حصّے اور کسی زمانے کی نسبت شک وشبہ کو کوئی دخل نہیں مل سکتا۔ مُسلمانوں نے آنحضرت صلعم کے زمانہ سے لے کر آج تک مسلمانوں پر گذرنے والے حالات وواقعات کے قلم بند کرنے اور بذریعہ تحریر محفوظ کرنے میں مُطلق کوتاہی اور غفلت سے کام نہیں لیا مُسلمانوں کو بجا طور پر فخر ہے کہ وہ اِسلام کی مکمّل تاریخ ہم عہد مؤرخین اور عینی مشاہدوں کے بیان سے مرتب کر سکتے ہیں۔ اور پھر ان ہم عہد مؤرخین اور مستند ثقہ راویوں کے بیانات میں تواتر کا درجہ بھی دکھا سکتے ہیں۔ غرض کہ صرف مُسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جو اپنی مستند اور مکمل تاریخ رکھتی ہے۔ اور دُنیا کی کوئی ایک قوم بھی ایسی نہیں جو اس خصوصیت میں مسلمانوں کی شریک بن سکے۔ مؤرخین اِسلام نے یہاں تک احتیاط ملحوظ رکھی ہے کہ ہر ایک واقع اور ہر ایک کیفیت کو جوں کا توں بیان کر دیا اور اپنی رائے مطلق نہیں لکھی کیونکہ اس طرح اندیشہ تھا کہ مؤرخ کا خیال یا مؤرخ کی خواہش تاریخ کا مُطالعہ کرنے والے کو متاثر کرے اور واقع کا

حقیقی اثر اپنی آزادی زائل کر دے۔ اور مطالعہ کرنے والا مورخ کے مخصوص خیال کا مقلد ہو جاتے۔
اسلامی تاریخ کی عظمت و ہیبت اُس وقت اور بھی قلب پر طاری ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اسلامی تاریخ کے جس حصّہ کو چاہیں اصُولِ درایت پر پرکھ لیں اور علوم عقلیہ کی کسوٹی پر کس لیں۔ کوئی کھوٹ، کوئی نقص، کوئی سقم کسی جگہ نظر نہیں آسکتا۔

تاریخ التاریخ:۔ بابل و نینوہ کے کھنڈرات، ریگستان نجد میں عاد و ارم کے ستون، مصر کے اہرام، بُت بامیان وغیرہ کو دیکھ کر اُن کے بنانے والوں کا حال معلوم کرنے کی خواہش انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ لوگوں نے بابلیوں کے حالات لکھنے کی کوشش کی ہے اور اپنی ناتمام درایت کی بنا پر بہت سی روایتیں جمع کر لی ہیں۔ عجیب در عجیب قسم کے حروف اور مصری علامات سے عبارتیں اور بانیانِ اہرام کے حالات مرتب کئے جا سکتے ہیں۔

ژندواوستا۔ وساتیر و سفرنگ۔ موجودہ صحائف و بائیبل۔ والمیکی رامائن۔ مہابھارت ایسی کتابیں ہیں جن سے کچھ غلط صحیح حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ ہر ایک زبان کے محاورات ضرب الامثال۔ پتھر کے ہتھیار۔ لوہے کے اوزار۔ چاندی سونے تانبے وغیرہ کے زیورات پتھر کی مورتیں۔ مصر کی محفوظ لاشیں اشوک کی لاٹھیں۔ ایلورا کے مغارات۔ اصنام سارناتھ و ساپخی۔ خرابۂ اصطخر۔ تختِ رستم۔ دیوار چین وغیرہ یہ سب کچھ مل ملا کر دلچسپی کا سامان ہے اور اس سامان سے اگرچہ تمام ربع مسکون پر پوری اور حسب ضرورت روشنی نہیں پڑتی تاہم کہیں کہیں ہلکی اور مدہم تاریخی شعاعیں نظر آجاتی ہیں۔ ہندیوں کی جھوٹی سچی کہانیاں۔ مصریوں کے پُرانے کتبے۔ چینیوں کی روایاتِ قدیمہ۔ ایرانیوں کے کھنڈر۔ یونانیوں کی تحریریں بالخصوص ہیروڈوٹس کی تصنیف اسرائیلی روایات، عربی اخلاق۔ یہ تمام مجموعہ تاریخ کا ایک ضروری اور ابتدائی حصّہ ہے۔

آغازِ تاریخ

رومیوں اور یونانیوں کے دَور بالخصوص سکندر اعظم کی فتوحات سے تاریخ کا وہ حصہ شروع ہوتا ہے جس نے دُنیا کے اکثر ملکوں کے حالات کو اس طرح ہمارے سامنے پیش کیا کہ سلسلہ کو درمیان سے منقطع ہونے کی بہت کم نوبت آتی ہے۔ اور عام طور پر یہیں سے

تاریخی زمانہ کی ابتدا بھی جاتی ہے۔یونان۔مصر اور ایران کے حالات مُطالعہ کرنے سے جس طرح
تاریخی مطالعہ کے شوقین کو خوشی حاصل ہوتی ہے اسی طرح ہندیوں پر اُس کو طیش وغضب آتا ہے
کہ اس تاریخی زمانہ میں بھی ہندوستان پر تاریکی چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔یہاں والوں کی اس بے پروائی
نے مورخین عالم کو ہمیشہ خون بہ جگر بنایا کہ انھوں نے فرضی باتوں کو ہمیشہ سچ کا قالب پہنایا۔
اور سچ کو کبھی سیدھی طرح نہ سنایا۔اس آباد و سر سبز ملک ہندوستان کے مقابلہ میں ایک دوسرا
ریگستانی ملک عرب ہے۔جو روایات کی صحت۔حافظہ کی قوت۔سلسلۂ انساب کو محفوظ رکھنے
اور واقعات کو اُن کی من وعن حالت میں بیان کرنے کے لئے ہندوستان کی ضد ہے۔اور اسی
لئے وہ لوگ عین جاہلیت بھی تاریخی سرمایہ میں ایک قیمتی چیز شمار ہوتے ہیں۔

تاریخ کی حقیقی ابتدا

اب قرآن کریم نازل ہوتا ہے۔عرب تمام دنیا پر چھا جاتا ہے۔سارے تمدن عربی تمدن کے
آگے هباءً منثورا ثابت ہوتے ہیں۔اور حقیقی معنی میں تاریخ کی ابتدا ہوتی ہے۔احادیث
کی روایت کے اہتمام اور فنِ اسماء الرجال وغیرہ کے مرتب و مدوّن ہونے کے عظیم الشان کام
اور اہم ترین انتظام سے قطع نظر کی جائے تب بھی مسلمانوں میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں مورخ
ایسے ملیں گے جن میں سے ہر ایک نے فن تاریخ کی تدوین میں وہ وہ کارہائے نمایاں کئے
ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔تمدن کی کوئی شاخ اور معاشرت کا کوئی پہلو ایسا نہ ملے گا جس
پر مسلمانوں نے تاریخیں مرتب نہ کی ہوں۔تاریخ کی جان اور روح رواں روایت کی صحت ہے
اور اس کو مسلمانوں نے اس درجہ ملحوظ رکھا ہے کہ آج بھی مسلمانوں کے سوا کسی دوسری قوم کو
بطور مثال پیش نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری اقوام اور دوسرے ممالک کی تاریخیں مرتب کرنے میں
بھی مسلمانوں کی طرف سے نہایت زبردست صلاحیتیں صرف کی گئی ہیں۔فنِ تاریخ کو علم کے
درجہ تک پہنچانے کا کام مسلمانوں ہی کی نظر التفات کا رہینِ منت ہے اور اُصولِ تاریخ کے بانی
ابن خلدون کا نام دنیا میں ہمیشہ مورخین سے خراج تکریم وصول کرتا رہے گا۔جب سے مسلمانوں
پر تنزل و ادبار کی گھٹا ئیں چھائی ہوئی ہیں اور مسلمان مورخین کی کوششوں میں وہ پہلی سی
مستعدی اور تیز رفتاری کم ہو گئی ہے۔اُن کے شاگرد یعنی یورپی مورخین اس کمی کو ایک حد

تک پورا کرنے میں مصروف ہیں۔

تاریخ سلطنت:۔ انسان کو دوسرے حیوانات کے مقابلہ میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ دوسرے حیوانات اپنی طاقتوں میں محدود رکھے گئے ہیں اور پیدائشی طور پر اُن کے حسب ضرورت محدود سامان بلا اُن کی سعی و کوشش کے دے دیا گیا ہے لیکن انسان کو موقع دیا گیا ہے کہ جس قدر سعی و کوشش کرے گا۔ اُسی قدر ترقی کا میدان اپنے سامنے وسیع پائے گا۔ اس مدعا کو دوسرے الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ انسان ہر وقت سفر میں رہنے اور پستی سے بلندی کی طرف انتقال کرتے رہنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ انسانوں میں جو انسان زیادہ سفر طے کر لیتا یا یوں کہئے کہ زیادہ بلندی پر پہنچ جاتا ہے وہ چونکہ اپنے سوا دوسرے ہم جنسوں کو پیچھے یا نیچے دیکھتا ہے اس لئے اگرچہ وہ حقیقتاً کامل نہیں ہوتا لیکن نسبتاً کامل اور دوسرے اُس کے مقابلہ میں ناقص ہوتے ہیں۔ اور چونکہ اس نسبتاً کامل کے لئے ہمیشہ ترقی کی گنجائش باقی ہے اس لئے وہ باوجود ایک نسبتی کمال کے اپنے آپ کو ناقص ہی پاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ انسان کی فطرت میں عبودیت یعنی حقیقی واہب ترقیات کی فرماں برداری ودیعت کی گئی ہے۔ ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون جو انسان سب سے اوپر اور سب سے آگے نظر آتا ہے وہ چونکہ ایک مجازی اور نسبتی خیال رکھتا ہے لہٰذا عام انسان اپنی فطرت کے تقاضے سے مجبور ہیں کہ اُس کے سامنے فرماں برداری کا اظہار کریں اور یہی فلسفہ ہے پادشاہت اور حکومت کا اور اسی سے وہ مقولہ بھی سمجھ میں آ جاتا ہے کہ پادشاہ مجازی خدا ہوتا ہے۔ یہ بات فراموش نہیں ہونی چاہئے کہ پادشاہ یا فرماں روا نسبتی کامل ہے نہ حقیقی۔ کیونکہ حقیقی کمال جس وجود میں پایا جائے گا وہ مطلق ہوگا نہ محدود۔ اور محیط ہوگا نہ محاط۔ اور منفرد ہوگا نہ متعدد۔ اور باقی ہوگا نہ فانی۔ اور واجب ہوگا۔ نہ ممکن وغیرہ اور اُسی ذات واجب الوجود کا نام خدائے تعالیٰ ہے۔ جو ہر ایک نقص۔ ہر ایک عیب اور ہر ایک بُرائی سے مبرا اور تمام صفات حسنۂ کاملہ سے متصف ہے اور وہی حقیقی پادشاہ۔ حقیقی نافذ الفرمان اور حقیقی حاکم ہے۔ غرضکہ انسان چونکہ ہر حالت میں اپنے آپ کو ناقص دیکھنے کی فطرت رکھتا ہے اس لئے فرماں برداری اور اطاعت بھی اس کی فطرت ہوئی اور اسی فطرت کے خلاف کرنے سے حقیقی فرماں روا نے اس کو روکا ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ مجازی نافذ الفرمان یا پادشاہ وہی ہو سکتا ہے جو دوسروں کے مقابلہ میں کمال رکھتا ہو۔ پس

ہر ایک صاحبِ کمال کا اپنے آپ سے نیچے درجے والوں کو زیرِ فرمان دیکھنے کی توقع کرنا بھی
ایک فطری تقاضا ہوا۔ لیکن چونکہ انسان میں اپنی فطرت کے خلاف کرنے اور اپنی قوتوں کو
ترقی دینے کی بجائے تنزل کرنے کی بھی استعداد ہے اس لئے ضروری تھا کہ ایسا بھی دیکھا جائے
کہ ایک انسان جو ایک وقت میں دوسروں سے بہت ناقص اور پیچھے ہو جائے یا یہ کہ وہ
ناقص اور پیچھے ہونے کی حالت میں اپنی فطرت کے خلاف اُس چیز کی خواہش کرے۔
جو کسی طرح اس کا حق نہیں بلکہ ایک کامل کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومتوں اور بادشاہتوں
کے سلسلہ میں ہمیشہ کشمکش اور تلاطم ہی نظر آتا ہے۔ نافذالفرمان ہونے کی دو بڑی قسمیں
ہیں۔ ایک روحانی دوسری جسمانی۔ یا یوں کہئے کہ ایک نبوت اور دوسری سلطنت۔
وہ کمالات جن کا سلطنت اور مادی حکومت سے تعلق ہے اور جو حکومت و فرماں برداری
کا موجب بنتے ہوتے دیکھے گئے ہیں۔ اُن کا تذکرہ طالوت اور داؤد علیہ السّلام کی پادشاہتوں
کے ذکر میں اس طرح ہے کہ وقال لھم نبیھم ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا
یعنی اُن کے نبی نے اُن سے کہا کہ خدائے تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ بنایا ہے
بنی اسرائیل نے طالوت کی پادشاہت کا حال سُنکر اعتراض کیا تو جواب ملا کہ ان اللہ
اصطفٰہ علیکم وزادہٗ بسطۃً فی العلم والجسم یعنی خدائے تعالیٰ نے طالوت کو
تمہارے اوپر پادشاہت کرنے کے لئے منتخب فرمالیا ہے اور طالوت کو علم اور جسم میں فوقیت
حاصل ہے۔ پھر آگے داؤد علیہ السّلام کی نسبت فرمایا۔ وقتل داؤدُ جالوت اٰتٰہ اللہ الملک
والحکمۃ وعلمہ مما یشاء۔ تاریخی مطالعہ سے جہاں تک پتہ چلتا ہے یہی معلوم
ہوتا ہے کہ جس شخص کو کسی قوم کی عصبیت کا مرکز بننے اور علمی و جسمانی طور پر فوقیت حاصل
کرنے کا موقع ملا وہ خودا اُس قوم کا فرماں روا اور سلطان تسلیم کرلیا گیا۔ اب سے تین ہزار
سال پیشتر تک قوتِ جسمانی اور پہلوانی وبہادری ہی حکومت و سلطنت حاصل کرنے کے لئے
ضروری چیز سمجھی جاتی تھی۔ جس کے ساتھ قوتِ دماغی بھی ایک ضروری چیز تھی۔ اس کے بعد بتدریج
نسلِ انسانی میں جوں جوں دوسرے صفات پیدا ہوتے گئے اُسی مناسبت سے پادشاہوں
کے صفات اور پادشاہت کی شرائط میں اضافہ ہوتا گیا غرض کہ دنیا میں ہمیشہ پادشاہ کا
مفہوم بہترین اور قیمتی انسان رہا ہے اور فتنہ و فساد کے ہنگامے۔ قتل و غارت کے حوادث
اُسی وقت رونما ہوئے جب کہ غیر مستحق یعنی ناقابل پادشاہت شخص کو تختِ حکومت

پر جگہ ملی۔ اس کلیہ میں کسی جگہ استثنا نہ پاؤ گے اور اس حقیقت کے خلاف ہرگز دوسری بات ثابت نہ کر سکو گے۔ ہر ایک انسان چونکہ اپنی پیدائش اور فطرت میں یکساں حقوق اور یکساں مرتبہ رکھتا ہے۔ لہٰذا اکتسابی صفات اور سعی کوشش کے نتائج سے جو فضائل حاصل ہو سکتے ہیں وہی انسان کو حکومت و فرماں روائی کا مقام دلا سکتے ہیں۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ ہر بزرگ خاندان اپنی صفاتِ حسنہ کی وجہ سے اپنے خاندان والوں کا فرماں روا اور بادشاہ ہے۔ ہر گاؤں کا نمبردار اپنے گاؤں کا فرماں روا اور بادشاہ ہے اور یہ نوع انسان کی ابتدائی زمانہ کی حکومت و سلطنت کے نمونے ہیں۔ جو آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اور ہم اُن میں کوئی نقص اور کوئی سقم نہیں نکال سکتے ہاں اگر نقص اور سقم بنایا جا سکتا ہے تو اسی حالت میں جب کہ افراد خاندان میں سے غیر مستحق اور ناقابل شخص کو بزرگ خاندان مانا گیا ہو یا گاؤں کا نمبردار۔ برادری کا چودھری۔ محلہ کا میر محلہ اُس گاؤں۔ اُس برادری۔ اُس محلہ کا بہترین شخص نہ ہو۔

شخصیّت اور جمہُوریت

انسانی نسل جہاں ایک طرف اشرف المخلوقات اور مخدوم کائنات ہے دوسری طرف اُس کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ کسی ایک اعلیٰ اور طاقتور ہستی کو اپنا مرکز اور مقتدا بنا کر رہے اور یہی فطری تقاضا ہے جو اس کو توحید باری تعالیٰ کی طرف رہبری کرتا اور تمام معبودانِ باطلہ سے منحرف بنا کر اکیلے خدا کی پرستش پر آمادہ کرتا ہے۔ شیطانی فریب کاریوں میں سب سے بڑی فریب کاری یہ تھی کہ انسان نے حکومت و سلطنت کے لئے قابلیت اور صفاتِ حسنہ کی شرط کو فراموش کر کے وراثت اور نسب کے تعلق کو حکومت اور بادشاہی کے لئے بطور شرطِ لازم تسلیم کر لیا۔ اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے شخصوں کو جو بادشاہت اور حکومت کے حق دار نہ تھے محض بادشاہ کی اولاد ہونے کے سبب بادشاہ بننے اور مستحق بادشاہت لوگوں کو ذلیل و خوار بنانے کا موقع ملنے لگا۔ نوعِ انسان کی اسی غلطی نے دنیا میں بڑی بڑی خرابیاں اور ہنگامہ آرائیاں برپا کیں اور بنی آدم کو اپنی اس غلطی کے بڑے بڑے خمیازے بھگتنے پڑے۔

قرآنِ کریم نے نازل اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مبعوث ہو کر دنیا کی اس عالمگیر گمراہی اور نوعِ انسان کی اس عظیم الشان غلط روی کا علاج کیا اور جامع جمیع کمالات انسانیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود حکومت و فرماں روائی کر کے فرائض رسالت و نبوت کے علاوہ دنیوی بادشاہت و حکومت کا بھی بہترین نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور نوعِ انسان کو بتایا کہ بادشاہ کے فرائض کیا ہوتے ہیں اور اُس کے اختیارات کی حدود کیا ہیں۔ آپؐ کے بعد آپ کے اوّلین فیض یافتہ اور بہترین تربیت حاصل کردہ گروہ یعنی صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی تعلیم کے موافق بہترین شخص یعنی مستحقِ حکومت اور قابل فرماں روائی انسان کا انتخاب کیا۔ اور عملی طور پر پہلی مرتبہ یہ شیطانی طلسم ٹوٹا کہ حکومت و فرماں روائی کے لئے وراثت قابلِ لحاظ ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب بھی جائز استحقاق اور اُسی صحیح اُصول پر ہوا اُن کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب اگرچہ وراثت اور نسب کے تعلقات کا لحاظ کئے بغیر ہوا مگر مسلمانوں کے بعض طبقات اور بعض افراد کو اس انتخاب میں قدرے انقباض رہا اور خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رشتہ داروں اور ہم قبیلہ لوگوں کی رعایت زیادہ مرعی رکھی۔ چنانچہ اُن کا زمانہ فتن سے خالی نہ رہا۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے بحیثیت رسول جس طرح ۲۳ سال تک اپنی زندگی کا نمونہ نوع انسان کی زندگیوں کو سدھارنے کے لئے پیش کیا۔ اسی طرح سلہ سے سئلہ تک یعنی ۲۳ سال تک سلطنت و فرماں روائی کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جس طرح آنحضرت صلعم کی زندگی کے ۲۳ سال نوعِ انسان کے لئے قابل اقتداء ہیں۔ اُسی طرح آنحضرت صلعم کی مدنی زندگی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے کل ۲۳ سال سلاطین عالم کے لئے قابل تقلید ہیں۔

خلافت راشدہ کے بعد انسانی کمزوری اور شیطانی فریب کاری نے پھر وراثت کے تعلقات کو حصولِ سلطنت کے لئے ضروری قرار دے دیا۔ اور حکومت و سلطنت بجائے اس کے کہ مستحق اور قابل افراد کا حصہ ہوتی ہے مخصوص خاندانوں کا حق سمجھی جانے لگی اور لائق فرماں رواؤں کے بعد ان کے نالائق بیٹے تختِ حکومت پر جلوہ فرما نظر آنے لگے اور ان نالائقوں سے تخت سلطنت پاک کرنے کے لئے لوگوں کو بڑی بڑی محنتیں اور اذیتیں برداشت

کرنی پڑیں۔ بالآخر ان مصیبتوں سے تنگ آکر لوگوں نے اس جمہوریت کا سہارا پکڑا جو فرانس و امریکہ وغیرہ کی ممالک میں آج کل نظر آتی ہے۔ حالانکہ جس طرح وراثتی شخصی سلطنتیں نوع انسان کے لئے مضر تھیں۔ اسی طرح یہ جمہوریتیں بھی نوع انسان کے لئے مفید و بابرکت نہیں ہو سکتیں فطرت انسانی کے عین موافق اور ہر طرح مفید و بابرکت وہی طرز حکومت ہے۔ جس کا نمونہ سنہ ہجری کی ابتدائی چہارم صدی نے پیش کیا تھا۔ اور وہ جمہوری و شخصی سلطنتوں کی ایک درمیانی حالت ہے۔

جمہوری سلطنت :۔ جمہوری حکومت میں تین یا پانچ سال کی مدت کے لئے ایک شخص کو عام رعایا اپنا حکمران منتخب کرتی ہے۔ جس کو صدر جمہوریہ یا پریسیڈنٹ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس صدر جمہوریت کو پورے وہ اختیارات حاصل نہیں ہوتے جن کی نوع انسان کے ایک حقیقی سلطان کو ضرورت ہے۔ بعض معمولی کاموں میں بھی پریسیڈنٹ کو مجبور ہو جانا اور اپنی خواہش کے خلاف کام کرنا پڑ جاتا ہے۔ گویا حکومت کا کوئی ایک حقیقی مرکز نہیں ہوتا۔ اور امر سلطنت منقسم ہو کر تمام افراد ملک یا افراد قوم سے متعلق ہوتا ہے۔ بظاہر یہ نظام سلطنت بہت ہی دل پسند اور خوش گوار معلوم ہوتا ہے اور عوام چونکہ اپنے اوپر خود حکومت کرنے کا موقع پاتے اور جبر و استبداد کی زنجیروں کو ٹوٹا ہوا دیکھنے سے خوش ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اپنا بہت کچھ نقصان بھی کرتے ہیں۔ نسل انسانی کی شرافت خلیع الرسن اور بہمہ جہت آزاد ہونے کے خلاف واقع ہوئی ہے۔ یہی سبب ہے کہ فرانس و امریکہ وغیرہ میں جہاں جمہوری نظام قائم ہے وہاں روحانیت جو مذہب قائم کرنا چاہتا ہے بالکل تباہ و برباد ہو گئی ہے۔ روحانیت و مذاہب کے سکھائے ہوئے اعلیٰ اخلاق کسی ایسے ملک میں قائم ہی نہیں رہ سکتے جہاں جمہوریت کا سیلاب موجیں مار رہا ہو۔ جمہوریت کا نظام سلطنت انسان کو ایسی آزادروش پر ڈالنا اور اس قدر خلیع الرسن بنانا چاہتا ہے کہ انسان خدا شناسی اور خدا پرستی کے خیالات کو تادیر قائم نہیں رکھ سکتا۔ خالص جمہوری نظام حکومت سب سے زیادہ قومی تحریک دہریت اور لامذہبیت کی ہے۔ جس طرح ریگستان میں کھیتی پیدا نہیں ہو سکتی۔ پانی سے نکل کر مچھلی زندہ نہیں رہ سکتی۔ تاریک مقام اور کثیف ہوا میں انسان تندرست نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح خالص جمہوری نظام حکومت کے ماتحت مذہبی خیالات۔ مذہبی پابندیاں۔ مذہبی عبادات نشو و نما نہیں

پا سکتے اور کوئی خدائی مذہب تادیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مذہب کا اصل الاصول پابندی وفرماں برداری ہے اور چونکہ مذہب کی پابندی انسانی فطرت کے اس صحیح جذبہ کو زندہ رکھتی ہے کہ ہر اعلیٰ اور مستحق تکریم ہستی کو اعلیٰ مقام دیا جائے اور اُس کی تکریم کی جائے اور خدائے تعالیٰ چونکہ سب سے اعلیٰ اور حقیقی کمال رکھتا ہے لہٰذا اُس کی جناب میں سر بسجود ہوکر سبحان ربی الاعلیٰ کا اقرار کیا جائے۔ دنیا میں ہر ایک نبی۔ ہر ایک رسول۔ ہر ایک ہادی نے یہ جائز مُطالبہ کیا ہے کہ تمام انسان میرے احکام کو مانیں اور میری فرماں برداری بجالائیں اور اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اُن رسولوں، نبیوں، ہادیوں اور رہبروں کی فرماں برداری اور اُن کے احکام کی بلاچون وچرا تعمیل کرنے ہی سے نسلِ انسانی نے ہمیشہ فلاح پائی ہے اور اس فرماں برداری ہی کے نتیجہ میں نسلِ انسانی ذلّت وپستی کے مقامات سے نکل کر اس اوج وترقی کے مقام تک آئی ہے۔ پس جو چیز یا جو نظام حکومت اس روشِ ستودہ کے لئے سم قاتل ہو اور انسان کو ہر ایک پابندی سے آزاد ہوکر خلیع الرسن رہنے کی ترغیب دیتا ہو وہ نتیجہ میں نوع انسان کے لئے ہرگز مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں ہر ایک باپ اپنے بیٹے سے فرماں برداری کی توقع رکھتا ہے اور بیٹے کے لئے یہی مفید ہے کہ وہ اپنے باپ کی فرماں برداری کرے۔ ہر ایک اُستاد اپنے شاگردوں سے فرماں برداری کا خواہاں ہے اور شاگردوں کے لئے یہی مفید ہے کہ وہ اُستاد کی فرماں برداری کریں۔ ہر ایک پیر اپنے مُریدوں سے فرماں برداری کا خواہش مند ہے۔ اور مُریدوں کے لئے یہی مفید ہے کہ وہ پیر کی فرماں برداری کریں۔ ہر ایک لیڈر اور ہر ایک رہبر اپنے پیروؤں سے پیروی اور فرماں برداری کا خواہاں ہے اور اُن کے لئے یہی مُفید ہے کہ وہ پیروی اور فرماں برداری بجالائیں۔ ہر ایک سپہ سالار میدانِ جنگ میں اپنے سپاہیوں سے اپنے احکام کی تعمیل چاہتا ہے۔ اور سپاہیوں کے لئے یہی مفید ہے کہ وہ اپنے سپہ سالار کی بلاچون وچرا فرماں برداری کریں۔ جمہوریت کا مجموعی اثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی۔ شاگرد اپنے استاد کی۔ مُرید اپنے پیر کی۔ عوام اپنے لیڈر کی سپاہی اپنے سپہ سالار کی اطاعت وفرماں برداری کو اپنے لئے محنت اور سراسر گراں محسوس کرنے لگتے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ تمام چیزیں زائل ہوکر انسان اس دہریت اور لامذہبیت کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اُس کو انسانیت سے خارج کرکے بہیمیت

کے مقام پر لانا چاہتی ہے۔ جمہوریت کا نظام چونکہ مذہبیت کے خلاف واقع ہوا ہے لہٰذا جس قدر مذہبیت کو صدمہ پہنچے گا اُسی قدر امن و امان اور راحت و اطمینان ملک و قوم سے فنا ہو جائے گا۔ کیونکہ حقیقی مدنیت اور حقیقی امن و سکون صرف مذہب کی بدولت دنیا میں قائم ہو سکتا ہے حکومت و سلطنت اس معاملہ میں ہمیشہ ناکام رہی ہے۔ گھروں کے اندر۔ تنہائی کے موقعوں، بیابانوں۔ ریگستانوں، راستوں وغیرہ میں انسان حکومت کی طاقت اور پولیس کی نگرانی سے بالکل آزاد ہوتا ہے ان مقامات پر قتل۔ چوری۔ زنا وغیرہ جرائم سے مذہب ہی باز رکھ سکتا ہے نہ حکومت۔ اگر روئے زمین کے تمام باشندے لامذہب ہو جائیں تو سطح زمین کشت و خون۔ قتل و غارت۔ چوری۔ زنا۔ جھوٹ۔ فریب وغیرہ بدتمیزیوں اور شرارتوں سے لبریز ہو کر نوعِ انسان کے لئے جہنم بن جائے۔

یورپ و امریکہ کی جمہوریتوں میں ہم کوئی ایسی چیز نہیں دیکھتے جس کے لئے بجا طور پر ہمارے دل میں رشک پیدا ہو سکے۔ انھیں ملکوں میں لامذہبیت زیادہ پائی جاتی ہے۔ انھیں میں معاشرت انسانی بے حیائی کی طرف زیادہ مائل ہے۔ انھیں میں وعدہ خلافی۔ بے وفائی۔ خود مطلبی۔ دروغ بیانی۔ دھوکہ دہی وغیرہ لوگوں کے عام چال چلن کا جزو بن جاتے ہیں۔ جمہوری حکومتوں میں کوئی نپولین۔ کوئی قیصر ولیم۔ کوئی جولیس سیزر۔ کوئی تیمور کوئی ہنی بال، کوئی صلاح الدین۔ کوئی سلیمان قانونی۔ کوئی شیر شاہ۔ کوئی عالمگیر کبھی ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا اور پیدا ہو کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ کسی خالد بن ولید کا پیدا ہونا تو بہت ہی بڑی بات ہے۔ انسانی فریب خوردگیوں اور انسانی پست ہمتیوں کی غالباً یہ سب سے زیادہ بدنما اور عظیم الشان مثال ہے کہ ہم آج بعض مسلمانوں کو بھی یورپ و امریکہ والی جمہوریتوں کا خواہشمند دیکھ رہے ہیں۔ جو اسلام کی تعلیم کے سراسر خلاف اور بنی نوع انسان کے لئے بڑی ہی خطرناک چیز ہے۔ مسلمانوں کے خیالات کا یہ تغیر نتیجہ ہے اُن کی بزدلی اور کم ہمتی کا۔ یہ بزدلی اور کم ہمتی مذہب سے ناواقف ہونے اور قرآن و حدیث پر نظر نہ کرنے کے سبب پیدا ہوئی ہے۔

شخصی وراثتی سلطنت: جب کوئی شخص تخت سلطنت کا مالک اور تاج حکومت پر متصرف ہو جاتا ہے تو نسب اور خون کا تعلق اور اس کی فطری محبت کا تقاضا اس کو مجبور کرتا ہے۔

کہ وہ اس امر کی کوشش کرے کہ اُس کے بعد جس طرح اُس کا بیٹا اُس کی مملوکات ومقبوضات کا وارث و مالک ہوگا۔ اسی طرح اُس کی پادشاہت وحکومت کا بھی وارث ہو۔ لیکن یہ اُس کی غلطی ہوتی ہے۔ کیونکہ پادشاہت اُس کی ملکیت نہ تھی بلکہ وہ ایک امانت تھی جو ملک وقوم نے اُس کے سُپرد کر رکھی تھی۔ اُس کا کیا حق ہے کہ یہ امانت پر تصرف کرے اور باختیار خود کسی کے سپرد کرے۔ امانت ہمیشہ اُس کے مالک کو سپرد ہونی چاہیئے۔ لہٰذا اُس پادشاہ کے بعد پادشاہت کا کسی دوسرے کے سپرد کرنا ملک وقوم کا کام ہے۔ نہ اُس پادشاہ کا۔ لیکن پادشاہ یا خلیفہ یا حکمران چونکہ سب کا متاع اور بڑی بڑی طاقتوں پر عامل وقابض ہوتا ہے لہٰذا اُس کو اس خیانت سے باز رکھنے اور اس غلط کاری سے بچانے کے لئے اُس بڑی ہمت اور اُس قوی ارادے اور اُس طاقتور قلب اور اُس بلند حوصلہ کی ضرورت ہے جو اسلام اپنے ہر ایک پیرو میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور جو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور قرآن حکیم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اندر پیدا کر دیا تھا۔ مسلمانوں نے تعلیم اسلام کی طرف سے اعراض کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اُس ہمّت۔ ارادے اور حوصلہ میں کمی واقع ہوگئی جو اسلام نے پیدا کیا تھا اور وہ اپنے حکمرانوں کو اس خیانت سے باز نہ رکھ سکے۔ بلکہ کم ہمتی کے سبب حکمرانوں کی اس خیانت پر رضامند ہوگئے۔ بالآخر شخصی وراثتی سلطنت کی رسم بد جو خلافت راشدہ کے عہد مسعود میں مٹ چکی تھی مُسلمانوں میں جاری ہوگئی اور اُس رسم بد پر رضامند ہوجانے کا خمیازہ مسلمانوں کو بارہا بھگتنا پڑا۔ وراثت ولیعہدی کی نامعقول وناستودہ رسم نے بسا اوقات ایسے ایسے نالائق وناہنجار لوگوں کو مسلمانوں کا حکمران بنایا جن کو معمولی بھلے آدمیوں کی مجلس میں بھی جگہ نہیں ملنی چاہیئے تھی۔ بے شک مسلمانوں کا کوئی ایک ہی سُلطان یا خلیفہ یا حکمران ہونا چاہیئے لیکن وہ مسلمانوں کا بہترین شخص ہو اور مُسلمان اُس کو کثرت رائے یا اتفاق رائے سے منتخب کریں۔ کسی شخص کا کسی خلیفہ یا پادشاہ کے گھر پیدا ہونا ہرگز ہرگز اس امر کے لئے مستلزم نہیں ہے کہ وہ قابلیتِ حکومت بھی رکھتا ہو۔

اگر یہ وراثت والی رسم مسلمانوں کے اندر جاری نہ ہوتی اور امر سلطنت اسی طرح محفوظ رہتا جیسا کہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں محفوظ رہا تو آج اسلامی حکومت اور مسلمانوں کی یہ حالت نہ ہوتی جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن مشیّتِ ایزدی نے یہی

چاہا اور قضا و قدر کے نوشتے پورے ہو کر رہے۔ مسلمان اگر شروع ہی سے اس کے مخالف رہتے اور امر حکومت کو محفوظ رکھنے کے لئے کوشش وسعی میں کمی نہ کرتے۔ تو اگرچہ اول اول اُن کو بڑی بڑی قربانیاں اور زیادہ محنتیں برداشت کرنی پڑتیں۔ لیکن پھر کسی حکمران کو اس امر کی جرأت نہ رہتی کہ وہ اپنے بعد اپنے بیٹے کو حکمران منتخب کرانے اور ولی عہد بنانے کی جرأت کرتا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک سے زیادہ بیٹے اس قابل تھے کہ وہ حکمرانی کر سکیں اور امورِ سلطنت کو چلا سکیں لیکن انھوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسلمانوں میں بہترین شخص پایا اور اُنھیں کے لئے مسلمانوں سے فرمائش اور سفارش کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ یقیناً اِس قابل تھے کہ مسلمانوں کے خلیفہ ہوں۔ لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس رسم بد کو مٹانے اور بالکل مستاصل کرنے کے چونکہ خواہشمند تھے۔ لہٰذا انھوں نے نہ اِس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ناقابلِ خلافت تھے بلکہ صرف اِس لئے کہ وراثتی حکومت کا رواج مٹ جائے خاص طور پر وصیت فرمادی کہ عبداللہ بن عمرؓ ہرگز خلیفہ منتخب نہ کئے جائیں۔

لوگوں کی سب سے بڑی نادانی اور نابینائی یہ ہے کہ وہ شخصی حکومت کی بُرائیاں اور شخصی حکومت کے نقصانات دیکھ دیکھ کر ان بُرائیوں اور نقصانوں کا اصل سبب دریافت نہیں کرتے بلکہ شخصی حکومت کے عام طور پر مخالف ہو کر جمہوریت کی مدح سرائی شروع کر دیتے ہیں۔ شخصی حکومتوں کی جس قدر بُرائیاں ہم کو نظر آتی ہیں۔ اُن سب کا اصل الاصول یہ ہے کہ شخصی حکومت نے وراثت میں دخل پالیا ہے اور پادشاہ یا حکمران کے انتخاب کا حق لوگوں سے چھن گیا ہے۔ پس عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بُرائیوں کے اصل منبع یعنی وراثت کی رسم کو سلطنت کے معاملہ میں دخیل نہ ہونے دیں اور باپ کے بعد اُس کے بیٹے کو اگر وہ سب سے بہتر نہیں ہے تو ہرگز اپنا حاکم نہ بننے دیں اور اگر وہی سب سے بہتر ہے تب بھی اپنے اختیار اور جمہور کی عام منظوری کے بعد اُس کو حکمران تسلیم کریں۔ یہ کونسی دانائی ہے کہ ایک غلطی سے بچنے کے لئے دوسری ویسی ہی غلطی کے مرتکب ہوں۔ شخصی حکومت میں پادشاہ کو زیادہ مظالم اور زیادہ نالائقیوں کے ارتکاب کا موقع عوام کی بُزدلی اور کم ہمتی کے سبب مل جاتا ہے۔ بُزدلی اور پست ہمتی کے سبب

جو اطاعت و فرماں برداری کی جاتی ہے اُس میں اور اُس فرماں برداری میں جو احساسِ فرض اور استحقاق کی بنا پر کی جاتی ہے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ شاید یہ بات اِس طرح سمجھ میں آجائے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بعض عامل جو صوبوں کے گورنر ہیں کہتے ہیں کہ ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ہاتھ ہمارے نیچے کے جبڑے پر ہے اور ایک اوپر کے جبڑے پر۔ اگر ہم ذرا بھی بے راہ روی اختیار کریں تو عمرؓ ہمارے دونوں جبڑے فوراً چیر ڈالے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم خالد بن ولیدؓ کے پاس پہنچتا ہے اور وہ سپہ سالار افواج کے مرتبے سے گرا کر ایک ماتحت بنا دیئے جاتے ہیں۔ اور خالد بن ولیدؓ جیسا فتح مند سالار لشکر بلا چون وچرا حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ اب دوسری طرف دیکھو کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو برسرِ منبر ٹوکا جاتا ہے اور ایک معمولی شخص اُن کی امانت و دیانت کا امتحان لیتا ہے۔ ایک عورت مہروں کی نسبت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ایک تقریر سُن کر بلا تکلف اعتراض کرتی ہے۔ اور خلیفۂ وقت کو برسرِ منبر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ مدینہ کی عورتیں بھی مجھ کو میری غلطی سے آگاہ کر سکتی ہیں۔ اب غور کرو کہ یہ کس قسم کی فرماں برداری ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی کی جاتی ہے۔ دوسری طرف اُس فرماں برداری کو دیکھو جو اس آخری زمانہ میں سلاطین مغلیہ کی اُن کے درباروں میں اور اطرافِ مُلک میں کی جاتی تھی مگر نہ صرف پنجاب۔ سندھ۔ دکن۔ بنگال وغیرہ صوبوں بلکہ آگرہ والہ آباد اور دلی کے صوبوں میں بھی شاہی احکام کی تعمیل نہ ہوتی تھی۔

شخصی جمہوری سلطنت:۔ اسلام نے دُنیا میں جس قسم کی حکومت کرنی چاہی ہے اور جو نمونہ صدرِ اسلام میں پیش کیا ہے اُس کو شخصی جمہوری سلطنت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اسلام کا مجوزہ نظامِ حکومت خالص جمہوری اور خالص شخصی سلطنتوں کی درمیانی حالت سمجھنا چاہیے۔ خلیفہ یا شہنشاہ یا حکمران کے انتخاب میں ہر اسلامی طبقہ کو اظہار رائے کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ مستحق حکومت وخلافت اور مسلمانوں کے بہترین شخص کے انتخاب میں تمام وہ صورتیں اختیار کر لینی جائز ہیں۔ جن کے ذریعہ کا امکان نہ رہے اور بہترین شخص کا تعین ہو جائے۔ کسی اساسی قانون یا دستور العمل یا جدید نظامِ حکومت کے بنانے کی مسلمانوں کو ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید سنتِ نبوی صلعم اُن کے پاس موجود

ہے۔ پس بہترین شخصیت کے انتخاب کر لینے کا کام بھی مسلمانوں کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ جو شخص قرآن و حدیث سے زیادہ واقف اور اُس کی زندگی قرآن و سنّت کے سانچے میں زیادہ ڈھلی ہوئی نظر آتی ہو وہ زیادہ مستحق اس امر کا ہے کہ مسلمانوں کا حاکم بنایا جائے۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے موافق ملک و قوم کو چلانا اور احکامِ خدا اور رسول کو نافذ کرنا مسلمانوں کے حاکم کا خاص کام ہے مسلمان اپنے حکمران کو اگر وہ خدا و رسول کے حکم کی مخالفت میں کوئی حرکت کرے فوراً ٹوک اور روک سکتے ہیں لیکن اُس کے ہر ایک حکم کی تعمیل کو جو قرآن و سنّت و حدیث کے خلاف نہ ہو ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ ضروری سمجھے اور اُس سے بغاوت و سرکشی کا خیال تک بھی دل میں نہ آنے دے۔ مسلمانوں کا حکمران اگر بے راہ روی اور خدا و رسولؐ کے صاف احکام کی خلاف ورزی اختیار کرے تو فوراً معزول کیا جا سکتا ہے لیکن اگر وہ اپنے فرائض اور ملک و قوم کی خدمات خدا ترسی اور نیک نیتی کے ساتھ بجا لاتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہو سکتی ہے کہ ایک تجربہ کار۔ مفید ملک و قوم نیک طینت اور قیمتی شخص کو محض اس لئے برطرف کیا جائے اور نئے شخص کے انتخاب کی زحمت گوارا کی جائے کہ اس سے پہلے خلیفہ یا حکمران کو تین یا پانچ سال کی مدت گذر چکی ہے۔ مسلمانوں کا خلیفہ درحقیقت مسلمانوں کا خادم یا مسلمانوں کا چوکیدار و پاسبان یا امین ہوتا ہے۔ پس کسی خادم یا پاسبان یا امین کو اگر وہ اپنے فرائض عمدگی سے بجا لاتا ہے۔ ہم کیوں اُس کے فرائض سے ہٹائیں۔ اور کسی نئے تجربہ کی مصیبت میں اپنے آپ کو مبتلا کریں۔ مسلمان اپنے خلیفہ سے کوئی قانون بنوانا نہیں چاہتے۔ مسلمان اپنے خلیفہ کو اپنے روپیہ سے عیش پرستی و تن پروری کا موقع بھی نہیں دینا چاہتے۔ مسلمانوں کا خلیفہ ایک نہایت معتدل اور معقول نظام کے ماتحت امیروں سے بقدر مناسب مال و دولت وصول کرتا اور اُس کو غریبوں۔ مفلسوں۔ یتیموں وغیرہ حاجت مندوں کے لئے خرچ کرتا ہے۔ مسلمانوں کی سلطنت کا تمام خزانہ مسلمانوں کا مشترک مال ہے اور وہ اُنھیں کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ ہوتا ہے نہ یہ کہ مسلمانوں کا خلیفہ یا پادشاہ اُس کو ذاتی ملکیت سمجھے اور اپنے اختیار سے جو چاہے کرے۔ مسلمانوں کی سلطنت میں چونکہ اُمراء سے ایک مناسب ٹیکس وصول کیا جاتا اور محتاجوں کو دیا جاتا ہے۔ لہٰذا قوم میں سرمایہ داروں اور مزدوری پیشہ لوگوں کے درمیان وہ کشمکش پیدا ہی نہیں

ہو سکتی جس میں آج تمام یورپ گرفتار ہے۔ مسلمانوں کا خلیفہ مسلمانوں کا چوکیدار و پاسبان بھی ہوتا ہے اور اُن کا سرپرست و مربی بھی۔ وہ مسلمانوں کا باپ بھی ہوتا ہے اور اُن کا اُستاد و پیر بھی۔ مسلمانوں کا خلیفہ مسلمانوں کا اتالیق بھی ہوتا ہے اور اُن کا سپہ سالار بھی۔ وہ مسلمانوں کا خادم بھی ہوتا ہے اور اُن کا شہنشاہ بھی۔ اگر کوئی اہم معاملہ پیش آجائے مثلاً کسی ملک پر چڑھائی یا کسی قوم سے لڑائی کرنی ہو۔ کسی سے صلح کرنی ہو۔ کسی کی مدد کے لئے فوج بھیجنی ہو۔ مسلمانوں کی حفاظت اور ملک کے امن و امان کی خاطر کونسی مؤثر تدبیر اختیار کرنی چاہیئے وغیرہ ایسے تمام اہم معاملات میں مسلمانوں کا خلیفہ مسلمانوں سے ضرور مشورہ کرتا ہے کیونکہ قرآن کریم نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ لیکن اس مشورے کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ عام لوگ اپنی کثرت رائے سے خلیفۂ وقت اور ملک و قوم کے حکمران کی رائے کو معطل کر کے اُس کے خلافِ منشا، عمل درآمد کرانے پر مجبور کرسکیں بلکہ اس مشورے کا منشا صرف یہ ہوتا ہے خلیفۂ وقت کو ایک رائے قائم کرلینے میں مدد ملے۔ یعنی خلیفہ سب کی رائے سُنتا اور مخالف و موافق دلائل سے آگاہی حاصل کرتا اور آخر میں ایک بہترین رائے قائم کر کے اُس پر عمل درآمد شروع کر دیتا ہے۔ وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔

مذکورۂ بالا نظامِ حکومت جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے خلافتِ راشدہ میں اُس کا نمونہ نظر آسکتا ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد مسلمانوں کی حکومت کا نظام عام طور پر شخصی و وراثتی سلطنت میں تبدیل ہو گیا لیکن تعلیم اسلام کی خوبیاں اور اسلامی اخلاق کے جلوے اکثر ملکوں اور اکثر خاندانوں کی حکومت میں نمایاں طور پر نظر آتے رہے اور مجموعی طور پر مسلمانوں نے جیسی حکومت کی ایسی اچھی اور قابلِ تعریف حکومت کسی دوسری قوم کو میسر نہیں آئی۔ جمہوری حکومت جس کی مثالیں یورپ و امریکہ پیش کر رہے ہیں ہرگز ہرگز اُس نظامِ حکومت کا مقابلہ نہیں کرسکتی جو اسلام دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے۔

... ...

ہمارا نقطۂ آغاز

عام طور پر مسلمان مورخین نے اپنی کتابوں کو آدم علیہ السلام بلکہ بعض نے تو پیدائش زمین و آسمان سے شروع کیا ہے۔ میں اپنی تاریخ اسلام کو آنحضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شروع کرنا چاہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کے حالات شک واشتباہ سے خالی نہیں اور آپ کے زمانہ سے پہلے دنیا میں تاریخ نویسی کا کوئی خاص اہتمام بھی نہیں تھا نیز یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے تاریخ اسلام کی ابتدار بھی سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ عرف عام میں آپ ہی کو بانی اسلام اور آپ ہی کی اُمت کو اہل اسلام کہا جاتا ہے۔ ورنہ حقیقتاً تو ابو البشر آدم علیہ السلام کے وقت سے اسلام دنیا میں موجود چلا آتا ہے۔

تاریخ اور جغرافیہ کا تعلق

جغرافیہ کو تاریخ کے ساتھ یقیناً نہایت قوی تعلق ہے اور اسی لئے زمانہ حال میں جو تاریخیں یورپی مورخین کی تقلید میں لکھی گئی ہیں۔ اُن کے ساتھ جغرافیہ بھی شامل کردیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت لکھنے والوں نے بھی ملکِ عرب کا جغرافیہ توضیح مطالب کے لئے لکھنا ضروری سمجھا ہے۔ لیکن چونکہ مسلمانوں کی مکمل اور ساتھ ہی مختصر تاریخ لکھنی منظور ہے لہٰذا میں اگر اپنی کتاب کا کوئی خاص حصہ جغرافیہ کے لئے مخصوص کروں تو اُس میں ساری دنیا کا جغرافیہ لکھنا پڑے گا کیونکہ مسلمان اور اُن کی حکومت قریباً تمام دنیا سے تعلق رکھتی ہے اور یہ اختصار کو مدِنظر رکھتے ہوئے بے حد دشوار ہے۔ بنا بریں مجھ کو اس حسنِ ظن سے فائدہ اٹھانا پڑا ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والے دُنیا کے جغرافیہ سے ضرور واقف ہوں گے۔ اور مُلکوں کے نقشے بھی اُن کے پاس موجود ہوں گے یا وہ خود فراہم کرلیں گے تاہم ارادہ ہے کہ حسبِ ضرورت کہیں کہیں مُلکوں اور صوبوں کے نقشے اس کتاب میں شامل کردیئے جائیں۔ زمانہ

جاہلیت۔ اقوام عرب۔ قریش۔ مراسم جاہلیت وغیرہ کے حالات بھی اس کتاب میں زیادہ تفصیل اور زیادہ شرح وبسط کے ساتھ نہ ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں میں نے سب سے زیادہ صحاح ستہ سے فائدہ اُٹھانا ضروری سمجھا ہے۔ اور حدیث کی کتابوں کو تاریخ کی کتابوں پر ترجیح دی ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں تاریخ طبری۔ تاریخ الکامل ابن اثیر۔ تاریخ مسعودی تاریخ ابوالفدا۔ تاریخ ابن خلدون۔ تاریخ الخلفا سیوطی وغیرہ کا مابہ الاشتراک نکال کر درج کردیا ہے اور اسی ترکیب سے تاریخ کا بہترین خلاصہ درج کیا ہے۔ خلافت عباسیہ کے ضعف وانحطاط کا زمانہ شروع ہونے پر جس جس ملک میں اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں اُن سب کے حالات عموماً جدا جدا اور ہم عہد مورخین کی کتابوں سے لئے ہیں کہیں کہیں میں نے عیسائی مورخین کے حوالے بھی دیئے ہیں اور اُن کی عبارتیں بھی نقل کردی ہیں لیکن وہ محض اثبات مدعا اور گواہ کے طور پر۔ عام طور پر میرا عقیدہ یہ ہے کہ عیسائیوں کی لکھی ہوئی تاریخیں مسلمان مورخین کی تاریخوں کے مقابل میں بہت ہی ادنیٰ درجہ کی ہیں اور ہم کو اپنی تسکینِ قلب اور تحقیق حقیقت کے لئے اُن کی طرف ہرگز متوجہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ہر عیسائی مورخ روایت کی صحت کے معاملہ میں حد سے زیادہ بے پرواہ اور بد احتیاط دیکھا جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ اپنی تمام تر طاقت اور قابلیت فیصلہ نگاری اور رائے زنی میں صرف کرکے تاریخ کو ایک افسانہ یا ناول بنانا چاہتا ہے مسلمان مورخین بحمد اللہ تعالیٰ اس عیب سے بہت کچھ محفوظ نظر آتے ہیں اور اسی لئے وہ بطور ثقہ گواہ کے ہماری بہت کچھ مدد کرسکتے ہیں۔

اس تاریخ سے مسلمان کس قسم کے منافع حاصل کرسکتے ہیں اور اس میں کون کون سے ایسے مقامات ہیں جو زیادہ غور زیادہ تامل اور زیادہ توجہ کے مستحق ہیں یہ اور اسی قسم کی اور ضروری باتوں کا حال اس تبصرہ سے معلوم ہوگا جو اس کتاب کے خاتمہ پر لکھنے کا عزم رکھتا ہوں۔ وباللہ التوفیق ؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تاریخِ اسلام (جلد اوّل)

پہلا باب

مُلکِ عرب

مُلک عرب کا کچھ نہ کچھ تذکرہ شروع میں اس لئے ضروری ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب کے مشہور شہر مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور دوسرے شہور مدینہ منورہ میں آپ نے ہجرت فرمائی اور وہی اسلامی سلطنت کا ابتدائی دارالسلطنت قرار پایا۔ عرب ہی وہ ملک ہے جو آنحضرت صلعم کی زندگی میں قریباً سب کا سب مسلمان ہو چکا تھا۔ یہی ملک عرب شوکتِ اسلام کی ابتدائی جلوہ گاہ ہے۔ اسی ملک عرب کی زبان میں کامل وحی اور آخری آسمانی کتاب نازل ہوئی جو تمام ملکوں، تمام قوموں اور قیامت تک تمام زمانوں کے لئے مکمل ہدایت ہے۔ اسی ملک عرب سے ہر چہار سمت ساری دُنیا میں اسلام کی روشنی پھیلی اور اسی ملکِ عرب میں خانہ کعبہ ہے جس کی طرف ہر سال دنیا کے ہر ملک اور ہر خطہ سے مسلمان کھنچے چلے جاتے اور میدان عرفات میں سب مل کر خدائے قدوس کی حمد و ثنا اور مناجات و دُعا میں مصروف نظر آتے ہیں۔ جہاں شاہ و گدا سب کی ایک حالت ہوتی ہے اور خالق ارض و سما کی عظمت و کبریائی قلوب پہ مستولی ہو جاتی ہے۔ یہی ملک عرب ہے جو تمام دنیا پر غالب ہوا اور ساری دنیا کے لئے مشعلِ راہ اور چراغ ہدایت بنا۔

محل وقوع اور تقسیم ملکی:۔ ایشیا کے نقشہ میں جنوب کی جانب ہندوستان سے مغرب کی طرف ایک بہت بڑا مستطیل نما جزیرہ نما نظر آتا ہے اسی کو جزیرۃ العرب یا ملک عرب کہتے

ہیں جس کی حدود اربعہ یہ ہیں۔

مشرق میں خلیج فارس اور بحر عمان۔ جنوب میں بحر عرب یا بحر ہند۔ مغرب میں بحر قلزم اور نہر سویز۔ شمال میں ملک عرب کا رقبہ بارہ تیرہ لاکھ میل مربع ہے جس میں چار پانچ لاکھ میل مربع کے قریب خالص ریگستانی اور غیر آباد رقبے شامل ہیں۔ سب سے مشہور ریگستان الربع الخالی یا الدھنا کے نام سے موسوم ہے جس کا رقبہ ڈھائی لاکھ میل مربع ہے اور وسط عرب میں مائل بجنوب ومشرق واقع ہے۔ اس ریگستان عظیم کے شمال میں الحسا یا بحرین کا صوبہ ہے جو خلیج فارس کے ساحل پر واقع ہے۔ ربع خالی کے شمال ومشرق میں عمان کا صوبہ ہے جس کا دارالصدر اور مشہور شہر مسقط ہے یہ صوبہ بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے۔ ربع خالی کے جنوب ومشرق میں حضرموت اور مہرہ کے صوبے ہیں۔ جو بحر عرب اور بحر ہند کے ساحل پر واقع ہیں۔ ربع خالی کے جنوب ومغرب میں یمن کا مشہور صوبہ ہے جس کا سب سے مشہور شہر صنعاء ہے یہ صوبہ بحر ہند اور بحر قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔ اسی میں عدن اور حدیدہ کے بندرگاہ ہیں۔ ربع خالی کے مغرب اور یمن کے شمال میں نجران کا صوبہ ہے جو بحر قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔ ظہور اسلام کے وقت یہ صوبہ ملک عرب میں عیسائیوں کا مرکزی مقام تھا۔ ربع خالی کے مغرب اور نجران کے شمال میں عسیر کا صوبہ ہے جو بحر قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔ نجران اور عسیر دونوں صوبے صوبہ یمن کے حصے سمجھے جاتے ہیں۔ عسیر کے شمال میں جو بحر قلزم کے ساحل پر ایک چھوٹا سا علاقہ تہامہ ہے وہ حجاز میں شامل یعنی حجاز کا جنوبی حصہ سمجھا جاتا ہے۔ ربع خالی کے شمال میں بہ شکل مربع نجد کا وسیع صوبہ ہے جس کے مشرق میں صوبہ بحرین۔ مغرب میں صوبہ حجاز اور شمال میں صحرائے شام واقع ہے۔ نجد کے جنوبی ومشرقی حصہ کا نام یمامہ ہے۔ نجد کے مشرق اور بحر قلزم کے مغرب میں صوبہ حجاز واقع ہے جس میں مکہ۔ مدینہ اور جدہ وینبوع کے بندرگاہ واقع ہیں۔ حجاز کے مغرب اور نجد کے شمال ومشرق میں ایک چھوٹا سا علاقہ خیبر ہے۔ شام وحجاز ونجد کے مابین ایک علاقہ حجر ہے ربع خالی کے اندر حضرموت ویمامہ کے درمیان الاحقاف ایک مشہور غیر آباد رقبہ ہے جو کسی زمانہ میں قوم عاد کا مسکن تھا۔ ان تمام مذکورہ بالا مقامات پر نقشہ میں نظر ڈال لینے سے ملک عرب کے صوبوں اور مشہور علاقوں کا صحیح تصور ذہن میں قائم ہو سکتا ہے۔

آب وہوا اور باشندے :۔ ملک عرب میں کوئی مشہور اور قابل تذکرہ دریا نہیں ہے قریباً تمام ملک خشک ریگستانی اور بنجر زمین پر مشتمل ہے۔ سمندر کے کنارے جو علاقے واقع ہیں۔

اُن میں کچھ سرسبزی اور آبادی ہے۔ پانی کی نایابی نے درمیانی حصوں میں انسانی آبادی کو غیر ممکن اور سخت دشوار بنا دیا ہے تمام آباد علاقے ساحل سمندر پر واقع ہیں۔ صرف ایک نجد کا وسیع صوبہ ہے جو ربع خالی کے شمال اور وسطِ ملک میں واقع ہے نجد ایک سطح مرتفع ہے جس میں بڑے بڑے ریگستان بھی واقع ہیں اور نجد کے ریگستانوں کا سلسلہ ملک شام کے وسیع ریگستانوں سے جا ملا ہے۔ مُلک عرب میں جا بجا پہاڑوں کے سلسلے بھی واقع ہیں لیکن کوئی پہاڑ سرسبز و شاداب نہیں ہے۔ بحر قلزم کے ساحلی صوبے یعنی یمن اور حجاز وغیرہ باقی تمام صوبوں پر شادابی و سرسبزی میں فوقیت رکھتے ہیں۔ کل مُلک عرب کی آبادی سوا کروڑ کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ گویا فی مربع میل دس آدمی آباد ہیں۔ دھوپ سخت شدت سے پڑتی ہے۔ لو ایسی تند و تیز چلتی ہے کہ اس کا نام بھی سموم یا زہریلی ہوا رکھا گیا ہے۔ انسان کی تو حقیقت کیا ہے اونٹ جیسا ریگستانی جانور بھی سموم کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور باد سموم کے ایک جھونکے سے مر کر رہ جاتا ہے۔ اونٹ اس ملک میں بڑا کار آمد جانور ہے۔ سینکڑوں کوس مسافر کو پانی کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ اونٹ ریگستانی جہاز ہے اسی پر بڑے بڑے سفر طے کئے جاتے ہیں۔ کھجور کے سوا کوئی قابل تذکرہ پیداوار نہیں اس ملک کے باشندے اونٹ کے دودھ اور کھجور کے پھل پر اپنی گذران کر لیتے ہیں۔ ملک کی آبادی کا ایک بڑا حصہ خانہ بدوشی کی حالت میں بسر کرتا ہے اسی لئے بڑے بڑے شہر بہت کم ہیں۔ حالیؔ مرحوم نے عرب کا نقشہ اس طرح تیار کیا ہے ؎

عرب کچھ نہ تھا اک جزیرہ نما تھا — کہ پیوند مُلکوں سے جس کا جُدا تھا
نہ وہ غیر قوموں پہ چڑھ کر گیا تھا — نہ اس پر کوئی غیر فرماں روا تھا
تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایہ
ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا
نہ آب و ہوا ایسی تھی روح پرور — کہ قابل ہی خود جس سے پیدا ہوں جوہر
نہ کچھ ایسے ساماں تھے واں بیستر — کنول جس سے کھل جائیں دل کے سراسر
نہ سبزہ تھا صحرا میں پیدا نہ پانی
فقط آبِ باراں پہ تھی زندگانی
زمیں سنگلاخ اور ہوا آتش افشاں — لُوؤں کی لپٹ بادِ صرصر کے طوفاں

پہاڑ اور ٹیلے سراب اور بیاباں کھجوروں کے جھنڈ اور خارِ مغیلاں
نہ کھیتوں میں غلہ نہ جنگل میں کھیتی
عرب اور کُل کائنات اس کی یہ تھی

اس کتاب کی گنجائشِ اوراق اس سے زیادہ جغرافیۂ عرب کی نسبت کچھ لکھنے کی اجازت نہیں دیتی۔

عرب کی قدیم قومیں

مُلک عرب میں قدیم سے سام ابن نوحؑ کی اولاد آباد رہی ہے زمانہ کے اعتبار سے باشندگانِ عرب کو مورخین نے تین طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی عرب بائدہ۔ عرب عاربہ۔ عرب مستعربہ بعض نے عاربہ اور مستعربہ کو ایک ہی قسم قرار دے کر عرب بائدہ و عرب باقیہ دو ہی قسمیں قرار دی ہیں۔ عرب بائدہ سے وہ قومیں مراد ہیں جو سب سے قدیم زمانہ میں مُلک عرب کے اندر آباد تھیں اور وہ سب کی سب ہلاک ہوگئیں اُن کی نسل اور کوئی نشان دُنیا میں باقی نہیں رہا۔ عرب باقیہ سے مُراد وہ قومیں ہیں جو مُلکِ عرب میں پائی جاتی ہیں۔ اُن کے بھی دو طبقات ہیں۔ جو عاربہ و مستعربہ کے نام سے موسوم کیے گئے ہیں۔ بعض نے اہل عرب کو چار طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ اوّل عرب بائدہ یا عرب عاربہ۔ دوم عرب مستعربہ۔ سوم عرب تابعہ۔ چہارم عرب مستعجمہ۔

عرب بائدہ:۔ ان سب سے قدیم باشندوں کے مختلف قبائل تھے جن کے نام عاد۔ ثمود۔ عبیل عمالقہ۔ طسم۔ جدیس۔ اُمیم۔ جرہم۔ حضرموت۔ جضور۔ عبد ضخم وغیرہ ہیں۔ یہ سب کے سب لاذ ابن سام ابن نوحؑ کی اولاد سے تھے۔ ان کا تمام جزیرہ نمائے عرب میں دور دورہ رہا اور ان کے بعض بادشاہوں نے مصر تک کو فتح کیا۔ اُن کے تفصیلی حالات تاریخوں میں نہیں ملتے لیکن نجد و احقاف و حضرموت و یمن وغیرہ میں ان لوگوں کی بعض عمارات اور آثارِ قدیمہ۔ بعض پتھروں کے ستون۔ بعض زیورات۔ بعض سنگ تراشیاں ایسی موجود ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے زمانہ میں یہ لوگ خوب طاقتور اور صاحب رعب و جلال ہوں گے۔ ان قبائل میں عاد بہت مشہور قبیلہ ہے یہ قوم ارض احقاف میں رہتی تھی۔ عاد ابن عوص ابن ارم۔ ابن سام جس

کے نام سے یہ قوم مشہور ہوئی عرب کا سب سے پہلا بادشاہ تھا۔اُس کے تین بیٹے۔(۱) شدّاد (۲) شدید (۳) ارم تھے۔جو یکے بعد دیگرے سلطنت کرتے رہے۔ علّامہ زمخشری نے اسی شدّاد ابن عاد کی نسبت لکھا ہے کہ اُس نے صحرائے عدن میں مدینہ ارم بنوایا تھا۔ مگر اس مدینہ ارم یا باغ ارم کا کوئی نشان کہیں نہیں پایا جاتا۔ قرآن کریم میں بھی ارم کا ذکر آیا ہے۔لیکن اس سے مُراد قبیلۂ ارم ہے نہ مدینۂ ارم، یا باغِ ارم۔ قبیلۂ ارم غالباً اسی قبیلۂ عاد کا دوسرا نام تھا یا قبیلۂ عاد کی ایک شاخ تھا یا قبیلۂ عاد قبیلۂ ارم کی ایک شاخ تھا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ الم تر کیف فعل ربک بعادٍ ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلھا فی البلاد (کیا تم نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ تمھارے پروردگار نے عادِ ارم کے لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جو ایسے بڑے قدآور تھے کہ قوت جسمانی کے اعتبار سے دنیا کے شہروں میں کوئی مخلوق اُن جیسی پیدا نہیں ہوئی) مسعودی نے لکھا ہے۔ کہ عاد سے پیشتر اُس کا باپ عاص بھی پادشاہ تھا۔ اسی خاندان کے ایک پادشاہ جیرون ابن سعد ابن عاد ابن عوص نے دمشق کو تاخت و تاراج کیا اور سنگ مرمر اور قیمتی پتھروں سے ایک مکان بنوایا تھا جس کا نام اُس نے ارم رکھا تھا۔ ابن عساکر نے بھی تاریخ دمشق میں جیرون کا ذکر کیا ہے۔قبیلۂ عاد یا قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السّلام جو قوم عاد سے خدائے تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر بن کر مبعوث ہوئے۔ اس کی قوم نے نافرمانی کی راہ اختیار کی اور عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئی۔ یہ ذکر قرآن مجید میں مفصّل مذکور ہے۔ عاد کے بعد عبیل۔ عمالقہ۔ ثمود۔ عبد ضخم وغیرہ قبائل کی حکومتیں رہیں یہاں تک کہ یعرب بن قحطان نے ان کا خاتمہ کرکے دوسرا دور شروع کیا۔ قبیلۂ ثمود یا قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السّلام مبعوث ہوئے تھے۔ ثمود مقام حجر میں رہتے تھے۔ طسم اور جدیس دونوں قبیلوں کا مقام یمامہ تھا اور عمالقہ کا مقام تہامہ۔ قبیلۂ جرہم کا مقام یمن تھا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ملکِ عرب کے تمام طبقات سام ابن نوحؑ کی اولاد سے ہیں۔ لہٰذا اگلے صفحہ پہ ایک شجرہ درج کیا جاتا ہے جس سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکے گی کہ ان قبائل اور طبقات کے آپس میں کیا تعلقات تھے۔ [۱]

---

[۱] اس شجرہ میں بہت سے ناموں کو جو ضروری نہ تھے چھوڑ دیا گیا ہے صرف وہی نام لکھے گئے ہیں جن سے قوموں کے نام مشہور ہوئے یا جو ایسے ناموں کے سلسلہ میں آ گئے۔

شجرۂ نسب بنی سام

- نوح علیہ السلام
  - حام
  - سام
    - ارم
      - ماش
        - نمرود
          - کنعان
            - نمرود
              - سنجاریف
      - عوص
        - عاد
          - عابر
            - رقیم
              - عاد
          - لقمان
            - سعد
              - جیرون
          - حضو
            - ایاح
              - عبداللہ
                - ہود
          - شداد
            - ہدواد
              - ہراد
                - شداد
      - کاثر
        - عبدضخم
        - ثمود
          - عبیل
            - شالخ
              - سف
                - عبیل
                  - صالح
    - لاوذ
      - فارس
      - طسم
      - عملیق
        - جاسم
          - فراعنہ مصر
    - خلیم
      - لاوذ
        - عملاق
        - امیم
        - طسم
    - ارفخشد
      - شالخ
        - عابر
          - قالغ
            - ارغو
              - ساروغ
                - تاحور
                  - ابراہیم
                    - اسمٰعیل
                      - قیدار
                    - مدین
                    - اسحٰق
                      - عیصو
                      - یعقوب
                        - لاوی — فاہث — عمران — موسیٰ
                  - اباران
                    - سارہ
            - ملکان
              - کنعان
            - نمرود
              - لکواش
          - یقطن
            - حضو
            - جرہم
            - حضرموت
            - یعرب
              - سباہ
  - یافث

عرب عاربہ:۔ یہ طبقہ قحطان کی اولاد سمجھا جاتا ہے۔ قحطان سے پیشتر نوح علیہ السلام تک قحطان کے بزرگوں میں کسی کی زبان عربی نہ تھی۔ قحطان کی اولاد نے عربی زبان استعمال کی اور یہ زبان عرب بائدہ سے حاصل کی قحطانی قبائل دو حصوں میں منقسم ہیں۔ ایک یمنیہ دوسرا سبائیہ۔

قحطان کے نسب میں علماء نے بہت اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عابر بن شالخ بن ارفحشند بن سام بن نوح کا بیٹا اور فالغ و یقطن کا بھائی تھا۔ لیکن توریت میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔ ہاں فالغ اور یقطن کا ذکر توریت میں موجود ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یقطن کا ہی معرب قحطان ہے۔ یعنی جس کو یقطن کہا گیا ہے وہی قحطان ہے بعض کا خیال ہے کہ تیمن بن قیدار بن اسمٰعیل علیہ السلام کا بیٹا قحطان تھا۔ ابن ہشام کا قول ہے کہ یعرب بن قحطان کو یمن بھی کہتے تھے اور انہی کے نام سے یمن کا ملک موسوم ہوا۔ اگر قحطان حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے ہے تو پھر کل اہل عرب بنی اسمٰعیل ثابت ہوتے ہیں کیونکہ عدنان اور قحطان دو ہی شخص تمام قبائل عرب کے مورث اعلیٰ ہیں۔ مگر زیادہ محقق اور زیادہ قابل قبول یہی قول ہے کہ قحطان اور یقطن ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ اور قحطانی قبل بنی اسمٰعیل نہیں ہیں۔ عرب عاربہ یا قحطانی قبائل میں بعض بڑے بڑے بادشاہ گذرے اور تمام جزیرہ نمائے عرب پر یہ لوگ مستولی رہے۔ یعرب بن قحطان نے عرب بائدہ کی رہی سہی تمام نسلوں اور نشانیوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ بنی قحطان کا مختصر اور ضروری شجرہ نسب اس طرح ہے۔ (اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمایئے)

قحطانی قبائل کا اصلی مقام اور قدیمی وطن یمن سمجھا جاتا ہے۔ ان میں حمیری و ازدی قبائل بہت مشہور اور نامور سمجھے جاتے ہیں۔ قبائل ازدی میں شہر سبا اور جنوبی عرب کی حکومت رہی۔ انھوں نے ملک یمن کی آبادی و سرسبزی میں خاص طور پر کوششیں کیں۔ انھیں میں ملکہ بلقیس تھی جو سلیمان علیہ السلام کی معاصر تھی۔ انھیں میں ملوک تبابعہ ہوئے جو یمن و حضرموت وغیرہ پر حکمران تھے۔ قبائل ازد میں سے ایک قبیلہ نے مدینہ کی طرف آکر سکونت اختیار کی اور وہاں اپنی حکومت قائم کرلی۔ خزاعہ نے مکہ کی طرف توجہ کی اور وہاں آکر قبیلہ جرہم کو جو پہلے سے آباد و متصرف تھا شکست دی۔ ازد کا بیٹا نصر تہامہ کے علاقہ میں آباد ہوا۔ خزاعہ کا ایک بیٹا عمران عمان کی طرف جاکر آباد ہوا۔ اسی کی اولاد ازدِ عمان کے نام سے موسوم ہوئی۔ دوسرا غسان شام کی سرحد پر جاکر آباد ہوا اور سرحدی قبائل کو محکوم بنا کر اپنی حکومت قائم کی۔ یمن میں قحطانی سلاطین کی حکومت ساتویں صدی عیسوی تک

قحطان

نجران — زہر — یعرب

جرہم

یمن

سبا

مناذرہ

بابلیون

جذام — جشم

لخم

عمرو

کہلان

حمیر

بنوالدار

تبابع

مالک

خولان

قضاعہ

وائل

مذحج

ازد

طے

کندہ

کلب

جہینہ

سکسک

عنس

جدیلہ

سلامان

بنوتیم

نصر

خزاعہ

بنوالمصطلق

غسان

خزرج

دوس

زوس

غافق
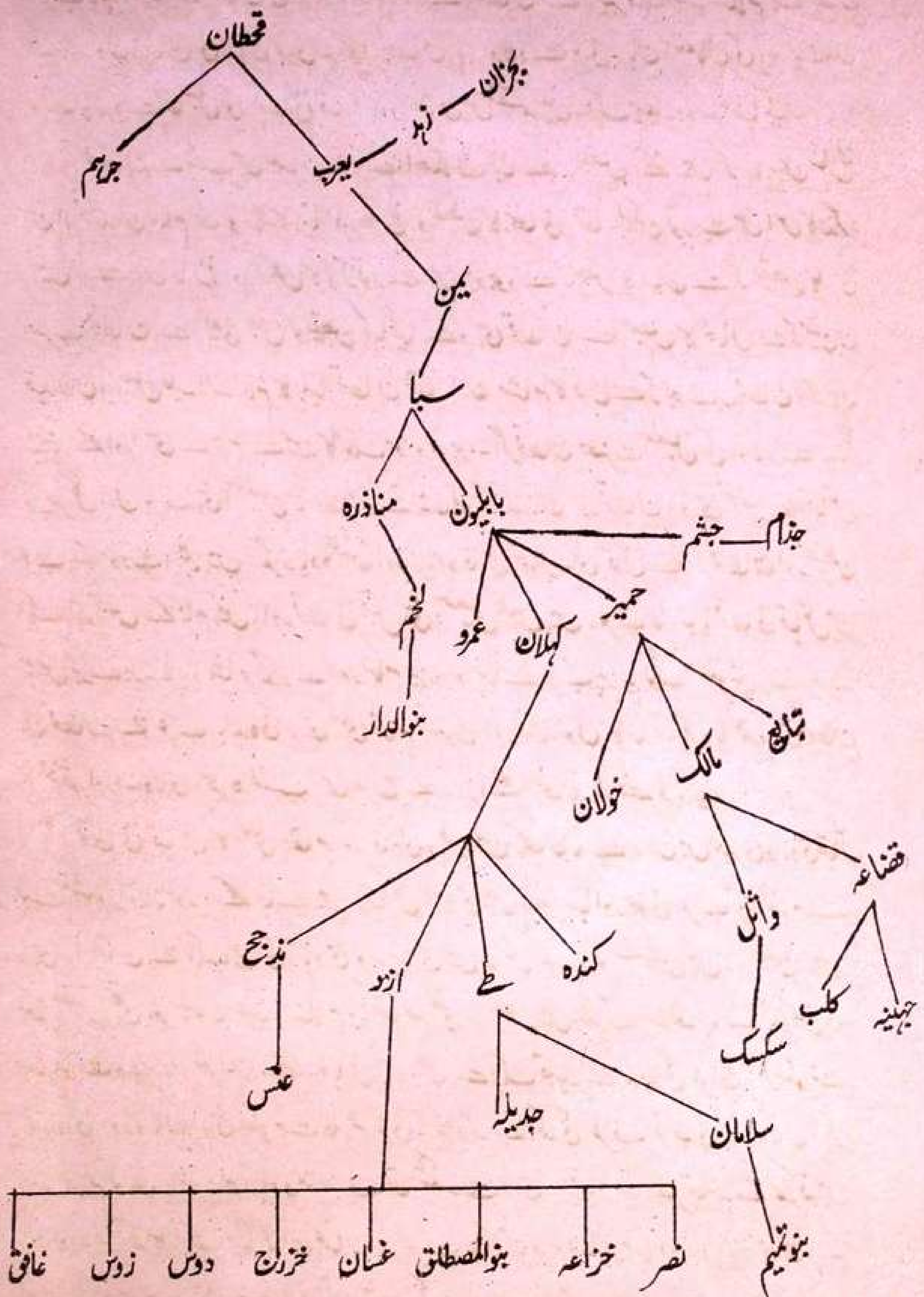
قائم رہی۔ غسان کی قحطانی حکومت کی سلطنت روم سے سرحد ملتی تھی اور حیرہ کی قحطانی ریاست سلطنتِ فارس کی ہمسایہ تھی۔ ظہورِ اسلام کے وقت قحطانی قبائل خوب طاقتور اور تمام ملک عرب پر مستولی تھے۔

عرب مستعربہ:۔ اس طبقہ سے مراد بنو عدنان یا اولادِ اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔ یہ لوگ ملک عرب میں باہر سے آباد ہوئے۔ اس لئے اُن کو عرب مستعربہ یا مخلوط عرب کا خطاب دیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مادری زبان عجمی یا فارسی زبان تھی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام معہ اُن کی والدہ ہاجرہ کے جب مکہ معظمہ (ملک حجاز) میں چھوڑ گئے تو انھوں نے قحطان قبیلۂ جرہم سے جو مکہ معظمہ میں آباد ہو گئے تھے عربی زبان سیکھی اور آئندہ یہی عربی زبان آلِ اسمٰعیل کی زبان ہوئی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر پندرہ سال کی تھی کہ اُن کی والدہ حضرت ہاجرہ کا انتقال ہو گیا۔ والدہ کے فوت ہونے کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ مکہ سے ملک شام کی طرف کسی دوسرے مقام پر چلے جائیں۔ مگر قبیلۂ جرہم نے آپس میں مشورہ کرکے اُن کو اس ارادہ سے باز رکھا اور اُن کا نکاح عمارہ بنت سعید بن اسامہ بن اکیل سے خاندان عمالقہ میں کر دیا۔ چند روز کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اُس طرف تشریف لائے اور اُن کے اشارہ کے موافق حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس بی بی کو طلاق دے کر قبیلہ جرہم میں سیدہ بنت مضاض بن عمرو سے نکاح کر لیا۔ ان واقعات کے بعد پھر ارشادِ الٰہی کے موافق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے کی بنیادوں پر خانۂ کعبہ کی تعمیر کا کام اس طرح شروع کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو جڑائی کا کام کرتے تھے۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گارہ اور پتھر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے اور دونوں بزرگ یہ دُعا کرتے جاتے تھے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ جب دیوار کسی قدر بلند ہوئی اور تعمیر کے کام میں دقت ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک پتھر پر کھڑے ہو کر کام کرنے لگے۔ یہ وہی مقام ہے جس کو مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ خانہ کعبہ جب قریب تیاری کے پہنچا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کہا کہ کسی اچھے پتھر کا ٹکڑا لاؤ تاکہ مقام رکن پر رکھ دوں جس سے لوگوں کو امتیاز باقی رہے چنانچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت جبرائیل علیہ السلام کی رہبری میں جبل بوقبیس سے حجر اسود کو اٹھا لائے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس کو مقام رکن پر رکھ دیا

یہی حجر اسود ہے جس کا طواف کے وقت بوسہ لیا جاتا ہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اُن لوگوں کو جو آپ پر ایمان لا چکے تھے ہمراہ لے کر مقامات منا و عرفات کی طرف گئے قربانی کی اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ بعد ازاں حضرت ابراہیم علیہ السلام ملکِ شام کی طرف چلے گئے اور تا حیات ہر سال خانہ کعبہ کی زیارت اور حج کو آتے رہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے آخر تک مکہ معظمہ ہی میں سکونت رکھی۔ قبیلہ بنی جرہم (اُن کو جرہم ثانی کہتے ہیں)، مکہ معظمہ میں اور قبیلہ عمالقہ اطراف مکہ میں سکونت پذیر تھا (یہ وہ عمالقہ نہیں ہیں جو عرب بائدہ میں شامل ہیں) انھیں قبیلوں کے کچھ لوگ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ کچھ بدستور اپنے کفر و الحاد پر قائم رہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی وفات بہ روایت توریت ایک سو سینتیس سال کی عمر میں ہوئی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بارہ بیٹے موجود تھے جن کی نسل نے اس قدر ترقی کی کہ مکہ میں نہ سما سکے اور تمام مُلک حجاز میں پھیل گئے۔ کعبہ کی تولیت اور مکہ معظمہ کی سیادت بنی اسمٰعیل سے مسلسل متعلق رہی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں اُن کے بیٹے قیدار کی اولاد میں ایک شخص عدنان ہوئے عدنان کی اولاد بنی اسمٰعیل کے تمام مشہور قبائل پر مشتمل ہے اور اسی لئے عرب مستعربہ بنی اسمٰعیل کو عدنانی یا آلِ عدنان کہا جاتا ہے۔ عدنان کے بیٹے کا نام معد اور پوتے کا نام نزار تھا۔ نزار کے چار بیٹے تھے جن سے تمام عدنانی قبائل متفرع ہوئے۔ اسی لئے عدنانی قبائل کو معدی اور نزاری بھی کہتے ہیں۔ بعض عدنانی قبائل کے تعلقات نسبی کا حال شجرہ سے سمجھ میں آسکتا ہے جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

عدنانی قبائل:- عدنانی قبائل ہیں ایاد۔ ربیعہ اور مضر بہت مشہور ہوئے۔ ان میں بھی ربیعہ اور مضر زیادہ نامور ہیں۔ شرف اور عزت میں یہ دونوں ایک دوسرے کے مدِ مقابل تھے۔ قبائل مضر کے مشہور قبیلہ کنانہ میں فہر بن مالک تھے جن کو قریش بھی کہتے تھے۔ قریش کی اولاد میں بہت سے قبائل ہوئے جن میں بنی سہم۔ بنی مخزوم۔ بنی جمح۔ بنی تیم۔ بنی عدی۔ بنی عبدالدار۔ بنی زہرہ۔ بنی عبد مناف زیادہ مشہور ہوئے۔ عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ عبد شمس۔ نوفل۔ مطلب اور ہاشم کی اولاد میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عدنان

- عدنان
  - معد
    - نزار
      - مضر
        - قیس غیلان
          - ہوازن
            - صعصعہ
              - بنوعامر
                - بنوہلال
                - ربیعہ
                - بنونمیر
            - جشم
            - بنوسعد
            - بنوبکر
            - بنوثقیف
          - مازن
          - عقیل
          - عدوان
          - بنوکلاب
          - سلیم
          - باہلہ
          - غنطان
            - ذبیان
              - مزارہ
            - عبس
        - یاس
          - مدرکہ
            - ہذیل
            - خزیمہ
              - اسد
              - ہون
              - کنانہ
                - عبدمناۃ
                  - بنوبکر
                  - بنوتغار
                - عامر
                - نضر
                  - مالک
                    - فہریاقریش
                - مالک
                  - بنوفراس
          - لھانجہ
            - بنومزینہ
            - جنہ
            - اباب
              - ثور
              - تیتیم
            - بنوتمیم
              - ثعلبہ
              - اباج
      - اباد
      - انمار
      - ربیعہ
        - عجل
        - سدوس
        - لہازم
        - ضبیعہ
        - نمر
        - لجیم
        - اسد
          - عبدالقیس
            - بکر
              - عجل
          - جدیلہ
            - وایل
              - بکر
                - بنوحنیفہ
                - بنوشیبان
              - تغلب

بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم ہوئے جن کی امت تمام مسلمان ہیں اور جو نبی آخر الزمان ہیں۔ انھیں کی اُمت کے حالات اس کتاب میں بیان کرنے مقصود ہیں۔ عبد شمس کے بیٹے اُمیّہ تھے جن کی اولاد بنی اُمیّہ کہلائی جاتی ہے۔ عدنانی قبائل جس زمانہ میں خزاعہ سے مغلوب ہوکر اور مکہ چھوڑ کر نکلے تو مختلف مقامات میں پھیل گئے۔ بنی بکر بحرین میں۔ بنی حنیفہ یمامہ میں۔ بنی تغلب سواحل فرات پر۔ بنی تمیم الجزیرہ میں۔ بنی سلیم مدینہ کے نواح میں۔ بنی ثقیف طائف میں۔ بنی اسد کوفہ کے مغرب میں۔ بنی کنانہ نے تہامہ میں جاکر بود و باش اختیار کرلی۔ مکہ اور اُس کے نواح عدنانیوں میں سے صرف قبائل قریش رہ گئے، لیکن اُن کے آپس میں بھی کوئی اتفاق اور نظام نہ تھا سب متفرق تھے۔ قصیّ بن کلاب نے سب کو متفق و متحد کیا۔ قصیّ بن کلاب نے (جو پانچویں صدی عیسوی میں تھے) قبائل قریش میں اتفاق پیدا کرکے نہ صرف مکہ معظمہ بلکہ تمام ملکِ حجاز پر اقتدار حاصل کرلیا۔ خانہ کعبہ کی تولیت اب پھر آلِ عدنان میں آگئی۔ قصیّ نے خانۂ کعبہ کی مرمت کی اور اپنے لئے ایک محل بنوایا۔ جس کا ایک بڑا کمرہ لوگوں کے جمع ہوکر مشورہ کرنے کے کام آتا تھا۔ اُس کا نام دار الندوہ رکھا گیا تھا۔ دار الندوہ میں بیٹھ کر قصیّ کاروبار حکومت انجام دیتے اور قریش کے سردار مشورے کے لئے جمع ہوتے تھے۔ قصیّ نے یہ بھی تجویز کیا کہ حج کے موقع پر تین دن تک حاجیوں کو کھانا کھلایا جائے اور تمام قریش اُس کے اخراجات کے لئے آپس میں چندہ سے رقم جمع کریں غرض یہ کہ قصیّ کو مکہ اور حجاز میں دینی اور دنیوی دونوں قسم کا اقتدار حاصل تھا۔ سنہ ۴۸۰ء میں قصیّ راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔ اور ان کا بیٹا عبد الدار اپنے باپ کی جگہ مکہ کا حاکم تسلیم کیا گیا عبد الدار کی وفات کے بعد اس کے پوتوں اور اُس کے بھائی عبد مناف کے بیٹوں میں حکومت مکہ کے لئے فساد برپا ہوا۔ لیکن مکہ کے بااثر لوگوں نے بیچ میں پڑ کر فیصلہ کیا کہ عبد مناف کے بیٹے عبد شمس کو آب رسانی، چندہ یا ٹیکس کی وصولی اور حاجیوں کی میزبانی کا کام سپرد ہو۔ عبد الدار کے پوتوں کو فوجی انتظام، کعبہ کی حفاظت اور دار الندوہ کی نگرانی کا کام سپرد کیا جائے۔ چند روز کے بعد عبد مناف کے بیٹے عبد الشمس نے اپنے چھوٹے بھائی ہاشم کو اپنی حکومت اور تمام حقوق دے دیئے۔ ہاشم اپنی تجارت، دولت اور سخاوت کی وجہ سے اہلِ مکہ میں بہت ہر دل عزیز تھے۔ اُنھوں نے قریش کو تجارت کی ترغیب دینے اور تجارت کے ذرائع پیدا کر دینے سے بہت فائدہ پہنچایا۔

عبدالمطلب کی وجہ تسمیہ

ہاشم نے مدینہ کے ایک سردار کی لڑکی سے شادی کی اُس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ یہ لڑکا ابھی بچہ ہی تھا کہ ہاشم کا انتقال ہو گیا اور اُن کا بھائی مُطّلب مکہ کا حکمران ہوا۔ ہاشم کا بیٹا شیبہ مدینہ میں پرورش پاتا رہا۔ جب مطّلب کو معلوم ہوا کہ ہاشم کا بیٹا جوان ہو گیا ہے تو وہ اپنے بھتیجے کو لینے کے لئے خود مدینہ گیا۔ جب مطلب اپنے بھتیجے شیبہ کو لے کر مکہ میں داخل ہوا تو یہاں کے لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ یہ نوجوان مطّلب کا غلام ہے۔ مُطّلب کو جب اس غلط فہمی کا حال معلوم ہوا تو اُس نے لوگوں سے کہا کہ یہ میرا بھتیجا اور ہاشم کا بیٹا ہے مگر لوگ اُس کو عبدالمطلب ہی کے نام سے پکارتے رہے آخر شیبہ بن ہاشم کا نام عبدالمطلب ہی مشہور ہو گیا۔ عبدالمطلب کے اخلاق۔ عزت و شہرت سب اپنے باپ ہاشم کا نمونہ تھے۔ اُمیہ کے بیٹے حرب کو عبدالمطلب کا اثر و اقتدار گراں گذرا اور اُس نے بھی اپنے باپ کی طرح عبدالمطلب کو مقابلہ کے لئے دعوت دی۔ دستور کے موافق اس مرتبہ بھی منصف مقرر ہوا اور اُس نے فیصلہ عبدالمطّلب ہی کے حق میں دیا۔ اس فیصلہ نے بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کے درمیان عداوت کو اور بھی بڑھا دیا۔ عبدالمطلب کے زمانہ میں حبش کی فوج نے اپنے ایک سردار ابرہہ کے زیر کمان چڑھائی کی۔ یہی فوج اصحابِ فیل کے نام سے موسوم ہوئی ہے۔ جو قدرتی اور آسمانی عذاب سے ہلاک و برباد ہوئی ہے قریشی قبائل کے نسبی تعلقات کا حال اس شجرہ سے سمجھ میں آئے گا جو ساتھ کے صفحہ پر درج ہے۔

عبدمناف کا خاندان

عبدمناف تمام ملک عرب میں سب سے زیادہ شریف و کریم تسلیم کئے جاتے تھے۔ ان کے بعد اُن کے بیٹے بھی شرفائے عرب میں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ عبدمناف کا اصل نام مغیرہ تھا۔ اُن کو قمر اور سید بھی کہتے تھے۔ چونکہ اُن کے بھائیوں کا نام عبدالدار اور عبدالعزیٰ تھا اس لئے اُن کو عبدمناۃ کے نام سے پکارنے لگے پھر عبدمناۃ سے اُن کا نام عبدمناف مشہور ہو گیا۔

فہر بن مالک (قریش)

غالب

حارث

الخلج (انکی اولاد میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح تھے)

لوئی

کعب

حصیص (انکی اولاد میں حضرت ابوبکر الصدیقؓ تھے)

عدی (ان کی اولاد میں حضرت عمر فاروقؓ تھے)

مرۃ

بنو تیم (انکی اولاد میں بی بی آمنہ عبد الرحمن بن عوف، اور سعد بن وقاص تھے)

یقظہ

بنی مخزوم (انکی اولاد میں خالد بن ولید تھے)

کلاب

بنو زہرہ

قصی

عبد الدار

عبد مناف

عبد العزیٰ

بنو اسد (انکی اولاد میں حضرت بی بی خدیجہ اور حضرت زبیر بن العوام تھے)

عبد الشمس

ہاشم

مطلب

امیہ

حرب (انکی اولاد میں حضرت امیر معاویہؓ)

عبد المطلب

ابو طالب

حمزہ

عباس

عبد اللہ

ابو لہب

حارث

زبیر

علی

عقیل

جعفر

عبد اللہ

الفضل

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حسن

حسین

عرب کی اخلاقی حالت

ملکِ عرب جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے قدیم سے سامی خاندان کا گہوارہ رہا ہے۔ طبقہ اولیٰ یعنی عرب بائدہ کے حالات بہت ہی کم معلوم ہو سکے ہیں۔ اور اُن سے یہ اندازہ نہیں ہو سکتا کہ عرب بائدہ کی اخلاقی حالت اپنے ہم عصر اقوامِ عالم کے مقابلہ میں کیا تھی۔ تاہم یہ قیاس ضرور کیا جا سکتا ہے کہ اس کے ابتدائی زمانے میں جب کہ ربع مسکون پر انسانی آبادی تعدادِ نفوس کے اعتبار سے بہت کم ہوگی۔ عموماً سب کی اخلاقی حالت ایک ہی درجہ کی ہوگی۔ بنی اسمٰعیل کے عروج و ترقی سے پیشتر اور عرب بائدہ کے بعد قحطانی عربوں کے دورِ دورہ میں عرب کے اندر، بہت سی حکومتوں اور سلطنتوں کا پتہ چلتا ہے لیکن کسی زمانہ میں بھی کوئی ایک سلطنت تمام ملک عرب پر قابض و متصرف نہیں ہوئی۔ صوبہ صوبہ میں علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم تھیں اور اُن میں بعض زیادہ مشہور بھی تھیں۔ تاہم ملک کے اندر آزاد گروہ خانہ بدوشی کے عالم میں اونٹوں پر اپنے خیمے اور چھولداریاں لادے ہوئے سفر کرتے اور پھرتے ہوئے دیکھے جاتے رہے ہیں۔ سبزہ، پانی ضروریاتِ زندگی کی نایابی نے اہلِ عرب کو ہمیشہ آوارہ وسرگرداں اور اس دائمی سفر نے اُن کو ہمیشہ جفاکش اور مستعد رکھا۔ ضروریاتِ زندگی کی کمی نے اُن کے تمدّن کو ترقی کرنے نہیں دی۔ اور اُن کی معاشرت میں کوئی نمایاں اصلاح اور قابلِ تذکرہ تغیر واقع نہ ہوا۔ مشاغل کی کمی اور مناظر کی یک رنگی نے اُن کی فرصتوں کو بہت وسیع اور فارغ اوقات کو بہت طویل کر دیا تھا۔ ریگستانوں کی وسعت و کثرت پیداوار ملکی اور قیمتی اشیاء کی ناپیدگی، آبادیوں اور شہروں کی قلت نے کسی بیرونی فتح مند قوم اور ملک گیر بادشاہ کو ملکِ عرب کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ سیاحوں اور تاجروں کے متوجہ کرنے کا بھی کوئی سامان اس جزیرہ نما میں نہ تھا لہٰذا غیر قوموں اور دنیا کے دوسرے ملکوں کی ترقیات سے اہلِ عرب عموماً بے خبر رہے اور کسی بیرونی ملک اور بیرونی قوم کے تمدّن اخلاق اور معاشرت سے اہلِ عرب متاثر نہ ہو سکے۔

خواجہ حالی نے عرب کی نسبت بالکل صحیح لکھا ہے کہ ؎

نہ وہ غیر قوموں پہ چڑھ کر گیا تھا ۔۔۔ نہ اُس پر کوئی غیر فرماں روا تھا

مفاخرت

ان حالات میں ظاہر ہے کہ اہل عرب کے اندر دو ہی چیزیں خوب ترقی کر سکتی تھیں۔ ایک شعر گوئی جس کے لئے وسیع فرصتیں اور کھلے میدان میں راتوں کو بے کار پڑے رہنا کافی محرک تھے دوسرے حفاظت خود اختیاری کی مسلسل مشق اور صعوبت کشی کی عادت نے اُن کو جنگ و پیکار اور بات بات پر معرکہ آرائی اور زور آزمائی کا شوقین بنا دیا تھا۔ آپس میں معرکہ آرائیوں کے میدان گرم رکھنے کے سبب وہ خود ستائی اور باہمی تفاخر کی جانب بھی زیادہ مائل ہو گئے تھے فخر و تعلی کے لئے بہادری اور سخاوت دو مضمون بہت دلچسپ تھے۔ بے کاری اور شاعری نے اُن کو عشق بازی اور اُن کے اُمرا کو شراب خوری کی طرف بھی متوجہ کر دیا تھا۔ بہادری اور سخاوت نے اُن کو اعلیٰ درجہ کا مہمان نواز اور قول و قرار کا پکا بنا کر مستحق تکریم بنا دیا تھا۔ جوا۔ تیر اندازی مشاعرے۔ مفاخرت۔ مسابقت وغیرہ اُن کے دل بہلانے کے مشاغل تھے۔ غرض کہ عرب والوں کے اخلاق ملکِ عرب اور اُس کی آب و ہوا نے بے ساختہ طور پر مرتب کر دیئے تھے۔ عرب بائدہ کی طرف حضرت ہود علیہ السلام۔ حضرت صالح علیہ السلام وغیرہ کئی نبی مبعوث ہوئے اور ان انبیاء کی نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام طبقہ ہلاک و برباد ہوا۔ دوسرے طبقے یعنی قحطانی عربوں کی طرف بھی بعض ہادی مبعوث ہوئے اور اہل عرب بہت کم اُن کی طرف متوجہ ہو سکے۔ چنانچہ نافرمانیوں اور سرکشیوں کی پاداش میں بار بار اُن پر بھی ہلاکتیں وارد ہوئیں اس ملک کے باشندوں کی سرکشی و آزاد مزاجی نے اُن کو تعلیمات انبیاء سے بھی زیادہ مستفیض نہ ہونے دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پر بھی اس ملک کے تھوڑے سے آدمی ایمان لائے تھے۔ دین و مذہب کے معاملہ میں اُن کے فخر نسب اور خود ستائی نے اُن کو اپنے نسبی بزرگوں کی مدح سرائی پر متوجہ کر کے بآسانی مشاہیر پرستی پر آمادہ کر کے اور بالآخر انھیں کے ناموں کے بتوں کی پوجا کا عادی بنا دیا تھا۔ بت پرستی نے اُن کو اوہام پرستی اور عجیب عجیب حماقتوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ جب قحطانی قبائل کا زور ملک میں کم ہونے لگا اور بنی اسمٰعیل یا عدنانی قبائل نے زور پکڑنا شروع کیا تو قبیلہ خزاعہ کی مکہ پر چڑھائی اور قبیلہ جُرہم کی شکست نے عدنانی قبائل کو اطراف ملک میں پریشان و آوارہ کر کے حجاز میں

بنی اسرائیل کے اُبھرتے ہوئے زور کو سخت صدمہ پہنچایا۔ اور نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ملک کے ہر حصّہ اور ہر صوبہ میں عدنانی و قحطانی قبائل ایک دوسرے کے ہمسر و مدِ مقابل نظر آنے لگے اور اس طرح تمام جزیرہ نمائے عرب میں آزاد و مطلق العنان چھوٹے چھوٹے قبائل کے سوا کوئی بھی بڑی اور قابل تذکرہ حکومت باقی نہ رہی۔ اگرچہ ملک عرب کی بڑی بڑی سلطنتیں بھی طائف الملوکی سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھیں۔ اور کسی عربی پادشاہ کی حکومت اپنی رعایا پر ایسی بھی نہ تھی جیسی کہ فارس کے کسی معمولی سے جاگیر دار یا اہل کار کی باشندگانِ فارس پر ہوتی تھی تاہم اس طائف الملوکی اور قبائل کی آزادی کے زمانہ میں ملک عرب کے اندر بد تمیزیوں ناہنجاریوں۔ بد اخلاقیوں نے اور بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کی اور یہ ترقی اپنی پوری تیز رفتاری اور زبردست طاقت کے ساتھ اُس وقت تک جاری رہی جب کہ اس تاریک تر ملک عرب میں آفتابِ اسلام طلوع ہوا۔

اہلِ عرب کی بڑی تعداد خانہ بدوشی کی حالت میں رہتی تھی۔ اور بہت ہی تھوڑے لوگ تھے، جو قصبوں اور آبادیوں میں مستقل سکونت رکھتے تھے۔ اہلِ عرب کو اپنے نسب کے سلسلے یاد اور محفوظ رکھنے کا بہت شوق تھا۔ آباؤ اجداد کے ناموں اور کاموں کو وہ فخریہ بیان کیا کرتے اور اسی ذریعہ سے لڑائیوں میں جوش اور بہادری دکھانے کا شوق پیدا ہوتا تھا ملک کی آب و ہوا کا اثر تھا یا نسب دانی کے شوق کا نتیجہ تھا کہ اہلِ عرب کی قوتِ حافظہ بہت زبردست تھی۔ کئی کئی سو اشعار کے قصیدے ایک دو مرتبہ سُن کر یاد کر لینا اور نہایت صحت کے ساتھ سُنا دینا اُن کے لئے معمولی بات تھی۔ شاعری اور قادر الکلامی کے عام شوق نے اُن کی زبان کو اس قدر ترقی یافتہ حالت تک پہنچا دیا تھا کہ وہ بجا طور پر تمام غیر عرب کو عجم یعنی گونگا کہتے تھے۔ اگر کسی قبیلہ کا کوئی آدمی کسی دوسرے قبیلہ کے ہاتھ سے مارا جاتا تو جب تک تمام قبیلہ اُس دوسرے قبیلہ سے اپنے مقتول کا بدلہ نہ لے لے چین سے نہ بیٹھتا تھا۔ قصاص نہ لینا اور خاموش ہو کر بیٹھ رہنا اُن کے نزدیک بڑی بھاری بے عزتی کی بات سمجھی جاتی تھی۔ خانہ کعبہ کی عظمت اور بیت اللہ کا حج تمام قبائل عرب میں ہر زمانہ میں مروج رہا ہے۔ مظلوم کی مدد کرنا اور ظالم کے مقابلہ پر مستعد ہو جانا بھی اُن میں ایک خوبی سمجھی جاتی تھی۔ بزدلی اور کنجوسی کو وہ سب سے بڑا عیب جانتے تھے۔

امن کے مہینے

سال میں ایک یا کئی مہینے ایسے بھی مقرر کر رکھے تھے۔ جن میں لڑائی کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس امن و امان کی مدت مقررہ میں تمام لڑائیاں ملتوی ہو جاتی تھیں۔ انھیں ایام میں خانۂ کعبہ کے حج اور زیارت کو جاتے۔ انھیں ایام میں بڑے بڑے میلے لگتے اور مشاعرے منعقد ہوتے انھیں ایام میں تجارتی کاروبار کی سہولتیں بھی بہم پہنچا لیتے تھے۔ مندرجہ بالا سطور سے اہل عرب کی خوبیوں اور اُن کے اخلاق فاضلہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ پس یہ بھی خوبیاں اُن کے اندر موجود تھیں۔ جو مذکورہ بیان میں سب کی سب ظاہر کر دی ہیں۔ اب اُن کے دوسرے پہلو کو بھی معائنہ کرنا چاہئے۔

دین و مذہب:۔ ظہور اسلام سے پیشتر اہل عرب کے دین و مذہب کی یہ حالت تھی کہ بعض قبائل نہ خالق کے قائل تھے نہ جزا و سزا کے۔ بعض خالق کو مانتے تھے لیکن جزا و سزا اور قیامت کے منکر زیادہ تعداد میں بُت پرست اور ستارہ پرست تھے۔ بعض قبائل میں آتش پرستی بھی رائج تھی۔ خانۂ کعبہ کو بت پرستی کا مرکز بنا رکھا تھا اور تین سو ساٹھ بُت کعبہ میں رکھ چھوڑے تھے۔ شام کی طرف سے آکر مدینہ اور اُس کے اضلاع میں کچھ یہودی بھی آباد ہو گئے تھے اور یہودیوں کی یہ آبادی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے چند روز بعد ہی سے تھی ان یہودیوں میں بنی قریظہ۔ بنی نظیر۔ بنی قینقاع وغیرہ مشہور قبائل تھے۔ کچھ عیسائی بھی ملک عرب میں آباد تھے۔ غسان اور نجران میں عیسائی لوگ آباد تھے۔ کچھ لوگ قبیلہ قضاعہ کے بھی عیسائی ہو گئے تھے۔

بُت پرستی:۔ بُت پرستی ملک عرب میں ہر جگہ علانیہ ہوتی تھی۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چار سو سال قبل شاپور پادشاہ فارس کے زمانہ میں عمرو بن لحی بن حارثہ بن امراءالقیس بن ثعلبہ بن مازن بن ازد بن کہلان بن بابلیون بن سبا نے جو حجاز کا پادشاہ تھا سب سے پہلے خانۂ کعبہ کی چھت پر ہبل نامی بُت رکھا اور مقام زمزم پر اساف اور نائلہ دو بت رکھے اور لوگوں کو اُن کے پوجنے کی ترغیب دی۔ یہ عمرو بن لحی قیامت کا منکر تھا یغوث۔ یعوق۔ نسر۔ وُد۔ سُواع وغیرہ بہت سے بُت تھے۔ جو قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ یعنی ہر قبیلہ اپنا جدا بُت

رکھتا تھا۔ وُدّ مرد کی صورت تھا۔ نائلہ عورت کی صورت۔ سواع بھی عورت کی صورت پر تھا۔ یغوث شیر کی شکل تھا۔ یعوق گھوڑے کی اور نسر گدھ کی صورت پر تھا۔ طسم اور جدیس دونوں کا ایک بُت تھا۔ قبیلۂ کلب وُدّ کی پرستش کرتا تھا۔ جس کا مقام دومتہ الجندل تھا۔ بنی تمیم تیم کے پرستار تھے اور قبیلۂ ہذیل سواع کا مذحج اور قبائل یمن یغوث کو پوجتے تھے اور مقام حمیر میں ذی الکلاع نسر کی عبادت کرتے تھے۔ ہمدان۔ یعوق اور بنی ثقیف شہر طائف میں لات کی پوجا کرتے تھے۔ بنی ثقیف کی ایک شاخ بنی منیث لات کے دربان مقرر تھے۔ قریش اور بنی کنانہ عزیٰ کے پجاری تھے۔ بنو شیبہ عزیٰ کے دربان تھے۔ اوس اور خزرج کے قبیلے منات کے پرستار تھے۔ بنی ہوازن جہار کے۔ بکر و تغلب اوال کے۔ بنی بکر بن وائل محرق۔ بنی ملکان بن کنانہ سعد کے بنی عنترہ سعیر کے۔ بنی خولان عمیانس کے بنی ملے رضا کے۔ دوس ذوالکفین کی پوجا کرتے تھے۔ مذکورہ بُتوں کے علاوہ جریش۔ شارق۔ عائم مدان۔ عوف۔ مناف وغیرہ بہت سے مشہور بُت ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی قبیلہ کا معبود تھا۔ خانہ کعبہ میں جب بُت پرستوں کا اجتماع ہوتا تھا اُن مقررہ ایام میں اگر کوئی عرب خانہ کعبہ یعنی مکہ تک نہ جا سکتا تو ایک پتھر جس کو دوار کہتے تھے نصب کر دیتا اور اس کے گرد طواف کر دیتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ملک عرب میں خانہ کعبہ کی طرح اور بھی بت پرستی کے کئی مرکز تھے۔ غطفان نے ایک مکان بالکل خانہ کعبہ کے مشابہ بنا دیا تھا۔ اور اس کا نام لیس رکھا تھا اُس کا بھی حج ہوتا تھا۔ بنی خثعم نے بھی ایک مکان بنوایا تھا۔ اُس کا نام ذوالخلصہ تھا۔ اُس کا بھی حج ہوتا تھا۔ جبل اُحد کے قریب ایک معبد سعیدہ کے نام سے مشہور تھا۔ عرب کے بُت پرست اُس کا بھی حج کرتے تھے۔ ربیعہ کا معبد ذوالکعبات تھا اُس کا بھی طواف کیا جاتا تھا۔ نجران میں بھی ایک قبہ دار مندر تھا جو تین سو کھالوں سے بنایا گیا تھا۔ اُس کو کعبۂ نجران کہا جاتا تھا۔ اُس کی زیارت کے لئے بت پرستانِ عرب اسی طرح جایا کرتے تھے۔ جیسے خانۂ کعبہ کی زیارت کو۔ نیز اُس کو بُت پرستوں نے حرم بھی بنا رکھا تھا۔ یعنی جو قاتل اُس کے اندر چلا جاتا اُس کو پھر کوئی آزار نہ پہنچایا جاتا۔ خانہ کعبہ کی چھت پر ہبل کے علاوہ ایک اور بُت بھی تھا جس کا نام شمس تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کی تصویریں بھی خانہ کعبہ میں پوجی جاتی تھیں۔

قربانی:۔ بُت پرست لوگ جب حج کو آتے تو قربانی کے لئے اونٹ بھی لاتے جن کا خون

بتوں پر چڑھایا جاتا۔ اُن اونٹوں کے گلے میں جوتا باندھ کر لٹکا دیتے اور اُن کے کوہان کو زخمی کر دیتے تھے۔ جو علامت اس بات کی تھی کہ یہ قربانی کا اُونٹ ہے۔ پھر کوئی شخص اُس اونٹ سے تعرض نہ کرتا۔ اونٹوں کے بچّے۔ بھیڑیں اور مختلف چوپائے بتوں پر قربان کئے جاتے تھے۔ بعض قبائل ان بُتوں پر آدمی کی قربانی بھی چڑھاتے تھے۔

بعض مؤرخین کا قول ہے کہ عرب کے بُت پرست توحید کے قائل تھے اور خدا کو ایک جانتے تھے۔ ان بُتوں کی پرستش وہ اس لئے کرتے تھے کہ یہ بارگاہِ الٰہی میں اُن کے سفارشی ہیں اُن میں بعض قبائل کا یہ عقیدہ تھا کہ جس شخص کی قبر پر اونٹنی ذبح کی جاتی ہے وہ قیامت کے دن اُس اونٹنی پر سوار ہو کر اٹھے گا۔ یہ عقیدہ دلیل اس بات کی ہے کہ وہ حشر و نشر اور یوم جزا کے قائل تھے۔

ستارہ پرستی:۔ عرب جاہلیت میں ستارہ پرستی بھی خوب رائج تھی۔ مؤرخین کے پاس اس بات کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ عرب۔ مصر۔ یونان۔ ایران ان چاروں ملکوں میں کونسا ایک ملک ستارہ پرستی کا اُستاد اور باقی تینوں اُس کے شاگرد ہیں۔ بہر حال اس بات کا ثبوت دشوار ہے کہ عرب میں ستارہ پرستی باہر سے آئی۔ قبیلہ حمیر سورج کو۔ کنانہ چاند کو تمیم دبران کو۔ لخم اور جذام مشتری کو۔ طے سہیل کو۔ قیس شعرا العبور کو۔ اسد عطارد کو پوجتے تھے اکثر قبیلوں کے بُت پر ستاروں کے نام سے موسوم تھے۔ پتھروں کے بُت اور مشہور ستارے مشترک طور پر قبائل میں پوجے جاتے تھے۔ ستاروں کے طلوع اور غروب پر بڑے بڑے کاموں کا انحصار تھے تھے۔ کھلے میدانوں اور ریگستانوں میں بسر کرنے والے لوگوں کی توجہ کا ستاروں اور سیاروں کی طرف خصوصیت سے منعطف رہنا اور اُن ستاروں میں سے بعض کو معبود ٹھیرالینا کوئی تعجب کی بات بھی نہ تھی۔ قرآن کریم کی سورۂ نوح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں بھی عراق عرب میں یغوث۔ یعوق۔ وُدّ۔ نسر۔ سُواع۔ وغیرہ کی پرستش ہوتی تھی جو سب ستاروں کے نام ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ستارہ پرستی ملک عرب میں قدیم الایام سے رائج تھی۔ عرب کے ستارہ پرستوں میں چاند کے پرستار سب سے زیادہ تھے اور چاند سب سے زیادہ محبوب معبود سمجھا جاتا تھا۔

کہانت:۔ عرب میں کاہن لوگ بڑی کثرت سے ہوتے تھے۔ کاہن وہ کہلاتا تھا جو اسرار کے جاننے اور غیب کی خبروں پر اطلاع رکھنے کا دعوٰی کرے۔ جو گذشتہ حالات کی خبر دے اُس کو کاہن

اور جو آئندہ حالات کی خبر دے اُس کو عرّاف کہتے تھے۔ غیب دانی کا دعویٰ کرنے والے مرد بھی ہوتے تھے اور عورتیں بھی۔ عرب کے کاہنوں میں افعیٰ۔ جزیمہ۔ ابرش۔ شِق۔ سطیح وغیرہ مشہور کاہن تھے۔ غیب دانوں کی ایک قسم ناظر کہلاتی تھی جو آئینہ یا پانی سے لبریز طشت پر نظر ڈالتے اور غیب کی باتیں بتاتے یا حیوانات کی ہڈیوں اور جگر وغیرہ اعضا کو دیکھ کر حکم لگاتے تھے۔ انھیں میں طارقین حصٰی (سنگریزہ پھینکنے والے) اور گٹھلیاں پھینکنے والے بھی تھے۔ یہ سب کاہنوں کی قسم میں شمار ہوتے تھے مگر ان کا مرتبہ عرّاف اور کاہن سے کم سمجھا جاتا تھا۔ ان سے بھی کم رتبہ تعویذ گنڈے والے تھے۔

فال:۔ تفاؤل اور تشاؤم یعنی نیک فالی اور بد فالی کے بھی بہت قائل تھے۔ کوّے کو بہت منحوس اور موجبِ فراق سمجھتے تھے۔ عربی زبان میں چونکہ کوّے کو غراب کہتے ہیں اس لئے مسافرت کو غربت اور مسافر کو غریب کہنے لگے یعنی کوّے کے اثر سے جدائی اور مسافرت میں انسان مبتلا ہوتا ہے۔ اُلّو کو بھی بہت منحوس جانتے تھے۔ اُن کے نزدیک اُلّو کے بولنے سے موت اور ویرانی واقع ہوتی تھی۔ عطسہ (چھینک) کو بھی موجبِ بد فالی سمجھتے تھے۔ بعض لوگ ساحر تھے وہ جادوگری کا پیشہ کرتے تھے۔ اور شیطان کو اپنا دوست بنانے کے لئے بڑی بڑی ریاضتوں میں مصروف ہوتے تھے۔

جنگ جوئی:۔ ذرا ذرا سی اور بہت ہی معمولی معمولی باتوں پر اُن میں جنگ چھڑ جاتی تھی۔ ایک دفعہ جب لڑائی شروع ہو جاتی تو پھر کئی کئی پشتوں اور صدیوں تک برابر جاتی رہتی۔ اُن کی لڑائیوں میں کوئی بھی لڑائی ایسی نہیں ملتی جو کسی معقول اور اہم سبب کی بنا پر شروع ہوئی ہو۔ عرب جاہلیت کی لڑائیوں میں سو سوا سو لڑائیاں بہت مشہور ہیں مثلاً بعاث۔ کلاب۔ فترت۔ نخلہ۔ قرن۔ سوبان۔ حاطب وغیرہ ان لڑائیوں سے کسی قبیلہ یا ملک کو بھی کبھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ تباہی و بربادی اور نقصانِ جان و مال طرفین کو ہمیشہ برداشت کرنا پڑا۔ عرب جاہلیت میں ایک یہ رسم بھی تھی کہ جب دشمن پر قابو پا جاتے اور اُس کے عیال و اطفال کو قید کر لیتے تو بلا امتیاز اور بلا تکلف سب کو قتل کر دیتے تھے۔ لیکن قیدیوں میں سے کوئی شخص اُن کے کھانے میں سے کچھ کھا لیتا تو قتل سے محفوظ ہو جاتا تھا۔ جس کو قید سے آزاد کر دینا چاہتے تو اول اُس کے سر کے بال تراش لیتے۔ اُن میں مبارزہ کی لڑائیوں کا بہت رواج تھا۔ صف بندی کر کے لڑنا اُن میں رائج نہ تھا۔ گھوڑوں اور ہتھیاروں کی نگہداشت کا اُن کو بہت زیادہ خیال تھا۔ شمشیر زنی۔ تیراندازی۔

شہسواری۔ نیزہ بازی میں جس شخص کو کمال حاصل ہوتا اُس کی بڑی عزت و توقیر کی جاتی اور اُس کا نام فوراً دُور دور تک مشہور ہو جاتا۔ بعض قبائل کو بعض فنون حرب اور اسلحۂ جنگ کے استعمال میں شہرت حاصل تھی۔ خاص خاص تلواروں۔ نیزوں۔ کمانوں۔ گھوڑوں وغیرہ کے خاص خاص نام یعنی اسماء علم تھے۔ اور سارے مُلک میں سمجھے اور پہچانے جاتے تھے۔ مثلاً حرث بن ابی شمر غسانی کی تلوار کا نام غذدم تھا۔ عبدالمطلب بن ہاشم کی تلوار کا نام عطشان اور مالک بن زہیر کی تلولہ کا نام ذوالنون تھا۔ یہ سب کچھ دلیل اس امر کی ہے کہ عرب کے لوگ جنگ و قتال کے بے حد شائق تھے۔ یہی وجہ ہے کہ گھوڑے اور تلوار کے نام عربی زبان میں ہزار تک بتائے جاتے ہیں۔

عشق بازی:۔ عرب جاہلیت میں پردہ کا مطلق رواج نہ تھا۔ اُن کی عورتیں آزادانہ مردوں کے سامنے آتی تھیں۔ مشاغل اور ضروریاتِ زندگی کی کمی۔ آزاد مزاجی اور شاعری و مفاخرت۔ نیز مُلک کی گرم آب و ہوا نے یہ منحوس مرض بھی اُن میں پیدا کر دیا تھا۔ اُن میں وہ آدمی کمینہ اور رذیل سمجھا جاتا تھا جس کو کسی عورت سے کبھی عشق پیدا نہ ہوا ہو۔ عرب کے بعض قبائل اپنی عشق بازی کی وجہ سے مشہور تھے۔ مثلاً بنی عذرہ کے عشق کی یہاں تک شہرت تھی۔ کہ اعشق من بنی عذرۃ کی مثل مشہور ہے۔ یعنی فلاں شخص بنی عذرہ سے بھی زیادہ عاشق مزاج ہے۔ ایک اعرابی سے کسی نے پوچھا تھا کہ تو کس قوم میں سے ہے۔ اُس نے جواب دیا میں ایسی قوم میں سے ہوں کہ جب وہ عاشق ہوتے ہیں تو ضرور مر جاتے ہیں۔ اس کلام کو ایک لڑکی سُن رہی تھی۔ وہ کہنے لگی علذری ورب الکعبہ (ربّ کعبہ کی قسم ہے تو ضرور عذری ہے)۔

شاعری:۔ عرب جاہلیت میں ایسا کوئی شخص نہ تھا جس کو شاعری کا سلیقہ نہ ہو۔ مرد۔ عورت۔ بچے بوڑھے۔ جوان سب کے سب تھوڑے بہت شاعر ضرور ہوتے تھے۔ گویا وہ ماں کے پیٹ سے شاعری اور فصاحت لے کر پیدا ہوتے تھے اُن کی شاعری عموماً فی البدیہہ ہوتی تھی۔ سوچنے۔ غور کرنے اور مضمون تلاش کرنے کی اُن کو ضرورت نہ تھی۔ اُن کو اپنی فصاحت اور قادر الکلامی پر اس قدر غرور تھا کہ وہ ساری دنیا کو اپنے آگے گونگا جانتے تھے مگر قرآن کریم نے نازل ہو کر اہل عرب کے غرور۔ فصاحت و بلاغت کی ایسی کمر توڑی اور اُن تمام فصیح و قادر الکلام اہلِ عرب کو قرآن کریم کے مقابلہ پر ایسا نیچا دیکھنا پڑا کہ رفتہ رفتہ اہلِ عرب کا غرور فصاحت جاتا رہا اور سب کو کلام الہٰی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔

سالانہ میلوں۔ تقریبوں اور حج کے موقعوں پر جس شخص کا قصیدہ مجلسِ مشاعرہ میں سب سے زیادہ بہتر قرار دیا جاتا وہ فوراً سب سے زیادہ عزت و عظمت کا وارث بن جاتا تھا۔ شاعروں کی عزت اُن کے نزدیک۔ بہادر سپہ سالاروں اور بادشاہوں کے مساوی بلکہ اُن سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ قبیلوں کو لڑا دینا۔ قبیلوں کو غیر معمولی بہادر بنا دینا۔ لڑائی کو جاری رکھنا یا اُس کو ختم کرا دینا اُس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ بہترین قصائد خانہ کعبہ پر لکھ کر لٹکا دیئے جاتے تھے۔ چنانچہ ایسے سات قصیدے۔ جو سبع معلقات کے نام سے مشہور ہیں۔ امراء القیس بن حجر کندی۔ زہیر ابن ابی سلمیٰ مزنی۔ لبید بن ربیعہ۔ عمر بن کلثوم عنترہ عبسی وغیرہ کے مصنّفہ تھے۔

شکار کا شوق:۔ عرب جاہلیت کو شکار کا بھی بہت شوق تھا۔ اسی لئے عربی زبان میں شکار کے متعلق بہت زیادہ اصطلاحیں موجود ملتی ہیں۔ جو شکار داہنی طرف سے آکر بائیں طرف چلا جاتا اُس کو سانح اور جو بائیں طرف سے آکر دائیں طرف کو چلا جاتا اُسے بارح کہتے تھے جو شکار سامنے سے آتا اُس کا نام ناطح اور جو پیچھے سے آتا اُس کا نام قعید تھا۔ شکاری کی کمیں گاہ کا نام قترہ اور تیر کے شکار کی غرض سے جو گڑھا کھودا جاتا اُس کا نام زبیہ۔ شکار کی طرف داؤں کرتے ہوئے پیٹ کے بل زمین سے چپٹے ہوئے جانے کو تلبد اور شکاری کے محروم واپس آنے کو اخفاق کہتے تھے۔ وہ چیز کو شکار کر لیتے اُس کا گوشت بلا تکلف کھاتے خواہ وہ حرام ہو یا حلال۔ اسلام نے حرام و حلال کی قیود اور شکار کے لئے پابندیاں قائم کیں۔

لباس و طعام:۔ ملک عرب میں نہ ریشم پیدا ہوتا ہے نہ کپاس۔ یہ چیزیں اگر بعض صوبوں میں پیدا ہوتی ہیں تو بہت قلیل مقدار میں اور ملکی ضروریات کے لئے ناکافی۔ یمن میں قدیم الایام سے پارچہ بافی کا رواج ہے۔ عام طور پر اہل عرب کا لباس بہت ہی سادہ رہا ہے۔ گاڑھے کے کُرتے میں چمڑے کے پیوند لگا کر پہننا معمولی بات تھی۔ بعض اشخاص چمڑے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو سوئی کے ٹانکوں سے جوڑ کر چادر بنا لیتے تھے۔ اور یہ چادر بلا تکلف اوڑھنے اور بچھانے کے لئے کام آتی تھی۔ اُونٹ اور بھیڑ کے بالوں سے بھی کپڑے بنے اور تیار کئے جاتے تھے۔ اور زیادہ تر انہیں کمبلوں کے خیمے اور فرش بنائے جاتے تھے ڈھیلے ڈھیلے اور نیچے کرتے۔ تہہ بند اور سر پر رومال یا عمامہ کا رواج تھا۔ عود۔ عنبر۔ لوبان۔ کافور وغیرہ خوشبویات سے بھی وہ واقف تھے۔ اہلِ عرب کی خوراک بھی بہت سادہ اور بے تکلفانہ ہوتی تھی۔ خراب اور بدمزہ کھانوں پر بھی وہ قناعت کر لیتے تھے۔ گوشت کو وہ سب سے زیادہ قیمتی اور لذیذ غذا سمجھتے تھے۔ دودھ۔ گوشت اور چنیا

وغیرہ غلّہ عام طور پر تمام مُلک کی غذا تھی۔ پنیر۔ ستو۔ کھجور۔ روغن زیتون۔ حریرہ وغیرہ کا بھی استعمال کرتے تھے۔ ٹڈیاں بھی جو اُس ملک میں بکثرت ہوتی ہیں کھاتے تھے۔ آٹے کو چھلنی میں چھاننے کا عام رواج تھا۔ بلا چھنے ہوئے آٹے کی روٹی پکا کر کھاتے تھے۔ سوسمار بھی پکا کر خوب مزے سے کھاتے تھے۔ کھانا کھانے کے آداب بھی بہت ادنیٰ درجہ کے تھے جن کا اندازہ اُن احکام نبوی صلعم سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ جو کھانے پینے کے متعلق احادیث میں موجود ہیں۔ اور جن میں بہت سی بدتمیزیوں سے منع کیا گیا ہے اور انسان کو دسترخوان پر لبسیار خوری۔ بے شرمی۔ کثیف المزاجی اور اناپ شناپ باتوں سے باز رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

غارت گری :- جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے عرب میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو شہروں اور بستیوں میں آباد تھے۔ دوسرے وہ جو خانہ بدوشی کی حالت میں پھرتے تھے اور تعداد میں زیادہ تھے۔ شہری لوگوں میں اگرچہ حقوق ہمسایہ کی رعایت۔ امانت داری۔ دیانت وغیرہ صفات تھے مگر تجارت میں مکر و دغا۔ دھوکہ بازی وغیرہ عیوب اُن میں بھی موجود تھے۔ خانہ بدوش یا بدوی رہزنی اور ڈاکہ ڈالنے میں بے حد مشاق تھے۔ مسافروں کے لوٹ لینے اور زبردستی کسی کا مال چھین لینے کی سب کو عادت تھی۔ اگر کسی شخص کو تنہا سفر میں پاتے تو اُس کا مال چھین لیتے اور اُس کو غلام بنا کر بیچ ڈالتے۔ راستوں میں جو کنوئیں بنے ہوئے ہیں اُن کو گھاس وغیرہ سے چھپا دیتے کہ مسافر کو پانی نہ مل سکے اور پیاس سے مرجائے تو بلا زحمت اُس کا مال ہاتھ آئے۔ چوری میں بھی خوب مشاق تھے۔ بعض بعض تو چوری میں اس قدر مشہور تھے کہ اُن کے نام بطور ضرب المثل مشہور ہوتے اُن چوروں کو ذوبان العرب (عرب کے بھیڑیئے) بھی کہا جاتا تھا۔

تکبر :- تکبر کی رذیل صفت بھی عرب جاہلیت میں حد کو پہنچی ہوئی تھی۔ خذیمہ ابرش کے تکبر کی یہ حالت تھی کہ کسی کو اپنا مشیر و وزیر اور ہم نشین نہیں بنایا۔ وہ کہتا تھا کہ فرقدین ستارے میرے ہم نشین ہیں۔ بنی مخزوم بھی تکبر کے لئے خصوصی شہرت رکھتے تھے۔ اسی طرح بہت سے قبائل اس رذیل صفت میں ممتاز اور مشہور عوام تھے۔ لیکن اس عیب سے خالی کوئی بھی قبیلہ نہ تھا۔ اسی تکبر کا نتیجہ تھا کہ انبیاء و رسل اور ہادیان برحق کے مواعظ حسنہ سننے اور احکام الٰہی کی فرماں برداری کرنے کو بھی عیب جانتے تھے۔

تشتر کینہ :- اگر کسی قاتل یا دشمن پر اُس کی زندگی میں دسترس حاصل نہ ہو سکتی تو اُس کے بیٹے۔ پوتوں اور رشتہ داروں سے بدلہ لیتے تھے اور جب تک انتقام نہ لے لیں چین سے نہ بیٹھتے تھے

اگر سببِ عداوت یاد نہ رہے عداوت پھر بھی یاد رہتی تھی۔ بہت سے شخصوں کو صرف اس لئے قتل کرتے تھے کہ ہم کو اُن سے دشمنی ہے۔ اور اُن کا قتل کرنا ضروری ہے۔ لیکن یہ نہ بتا سکتے تھے کہ اُن سے کیوں دشمنی ہے۔؟

مراسم ماتم:۔ جب کوئی شخص مرجاتا تو اُس کے عزیز واقارب اپنا منہ کھسوٹتے اور بال نوچتے اور ہائے وائے کرتے تھے۔ عورتیں بال کھولے سر پر خاک ڈالے جنازے کے پیچھے پیچھے چلتی تھیں جس طرح ہندوستان میں ہندو لوگ مُردہ کے غم میں سر کے بال اور ڈاڑھی مونچھ منڈوا دیتے ہیں۔ عرب جاہلیت میں عورتیں بھی اپنا سر منڈوا دیتی تھیں۔ رونے پیٹنے اور ماتم کرنے کے لئے اُجرت پر عورتیں بُلوائی جاتیں۔ وہ خوب زور شور سے نوحہ کرتیں۔ دفن سے فارغ ہو کر دسترخوان بچھایا جاتا اور اُن نوحہ کرنے والیوں کو کھانا کھلایا جاتا۔ اسلام نے ان تمام مراسم جاہلیت کو مٹایا۔ لیکن تعجب ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں تیجا۔ دسواں۔ چالیسواں چھ ماہی اور برسی اب بھی موجود ہے اور عرب جاہلیت کی تکلیف ابراہیم کا ماتم ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

توہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی:۔ جنوں۔ دیوؤں اور پریوں کے بھی بہت قائل تھے۔ ان کا اعتقاد تھا۔ کہ پریاں انسانی مردوں پر عاشق ہو جاتیں اور جن انسانی عورتوں سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں۔ جنوں کو وہ غیر مرئی مخلوق سمجھتے۔ مگر ساتھ ہی یقین رکھتے تھے کہ مجردات اور مادیات سے مل کر اولاد پیدا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اہلِ عرب کا عقیدہ تھا کہ جرہم انسان اور فرشتے کے تناسل سے پیدا ہوا تھا۔ یہی عقیدہ اُن کا شہر سبا کی ملکہ بلقیس کی نسبت تھا۔ عمر بن یربوع کی نسبت اس کا خیال تھا کہ آدمی اور غولِ بیابانی کے تناسل سے پیدا ہوا تھا۔

جس اونٹنی کے پانچ بچے ہو چکے ہوں۔ اور پانچواں نر ہو اُس کو بحیرہ کہتے اور اُس کا کان چھید کر چھوڑ دیتے تھے۔ وہ جہاں چاہے کھاتی چرتی پھرے کوئی اُس سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ اگر بھیڑ کے نر بچہ پیدا ہوتا۔ اُس کو بتوں پر چڑھا دیتے۔ مادہ ہوتا تو اپنے لئے رکھتے۔ اگر دو بچے نر و مادہ پیدا ہوتے تو اس کی قربانی نہیں کرتے۔ اُس کا نام وصیلہ ہوتا تھا۔ جس نر اونٹ کی جفتی سے دس بچے پیدا ہو چکے تھے اُس کی بڑی عزت کرتے۔ نہ اس پر بوجھ لادتے نہ خود سوار ہوتے اور سانڈ کی طرح آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ اُس کا نام حام ہوتا ہے۔ بتوں کے سامنے یا بُت خانوں کی ڈیوڑھی پر تین تیر رکھے رہتے تھے۔ ایک پر لا دوسرے پر نعم لکھا ہوتا۔ یہ تیر ایک ترکش میں

ہوتے جب کوئی خاص اور اہم کام درپیش ہوتا تو جاتے اور ترکش میں سے ایک تیر نکالتے اگر لا والا تیر نکل آتا تو اُس کام سے باز رہتے۔ نعم والا نکلتا تو اجازت سمجھتے۔ خالی تیر نکلتا تو پھر دوبارہ تیر نکالتے یہاں تک کہ لا و نعم میں سے کوئی ایک نکل آتا۔ رتم ایک قسم کا درخت ہے۔ جب کہیں سفر میں جاتے تو جاتے وقت رتم کی کسی باریک شاخ میں گرہ لگا جاتے۔ سفر سے واپس آکر دیکھتے کہ اُس شاخ میں گرہ لگی ہوئی یا کھل گئی ہے۔ اگر گرہ لگی ہوئی دیکھتے تو سمجھتے کہ ہماری بیوی پاک دامن رہی ہے اگر گرہ کھلی ہوئی پاتے تو یقین کر لیتے کہ عورت نے ہماری غیر موجودگی میں ضرور بدکاری کی ہے۔ جب کوئی شخص مرجاتا تو اُس کی اونٹنی کو اُس کی قبر کے پاس باندھ کر آنکھیں اُس کی بند کر دیتے۔ یہاں تک کہ وہ مرجاتی یا اُس اونٹنی کے سر کو اُس کی پشت کی جانب کھینچ کر سینہ کے قریب لاکر باندھ دیتے۔ اور اسی حالت میں چھوڑ دیتے۔ یہاں تک کہ وہ مرجاتی۔ یہ کام اُن کے عقیدہ کے موافق اس لئے کیا جاتا تھا۔ کہ مرنے کے بعد یہ شخص جب قبر سے اُٹھے گا۔ تو اُس اونٹنی پر سوار ہو کر اُٹھے گا۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ جب کوئی شخص کسی بستی میں جائے اور وہاں کی وبا کا اُس کو خوف ہو تو چاہیے کہ اُس بستی کے دروازے پر کھڑا ہو کر خوب زور سے گدھے کی سی آوازیں نکالے تاکہ وبا سے محفوظ رہے۔ جب کسی کے پاس ایک ہزار سے زیادہ اونٹ ہو جاتے تو اُن میں جو سانڈ ہوتا اُس کی دونوں آنکھیں نکال لیتے تاکہ تمام اونٹ نظرِ بد سے محفوظ رہیں۔ جب کسی اونٹ کو داء العریعنی خارش کا مرض ہوتا تو مریض کو نہیں بلکہ تندرست اونٹ کو داغ دیتے۔ اور یقین رکھتے کہ اس کے اثر سے بیمار اونٹ اچھا ہو جائے گا نابغہ کا شعر ہے کہ

حملت علی ذنبہ وترکتہ ۔ کذی العر یکوی غیرہ وھو راتع

ترجمہ: تو نے غیر کو تو چھوڑ دیا اور اُس کا گناہ میرے اوپر اس طرح لاد دیا جیسے کہ عر کی بیماری کے مریض اونٹ کو چھوڑ کر اُس کے عوض تندرست اونٹ کو جو مزے سے چر رہا ہو داغ دیا جاتا ہے۔

اِسی طرح جب کوئی گائے پانی نہ پیتی تو بیلوں کو مارتے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ جن بیلوں پر سوار ہو جاتا ہے اور گایوں کو پانی پینے سے روکتا ہے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ اگر مقتول کا بدلہ قاتل سے نہ لیا تو مقتول کی کھوپری میں سے ایک پرند جس کا نام ہامہ ہے نکلتا ہے اور جب تک انتقام نہ لے لیا جائے برابر چیختا پھرتا ہے کہ مجھے پانی پلاؤ۔ پانی پلاؤ۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ ہر انسان کے پیٹ میں ایک سانپ رہتا ہے۔ جب وہ سانپ بھوکا ہوتا ہے تو پسلی کی ہڈیوں پر سے گوشت نوچ نوچ کر کھاتا ہے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ اگر کسی عورت کے بچے مرجایا کرتے ہوں اور وہ عورت

کسی شریف مقتول آدمی کی لاش کو خوب اپنے پاؤں سے کچلے تو پھر اُس کے بچے جینے لگتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ جن خرگوش سے بہت ڈرتا ہے اس لئے جنوں سے محفوظ رہنے کے لئے خرگوش کی ہڈی بطور تعویذ کے بچوں کے گلے میں ڈالتے تھے۔

دختر کشی:۔ بنی تمیم اور قریش میں دختر کشی کی رسم سب سے زیادہ جاری تھی۔ اس رسم دختر کشی پر وہ فخر کرتے اور اپنے لئے نشانِ عزت سمجھتے تھے۔ بعض گھرانوں میں یہ سنگدلی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ لڑکی جب بڑی ہو جاتی یعنی خوب میٹھی میٹھی باتیں کرتی اور اُس کی عمر پانچ چھ سال کی ہو جاتی تب اُس کو اچھے کپڑے پہنا کر سنگ دل باپ خود لے کر بستی سے باہر جاتا جہاں وہ پہلے سے ایک گہرا گڑھا کھود آتا تھا۔ اُس گڑھے کے کنارے اُس لڑکی کو کھڑا کر کے پیچھے سے دھکا دے کر گرا دیتا وہ لڑکی چیختی چلاتی اور باپ سے امداد طلب کرتی لیکن وہ ظالم باپ اوپر سے ڈھیلے مار کر اور مٹی ڈال کر اُس کو دبا دیتا اور زمین ہموار کر کے واپس چلا آتا اور اس طرح اپنے لختِ جگر کو زندہ درگور کرنے پر فخر کرتا۔ بنی تمیم کے ایک شخص قیس بن عاصم نے اسی طرح اپنی دس لڑکیاں زندہ دفن کی تھیں۔ دختر کشی کی اس ظالمانہ رسم سے عرب کا کوئی بھی قبیلہ پاک نہ تھا مگر بعض قبیلوں میں یہ حرکت کثرت سے ہوتی تھی اور بعض میں کسی قدر کم۔

قمار بازی:۔ عرب جاہلیت میں قمار بازی کے بھی بہت شائق تھے۔ زیادہ تر ازلام کے ذریعہ جُوا کھیلا جاتا تھا۔ ازلام جوا کھیلنے کے خاص تیر ہوتے تھے۔ جن پر پَر نہیں لگے ہوتے تھے۔ اُن کی تعداد دس ہوتی تھی۔ ہر ایک تیر کا جدا جدا نام ہوتا تھا۔ بالترتیب اُن کے نام یہ تھے (۱) فذ (۲) توام (۳) رقیب (۴) نافس (۵) حلس (۶) مسبل (۷) معلی (۸) فسیح (۹) منیح (۱۰) وغد ان میں سے ہر ایک تیر کا ایک خاص حصہ ہوتا تھا۔ مثلاً فذ کا ایک حصہ۔ توام کے دو۔ رقیب کے تین۔ اسی طرح ایک ایک بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ معلی کے سات حصے قرار پائے۔ باقی آخر کے تین تیروں کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ دس مالدار لوگ موٹی موٹی بکریوں کو مول لیتے اور اُن کو ذبح کر کے اٹھائیس حصوں پر تقسیم کرتے۔ تمام تیروں کو ایک ترکش میں کسی ایک شخص کے ہاتھ میں دے دیتے وہ ایک ایک تیر نکال نکال کر ایک شخص کے ہاتھ میں دیتا جاتا۔ جو تیر جس شخص کے پاس آتا اُسی کے موافق اُس کو حصہ مل جاتا۔ پچھلے تین تیر جن کے ہاتھ میں آتے وہ تینوں محروم رہتے۔ یہ جُوا خاص کعبہ کے اندر ہبل کے سامنے کھیلا جاتا تھا۔ ایک طریقہ قمار بازی کا یہ تھا کہ تھوڑی سی ریت جمع کر کے کوئی چیز اُس میں چھپا دیتے اُس کے بعد اُس ریت کی دو ڈھیریاں کر دیتے

اور دریافت کرتے کہ بتاؤ وہ چیز کون سی ڈھیری میں ہے۔ جو شخص ٹھیک بتا دیتا وہ جیت جاتا اور جو غلط بتاتا وہ ہار جاتا۔

عرب جاہلیّت اور دوسرے ممالک

اوپر کی فصل میں عرب اور اُس کے باشندوں کی نسبت جو کچھ بیان ہوا ہے یہ ظہورِ اسلام اور بعثتِ نبوی صلعم سے پہلے کی حالت ہے۔ اہلِ عرب کے اخلاق۔ عادات۔ معاشرت۔ مذہب۔ عقائد وغیرہ کی نسبت جو کچھ اوپر بیان ہوا وہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے تقریباً ایک صدی پہلے تک کی حالت ہے اور یہی حالت بعثتِ نبوی تک قائم تھی۔ قارئین کرام خود غور فرمائیں کہ جن لوگوں میں آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے اور جو اسلام کے اول المخاطبین بنے کس قدر پست اور ذلیل حالت میں تھے۔ پھر آئندہ صفحات میں رسول عربی کی تعلیمات اور اسلام کے اثر سے عرب کے انقلاب کا حال پڑھ کر زیادہ صحیح اندازہ ہو سکے گا کہ آنحضرت صلعم کی روحانیت اور اسلام کا اثر کس عظیم الشان طاقت کا نام ہے اور یہ اندازہ اور بھی زیادہ صحیح اُس وقت تک ہو سکے گا جب کہ بعثتِ نبوی کے وقت کی ساری دنیا پر ایک مجموعی نظر ڈالیں اور پھر بعد میں دیکھیں کہ اسلام نے ساری دنیا میں شائع ہو کر دنیا کی ہر حالت میں کیا تغیر پیدا کیا۔ لہٰذا عرب کی مذکورہ حالت ظاہر کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ممالک عالم کی وہ حالت جو اُسی مذکورہ عرب کی ہم عہد حالت ہے نہایت مختصر اور اجمالی طور پر بیان کر دی جائے۔

ایران:۔ ایران دنیا کے نہایت مشہور۔ قدیم اور باعزت ملکوں میں شمار ہوتا ہے۔ عہد قدیم میں مہ آبادی مذہب اس ملک میں رائج تھا۔ پھر مہ آبادی مذہب کی اصلاح و تجدید کے لئے بہت سے پیشوایانِ مذہب بطور مجدد اس مُلک میں ظاہر ہوتے اور اصلاح دین کا کام کرتے رہے۔ اس پہلے دَور کے ختم ہونے پر زرتشت نے دین آتش پرستی از سر نو جاری کیا جو دین مہ آبادی کی ایک اصلاح شدہ حالت کا نام سمجھنا چاہیے۔ زرتشت نے اپنے آپ کو ہادی برحق بتایا اور بہت جلد ایرانی سلطنت اور ایرانی رعایا کا مذہب زرتشتی دین ہو گیا۔ ایرانیوں نے غالباً دنیا میں سب سے زیادہ ترقی کی۔ ایرانیوں کے انتہائی عروج کے زمانہ میں اُن کی حکومت بحر روم بلکہ مصر سے لے کر چین و منگولیا اور کوہ ہمالہ و خلیج فارس سے بحیرۂ خزر و کوہ التائی تک وسیع تھی۔ تمام برّاعظم

ایشیا میں اُن کا تمدن غالب تھا۔ اُن کی تہذیب ایشیا کے ہر ملک میں قابل تقلید اور اُن کے اخلاق ہر ایشیائی قوم کے لئے قابل اقتدار سمجھے جاتے تھے لیکن اُن کی حالت ظہور اسلام کے وقت اس قدر خراب اور ذلیل ہو چکی تھی کہ وہ شرک میں مبتلا ہونے کے سبب اپنی ایک ایک خوبی برباد اور زائل کر چکے تھے۔ زرتشت کو خدائی صفات دے کر انھوں نے اپنے معبودانِ باطلہ میں شامل کر لیا تھا۔ خالقِ خیر اور خالقِ شر دو معبود یزدان واہرمن کے نام سے پوجے جاتے تھے آگ کی پرستش علانیہ خوب زور شور سے ہوتی تھی۔ چاند۔ سورج اور ستاروں۔ سیاروں کی پرستش بھی رائج تھی۔ چوری و رہزنی کا بھی ملک میں زور تھا۔ زنا کا رواج اس درجہ ترقی کر گیا تھا کہ مزدک نا ہنجار نے سرِ دربار کسرائے ایران کی بانوئے سلطنت کو بے عصمت کرنے کی فرمائش کی اور فرماں روائے ایران نے اس کی اس نامعقول وحیا سوز جرأت کی مخالفت ضروری نہ سمجھی۔ آپس کی نااتفاقی و درندگی۔ بغض وحسد۔ دھوکہ بازی و فریب دہی۔ زبردستوں کا زیر دستوں کو چوپایوں سے زیادہ ذلیل سمجھنا وغیرہ وہ معائب تھے جنھوں نے ایران پر ہر طرف سے نحوست وادبار کو اس طرح متوجہ کر دیا تھا۔ جیسے سیلاب نشیب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تمام علوم۔ تمام تہذیب۔ تمام اخلاقِ فاضلہ اور تمام انسانی خوبیاں ملکِ ایران کو خالی کر چکی تھیں۔ اور وہ ملک جو کسی زمانہ میں تہذیب وتمدن کا منبع ومرکز تھا یکسر تاریک ہو چکا تھا۔ نہ صرف ستارہ پرستی و آتش پرستی وبت پرستی ومشاہیر پرستی ہی رائج تھی۔ بلکہ بادشاہ۔ وزرا۔ سپہ سالار اور اُمرا بھی عوام سے اپنی پرستش کراتے تھے۔ اس عذاب سے ایرانی مخلوق اُس وقت آزاد اور ملک کی تاریکی اُس وقت دُور ہوئی جب کہ مسلمانوں نے حدودِ ایران میں فاتحانہ قدم رکھا۔

رُوم ویونان۔ ایرانی شہنشاہی کی مدِ مقابل دنیا کی دوسری سب سے بڑی طاقت رومیوں کی سلطنت وحکومت تھی۔ رُوم ویونان کی تہذیب بھی بہت قدیم وشاندار اور اُن کے علوم وفنون اور شوکت وعظمت مشہورِ آفاق ہو چکی تھی۔ طب۔ ریاضی۔ ہیئت۔ منطق۔ فلسفہ۔ حکمت وغیرہ کی ترقی میں دُنیا کا کوئی ملک بھی یونان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسی مُلک میں سقراط۔ بقراط۔ لقمان۔ افلاطون۔ ارسطو پیدا ہو چکے تھے۔ اسی مُلک میں سکندر جیسا فتح مند ومُلک گیر بادشاہ پیدا ہوا تھا۔ یونانی قیصر جس کا دار السلطنت قسطنطنیہ تھا۔ نہ صرف شہنشاہ بلکہ دینی پیشوا بھی سمجھا جاتا تھا۔ باوجود ان مادی وعلمی ترقیات کے چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں روم اور یونان اس قدر ذلت اور پستی کی حالت کو پہنچ چکے تھے کہ ایران کی تاریکی روم ویونان کی تاریکی

سے ہرگز زیادہ نہ تھی۔ جس طرح ایران میں ہر مقروض اپنے آپ کو بطور غلام کے بیچ ڈالتا تھا۔ اسی طرح یونان میں غلاموں کی کئی قسمیں تھیں۔ ایک قسم غلاموں کی ایسی تھی کہ وہ یونان سے باہر دوسرے ملکوں میں لے جاکر نہیں بیچی جاتی تھی۔ لیکن عام طور پر اکثر غلام غیر ملکوں میں لے جاکر اسی طرح فروخت کئے جاتے تھے جس طرح گھوڑے بیل۔ اونٹ۔ بکری وغیرہ فروخت کئے جاتے ہیں۔ آقا اپنے غلام کو اسی طرح قتل کر دینے کا حق رکھتا تھا جس طرح کوئی شخص اپنے مویشی کو ذبح کرنے کا حق رکھتا ہے۔ ماں باپ اپنی اولاد کو خود بیچ ڈالتے اور دوسروں کا غلام بنا دیتے تھے۔ رُوم و یونان میں غلاموں کو شادی کرنے کا اختیار نہ تھا۔ اُن میں اور اُن کی اولاد میں کوئی قانونی رشتہ نہ سمجھا جاتا۔

عیسائیوں کی پستی: حضرت عیسٰی علیہ السلام سے دو سو برس بعد تک عیسائیوں میں راہبوں کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا لیکن چھٹی صدی میں راہبوں کی یہ کثرت شام و یونان و رُوم میں ہو گئی کہ ہر شخص جو عزت و تکریم کا خواہاں ہوتا رہبانیت اختیار کر لیتا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ رسم عورتوں میں بھی رائج ہو گئی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ خانقاہ جو راہب مردوں اور راہبہ عورتوں کی قیام گاہیں تھیں۔ قابلِ شرم حرکات کا مقام بنیں۔ بعض راہب صحرانشین بھی تھے۔ عورتوں کی جائز عزت اور والدین کی تعظیم قطعاً مفقود ہو چکی تھی۔ چوری۔ زنا۔ دھوکہ بازی عام طور پر رائج تھی گداگری معیوب نہیں سمجھی جاتی تھی جو طوفانِ رہبانیت کا لازمی نتیجہ تھا۔ توحید اور خدا پرستی کا نام و نشان باقی نہ رہا تھا۔ زاہدوں۔ راہبوں اور مذہبی پیشواؤں کو خدمت گذاری سے رضا مند کر لینے کے ذریعہ نجات کے سرٹیفکٹ حاصل کئے جاتے تھے۔ اُمرا۔ غربا۔ کو اپنا خادم اور اُن سے بطور غلام خدمت لینے کو اپنا جائز حق سمجھتے۔ بادشاہ اور سپہ سالار رعایا کا مرتبہ حیوانوں سے برتر نہیں جانتے اور کاشت کاروں کی تمام محنت و مشقت کے نتیجہ پر خود قابض ہو کر بقدر قوت لایموت اُن کے لئے کچھ قدر قلیل چھوڑ دیتے تھے۔

مصر: مصر کی قدامت کا تصور اور مصری تمدن کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لئے اہرام مصری ابوالہول کے مجسمے اور موجودہ زمانے میں تہ خانوں سے برآمد ہونے والی اشیاء سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ مصر چونکہ ایک زرعی مُلک ہے لہٰذا قدیم مصریوں کی طاقت جب ذرا کمزور ہوئی تو وہ بیرونی ممالک اور بیرونی اقوام کے حملوں کا آماجگاہ بن گیا۔ مصر پر ایرانیوں۔ یونانیوں اور رُومیوں نے بار بار حملے کئے اور بہت بہت دنوں تک قابض و متصرف رہے۔ قیاس چاہتا ہے

کہ ان حملہ آوروں کی تہذیب و تمدّن نے بھی مصر پر ضرور اپنا اثر ڈالا ہوگا اور مصریوں کی تہذیب نے ضرور ترقی کی ہوگی۔ عیسائی مذہب رُومیوں کے عہدِ حکومت میں مصریوں کے اندر رائج ہوا مصر کی آبادی کا ایک معقول حصّہ عیسائی مذہب قبول کر چکا تھا۔ مگر اسلام کے مصر میں داخل ہونے سے پہلے مصری کی حالت نہایت پست اور ہر ایک اعتبار سے بے حد ذلیل ہو چکی تھی عیسائیت کی حالت مصر میں بُت پرستی سے زیادہ بہتر نہ تھی۔ بُت پرست مصریوں میں تمام وہ معائب موجود تھے جو کسی ذلیل سے ذلیل بُت پرست قوم میں ہو سکتے ہیں۔ رومی و یونانی جو فاتح و حکمران قوم سمجھے جاتے تھے رعایا کو چوپایوں سے زیادہ ذلیل سمجھتے تھے۔ جو جو عیوب یونانیوں اور رومیوں کے اندر موجود تھے وہ سب کے سب زیادہ خراب حالت میں مصر کے اندر دیکھے جاتے تھے۔ غلامی نہایت ظالمانہ انداز میں رائج تھی۔ زناکاری اور غارت گری کے لئے ترغیب دہ اصول و قواعد بنا لئے گئے تھے۔ قتلِ انسان معمولی تفریح گاہوں کے لئے سامان تفریح سمجھا جاتا تھا عورتوں کو خودکشی کی ترغیب دی جاتی تھی۔ غرض کہ مصر کی تاریکی بھی کسی مُلک کی تاریکی سے کم نہ تھی اور تہذیب و شائستگی کے علامات مصریوں کے اعمال و اخلاق سے بکلی معدوم تھے۔ اور جہالت و تاریکی جس قدر چاہو موجود۔

ہندوستان:۔ اشوک۔ چندر گپت اور بکرماجیت بڑے بڑے نامور مہاراجے ہندوستان میں گذر چکے تھے۔ ہیئت۔ ریاضی۔ فلسفہ وغیرہ علوم پر ہندیوں کو خاص طور پر ناز تھا کرشن۔ رام چندر اور گوتم بُدھ جیسے بانیانِ مذاہب کی حکایات اور مہا بھارت و رام لیلا کے رزمیہ افسانے بھی اُن کو یاد تھے۔ لیکن جس زمانہ کی دنیا کا ہم اس وقت معائنہ کر رہے ہیں۔ اُس زمانہ میں بدھ مذہب ہندوستان سے خارج ہو رہا تھا اور برہمنی مذہب بتدریج زور پکڑتا جاتا تھا۔ ہندوستان کے کسی ایک بڑے صوبہ پر بھی کوئی ایک عظیم الشان سلطنت و حکومت قائم نہ تھی۔ تمام مُلک میں بت پرستی کا زور شور اور خوب دَور دورہ تھا۔ بُدھ اور برہمنی دونوں مذہبوں میں بُتوں کی پوجا یکساں طور پر موجب نجات سمجھی جاتی تھی۔ براہمنوں اور بُدھوں کے بُت اکثر مندروں میں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو رکھے ہوتے تھے۔ اور بڑے جوشِ عقیدت کے ساتھ پوجے جاتے تھے۔ چینی سیّاح لکھتا ہے کہ ہندوستان کا ایک بھی گھر قسم کھانے کو بُتوں سے خالی نہ تھا۔ بام مارگیوں کے پلید اور حیا سوز مسلک نے مُلک کے ہر حصّہ میں قبولیت اور ہر دل عزیزی حاصل کر لی تھی۔ زناکاری کے لئے مصریوں کی طرح اُصول و قواعد مقرر ہو کر داخل مذہب سمجھے گئے تھے۔ بندہ

کے راجاؤں میں ایسی مثالیں موجود تھیں کہ حقیقی بہنوں سے اُنھوں نے شادیاں کیں۔ جب راجاؤں اور حکمرانوں کی یہ حالت تھی تو عوام کی بدتمیزیاں کچھ اُن سے بھی بڑھ کر ہی ہوں گی۔ اُسی زمانہ کی بعض تصانیف جو آج پرانوں اور مذہبی کتابوں کی صورت میں دستیاب ہوتی ہیں ہندیوں کے اخلاق کو نہایت پست اور اُن کی معاشرت کو بے حد قابلِ شرم ظاہر کرتی ہیں۔ ستاروں۔ سیاروں۔ پہاڑوں۔ دریاؤں۔ درختوں۔ حیوانوں سانپوں۔ پتھروں اور شرم گاہوں کی پرستش ملک ہندوستان میں رائج اور ہر طرف جاری و ساری تھی۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس ملک کی تاریکی کس قدر عظیم و اہم تھی۔

چین:۔ جن ملکوں کا ذکر اوپر ہو چکا ہے یہ سب کے سب عرب کے چہار سمت واقع ہیں۔ اور یہی مشہور و متمدن ممالک سمجھے جاتے ہیں۔ ان میں صرف ملک چین کا اور اضافہ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی آباد و سرسبز اور متمدن ممالک میں شمار ہو سکتا تھا۔ چین کی حالت مذکورہ ممالک سے بھی بدتر تھی۔ کنفیوشش۔ تاؤ اور بدھ تین مذاہب کے کیمیاوی امتزاج نے چین کی تہذیب اور اخلاقی حالت میں وہ کیفیت پیدا کر رکھی تھی جو سوڈا اور ٹارٹارک ایسڈ کے ملانے سے پیدا ہوتی ہے۔ بالآخر اس حالت میں کوئی سکون اور امن کی کیفیت پیدا ہوئی تو اسی وقت میں جب کہ مسلمانوں کی ایک جمعیت نے چین میں داخل ہو کر سکونت اختیار کی اور اپنے اخلاقی نمونے سے اپنے ہمسایوں کو متاثر کیا۔ ترکستان۔ سوئس برتہما۔ یورپ وغیرہ میں بھی انسانی آبادی موجود تھی۔ لیکن ان ملکوں کے رہنے والے انسانوں سے یا تو دُنیا واقف نہ تھی یا اُن کو بمشکل انسان کہا جا سکتا ہوگا۔ بہر حال کوئی قابل رشک خوبی اُن میں موجود نہ تھی۔

خلاصۂ کلام:۔ مذکورہ بالا حالات کے پڑھنے سے یہ بات بآسانی ذہن نشین ہو سکتی ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے اور آپ کی بعثت کے وقت ساری کی ساری دنیا تاریک ہو چکی تھی اور رُبع مسکون پر جہالت کی اندھیری رات اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ کسی حصہ اور کسی ملک میں کوئی ٹمٹماتی ہوئی روشنی مُطلق نظر نہیں آتی۔ دنیا پر اس سے پہلے کبھی ایسا وقت نہیں آیا تھا کہ ایک ہی وقت میں ہر جگہ تہذیب۔ تمدن۔ اخلاق۔ علم۔ حکمت۔ معرفت الٰہی سب کے سب اس طرح برباد ہوئے ہوں اور تمام رُبع مسکون تیرہ و تار ہو گیا ہو۔ ہر ملک میں خدائے تعالیٰ کے مُرسل اور ہادی و رہنما آتے رہے اور یکے بعد دیگرے روشنی اور تاریکی کے دَور دَورے رات اور دن کی طرح نمودار ہوتے رہے لیکن چونکہ اب تمام ملکوں یعنی دُنیا کے لئے ایک ہی ہادی برحق مبعوث ہونے والا تھا۔

لہٰذا خدائے تعالیٰ نے تمام ہادیوں اور ہر ملک کے رہبروں کی لائی ہوئی تعلیمات کے زمانہ کو ایک ہی مقررہ وقت میں ختم کر کے ہر ملک اور دنیا کے ہر حصہ میں نئے ہادی اور نئے ہدایت نامہ کی ضرورت کو پیدا و ہویدا کر دیا تھا اور ساری کی ساری دنیا یک زبان ہو کر زبان حال کے کسی ہادی اور ہدایت کی خواہش کا اظہار کر رہی تھی۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے اُس کامل ہادی اور ختم الرسل کی بعثت اور پیدائش کے لئے مُلک عرب کو انتخاب کیا۔ اور رُبع مسکون کی اس تاریک شب کے ختم کرنے کے لئے مکہ معظمہ سے آفتاب رسالت طلوع ہوا۔ اور اُس نے طلوع ہو کر تمام دنیا کو اپنی نورانی شعاعوں سے منوّر کر دیا۔ ہم کو اپنی کتاب اِس طلوعِ آفتاب ہی سے شروع کرنی ہے۔ مگر اصل مُدعا کے شروع کرنے سے پیشتر اس سوال کا جواب دینا اور باقی ہے کہ آنحضرت صلعم کی بعثت کے لئے مُلک عرب ہی کیوں پسند کیا گیا؟ اور دوسرے ملک میں نبی آخرالزماں کو کیوں نہ پیدا کیا گیا؟

عربُ کا انتخابُ

اس سوال کا سب سے زبردست۔ نہایت معقول اور مسکت جواب یہ ہے کہ نبی آخرالزماں خواہ کسی مُلک میں پیدا ہو ہر حالت میں یہی اعتراض ہو سکتا ہے کیونکہ بہرحال وہ کسی ایک ہی مُلک میں ہوگا۔ اور دوسرے ممالک اُس کی پیدائش و وجود سے محروم رہیں گے۔ پس جب کہ یہ صورت بہرحال شدنی ہے تو معترض کے لئے اعتراض کا کوئی حق باقی نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ دنیا کے دوسرے تمام مشہور ممالک کسی نہ کسی قدیم زمانے میں ایک ایک مرتبہ ضرور ترقی یافتہ اور عروج کی حالت میں رہ چکے تھے۔ اُن کی تہذیب تمدن اخلاق علوم وغیرہ ایسی حالت کو دیکھ چکے تھے کہ انھوں نے کوس اناولاغیری دنیا کی قوموں کے سامنے بجایا تھا نیز ہر مُلک کو دوسرے مُلک کا حاکم یا محکوم بننے کا موقع مل چکا تھا۔ پھر یہ کہ دنیا کے کسی دوسرے مُلک کی زبان اس زمانہ میں ایسی مکمل اور ادائے بیان پر قادر نہ تھی جیسی کہ عرب کی زبان عرب کے جغرافیائی حالات اور باشندوں کی بے شغلی کے سبب مکمل ہو چکی تھی۔ اگر عرب کے سوا کسی دوسرے ملک میں وہ کامل نبی مبعوث ہوتا تو اُس ملک کے باشندے یعنی اوّل المخاطبین چونکہ پہلے دوسرے ملکوں پر قابض و متصرف رہ چکے تھے لہٰذا اس نبی کی ہدایت اور ہدایت نامے کا کوئی اثر اپنی پوری اور حقیقی شان دُنیا پر ثابت نہ کر سکتا اور اس کا ایک بڑا حصہ اس مُلک کی قدیم روایات کی طرف منسوب

ہو جاتا۔ اسی نبی کے ذریعے تہذیب اخلاق اور تہذیب نفس کا جو عظیم الشان کام انجام پانے والا تھا وہ بھی اُس ملک و قوم کی قدیمی روایات سے منسوب ہو کر نبی آخر الزماں اور خاتم الکتب کے عظمت و جلال کا اظہار اور ثابت کرنے والا نہ ہوتا۔ کامل ہدایت نامہ کے لئے ضرورت تھی کہ وہ ایسی زبان میں نازل ہو جو دنیا کی زبانوں میں حدِ کمال کو پہنچ چکی ہو۔ عربی کے سوا کوئی دوسری زبان ایسے ہدایت نامہ کی جو قیامت تک کے لئے اور ہر ملک اور ہر قوم کے لئے نازل ہو متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے ضرورت تھی کہ آنحضرت صلعم ملکِ عرب میں پیدا ہوں۔ اہلِ عرب نہ کسی غیر ملک کے محکوم بنے اور نہ کسی غیر ملک پر قابض و متصرف ہوئے تھے۔ عربوں کے لئے دنیا کا ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم یکساں حیثیت رکھتی تھی۔ وہ جب اسلام کو لے کر نکلے ہیں تو ہسپانیہ یعنی بحر اطلانتک کے ساحل مشرقی سے چین یعنی بحیرۂ چین کے مغربی ساحل تک ساری آباد و متمدن دنیا کے ملک اور قومیں اُن کی نظر میں یکساں تھیں وہ سب سے اجنبی تھے اور سب اُن سے اجنبی لہٰذا خدائے تعالیٰ نے جب ساری دنیا کے لئے ایک مذہب تجویز کیا ———— تو وہ مذہب ایک ایسی قوم کے ذریعے ہماری دنیا میں شائع کیا جو سب کے لئے یکساں بے تعلق قوم تھی۔ عرب کے اخلاق تہذیب اور تمدن نے چونکہ اس سے پہلے کوئی ترقی نہیں کی تھی لہٰذا اس عالمگیر مذہب نے اُن کو یکایک سب سے زیادہ شائستہ۔ سب سے زیادہ مہذب۔ سب سے زیادہ با اخلاق۔ سب سے زیادہ متمدن اور ساری دنیا کا اُستاد اور رہبر بنا کر ثابت کر دیا کہ عرب کی ان تمام محیر العقول ترقیات کا سبب اسلامی تعلیم کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روحانیت ایسی زبردست ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر ملک ہر زمانہ میں اس سے فیضیاب ہو سکتا ہے۔ نیز یہ کہ دنیا کے تمام ہادی اور تمام انبیا قوموں کے لئے جس قدر تعلیمات اور ہدایت نامے لے کر آئے تھے وہ سب کے سب اصولی طور پر قرآن مجید میں موجود ہیں۔ "فیھا کتبٌ قیّمہ" اور رسولِ عربی اُمّی لقب صلعم کی ذات جامع جمیع کمالات نبویہ والسانیہ ہے ع

"آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری"

مذکورۂ بالا آخری چند فقرات غالباً تاریخ نویسی اور مؤرخ کی شان سے کسی قدر الگ سمجھے جائیں لیکن چونکہ میں یہ تاریخ مسلمانوں کے مطالعہ کے لئے لکھ رہا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ مسلمان ہی اس کو سب سے زیادہ مطالعہ کریں گے۔ میں خود بھی بحمد اللہ تعالیٰ مسلمان ہوں پس اسلام اور آنحضرت صلعم کے حالات شروع کرتے ہوئے ان بے ساختہ زبان قلم تک

آجانے والے نقرات کو واپس نہیں لوٹا سکتا تھا۔ اگر مؤرخین یا تاریخ نویسوں کی مجلس میں یہ کوئی عیب کی بات مجھ سے سرزد ہوئی ہے تو میں بہت خوش ہوں کہ مؤرخین کے گروہ سے خارج ہو کر مسلمین کے گروہ میں ضرور شامل کیا جاؤں گا۔

ترا آہو مرا ہم چشم لیلی ست
ترا وحشی مرا عین تسلی ست

دوسرا باب

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

طلوع سحر۔ آفتاب کے طلوع ہونے سے تھوڑی دیر پیشتر صبح کی ہلکی ہلکی روشنی اُفق مشرق سے نمودار ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے تمام دنیا پر شب دیجور کی سیاہی اور جہالت و کفر کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس عالمگیر گمراہی کی شبِ تاریک کے ختم ہونے کا وقت آیا تو طلوع آفتاب کی خبر دینے کے لئے اوّل سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔ ملک عرب میں جو مرکزِ تاریکی بنا ہوا تھا اور جس کے ریگستانوں میں شرک و عصیان کی آندھیاں چل رہی تھیں خود بخود ایسے نشانات ظاہر کرنے لگے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ اس مُلک میں آفتاب رسالت طلوع ہونے اور ہدایت کا چشمہ پھوٹنے والا ہے۔

اقوام عرب ہزارہا سال سے ذلّت و مسکنت اور جہالت و گمراہی کی زندگی بسر کر رہی تھیں لیکن بعثت نبوی نہیں بلکہ پیدائشِ نبوی صلعم کے وقت سے قبائل عرب میں شریفانہ جذبات اور برے کاموں سے نفرت پیدا ہونے لگی تھی۔ ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ۔ عثمان بن الحویرث بن اسد۔ زید بن عمرو بن نفیل عم عمرؓ بن الخطاب۔ عبیداللہ بن جحش وغیرہ کئی شخص ایک جگہ جمع ہوئے اور اپنے عقائد و اعمال پر غور کرنے لگے۔ بالآخر سب نے متفقہ طور سے پتھروں اور بتوں کی پرستش سے بیزاری ظاہر کی اور مختلف مقامات کی طرف دین ابراہیمی کی جستجو میں نکل کھڑے ہوئے ورقہ بن نوفل نے دینِ مسیحی اختیار کر لیا اور بڑی محنت و توجہ سے توریت و انجیل وغیرہ اہلِ کتاب کی کتابیں پڑھیں۔ عبیداللہ بن جحش اپنے خیال پر قائم یعنی دین حنیف کی جستجو میں مصروف رہا۔

یہاں تک کہ اسلام کا ظہور ہوا اور اُس نے اسلام قبول کیا۔ حبش کی طرف ہجرت کی۔ وہاں جاکر نصرانیت کی طرف مائل ہوا۔ عثمان بن الحویرث قیصر روم کے پاس جاکر نصرانی ہو گیا۔ زید بن عمرو نے نہ تو یہود ونصاریٰ کا مذہب اختیار کیا نہ بت پرستی کی۔ خون اور مردہ جانوروں کو اپنے اوپر حرام کیا۔ قطع رحم اور خوں ریزی سے پرہیز کیا۔ جب کوئی شخص اُن سے دریافت کرتا تو کہتے کہ میں ربّ ابراہیم کی پرستش کرتا ہوں بتوں کی بُرائیاں بیان کرتے اور اپنی قوم کو نصیحت و ملامت کرتے۔ اکثر اُن کی زبان پر یہ لفظ جاری ہوتے کہ اللّٰھم لو انی اعلم ای الوجوہ احب الیک لعبدتک ولٰکن لا اعلمہ یعنی اے اللہ اگر میں اس بات سے واقف ہو جاتا کہ کس طرح تیری عبادت کی جائے تو میں ضرور تیری عبادت کرتا اور تیری رضامندی حاصل کرتا۔ لیکن میں تو تیری رضا کی راہوں سے ناواقف ہوں۔ یہ کہتے اور سجدہ میں چلے جاتے۔

کاہنوں اور منجموں نے بھی یہ کہنا شروع کیا کہ ملک عرب میں ایک عظیم الشان نبی پیدا ہونے والا ہے اور بہت جلد اُس کی حکومت ظاہر ہوا چاہتی ہے۔ ملکِ عرب میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے یہودی بھی آباد تھے اور عیسائی بھی۔ علمائے یہود نے بھی اور علمائے نصاریٰ نے بھی توریت وانجیل کی بشارتیں بیان کریں اور لوگوں کو سُنانی شروع کیں کہ نبی آخر الزماں ملکِ عرب میں عنقریب ظاہر ہوا چاہتے ہیں۔

چند روز کے لئے ملکِ یمن پر شاہ حبش کا قبضہ ہو گیا تھا۔ عبد المطلب کے زمانہ میں بھی یمن کا علاقہ شاہِ حبش کے ماتحت تھا۔ اُس زمانہ میں شاہِ حبش کی جانب سے ابرہۃ الاشرم یمن کا صوبہ دار تھا۔ اُس نے یمن میں ایک معبد تیار کیا اور اہل عرب کو ترغیب دی کہ بجائے کعبہ کے اس یمن کے مندر کا حج کیا کریں۔ لیکن اُس کو اپنی اس تحریک میں کامیابی نہ ہوئی بلکہ ایک عرب نے موقع پاکر اُس مندر میں اُس کی تذلیل کے لئے پاخانہ پھر دیا۔ ابرہہ نے جوشِ انتقام میں مکہ پر چڑھائی کی اور اس ارادہ سے روانہ ہوا کہ خانہ کعبہ کو مسمار کر دوں گا۔ اُس کی فوج میں ہاتھی بھی تھے اس لئے مکّہ والوں نے اس فوج کا نام اصحاب الفیل اور اس سال کا نام عام الفیل رکھا۔ مکہ کے قریب پہنچ کر ابرہہ نے جب مقام کیا تو قریش مکہ اس فوج کے آنے کی خبر سُن کر خوف زدہ ہوئے کیونکہ ان میں اس فوج کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ سب نے مل کر سردار قریش یعنی عبد المطلب سے استدعا کی کہ آپ ابرہہ کے پاس جائیں اور کوئی صورت بہتری کی نکالیں چنانچہ عبد المطلب ابرہہ کے پاس پہنچے اُس نے جب اُن کی شریف و وجیہہ صورت دیکھی اور اُن کی نجابت و سرداری کا حال سُنا تو بہت

متاثر ہوا اور عزت کے مقام پر بٹھایا اور آنے کا مقصد دریافت کیا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ آپ کے لشکر نے میرے (چالیس یا دوسو) اونٹ پکڑ لئے ہیں۔ وہ مجھے دلوائے جائیں۔ ابرہہ نے کہا کہ میں تم کو بہت عقلمند اور ذی ہوش شخص سمجھتا تھا۔ لیکن میرا خیال غلط نکلا۔ تم کو معلوم ہے کہ میں خانۂ کعبہ کو مسمار کرنے آیا ہوں۔ تم نے اپنے اونٹ لینے کی کوشش کی لیکن خانۂ کعبہ کے بچانے کی کوئی تدبیر نہ کی۔ عبدالمطلب نے فوراً برجستہ جواب دیا کہ انا رب الابل وللبیت رب یمنعہ (میں تو صرف اونٹوں کا مالک ہوں مگر اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ اپنے گھر کی خود حفاظت کرے گا) ابرہہ اس جواب کو سن کر برہم ہوا اور اس نے کہا کہ اچھا میں دیکھوں گا کہ ربُ البیت مجھ کو کس طرح روکتا اور کعبہ کی حفاظت کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے لشکر پر تباہی آئی اور وہ سب کعصفٍ مّاکولٍ ہوگئے۔ ابرہہ اور اس کے لشکر کا عبدالمطلب کے اس جواب کے بعد اس طرح تباہ و برباد ہونا ملک عرب کے لئے ایک نہایت عظیم الشان واقعہ تھا۔ جس نے سب کے دلوں میں ہیبتِ الٰہی قائم کردی تھی۔ اور اکثر لوگوں کو ظلم و ستم اور قتل و غارت میں تامل ہونے لگا۔

مذکورہ واقعہ اصحاب فیل کے بعد ہی ملکِ یمن کی حکومت شاہ حبش کے قبضہ سے نکل گئی اور سیف بن ذی یزن (یادگار ملوک تبابعہ) ملک یمن پر قابض و متصرف ہوا۔ عبدالمطلب چند شرفائے قریش کو ہمراہ لے کر سیف کو حکومتِ یمن کی مبارک باد دینے کے لئے گئے۔

سیف بن ذی یزن نے اپنے علم و واقفیت کی بنا پر عبدالمطلب کو خوش خبری سنائی کہ نبیٔ آخر الزمان جس کا تمام ملک اور ہر قوم کو انتظار ہے تمہاری اولاد سے ہوگا۔ اس بات کی عام طور پر شہرت ہوئی۔ تمام شریک وفد شرفا کو اس بات کا شبہ ہوا کہ وہ نبی ہماری اولاد سے ہوگا۔ اب لوگ اہلِ کتاب کے احبار و رہبان کے پاس جا جا کر نبیٔ آخر الزمان کے حالات اور علامات دریافت کرنے لگے۔ اُمیہ بن ابی الصلت کو یہ خیال ہوا کہ وہ نبی شاید میں ہوں گا۔ چنانچہ وہ ابو سفیان بن حرب کے ساتھ ملکِ شام کی طرف گیا اور کسی رہبان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی نسبت دریافت کیا مگر وہاں سے مایوس کن جواب ملا۔

دنیا میں کسی بڑے نبی یا رسول کی بعثت یا پیدائش کے وقت آسمان پر بڑی کثرت سے اور غیر معمولی طور پر ستارے ٹوٹتے ہوئے دیکھے جاتے رہے ہیں چنانچہ اسی کثرت سے غیر معمولی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کے قریب شہابِ ثاقب آسمان پر

نمودار ہوئے۔ اور علمائے اہلِ کتاب نے حکم لگایا کہ یہ نبیٔ آخرالزمان کی پیدائش کا زمانہ ہے۔
چنانچہ ۹ ربیع الاول ۱؁ عام الفیل مطابق ۴۰؁ جلوس کسریٰ نوشیروان مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بروز دوشنبہ بعد از صبح صادق اور قبل از طلوعِ آفتاب آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔

ذبیح ثانی عبداللہ بن عبدالمطلب:۔ چاہ زمزم کی اصل حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ہے کہ جب وہ اور اُن کی ماں حضرت ہاجرہؓ مکہ کے صحرائے لق ودق میں پیاس سے بیتاب ہوتے تو خدا تعالیٰ کے حکم سے وہاں پانی کا چشمہ نمودار ہوا۔ حضرت ہاجرہؓ نے اس پانی کو چاروں طرف مینڈ باندھ کر گھیر دیا اور وہ ایک کنوئیں کی صورت بن گیا۔ کچھ عرصہ تک تو وہ اسی حالت میں رہا اور پھر اس کے بعد وہ مٹی سے اٹ گیا اور رفتہ رفتہ اُس کا مقام اور جگہ بھی کسی کو معلوم نہ رہی۔ چاہِ زمزم کا صرف تذکرہ ہی تذکرہ لوگوں کی زبان پر رہ گیا تھا۔ جب عبدالمطلب کے ہاتھ میں سقایۃ الحاج کا کام آیا۔ تو انھوں نے چاہ زمزم کا پتہ و مقام تلاش کرنا شروع کیا۔ بہت دنوں تک عبدالمطلب اور اُن کا بڑا لڑکا حارث چاہ زمزم کی تلاش میں سرگرداں رہے مگر چاہ زمزم کا پتہ نہ چلا۔ قریش میں سے کسی نے اُن کی مدد اس کام میں نہ کی بلکہ باپ بیٹے کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

آنحضرت کے والد ماجد:۔ ایک روز عبدالمطلب نے خواب میں چاہ زمزم کا نشان دیکھا اور کھودنا شروع کیا یہ وہ مقام تھا جہاں اساف اور نائلہ دو بُت رکھے ہوئے تھے۔ قریش مانع ہوئے اور لڑنے کو تیار ہو گئے۔ یہ صرف دو ہی شخص باپ بیٹے تھے۔ کوئی مددگار و معاون اُن کا نہ تھا۔ تاہم یہ غالب ہوئے اور کنواں کھودنے کے کام میں مصروف رہے۔ اُس وقت عبدالمطلب نے اپنی تنہائی کو محسوس کیا اور منت مانی کہ اگر خدائے تعالیٰ مجھ کو دس بیٹے عطا کرے اور پانی کا چشمہ بھی نکل آئے تو میں اپنے بیٹوں میں سے ایک کو خدا کے نام پر قربان کروں گا۔ چند روز کی محنت کے بعد چشمہ بھی نکل آیا اور خدائے تعالیٰ نے عبدالمطلب کو دس بیٹے عطا کیے۔ چاہ زمزم کے نکل آنے سے قریش میں عبدالمطلب کا سکہ بیٹھ گیا تھا اور سب اُن کی سرداری اور بزرگی کے قائل ہو گئے تھے۔ جب عبدالمطلب کے بیٹے جوان ہو گئے تو انھوں نے اپنی مانی ہوئی منت پوری کرنی چاہی۔ سب بیٹوں کو لے کر کعبہ میں گئے۔ ہبل کے سامنے قُرعہ اندازی کی۔ اتفاق کی بات قرعہ کا تیر سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ کے نام نکلا۔ جو عبدالمطلب کو سب سے زیادہ

عزیز تھا۔ عبد المطلب چونکہ اپنی نذر کو پورا کرنا چاہتے تھے۔ مجبوراً عبداللہ کو ہمراہ لے کر قربان گاہ کی طرف چلے۔ عبداللہ کے تمام بھائیوں۔ بہنوں اور قریش کے سرداروں نے عبد المطلب کو اِس حرکت یعنی عبداللہ کے ذبح کرنے سے باز رکھنا چاہا۔ مگر عبد المطلب نہ مانے بالآخر بڑی ردّوکد کے بعد یہ معاملہ سجاع نامی کاہنہ کی طرف رجوع کیا گیا۔ اُس نے کہا کہ تمہارے ہاں ایک آدمی کا خوں بہا دس اونٹ ہیں پس تم ایک طرف دس اونٹ اور ایک طرف عبداللہ کو رکھو اور قرعہ ڈالو۔ اگر قرعہ اُونٹوں کے نام نکل آئے تو اس دس اونٹوں کو ذبح کرو اور قرعہ عبداللہ کے نام پر آئے تو دس اونٹ اور بڑھا کر بیس اونٹ عبداللہ کے بالمقابل رکھو۔ اور پھر قرعہ ڈالو۔ اسی طرح ہر مرتبہ دس دس اُونٹ بڑھاتے جاؤ۔ یہاں تک کہ قرعہ اونٹوں کے نام پر آجائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور قرعہ عبداللہ ہی کے نام نکلتا رہا۔ یہاں تک کہ جب اونٹوں کی تعداد سَو ہو گئی تب اونٹوں کے نام قرعہ آیا۔ عبد المطلب نے اپنی تسکین خاطر کے لئے دو مرتبہ پھر قرعہ ڈالا اور اب ہر مرتبہ اُونٹوں ہی کے نام قرعہ نکلا۔ وہ سَو اونٹ ذبح کئے گئے اور عبداللہ کی جان بچی۔ اُس وقت سے ایک آدمی کا خوں بہا قریش میں سَو اونٹ مقرر ہوئے۔ عبد المطلب کے کُل تیرہ بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ جن کا شجرۂ نسب ساتھ کے صفحہ پر ہے۔
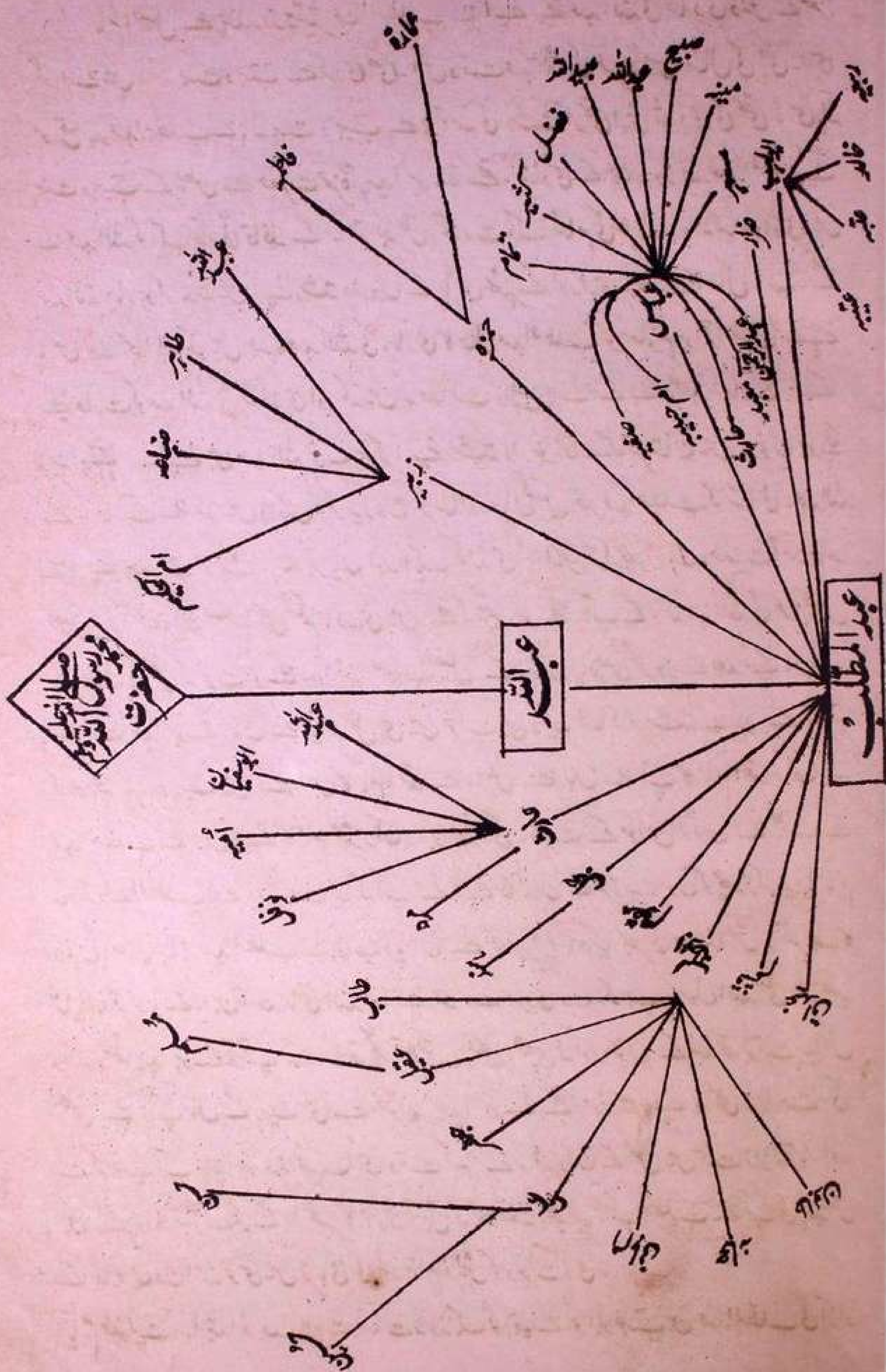
عام الفیل سے چند روز پیشتر عبد المطلب نے اپنے بیٹے عبد اللہ کی شادی قریش کے معزز گھرانے میں آمنہ بنتِ وہب سے کردی تھی۔ اس وقت عبد اللہ کی عمر چوبیس سال کی تھی۔ اسی موقع پر عبد المطلب نے ہالہ بنت وہیب سے جو آمنہ کی رشتہ دار تھی اپنی شادی کی تھی۔ اسی ہالہ بنت وہیب کے بطن سے حضرت حمزہؓ پیدا ہوئے تھے۔ شادی کے چند روز بعد عبد المطلب نے عبد اللہ کو ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ بغرض تجارت ملک شام کی طرف روانہ کیا۔ واپسی میں عبد اللہ بیمار ہو کر مدینہ میں اپنے رشتہ داروں کے پاس ٹھہر گئے اور اپنی بیماری کا حال باپ کے پاس کہلا بھجوایا۔ مکہ میں جب عبد اللہ کی بیماری کا حال عبد المطلب کو معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے بیٹے حارث کو عبد اللہ کی خبر گیری اور مکہ میں بہ حفاظت واپس لانے کے لئے بھیجا۔ حارث کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی عبد اللہ فوت ہو کر اپنے رشتہ دار بنو بخار کے قبرستان میں مدفون ہو چکے تھے۔ حارث نے مکہ میں واپس آکر یہ روح فرسا اور جان گسل خبر عبد المطلب کو سنائی۔ عبد اللہ نے اپنے بعد چند اونٹ۔ چند بکریاں اور ایک لونڈی اُمّ ایمن ترکہ چھوڑا تھا۔ حضرت آمنہ حاملہ تھیں اور آنحضرت صلعم ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ یتیم ہو گئے۔ آپ کے والد عبد اللہ کی عمر پچیس ہی سال کی تھی کہ فوت ہو گئے۔ واقعۂ اصحاب الفیل کے بادن یا پچپن روز کے بعد آپ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ ماں نے ایام حمل ہی میں خواب میں دیکھا تھا کہ فرشتہ نے اُن سے آکر کہا کہ جو بچہ تیرے پیٹ میں ہے اُس کا نام احمد ہے۔ اس لئے ماں نے آپ کا نام احمد رکھا۔ عبد المطلب نے اِس پوتے کا نام محمد رکھا۔ ابو الفدا کی روایت کے موافق لوگوں نے تعجب کے ساتھ عبد المطلب سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے خاندان کے مروجہ ناموں کو چھوڑ کر یہ نیا نام کیوں اختیار کیا؟ عبد المطلب نے جواب دیا اس لئے کہ میرا پوتا دنیا بھر کی ستائش و تعریف کا شایاں قرار پائے۔ ابن سعد رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو آپ کے ساتھ کچھ آلائش نہ نکلی۔ جیسی کہ اور بچوں کے ساتھ بوقت پیدائش نکلتی ہے۔ آپ ماں کے پیٹ ہی سے مختون پیدا ہوتے تھے۔ مورخین نے یہ بھی روایت کی ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے ٹھیک اُسی وقت کسرائے نوشیروان کے محل میں سخت زلزلہ آیا اور اُس کے چودہ کنگرے گر گئے۔ اتشخر کا مشہور آتش کدہ دفعتہً بجھ گیا۔ عبد المطلب نے آپ کی پیدائش کے ساتویں دن اس خوشی میں قربانی کی اور تمام قریش کو دعوت دی۔

ایام طفولیت:۔ ابتداءً بعد ولادت سات روز تک ثوبیہ نے جو ابو لہب بن عبد المطلب کی آزاد

کردہ لونڈی تھیں رسول اللہ صلعم کو دودھ پلایا تھا۔ رسول اللہ صلعم کے چچا حمزہؓ کو بھی ثوبیہ نے دودھ پلایا تھا۔ اس لئے مسروق بن ثوبیہ اور حضرت حمزہؓ دونوں آپؐ کے رضاعی بھائی تھے۔ آٹھویں روز شرفائے عرب کے دستور کے موافق آپؐ قوم ہوازن کے قبیلۂ بنی سعد کی ایک خاتون حلیمہ کے سپرد کئے گئے کہ وہ بطور دایہ آپؐ کو دودھ پلائیں اور اپنے پاس رکھ کر پرورش کریں۔ شرفائے عرب اس لئے اور بھی اپنے بچوں کو ان بدوی عورتوں کے سپرد کرتے تھے کہ جنگل کی کھلی اور آزاد آب و ہوا میں رہ کر بچے تندرست اور مضبوط ہو جائیں نیز اُن کی زبان زیادہ فصیح اور عمدہ ہو جائے کیونکہ بدویوں کی زبان شہریوں کی زبان کے مقابلہ میں زیادہ صاف خالص اور فصیح ہوتی تھی۔ حلیمہ سعدیہ سال میں دو مرتبہ یعنی ہر چھٹے مہینے آپؐ کو مکہ میں لاکر آپؐ کی والدہ آمنہ اور آپؐ کے دادا عبدالمطلب کو دکھا جاتی تھیں۔ آپؐ نے دو برس کی عمر تک حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا اور دو برس تک اور یعنی چار سال کی عمر تک حلیمہ سعدیہ کے گھر قبیلۂ بنی سعد میں پرورش پاتے رہے۔ جب آپؐ کی عمر چار برس کی ہو گئی تو آپؐ کی والدہ آمنہ نے اپنے پاس مکہ میں رکھ لیا۔ دو برس کے بعد جب کہ آپؐ کی عمر چھ سال کی تھی تو آپؐ کی والدہ آپ کو ہمراہ لے کر اپنے عزیز واقارب سے ملنے مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے گئیں ایک مہینہ رہ کر وہاں سے واپسی کے وقت مقام ابوا میں پہنچ کر حالتِ مسافری میں بی بی آمنہ کا انتقال ہو گیا۔ اور آپؐ کی پرورش و نگرانی کا کام آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے اپنے ذمہ لیا۔ بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم چار برس نہیں بلکہ پانچ سال قبیلۂ بنی سعد میں حلیمہ سعدیہ کے گھر رہے اور اپنی والدہ کے پاس صرف ایک ہی سال یا ایک سال چند ماہ رہنے کا آپؐ کو موقع ملا۔ آپؐ کی عمر قریباً پانچ سال کی تھی اور آپ اپنے رضاعی بھائی بہنوں یعنی حلیمہ کے بچوں اور بنی سعد کے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ گھر سے باہر بکریاں چرا رہے تھے کہ واقعۂ شقِ صدر وقوع میں آیا۔ سیرۃ ابن ہشام کی روایت کے موافق حلیمہ بنت ابی ذویب اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتی ہے کہ ایک روز میرے دونوں بچے دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے اور کہا کہ دو سفید پوش آدمی ہمارے قریشی بھائی کو پکڑ کر لے گئے اور اُن کا سینہ چاک کر ڈالا۔ میں اور میرا شوہر (حارث بن عبدالعزیٰ) دونوں اس مقام پر گئے دیکھا کہ خوف کے مارے آپ کا رنگ فق ہے۔ میں نے دوڑ کر آپؐ کو گلے لگا لیا۔ اور حال دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ دو سفید پوش آدمی میرے پاس آئے اور مجھ کو چت لٹا کر میرا سینہ چاک کیا۔ میرا دل نکالا پھر اُس میں سے کوئی چیز نکال لی۔ حلیمہ نے دیکھا تو کسی زخم یا خون کا نشان نہ تھا۔ اُنھوں

نے یہ سمجھ کر کہ اس لڑکے پر کسی جن وغیرہ کا کوئی اثر ہو گیا ہے آپ کو دیر تک اپنے پاس رکھنا مناسب نہ سمجھا اور آپ کو اپنی والدہ کے پاس مکہ میں لاکر تمام کیفیت سنادی اور اپنا خیال ظاہر کیا کہ اس لڑکے پر کسی جن کا اثر ہو گیا ہے۔ حضرت آمنہ نے سن کر فرمایا کہ نہیں کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ میرا یہ بیٹا دنیا میں عظیم الشان مرتبہ پانے اور غیر معمولی انسان بننے والا ہے۔ یہ ہر آفت اور ہر صدمہ سے محفوظ رہے گا۔ اور خدائے تعالیٰ اس کی حفاظت کرے گا۔ کیونکہ جب یہ میرے پیٹ میں تھا تو ایام حمل میں میں نے بہت سی بشارتیں خواب میں فرشتوں سے سنیں اور اس کی بہت سی کرامتیں دیکھی ہیں۔ صحیح مسلم میں انس بن مالک رضؓ سے روایت ہے کہ ایک روز جب کہ آپ کہ میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے حضرت جبرائیلؑ آپ کے پاس آئے آپ کا دل چیرا اور ایک قطرہ نکال کر کہا کہ یہ شیطان کا حصہ تھا۔ بعد اس کے آپ کا دل سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا۔ پھر اس کو بجنسہٖ جہاں رکھا ہوا تھا رکھ دیا۔

عبد المطلب کی وفات

دو برس تک عبد المطلب کی سرپرستی و نگرانی میں پرورش پاکر آپ آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ عبد المطلب کا بھی انتقال ہو گیا۔ جب عبد المطلب کا جنازہ اٹھا تو آپ چشم پرآب جنازہ کے ساتھ تھے۔ عبد المطلب نے مرنے سے پہلے آپ کے متعلق یہ انتظام کر دیا تھا کہ آپ کو اپنے بیٹے ابو طالب کی کفالت میں دے کر خاص طور پر وصیت کی تھی کہ اس لڑکے یعنی اپنے بھتیجے کی خبر گیری میں کوتاہی نہ کرنا۔ آپ کے اور بھی چچا یعنی عبد المطلب کے بیٹے موجود تھے لیکن عبد المطلب نے جو بہت ہی ذی ہوش انسان تھے آپ کو ابو طالب کے سپرد اس لئے کیا تھا کہ ابو طالب اور عبد اللہ ایک ہی ماں سے پیدا ہوئے تھے لہٰذا ابو طالب کو اپنے حقیقی بھائی عبد اللہ کے بیٹے سے زیادہ محبت ہو سکتی تھی۔ عبد المطلب کا یہ خیال بالکل درست ثابت ہوا۔ اور ابو طالب نے باپ کی وصیت کو بڑی خوبی وجواں مردی کے ساتھ پورا کیا۔

ابو طالب کی کفالت:۔ ابو طالب آنحضرت صلعم کو اپنے بچوں سے بڑھ کر عزیز رکھتے اور کبھی آپ کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے حتیٰ کہ رات کے وقت بھی اپنے پاس ہی سلاتے تھے۔ آپ کی طفولیت کا زمانہ عرب کے دوسرے لڑکوں کی نسبت بہت ہی عجیب گذرا۔ آپ کو

لڑکوں میں کھیلنے اور آوارہ پھرنے کا مطلق شوق نہ تھا بلکہ آپ اُن کی صحبت سے بیزار اور دور نفور ہی رہتے اور خلوت کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر ذلیل خصلت اور خبیس عادت سے محفوظ و مامون رکھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپؐ چند نوجوانانِ قریش کے ساتھ کسی شادی کی مجلس میں جانے اور شریک ہونے کے لئے مجبور کئے گئے جہاں رقص و سرود کا ہنگامہ بھی تھا جونہی آپؐ مجلس میں داخل ہوئے آپ کو یکایک نیند آگئی۔ تمام رات اسی طرح سوتے رہے یہاں تک کہ رات ختم ہونے پر مجلس برخاست ہوئی اور لوگ منتشر ہوگئے تب کہیں آپؐ کی آنکھ کھلی اور اس طرح آپؐ مکروہات مجلس میں کوئی حصہ نہ لے سکے۔

آپ کی عمر غالباً سات برس کی تھی کہ قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر جس کو سیلاب نے نقصان پہنچا دیا تھا دوبارہ شروع کی اس تعمیر کے وقت آپ بھی پتھر ڈھوتے اور اُٹھا اُٹھا کر معماروں کو دیتے تھے۔ آپؐ نے تہ بند باندھ رکھا تھا جو چلنے پھرنے اور پتھر اٹھا کر لے جانے میں کسی قدر دقت پیدا کرتا تھا۔ چونکہ سات برس کی عمر کے بچے کا ننگا پھرنا دہ لوگ کچھ معیوب نہ جانتے تھے اس لئے آپ کے چچا عباسؓ نے آپؐ کو تہ بند کی دقت سے آزاد کرنے کے لئے آپ سے کچھ کہے بغیر تہ بند کا سرا پکڑ کر جھٹکا دیا اور آپؐ کو ننگا کر دیا۔ آپ اس قدر شرم و حیا رکھتے تھے کہ ننگے ہوتے ہی بیہوش ہوگئے۔ اور لوگوں کے سامنے اپنے ننگے ہونے کو برداشت نہ کر سکے۔ سب کو آپؐ کی اس شرم و حیا کے معلوم ہونے سے تعجب ہوا اور فوراً تہ بند باندھ دیا گیا۔

پہلا سفر شام:۔ آپ کی عمر بارہ سال کی تھی کہ ابو طالب ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ کچھ مال تجارت لے کر شام کی طرف جانے لگے۔ اور آپؐ کو مکہ ہی چھوڑنا چاہا۔ چونکہ آپؐ ابو طالب کی کفالت میں آکر ہمہ وقت ان کے ساتھ رہتے تھے اس جدائی کو برداشت نہ کر سکے ابو طالب نے بھتیجے کی دل شکنی گوارا نہ کی اور آپؐ کو بھی اپنے ہمراہ ملک شام کی طرف لے گئے۔ ملک شام کے جنوبی حصہ میں ایک مقام بصریٰ ہے۔ جب قافلہ وہاں پہنچا تو ایک عیسائی راہب نے جو وہاں رہتا تھا اور جس کا نام بحیرا تھا آپؐ کو دیکھا اور پہچان لیا کہ یہی نبیؐ آخر الزماں ہے۔ بحیرا ابو طالب کے پاس آیا اور کہا کہ یہ تمہارا بھتیجا نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ اس کے اندر وہ علامات موجود ہیں جو نبی آخر الزماں کے متعلق توریت و انجیل میں لکھی ہیں لہٰذا مناسب یہ ہے کہ تم اس کو آگے نہ لے جاؤ۔ اور یہودیوں کے ملک میں داخل نہ ہو مبادا اس کو کوئی گزند پہنچے۔ ابو طالب نے بحیرا راہب کی یہ باتیں سُن کر اپنا مال جلدی جلدی وہیں فروخت کر دیا۔ اور آپؐ کو لے کر مکہ معظمہ کی طرف واپس چلے آئے ابو طالب

کو باوجود اس کے کہ ملک شام کے شہروں میں داخل نہیں ہوئے اس سفر میں بہت منافع ہوا۔ ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ابو طالب نے بحیرا راہب کی باتیں سنکر آپ کو وہیں سے مکہ کی طرف واپس بھجوادیا اور خود قافلہ کے ہمراہ آگے چلے گئے۔

حرب فجار (یعنی پہلی شرکت جنگ):۔ مقام عکاظ میں ہر سال بڑا بھاری میلہ لگتا تھا۔ اس میلہ میں مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔ گھوڑ دوڑ ہوتی تھی۔ پہلوانوں کی کشتیاں اور فنونِ سپاہ گری کے دنگل بھی ہوتے تھے۔ عرب کے تمام قبائل جنگ جوئی میں حد سے بڑھے ہوئے تھے اور بات بات پر تلواریں کھنچ جاتی تھی۔ عکاظ کے میلہ میں کسی معمولی سی بات پر قبیلۂ ہوازن اور قبیلۂ قریش کے درمیان چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی۔ اوّل تو دونوں قبیلوں کے سمجھ دار لوگوں نے بات کو بڑھنے نہ دیا اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ لیکن شر پسند لوگ بھی ہر قوم میں بکثرت ہوا کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معاملہ درست ہونے کے بعد پھر بگڑا اور جدال و قتال کا بازار گرم ہوا۔ یہ لڑائی ماہ محرم میں ہوئی اسی لئے اس کا نام جنگ فجار مشہور ہوا۔ کیونکہ اہلِ عرب کے عقیدہ کے موافق محرم الحرام میں لڑنا سخت گناہ کا کام تھا اس مہینے میں جاری شدہ لڑائیاں بھی ملتوی ہو جاتی تھیں۔ یہ لڑائی چار بڑی بڑی لڑائیوں کا ایک سلسلہ تھی۔ اور ہر پہلی لڑائی سے دوسری لڑائی زیادہ سخت و شدید ہوتی تھی کیونکہ قبیلہ ہوازن کے ساتھ قیس عیلان کے تمام دوسرے قبائل اور قریش کے ساتھ کنانہ کے تمام قبائل یکے بعد دیگرے شامل ہوتے گئے اور یہ لڑائی ترقی کرکے قبائل قیس اور قبائل کنانہ کی لڑائی بن گئی۔ آخری چوتھی لڑائی نہایت ہی سخت اور زبردست لڑائی تھی۔ جس میں بعض سرداروں نے خود اپنے پاؤں میں اس لئے بیڑیاں ڈلوائی تھیں کہ میدانِ جنگ سے کسی طرح بھی بھاگ نہ سکیں۔ اسی آخری چوتھی لڑائی میں پہلی مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بھی مسلح ہوکر شریک جنگ ہوئے۔ بنو کنانہ میں ہر قبیلہ کا سپہ سالار جدا جدا تھا۔ چنانچہ بنو ہاشم کے سردار آپؐ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب تھے اور ساری فوج یعنی تمام بنو کنانہ کا سپہ سالار اعظم حرب بن اُمیہ تھا۔ آنحضرت صلعم کی عمر اُس وقت پندرہ سال کی تھی۔ آپ کے سپرد یہ خدمت تھی کہ آپ اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے۔ آپؐ کو خود کسی سے مقابلے اور قتال کا موقع نہیں ملا۔ اس لڑائی میں اوّل تو بنو ہوازن غالب نظر آتے تھے۔ بالآخر بنو کنانہ غالب اور قبائل قیس مغلوب ہوئے۔ ابن خلدون کی روایت کے موافق حرب فجار کے وقت آپ کی عمر بیس برس کی تھی۔ مگر صحیح یہ ہے کہ حربِ فجار ۵۸۱ء میں واقع ہوئی اور اُس وقت آپؐ کی عمر پندرہ سال کی تھی۔

تجارت:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوان ہوئے تو آپ کو تجارت کی طرف توجہ ہوئی۔ آپ کے چچا ابوطالب نے بھی آپ کے لئے اسی شغل کو پسند کیا۔ آپ تجارتی قافلوں کے ہمراہ مالِ تجارت لے کر کئی مرتبہ گئے اور ہر مرتبہ منافع ہوا۔ ان سفروں میں لوگوں نے آپ کی دیانت وامانت اور خوش معاملگی کو بغور معائنہ کیا۔ نیز شہر مکہ میں جن لوگوں سے بھی آپ کا معاملہ ہوا۔ سب ہی نے آپ کو بے حد امین، صادق القول۔ راست کردار اور خوش معاملہ پایا۔ عبداللہ بن ابی الحمساءؓ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے اسی زمانہ میں میں نے آنحضرت صلعم سے کوئی معاملہ کی بات کی ابھی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ مجھ کو کسی ضرورت سے دوسری طرف جانا پڑا اور جاتے ہوئے آپ سے کہہ گیا کہ آپ یہیں ٹھیرے رہیں میں ابھی واپس آکر معاملہ ختم کر دوں گا۔ وہاں سے جدا ہو کر مجھ کو اپنا وعدہ یاد نہ رہا جب تیسرے دن اس طرف کو گذرا تو دیکھا آنحضرت صلعم اسی جگہ کھڑے ہیں۔ آپ نے مجھ کو دیکھ کر صرف اسی قدر کہا کہ مجھ کو تم نے تکلیف و محنت میں ڈال دیا۔ میں اس وقت تک اسی جگہ تمہارے انتظار میں ہوں۔ اسی طرح سائبؓ ایک صحابی تھے وہ جب ایمان لائے تو بعض لوگوں نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں ان کی تعریف بیان کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں سائبؓ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ سائبؓ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ ایک مرتبہ تجارت میں میرے شریک رہے تھے اور آپ نے معاملہ ہمیشہ صاف رکھا۔

خدیجہؓ کی پیش کش

قبیلہ بنو اسد کی ایک معزز خاتون خدیجہؓ بنت خویلد قریش میں ایک مالدار عورت سمجھی جاتی تھیں۔ وہ بیوہ تھیں اور اب تک دو خاوندوں سے شادی کر چکی تھیں۔ اُن کے دوسرے خاوند نے بہت کچھ مال واسباب چھوڑا تھا۔ خدیجہؓ اپنے کارندوں کے ہاتھ ہمیشہ شام۔ عراق اور یمن کی طرف مالِ تجارت روانہ کیا کرتی تھیں۔ آنحضرت صلعم کی دیانت وامانت کا شہرہ سُن کر انھوں نے اپنے بھتیجے خزیمہ کی معرفت اس امر کی خواہش ظاہر کی کہ آنحضرت صلعم اُن کا مالِ تجارت لے کر شام کی طرف جائیں۔ اور بطور کارندہ خدماتِ تجارت انجام دیں۔ آپ نے اپنے چچا ابوطالب کے مشورہ کے بعد اس خواہش کو منظور کر لیا اور خدیجہؓ نے آپ کے لئے معقول معاوضہ مقرر کر دیا۔ چنانچہ آپ خدیجہؓ کے منہتم مالِ تجارت ہو کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اس سفر میں خدیجہؓ

کا غلام میسرہ اور خدیجہؓ کا ایک عزیز خزیمہ ابن حکیم بھی آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے۔
شام کا دوسرا سفر:۔ یہ تجارتی قافلہ جس کے ہمراہ آپؐ خدیجہؓ کا مال لے کر روانہ ہوئے تھے ملکِ شام میں داخل ہوکر ایک صومعہ کے قریب ٹھیرا۔ اس صومعہ میں ایک راہب رہتا تھا جس کا نام نسطورا تھا۔ نسطورا نے آنحضرت صلعم کو دیکھا تو اپنے صومعہ سے بعض کتبِ سماویہ لے کر آیا۔ اُس نے آپؐ کے پاس آکر آپؐ کے جسم اور چہرے کی دیکھ بھال شروع کی۔ کبھی آپؐ کو دیکھتا کبھی کتبِ سماویہ کو پڑھتا اور مقابلہ کرتا۔ اس عجیب کیفیت کو دیکھ کر خزیمہ کے دل میں شک پیدا ہوا اور اُس نے بلند آواز سے "یا آلِ غالب" کہا یعنی آلِ غالب جلدی مدد کو پہنچو۔ یہ آواز سن کر قافلہ کے تمام قریش دوڑ پڑے۔ نسطورا اس طرح قریش کو آتے دیکھ کر وہاں سے بھاگا اور اپنے صومعہ کی چھت پر جا بیٹھا۔ وہاں سے قافلہ والوں کو بتایا کہ خطرہ کی کوئی بات نہیں تھی۔ میں اُس شخص کا جو تمہارے ساتھ ہے کتبِ سماویہ کو دیکھ دیکھ کر معائنہ کر رہا تھا۔ نبی آخرالزماں کے جو جو علامات اور خط و خال ہماری کتابوں میں لکھے ہیں۔ وہ سب اِس میں موجود ہیں۔ یہ سُنکر سب کو اطمینان ہوا۔ اس سفر میں بھی قافلہ کا مال بہت منافع سے فروخت ہوا۔ اسی طرح آپ کئی مرتبہ خدیجہؓ کا مال لے کر بحرین۔ یمن اور شام کی طرف گئے۔ ہر مرتبہ تجارت میں خوب نفع ہوا۔
نکاح:۔ آپؐ کی دیانت۔ امانت۔ خوش اخلاقی۔ پاکبازی۔ شرافت۔ نجابت وغیرہ خدیجۃ الکبریٰؓ سے پوشیدہ نہ تھیں۔ اگرچہ مکہ کے شرفا و اُمرا میں سے ہر ایک خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح کا آرزومند تھا مگر انھوں نے خود نفیسہ نام عورت کے ذریعہ اور بروایت دیگر عاتکہ بن عبدالمطلب کے ذریعہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں شادی کا پیغام بھیجا۔ آپؐ کے چچا ابوطالب نے بھی اس رشتہ کو منظور کرلیا۔ ابوطالب ہی نے خطبہ نکاح پڑھا۔ اس مجلسِ نکاح میں عمر بن اسد اور ورقہ بن نوفل وغیرہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے تمام قریبی رشتہ دار اسی طرح آنحضرت صلعم کے رشتہ دار سب موجود تھے۔ نکاح کے وقت آپؐ کی عمر پچیس سال کی اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے آپؐ کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔
صادق اور الامین کا خطاب:۔ نہ صرف مکہ معظمہ بلکہ تمام ملکِ عرب میں آپؐ کی نیکی۔ خوش اطواری۔ دیانت۔ امانت اور راست بازی کی اس قدر شہرت ہوگئی تھی کہ لوگ آپؐ کو نام لے کر نہیں بلکہ الصادق یا الامین کہکر پکارتے تھے۔ تمام ملکِ عرب میں ایک آپؐ ہی کی ذات تھی جو الصادق یا الامین کی مشارٌالیہ سمجھی جاتی تھی اور انہیں ناموں سے لوگ آپؐ کو پہچانتے اور

یاد کرتے تھے۔ مسز اینی بیسنٹ ہندوستان میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کی پیشوا اور بڑی مشہور انگریز عورت ہے وہ لکھتی ہے کہ:۔

"پیغمبر اعظم (آنحضرت صلعم) کی جس بات نے میرے دل میں اُن کی عظمت و بزرگی قائم کی ہے وہ اُن کی وہ صفت ہے جس نے اُن کے ہم وطنوں سے الامین (بڑا دیانت دار) کا خطاب دلوایا۔ کوئی صفت اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی بات اس سے زیادہ مُسلم اور غیر مُسلم دونوں کے لئے قابل اتباع نہیں۔ ایک ذات جو مجسم صدق ہو اُس کے اشرف ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے ایسا ہی شخص اس قابل ہے کہ پیغام حق کا حامل ہو"۔

تجدید حلف الفضول:۔ کسی پُرانے زمانے میں مُلکِ عرب کے بعض شخصوں نے مل کر آپس میں یہ عہد کیا تھا۔ کہ ہم ہمیشہ مظلوم کی طرف داری اور ظالم کا مقابلہ کریں گے۔ اس جماعت میں جس قدر اشخاص شامل تھے۔ اتفاقاً اُن سب کے ناموں میں فضل کا لفظ آتا تھا۔ اسی لئے اُن کے اس عہد کے حلف الفضول کے نام سے تعبیر کرنے لگے۔ یہ جماعت اب مُلکِ عرب میں باقی نہ رہی تھی۔ مگر اُس کا تذکرہ لوگوں کی زبان پر آجاتا تھا۔ حرب فجار کے بعد آنحضرتؐ کے چچا زبیر بن عبد المطلب کے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ اس تحریک کو پھر از سرِ نو تازہ کیا جائے۔ چنانچہ بعض اشخاص نے عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہو کر قسم کھائی کہ ہم ہمیشہ ظالم کا مقابلہ اور مظلوم کی مدد کریں گے۔ اس قسم میں آنحضرت صلعم بھی جو اُس زمانہ میں لڑکے ہی تھے۔ شریک تھے۔ اب جب کہ آپ جوان ہو گئے تو آپؐ نے اکثر قبیلوں کے سرداروں اور سمجھ دار لوگوں کو مُلک کی بدامنی۔ مسافروں کے لُٹنے۔ ضعیفوں اور غریبوں پر زبردستوں اور امیروں کے ظلم کرنے کا حال بیان فرما کر ان سب باتوں کی اصلاح کے لئے آمادہ کیا۔ بالآخر ایک انجمن قائم ہو گئی جس میں بنو ہاشم۔ بنو المطلب۔ بنو اسد۔ بنو زہرہ۔ بنو تیم شامل ہوئے مگر اس انجمن کے ہر ایک ممبر کو یہ اقرار کرنا پڑتا تھا۔ کہ (۱) ہم مُلک سے بدامنی دُور کریں گے (۲) مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے (۳) غریبوں کی امداد کیا کریں گے (۴) زبردستوں کو ظلم کرنے سے روکیں گے۔ اس انجمن کے ذریعے مخلوقِ خدا کو بہت کچھ نفع پہنچنے لگا تھا۔ زمانہ نبوت میں بھی آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر آج بھی کوئی اُس مُعاہدہ کے نام سے مجھ کو بُلائے اور مدد طلب کرے تو میں اُس کو جواب دوں گا۔

قبائلِ قریش میں آپ کا حکم مقرر ہونا:۔ خانہ کعبہ میں کسی بداحتیاطی کے سبب آگ لگ گئی تھی جس کے صدمے سے دیواریں بھی جا بجا شق ہو گئی تھیں۔ قریش نے ارادہ کیا کہ اس عمارت کو منہدم کر کے پھر از سرِ نو تعمیر کیا

جائے۔اس رائے پر تو سب کا اتفاق ہو گیا لیکن کھڑی ہوئی عمارت کو منہدم کرنے پر کوئی آمادہ نہ ہوتا تھا۔اور سب ڈرتے تھے۔آخر سردارانِ قریش میں سے ولید بن مغیرہ نے اس کام کو شروع کر دیا۔پھر رفتہ رفتہ تمام قبائل اس انہدام کے کام میں شریک ہو گئے۔اسی زمانہ میں بندرگاہ جدہ کے قریب ایک جہاز ٹوٹ کر ناکارہ ہو گیا تھا۔اُس کا حال معلوم ہوا تو قریش نے اپنے معتمد آدمیوں کو بھیج کر اُس جہاز کی لکڑی خریدی اور کار آمد لکڑیاں اونٹوں پر لاد کر مکہ میں لے آئے یہ لکڑی خانہ کعبہ کی چھت کے لئے خریدی گئی تھی۔کعبہ کی دیواروں کو منہدم کرتے ہوئے جب تعمیر ابراہیمی کی بنیادوں تک پہنچے تو پھر تعمیر شروع کر دی۔چونکہ چھت کے لئے پوری لکڑی نہ تھی اس لئے خانہ کعبہ کو ابراہیمی بنیادوں پر پورا تعمیر نہیں کیا۔بلکہ ایک طرف تھوڑی جگہ چھوڑ دی۔اب تعمیر بلند ہوتے ہوتے اُس مقام تک پہنچ گئی کہ حجرِ اسود رکھا جائے۔قبائل قریش میں ایک سخت فساد اور جنگِ عظیم کے سامان پیدا ہو گئے۔یہ جھگڑا اس بات پر ہوا کہ ہر ایک قبیلہ کا سردار یہ چاہتا تھا کہ حجرِ اسود کو میں اپنے ہاتھ سے رکھوں۔قبائل میں ایک دوسرے کے خلاف ضد پیدا ہو گئی اور ہر طرف سے تلواریں کھینچ گئیں۔بنو عبد الدار مرنے اور مارنے پر قسم کھا بیٹھے۔اس جھگڑے میں پانچ روز تک تعمیر کا کام بند رہا۔آخر قبائلِ قریش خانہ کعبہ میں جمع ہوئے۔اور ایک مجلس منعقد کی گئی۔ اس مجلس میں ابو اُمیہ بن مغیرہ نے تجویز پیش کی کہ جو شخص سب سے پہلے خانۂ کعبہ میں داخل ہوتا ہوا نظر آئے اُسی کو حکم مقرر کیا جاوے۔وہ جو فیصلہ کرے سب اُس پر رضامند ہو جائیں۔لوگوں نے نگاہ اُٹھا کر جو دیکھا تو آنحضرت صلعم داخل ہو رہے تھے۔سب نے آپ کو دیکھتے ہی "الامین" "الامین" پکارا اور کہا۔کہ آپ کے فیصلہ پر ہم رضامند ہیں۔آپ اُس مجلس میں داخل ہوئے تو سب نے معاملہ کو آپ کی طرف رجوع کیا اور کہا کہ آپ جس کے حق میں چاہیں فیصلہ کر دیں۔ہم آپ کے فیصلہ پر رضامند ہیں۔یہ ذرا سوچنے اور غور کرنے کا موقع ہے کہ جس عزت اور شرف کو ہر قبیلہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔اور خون سے بھرے ہوئے پیالے میں اُنگلیاں ڈال ڈال کر اُس زمانہ کی رسم کے موافق مرنے مارنے پر شدید و غلیظ قسمیں کھا چکے تھے اُس عزت و شرف کے معاملہ کو آنحضرت صلعم کے سپرد کرنے میں سب مطمئن ہیں۔جو دلیل اس امر کی ہے کہ آپ کی دیانت اور مُنصف مزاجی پر سب ایمان لائے ہوئے تھے۔آپ نے معاملہ سے آگاہ ہو کر اسی وقت ذرا سی دیر میں جھگڑے کو ختم کر دیا۔اور تمام بوڑھے بوڑھے اور تجربہ کار سردارانِ قریش آپ کی ذہانت۔قوتِ فیصلہ اور مُنصف مزاجی کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔اور سب نے بالاتفاق احسنت و مرحبا کی صدائیں بلند کیں۔

آپ نے اس طرح فیصلہ کیا کہ ایک چادر بچھائی اس پر حجرِ اسود اپنے ہاتھ سے رکھ دیا پھر ہر ایک قبیلہ کے سردار سے کہا کہ چادر کے کنارے کو پکڑ لو۔ چنانچہ تمام سردارانِ قریش نے مل کر اس چادر کے کنارے چاروں طرف سے پکڑ کر پتھر کو اٹھایا۔ جب پتھر اس مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں اس کو نصب کرنا تھا تو آپ نے چادر سے اٹھا کر وہاں نصب کر دیا۔ کسی کو کوئی شکایت باقی نہ رہی اور سب آپس میں رضامند رہے اس واقعہ میں عتبہؓ بن ربیعہ بن عبد شمس اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ ابو حذیفہ بن مغیرہ بن عمر بن مخزوم اور قیسؓ بن عدی السہمی چار شخص بہت پیش پیش تھے۔ اور کسی طرح دوسرے کے حق میں معاملہ کو چھوڑنا نہ چاہتے تھے۔ اس فیصلہ سے یہ چاروں بہت خوش اور مسرور تھے۔ اگر ملکِ عرب میں یہ جنگ چھڑ جاتی تو یقیناً یہ تمام اُن لڑائیوں سے زیادہ ہیبت ناک اور تباہ کُن جنگ ثابت ہوتی جو اب تک زمانہ جاہلیت میں ہو چکی تھیں۔ جس زمانہ میں آپ نے اس حجرِ اسود والے جھگڑے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔

غریبوں کی کفالت:۔ آپ کی عزت اور قبولیت مکہ میں غالباً سب پر فائق تھی۔ کوئی آپ کا دشمن نہ تھا۔ آپ سے محبت کرنے والے اور آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے والے بہت تھے۔ آپ کی دانائی، خوش اطواری، راست کرداری اور دیانت و امانت کا تمام مُلک میں چرچا تھا۔ تجارت آپ کا پیشہ تھا۔ اور خدیجۃ الکبریٰؓ سے شادی کرنے کے بعد آپ فارغ البالی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قحط کے ایام تھے۔ آپ کے چچا ابو طالب عیال دار آدمی تھے۔ اُن کی عزت و عظمت بزرگِ خاندان اور سردارِ بنی ہاشم ہونے کے سبب بہت تھی مگر افلاس و تنگی کے ساتھ اُن کی گذر اوقات ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ نے ابو طالب کی عسرت و تنگی کا حال دیکھ کر اپنے دوسرے چچا عباسؓ بن عبد المطلب سے کہا کہ آج کل قحط کا زمانہ ہے اور ابو طالب کا کنبہ بڑا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اُن کے ایک لڑکے کو آپ اپنے گھر لے آئیں اور ایک کو میں لے آؤں۔ اس طرح اُن کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ عباسؓ بن عبد المطلب نے اس مشورہ کو پسند کیا اور دونوں ابو طالب کی خدمت میں پہنچے اور اپنی خواہش بیان کی۔ ابو طالب نے کہا کہ عقیلؓ کو تو میرے پاس رہنے دو اور باقیوں کو اگر تمھاری خواہش ہے تو لے جاؤ۔ چنانچہ جعفرؓ بن ابو طالب کو تو عباسؓ بن عبد المطلب اپنے گھر لے گئے اور علیؓ ابن ابو طالب کو آنحضرت صلعم اپنے گھر لے آئے۔ یہ واقعہ اسی سال کا ہے جس سال تعمیرِ کعبہ ہوئی یعنی آنحضرت صلعم کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عمر پانچ سال کے قریب تھی۔ مگر یہ تعمیرِ کعبہ کے بعد کو واقعہ سے پہلے کا ہے۔

زید بن حارثؓ سے آپ کی محبت :- حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھتیجے حکیم بن خوام کہیں سے ایک غلام خرید کر لائے تھے۔ انھوں نے وہ اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی نذر کیا۔ خدیجۃ الکبریٰؓ نے اس غلام کو آنحضرت صلعم کی نذر کیا۔ یہی غلام زید بن حارث تھے۔ یہ درحقیقت ایک آزاد عیسائی خاندان کے لڑکے تھے۔ کسی لوٹ مار میں قید ہو کر اور غلام بنا کر فروخت کر دیئے گئے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد زید کے باپ حارث اور اُن کے چچا کعب کو پتہ چلا کہ زید مکہ میں کسی شخص کے پاس بطور غلام رہتے ہیں۔ وہ دونوں مکہ میں آئے اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عاجزانہ درخواست پیش کی کہ زیدؓ کو آزاد کر کے ہمارے سپرد کر دیجئے۔ آپ نے فوراً اُن کی درخواست منظور فرمالی اور کہا کہ اگر زید تمھارے ساتھ جانا چاہتا ہے تو میری طرف سے اس کو اجازت ہے۔ چنانچہ زیدؓ بلوائے گئے۔ آپ نے زید سے کہا کہ ان دونوں شخصوں کو تم پہچانتے ہو کون ہیں؟ زید نے کہا ہاں۔ یہ میرے والد اور چچا ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تم کو لینے آئے ہیں۔ میری طرف سے تم کو اجازت ہے کہ ان کے ہمراہ چلے جاؤ۔ زیدؓ نے کہا میں تو آپ کو چھوڑ کر ہرگز جانا نہیں چاہتا۔ زیدؓ کے باپ حارث نے خفا ہو کر زید سے کہا کہ تو غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتا ہے؟ زیدؓ نے کہا ہاں۔ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ بات دیکھی ہے کہ میں اپنے باپ اور تمام خدائی کو بھی ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ آنحضرت صلعم زید کا یہ جواب سُن کر اٹھے اور زیدؓ کو ہمراہ لے کر فوراً خانہ کعبہ میں گئے اور بلند آواز سے فرمایا۔ کہ لوگو! گواہ رہو کہ آج سے میں زید کو آزاد کرتا اور اپنا بیٹا بناتا ہوں یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا۔ زیدؓ کے باپ اور چچا دونوں اس کیفیت کو دیکھ کر خوش ہو گئے اور زیدؓ کو آنحضرتؐ کے پاس بخوشی چھوڑ کر چلے گئے۔ اُس روز سے زید بجائے زید بن حارث کے زید بن محمدؐ کے نام سے پکارے جانے لگے۔ مگر آنحضرت صلعم پر ہجرت کے بعد جب یہ حکم نازل ہوا کہ منہ بولا بیٹا بنانا جائز نہیں تو زید کو پھر زید بن حارث کے نام سے پکارنے لگے مگر آنحضرت صلعم کی محبت و شفقت زید کے ساتھ وہی رہی جو پہلے تھی۔ بلکہ اس میں اور اضافہ ہوتا رہا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نبوت سے پہلے آپ کے اخلاق و خصائل کس قسم کے تھے۔

توجہ الی اللہ :- آپ کی عمر ۳۶ تینتیس سال کی ہو گی کہ آپؐ کو توجہ الی اللہ اور خلوت گزینی کا شوق بڑھا۔ آپ کو ایک روشنی اور چمک سی نظر آیا کرتی تھی۔ اور آپ اُس روشنی کو دیکھ کر مسرور ہوا کرتے تھے۔ اُس روشنی میں کوئی صورت یا آواز نہیں ہوتی تھی۔ عرب کی مُشرکانہ مراسم سے آپؐ

کو ہمیشہ سے نفرت تھی۔ ایک دفعہ مکہ کے بعض مشرکوں نے کسی جلسہ میں آپ کے سامنے کچھ کھانا رکھا۔ جو بتوں کے چڑھاوے کا تھا۔ آپ نے وہ کھانا زید بن عمرو کی طرف سرکا دیا۔ انھوں نے بھی وہ کھانا نہیں کھایا۔ اور ان مشرکوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ہم بتوں کے چڑھاوے کا کھانا نہیں کھایا کرتے۔ یہ وہی زید بن عمرو بن نفیل ہیں۔ جن کا اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا تھے۔ آپ خلوت اور تنہائی کی ساعات میں قدرتِ الٰہیہ پر غور و فکر کیا کرتے اور تحمید و تقدیسِ خداوندی میں اکثر مصروف رہتے۔ شرک اور مشرکانہ کاموں سے آپ بکلی محفوظ و مجتنب رہے۔ جوں جوں آپ کی عمر چالیس سال کے قریب ہوتی گئی تنہائی اور خلوت نشینی بڑھتی گئی۔ اکثر آپ ستو اور پانی اپنے ہمراہ لے کر غارِ حرا میں چلے جاتے اور کئی دن تک وہاں مصروفِ عبادت اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ جب ستو اور پانی ختم ہو جاتا تو گھر سے آ کر یہی سامان اور لے جاتے اور پھر جا کر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔ غارِ حرا کوہِ حرا (جس کو آج کل جبل نور کہتے ہیں)، میں ایک غار تھا۔ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں سمت واقع ہے۔ اس غار کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز تھا۔ اس حالت میں آپ کو سچے خواب نظر آتے تھے۔ جو صبح صادق کی روشنی کی طرح نمایاں طور پر پورے ہوتے تھے۔ اور جو کچھ صبح کو ہونے اور پیش آنے والے واقعات ہوتے تھے۔ وہ سب آپ کو رات میں نظر آ جاتے تھے۔ سات برس کا زمانہ اسی شوقِ عبادت اور توجہ الی اللہ میں گذرا۔ مگر آخری چھ مہینے میں گویا آپ ہمہ تن عبادتِ الٰہی اور غارِ حرا کی خلوت نشینی ہی میں مصروف رہے اور اسی چھ مہینے میں رویائے صادقہ کا سلسلہ بلا انقطاع جاری رہا۔

طلوعِ شمس:- اب آنحضرت صلعم کی عمر چالیس سال کی ہو چکی۔ آفتاب ہدایت و رسالت طلوع ہوتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب وہ روحانی قوتیں۔ جو خدا تعالیٰ نے آپ کی فطرت میں ودیعت کی تھیں عبادت و ریاضت اور اس خلوت سے نشو و نما پا کر تحمل وحی اور برداشت منصبِ نبوت کے قابل ہو گئیں تو ایک روز غارِ حرا میں آپ کے سامنے فرشتہ نمودار ہوا اور آپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اِقْرَاْ (پڑھ) آپ نے کہا مَا اَنَا بِقَارِیٍ (میں تو پڑھنا نہیں جانتا) پھر اس نے آپ کو پکڑ کر زور سے بھینچا۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا اِقْرَاْ، آپ نے پھر جواب دیا کہ مَا اَنَا بِقَارِیٍ۔ اس نے پھر آپ کو پکڑ کر زور سے بھینچا۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا اِقْرَاْ آپ نے پھر وہی جواب دیا مَا اَنَا بِقَارِیٍ۔ فرشتہ نے پھر تیسری مرتبہ آپ کو زور سے بھینچا اور پھر چھوڑ کر

کہا۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے ہر شے کو پیدا کیا۔ اور انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا بزرگ ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا! انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ جانتا نہ تھا) یہ کہہ کر فرشتہ تو غائب ہوگیا۔ آپ وہاں سے خوف زدہ حالت میں گھر تشریف لائے اور خدیجۃ الکبریٰ رض سے کہا کہ زملونی زملونی۔ (مجھے کمبل اُڑھاؤ) حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض نے آپ کو کمبل اُڑھادیا اور وہ بھی گھبرائیں کہ یہ کیا بات ہے۔ جب تھوڑی دیر کے بعد آپ کو کچھ سکون ہوا۔ تو آپ نے تمام کیفیت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض کو سنائی اور کہا کہ لقد خشیت علی نفسی (مجھے تو اپنی جان کا خوف ہوگیا ہے)

خدیجہ رض کے تاریخی الفاظ:۔ حضرت خدیجہ رض نے جواب میں فرمایا کہ کلا ابشر فواللہ لا یحزنک اللہ ابداً انک لتصل الرحم و تصدق الحدیث و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علیٰ نوائب الحق (نہیں نہیں آپ کو خوش ہونا چاہیے واللہ خدا آپ کو کبھی رُسوا نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ ہمیشہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ سچ بولتے ہیں اور اُن کے اخراجات برداشت کرتے ہیں جن کے پاس اپنے لئے کافی نہیں ہے۔ اور آپ میں وہ تمام اخلاقی خوبیاں موجود ہیں۔۔۔ جو لوگوں میں نہیں پائی جاتیں اور آپ مہمان نواز ہیں۔ اور حق باتوں اور نیک کاموں کی وجہ سے اگر کسی پر کوئی مصیبت آجائے تو آپ اُس کے مددگار بن جاتے ہیں) اس تسلی و تشفی دینے کے بعد حضرت خدیجہ رض آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو اب بوڑھے ہو گئے تھے۔ آپ نے ورقہ بن نوفل کے سامنے تمام کیفیت بیان کی۔ ورقہ نے سُن کر کہا کہ یہ وہی ناموسِ اکبر ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اُترا تھا۔ کاش میں جوان ہوتا اور اُس وقت تک زندہ رہتا جب قوم آپ کو نکال دے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا (ا و مخرجی ھم) کیا قوم مجھے نکال دے گی۔ ورقہ بن نوفل بولے ہاں! دنیا میں جو کوئی رسول آیا اُس نے توحید کی تعلیم پیش کی۔ اُس کے ساتھ عداوت و دشمنی کا برتاؤ ابتدا میں ہوا ہے۔ اِس کے بعد آپ بدستور غارِ حرا میں تشریف لے جاتے رہے چندروز تک آپ پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی اُسکو زمانہ فترۃ کہتے ہیں۔

آخر ایک روز آپ غارِ حرا سے مکان کو تشریف لا رہے تھے کہ آپ نے پھر اُسی فرشتہ کو دیکھا۔ آپ اُس کو دیکھ کر پھر سہم گئے اور گھر آ کر کپڑا اوڑھ کر لیٹ گئے۔ کہ آپ کے کانوں میں یہ پُر جلال آواز آواز آئی۔ یا ایھا المدثر قم فانذر و ربک فکبر و ثیابک فطھر والرجز فاھجر (اے چادر میں لپٹنے ہوئے اُٹھ اور اُن لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی و کبریائی بیان کر۔

پاک دامنی اختیار کر اور نجاست یعنی شرک و بدی سے جدائی اختیار کر۔ اس کے بعد وحی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ایک روز جبرئیل امینؑ آنحضرت صلعم کو دامنِ کوہ میں لائے۔ آپ کے سامنے خود وضو کیا۔ آنحضرت صلعم نے بھی اسی طرح وضو کیا۔ پھر جبرئیل امینؑ نے نماز پڑھائی۔

تبلیغِ اسلام:۔ آپ نے تبلیغ توحید کا حکم پاتے ہی تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ لوگوں کو شرک سے باز رکھنے اور توحید الٰہی کی طرف بلانے کا کام اول آپ نے اپنے گھر ہی سے شروع کیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سب سے پہلے آپ پر ایمان لائیں۔ حضرت علی ابنِ ابو طالب اور حضرت زید بن حارث بھی پہلے ہی دن آپ پر ایمان لے آئے۔ یہ سب آپ کے گھر کے آدمی تھے۔ حضرت ابو بکرؓ بن ابی قحافہ بھی جو آپ کے دوست تھے پہلے ہی دن آپ پر ایمان لے آئے۔ ان سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں ایک آپ کی بیوی۔ ایک آپ کے چچا زاد بھائی۔ ایک آپ کے آزاد کردہ غلام۔ ایک آپ کے خالص و مخلص دوست تھے۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ سب کے سب آپ کے اخلاق و خصائل سے بخوبی واقف تھے۔ اور آپ کی زندگی کا کوئی بھی پہلو اُن سے پوشیدہ و محجوب نہیں تھا۔ ان کا سب سے پہلے ایمان لانا آپ کی صداقت و راست بازی کی ایک زبردست دلیل ہے۔ آپ نے ابتداءً اپنی تعلیم کی تبلیغ نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں تک محدود رکھی۔ تبلیغ اسلام کے اس اولین عہد میں سب سے زیادہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدماتِ نمایاں انجام دیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا رسوخ اور حلقہ احباب قریش مکہ میں بہت وسیع تھا۔ اُن کے اثر اور ترغیب سے حضرت عثمان بن عفانؓ۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ۔ حضرت زبیر بن العوامؓ وغیرہ ایمان لائے۔ پھر حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ۔ حضرت ابو سلمہؓ عبد الاسد بن ہلال حضرت عثمان بن مظعونؓ۔ حضرت قدامہ بن مظعونؓ حضرت سعید بن زیدؓ۔ حضرت فاطمہ ہمشیرہ حضرت عمر بن الخطابؓ۔ زوجہ حضرت سعید وغیرہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ان حضرات کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بھائی حضرت عمیرؓ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ۔ حضرت جعفر بن ابو طالبؓ وغیرہ ایمان لائے۔ اور مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت تیار ہو گئی۔ جس میں عورت۔ مرد۔ جوان۔ بوڑھے اور بچے سب شامل تھے۔ مشرکین کے خوف سے مسلمان مکہ سے باہر پہاڑ کی گھاٹی میں جا کر نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ تین سال تک اسلام کی تبلیغ اسی طرح چپکے چپکے ہوتی رہی اور لوگ رفتہ رفتہ شرک اور بت پرستی سے بیزار ہو ہو کر اسلام میں داخل ہوتے رہے اس تین سال کے عرصہ میں قریش

کی ہر مجلس اور ہر ایک صحبت میں اس نئے دین کا چرچا اور تذکرہ ہوتا تھا۔ مسلمان چونکہ خود اپنے اسلام کا اعلان نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا بہت سے مسلمانوں کو آپس میں بھی ایک دوسرے کے مسلمان ہونے کا علم نہ ہوتا تھا۔ قریش ابتداءً اس تحریک اسلام کو کچھ زیادہ اہم اور خطرناک نہیں سمجھتے تھے۔ لہٰذا تمسخر، استہزار اور زبانی طور پر ایذا رسانی کرتے تھے۔ بہ حیثیتِ مجموعی قوم کی قوم درپے استیصال نہیں ہوئی تھی۔ قریش میں بعض بعض ایسے شرارت پیشہ لوگ تھے۔ کہ وہ قابو پا کر مسلمانوں کو ایذائے جسمانی بھی پہنچاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سعد بن وقاصؓ معہ چند مسلمانوں کے کسی گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ اچانک چند مشرکینِ مکہ اُس طرف کو آنکلے اور انھوں نے مسلمانوں کو سختی و درشتی کے ساتھ اس عبادت الٰہی سے روکا۔ حضرت سعد بن وقاصؓ نے اُن کا مقابلہ کیا۔ اور ایک کافر حضرت سعدؓ کی تلوار سے زخمی ہوا۔ یہ سب سے پہلی تلوار تھی۔ جو خدا کی راہ میں چلی۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلعم اور حضرت علیؓ کسی گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاقاً ابوطالب اُس طرف آنکلے اور خاموش کھڑے ہوئے دیکھتے رہے۔ جب آپ نماز ختم کر چکے تو پوچھا کہ یہ کیا مذہب ہے جو تم نے اختیار کیا ہے؟ آنحضرت صلعم نے کہا کہ یہ دینِ ابراہیمی ہے۔ ساتھ ہی ابوطالب سے کہا کہ آپ بھی اس دین کو قبول کرلیں۔ ابوطالب نے کہا کہ میں تو اپنے باپ دادا کا مذہب نہیں چھوڑوں گا۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بیٹا تم محمد صلعم کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ مجھ کو یقین ہے۔ کہ محمد صلعم تم کو نیکی کے سوا کسی بُرائی کی ترغیب ہرگز نہ دیں گے۔ غرض اسی طرح نزول وحی سے لے کر تین سال تک اسلام کی تبلیغ خاموشی کے ساتھ ہوتی رہی اور سعید روحیں کھنچ کھنچ کر اسلام کی طرف جذب ہوتی رہیں۔

کوہِ صفا پر اعلانِ حق :۔ اب حکمِ الٰہی نازل ہوا کہ فاصدع بما تومر (تم کو جو کچھ حکم دیا گیا ہے اُسے کھول کر سُناؤ) اس حکم کے نازل ہونے پر آپؐ کوہِ صفا پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے ایک ایک قبیلہ کا نام لے لے کر بُلانا شروع کیا۔ اس آواز کو سُن کر مُلک عرب کے دستور کے موافق لوگ آ آکر جمع ہونے شروع ہوئے۔ جب تمام لوگ جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا۔ ارأیتکم ان اخبرتکم ان العدو مصبحکم او ممسیکم اما کنتم تصدقونی (اے قریش اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ صبح کو یا شام کو تم پر دشمن حملہ کرنے والا ہے۔ تو کیا تم لوگ مجھ کو سچا جانوگے۔) سب نے یک زبان ہو کر کہا ہاں۔ ہم نے ہمیشہ تجھ کو صادق القول پایا ہے یہ جواب سُن کر آپؐ نے فرمایا۔ کہ "اچھا میں تم کو خبر دیتا ہوں

کہ اللہ کا عذاب نزدیک ہے اُس پر ایمان لاؤ تاکہ عذابِ الٰہی سے بچ جاؤ " یہ سنتے ہی تمام قریش ہنس پڑے۔ ابولہب نے کہا کہ " تجھ پر ہلاکت ہو۔ کیا تو نے اس لئے ہم کو جمع کیا تھا " اس کے بعد مجمع منتشر ہو گیا۔ اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو باتیں بناتے ہوئے چلے آئے۔ ابو لہب کے اُٹھتے ہی سورۂ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی۔ چند روز کے بعد وانذر عشیرتک الاقربین ـــــ (یعنی قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ) نازل ہوئی۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ایک ضیافت کا انتظام کرو۔ چنانچہ اُنھوں نے ضیافت کا انتظام کیا۔ اور آپؐ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت دی۔ چالیس کے قریب آپؐ کے رشتہ دار آئے۔ جب سب کھانا کھا چکے تو آپ نے کچھ تقریر فرمانا چاہی۔ مگر ابو لہب نے ایسی بیہودہ باتیں شروع کر دیں۔ کہ آپؐ کو تقریر کا موقعہ نہ ملا۔ اور لوگ منتشر ہو گئے۔ دوسرے روز آپؐ نے پھر ضیافت کا انتظام کیا اور اپنے رشتہ داروں کو پھر بُلایا۔ جب سب کھانا کھا چکے تو آپؐ نے اُن کو اس طرح مخاطب کیا کہ " دیکھو میں تمھاری طرف وہ بات لے کر آیا ہوں کہ جس سے زیادہ اچھی بات کوئی شخص اپنے قبیلہ کی طرف نہیں لایا۔ بتاؤ اس کام میں کون میرا مددگار ہو گا "۔

یہ سُن کر سب خاموش تھے۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اُٹھے اور اُنھوں نے کہا کہ " اگرچہ میں کمزور اور سب سے چھوٹا ہوں مگر میں آپؐ کا ساتھ دوں گا۔" یہ سُن کر سب ہنس پڑے اور مذاق اُڑاتے ہوئے چل دیئے۔

علانیہ سعیِ تبلیغ:۔ اب آنحضرت صلعم نے عام طور پر لوگوں کو توحید اور اسلام کی طرف بُلانا شروع کیا اور اسی زمانہ سے آپؐ پر اور آپؐ کی کمزور قلیل جماعت پر عام مصائب کا نزول شروع ہوا۔ مجلسوں میں۔ میلوں میں۔ بازاروں میں نشست گاہوں میں۔ اور لوگوں کے گھر جا جا کر آپؐ توحید کی خوبی سمجھاتے اور بُتوں کی پوجا سے لوگوں کو منع فرماتے تھے۔ زنا۔ قمار بازی۔ دروغ گوئی۔ خیانت چوری۔ ڈاکہ زنی وغیرہ رذائل سے لوگوں کو روکتے۔ قریش کی قوم بڑی مغرور تھی۔ اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کے مذہب اور طریقِ عمل کی مذمت سننا اُن کے لئے آسان کام نہ تھا۔ اُن لوگوں میں غلام اور آقا کا امتیاز بھی ایک ضروری چیز تھی۔ اسلام ایک عام اُخوت قائم کر کے غلام اور آقا کو ایک ہی صف میں جگہ دیتا تھا۔ یہ مساوات بھی اُن کو گوارا نہ تھی۔ قریش اور اہلِ مکہ کی عزت و تعظیم جو تمام مُلکِ عرب میں مسلم تھی۔ وہ ان بُتوں کی وجہ سے تھی۔ جن کی پرستش کے لئے تمام قبائلِ عرب مکہ میں آتے اور مراسمِ بُت پرستی بجا لاتے تھے۔ اسلام بُت پرستی کا دشمن تھا۔ جس کا بدیہی نتیجہ اُن

لوگوں کی عزت وعظمت کا زوال تھا۔ بڑے بڑے سردار اور ذی عزت لوگ یہ کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ کہ وہ آنحضرت صلعم کو رسول اور نبی مان کر اپنی سرداری کے مقام سے دست بردار ہوں۔ اور آپ کی اطاعت کا بوجھ اپنی گردن پر رکھیں۔ قریش کے اکثر قبائل بنو ہاشم سے عداوت رکھتے تھے۔ اس لئے وہ گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ کہ ایک حریف اور دشمن قبیلے کے شخص کو نبی مان کر اُس کی اطاعت اختیار کریں۔ اس علانیہ تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قریش مخالفت پر مستعد اور درپے استیصال ہو گئے۔ کفر واسلام کی یہ علانیہ کشمکش نبوت کے چوتھے سال کے ساتھ ہی خوب زور شور سے شروع ہو گئی تھی۔

پہلی درس گاہ:۔ اسی زمانے میں آنحضرت صلعم نے دامنِ کوہ صفا میں ارقم بن ارقم کے مکان کو بطور اسلامی درس گاہ کے استعمال فرمانا شروع کیا۔ اُسی مکان میں ہر نیا داخلِ اسلام ہونے والا شخص آتا اور اسلامی تعلیم سے آگاہ ہوتا۔ اُس مکان میں ہر وقت مسلمانوں کا مجمع رہنے لگا۔ آنحضرت صلعم اسی دارِ ارقم میں لوگوں کو اسلام سکھاتے اور یہیں مل کر سب نماز ادا کرتے تھے تین سال یعنی نبوت کے چھٹے سال تک آپؐ قیام گاہ اور اسلامی دار الصدر یہی دارِ ارقم رہا۔ اس تین سال میں جو لوگ مسلمان ہوئے اُن کا مرتبہ بھی اول المسلمین کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ دارِ ارقم میں مسلمان ہونے والوں کی فہرست میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخری شخص ہیں۔ اُن کے مسلمان ہونے پر مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی اور دارِ ارقم سے باہر نکل آئے۔ قریش نے جب آنحضرت صلعم اور اُن کی جماعت کا استیصال ضروری سمجھا تو ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے نئے طریقے اختیار کئے۔

قریش کی مخالفت:۔ ایمان لانے اور مسلمان ہو جانے والوں میں کچھ لوگ غلام تھے اور کچھ ایسے تھے جو اپنے قبیلہ کا زور اور رشتہ داروں کی جماعت نہ رکھنے کے سبب بہت ہی کمزور سمجھے جاتے تھے۔ ایسے لوگوں کو اسلام سے مُرتد بنانے کے لئے جسمانی ایذائیں شروع کی گئیں۔ جو لوگ کسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور اُن کو عام لوگوں کا ایذا پہنچانا اس لئے اندیشہ ناک تھا۔ کہ کہیں اُن کے قبیلہ والے حمایت پر نہ اُٹھ کھڑے ہوں۔ اُن کے رشتہ داروں کو آمادہ کیا گیا کہ وہ خود اپنے مسلمان ہو جانے والے رشتہ دار کو سزا وایذا دے کر مُرتد بنائیں۔ مسلمانوں کا تمسخر اُڑانے اور اُن کو بُرا کہنے کے لئے عام طور پر تیاری کی گئی کہ دوسروں کو اسلام میں داخل ہونے کی جرأت نہ رہے۔ اِدھر آنحضرت صلعم نے اسلام کی علانیہ تبلیغ شروع کی۔ اُدھر قریش نے پوری سرگرمی کے ساتھ مخالفت پر کمر باندھی۔ حضرت بلالؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔ اُن کے اسلام لانے کا

حال معلوم ہوا تو اُمیہ بن خلف نے اُن کو قسم قسم کی تکلیفیں دینی شروع کیں۔ گرم ریت پر لٹا کر چھاتی کے اوپر گرم پتھر رکھ دیا جاتا۔ مشکیں باندھ کر کوڑوں سے پیٹا جاتا۔ بھوکا رکھا جاتا۔ گلے میں رسّی باندھ کر لڑکوں کے سپرد کیا جاتا وہ شہر مکّہ کے گلی کوچوں میں اور شہر کے باہر پہاڑیوں میں لئے لئے پھرتے اور مارتے پیٹتے تھے۔ ان تمام ایذا رسانیوں کو حضرت بلالؓ برداشت کرتے اور احد احد کا نعرہ لگائے جاتے تھے۔ حضرت عمارؓ اپنے والد یاسرؓ اور اپنی والدہ سمیہؓ کے ہمراہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ابوجہل ان کو گوناگوں عذاب پہنچاتا تھا۔ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ظالم ابوجہل نے نہایت بے دردی سے نیزہ مار کر شہید کر دیا تھا۔ حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ابوجہل نے اس قدر مارا کہ مارتے مارتے اندھا کر دیا۔ غرض بہت سے غلام اور لونڈیاں تھیں۔ جن کو ایسی ایسی سخت و شدید سزائیں دی گئیں کہ اُن کے تصوّر سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ مگر اسلام ایسی زبردست طاقت کا نام ہے کہ سنگ دل کفار کسی کو بھی مرتد بنانے میں کامیاب نہ ہوئے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان قبیلہ بنو اُمیہ کے ایک امیر آدمی تھے۔ مسلمان ہو جانے کے سبب اُن کے چچا نے اُن کو رسّیوں سے باندھ کر خوب مارا اور قسم قسم کی جسمانی ایذائیں پہنچائیں حضرت زبیر بن العوامؓ کو اُن کا چچا چٹائی لپیٹ کر اُن کی ناک میں دُھواں دیا کرتا تھا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کو قریش نے قرآن پڑھتے ہوئے سن کر اس قدر مارا کہ مارتے مارتے بیہوش کر کے زمین پر ڈال دیا۔ قریب تھا کہ وہ اُن کو جان سے مار ڈالتے۔ مگر حضرت عباس بن عبدالمطلب نے قریش کو یہ کہہ کر روکا کہ اس شخص کا قبیلہ بنو غفار تمہارے تجارتی قافلوں کے راستہ میں آباد ہے وہ تمہارا ناک میں دم کر دیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی اسی طرح صحنِ کعبہ میں مارتے مارتے بے ہوش کر دیا۔ حضرت خبّاب بن ارتؓ کو طرح طرح تکلیفیں دیں۔ ایک مرتبہ خوب دہکتے ہوئے انگارے زمین پر بچھا کر اُن کو اُن انگاروں پر چت لٹا دیا۔ اور ایک شخص اُن کی چھاتی پر بیٹھ گیا۔ کہ کروٹ نہ بدل سکیں۔ اُن کی کمر کی تمام کھال اور گوشت جل کر کباب ہو گیا۔ بعض صحابہؓ کو گائے یا اونٹ کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر اور باندھ کر ڈال دیتے۔ بعض کو لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی آگ اور جلتے ہوئے انگاروں پر ڈال دیتے۔

آنحضرت صلعم کے ساتھ گستاخیاں ۔ آنحضرت صلعم ایک مرتبہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ عقبہ بن ابی معیط نے آپؐ کے گلے میں چادر ڈال اس قدر اینٹھا کہ آپؐ کا دم رُکنے لگا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خبر ہوئی تو آپ دوڑے ہوئے آئے۔ آپؐ کو اُس کے شر سے بچایا۔ اور قریش سے

مخاطب ہو کر کہا کہ اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ (کیا تم ایک شخص کو اس لئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے ؟) کفار نے آنحضرت صلعم کو تو چھوڑ دیا۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کو لپٹ پڑے اور خوب زدوکوب کیا۔ ایک مرتبہ صحن کعبہ میں قریش نے آپؐ کو گھیر لیا۔ اور آپؐ کی شان میں گستاخی سے پیش آنا چاہا۔ حضرت حارثؓ بن ابی ہالہ کو خبر ہوئی تو دوڑے ہوئے آئے اور آپؐ کو اشرار کے ہجوم اور شرارت سے بچانا چاہا۔ کفار نے حضرت حارثؓ کو وہیں شہید کر دیا۔ مگر آپؐ پر دست درازی کی جرأت اُن کو نہ ہو سکی۔ آپؐ کے راستہ میں جہاں سے آپؐ رات کے وقت گذرنے والے ہوتے کانٹے بچھا دیئے جاتے کہ آپؐ کو اذیت پہنچے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم صحنِ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ قریش بھی وہاں بیٹھے تھے ابوجہل نے کہا کہ فلاں مقام پر اونٹ ذبح ہوا ہے۔ اُس کی اوجھڑی پڑی ہوئی ہے۔ کوئی اُس کو اٹھا کر لائے اور محمد (صلعم) کے اوپر ڈال دے۔ یہ سُن کر عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور وہ اوجھڑی اُٹھا لایا۔ جب آپؐ سجدہ میں گئے تو آپؐ کی پشت پر رکھ دی۔ آنحضرت صلعم کو تو توجہ الی اللہ میں خبر بھی نہ ہوئی مگر کفار ہنسی کے مارے لوٹے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بھی وہاں موجود تھے مگر کفار کا ہجوم دیکھ کر اُن کو کچھ جرأت نہ ہوئی۔ اتفاقاً حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو بچی تھیں آگئیں اور انھوں نے آگے بڑھ کر باپؐ کی پُشت پر سے اُس اوجھڑی کو پرے سرکایا اور کفار کو بھی بُرا بھلا کہا۔ آنحضرت صلعم کے مکان پر پتھر پھینکے جاتے تھے۔ گندگی وغیرہ بھی آپؐ کے گھر پھینک دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا۔ کہ "اے بنو عبد مناف یہ اچھا ہمسائیگی کا حق ادا کر رہے ہو"۔ کبھی آپؐ کا نام شاعر رکھا جاتا تھا۔ کبھی آپؐ کو ساحر کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ کبھی آپؐ کو کاہن کہتے اور کبھی مجنوں کا خطاب دیتے۔ غرض کفار مکہ نے آنحضرت صلعم اور آپؐ کی جماعت کو تکلیف پہنچانے اور آپؐ کے کام میں رُکاوٹیں پیدا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اِدھر آنحضرت صلعم بھی پورے عزم و استقلال اور ہمت و جرأت کے ساتھ اپنے کام میں مصروف تھے۔ جب قریش کو اس امر کا یقین ہو گیا۔ کہ ہماری کوششوں سے کوئی حسب منشا نتیجہ پیدا نہیں ہوا تو انھوں نے مجبوراً دوسرا پہلو اختیار کیا۔

صاف جواب:۔ قریش نے جمع ہو کر مشورہ کیا۔ اور عتبہ بن ربیعہ کو اپنی طرف سے پیغام دے کر آنحضرت صلعم کے پاس بھیجا۔ عتبہ آنحضرت صلعم کے پاس آیا۔ اور بڑی نرمی کے ساتھ کہنے لگا کہ "محمد (صلعم) تم شریف ہو۔ تمھارا خاندان بھی شریف و معزز ہے۔ مگر تم نے قوم کے اندر فتنہ ڈال رکھا ہے۔ یہ بتاؤ کہ آخر تمھارا مقصد کیا ہے ؟ اگر تم کو مال و دولت کی خواہش ہے۔ تو ہم تمھارے واسطے اِس

قدر مال جمع کیے دیتے ہیں۔ کہ تم سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے۔ اگر تم کو حکومت اور سرداری کی خواہش ہے تو ہم سب تم کو اپنا سردار بنا لینے اور تمھاری حکومت تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ اگر تم کو شادی کرنی منظور ہے تو ہم سب سے اعلیٰ گھرانے کی سب سے زیادہ حسین لڑکی سے تمھاری شادی کرائے دیتے ہیں۔ اور اگر ان سب چیزوں کی خواہش ہے۔ تو یہ سب تمھارے لئے فراہم کیے دیتے ہیں۔ تم اپنا دلی منشا صاف صاف بیان کردو۔ ہم تمھاری خواہشات کے پورا کرنے کو تیار ہیں۔"

عتبہ جب اپنی تقریر ختم کر چکا تو آنحضرت صلعم نے جواباً سورہ حٰمٓ سجدہ تلاوت فرمائی شروع کی۔ جس میں آپؐ اس آیت پر پہنچے کہ فان اعرضوا فقل انذرتکم صاعقۃ مثل صاعقۃ عاد و ثمود تو عتبہ کا رنگ فق ہو گیا۔ اور اس نے آنحضرت صلعم کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ ایسا نہ کہو۔ پھر آپؐ نے سجدہ کیا اور سجدہ سے فارغ ہو کر کہا کہ تم نے میرا جواب سن لیا؟ عتبہ وہاں سے اٹھا اور قریش کے پاس آکر کہا کہ یہ میری رائے ہے کہ اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اور تم بالکل غیر جانبدار ہو جاؤ۔ اگر یہ ملکِ عرب پر غالب ہو گیا۔ تو چونکہ یہ تمھارا بھائی ہے اس کی کامیابی تمھاری کامیابی ہو گی۔ اور اگر یہ تباہ ہو گیا تو تم سستے چھوٹ جاؤ گے۔ یہ سُن کر قریش نے عتبہ سے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے محمد (صلعم) نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ عتبہ نے کہا جو تمھارا جی چاہے کرو اور کہو میں نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے۔

ابوطالب کی خدمت میں قریش کا وفد۔ جب عتبہ کی کوشش ناکام ثابت ہوئی تو عتبہ۔ شیبہ۔ ابوالبختری۔ اسود و لید۔ ابوجہل وغیرہ اشخاص کا ایک وفد ابوطالب کی خدمت میں پہنچا۔ اور شکایت کی کہ تمھارا بھتیجا ہمارے بتوں کو برا کہنے سے باز نہیں آنا چاہتا تم اس کو سمجھاؤ اور اس حرکت سے باز رکھو۔ ابوطالب نے اس وفد کو معقول جواب دیئے اور ان کو توجہ دلائی کہ تم لوگ بھی ایذارسانیوں میں حد سے بڑھتے جاتے ہو۔ اس روز تو یہ لوگ ابوطالب کے پاس سے اٹھ کر چلے آئے۔ لیکن دوسرے روز مشورہ کر کے پھر پہنچے۔ ان کے آنے پر ابوطالب نے آنحضرت صلعم کو اپنے مکان پر ان کے سامنے بلوایا۔ اور آپؐ کے مواجہ میں گفتگو شروع ہو گئی۔ قریش کے سرداروں نے وہی باتیں اس مجلس میں آپؐ کے سامنے پھر پیش کیں۔ جو اس سے پہلے عتبہ تنہا حاضر ہو کر پیش کر چکا تھا انھوں نے کہا کہ اے محمد (صلعم) ہم نے آپؐ کو اس وقت بعض ضروری باتوں کے لئے بلوایا ہے۔ بخدا کوئی شخص اپنی قوم پر اتنی مشکلات نہیں لایا ہو گا۔ جس قدر مشکلات میں تم نے قوم کو مبتلا کر دیا ہے۔ اگر تم اپنے اس

نئے دین کے ذریعہ مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم اتنا مال جمع کئے دیتے ہیں۔ کہ کسی دوسرے کے پاس نہ نکلے۔ اگر شرف و عزت کی خواہش ہے تو ہم ابھی تم کو اپنا سردار تسلیم کئے لیتے ہیں۔ اگر حکومت و سلطنت کی خواہش ہے تو تم کو ملکِ عرب کا بادشاہ بنانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر تم کو کوئی جن یا آسیب دکھائی دیتا ہے اور اس کے اثر سے تم ایسی باتیں کہتے ہو تو ہم اپنے کاہنوں اور حکیموں کے ذریعے علاج کرانے کو تیار ہیں۔ آپ نے یہ باتیں سن کر جواباً قرآن کریم کی چند آیات تلاوت فرمائیں اور کہا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ کو تمھاری طرف اپنا رسول بناکر بھیجا ہے۔ میں نے خدائے تعالیٰ کے احکام تم کو پہنچا دیئے ہیں۔ اگر تم میری تعلیمات کو قبول کرلوگے تو تمھارے لئے دین و دنیا کی بہتری کا موجب ہوگا۔ اگر انکار پر اصرار کروگے تو میں خدائے تعالیٰ کے حکم کا انتظار کروں گا۔ کہ تمھارے لئے کیا حکم صادر فرماتا ہے۔ یہ سن کر کفار نے کہا کہ اچھا اگر تم خدا کے رسول ہو تو ان پہاڑوں کو ملکِ عرب سے ہٹادو اور ریگستان کو سرسبز بنادو۔ ہمارے باپ دادا کو زندہ کردو۔ اور ان میں قصی بن کلاب کو ضرور زندہ کرو۔ اگر قصی بن کلاب نے زندہ ہوکر تم کو سچا مان لیا اور تمھاری رسالت کو قبول کرلیا تو ہم بھی تم کو رسول تسلیم کرلیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں ان کاموں کے لئے رسول نہیں بنایا گیا ہوں۔ میرا کام یہ ہے کہ تم کو خدائے تعالیٰ کے احکام جو مجھ پر نازل ہوتے ہیں سُنادوں اور اچھی طرح سمجھادوں۔ میں اپنے اختیار سے خود کچھ نہیں کرسکتا۔ اس قسم کی باتیں ہونے کے بعد سردارانِ قریش ناراض اور برافروختہ ہوکر اُٹھے اور ابوطالب کو بھی مقابلہ اور مخالفت کے لئے چیلنج دے کر چل دیئے۔ سردارانِ قریش کے چلے جانے پر ابوطالب نے آنحضرت صلعم سے کہا کہ بھتیجے میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور اپنے اندر قریش کے مقابلہ کی طاقت نہیں پاتا۔ تم مجھے ایسی محنت میں مبتلا نہ کرو جو میری طاقت و استطاعت سے بڑھ کر ہو۔ مناسب یہ ہے کہ تم اپنے دین کا اعلان اور بتوں کی علانیہ برائیاں بیان کرنا ترک کردو۔ آپ نے یہ سنکر فرمایا کہ چچا اگر میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں۔ تب بھی میں اپنے کام سے باز نہیں رہ سکتا۔ ابوطالب کی باتوں سے آپ کو یہ شبہ گذرا کہ اب یہ میری حمایت سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں۔ ابوطالب سردارانِ مکہ میں سب سے زیادہ عزت و وجاہت رکھتے اور قبیلۂ بنی ہاشم کے مسلمہ سردار سمجھے جاتے تھے۔ ان کی وجہ سے مخالفین آپ پر حملہ کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ اور ان کو خطرہ تھا کہ اگر بنو ہاشم سب کے سب آنحضرت صلعم کی امداد پر اُٹھ کھڑے ہوئے تو معاملہ بہت ہی نازک ہوجائے گا لہٰذا ابوطالب کی حمایت سے آنحضرت صلعم کو بہت کچھ تقویت حاصل تھی۔ اب یہ مایوسانہ باتیں سن کر آپ کا دل بھر آیا۔ پھر آپ یہ کہہ کر ابوطالب

کے پاس سے چشم پُرآب اٹھے اور چل دیئے کہ "چچا! میں اپنے کام کو اُس وقت تک نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک کہ خدا کا کام پورا نہ ہو جائے یا یہی کام کرتے ہوئے میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔" ابوطالب پر اس کا بہت اثر ہوا اور انھوں نے آپ کو پھر واپس بلا کر کہا کہ "اچھا تم ضرور اپنے کام میں مصروف رہو۔ جب تک میرے دم میں دم ہے میں تمھاری حمایت سے باز نہ رہوں گا۔ اور تم کو کبھی دشمنوں کے سُپرد نہ کروں گا۔"

حبشہ کی طرف ہجرت:۔ کفارِ قریش کو جب ان تمام کوششوں میں ناکامی ہوئی اور تبلیغ توحید کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ تو ان کو اب فکر ہوئی۔ انھوں نے دیکھا کہ جس تحریک کو ہم بچوں کا کھیل سمجھ رہے تھے وہ اب نشو ونما پاکر اس قدر طاقتور ہوتی جاتی ہے کہ اس کا انسداد آسان کام نہیں رہا۔ انھوں نے اب متفقہ طور پر مخالفت پر کمر باندھی۔ آنحضرت صلعم کو خانہ کعبہ کے اندر آنے سے روک دیا۔ شہر کے لڑکوں اور اوباشوں کو متعین کیا کہ جہاں کہیں آنحضرت صلعم یا مسلمانوں میں سے کسی کو دیکھیں تالیاں بجائیں۔ گالیاں دیں۔ راستوں اور گلی کوچوں میں چلنے پھرنے سے باز رکھیں۔ باہر سے آنے والے مسافروں کو آنحضرت صلعم سے نہ ملنے دیں۔ اور جس طرح قابو چلے اور موقع ملے ستائیں۔ ضعیف مسلمانوں کو اب پورے جوش اور بڑے عزم و ہمت کے ساتھ تنگ کرنا اور ستانا شروع کر دیا یہاں تک کہ شہر مکہ کی سرزمین مسلمانوں کے لئے تنگ ہو گئی۔ اور مسلمانوں کی زندگی وبال بن گئی۔ یہ حالت دیکھ کر آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ ملکِ حبش میں (جہاں عیسائی حکومت تھی) چلے جاؤ۔ چنانچہ نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینہ میں گیارہ مرد اور چار عورتوں نے حبش کے ارادہ سے مکہ چھوڑا۔ یہ پندرہ آدمیوں کا مختصر قافلہ رات کے وقت چھپ کر مکہ سے نکلا۔ جدہ کی بندرگاہ پر اتفاقاً جہاز تیار مل گیا اور یہ لوگ جہاز میں سوار ہو کر ملکِ حبش میں پہنچ گئے۔ ان اولون المہاجرین میں قابل تذکرہ حضرات یہ تھے۔

حضرت عثمانؓ بن عفانؓ۔ ان کی بیوی رقیہؓ بنت رسول اللہ صلعم۔ حضرت حذیفہؓ بن عتبہؓ حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوفؓ۔ حضرت زبیرؓ ابن العوامؓ۔ حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ۔ حضرت عامرؓ بن ربیعہؓ۔ حضرت سہیلؓ ابن بیضاءؓ

یہ لوگ عموماً قریش کے مشہور اور طاقتور قبائل سے تعلق رکھنے والے تھے۔ جو دلیل اس امر کی ہے کہ اب قریش کے مظالم صرف غلاموں اور ضعیفوں تک ہی محدود نہ تھے۔ بلکہ وہ ہر ایک مسلمان کو خواہ وہ کیسے ہی طاقتور قبیلہ کا آدمی کیوں نہ ہو نشانۂ مظالم بنانے میں متامل نہ تھے نیز یہ بھی

ثابت ہوتا ہے۔ کہ کمزور اور بے کس لوگوں میں اتنی بھی استطاعت نہ تھی۔ کہ سامانِ سفر ہی حاصل کر سکیں۔ کفار کو جب ان مسلمانوں کے ہجرت کرنے اور حبشہ کی طرف روانہ ہونے کا حال معلوم ہوا۔ تو وہ تعاقب میں روانہ ہوئے۔ لیکن کفار کے پہنچنے سے پیشتر جہاز بندرگاہ جدہ سے حبش کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ حبش میں پہنچ کر مسلمان اطمینان اور فراغت کے ساتھ رہنے لگے۔ ان کے بعد مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے حبش کی طرف ہجرت کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت جعفر بن ابوطالبؓ بھی حبش میں اپنے مسلمان بھائیوں سے جا ملے۔ اب مسلمانوں کی تعداد ملکِ حبش میں تراسی تک پہنچ گئی تھی۔

مسلمانوں کو ملکِ حبش میں گئے ہوئے ابھی چند مہینے ہی گذرے تھے۔ کہ وہاں انھوں نے یہ افواہ سنی کہ قریش مکہ تمام مسلمان ہو گئے یا اُن سے مصالحت ہو گئی۔ اور اب مسلمانوں کو مکہ میں کوئی خطرہ نہیں رہا ہے۔ اس خبر کو سن کر بعض مسلمان حبش سے مکہ کو واپس ہوتے اور بعض نے اس افواہ کی تصدیق اور قابلِ قبول ذریعہ سے خبر کے پہنچنے کا انتظار ضروری سمجھا۔ جو لوگ مکہ کو واپس آ گئے تھے۔ انھوں نے مکہ کے قریب پہنچ کر سنا کہ وہ افواہ غلط تھی۔ لہٰذا اُن میں سے بعض تو راستے ہی سے واپس حبش کی جانب چلے گئے اور بعض کسی بااثر اور طاقتور قریشی کی ضمانت حاصل کر کے مکہ میں واپس آ گئے۔ یہ لوگ مکہ میں آ کر اور اور مسلمانوں کو بھی اپنے ہمراہ لے کر پھر حبش کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ حبش کی دوسری ہجرت کہلاتی ہے۔ اب ملکِ حبش میں مسلمانوں کی تعداد ایک سو کے قریب پہنچ گئی۔

شاہ حبش سے قریش کا مطالبہ:۔ کفارِ مکہ نے جب دیکھا کہ مکہ کے آدمی مسلمان ہو ہو کر حبش کی طرف چلے جاتے اور وہاں آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ تو اُن کو خطرہ پیدا ہوا کہ اس طرح تو ممکن ہے۔ کہ ہماری بڑی طاقت بتدریج اسلام میں تبدیل ہو کر باہر کسی مرکز میں جمع ہو اور ہم پر کوئی آفت باہر سے نازل ہو۔ لہٰذا انھوں نے مکہ میں آنحضرت صلعم اور اُن کے ساتھیوں پر مظالم کو اور زیادہ کر دیا۔ اور عمرو بن العاص و عبداللہ بن ربیعہ دو معزز شخصوں کو سفیر بنا کر نجاشی شاہ حبش کے دربار میں بھیجا۔ قریش مکہ اور نجاشی شاہِ حبش کے درمیان پہلے سے ایک تجارتی معاہدہ تھا۔ اور اُسی کے موافق قریشِ مکہ کی ملکِ حبش کے ساتھ تجارت قائم تھی۔ ان دونوں سفیروں کو شاہِ حبش کے لئے نہایت گراں بہا تحفے اور ہدایا سپرد کئے گئے۔ نہ صرف شاہِ حبش بلکہ اُس کے درباریوں کے لئے بھی قیمتی تحفے دیئے گئے۔ قریش مکہ کے اس وفد نے دربار حبش میں حاضر ہو کر یہ ہدایا پیش کئے۔ شاہِ حبش کے درباریوں کو اپنی طرف مائل و متوجہ کیا۔ اور پھر یہ مطالبہ پیش کیا کہ ہمارے

کچھ غلام باغی ہو کر آپ کے ملک میں آ گئے اور اپنا آبائی دین چھوڑ کر ایک نئے دین کے تابع ہو گئے ہیں جو سب سے نرالا ہے۔ لہٰذا اُن غلاموں کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ بادشاہ نے اس درخواست کو سُن کر کہا کہ میں پہلے تحقیق کر لوں۔ پھر تمہاری درخواست پر غور کیا جائے گا۔ درباریوں نے بھی قریش کے اِن سفیروں کی حمایت و تائید کی۔ مگر نجاشی نے مہاجر مسلمانوں کو اپنے دربار میں بُلوایا۔ اور کہا کہ وہ کونسا مذہب ہے۔ جو تم نے اختیار کیا ہے؟ مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفرؓ بن ابوطالب نے سب سے آگے بڑھ کر نجاشی کی خدمت میں اس طرح اپنی تقریر شروع کی:۔

جعفرؓ بن ابوطالب کی تقریر دل پذیر

"اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل تھے۔ بُت پرست تھے۔ مُردہ خوار تھے۔ بدکار تھے۔ قطع رحمی اور پڑوسیوں سے بدمعاملگی کرتے تھے۔ ہم میں جو طاقتور ہوتا تھا وہ کمزور کا حق دبا لیتا تھا۔ یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا جس کے حسب نسب اور صدق و امانت سے ہم سب واقف تھے۔ اُس نے ہم کو موحد بنا کر بُت پرستی سے روکا۔ راست گفتاری امانت اور صلہ رحمی کا حکم دیا۔ ہمسایوں کے ساتھ نیک برتاؤ کی تعلیم دی۔ بدکاری۔ دروغ گوئی اور یتیموں کا مال کھانے سے منع کیا۔ قتل و غارت سے باز رکھا اور عبادتِ الٰہی کا حکم دیا۔ ہم اُس رسول پر ایمان لائے اور اُس کی فرماں برداری کی۔ اس لئے ہماری قوم ہم سے ناراض ہو گئی۔ ہم کو انواع و اقسام کی اذیتیں پہنچائیں۔ یہاں تک کہ ہم مجبور ہو کر اپنے وطن سے نکل آئے۔ اور آپ کے ملک میں پناہ گزیں ہوئے۔ ہم کو یقین ہے کہ آپ کے مُلک میں ہم کو ستایا نہ جائے گا۔"

نجاشی نے یہ تقریر سُنکر کہا کہ تمہارے رسول پر خدا کا جو کلام نازل ہوا ہے۔ اُس میں سے کچھ سُناؤ۔ چنانچہ حضرت جعفرؓ نے سورہ مریمؑ کی تلاوت شروع کی۔ قرآن کریم کی آیات سُن کر نجاشی اور تمام درباریوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ جب حضرت جعفرؓ سورہ مریمؑ کی ابتدائی آیات تلاوت فرما چکے تو نجاشی نے کہا اس کلام میں وہی رنگ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت میں ہے یہ دونوں ایک سے ہی کلام معلوم ہوتے ہیں۔ قریش کے ایلچیوں نے کہا کہ

کہ یہ لوگ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے بھی مخالف ہیں اس بات کے کہنے سے اُن کا یہ مدعا تھا۔ کہ نجاشی شاہِ حبش جو عیسائی ہے مسلمانوں سے ناراض ہو جائے گا۔ حضرت جعفر بن ابو طالبؓ نے فوراً جواب دیا کہ ہرگز نہیں بلکہ ھو عبد اللّٰہ و رسولہ و کلمتہ القاھا الیٰ مریم و روح منہ نجاشی نے کہا تمہارا یہ عقیدہ بالکل درست ہے۔ انجیل کا بھی یہی مفہوم ہے۔ نجاشی نے قریش کے ایلچیوں کو ناکام واپس کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ میں ان لوگوں کو ہرگز تمہارے سپرد نہ کروں گا۔ ساتھ ہی نجاشی نے قریش کے تمام تحفے اور ہدایا واپس کر دیئے۔ جس سے اُن کی اور بھی تذلیل ہوئی۔ یہ واقعہ نبوّت کے چھٹے سال کا ہے۔ قریش کو جب نجاشی کے دربار میں بھی ناکامی ہوئی۔ تو اُن کی دشمنی مسلمانوں کے ساتھ اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔

حضرت امیر حمزہؓ کا اسلام لانا:۔ قریشِ مکّہ عداوتِ نبوی میں دیوانے ہو رہے تھے۔ ایک روز آنحضرت صلعم کوہِ صفا پر یا اُس کے دامن میں بیٹھے تھے۔ کہ ابو جہل اُس طرف کو آنکلا۔ اُس نے آپؐ کو دیکھ کر اوّل تو بہت سخت سُست اور ناپسندیدہ الفاظ کہے۔ آپؐ نے جب اُس کی بیہودہ سرائی کا کوئی جواب نہ دیا۔ تو اُس نے ایک پتھر اٹھا کر مارا جس سے آپؐ زخمی ہوئے اور خون بہنے لگا۔ آپؐ خاموش اپنے گھر چلے آئے۔ ابو جہل صحنِ کعبہ میں جہاں لوگ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے آ بیٹھا۔ حضرت امیر حمزہؓ بن عبد المطلب آنحضرت صلعم کے چچا تھے۔ اُن کو آنحضرت صلعم سے بہت محبت تھی۔ مگر وہ ابھی تک شرک پر قائم اور مشرکوں کے شریکِ حال تھے۔ اُن کی عادت تھی کہ تیر کمان لے کر صبح جنگل کی طرف نکل جاتے۔ دن بھر شکار مارتے اور شکار کی تلاش میں مصروف رہتے۔ شام کو واپس آ کر اوّل خانہ کعبہ کا طواف کرتے۔ پھر اپنے گھر جاتے۔ وہ حسبِ معمول جب شکار سے واپس آئے تو اوّل راستے ہی میں ابو جہل کی لونڈی ملی۔ اُس نے ابو جہل کا آنحضرت صلعم کو گالیاں دینا اور پتھر مارنا اور آپؐ کا صبر و شکر کے ساتھ خاموش رہنا سب بیان کر دیا۔

حضرت حمزہؓ آنحضرت صلعم کے چچا ہونے کے علاوہ رضائی بھائی بھی تھے۔ خون اور دودھ کے جوش نے اُن کو از خود رفتہ کر دیا۔ وہ اوّل خانہ کعبہ میں گئے۔ وہاں طواف سے فارغ ہو کر سیدھے اُس مجمع کی طرف متوجہ ہوئے جہاں ابو جہل بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا۔ حضرت حمزہؓ بہت بڑے پہلوان۔ جنگ جُو اور عرب کے مشہور بہادروں میں شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے جاتے ہی ابو جہل کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ اُس کا سر پھٹ گیا۔ اور خون بہنے لگا۔ پھر کہا کہ مَیں بھی محمد (صلعم) کے دین پر ہوں۔ اور وہی کہتا ہوں جو وہ کہتا ہے۔ اگر تجھ میں کچھ ہمت ہے تو اب

میرے سامنے بول - ابو جہل کے ساتھیوں کو غصہ آیا اور وہ اس کی حمایت میں اٹھے - مگر ابو جہل حضرت حمزہؓ کی بہادری سے اس قدر متاثر ومرعوب تھا کہ اس نے خود ہی اپنے حمائتیوں کو بھی یہ کہہ کر روک دیا کہ واقعی مجھ ہی سے زیادتی ہو گئی تھی - اگر حمزہؓ مجھ سے اپنے بھتیجے کا انتقام نہ لیتے تو بے حمیت شمار ہوتے - غالباً ابو جہل کو حضرت امیر حمزہؓ کا کلام سن کر یہ اندیشہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں یہ اس طیش وغضب کی وجہ سے ضد میں آکر مسلمان ہی نہ ہو جائیں - اور اسی لئے اس نے ایسی بات حضرت حمزہؓ کو سنانے کے لئے کہی کہ بات یہیں ختم ہو کر رہ جائے اور حمزہؓ اسلام کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں -

حضرت حمزہؓ ابو جہل کی مزاج پرسی کر کے آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور کہا کہ "بھتیجے تم یہ سن کر خوش ہو گے کہ میں نے ابو جہل سے تمھارا بدلہ لے لیا"

آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "چچا میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا - ہاں اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو مجھ کو بڑی خوشی حاصل ہو" یہ سن کر حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا - حضرت امیر حمزہؓ کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کی آفت رسیدہ جمعیت کو بڑی قوت اور امداد حاصل ہوئی - یہ نبوت کے چھٹے سال کا واقعہ ہے - اس وقت آنحضرت صلعم دار ارقم میں تھے - قریش مکہ آنحضرت صلعم کی شان میں بہت ہی گستاخ اور بے باک ہو گئے تھے - اب حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے نے ان کو کسی قدر محتاط اور مؤدب بنا دیا - اور لوگ آنحضرت صلعم کی شان میں گستاخیاں کرنے میں کچھ تامل کرنے لگے -

حضرت عمر فاروقؓ کا اسلام لانا:- حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے کی خبر سن کر قریش کے فکر وتردد اور بغض وعداوت نے اور بھی ترقی کی اور آپس میں مشورے ہونے لگے - حضرت عمر فاروقؓ حضرت حمزہؓ کی طرح مشہور پہلوان اور عرب کے نامور بہادروں میں سے تھے - مسلمانوں کو ایذا پہنچانے اور آنحضرت صلعم کے خلاف کوشش کرنے میں نمایاں حصہ لیتے تھے - وہ مسلمانوں کو پکڑ کر لاتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو دم لیتے اور پھر اٹھ کر مارتے - غرض کہ انھوں نے مسلمانوں کو دین اسلام سے مرتد بنانے کی بے حد کوشش کی اور ناکام رہے - آخر ایک روز انھوں نے فیصلہ کیا اور کفار کی مجلس میں وعدہ کیا کہ میں تنہا قریش کے اوپر وارد ہونے والے اس فتنہ کو مٹائے دیتا ہوں - یعنی اس فتنہ کے بانی محمد (صلعم) کا کام تمام کئے دیتا ہوں -

ابو جہل نے سن کر کہا کہ اگر تم نے یہ کام پورا کر دیا - تو سو اونٹ اور ہزار اوقیہ چاندی نذر کروں گا -

چنانچہ حضرت عمرؓ مسلح ہو کر شمشیر بدست نکلے اور آنحضرت صلعم کی تلاش و جستجو کرنے لگے۔ راستہ میں سعد بن ابی وقاص نے پوچھا کہ عمرؓ اس طرح کہاں جاتے ہو۔ انھوں نے کہا کہ محمد (صلعم) کو قتل کرنے جاتا ہوں۔ کیونکہ میرا ارادہ ہے کہ آج قریش کی مصیبت اور اُن کی بیسیوں تدبیروں کو سہل کردوں۔ حضرت سعدؓ نے کہا کہ تم بنی ہاشم کے انتقام سے نہیں ڈرتے؟ اور یہ نہیں جانتے کہ محمد صلعم کا قتل کوئی آسان کام نہیں ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے۔ مجھ کو کسی کا بھی کچھ خوف نہیں ہے۔ پھر سعدؓ سے کہا کہ تم بھی اُس کے حمایتی ہو۔ لاؤ پہلے تمھارا ہی کام تمام کردوں۔ حضرت سعدؓ نے کہا کہ تم مجھ کو اور محمد صلعم کو تو بعد میں قتل کرنا پہلے اپنے ہی گھر کی خبر لو کہ تمھاری بہن مسلمان ہو چکی ہے۔ اور اسلام تمھارے گھر میں داخل ہو چکا ہے۔

حضرت عمرؓ یہ نشتر زن جواب سن کر اسی وقت اپنی بہن کے گھر کی طرف چل دیئے۔ وہ آنحضرت صلعم کے قتل کی نیت سے چلے تھے۔ راستے میں اپنی بہن کے گھر کی طرف اُن کا رُخ پھرنا گویا اسلام کی طرف رُخ پھرنا تھا بہن کے گھر پہنچے۔ وہاں حضرت خبابؓ بن الارتؓ۔ حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ اور اُن کے شوہر حضرت سعید بن زیدؓ کو قرآن شریف کی تعلیم دے رہے تھے۔ ان کے آنے کی آہٹ سُن کر حضرت خبابؓ تو وہیں گھر میں کسی جگہ چھُپ گئے۔ اور قرآنِ کریم جن اوراق پر لکھا ہوا تھا اُن کو بھی فوراً چھپا دیا۔ انھوں نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہے تھے۔ پھر فوراً اپنے بہنوئی سعید بن زیدؓ کو پکڑ کر گرا دیا۔ اور مارنا شروع کر دیا کہ تم کیوں مُسلمان ہوئے؟ بہن اپنے شوہر کو چھڑانے کے لئے آگے بڑھی اور بھائی سے لپٹ گئی۔ اس کُشتم کُشتا میں اُن کی بہن فاطمہؓ کے ایسی چوٹ لگی کہ اُن کے سر سے خون جاری ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے بہن اور بہنوئی دونوں کو مارا۔ بہن نے آخر دلیری سے کہا کہ (قد اسلمنا وتابعنا محمد افعل ما بدالک (ہاں عمرؓ ہم مسلمان ہو چکے اور محمد صلعم کے فرماں بردار بن چکے ہیں۔ اب جو کچھ تجھ سے ہو سکتا ہے کرلے) بہن کا یہ دلیرانہ جواب سُنا اور نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو اُن کو خون میں تر بتر پایا۔ اس نظارہ کا اُن کے قلب پر کسی قدر اثر ہوا اور طیش و غضب کے طوفان میں قدرے دھیما پن ظاہر ہونے لگا۔

حضرت عمرؓ نے بہن سے کہا کہ اچھا تم مجھے وہ کلام دکھلاؤ یا سناؤ جو تم ابھی پڑھ رہے تھے۔ اور جس کے پڑھنے کی آوازیں نے گھر میں داخل ہوتے سُنی تھی۔ حضرت عمرؓ کا یہ کلام چونکہ کسی قدر سنجیدہ لہجے میں تھا۔ اس لئے اُن کی بہن کو اور بھی جرأت ہوئی۔ اور انھوں نے کہا کہ تم پہلے غسل کرو تو ہم تم کو اپنا صحیفہ پڑھنے کے لئے دے سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اُسی وقت

غسل کیا۔ غسل سے فارغ ہو کر قرآن مجید کی آیات جن اوراق پر لکھی ہوئی تھیں لے کر پڑھنے لگے ابھی چند ہی آیات پڑھی تھیں کہ بے اختیار بول اُٹھے۔

"کیا شیریں کلام ہے۔ اس کا اثر میرے قلب پر ہوتا جاتا ہے۔"

یہ سُنتے ہی حضرت خبابؓ جو اندر چھپے ہوئے تھے۔ فوراً باہر نکل آئے اور کہا،

"اے عمرؓ مُبارک ہو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا تمہارے حق میں قبول ہو گئی۔ میں نے کل آنحضرت صلعم کو یہ دُعا مانگتے ہوئے سُنا ہے کہ الٰہی عمرؓ بن الخطاب یا ابوجہل دونوں میں سے ایک کو ضرور مسلمان کر دے۔ پھر خبابؓ نے سورہ طٰہٰ کا پہلا رکوع پڑھ کر سُنایا۔ حضرت عمرؓ سورۂ طٰہٰ کی آیات سُن رہے تھے اور رو رہے تھے۔ عمرؓ نے خبابؓ سے کہا کہ اسی وقت مجھے آنحضرت صلعم کے پاس لے چلو۔ چنانچہ وہ اُسی وقت حضرت عمرؓ کو دارِ ارقم کی طرف لے کر چلے۔ اُس وقت بھی ننگی تلوار حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں تھی۔ مگر اب یہ تلوار حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں اُس ارادے سے نہ تھی جو بہن کے گھر تک اُن کے دل میں تھا۔

دارِ ارقم کے دروازے پر پہنچ کر حضرت عمرؓ نے دستک دی۔ صحابہ کرام جو اندر تھے۔ انھوں نے حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ دیکھ کر دروازہ کھولنے میں تامل کیا۔ اور آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ عمرؓ ننگی تلوار لے کر دروازہ پر کھڑا ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو۔ حضرت حمزہؓ بھی موجود تھے انھوں نے کہا آنے دو۔ اگر ارادہ نیک ہے تو خیر ورنہ اُسی کی تلوار سے اُس کا سر اُڑا دیا جائے گا۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا۔ حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے۔ آنحضرت صلعم اُن کو گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر آگے بڑھے اور اُن کا دامن پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا اور فرمایا کہ اے عمرؓ کیا تو باز نہ آئے گا۔ حضرت عمرؓ نے جواباً عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ آنحضرت صلعم نے یہ سنتے ہی جوشِ مسرت میں بلند آواز سے اللہ اکبر کہا اور ساتھ ہی تمام صحابہؓ نے جو اُس وقت دارِ ارقم میں موجود تھے اس زور سے اللہ اکبر کہا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج گئیں۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کو بڑی تقویت حاصل ہو گئی۔ حضرت عمرؓ مسلمان ہونے کے بعد سیدھے ابوجہل کے گھر پہنچے۔ دروازہ پر دستک دی۔ وہ باہر آیا اور بہ خندہ پیشانی اہلاً وسہلاً و مرحبا کہا اور آنے کی وجہ دریافت کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ محمد صلعم کو رسول اللہ مانتا ہوں۔ یہ سنتے ہی ابوجہل جھلا کر اندر چلا گیا۔ اور یہ بھی واپس چلے آئے۔ مدعا ان کا یہ تھا کہ اس سب

سے بڑے دشمنِ اسلام کو اپنے مسلمان ہونے کی خبر دے کر جلاؤں۔

حضرت عمرؓ نے مسلمان ہوتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم کو اب پوشیدہ طور پر گھروں میں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ علانیہ خانہ کعبہ میں نمازیں پڑھنی چاہئیں۔ چنانچہ قریش میں سے اول اول جو کوئی مانع ہوا حضرت عمرؓ نے اُس کا مقابلہ کیا۔ پھر بلا روک ٹوک مسلمان خانۂ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے۔ اور اسلام مکّہ میں علانیہ اور آشکارا طور پر ظاہر ہو گیا۔ یہ نبوت کے چھٹے سال کے آخری مہینے کا واقعہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اُس وقت ۳۳ سال کی تھی۔ حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کے وقت مکّہ میں مسلمانوں کی تعدادِ چالیس ہو گئی۔ ملک حبش میں جو مسلمان تھے۔ وہ اس تعداد کے علاوہ تھے۔

قطع موالات :۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلمان ہونے سے قریش کو بڑا صدمہ پہنچا۔ ادھر مسلمان علانیہ خانۂ کعبہ میں نمازیں پڑھنے لگے۔ بہت سے مسلمان نجاشی کے ملک میں چلے جا چکے تھے۔ جن پر قریش کا کوئی زور نہیں چلتا تھا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کی وجہ سے مکّہ کے مسلمانوں پر بھی وہ بلا خطرہ ہاتھ نہیں ڈال سکتے تھے۔ ان حالات کو دیکھ کر نبوت کے ساتویں سال کی ابتدا یعنی ماہ محرم میں قریش نے ایک مجلسِ مشورت منعقد کی۔ مسلمانوں کی روز افزوں جماعت کے خطرات سے قوم کو آگاہ کیا۔ اور اس اندیشہ وخطرہ سے محفوظ رہنے کی تدابیر پر غور کیا گیا۔ بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب اگرچہ سب کے سب مسلمان نہیں ہوئے لیکن وہ محمد (صلعم) کی حمایت اور رعایت سے باز نہیں آتے۔ لہٰذا اول ابو طالب سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ محمد (اپنے بھتیجے) کو ہمارے حوالے کر دیں۔ اگر وہ انکار کریں تو بنو ہاشم اور بنی عبد المطلب سے شادی۔ بیاہ۔ میل۔ ملاقات۔ سلام پیام سب ترک کر دیا جائے۔ کوئی چیز ان کے ہاتھ فروخت نہ کی جائے۔ اور کھانے پینے کی کوئی چیز اُن کے پاس نہ پہنچنے دی جائے اور اس سخت اذیت رساں مقاطعے کو اُس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک کہ محمد (صلعم) کو ہمارے سپرد نہ کر دیں۔

چنانچہ اس مقاطعے کے متعلق ایک عہد نامہ لکھا گیا۔ تمام رؤسائے قریش نے اس پر قسمیں کھائیں اور عہد نامہ پر دستخط کئے۔ یہ دستخط شدہ عہد نامہ خانۂ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔ اور مقاطعہ شروع ہو گیا۔ ابو طالب تمام بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو لے کر مکّہ کے قریب ایک پہاڑی درّے میں جا کر محصور ہو گئے۔ جس قدر مسلمان تھے وہ بھی اُن کے ساتھ اُسی درّے میں جو شعب ابو طالب کے نام سے مشہور ہے چلے گئے۔ بنو ہاشم سے صرف ایک شخص ابو لہب اس قید و نظر بندی سے آزاد رہا وہ کفارِ قریش

کے ساتھ تھا۔ غلہ وغیرہ جو کچھ بنو ہاشم اپنے ساتھ لے گئے تھے وہ جلد ختم ہوگیا۔ اور اُن لوگوں کو کھانے پینے کی بڑی تکلیف ہونے لگی۔ درّے میں جانے کا صرف ایک تنگ راستہ تھا۔ کوئی شخص باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

تین برس تک بنو ہاشم اور مکّہ کے اُن مسلمانوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اور اذیتیں شعب ابوطالب میں برداشت کیں۔ جن کے تصوّر سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف ایامِ حج میں یہ محصور لوگ باہر نکلتے تھے۔ اور عرب کے دستور کے موافق اُن ایام میں جو امنِ عام ہوتا تھا۔ اُس سے فائدہ اٹھاتے اور اپنے کھانے پینے کا سامان خرید کر ذخیرہ کر لیتے تھے۔ انھیں ایام میں آنحضرت صلعم بھی باہر نکلتے اور باہر سے آئے ہوئے لوگوں میں تبلیغ اسلام کرتے تھے۔ لیکن قریش آپ کے ساتھ ساتھ لگے رہتے اور جہاں آپ جاتے لوگوں کو آپ کی باتیں سننے سے منع کرتے اور آپ کو دیوانہ اور جادوگر بتا کر آپ کی طرف کسی کو متوجہ نہ ہونے دیتے تھے۔ شعب ابوطالب کی سہ سالہ سختیوں کا تصوّر کرنے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قبیلوں کی حمیت اور خاندان ونسل کا پاس ولحاظ بھی ایک بڑی چیز ہے اور اسی نے بنو ہاشم کے اُن لوگوں کو، جو مسلمان نہیں ہوئے تھے آنحضرت صلعم کا ساتھ دینے اور آپ کی مدد کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایک طرف بنی ہاشم کی حمیتِ خاندانی نے اُن کو آنحضرت صلعم کی حمایت پر مجبور کیا۔ دوسری طرف شعب ابوطالب کی قید ونظر بندی نے اُن کو آنحضرت صلعم کے اخلاق کا زیادہ مطالعہ کرنے۔ زیادہ متاثر ہونے اور اسلام سے زیادہ واقف ہونے کا موقع دیا۔ اور اس نسلی امتیاز نے اُن کو (بنی ہاشم کو) بجا طور پر مستحقِ تکریم بنا دیا۔ تین سال کی اس ظالمانہ قید اور بنی ہاشم کے مصائب نے بالآخر قریش کے بعض افراد کو متاثر کرنا۔

بنی ہاشم کے چھوٹے چھوٹے بچوں کا بھوک کے مارے تڑپنا اور فاقہ زدہ والدین کے سامنے اُن کی اولاد کا بلکنا ایسی چیزیں تھیں کہ قریش مکّہ اُن کا صحیح اندازہ کر سکتے تھے۔ زہیر بن اُمیہ بن مغیرہ نے بنی ہاشم کی مصیبت کو اس لئے سب سے پہلے محسوس کیا کہ ابوطالب اُس کے ماموں تھے۔ زہیر نے اوّل مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف کو رشتہ داری کی طرف توجہ دلا کر عہد نامہ کے توڑنے پر آمادہ کیا۔ پھر ابوالبختری بن ہشام اور زمعہ بن الاسود کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ غرض مکّہ میں کئی شخص، جو بنو ہاشم سے قرابت داری رکھتے تھے۔ بنو ہاشم کو مظلوم سمجھ کر اس ظالمانہ عہد نامہ کی تنسیخ کے متعلق چرچا کرنے لگے۔ انھیں ایام میں آنحضرت صلعم نے ابوطالب سے کہا کہ مجھ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی ہے کہ اُس عہد نامہ کی تمام تحریروں کو کیڑوں نے کھا لیا

ہے اُس میں جہاں جہاں اللہ کا نام ہے وہ بدستور لکھا ہوا ہے۔ لفظ اللہ کے سوا باقی تمام حروف غائب ہو چکے ہیں۔ یہ سُن کر ابو طالب اپنی گھاٹی سے باہر نکلے۔ اور انھوں نے قریش سے کہا کہ مجھ کو محمد (صلعم) نے ایسی خبر دی ہے۔ تم عہد نامہ کو دیکھو اگر یہ خبر صحیح ہے۔ اور عہد نامہ کی تحریر معدوم ہو چکی ہے۔ تو مقاطعہ ختم ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ اسی وقت قریش خانہ کعبہ میں دوڑے ہوئے آئے دیکھا تو دیمک نے تمام حروف چاٹ لئے تھے۔ جہاں جہاں لفظ اللہ لکھا ہوا تھا۔ وہ البتہ بدستور موجود تھا۔ یہ دیکھ کر سب حیران و ششدر رہ گئے۔ اور اُسی وقت مقاطعے کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔ بنو ہاشم اور تمام مسلمان شعبِ ابو طالب سے تین سال کے بعد نکلے۔ اور مکہ میں آکر اپنے گھروں میں رہنے سہنے لگے۔ شعبِ ابو طالب میں مسلمانوں کو بھوک سے بیتاب ہو کر اکثر درختوں کے پتے کھانے پڑتے تھے۔ بعض بعض شخصوں کی حالت یہاں تک پہنچی کہ اگر کہیں سوکھا ہوا چمڑا مل گیا تو اسی کو صاف اور نرم کر کے آگ پر رکھا اور بھون کر چبایا۔ حکیم بن حزام کبھی کبھی اپنے غلام کے ہاتھ اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لئے کچھ کھانا چھپا کر بھجوا دیا کرتے تھے۔ اس کا حال جب ایک مرتبہ ابو جہل کو معلوم ہوا تو اُس نے غلام سے کھانا چھین لیا اور زیادہ سختی سے نگرانی شروع کر دی۔

عام الحزن یعنی نبوت کا دسواں سال:۔ جب آنحضرت صلعم شعبِ ابی طالب سے نکلے ہیں تو نبوت کا دسواں سال شروع ہو چکا تھا۔ قیاس یہ چاہتا تھا۔ کہ اب مسلمانوں کے ساتھ قریش کی طرف سے رعایت اور نرمی کا برتاؤ ہو گا۔ مگر نہیں مسلمانوں کی محنتیں اور آنحضرت صلعم کے مصائب اور بھی زیادہ بڑھ گئے۔ اور جلد ہی ایسے حالات پیش آئے کہ اس سال کا نام ہی عام الحُزن یعنے غموں کا سال مسلمانوں میں مشہور ہوا۔ رجب کے مہینے میں ابو طالب جن کی عمر اسی سال سے اوپر تھی بیمار ہو کر فوت ہوئے۔ ابو طالب کے فوت ہوتے ہی کفارِ مکہ یعنی دشمنانِ دین کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ ابو طالب ہی ایک با اثر اور بنی ہاشم کے ایسے سردار تھے جن کا سب لحاظ کرتے اور ڈرتے تھے اُن کے مرتے ہی بنی ہاشم کا رُعب داب جو مکہ میں قائم تھا۔ باقی نہ رہا۔ قریش نے آنحضرت صلعم کو ستانے اور نقصان پہنچانے کے لئے میدان خالی پا کر آزادانہ اور بے باکانہ مظالم کا سلسلہ جاری کر دیا۔

اسی سال حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی مظالمِ قریش سے تنگ آکر ہجرت کا ارادہ کیا۔ اور مکہ سے نکلے۔ راستہ میں چار منزل کے فاصلہ پر برک الغماد کے پاس قبیلۂ قارہ کے سردار ابن الدغنہ

سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ ابن الدغنہ نے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔ کہ مجھے میری قوم نے اس قدر ستایا ہے کہ میں نے اب ارادہ کیا ہے کہ مکہ سے نکل کسی دوسری جگہ جا کر رہوں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا کہ آپ تو ایسے شخص ہیں نہ آپ کو خود مکہ سے نکلنا چاہیے نہ آپ کی قوم کو یہ گوارا ہونا چاہیے کہ آپ مکہ سے نکلیں۔ میں آپ کو پناہ میں لیتا ہوں۔ آپ واپس چلئے اور مکہ ہی میں اپنے رب کی عبادت کیجئے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ مکہ میں واپس آئے۔ ابن الدغنہ نے رؤساء قریش کو جمع کر کے بہت شرمندہ کیا اور کہا کہ تم ایسی نیک صفات والے شخص کو نکالتے ہو جس کا وجود کسی قوم کے لئے موجبِ فخر ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے مکان کے آنگن میں ایک چھوٹا سا چبوترہ بطور مسجد بنا لیا وہیں قرآن شریف پڑھا کرتے اور عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ اُن کی قرآن خوانی کی آواز کا اثر محلہ کی عورتوں اور بچوں پر بہت ہوتا تھا۔ قریش کو یہ بھی گوارا نہ ہوا اور ابن الدغنہ نے منع کیا۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں تمہاری پناہ سے نکلتا اور اپنے خدا تعالیٰ کی پناہ کو کافی سمجھتا ہوں۔ مگر قرآن خوانی کو ترک نہیں کر سکتا۔

ابوطالب کی وفات کے قریباً دو ماہ بعد رمضان سنہ نبوی میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا بھی انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہؓ سے آپ کو بڑی محبت تھی۔ وہ آنحضرت صلعم کی تمام مصائب و تکالیف میں رفیق تھیں۔ سب سے پہلے وہی آپ پر ایمان لائی تھیں۔ انھوں نے ہمیشہ آپ کی ہمت بندھائی۔ اور مصیبتوں میں آپ کو تسلی دی تھی۔ ابوطالب اور خدیجہؓ دونوں ایسے رفیق و ہمدرد تھے۔ کہ اُن کی وفات نے آنحضرت صلعم کو بہت ہی غمگین بنا دیا۔ اور ساتھ ہی قریش کی ایذا رسانیوں میں اضافہ ہونے لگا۔ ایک دفعہ آپ راستہ میں جا رہے تھے۔ کہ کسی شریر نے آپ کے سر پر بہت سی کیچڑ اٹھا کر ڈال دی۔ سر ورِیش کے تمام بال آلودہ اور جسم مبارک کے کپڑے ناصاف ہو گئے۔ آپ اسی حالت میں اپنے گھر کے اندر تشریف لائے۔ آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ پانی لے کر اُٹھیں۔ وہ آپ کا سر دھلاتی جاتی تھیں اور زار و قطار رو رہی تھیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ بیٹی رو مت۔ خدا تعالیٰ تمہارے باپ کی خود حفاظت کرے گا۔

ایک مرتبہ آپ خانہ کعبہ میں گئے۔ وہاں بہت سے مشرک بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوجہل نے آپ کو دیکھ کر تمسخرانہ انداز میں کہا عبد مناف والو! دیکھو تمہارا نبی آ گیا۔ عتبہ بن ربیعہ نے کہا

ہیں کیا انکار ہے۔ کوئی نبی بن بیٹھے۔ کوئی فرشتہ بن جائے۔ آنحضرت صلعم نے عتبہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تو نے کبھی بھی خدا و رسول کی حمایت نہ کی اور اپنی ضد پر اڑا رہا۔ پھر ابوجہل سے کہا کہ تیرے لئے وہ وقت قریب آرہا ہے۔ کہ تو ہنسے گا کم اور روئے گا زیادہ، پھر تمام مشرکین سے کہا کہ وہ وقت قریب آرہا ہے۔ کہ تم جس دین کا انکار کر رہے ہو اسی میں داخل ہو جاؤ گے۔

سفر طایف:۔ غرض قریش کی ضد دم بدم ترقی کرتی گئی۔ آپ نے شعب ابوطالب ہی کے زمانے سے قریش کے سوا باہر کے لوگوں میں جب کہ وہ حج کے لئے مکہ آتے تھے تبلیغ کا کام شروع کر دیا تھا جس کا کوئی معتدبہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ اب مکہ والوں کو حد سے زیادہ سخت اور اسلام سے متنفر دیکھ کر آپ نے ارادہ کیا تھا۔ کہ طائف والوں کو دعوتِ اسلام دیں۔ طائف مکہ سے تین منزل یعنی ساٹھ میل کے فاصلہ پر مکہ ہی کی برابر بڑا شہر تھا۔ وہاں ثقیف آباد تھے۔ جو لات کی پرستش کرتے تھے۔ وہاں لات کا مندر تھا۔ اور سارا شہر اسی مندر کا پجاری تھا۔ ۱۰ھ نبوی شوال کے مہینے یعنی حضرت خدیجہؓ کی وفات کے ایک مہینہ بعد آپ زید بن حارث کو ہمراہ لے کر پیدل طائف میں پہنچے۔ وہاں پہنچنے سے پہلے راستہ میں اول آپ قبیلۂ بنی بکر میں تشریف لے گئے۔ جب ان کو بھی مکہ والوں کا ساتھی اور ہم خیال پایا تو قوم قحطان کے پاس گئے اُن کو بھی سنگ دلی میں قریش کے ہمسر پایا۔ تو طائف میں پہنچے۔ طائف میں داخل ہو کر اول آپ وہاں کے رؤسائے ملے۔ طائف کے سرداروں میں عبدیالیل بن عمر بن عمیر اور اُس کے دونوں بھائی مسعود و حبیب سب سے زیادہ با اثر اور بنی ثقیف کے رئیس سمجھے جاتے تھے۔ آپ تینوں سے ملے اور اسلام کی طرف دعوت دی۔ یہ بڑے مغرور و متکبر تھے۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ اگر تجھ کو خدا اپنا رسول بناتا تو یوں ہی پیدل جوتیاں چٹخاتا پھرتا۔ دوسرے نے کہا کیا خدا کو کوئی اور آدمی نہ ملا جو تجھ کو رسول بنایا۔ لولا نزل ھذا القرآن علی رجلٍ عن القریتین عظیم۔ تیسرا بولا۔ میں تجھ سے کلام کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اگر تو اپنے قول کے موافق خدا کا رسول ہے۔ تو تیرے کلام کا رد کرنا خطرناک بات ہے۔ اور اگر تو خدا پر جھوٹ بولتا ہے تو مناسب نہیں کہ ایسے شخص سے کلام کیا جائے۔

اہل طائف کی گستاخیاں:۔ جب آپ کو عبدیالیل اور اُس کے بھائی کی طرف سے مایوسی ہوئی تو آپ نے اُن سے کہا کہ اچھا آپ اپنے ان خیالات کو اپنی ہی ذات تک محدود رکھیں

اور دوسروں تک ان باتوں کی اشاعت نہ کریں۔ وہیں سے اٹھ کر آپ طائف کے اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے میں مصروف ہوئے لیکن عبدیالیل اور اُس کے بھائیوں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں اور اوباشوں کو آنحضرت صلعم کے پیچھے لگا دیا۔ آپ جہاں جاتے بدمعاشوں، اوباشوں اور لڑکوں کا ایک انبوہ آپ کے پیچھے گالیاں دیتا اور ڈھیلے مارتا ہوا ہوتا۔ آپ کے وفادار خادم زیدؓ بن حارث آپ کے ہمراہ تھے۔ وہ آپ کو بچاتے اور آپ کی حفاظت کرنے میں مصروف تھے۔ پتھروں اور ڈھیلوں کی بارش میں آنحضرت صلعم اور زیدؓ بن حارث دونوں زخمی ہو گئے۔ آپ کو طائف میں ٹھہرنا دشوار ہو گیا۔ وہاں سے چلے۔ بازاریوں اور اوباشانِ طائف کا ہجوم گالیاں دیتا اور پتھر برساتا ہوا آپ کے ساتھ ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ آپ طائف سے باہر نکل آئے۔ مگر بدمعاشوں کے ہجوم نے آپ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اُن بدمعاشوں کے ہجوم نے تین میل تک شہر سے باہر بھی آپ کا تعاقب کیا۔ آپ کی پنڈلیاں پتھروں کی بارش سے لہولہان ہو گئیں اور اس قدر خون بہا کہ جوتیوں میں خون بھر گیا۔ اسی طرح تمام جسم زخموں سے لہو لہان تھا۔ آپ کا قول ہے۔ کہ میں طائف سے تین میل تک بھاگا اور مجھے کچھ ہوش نہ تھا کہ کہاں سے آرہا ہوں اور کدھر جا رہا ہوں۔ طائف سے تین میل کے فاصلہ پر مکّہ کے ایک رئیس عتبہ بن ربیعہ کا باغ تھا۔ آنحضرت صلعم نے اُس باغ میں آکر پناہ لی۔ اور طائف کے اوباشوں کا ہجوم طائف کی طرف واپس ہوا۔ آپ اس باغ کی دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ اور اپنی بیکسی و بے چارگی دیکھ کر جناب الٰہی سے دعا کی کہ الٰہی بیکسوں اور ضعیفوں کا تو ہی محافظ و نگہبان ہے۔ اور میں تجھی سے مدد کا خواستگار ہوں۔

عتبہ بن ربیعہ اُس وقت باغ میں موجود تھا۔ اُس نے آپ کو دُور سے اس حالت میں دیکھا۔ تو عربی شرافت اور مسافر نوازی کے تقاضے سے اپنے غلام عداس کے ہاتھ ایک رکابی میں انگور کے خوشے رکھ کر آپ کے پاس بھجوائے۔ یہ غلام نینوا کا باشندہ عیسائی تھا۔ آپ نے وہ انگور کھائے اور عداس کو اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ عداس کے قلب پر آپ کی باتوں کا اثر ہوا اور اُس نے آپ کے ہاتھ کو جھک کر چُوما۔ عتبہ نے دور سے غلام کی اس حرکت کو دیکھا جب عداس واپس گیا تو عتبہ نے اس سے کہا کہ اس شخص کی باتوں میں نہ آجانا اس سے تو تیرا ہی دین بہتر ہے۔ تھوڑی دیر آپ نے عتبہ کے باغ میں آرام کیا۔ پھر وہاں سے اُٹھ کر چل دیئے۔ وہاں سے روانہ ہو کر آپ مقام نخلہ میں پہنچے اور رات کو کھجوروں کے ایک باغ میں قیام فرمایا۔

اسی جگہ بعض جنات کے سرداروں نے آپ کو قرآن شریف پڑھتے ہوئے سُنا اور آپ پر ایمان لائے۔

مکہ کو واپسی: نخلہ سے روانہ ہو کر آپ کوہ حرا پر تشریف لائے اور یہاں مقیم ہو کر آپ نے بعض سردارانِ قریش کے پاس پیغام بھیجا مگر کوئی شخص آپ کو اپنی ضمانت اور پناہ میں لینے کے لئے تیار نہ ہوا۔ مطعم بن عدی کے پاس جب آپ کا پیام پہنچا تو وہ بھی اگرچہ مشرک اور کافر تھا۔ مگر عربی شرافت اور قومی حمیت کے جذبہ سے متاثر ہو کر فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور آنحضرت صلعم کے پاس سیدھا کوہِ حرا پر پہنچ کر اور آپ کو اپنے ہمراہ لے کر مکہ میں آیا۔ مطعم کے بیٹے ننگی تلواریں لے کر خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ آنحضرت صلعم نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اس کے بعد مطعم اور اُس کے بیٹوں نے ننگی تلواروں کے سایہ میں آپ کو گھر تک پہنچا دیا۔ قریش نے مطعم سے پوچھا کہ تم کو محمد (صلعم) سے کیا واسطہ ہے۔ مطعم نے جواب دیا۔ کہ مجھ کو واسطہ تو کچھ نہیں۔ لیکن میں محمد (صلعم) کا حمایتی ہوں۔ جب تک وہ میری حمایت میں ہیں کوئی نظر بھر کر اُن کو نہیں دیکھ سکتا۔ مطعم کی یہ ہمت و حمایت دیکھ کر قریش کچھ خاموش سے ہو کر رہ گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلعم طائف میں اس مذکورہ بالا حالت میں تھے تو ایک فرشتہ آپ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر آپ حکم دیں تو میں پہاڑ اٹھا کر اہلِ طائف پر ڈال دوں؟ یہ سب کے سب فنا ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں ہرگز نہیں، مجھے امید ہے کہ اگر یہ لوگ اسلام نہ لائے تو ان کی اولاد ضرور خادمِ اسلام بنے گی۔ اور ان کی آئندہ نسلیں سب مسلمان ہوں گی۔ میں ان کی ہلاکت کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت عائشہؓ سے نکاح، معراج: اسی سال یعنی ماہِ شوال سنہ نبوی میں آپ نے حضرت عائشہ بنت ابوبکرؓ اور حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح کیا۔ اسی سال آپ کو معراج ہوئی۔ معراج کی نسبت طبری کا قول ہے کہ ابتدائے وحی یعنی نبوت کے پہلے سال ہوئی۔ جب سے کہ نماز فرض ہوئی۔ ابن حزم کا قول ہے کہ سنہ میں ہوئی بعض روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ معراج ہجرت مدینہ کے بعد ہوئی۔ جس طرح شقِ صدر کی نسبت علماء کا خیال ہے کہ ایک سے زیادہ مرتبہ ہوا۔ اسی طرح معراج کی نسبت بھی بعض علماء کا خیال ہے کہ ایک سے زیادہ مرتبہ ہوئی۔ بہرحال یہ بحث اس جگہ نہیں چھیڑی جا سکتی۔ اس کے لئے دوسری مستقل تصانیف اور تفاسیر و سیر و احادیث کی کتابوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

مختلف مقامات اور مختلف قبائل میں تبلیغ اسلام:۔ مکہ والوں سے نا امید ہو کر آپ نے طائف کا قصد کیا تھا۔ وہاں والوں نے مکہ والوں سے بھی بدتر نمونہ دکھایا۔ مکہ والوں کی نفرت اور ضد دم بدم ترقی پذیر تھی۔ اور اُن کی شرارتیں اپنی کیفیت اور کمیت میں پہلے سے زیادہ اور سخت ہوتی جاتی تھیں۔ مگر آنحضرت صلعم نے ہمت نہیں ہاری۔ طائف سے واپس آکر آپ اُن قبائل میں جو مکہ کے ارد گرد تھوڑے فاصلے پر رہتے تھے۔ برابر جاتے اور تبلیغ اسلام فرماتے رہے۔ چنانچہ قبیلۂ بنو کندہ اور قبیلۂ بنو عبد اللہ کے اقامت گاہوں میں پہنچے۔ بنو عبد اللہ سے آپ نے فرمایا کہ اے بنو عبد اللہ! تمہارا باپ عبد اللہ تھا۔ تم بھی اسم با مسمٰی یعنی اللہ کے بندے بن جاؤ۔ قبیلۂ بنو حنیفہ کی بستی میں بھی آپ گئے۔ اُن ظالموں نے سارے عرب میں سب سے زیادہ نالائق طریق پر آپ کا انکار کیا۔

باہر سے جو مسافر مکہ میں آتے یا ایامِ حج میں دور دراز مقامات کے قافلے آتے آپ اُن کے پاس چلے جاتے اور تبلیغ اسلام فرماتے۔ مگر ابو لہب کو آپ کی مخالفت میں خاص کد تھی وہ ہر جگہ آپ کے پیچھے لگا ہوا پہنچ جاتا۔ اور مسافروں کو آپ کی باتیں سننے سے روکتا۔ بنو عامر۔ بنو شیبان۔ بنو کلب۔ بنو محارب۔ فزارہ۔ غسان۔ سلیم۔ عبس۔ حارث۔ عذرہ۔ ذہل مرہ وغیرہ قبائل کو بھی آپ نے دعوتِ اسلام دی۔

جس وقت آپ نے بنو عامر کے سامنے اسلام پیش کیا تو اُن میں سے ایک شخص فراس نامی نے کہا کہ اگر ہم مسلمان ہو جائیں۔ اور آپ کو اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو تو۔ کیا تم اپنے بعد ہم کو اپنا خلیفہ بناؤ گے؟ آپ نے فرمایا یہ کام تو خدائے تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہے گا وہی میرا خلیفہ ہو جائے گا۔ یہ سُن کر اُس شخص نے کہا کہ کیا خوب! اِس وقت تو ہم آپ کے مطیع و حامی بن کر اپنی گردنیں کٹوائیں۔ اور جب تم کامیاب ہو جاؤ تو دوسرے لوگ حکومت کا مزا اُڑائیں۔ جاؤ ہم کو تمہاری ضرورت نہیں۔

سوید بن صامت:۔ نبوت کا گیارہواں سال شروع ہو چکا تھا۔ مدینہ کا رہنے والا قبیلۂ اوس کا ایک شخص سوید بن صامت مکہ میں آیا۔ جو اپنی قوم میں کامل کے لقب سے مشہور تھا۔ اُس کی ملاقات اتفاقاً آنحضرت صلعم سے ہوئی۔ آپ نے اُس کو اسلام کی دعوت دی۔ اُس نے کہا شاید آپ کے پاس بھی وہی ہے۔ جو میرے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا تیرے

پاس کیا ہے۔ اُس نے کہا کہ حکمتِ لقمان۔ آپ نے فرمایا سناؤ۔ اُس نے کچھ اشعار پڑھے۔ آپ نے سُن کر فرمایا۔ کہ یہ اچھا کلام ہے۔ لیکن میرے پاس قرآن مجید ہے۔ جو اِس سے بہتر و افضل ہے، اور ہدایت و نور ہے۔ پھر آپ نے قرآن مجید اُس کو سُنایا۔ اُس نے قرآن مجید سُن کر اقرار کیا کہ واقعی یہ ہدایت اور نور ہے۔ بعض روایات میں ہے۔ کہ وہ مُسلمان ہوگیا۔ بعض میں ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوا۔ مگر آپ کی مخالفت بالکل نہیں کی۔ مدینہ میں جاکر وہ ایک لڑائی میں جو اوس وخزرج کے درمیان ہوئی مارا گیا۔

ایاس بن معاذؓ:- انھیں ایام میں انس بن رافع اپنی قوم بنو عبدالاشہل کے چند لوگوں کو ہمراہ لے کر مدینہ سے مکہ میں اس لئے آیا کہ قریشِ مکہ سے قوم خزرج کے مقابلہ میں معاہدہ کرے اور قریش کو اپنی قوم کا ہم عہد بنائے۔ اس وفد کے آنے کی خبر سُن کر آنحضرت صلعم سب سے پہلے اُن کے پاس پہنچ گئے۔ ابھی وہ سردارانِ قریش سے ملنے اور اپنا مقصد بیان کرنے نہ پائے تھے۔ آپ نے جاتے ہی اُن سے کہا کہ میرے پاس ایسی چیز ہے۔ جس میں تم سب کی بہتری مضمر ہے۔ اگر تم چاہو تو میں پیش کروں۔ انھوں نے کہا بہت اچھا آپ پیش کریں آنحضرتؐ نے فرمایا "میں لوگوں کی ہدایت و رہبری کے لئے رسول مبعوث ہوا ہوں شرک سے منع کرتا اور صرف خدا ہی کی عبادت کا حکم دیتا ہوں۔ مجھ پر خدائے تعالیٰ نے کتاب نازل کی ہے۔ پھر آپ نے اسلام کے اُصول بتائے اور قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ مدینہ کے اُس وفد میں انس بن رافع کے ہمراہ ایک نوجوان ایاس بن معاذ بھی تھا۔ ایاس نے آنحضرت صلعم کی باتیں اور قرآن مجید کی آیتیں سُن کر بے تابانہ کہا کہ "اے میری قوم تم جس مقصد کے لئے مدینہ سے آئے ہو خدا یہ چیز اُس سے اچھی ہے۔" امیرِ وفد انس بن رافع نے ایاس بن معاذ کو ڈانٹا اور کہا ہم اس کام کے لئے نہیں آئے۔ ایاس خاموش ہوگئے اور آنحضرت صلعم وہاں سے خاموش اُٹھ کر چلے آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ کا یہ وفد ناکام مکہ سے واپس آگیا۔ اور کوئی معاہدہ قریش سے نہ ہوسکا۔ مدینہ میں جاکر چند روز کے بعد حضرت ایاس بن معاذ کا انتقال ہوا۔ اور اُنھوں نے مرنے سے پہلے اپنے اسلام اور ایمان کا اظہار فرمایا۔

ضماد ازدیؓ:- ضماد ازدی عرب کا مشہور افسون گر اور یمن کا باشندہ تھا۔ وہ ایک مرتبہ مکہ میں آیا۔ یہاں قریش سے سُنا کہ محمد (صلعم) پر جنات کا اثر ہے۔ بولا کہ میں اپنے منتر سے

ابھی اس شخص کا علاج کئے دیتا ہوں چنانچہ اُس نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں تم کو اپنا منتر سناتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے مجھ سے سُن لو پھر تم سُنانا۔ چنانچہ آپ نے اپنے خطبہ کے ابتدائی کلمات اس طرح شروع کئے۔ الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ اما بعد۔ آپ نے اسی قدر الفاظ ابھی بیان فرمائے تھے کہ ضماد بے اختیار بول اٹھا۔ یہی کلمات پھر دوبارہ بیان کیجئے۔ چنانچہ کئی مرتبہ اُس نے یہی کلمات آپ سے پڑھوائے اور پھر کہا کہ میں نے بہت سے کاہن۔ ساحر۔ شاعر دیکھے اور اُن کا کلام سُنا لیکن ایسا جامع و مانع اور لطیف و بلیغ کلام کبھی نہیں سُنا۔ پھر آپ سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ میں مسلمان ہوتا ہوں اور اسلام کے لئے بیعت کرتا ہوں۔

طفیل بن عمرو دوسیؓ:۔ ملک یمن میں قبیلہ دوس آباد تھا۔ اس قبیلہ کا سردار طفیل بن عمرو رؤسا یمن میں شمار ہوتا تھا۔ طفیل علم و دانشمندی کے علاوہ بہت مشہور اور زبردست شاعر بھی تھا اسی سال یعنی ۱۱ نبوی میں وہ اتفاقاً مکہ کی طرف آیا۔ طفیل بن عمرو کے آنے کا حال سُن کر سردارانِ قریش استقبال کے لئے مکہ سے باہر نکلے۔ اور بڑی عزت و تعظیم کے ساتھ شہر میں لائے۔ قریش کو اس بات کا اندیشہ ہوا کہ کہیں محمد صلعم سے طفیل کی ملاقات نہ ہو جائے۔ اور طفیل پر اُن کا جادو نہ چلے۔ چنانچہ انھوں نے مکہ میں داخل ہوتے ہی طفیل سے کہا کہ آج کل ہمارے شہر میں ایک ایسا جادوگر پیدا ہو گیا ہے۔ جس نے تمام شہر کو فتنہ میں ڈال دیا ہے۔ باپ بیٹے سے۔ بیٹا باپ سے۔ بھائی بھائی سے اور خاوند بیوی سے جُدا ہو گیا ہے۔ آپ چونکہ ہمارے معزز مہمان ہیں۔ لہٰذا آپ بھی احتیاط رکھیں اور کوئی کلمہ اس ساحر یعنی محمد (صلعم) کی زبان سے نہ سُنیں۔ قریش کے بار بار اور باصرار خوف دلانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ طفیل نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اچانک محمد (صلعم) کی آواز اُس کے کانوں میں پڑ جائے۔

ایک روز علی الصبح طفیل اپنے کانوں میں روئی ٹھونس کر خانہ کعبہ میں پہنچے — وہاں آنحضرت صلعم نماز فجر پڑھ رہے تھے۔ نماز پڑھنے کا طریقہ جو آنکھوں سے نظر آتا تھا طفیل کو اچھا معلوم ہوا اور وہ آپ کے قریب چلے گئے۔ وہاں آپ کی قرأت کی آواز بھی کچھ کچھ سنائی دینے لگی۔ اب طفیل کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر میں بھی شاعر ہوں

عقلمند ہوں۔ اگر اس شخص کی باتیں اچھی ہوں گی تو مان لوں گا۔ اگر بُری ہیں۔ تو انکار کردوں گا۔ یہ خیال آتے ہی روئی کانوں سے نکال کر پھینک دی۔ آنحضرت صلعم نماز ختم کرکے اپنے گھر کی طرف چلے تو طفیل بھی آپؐ کے پیچھے پیچھے ہولئے اور کہا کہ مجھ کو آپؐ اپنی باتیں سُنائیں۔ آنحضرت صلعم نے قرآن مجید پڑھ کر سُنایا۔ طفیلؓ اسی وقت مسلمان ہوگئے۔ اور کہا کہ آپؐ دعا کریں کہ خدائے تعالیٰ میرے ذریعہ میرے قبیلہ والوں کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دے۔ طفیل مکہ سے اپنے گھر آئے اور تبلیغ اسلام شروع کردی۔ حضرت طفیلؓ نے آنحضرت صلعم سے کہا کہ مکہ والے آپؐ کو بہت ستاتے ہیں۔ آپؐ ہجرت فرمائیں اور میرے گھر چل کر رہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب خدائے تعالیٰ مجھ کو ہجرت کا حکم دے گا۔ تب ہی ہجرت کروں گا۔ اور جس جگہ کے لئے حکم ہوگا۔ اُسی جگہ ہجرت کرکے جاؤں گا۔

ابوذر غفاریؓ:۔ حضرت ابوذرؓ قبیلۂ بنی غفار سے تعلق رکھتے اور مدینہ (یثرب) کے نواحی علاقہ میں رہتے تھے۔ مدینہ میں آنحضرت صلعم کی خبر سوید بن صامت اور ایاس بن معاذ کے ذریعہ پہنچی اور اُڑتی ہوئی حضرت ابوذرؓ کے کانوں تک پہنچی۔ تو انھوں نے اپنے بھائی انیسؓ کو جو شاعر بھی تھے تحقیق حال کے لئے مکہ روانہ کیا۔ انیسؓ نے مکہ میں آنحضرت صلعم سے ملاقات کی اور مدینہ واپس جاکر حضرت ابوذرؓ سے ذکر کیا کہ میں نے محمد (صلعم) ایک ایسا شخص پایا جو نیکی کی ترغیب اور بدی سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ کی اس بات سے کچھ تسلی نہ ہوئی۔ مدینہ سے پیدل چل کر مکہ پہنچے۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں باریاب ہوتے ہی اسلام قبول کیا۔ اور اُسی وقت خانہ کعبہ میں آکر، جہاں قریش کا مجمع تھا بلند آواز سے کلمۂ توحید پڑھا۔ اور قرآن مجید کی جو آیات یاد کرلی تھیں سنائیں۔ قریش نے کہا اس بے دین کو مارو۔ چنانچہ چاروں طرف سے لوگ پل پڑے اور مارتے مارتے بیہوش کردیا۔ جان سے مار ڈالنے پر آمادہ تھے۔ کہ اتنے میں حضرت عباسؓ جو ابھی تک کفار ہی میں شامل تھے۔ آگئے۔ انھوں نے دیکھ کر کہا کہ یہ قبیلۂ غفار کا آدمی ہے۔ جہاں سے تم تجارت کے لئے کھجوریں لایا کرتے ہو۔ لوگ یہ سُن کر ہٹ گئے۔ یہ ہوش میں آکر اور اٹھ کر آنحضرت صلعم کے پاس آگئے اور اگلے دن پھر اسی طرح اعلان کیا۔ قریش نے پھر زدوکوب کیا۔ غرض مکہ میں اپنے اسلام کا اعلان کرکے اپنے وطن کو واپس آئے۔

یثرب کی چھ سعید روحیں:۔ ۱۱ھ نبوی کا آخری مہینہ تھا۔ مدینہ میں اوس و خزرج کی مشہور لڑائی

جس کی تیاری کے لئے بنو عبد الاشہل مکہ میں آئے تھے اور جو جنگِ بعاث کے نام سے مشہور ہے جس میں اوس و خزرج کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تھے ختم ہو چکی تھی۔ خانہ کعبہ کے حج کی تقریب میں ملکِ عرب کے مختلف حصص سے مکہ کی طرف قافلے آنے شروع ہو گئے تھے آنحضرت صلعم اُن باہر سے آنے والے قافلوں کی قیام گاہوں پر جا جاکر اسلام کی تبلیغ فرماتے تھے۔ ابو جہل اور ابو لہب آپ کے ساتھ ساتھ لگے پھرتے تھے۔ کہ باہر سے آنے والوں کو آپ کی باتیں سننے سے روکیں۔ آپ اُن شریروں کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے اکثر رات کی تاریکی میں مکہ سے باہر نکل جاتے اور دو دو تین تین میل کے فاصلے پر چلے جاتے اور وہاں جہاں کہیں کسی قافلے کو ٹھیرا ہوا دیکھتے اُن کے پاس جا بیٹھتے۔ بُت پرستی کی مذمت اور توحید کا وعظ سُناتے۔

چنانچہ ایک روز مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر رات کے وقت مقام عقبہ پر آپ نے چند لوگوں کی باتیں کرنے کی آواز سنی۔ آپ اُن کے قریب پہنچے۔ دیکھا کہ چھ آدمی ہیں۔ آپ اُن کے پاس جا بیٹھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یثرب سے حج کرنے کے لئے آئے ہیں اور قبیلہ خزرج کے آدمی ہیں۔ آپ نے اُن کو اسلام کی تبلیغ کی۔ قرآن مجید کی آیات سُنائیں۔ انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اور فوراً ایمان لے آئے۔ یثرب کی آبادی دو بڑے حصوں میں منقسم سمجھی جاتی تھی۔ ایک تو یہودی لوگ تھے۔ دوسرے بُت پرست، بُت پرستوں میں اوس اور خزرج دو زبردست اور مشہور قبیلے تھے۔ یہ لوگ یہودیوں سے یہ سنتے رہتے تھے۔ کہ ایک عظیم الشان نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ اور وہ سب پر غالب ہو کر رہے گا۔ یہ باتیں چونکہ کانوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ اس لئے اور بھی ان لوگوں نے آپ کے تسلیم کرنے میں سبقت کی۔ ان چھ شخصوں کے نام یہ تھے۔ ابو امامہ اسعد بن زرارہ (یہ بنو نجار سے تھے۔ جو آنحضرت صلعم کے رشتہ دار بھی تھے۔ انھیں بزرگ نے سب سے پہلے اسلام لانے میں سبقت کی)، عوف بن حارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، جابر بن عبد اللہ، عقبہ بن عامر بن نابی۔ آنحضرت صلعم نے ان بزرگوں میں سے رافع بن مالک کو قرآنِ مجید جس قدر کہ اب تک نازل ہوا تھا لکھا ہوا عطا فرمایا۔ یہ چھوٹا سا قافلہ مسلمان ہو کر یہیں سے مدینہ کو لوٹ گیا۔ اور وعدہ کر گیا کہ ہم اپنی قوم میں جاکر اسلام کی دعوت و تبلیغ شروع کریں گے۔ چنانچہ انھوں نے جاتے ہی تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور مدینہ کے ہر گلی کوچہ میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔

بیعتِ عقبۂ اولیٰ:۔ ۱۱ھ نبوی تو ختم ہی ہو چکا تھا۔ ۱۲ھ نبوی بھی آنحضرت صلعم کو مکہ میں اُسی طرح گذرا۔ جیسا کہ ۱۱ھ نبوی گذرا تھا۔ قریش کی مخالفت بدستور ترقی پذیر تھی ساتھ ہی آنحضرت صلعم کو یہ پورا سال سخت امید و بیم کی حالت میں گذرا۔ کیونکہ آپ کو مدینہ کے اُن چھ مسلمانوں کا بہت خیال تھا۔ جو تبلیغ اسلام کا وعدہ کر گئے تھے۔ آپ کو اس عرصہ میں کوئی خبر نہیں معلوم ہوئی۔ کہ مدینہ میں تبلیغ اسلام کا کیا نتیجہ نکلا۔ آخر ۱۲ھ نبوی کے آخری مہینہ ذی الحجہ میں آپ مقام منٰی کے پاس اُسی مقام عقبہ میں جا جا کر یثرب کے قافلہ کی تلاش کرنے لگے۔ اتفاقاً آپ کی نظر اُن لوگوں پر پڑی۔ جو پہلے سال بیعت کر گئے تھے۔ انھوں نے بھی آنحضرت صلعم کو دیکھا۔ اور بڑے شوق سے بڑھ کر ملے۔ اب کی مرتبہ یہ کُل بارہ ۱۲ آدمی تھے۔ ان میں کچھ تو وہی پچھلے سال کے مسلمان تھے۔ کچھ نئے آدمی تھے۔ جو اوس و خزرج دونوں قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان بارہ بزرگوں کے نام یہ تھے۔ ابو امامہؓ۔ عوفؓ بن حارث بن رفاعہ۔ رافعؓ بن مالک بن العجلان۔ قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ۔ عقبہؓ بن عامر۔ یہ پانچ شخص تو پچھلے سال کے چھ مسلمانوں میں سے تھے۔ باقی نئے سات یہ تھے۔ معاذؓ بن حارث برادر عوف بن حارث۔ ذکوانؓ بن عبد قیس بن خالد۔ خالدؓ بن مخلد بن عامر بن زریق۔ عبادہؓ بن صامت بن قیس (بنو جنیب سے تھے) عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ۔ یہ دسؓ حضرات قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ ابو الہیثمؓ بن التیہان (بنو عبد الاشہل سے تھے) عویمؓ بن ساعدہ آخر کے دونوں بزرگ قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔

ان بارہؓ حضرات نے آنحضرت صلعم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بیعت بیعتِ عقبۂ اولیٰ گویا نتیجہ تھا اُن چھ سابقہ مدنی مسلمانوں کی تبلیغ کا۔ رخصت ہوتے وقت اس مسلم جماعت نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی۔ کہ ہمارے ساتھ ایک قاری یعنی مبلّغ بھیجا جائے۔ آپ نے مصعب بن عمیرؓ کو اُن کے ساتھ روانہ کر دیا۔ مصعب بن عمیرؓ نے مدینہ پہنچ کر اسعدؓ بن زرارہؓ کے مکان پر قیام کیا۔ اور اسی مکان کو تبلیغی مرکز بنا کر تبلیغ اسلام کے کام میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ عقبۂ اولیٰ میں آپ نے یہ اقرار کرائے تھے۔

(۱) ہم خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور کسی کو کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔ (۲) ہم چوری اور زناکاری کے پاس نہ پھٹکیں گے۔ (۳) اپنی لڑکیوں کو قتل نہیں کریں گے (۴) کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگائیں گے (۵) چغل خوری نہ کریں گے (۶) ہر اچھی بات میں نبی کی اطاعت

کریں گے۔

مصعب بن عمیرؓ کی مدینہ میں کامیابی :۔ مصعب بن عمیرؓ نے مدینہ میں پہنچ کر نہایت کوشش جانفشانی اور قابلیت کے ساتھ تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے مدینہ کے لوگوں کی سعادت ازلی کا اظہار ہوا۔ اور قبیلے کے قبیلے اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ مدینہ میں قبیلہ اوس کی شاخوں میں قبیلہ بنو عبد الاشہل اور قبیلہ بنو ظفر بہت مشہور و طاقتور تھے۔ سعد بن معاذ قبیلہ بنو عبد الاشہل کے سردار ہونے کے علاوہ تمام قبائل کے سردار اعظم بھی تھے اسید بن حصیر قبیلہ بنو ظفر کے سردار تھے۔ اُن کا باپ جنگ بعاث میں تمام قبائل کا سردار اعظم تھا اور اسی لڑائی میں مارا گیا تھا۔ جس کے بعد قبائل اوس میں بہت با اثر اور چوٹی کے سردار مانے جاتے تھے۔ اسعد بن زرارہؓ جن کے مکان پر مصعب بن عمیرؓ مقیم تھے سعد بن معاذؓ کے خالہ زاد بھائی تھے۔

ایک روز مصعب بن عمیرؓ اور سعد بن زرارہؓ بنی عبد الاشہل کے محلوں میں چاہِ مرق پر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ سعد بن معاذ کو ان کا اپنے محلہ میں آنا اور تبلیغ اسلام کرنا ناگوار تھا۔ سعد نے اسید بن حصیر کو بلا کر کہا۔ کہ اسعد چونکہ میرا خالہ زاد بھائی ہے۔ اس لئے میں تو ذرا احتیاط کرتا ہوں۔ تم جاؤ۔ اور ان کو سختی سے کہدو کہ ہمارے محلوں میں کبھی نہ آیا کریں۔ یہ ہمارے لوگوں کو بہکانے اور بے دین بنانے کے لئے آتے ہیں۔ اسید تلوار لے کر چلے۔ اور اسعد و مصعب کے پاس پہنچ کر اُن کو بُرا بھلا کہا۔ اور نہایت سختی و درشتی کے ساتھ ڈانٹا۔ مصعب بن عمیرؓ نے کہا۔ اگر آپ ذرا بیٹھ جائیں اور ہماری دو باتیں سُن لیں تو کوئی نقصان آپ کا نہ ہوگا۔ اس کے بعد پھر آپ جو چاہیں حکم فرمائیں۔ اسید "بہت اچھا" کہہ کر بیٹھ گئے۔ مصعب نے اسلام کی حقیقت بیان کی۔ اور قرآن مجید پڑھ کر سُنایا۔ اسید خاموش سنتے رہے۔ جب مصعبؓ سُنا چکے تو اسید نے کہا کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ چنانچہ اسی وقت اُن کو مسلمان بنایا گیا۔ اسیدؓ نے کہا کہ ایک شخص اور ہے اگر وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ تو پھر کوئی تمہاری مخالفت نہ کرے گا۔ میں جا کر ابھی اُس کو بھی تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ چنانچہ اسید وہاں سے اُٹھ کر سعد بن معاذ کے پاس آئے۔ سعد پہلے ہی سے اسید کے منتظر تھے۔ پوچھا۔ بتاؤ۔ کیا کہہ آئے۔؟ اسیدؓ نے کہا اُن دونوں نے وعدہ کر لیا ہے کہ تمہارے منشا کے خلاف کچھ نہ کریں گے۔ لیکن وہاں ایک اور حادثہ پیش آگیا۔ بنو حارث کے چند نوجوان آگئے۔ وہ اسعد بن زرارہؓ کو قتل کرنا

چاہتے تھے۔ یہ سنتے ہی سعد بن معاذ کھڑے ہو گئے اور تلوار لے کر وہاں پہنچے۔ دیکھا تو اسعد اور مصعبؓ دونوں اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر سعدؓ کو شبہ گذرا کہ اسیدؓ نے مجھ کو دھوکے سے یہاں بھیجا ہے۔ کہ میں بھی ان کی باتیں سنوں۔ یہ خیال آتے ہی سعد نے دونوں کو گالیاں دینی شروع کیں۔ اور اسعد سے کہا۔ کہ مجھ کو صرف رشتہ داری کا خیال ہے۔ ورنہ تمھاری کیا مجال تھی۔ کہ ہمارے محلے میں آکر لوگوں کو بہکاتے۔ مصعبؓ نے کہا کہ آپ بیٹھ جایئے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ اگر میری بات معقول ہو تو آپ قبول فرمایئے۔ ورنہ رد کر دیجئے۔

سعد اپنی تلوار رکھ کر بیٹھ گئے۔ مصعبؓ نے سعد کو بھی وہی باتیں سنائیں جو اسیدؓ کو سنا چکے تھے۔ سعدؓ بھی اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ اور واپس آتے ہی اپنے قبیلہ کے تمام لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ تم مجھ کو کیا سمجھتے ہو۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ ہمارے سردار ہیں۔ اور آپ کی رائے ہمیشہ قابلِ عمل ہوتی ہے۔ سعد نے کہا کہ جب تک تم مسلمان نہ ہو جاؤ۔ میرے ساتھ تمھارا کوئی تعلق نہیں۔ یہ سنتے ہی تمام بنو عبدالاشہل مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح مدینہ کے دوسرے قبائل میں بھی اسلام پھیلتا رہا۔ یہ نبوت کا تیرھواں سال تھا۔ ادھر مصعب بن عمیرؓ کو کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ اُدھر مکہ میں قریش کے مظالم مسلمانوں کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتے جاتے تھے۔ ۱۳ نبوی کا ماہ ذی الحجہ آیا۔ تو مدینہ سے مصعب بن عمیرؓ ۷۲ مرد اور دو عورتوں کے مُسلم قافلہ کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے اس قافلہ کو اس لئے بھی بھیجا تھا۔ کہ زیارتِ نبی صلعم سے مشرف ہو کر آنحضرتؐ کی خدمت میں مدینہ والوں کی طرف سے مدینہ میں تشریف لانے کی درخواست پیش کرے۔

بیعتِ عقبۂ ثانیہ:۔ آنحضرت صلعم کو اس قافلے کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔ رات کے وقت آپ مکان سے نکلے۔ حضرت عباسؓ اگرچہ اب تک مسلمان نہ ہوئے لیکن ہمیشہ سے اُن کو آنحضرت صلعم کے ساتھ ہمدردی تھی۔ قریش کی عام مخالفت میں بھی اُن کے در پردہ ہمدردانہ طرزِ عمل سے آنحضرت صلعم واقف تھے۔ وہ اتفاقاً راستہ میں مل گئے۔ آنحضرت صلعم نے اُن کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ اور اپنے ارادہ سے مطلع فرما دیا تھا۔ چنانچہ دونوں رات کی تاریکی میں وادیِ عقبہ میں پہنچے۔ وہاں مدینہ سے آیا ہوا مومنوں کا قافلہ آپ کا منتظر تھا۔ اس جگہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ مدینہ سے صرف مسلمان ہی نہیں آتے تھے بلکہ مشرکین

حسب دستور قدیم حج کے لئے آئے تھے ۔ ان لوگوں نے مکہ سے باہر ہی ایک جگہ قیام کیا تھا ۔ مگر عقبہ کی گھاٹی آنحضرت صلعم کی ملاقات کے لئے تجویز کردی گئی تھی ۔ اس لئے مدینہ کے مسلمان اور بعض غیر مسلم بھی ، جو اسلام کو پسند کرتے ۔ اور مسلمانوں سے ہمدردی رکھتے تھے ۔ اس گھاٹی میں آکر آپ کے منتظر تھے ۔ باقی مشرکین مدینہ کو عقبہ کی اس ملاقات کا علم نہ تھا ۔ وہ سب اصل قیام گاہ پر سو رہے تھے ۔ آپ نے عقبی میں پہنچ کر منتظر مسلمانوں سے ملاقات کی ۔ مدینہ میں تشریف لے جانے کی خواہش سن کر حضرت عباسؓ نے ایک مناسب اور ضروری تقریر کی ۔ انھوں نے فرمایا :-

"مدینہ والو محمد (صلعم) اپنے خاندان میں ہے ۔ اس کا خاندان اس کی حفاظت کرتا ہے تم اس کو اپنے یہاں لے جانا چاہتے ہو ۔ یہ یاد رکھو کہ تم کو اس کی حفاظت کرنی پڑے گی ۔ اس کی حفاظت کوئی آسان کام نہیں ۔ اگر تم عظیم الشان اور خوں ریز لڑائیوں کے لئے تیار ہو تو بہتر ہے ورنہ محمد کے لے جانے کا نام نہ لو"

براء بن معرورؓ نے کہا ۔ عباسؓ ہم نے تمھاری بات سن لی ۔ اب ہم چاہتے ہیں ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خود اپنی زبان سے کچھ فرمائیں ۔ چنانچہ آپ نے تقریر فرمائی ۔ اور قرآن مجید کی آیات پڑھ کر سنائیں ۔ آپ کی تقریر میں حقوق اللہ اور حقوق عباد کا بیان تھا ۔ آپ نے اُن ذمہ داریوں کو بھی بیان فرمایا جو مدینہ میں آپ کے لے جانے سے مدینہ والوں پر عاید ہوتی تھیں ۔ براء بن معرورؓ نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا ۔ کہ ہم ان سب باتوں کے لئے تیار ہیں ۔ ابو الہیثم بن تیہانؓ نے کہا ۔ آپ یہ تو وعدہ کریں ۔ کہ ہم کو چھوڑ کر واپس تو نہیں آجائیں گے ۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا نہیں میرا جینا اور مرنا تمہارے ہی ساتھ ہوگا ۔ عبداللہ بن رواحہ بولے یا رسول اللہ ہم کو اس کے معاوضہ میں کیا ملے گا ؟ آپ نے فرمایا جنت اور خدائے تعالیٰ کی رضامندی ۔ عبداللہ نے کہا بس سودا ہو چکا اب نہ آپ اپنے قول سے پھریں نہ ہم پھریں گے ۔ اس کے بعد سب نے بیعت کی ۔ اس بیعت میں براء بن معرورؓ سب پر سابق تھے ۔ اس بیعت کا نام بیعتِ عقبۂ ثانیہ مشہور ہے ۔ جب بیعت ہو چکی تو اسعد بن زرارہ نے سب کو مخاطب کر کے کہا ۔ کہ لوگو ! آگاہ رہو کہ اس قول و اقرار کا یہ مطلب ہے کہ ہم ساری دنیا کے مقابلہ کے لئے تیار رہیں ۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہاں ہم خوب جانتے ہیں ۔ کہ ہم کو ساری دنیا کا مقابلہ کرنا پڑے گا ۔ اس کے بعد آنحضرت

صلعم نے ان لوگوں میں سے بارہ بزرگوں کو منتخب فرمایا۔ اور اُن کو تبلیغ اسلام کے متعلق ہدایات دے کر اپنا نقیب مقرر کیا۔ اور ان کا کام اسلام کی تبلیغ کرنا مقرر فرمایا۔ ان نُقبا کے نام یہ ہیں۔

(۱) سعد بن زرارہؓ (۲) اُسید بن حضیرؓ (۳) ابوالہثیم بن التیہانؓ (۴) براء بن معرورؓ۔ (۵) عبداللہ بن رواحہؓ (۶) عبادہ بن صامتؓ (۷) سعد بن الربیعؓ (۸) سعد بن عبادہؓ (۹) رافع بن مالکؓ (۱۰) عبداللہ بن عمروؓ (۱۱) سعد بن خیثمہؓ (۱۲) منذر بن عمروؓ۔

ان بارہ سرداروں میں نو آدمی قبیلہ خزرج کے تھے۔ اور تین قبیلہ اوس کے۔ اِن بارہ آدمیوں سے مخاطب ہو کر آپؐ نے فرمایا۔ کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ذمہ دار تھے۔ اسی طرح میں تم کو تمھاری قوم کی تعلیم کا ذمہ دار بناتا ہوں۔ اور میں تم سب کا ذمہ دار ہوں۔ جس وقت عقبہ کی گھاٹی میں یہ بیعت ہو رہی تھی۔ اُس وقت پہاڑ کی چوٹی پر سے ایک شیطان نے زور سے اہلِ مکہ کو آواز دی۔ اور کہا۔ کہ دیکھو محمدؐ اور اس کی جماعت کے آدمی تمھارے خلاف مشورے کر رہے ہیں۔ آپؐ نے اور مومنوں کی اس جماعت نے اُس طرف کوئی التفات نہیں کیا۔ جب تمام مراتب طے ہو چکے۔ تو آپؐ نے مدینہ کی طرف تشریف لے جانے کی تاریخ کا تعین اذنِ الٰہی پر موقوف رکھا۔ اس کے بعد ایک ایک دو دو کر کے سب آدمی خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکل گئے۔ تاکہ اس جلسہ کا حال کسی کو معلوم نہ ہو۔ آنحضرت صلعم اور حضرت عباسؓ دونوں مکہ میں چلے آئے۔ مگر صبح ہوتے ہی قریش کو رات کے اس اجتماع کا حال معلوم ہوا۔ وہ اسی وقت مدینہ والوں کی قیام گاہ پر پہنچے۔ اور دریافت کیا۔ کہ رات تم لوگوں کے پاس محمد (صلعم) آئے تھے۔ مدینہ والوں میں جو لوگ غیر مسلم یعنی بُت پرست تھے۔ اُن کو خود رات کے اِس اجتماع کا حال معلوم نہ تھا۔ انھیں میں عبداللہ بن اُبی بن سلول بھی تھا۔ جو بعد میں منافقوں کا سردار بنا۔ اُس نے قریش سے کہا بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مدینہ والے کوئی اہم معاملہ کریں۔ اور مجھ کو اُس کی اطلاع نہ ہو۔ قریش کا شک جاتا رہا اور وہ واپس چلے گئے۔ اُسی وقت اہل مدینہ نے کوچ کی تیاری کر دی اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ قریش کو مکہ میں آکر پھر کسی دوسرے معتبر ذریعہ سے رات کی اس مجلس کا حال معلوم ہوا اور مسلح ہو کر دوبارہ آئے لیکن قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ صرف سعدؓ بن عبادہ اور منذر بن عمروؓ کسی

وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ منذرؓ تو قریش کو دیکھ کر چل دیئے اور اُن کے ہاتھ نہ آئے۔ لیکن سعد بن عبادہؓ قریش کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے۔ قریش اُن کو مارتے ہوئے مکہ میں لائے۔ سعد بن عبادہؓ کا بیان ہے۔ کہ جب قریش مجھے مکہ میں لاکر زدوکوب کر رہے تھے۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ سرخ و سفید رنگت کا خوبصورت شخص میری طرف آرہا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ کہ اگر کسی شخص سے اِس قوم میں مجھ کو بھلائی کی توقع ہو سکتی ہے۔ تو وہ یہی ہوگا۔ مگر جب میرے پاس آیا۔ تو اُس نے نہایت زور سے میرے منہ پر طمانچہ مارا۔ اس وقت مجھ کو یقین ہوا۔ کہ ان لوگوں میں کوئی بھی نہیں ہے۔ جس سے مروت و رعایت کی توقع ہو سکے۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا۔ اُس نے کہا کہ قریش کے کسی شخص سے تیری شناسائی نہیں؟ میں نے کہا کہ جبیر بن مطعم اور حارث بن اُمیہ کو جو عبد مناف کے پوتے ہیں جانتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ پھر تو انھیں دونوں کا نام لے کر کیوں نہیں پکارتا۔ مجھ کو یہ تدبیر بتا کر وہی شخص ان دونوں کے پاس گیا اور کہا کہ ایک قبیلہ خزرج کا شخص پٹ رہا ہے اور وہ تمھارا نام لے کر دُہائی دے رہا ہے۔ انھوں نے پوچھا اُس کا کیا نام ہے۔ اُسی شخص نے بتایا۔ کہ اس کا نام سعد بن عبادہ ہے۔ وہ بولے ہاں اس کا ہم پر احسان ہے۔ ہم تجارت کے اس کے یہاں جاتے اور ان ہی کی حفاظت میں اس کے یہاں ٹھیرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اُن دونوں نے مجھے آکر چھڑایا۔ اور میں چھوٹتے ہی مدینہ (یثرب) کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس جگہ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے۔ کہ آنحضرت صلعم کو بیعت عقبۂ ثانیہ سے بہت پہلے خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ بتا دیا گیا تھا۔ کہ آپ کو ہجرت کرنی پڑے گی۔ اور ایک مرتبہ خواب میں مقام ہجرت کا نظارہ بھی دکھا دیا گیا تھا۔ آپ نے دیکھا تھا۔ کہ وہ کھجوروں والی زمین ہے۔ یعنی وہاں کھجوریں بکثرت ہیں۔ یہ خواب دیکھ کر آپ کا خیال تھا کہ ہم کو یمامہ کے علاقہ میں ہجرت کرنی پڑے گی۔ کیونکہ وہاں بھی کھجوریں بکثرت ہوتی ہیں۔ بعد میں اب معلوم ہوا۔ کہ آپ کو یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کرنی ہوگی۔

مدینہ کی طرف ہجرت کا اذن عام۔ عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد قریش کے مظالم نے مسلمانوں کے لئے مکہ کی رہائش غیر ممکن بنا دی تھی۔ جس کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل کا واقعہ کافی ہے۔ آنحضرت صلعم نے مظالم قریش کو حد سے متجاوز دیکھ کر تمام مسلمانوں کو جو مکہ میں موجود تھے اجازت دے دی کہ اپنی جان بچانے کے لئے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔ لوگ یہ حکم

پاتے ہی اپنے گھروں کو خالی چھوڑ چھوڑ کر عزیزوں رشتہ داروں سے جُدا ہو ہو کر مدینہ کی طرف جانے لگے۔ قریش نے جب دیکھا۔ کہ یہ لوگ یہاں سے ترک سکونت کرنے پر آمادہ ہیں۔ اور مدینہ میں جاکر اطمینان و فراغت سے زندگی بسر کریں گے۔ تو اُن کو یہ بھی گوارا نہ ہوا۔ ہجرت کرنے والوں کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگے۔

حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں۔ کہ میرے شوہر ابو سلمہؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ مجھ کو اونٹ پر بٹھایا۔ میری گود میں میرا چھوٹا بچہ سلمہ تھا۔ جب ہم روانہ ہوئے تو میرے قبیلہ کے لوگوں نے ابو سلمہؓ کو آکر گھیر لیا۔ اور کہا کہ تو تو جا سکتا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ تو ہماری لڑکی کو لے جائے۔ اتنے میں ابو سلمہؓ کے قبیلے والے بھی آگئے۔ انھوں نے کہا کہ تو چلا جا۔ لیکن بچہ ہمارے قبیلہ کا بچہ ہے۔ اسے نہیں لے جا سکتا۔ چنانچہ بنو عبدالاسد تو بچہ کو چھین کر لے گئے اور بنو مغیرہ اُم سلمہؓ کو لے گئے۔ ابو سلمہؓ تنہا مدینہ کو چلے گئے۔ اُم سلمہؓ سے خاوند اور بچہ دونوں جدا ہو گئے۔ اور ابو سلمہؓ نے بیوی اور بیٹے دونوں کو چھوڑ کر ہجرت کا ثواب حاصل کیا۔

حضرت صہیب رومیؓ جب مکہ سے جانے لگے۔ تو ان کا تمام مال و اسباب مکہ والوں نے چھین لیا۔ اور ہزاروں روپیہ کا مال و زر چھین کر یک بینی و دوگوش مدینہ کی طرف جانے دیا۔ حضرت ہشام بن عاصؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ مشرکین کو خبر لگ گئی۔ انھوں نے حضرت ہشامؓ کو پکڑ کر قید کر دیا۔ اور قسم قسم کی تکلیفیں پہنچائیں۔ حضرت عیاشؓ ہجرت کر کے مدینہ جا پہنچے تھے۔ ابو جہل اُن کے پیچھے وہیں پہنچا۔ اور دھوکہ دے کر مکہ میں لایا اور یہاں لاکر قید کر دیا۔

غرض اس قسم کی رُکاوٹوں کے باوجود ایک ایک دو دو کر کے بہت سے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچ گئے۔ وہاں یہ تمام مہاجرین مدینہ کے مسلمانوں کے مہمان تھے۔ مکہ سے آئے ہوئے ان مہمانوں کا نام مہاجرین اور مدینہ منورہ کے باشندوں یعنی میزبانوں کا نام انصار مشہور ہوا۔ آئندہ اسی نام سے یہ لوگ تعبیر کئے جائیں گے۔ اب ۱۴ نبوی شروع ہو گیا تھا۔ مکہ میں صرف آنحضرت صلعم۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اُن کے اہل و عیال باقی رہ گئے تھے۔ یا چند نہایت ہی کمزور ضعیف لوگ جو ہجرت کی طاقت نہ رکھتے تھے باقی تھے۔ ورنہ تمام مسلمان مکہ سے ہجرت کر چکے تھے۔ اور مکہ میں بہت سے گھر جن میں مسلمان آباد تھے۔ خالی پڑے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلعم نے ابھی تک ہجرت کا ارادہ نہیں فرمایا تھا۔ کیونکہ آپ وحی الٰہی یعنی اجازت و حکمِ خداوندی کے منتظر تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو آپ

نے اپنی ہمراہی کے لئے کہ رفیق سفر ہوں گے روک لیا تھا۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی آپ کے حکم اور اجازت کی بنا پر رُکے ہوئے تھے۔

دارالندوہ میں قبائل قریش کا جلسہ مشورہ:۔ قریش نے جب دیکھا کہ مسلمان ایک ایک کر کے سب نکل گئے اور مدینہ میں ایک معقول تعداد مسلمانوں کی فراہم وہتیا ہو چکی ہے۔ جس کی طاقت اور خطرہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تو ان کو اپنے مستقبل کی فکر پیدا ہوئی۔ اور اُن کو نمایاں طور پر نظر آنے لگا۔ کہ ہماری عزت اور حیات کی حفاظت اسی پر منحصر ہے۔ کہ اسلام کا استیصال کلی طور پر کر دیا جائے۔ چونکہ مکہ سے آنحضرت صلعم کی جماعت کے قریباً سب لوگ چلے جا چکے تھے اور آپ تنہا رہ گئے تھے۔ لہٰذا ان کے لئے اس فیصلہ پر پہنچنا بہت ہی آسان تھا۔ کہ اس نے دین کے بانی کا خاتمہ کر دینا نہایت ضروری ہے۔ اور اس کام میں غفلت کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ کیونکہ اگر محمد صلعم بھی مکے سے نکل گئے اور مدینہ میں اپنی جماعت سے جا ملے۔ تو پھر اس نئے مذہب کے خطرہ کا مقابلہ کرنا بہت دشوار ہوگا۔ یہ خیالات قریش کے ہر شخص کی زبان سے اور ہر شخص کے دماغ میں پیدا ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ مکہ کی فضا میں ان خونی خیالات نے تمام قبائل کا احاطہ کر لیا۔ اور بالآخر ماہ صفر کی آخری تاریخوں میں نبوت کے چودھویں سال بنو ہاشم کے سوا تمام قبائلِ قریش کے بڑے بڑے سردار الندوہ میں اسی مسئلہ پر غور و خوض کے لئے جمع ہوئے۔ اس اجلاس میں قریش کے مشہور اور قابل تذکرہ سردار یہ تھے۔

ابوجہلؔ بن ہشام (قبیلہ بنو مخزوم سے) نبیہؔ و منبہؔ پسران حجاج (قبیلہ بنو سہم سے)، امیہؔ بن خلف (بنو جمح سے) ابوالبختری بن ہشام۔ زمعہؔ بن اسود۔ حکیمؔ بن حزام (قبیلہ بنو الاسد سے) نضرؔ بن حارث (قبیلہ بنو عبدالدار سے) عتبہؔ۔ شیبہؔ پسران ربیعہ۔ ابوسفیان بن حرب (قبیلہ بنو امیہ سے) طعیمہؔ بن عدی۔ جبیرؔ بن مطعم۔ حارثؔ بن عامر قبیلہ بنو نوفل سے) ان قابل تذکرہ لوگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے سردار اس مجلس میں شریک تھے ایک بہت تجربہ کار بوڑھا شیطان نجد کا باشندہ بھی اس جلاس میں شریک ہوا یہی شیخ نجد اس اجلاس کا پریسیڈنٹ بھی تھا۔ اس پر تو سب کا اتفاق تھا کہ آنحضرت صلعم کی ذات مبارک ہی تمام خطرات پیش آئندہ کا مرکز و منبع ہے۔ لہٰذا زیر بحث مسئلہ یہ تھا۔ کہ آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔ ایک شخص نے کہا محمد کو پکڑ کر زنجیروں سے جکڑ دو اور ایک کوٹھری میں بند کر دو کہ وہیں جسمانی اذیت اور بھوک پیاس کی تکلیف سے ہلاک ہو جائے۔ شیخ نجدی نے کہا یہ رائے اچھی نہیں۔ کیونکہ اُس کے رشتہ دار اور پیرو سُن کر اس کے چھڑانے کی کوشش کریں گے اور

فساد بڑھ جائے گا۔ دوسرے شخص نے اپنی رائے اس طرح بیان کی کہ محمد کو مکہ سے جلا وطن کردو اور پھر مکہ میں داخل نہ ہونے دو۔ اس رائے کو بھی شیخ نجدی نے بہ دلائل رد کردیا۔ غرض اسی طرح اس جلسہ میں تھوڑی دیر تک بھانت بھانت کے جانور بولتے رہے۔ اور شیخ نجدی ہر ایک رائے کا غلط اور نامناسب ہونا ثابت کرتا رہا۔ بالآخر ابو جہل بولا میری رائے یہ ہے کہ ہر ایک قبیلے سے ایک ایک شمشیر زن انتخاب کیا جائے۔ یہ تمام لوگ بیک وقت چاروں طرف سے محمد (صلعم) کو گھیر کر ایک ساتھ وار کریں اس طرح قتل کا فعل انجام پذیر ہوگا۔ تو محمد (صلعم) کا خون تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے گا۔ بنو ہاشم تمام قبائل قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا وہ بجائے قصاص دیت قبول کریں گے۔ اور دیت بڑی آسانی سے سب مل کر ادا کر دیں گے۔۔ ابو جہل کی اس رائے کو شیخ نجدی نے بہت پسند کیا۔ اور تمام جلسہ نے اتفاق رائے سے اس ریزولیوشن کو پاس کیا۔ ادھر دارالندوہ میں یہ مشورہ ہو رہا تھا۔ ادھر آنحضرت صلعم کو خدائے تعالےٰ نے بذریعہ وحی کفار کے تمام مشوروں کی اطلاع دے دی۔ اور ہجرت کا حکم نازل فرمایا۔

تہیہ سفر:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم مل گیا۔ تو آپؐ ٹھیک دوپہر کے وقت جب کہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں موسم گرما کی دھوپ اور لو سے پناہ لینے کے لئے پوشیدہ ہوتے اور راستے آنے جانے والوں سے خالی ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر پہنچے۔ چونکہ خلاف معمول دوپہر کے وقت تشریف لے گئے۔ لہٰذا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو فوراً شبہ ہوا کہ ضرور ہجرت کا حکم نازل ہو گیا ہے۔ آپؐ نے اول یہ دریافت فرمایا۔ کہ گھر میں کوئی غیر آدمی تو نہیں ہے۔ جب اطمینان ہوا۔ کہ حضرت ابوبکرؓ اور ان کی دونوں بیٹیوں اسماءؓ و عائشہؓ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ کہ یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کا حکم نازل ہو گیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دریافت کیا۔ کہ رفیق سفر کون ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم میرے رفیقِ سفر ہو گے۔ یہ سن کر جوش مسرت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ انھوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! میں نے دو اونٹنیاں پہلے ہی سے خرید کر اور خوب کھلا پلا کر موٹی تازی کر رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک آپؐ کی نذر کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں اس اونٹنی کو قیمتاً لوں گا۔ چنانچہ آپؐ نے اس کی قیمت ادا فرمائی اور حضرت ابوبکرؓ کو وہ قیمت لینی پڑی۔ اسی وقت سے ہجرت کی تیاری شروع ہو گئی۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ نے ستو کے

تھیلے اور کھانے وغیرہ کا سامان درست کیا۔ حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت چھوٹی تھی۔ آپ اُسی وقت حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع دے کر اپنے مکان پر واپس تشریف لے آئے۔ اب جو آنے والی رات تھی۔ اُسی رات میں مشرکوں کا ارادہ تھا۔ کہ آپ کو گذشتہ شب کی قرارداد کے موافق قتل کیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے شام ہی سے آکر آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اور اس انتظار میں رہے۔ کہ جب آپ رات کے وقت نماز پڑھنے کے ارادے سے باہر نکلیں گے تو آپ پر یک لخت حملہ آور ہوں گے۔ آپ نے وحی الٰہی کے موافق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے بستر پر سُلا دیا۔ اور اپنی چادر اُن پر ڈال دی۔ امانتیں جو اہلِ مکہ کی آپ کے پاس تھیں۔ وہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سپرد کر کے سمجھا دیا۔ کہ صبح اٹھ کر یہ امانتیں ان کے مالکوں کے پاس پہنچا دینا۔ اس کے بعد تم بھی مدینہ کی طرف آجانا۔ یہ سب کام کر کے رات کی تاریکی میں آپ گھر سے نکلے۔ اول آپ نے سورہ یٰسین کی ابتدائی آیات فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ تک پڑھ کر ایک مٹھی خاک پر دم کر کے اُن کفار کی طرف پھینک دی اور صاف نکلے ہوئے چلے آئے۔ کفار میں سے کسی کو بھی نظر نہ آئے۔ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں اونٹنیاں عبداللہ بن اریقط کو جو کافر مگر بھروسہ کا آدمی تھا۔ سپرد کر دی تھیں اور معقول اُجرت بھی مدینہ بھر کی رہبری کے لئے ٹھہرالی تھی۔

آنحضرت صلعم اپنے مکان سے نکل کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ آپ کے منتظر تھے۔ اُسی وقت دونوں روانہ ہو گئے اور مکہ کی نشیبی سمت چار میل کے فاصلہ پر کوہ ثور کے ایک غار میں جو غار ثور کے نام سے مشہور ہے چھپ کر بیٹھ رہے۔ ادھر مکہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ رات بھر آپ کے بستر پر استراحت فرماتے رہے۔ کفار مکہ بھی رات بھر مکان کا محاصرہ کئے ہوئے کھڑے رہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بستر پر سوتا ہوا دیکھ دیکھ کر آپ کا گمان کرتے اور آپ کے اٹھ کر باہر تشریف لانے کا انتظار کرتے رہے۔ جب نمازِ فجر کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ خواب سے بیدار ہو کر اُٹھے۔ تو کفار نے پوچھا۔ کہ محمد کہاں ہیں؟ حضرت علیؓ نے کہا کہ محمد کو کیا خبر۔ خبر تو تم کو ہونی چاہیے۔ کہ تم پہرے پر تھے میں تو رات بھر سوتا رہا ہوں۔ کفار نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پکڑ لیا! اُن کو مارا اور تھوڑی دیر تک گرفتار رکھا پھر چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ نے اطمینان سے تمام امانتیں اُن کے مالکوں کو پہنچا دیں۔

اس جگہ یہ بات خاص طور پر توجہ کے قابل ہے۔ کہ کفار آپ کی جان کے درپے تھے۔ مگر آپ کی دیانت و امانت پر ان کو اس قدر اعتماد تھا۔ کہ اپنی قیمتی چیزیں۔ زیورات۔ چاندی۔ سونا سب آپ ہی کے پاس امانت رکھ جاتے تھے۔ آپ نے مکہ سے رخصت ہوتے وقت بھی امانت داری کو اس احتیاط سے ملحوظ رکھا۔ کہ اپنے چچازاد بھائی کو جو بیٹے کی طرح آپ ہی کے پاس رہتے تھے۔ صرف اس لئے چھوڑ گئے۔ کہ امانتیں اُن کے مالکوں کے پاس بہ احتیاط تمام پہنچ جائیں۔

کفار حضرت علیؓ کو چھوڑ کر سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچے۔ دروازے پر آواز دی۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ باہر نکلیں۔ ابوجہل نے پوچھا۔ لڑکی تیرا باپ کہاں ہے؟ بولیں مجھے خبر نہیں۔ یہ سُن کر اُس نے اِس زور سے طمانچہ مارا کہ اُن کے کان کی بالی نیچے گر گئی۔ اس کے بعد کفار تمام مکہ اور اُس کے اطراف میں آپ کی تلاش و جستجو میں دوڑے دوڑے پھرنے لگے۔ کہیں کوئی پتہ نہ چلا۔ بالآخر انھوں نے اعلان کیا کہ جو کوئی محمدؐ کو زندہ یا مُردہ گرفتار کر کے لائے گا۔ اُس کو سَو اُونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ اس انعامی اشتہار کو سُن کر بہت سے لوگ مکہ کے چاروں طرف دور دُور تک نکل پڑے۔

آفتاب و ماہتاب غارِ ثور میں: رات کی تاریکی میں دونوں محبّ و محبوب غارِ ثور کے قریب پہنچ گئے تو آنحضرت صلعم کو باہر چھوڑ کر پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ اس غار میں داخل ہوئے اُس کو اندر سے صاف کیا۔ اس کے اندر جہاں جہاں سوراخ تھے۔ اُن کو ٹٹول ٹٹول کر اُن میں اپنے بدن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر رکھے۔ اس طرح تمام روزن بند کر کے پھر آنحضرت صلعم کو اندر لے گئے۔ یہ دونوں آفتاب و ماہتاب کامل تین دن اور تین رات غار میں چھپے رہے۔ قریش کے بڑے بڑے سردار انعامی اشتہار مشتہر کر کے خود بھی سراغ رسانوں کو ہمراہ لے کر نقشِ قدم کا سُراغ لیتے ہوئے غارِ ثور کے منہ تک پہنچ گئے۔ اُن کے ہمراہی سراغ رسانوں نے کہا۔ کہ بس اِس سے آگے سراغ نہیں چلتا یا محمدؐ یہیں کسی جگہ پوشیدہ ہے یا یہاں سے آسمان پر اُڑ گیا ہے۔ کسی نے کہا کہ اس غار کے اندر بھی تو جا کر دیکھو۔ دوسرا بولا۔ ایسے تاریک اور خطرناک غار میں انسان داخل نہیں ہو سکتا۔ ہم اسے مدت سے اسی طرح دیکھتے آئے ہیں۔ تیسرے نے کہا دیکھو اس کے منہ پر مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے اندر داخل ہوتا تو یہ جالا سلامت نہیں رہ سکتا تھا۔ چوتھے نے کہا وہ دیکھو کبوتر اُڑا ہے اور انڈے نظر آرہے ہیں۔ جن کو بیٹھا ہوا سیہہ رہا تھا۔ اس کے بعد سب کا اطمینان ہو گیا۔ اور کوئی اُس غار کی طرف نہ بڑھا۔

یہ کفار غار کے اس قدر قریب پہنچ گئے تھے۔ کہ اندر سے اُن کے پاؤں آنحضرت صلعم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نظر آ رہے تھے۔ اور اُن کی باتیں کرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ایسی خطرناک حالت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ حضور! کفار تو یہ پہنچ گئے۔ آپ نے فرمایا۔ لا تحزن ان اللہ معنا (مطلق خوف نہ کر۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے) پھر فرمایا۔ وما ظنک باثنین اللہ ثالثھما (تو نے ان دونوں کو کیا سمجھا ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہے) کفار اپنی تلاش و جستجو میں خائب و خاسر اور نامراد ہو کر واپس چلے گئے۔ رفتہ رفتہ تین دن کے بعد تھک کر اور مایوس ہو کر بیٹھ رہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن ابی بکرؓ کو پہلے ہی سے ہدایت کر دی تھی۔ کہ کفار کے تمام حالات اور دن بھر کی تمام کارروائیوں سے رات کے وقت آ کر مطلع کر دیا کریں۔ اسی طرح اپنے غلام عامر بن فہیرہؓ کو حکم دے دیا تھا۔ کہ بکریوں کا ریوڑ دن بھر اِدھر اُدھر چراتے پھرا کریں۔ اور رات کے وقت اس ریوڑ کو غارِ ثور کے قریب چراتے ہوئے لے آیا کریں۔ اسماء بنت ابی بکرؓ کے سپرد یہ خدمت تھی۔ کہ کھانا تیار کر کے رات کے وقت احتیاط کے ساتھ غار نشینوں کو پہنچا دیا کریں۔ عبداللہؓ اور اسماءؓ دونوں بھائی بہن اپنے اپنے فرائض انجام دے کر واپس چلے جاتے۔ تو عامر بن فہیرہؓ بکریوں کا دودھ دوہ کر اور غار نشینوں کو پلا کر بکریوں کا ریوڑ کچھ رات گئے لے کر مکہ میں داخل ہوتے۔ اور اس طرح عبداللہ اور اسماء کے قدموں کے نشان ریوڑ سے مٹ جاتے۔ جب یہ معلوم ہو گیا۔ کہ مکہ والوں کا جوش خروش سرد پڑ گیا۔ تو عبداللہ بن اریقط کے پاس خبر بھیجی گئی۔ کہ حسبِ وعدہ اونٹنیاں لے کر کوہِ ثور کے دامن میں آ جاؤ۔ اس جگہ عبداللہ بن ابی بکرؓ۔ اسماء بنت ابی بکرؓ۔ عامر بن فہیرہؓ کی انتہائی رازداری کی چاہے داد نہ دو۔ کیونکہ ان سب کے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے نہایت قوی اور قریبی تعلقات تھے۔ لیکن عبداللہ بن اریقط مسلمان بھی نہ تھا۔ محض ایک اجیر تھا۔ اس شخص کی رازداری ضبط و تحمل اور پاسِ عہد کا تصور کرنے سے اہلِ عرب کی حمیت اور قومی شرافت کی بے اختیار داد دینی پڑتی ہے۔ عبداللہ بن اریقط دونوں اونٹنیاں اور ایک اپنا اونٹ لے کر غارِ ثور کے نزدیک دامنِ ثور میں رات کے وقت کہ یہ ماہ ربیع الاول کی چاندنی رات تھی آ پہنچا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ بھی سفر کے لیے ستو اور کھانا وغیرہ لے کر آ گئیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ اور آنحضرت صلعم غارِ ثور سے نکلے۔ ایک اونٹنی پر آنحضرت صلعم سوار

ہوئے۔ اس اونٹنی کا نام القصوا تھا دوسری پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے خادم عامر بن فہیرؓ دونوں سوار ہوئے۔ عبداللہ بن اریقط جو دلیلِ راہ تھا اپنے اونٹ پر سوار ہوا۔ اور یہ چار آدمیوں کا مختصر قافلہ مدینہ کی طرف عام راستے سے بچتا ہوا۔ روانہ ہوا۔ کیونکہ ابھی تک تعاقب کا اندیشہ باقی تھا۔ روانگی کے قبل ایک قابلِ تذکرہ واقعہ یہ پیش آیا۔ کہ حضرت اسمار بنت ابی بکرؓ جو گھر سے ستو کا تھیلا لائیں۔ اُس کے لٹکانے کا تسمہ بھول آئیں۔ جب یہ تھیلا اونٹ کے کجاوے سے باندھ کر لٹکانا چاہا تو کوئی تسمہ یا ڈوری اس وقت موجود نہ تھی۔ حضرت اسمارؓ نے فوراً اپنا نطاق (کمر سے باندھنے کی ڈوری یا کمربند) نکال کر آدھا تو اپنی کمر سے باندھا۔ اور آدھا کاٹ کر اس سے ستو کا تھیلا لٹکایا۔ اس بر وقت و بامحل تدبیر کو دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے۔ اور اُن کو ذات النطاقین کہا۔ چنانچہ بعد میں حضرت اسمارؓ ذات النطاقین کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ یہی حضرت اسمارؓ بنت ابی بکرؓ ہیں۔ جن کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔ ایک یہ بات بھی قابل تذکرہ ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ روانگی کے وقت اپنا تمام زرِ نقد جو پانچ چھ ہزار درم تھے لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے باپ ابو قحافہ جو ابھی تک کفر کی حالت میں تھے اور نابینا تھے گھر میں آئے۔ اور اپنی دونوں پوتیوں سے کہا کہ ابوبکرؓ خود بھی چلا گیا۔ اور سارا مال و زر بھی لے گیا۔ حضرت اسمارؓ بولیں دادا جان وہ ہمارے لئے بہت روپیہ چھوڑ گئے۔ یہ کہہ کر انھوں نے ایک کپڑے میں بہت سے سنگریزے لپیٹ کر اس جگہ لے جا رکھے۔ جہاں روپیہ کی تھیلی رکھی رہتی تھی۔ اور دادا کا ہاتھ پکڑ کر لے گئیں۔ انھوں نے ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھ لیا اور سمجھا کہ روپیہ موجود ہے۔ پوتیوں سے کہا کہ اب ابوبکرؓ کے جانے کا کوئی غم نہیں ہے۔

سفرِ ہجرت:۔ آنحضرت صلعم نے القصوا پر سوار ہو کر روانگی سے پیشتر مکہ کی طرف دیکھا اور حسرت کے ساتھ فرمایا کہ "مکہ تو مجھے تمام شہروں سے زیادہ عزیز ہے مگر تیرے رہنے والوں نے مجھے یہاں رہنے نہیں دیا"۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ کہ ان لوگوں نے اپنے نبیؐ کو نکالا ہے۔ اب یہ لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ اس جگہ غور کرنے کا مقام ہے۔ کہ اب تک جس قدر مسلمان ہوئے ہیں۔ وہ کن حالات میں اور کس طرح اسلام کی صداقت سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے۔ اُن کو کیسی کیسی اذیتیں برداشت کرنی پڑی ہیں۔ اور مسلمان ہو کر انھوں نے کیسی کیسی روح فرسا اور کوہ شکن مصیبتوں کا مقابلہ کیا ہے۔ کیا مسلمانوں کی نسبت یہ گمان کیا جا سکتا

ہے۔ کہ یہ لالچ یا خوف کے ذریعہ مسلمان کئے گئے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اب اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ زمانہ شروع ہوتا ہے۔ جب کہ شریروں اور کلمہ حق کی اشاعت کو روکنے کے لئے قتل و غارت سے باز نہ آنے والوں کو سزا دینے اور اشاعت حق کی راہ سے رکاوٹ کے دُور کرنے کی اجازت مِل گئی ہے۔ اب آئندہ بھی غور کرتے جاؤ۔ اور اس بات کو ذہن نشین رکھو کہ کس طرح لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔

یہ مختصر قافلہ رات کے پہلے ہی حصّہ میں روانہ ہوگیا۔ اور اگلے دن یکم ربیع الاول ۱۴ھ نبوی کے سہ پہر تک گرمِ سفر رہا۔ سہ پہر کے قریب خیمہ اُمّ معبد پر پہنچے۔ یہ بوڑھی عورت قومِ خزاعہ سے تھی۔ اور مسافروں کو پانی وغیرہ پلا دیتی تھی۔ یہاں آپ نے بکری کا دودھ پی کر اور تھوڑی دیر آرام فرما کر پھر روانگی کا حکم دیا۔ یہاں سے تھوڑی ہی دُور چلے ہوں گے کہ پیچھے سے سراقہ بن مالک آپ کا تعاقب کرتا ہوا آپہنچا۔ سراقہ بن مالک بن جعشم قریش مکہ میں ایک مشہور بہادر جنگ جو شخص تھا۔ سراقہ کا قصہ اس طرح ہے۔ کہ سراقہ چند شخصوں کے ساتھ مکہ میں بیٹھا تھا علی الصبح کسی شخص نے اُس مجمع میں آکر کہا کہ میں نے تین شتر سواروں کو جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ فلاں سمت کو جارہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ محمد (صلعم) اور اُن کے رُفقا تھے۔ سراقہ نے یہ سُنتے ہی اُس شخص کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اور کہا کہ میں جانتا ہوں وہ فلاں شخص تھے۔ جو آج شب کو روانہ ہوئے ہیں۔ مدعا سراقہ کا یہ تھا کہ میں گرفتار کروں کوئی دوسرا شخص ان لوگوں میں سے نہ اُٹھ کھڑا ہو۔ ورنہ سَو اونٹ کا انعام مجھ کو نہ مل سکے گا۔ تھوڑی دیر بعد سراقہ اٹھا اور اپنے گھر آیا۔ اپنا گھوڑا اور ہتھیار چپکے سے شہر کے باہر بھجوا دیئے۔ اور خود بھی لوگوں کی نگاہ سے بچتا ہوا باہر پہنچا۔ مسلّح ہو کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور اونٹوں کے نقشِ قدم پر نہایت تیز رفتاری سے روانہ ہوا۔ چند ہی قدم چلنے پایا تھا۔ کہ گھوڑے نے سکندری کھائی اور سراقہ نیچے گر پڑا۔ پھر سوار ہوا اور چل دیا۔ اس کو توقع تھی۔ کہ میں محمد کو گرفتار یا قتل کر کے سَو اُونٹ انعام میں حاصل کرسکوں گا۔ جب آنحضرت صلعم اور آپ کے رفقا کے اُونٹ سامنے نظر آنے لگے۔ تو اس کے گھوڑے نے پھر ٹھوکر کھائی اور اُس کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ پُشتِ زین سے زمین پر گرا اور اٹھ کر پھر سوار ہوا اور چلا آنحضرت صلعم کی سواری کے بالکل قریب پہنچ کر اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ اور سراقہ پھر زمین پر آرہا۔ یہ حالت دیکھ کر وہ خوف زدہ ہوا۔ اور سمجھا کہ میں ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ چنانچہ اُس نے خود آواز دے کر آنحضرت صلعم سے ذرا ٹھہرنے اور ایک بات

سُن لینے کی درخواست کی۔ آپ نے سواری کو روک دیا۔ سراقہ نے کہا کہ میں آپ کو گرفتار کرنے آیا تھا۔ لیکن اب میں واپس جاتا ہوں۔ اور آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ مجھ کو ایک امان نامہ لکھ دیجئے اور معاف کر دیجئے۔ میں واپسی میں دوسرے لوگوں کو بھی، جو میرے پیچھے اسی غرض سے آرہے ہوں گے واپس لے جاؤں گا۔ چنانچہ آپ کے حکم سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یا ان کے خادم عامر بن فہیرہؓ نے اونٹ پر بیٹھے ہی بیٹھے ایک تحریر لکھ کر اس کی طرف ڈال دی۔ اور وہ اس تحریر کو لے کر مکہ کی طرف واپس ہوا۔ راستہ میں اس کو اور بھی لوگ آنحضرت صلعم کے تعاقب میں آتے ہوئے ملے۔ وہ سب کو یہ کہہ کر کہ اس طرف کہیں سُراغ نہیں چلا واپس لے گیا۔ سراقہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوگیا اور اسی تحریر کو اس نے فتح مکہ کے روز اپنے لئے دستاویزِ امان بنایا۔

غارِ ثور یعنی نشیبی مکہ سے روانہ ہو کر عبد اللہ بن اریقط آپ کو ساحلِ سمندر کی جانب لے کر چلا۔ مقام عسفان سے ادھر تھوڑی دور عام راستہ طے کر کے مقام اُمج کے زیریں جانب مقام قدید تک سفر کرتا رہا۔ پھر شارعِ عام کو کاٹ کر خرار کے میدان میں قطع مسافت کرتا رہا۔ ثنیۃ المرہ۔ لقف۔ مدلجہ۔ مخاج وغیرہ مقامات میں ہوتا ہوا ذو العضوین کے علاقہ کو طے کر کے ذی سلم کے صحرا میں ہوتا ہوا العبابید۔ العرج کے مقامات سے گذرا۔ العرج کی نشیبی وادی میں آپ کے اس قافلہ کا ایک اونٹ چلتے چلتے تھک گیا۔ وہاں قبیلۂ اسلم کے ایک شخص اوس بن حجر سے ایک اونٹ لیا۔ اوس بن حجر نے اپنا ایک غلام بھی آپ کے ساتھ کر دیا۔ وہاں سے یہ قافلہ ثنیۃ الغائر کا راستہ طے کرتا ہوا وادی رئیم میں پہنچا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وادیٔ رئیم سے چل کر دوپہر کے وقت قبا کے قریب پہنچ گئے۔

سراقہ بن مالک کے واپس ہونے کے بعد تھوڑی ہی دُور چلے تھے۔ کہ حضرت زبیر بن عوامؓ شام کے سفر سے تجارتی قافلہ لئے ہوئے مکہ کو واپس آتے ہوئے ملے۔ زبیر بن عوامؓ نے آپ کی خدمت میں کپڑے یعنی لباس پیش کیا۔ کہ میں بھی مکہ پہنچ کر جلد مدینہ پہنچتا ہوں۔ اس سفر میں جہاں جہاں لوگ ملتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو پہچان لیتے تھے۔ کیونکہ تجارت پیشہ ہونے کے سبب اکثر آتے جاتے رہتے تھے۔ لیکن آنحضرت صلعم سے لوگ واقف نہ تھے۔ اس لئے وہ حضرت ابو بکرؓ سے دریافت کرتے تھے کہ یہ کون ہیں۔ جو تمہارے آگے آگے جا رہے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ ان کو جواب دیتے۔ کہ ھذا یھدینی السبیل (یہ میرا رہبر و ہادیٔ طریق ہے)

اختتامِ سفر۔ آٹھ روز کے سفر کے بعد آنحضرت صلعم ۸ ربیع الاول ۱۴ سنہ نبوی کو دوپہر کے

وقت قبا کے قریب پہنچے۔ قبا مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور وہ مدینہ کا ایک محلہ ہی سمجھا جاتا تھا۔ وہاں قبیلۂ بنی عمرو بن عوف کے لوگ بکثرت آباد تھے۔ اور روشنیٔ اسلام سے منور ہو چکے تھے۔ مکہ سے آپ کی روانگی کی خبر کئی روز پہلے مدینے میں پہنچ چکی تھی۔ اس لئے انصار مدینہ روزانہ صبح سے دوپہر تک بستی سے باہر نکل کر آپ کے انتظار میں کھڑے رہتے تھے۔ کہ آپ دور سے تشریف لاتے ہوئے نظر آئیں گے۔ جب دھوپ خوب تیز اور ناقابلِ برداشت ہو جاتی۔ تو واپس اپنے گھروں میں آ جاتے۔ آنحضرت صلعم چونکہ قبا کے نزدیک دوپہر کے وقت پہنچے۔ لہذا قبا والے مشتاقین اسی وقت انتظار کرتے کرتے اپنے گھروں میں واپس گئے تھے۔

ایک یہودی جو روزانہ مسلمانوں کے جمِّ غفیر کو اس طرح بستی سے باہر انتظار کرتے ہوئے دیکھتا اور جانتا تھا۔ کہ آنحضرت مکہ سے آنے والے ہیں۔ جن کا ان لوگوں کو انتظار ہے۔ وہ اتفاقاً اُس وقت اپنی گڑھی یا مکان کی چھت پر چڑھا ہوا تھا۔ اُس نے دُور سے آنحضرت صلعم کے اس مختصر قافلہ کو آتے ہوئے دیکھ کر گمان کیا۔ کہ یہی وہ قافلہ ہے۔ جس میں آنحضرت صلعم تشریف لا رہے ہیں۔ چنانچہ اُس نے زور سے آواز دی کہ یا معشر العرب یا بنی قیلہ ھذا جدکم قد جاء (اے گروہ عرب! اے دوپہر کو آرام کرنے والو۔ تمہارا مطلوب یا تمہاری خوش نصیبی کا سامان تو یہ آ پہنچا ہے) آواز سنتے ہی لوگ اپنے گھروں سے نکل پڑے اور تمام قبا میں جوشِ مسرت کا ایک شور مچ گیا۔ انصار نے دیکھا۔ کہ آپ کھجوروں کے ایک باغ کی طرف سے آ رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ خیال فرما کر کہ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہچاننے میں شبہ نہ ہو۔ کہ رسول اللہ کون سے ہیں۔ فوراً آپ کے پیچھے آ کر اپنی چادر سے آپ کے اوپر سایہ کیا۔ جس سے آقا اور خادم کی تمیز بآسانی ہونے لگی۔

آپ قبا میں داخل ہوئے۔ انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں آپ کے داخل ہونے کے وقت جوشِ مسرت میں یہ پڑھ رہی تھیں ؎

طلع البدر علینا	من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا	ما دعا للہ داع
ایّھا المبعوث فینا	جئت بالامر المطاع

(ہم پر بدر نے ثنیات[1] الوداع سے طلوع کیا۔ جب تک کوئی دعا کرنے والا ہے۔ ہم پر شکر

---

[1] ثنیات الوداع کے معنی ہیں رخصت کی گھاٹیاں۔ اہل مدینہ جب کسی کو مکہ کی طرف روانہ کرتے تو ان گھاٹیوں تک اس کے ساتھ الوداعی کہتے آتے تھے اسی لئے ان کا نام ثنیات الوداع مشہور تھا۔

کرنا واجب ہے۔ اے ہم میں مبعوث ہونے والے نبیؐ آپؐ ایسا حکم لے کر آئے ہیں۔ کہ اس کی اطاعت ضروری ہے۔

آپؐ قبا میں دوشنبہ کے روز داخل ہوئے اور جمعہ تک یہیں مقیم رہے۔ آنحضرت صلعم کلثومؓ بن ہدم کے مکان میں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ حبیبؓ بن اساف کے مکان میں فروکش ہوئے۔ سعد بن خثیمہؓ کے مکان میں آپؐ مجلس فرماتے۔ یعنی سعد بن خثیمہؓ کے مکان میں لوگ آ کر آپؐ کی زیارت کرتے۔ اور آپؐ کے گرد مجتمع رہتے تھے۔ قبا میں آپؐ نے انھیں چند ایام کے اندر ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ اور یہ سب سے پہلی مسجد تھی۔ جو اسلام میں بنائی گئی۔ اس کے بعد ۱۲ ربیع الاوّل جمعہ کے روز آپؐ قبا سے روانہ ہو کر مدینہ میں داخل ہوئے۔ ابھی آپؐ قبا ہی میں فروکش تھے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی آپؐ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ سفر مکہ سے مدینہ تک پیدل طے کیا۔ آپؐ جب تک غارِ ثور میں رہے۔ حضرت علیؓ مکہ میں مقیم رہ کر امانتیں لوگوں کو سپرد کرتے رہے۔ عجیب اتفاق ہے۔ کہ جس روز آنحضرت صلعم غارِ ثور سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اُسی روز حضرت علیؓ بھی مکہ سے مدینہ کی طرف چلے۔ مگر حضرت علیؓ چونکہ تنہا روانہ ہوئے۔ اس لئے آپ رات بھر تو راستہ چلتے اور دن کے وقت کہیں چھپ کر پڑ رہتے۔ آنحضرت صلعم معروف راستے سے بچ کر تشریف لائے اور آٹھ دن میں قبا پہنچے۔ حضرت علیؓ معروف راستہ پر آئے۔ مگر چونکہ پیدل تھے۔ اس لئے آپؐ سے تین چار دن بعد قبا پہنچے۔

شہر مدینہ میں داخلہ:۔ جمعہ کے دن آپؐ قبا اور بنی عمرو بن عوف یعنی قبا والوں سے رخصت ہو کر شہر مدینہ میں قیام کے ارادے سے چلے۔ مدینہ کے ہر محلہ میں ہر ایک خاندان اس امر کا خواہاں تھا کہ آنحضرت صلعم ہم میں مقیم ہوں۔ آپؐ بنو سالم بن عوف کے محلہ میں تھے۔ کہ نماز جمعہ کا وقت آ گیا۔ آپؐ نے وہیں ایک میدان میں سو آدمیوں کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ یہ مدینہ میں آپؐ کا پہلا جمعہ اور پہلا خطبہ تھا۔ اس جگہ بھی بعد میں ایک مسجد تیار ہو گئی۔

نماز جمعہ ادا فرما کر آپؐ اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ قبیلہ بنو سالم بن عوف کے لوگوں نے آ کر آپؐ کی اونٹنی کی مہار پکڑ لی۔ اور آپؐ کو اپنے یہاں ٹھہرانا چاہا۔ دوسرے قبیلوں اور دوسرے محلوں کے لوگوں نے اپنے اپنے یہاں جانے کا اصرار کیا۔ اور اس طرح بحث و تکرار شروع ہوئی۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ میرے ناقہ کو نہ روکو۔ اس کی مہار چھوڑ دو۔ اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم مل

چکا ہے۔ جہاں میری ناقہ بیٹھ جائے گی۔ میں وہیں ٹھہروں گا۔ چنانچہ ناقہ چلنے لگی۔ تمام انصار و مہاجرین ناقہ کے آگے پیچھے۔ دہنے بائیں ساتھ ساتھ چلے۔ آپؐ نے مہار بالکل ڈھیلی چھوڑ دی اور ناقہ اپنی خوشی سے آہستہ آہستہ چلتی رہی۔ سب کی نگاہیں ناقہ کی طرف تھیں کہ دیکھیں یہ کہاں بیٹھتی ہے۔ چلتے چلتے ناقہ جب قبیلۂ بنو بیاضہ کے محلہ میں پہنچی۔ تو اس قبیلہ کے سردار زیاد بن لبید اور عروہ بن عمرو نے آگے بڑھ کر ناقہ کی مہار پکڑنی چاہی۔ آپؐ نے فرمایا دعوھا فانھا مامورۃ (اسے چھوڑ دو اس کو حکم ملا ہوا ہے) اس کے بعد ناقہ بنو ساعدہ کے محلہ میں پہنچی۔ قبیلہ بنو ساعدہ کے سردار سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو نے روکنا چاہا۔ تو آپؐ نے وہی الفاظ فرمائے کہ دعوھا فانھا مامورۃ۔ اس کے بعد اونٹنی قبیلہ بنو الحارث بن الخزرج کے محلہ میں پہنچی۔ یہاں سعد بن الربیع۔ خارجہ بن زید۔ عبداللہ بن رواحہ نے روکنا چاہا۔ ان کو بھی وہی حکم ملا۔ وہاں سے روانہ ہو کر ناقہ بنو عدی بن النجار کے محلہ میں پہنچی۔ ان لوگوں میں چونکہ عبدالمطلب کی ننھیال تھی۔ اس لئے ان کو بڑا دعوٰی تھا۔ کہ عبدالمطلب کی ماں سلمٰی بنت عمرو ہمارے قبیلہ کی لڑکی تھی۔ لہٰذا آنحضرت صلعم ہم میں قیام فرمائیں گے۔ چنانچہ سلیط بن قیسؓ اور اسیرہ بن ابی خارجہؓ سرداران بنو عدی نے آگے بڑھ کر ناقہ کی مہار پکڑی۔ ان کو بھی وہی جواب ملا کہ ناقہ کا راستہ چھوڑ دو۔ اس کو خدائے تعالیٰ کا حکم ملا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ ناقہ بنو مالک بن النجار کے محلہ میں جا کر ایک غیر آباد افتادہ زمین میں بیٹھ گئی۔ اور فوراً پھر کھڑی ہو گئی۔ کھڑی ہو کر پھر کچھ دور تک چلی۔ چل کر خود بخود پھر لوٹی۔ اور ٹھیک اسی جگہ جہاں پہلے بیٹھی تھی واپس آئی اور بیٹھ گئی۔ اب کی مرتبہ اونٹنی نے بیٹھ کر جھرجھری لی۔ گردن نیچے ڈال دی اور دم ہلانے لگی۔ آپؐ اس پر سے اتر آئے۔

اس افتادہ زمین کے قریب حضرت ابو ایوب خالد بن زید انصاریؓ کا مکان تھا۔ وہ خوشی خوشی آنحضرت صلعم کا اسباب اٹھا کر اپنے مکان میں لے گئے۔ اور آپؐ نے انھیں کے یہاں قیام فرمایا۔ یہ افتادہ زمین سہلؔ و سہیلؔ دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی۔ جس میں چند درخت کھجور کے کھڑے تھے اور چند قبریں مشرکین کی تھیں۔ اور چار پایوں کا ریوڑ بھی اس جگہ آکر بیٹھا کرتا تھا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا۔ کہ یہ جگہ کس کی ملکیت ہے۔ معاذ بن عفراء نے عرض کیا۔ کہ میرے رشتہ دار دو یتیم لڑکے اس زمین کے مالک ہیں اور میرے ہی پاس پرورش پا رہے ہیں۔ میں ان کو رضامند کر لوں گا۔ آپؐ یہاں شوق سے مسجد بنائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہم اس کو قیمتاً خریدنا چاہتے ہیں۔

بلا قیمت نہ لیں گے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اُسی وقت اس زمین کی قیمت ادا کر دی۔ اور آنحضرت صلعم کے حکم کے موافق کھجور کے درخت کاٹ دیئے گئے۔ قبریں مشرکین کی ہموار کر دی گئیں اور مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ آنحضرت صلعم بہ نفس نفیس خود مسجد کی تعمیر کے کام میں مصروف ہوتے تھے۔ مہاجرین و انصار بڑی خوشی اور جوش و شوق کے ساتھ اس کام میں لگے رہتے تھے۔ مسجد کی دیواریں پتھر اور گارے سے بنائی گئیں۔ چھت کھجور کی لکڑی اور کھجور کے پتوں سے بنائی گئی۔ جب تک مسجد اور اس کے قریب آنحضرت صلعم کے لئے مکان تیار ہوا۔ اس وقت تک آنحضرت صلعم ابو ایوبؓ انصاری کے مکان میں فروکش اور انھیں کے مہمان رہے۔ یہ وہی ابو ایوب انصاری ہیں۔ جن کی قبر قسطنطنیہ میں موجود ہے۔ یہ ۴۸ھ میں امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں محاصرۂ قسطنطنیہ کے وقت شہید ہوئے تھے۔

آنحضرت صلعم گیارہ مہینے اور چند روز ابو ایوبؓ کے مکان میں رہے۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ کی بنی ہوئی یہ مسجد حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت تک اُسی حالت میں رہی۔ حضرت عمرؓ نے اس کو وسیع کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اس کی دیواروں کو پختہ بنایا۔ اس کے بعد ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں یہ اور زیادہ وسیع کی گئی۔ اور ازواجِ مطہرات نبوی کے مکانات بھی اس میں داخل کئے گئے۔ مامون الرشید عباسی نے اس کو خوب آراستہ و پیراستہ کیا۔ آنحضرت صلعم ابھی حضرت ابو ایوبؓ ہی کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ کہ آپؐ نے زید بن حارث اور ابو رافع کو بھیج کر حضرت فاطمہؓ۔ حضرت اُمِ کلثومؓ۔ حضرت سودہ بنت زمعہؓ۔ حضرت اُسامہ بن زیدؓ۔ اُن کی والدہ اُمِ ایمنؓ کو بلوایا۔ اُنھیں کے ہمراہ عبد اللہ بن ابی بکرؓ بھی اپنے عزیزوں سمیت چلے آئے۔ طلحہؓ بن عبید اللہ بھی انھیں کے ہمراہ تشریف لے آئے۔ ان سب کے آنے پر آنحضرت صلعم اپنے نو تعمیر مکان میں تشریف لے آئے۔

سنین ہجری:۔ اس وقت تک زمانہ کا اندازہ کرانے کے لئے سنہ نبوی استعمال کئے گئے ہیں جن سے مدعا یہ تھا۔ کہ آپؐ کو نبوت ملے ہوئے اتنے سال ہوئے۔ لیکن یہ بتا دینا ضروری ہے کہ قمری سال کے مہینوں کی ترتیب اور نام وہی ہیں۔ جو پہلے سے ملکِ عرب میں رائج تھے اس لئے سنہ نبوی کا پہلا سال صرف چند ہی مہینے کے بعد ختم ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلعم کا داخلہ مدینہ کے اندر ماہ ربیع الاول ۱۴؁ نبوی میں بیان کیا گیا۔ لیکن آپؐ کی بعثت اور نبوت کو صرف ساڑھے بارہ سال ہوئے تھے۔ اسی طرح آپؐ کے مدینہ میں

ہجرت فرما کر تشریف لانے سے سنہ ہجری شروع ہوتا ہے۔ چونکہ آپ بارہ ربیع الاول کو مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔ اس لئے پہلا ہجری سال صرف ساڑھے نو مہینے کے بعد ختم ہو گیا۔ اور یکم محرم سے دوسرا سال شروع ہو گیا تھا۔ لہٰذا یوں سمجھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلعم ۲ھ ہجری کے ماہ صفر تک ابوایوب انصاریؓ کے مکان میں رہے۔

ہجرت کا پہلا سال:۔ ہجرت کے پہلے سال میں جو واقعات رونما ہوئے اُن میں مسجد نبوی کی تعمیر۔ مکان نبوی کی تعمیر۔ بعض بے ہوتے مومنوں کا مدینہ آجانا وغیرہ اوپر مذکور ہو چکے ہیں۔ اسی ذیل میں حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ کی وفات بھی قابل تذکرہ ہے۔ ابوامامہؓ پہلے سے بیمار نہ تھے۔ اچانک اُن پر کسی مرض کا ایسا حملہ ہوا کہ فوت ہو گئے۔ یہ خبر آپؐ کو پہنچی۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ مشرکوں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا۔ کہ یہ کیسا رسول ہے۔ کہ اس کے دوستوں میں سے ایک شخص اس طرح اچانک فوت ہو گیا۔ اُن کی وفات کے بعد قبیلۂ بنو نجار کے لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ کہ ابوامامہؓ ہمارا سردار تھا۔ اب اُس کی وفات کے بعد آپؐ اُس کا قائم مقام کوئی شخص ہم میں سے سردار مقرر فرمادیں۔ آپؐ نے فرمایا تم بنو نجار میرے ماموں ہو۔ اس لئے میں بھی تم میں شامل ہوں اور میں خود تمہارا نقیب (سردار) ہوں۔ بنو نجار یہ سُن کر باغ باغ ہو گئے۔ اور یہ اندیشہ بھی دور ہو گیا۔ کہ اگر کسی دوسرے شخص کو اُن میں سے سردار مقرر کیا جاتا تو انھیں میں سے دوسرے اشخاص جن کو اپنی سرداری کی توقع ہوتی۔ اُس کے رقیب بن جاتے۔ اور قبیلہ کا باہمی اتفاق چند روز کے لئے کسی قدر کمزور ہو جاتا۔ اس طرح اس قبیلہ کی ہمت اور باہمی اتفاق میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہو گیا۔

آنحضرت صلعم نے مدینہ میں پہنچ کر سب سے پہلے جس چیز کی طرف خصوصی توجہ اور کوشش صرف فرمائی۔ وہ شہر کا امن وامان اور باشندوں کے تعلقات باہمی کا خوش گوار بنانا تھا۔ آپؐ نے اس بات کو جاتے ہی محسوس فرمایا۔ کہ مہاجرین کی جماعت مکہ سے آئی ہے۔ وہ اہل مدینہ کے لئے باعث اذیت اور موجب پیچیدگی نہ ہونے پائے۔ ساتھ ہی آپ کو یہ بھی خیال تھا کہ مہاجرین جنھوں نے دین کی خاطر انتہائی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ اور اپنے گھر۔ وطن۔ عزیز واقارب مال وزر۔ خاندان وبرادری سب کو چھوڑ کر مدینہ میں آپڑے ہیں۔ اور زیادہ پریشان ودل شکستہ نہ ہوں۔ چنانچہ آپؐ نے تمام انصار ومہاجرین کو ایک جلسہ میں جمع کر کے اخوتِ اسلامی کا وعظ فرمایا اور مسلمانوں کے اندر مواخاۃ یا بھائی چارہ قائم کر کے مہاجرین وانصار کے تعلقات کو

نہایت خوش گوار بنا دیا۔ عموماً ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصار کے درمیان مواخاۃ قائم ہوگئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے دینی بھائی خارجہ بن زبیر انصاریؓ بنے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دینی بھائی حضرت عتبانؓ بن مالک انصاریؓ ہوئے۔ حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ کا بھائی چارہ سعد بن معاذ انصاریؓ سے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا سعد بن الربیع انصاریؓ سے حضرت زبیر بن العوامؓ کا سلامہ بن سلامہؓ سے۔ حضرت عثمانؓ بن عفانؓ کا ثابت بن المنذر انصاریؓ سے رشتۂ اخوت قائم ہوا۔ اسی طرح طلحہ بن عبیداللہؓ اور کعب بن مالکؓ میں مصعب بن عمیرؓ اور ابوایوب انصاریؓ میں۔ عمار بن یاسرؓ اور حذیفہ بن الیمانؓ میں بھائی چارہ مستحکم ہوا۔ غرض ایک ایک مہاجر کا ایک ایک انصاری سے رشتۂ اخوت قائم ہوگیا۔ اس عہد مواخاۃ کو انصار مدینہ نے اس خلوص اور احتیاط کے ساتھ نباہا۔ کہ تاریخ میں کوئی دوسری نظیر تلاش نہیں کی جا سکتی۔ تمام مہاجرین کو انصار نے حقیقی معنوں میں اپنا بھائی سمجھا۔ اور بے دریغ اپنا تمام مال و اسباب ان کے سپرد کر دیا۔ بعض انصار نے تو یہاں تک اپنے مہاجر بھائیوں کی دل داری مدِ نظر رکھی۔ کہ اگر دو بیویاں تھیں۔ تو ایک کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی سے اس کا نکاح کر دیا۔ مہاجرین نے بھی اپنا بار اپنے انصار بھائیوں پر نہیں ڈالنا چاہا بلکہ انھوں نے نہایت جفاکشی اور مستعدی کے ساتھ محنت مزدوریاں کیں۔ دوکان داری اور تجارتیں شروع کیں۔ اور اپنی ضروریاتِ زندگی اپنی قوتِ بازو سے مہیا کرنے لگے۔ اور اپنے انصار بھائیوں کے لئے موجبِ تقویت بن گئے۔

پہلی سیاسی دستاویز:۔ ایک قابلِ تذکرہ واقعہ ہجرت کے پہلے سال کا یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے تمام باشندگانِ مدینہ کے درمیان جن میں یہود و مشرکین وغیرہ سب شامل تھے ایک عہدنامہ مرتب فرمایا۔ اور سب نے اس پر بخوشی دستخط کئے۔ اس عہدنامہ میں بہت سی شرطیں تھیں۔ منجملہ اُن کے یہ شرط تھی۔ کہ مدینہ پر جب کوئی بیرونی دشمن حملہ کرے گا تو تمام مدینہ والے مل کر اُس کی مدافعت اور مقابلہ کریں گے۔ ایک شرط یہ تھی۔ کہ یہودانِ مدینہ قریشِ مکہ یا اُن کے حلیفوں کو مسلمانوں کے خلاف پناہ نہ دیں گے۔ ایک شرط یہ تھی۔ کہ باشندگانِ مدینہ میں کوئی شخص کسی دوسرے کے دین و مذہب اور جان و مال سے تعرض نہ کرے گا۔ یہ بھی ایک شرط تھی کہ باشندگانِ مدینہ میں کوئی دو فریق کسی بات پر آپس میں جھگڑیں۔ اور خود نہ سلجھ سکیں۔ تو اُس کا ناطق فیصلہ آنحضرت صلعم صادر فرمائیں گے۔ جس سے کسی کو انحراف و انکار نہ ہوگا۔ نیز یہ شرائط بھی

تھیں کہ جنگ کے مصارف اور فوائد میں تمام باشندگانِ مدینہ بحصہ مساوی شریک ہوں گے جن قبیلوں یا قوموں سے مدینہ کے یہودیوں کا معاہدہ ہے۔ اور وہ یہودانِ مدینہ کے دوست ہیں۔ مسلمانانِ مدینہ بھی ان کو اپنا دوست سمجھیں گے اور دوستوں کی طرح ان کی رعایت کریں گے۔ اسی طرح جو قبیلے مسلمانوں کے دوست ہیں۔ مدینہ کے یہودی بھی اُن کے ساتھ دوستانہ سلوک کریں گے۔ مدینہ کے اندر کشت و خون کرنا حرام سمجھا جائے گا۔ مظلوم کی امداد سب پر فرض ہوگی۔ وغیرہ۔

اس معاہدہ کی تکمیل کے بعد آنحضرت صلعم نے کوشش فرمائی۔ کہ مدینہ کے اردگرد کے علاقوں میں رہنے والے قبیلوں کو بھی اس مُعاہدہ میں شامل کیا جائے۔ تاکہ بدامنی اور آئے دن کی خوں ریزی کا بکلّی استیصال ہو جائے۔ چنانچہ آپؐ نے مقام وُدّان تک جو مکّہ و مدینہ کے درمیان ہے۔ اسی غرض کے لئے سفر فرمایا۔ اور قبیلہ بنی حمزہؓ بن بکر بن عبد مناف کو اس مُعاہدہ میں شریک فرما کر ان کے سردار عمرو بن مخشی سے دستخط کرائے۔ کوہ بواط کے لوگوں کو بھی شریکِ معاہدہ کیا۔ ینبوع کی طرف مقام ذی العشیرۃ میں آپؐ تشریف لے گئے۔ اور بنو مدلج سے بھی اس معاہدہ پر دستخط کرائے۔ آنحضرت صلعم نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی ایسی کوششیں اختیار فرمائیں۔ کہ امن و امان اور رفاہِ خلائق کو ترقی ہو۔ اور لوگ دینِ اسلام کو اچھی طرح، اطمینان سے سمجھنے کا موقع پائیں۔ ابھی یہ کوششیں شروع ہی تھیں۔ اور مدینہ کے تمام نواحی قبائل پوری طرح شریکِ مُعاہدہ نہ ہونے پائے تھے۔ کہ مدینہ کے اندر خفیہ اور مدینہ کے باہر سے علانیہ دشمنوں نے حملے شروع کر دیئے۔

منافقت کی ابتداء:۔ مدینہ میں ایک شخص عبد اللہ بن اُبی ابن سلول بہت عقلمند۔ تجربہ کار ہوشیار اور چالاک شخص تھا۔ اوس اور خزرج کے تمام قبائل پر اس کا اثر تھا۔ لوگ اس کی سرداری کو متفقہ طور پر تسلیم کرتے تھے۔ قبائل اوس خزرج چند روز پیشتر جنگ بعاث میں ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو کر اور اپنے بہت سے بہادروں کو قتل کرا کر کمزور ہو چکے تھے۔ عبد اللہ بن اُبی نے اس حالت سے فائدہ اٹھانے اور دونوں قوموں میں اپنی قبولیت کے بڑھانے میں کوتاہی نہیں کی۔ مدینہ والے ارادہ کر رہے تھے۔ کہ عبد اللہ بن ابی کو تمام مدینہ کا افسرِ اعلیٰ یا بادشاہ بنا لیں۔ اور ایک عظیم الشان جلسہ ترتیب دے کر اس میں باقاعدہ طور پر عبد اللہ بن ابی کی سرداری کا اعلان کر دیں۔ یہاں تک کہ عبد اللہ بن ابی کے لئے ایک تاج بھی بنوا لیا گیا تھا۔

اسی دوران میں مدینہ کے اندر اسلام اور بانی اسلام علیہ السّلام داخل ہوئے۔

آنحضرت صلعم کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد مدینہ میں مسلمان سب سے بڑی طاقت سمجھے جانے لگے۔ اور بالآخر مسلمانوں کی فوقیت وافسری کو مذکورہ بالا عہد نامہ پر دستخط کر کے سب نے تسلیم کرلیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ برآمد ہوا۔ کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول کی تمام اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور اُس کی بادشاہت وسرداری خاک میں مل گئی۔ چونکہ وہ بڑا چالاک و ہوشیار آدمی تھا۔ آنحضرت صلعم کو اگرچہ اپنا رقیب اور دشمن سمجھتا تھا۔ لیکن اس دشمنی کے اظہار کو غیر مفید سمجھ کر اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھا۔ قبائلِ اوس اور قبائلِ خزرج میں جو لوگ ابھی تک بُت پرست تھے۔ وہ سب عبداللہ بن ابی کے زیر اثر تھے۔ قریش مکہ کو جب معلوم ہوا۔ کہ آنحضرت صلعم اور ان کے رفقار مدینہ میں پہنچ کر اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور مذہبِ اسلام کا دائرہ روز بروز وسیع ہو رہا ہے۔ تو انھوں نے سب سے پہلی شرارت اور شیطانی سازش یہ کی کہ عبداللہ بن ابی اور مشرکین مدینہ کے پاس ایک تہدید آمیز پیغام بھیجا۔ کہ تم نے ہمارے آدمی کو ہماری مرضی کے خلاف اپنے یہاں ٹھہرا لیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ تم اُس سے لڑو اور اپنے شہر سے نکال دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا۔ تو ہم پورے ساز وسامان کے ساتھ مدینہ پر حملہ کریں گے۔ تمھارے جوانوں کو قتل کردیں گے۔ تمھاری عورتوں پر متصرف ہو جائیں گے۔

اس پیغام کے پہنچنے پر عبداللہ بن ابی نے تمام مشرکوں کو جمع کیا۔ اور مکّہ والوں کے اس پیغام سے مطلع کر کے سب کو لڑائی پر آمادہ کردیا۔ للفا تمّا آنحضرت صلعم کو اس مجلس اور اس سازش کا حال معلوم ہوا۔ آپ فوراً اُس مجمع میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ قریش مکّہ نے تم کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔ اگر تم ان کی دھمکی اور دھوکے میں آگئے تو بہت نقصان اُٹھاؤ گے تمھارے لئے بہتر یہ ہے کہ تم ان کو صاف جواب دے دو اور اپنے عہد واقرار پر جو ہمارے ساتھ ہو چکا ہے۔ قائم رہو۔ اگر قریش نے مدینہ پر حملہ کیا۔ تو ہم کو اُن کا مقابلہ کرنا اور اُن سے لڑنا بہت آسان ہوگا۔ کیونکہ ہم سب متفقہ طور پر اُن کے سامنے آئیں گے۔ لیکن اگر تم مسلمانوں سے لڑے تو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے بیٹوں۔ بھائیوں اور رشتہ داروں کو قتل کرو گے اور برباد ہو جاؤ گے آنحضرت صلعم کی یہ بات سُن کر تمام مجمع نے تائید کی اور اُسی وقت تمام مجمع منتشر ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

اسی سال مسجد میں نمازیوں کو بُلانے اور مجتمع کرنے کے لئے اذان شروع ہوئی۔ اسی سال یہود

کے ایک زبردست عالم حضرت عبداللہ بن سلام مسلمان ہوئے۔ اسی سال حضرت سلمان فارسیؓ جو اول مجوسی تھے۔ پھر عیسائی مذہب قبول کیا تھا۔ اور یہود و نصاریٰ کی کتابیں پڑھ کر نبی آخرالزماں کی آمد کے منتظر تھے۔ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسی سال زکوٰۃ فرض ہوئی۔

ہجرت کا دوسرا سال:۔ قریش آنحضرت صلعم کے مکہ سے صحیح سالم تشریف لے آنے کے بعد اپنے آپ کو شکست خوردہ سمجھنے لگے تھے۔ اور اُن کی تمام کوششیں۔ تمام جوش و خروش اور تمام خواہشات مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے صرف ہونے لگیں۔ آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کو تباہ و قتل کرنے کا اہتمام تمام قریشِ مکہ کا سب سے زیادہ اہم، سب سے زیادہ ضروری اور مقدم کام تھا۔ اس کام کی اہمیت ان کے لئے تمام کاموں اور مشغلوں پر غالب آگئی تھی۔ اسی لئے اُن کی آپس کی رقابتیں اور معمولی مخالفتیں بھی سب دُور ہو کر ساری قوم اپنی تمام طاقتیں اسی ایک کام میں صرف کر دینے پر آمادہ و مستعد ہو گئی تھی۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان قریباً تین سو میل کا فاصلہ تھا مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے خاص اہتمام اور جنگی تیاریوں کی بھی ضرورت تھی۔ راستے کے قبائل اور ملکِ عرب کی دوسری قوموں کو بھی اس کام کی طرف متوجہ کرنا یا کم از کم اپنا ہمدرد بنا لینا ضروری سمجھا تھا۔ اس آنے والے خطرے کو آنحضرت صلعم بھی ایک ذی ہوش سردار اور مآل اندیش سپہ سالار کی حیثیت سے محسوس فرما چکے تھے۔ خدائے تعالیٰ کی طرف سے حفاظت خود اختیاری اور مدافعت کی اجازت مل چکی تھی۔ دینِ اسلام کی اشاعت اور دین اسلام میں داخل ہونے والوں کے راستے کی بے جا رکاوٹیں دُور کر دینا بھی لازمی امر تھا۔ مسلمانوں کی جمعیت مدینہ منورہ میں تین چار سو مردوں سے زیادہ نہ تھی۔ مسلمان اگرچہ تعداد اور سامان کے اعتبار سے بہت ہی کم اور ضعیف تھے۔ مگر کفار کی شرارتیں اور مظالم دیکھ دیکھ کر اُن کی عربی حمیت و شجاعت جوش میں آتی تھی۔ اور وہ بار بار کفار کا مقابلہ کرنے اور شمشیر و تیر سے جواب دینے کی اجازت آنحضرت صلعم سے چاہتے تھے۔ اب جبکہ اسلام کی صداقت اور ایمان کی طاقت پورے طور پر ثابت ہو گئی اور مسلمانوں نے روح فرسا مصائب بموافقت کر کے دنیا کے سامنے یہ ثبوت بہم پہنچا دیا۔ کہ اسلام کے ساتھ عشق و شیفتگی کسی خوف یا لالچ سے تعلق نہیں رکھتی۔ تو خدائے تعالیٰ کی طرف سے شریروں کو سزا دینے اور اپنی حفاظت آپ کرنے کی اجازت آگئی۔ تاہم واقعات کے تسلسل پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے ہمیشہ جنگ پر صلح

کو اور انتقام پر درگذر ہی کو ترجیح دی۔ کفارِ مکہ کے ایک سردار کرزبن جابر نے ایک جماعت کو ہمراہ لے کر اور مکہ سے چل کر مدینہ منورہ کی متصلہ چراگاہ پر چھاپہ مارا۔ اور مسلمانوں کے بہت سے اونٹ پکڑ کر چل دیا۔ مسلمانوں کو جب اس چھاپہ کا حال معلوم ہوا تو اس کے تعاقب میں مقام سفوآن تک گئے۔ لیکن دشمن نکل چکا تھا۔ مجبوراً لوٹ آئے۔ یہ مکہ والوں کی طرف سے نہایت صاف اور کھلی ہوئی دھمکی اور جنگ کا اعلان تھا۔ انھوں نے مدینہ والوں کو یہ بتا دیا کہ ہم ڈھائی سو میل چل کر تمھارے گھروں میں سے تمھارے اموال کو لوٹ کر لا سکتے ہیں۔ اُدھر دوسری تدبیروں سے بھی وہ غافل نہ تھے۔ انھوں نے ایک طرف عبداللہ بن ابی اور دوسری طرف مدینہ کے یہودیوں سے برابر خط و کتابت جاری کر رکھی تھی۔ اور اُن کو اندر ہی اندر مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کر دیا تھا۔ اسی سال کے ماہِ شعبان میں تحویلِ قبلہ کا حکم خدائے تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوا۔ اور چند ہی روز کے بعد کہ ماہِ شعبان بھی ختم نہ ہوا تھا۔ رمضان کے روزے فرض ہوگئے۔ شروع رمضان میں یہ خبر مدینہ منورہ میں پہنچی۔ کہ مکہ والوں کا ایک قافلہ شام سے آرہا ہے۔ اور وہ مدینہ کے قریب ہو کر گذرے گا۔ آنحضرت صلعم نے مکہ والوں پر ایک قسم کا رُعب قائم کرنے اور کرزبن جابر کی حملہ آوری کا جواب دینے کے لئے مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کو روانہ فرمایا کہ مکہ والوں کے قافلے کو روکیں۔ تاکہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ مدینہ والوں سے بگاڑ کرنا اُن کی تجارت کے لئے بے حد مضر ہے۔ اور اُن کی تجارت مُلکِ شام سے منقطع ہو سکتی ہے۔ یہ جمعیت جنگ کے ارادے سے روانہ نہیں کی گئی تھی۔ بلکہ اس کا مدعا تخویف و تادیب ہی تھا۔ اسی لئے اس کی روانگی میں جنگی احتیاطیں بھی ملحوظ نہیں رکھی گئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مکہ والوں کا قافلہ مسلمانوں کی اس جمعیت کے روانہ ہونے سے فوراً مطلع اور باخبر ہو گیا۔ امیر قافلہ ابوسفیان راستے سے کترا کر اور بچ کر اپنے قافلہ کو نکال کر لے گیا اور اُس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اُجرت دے کر راستے ہی سے مکہ کی طرف دوڑا دیا۔ کہ ہم کو مسلمانوں کے حملے کا خطرہ ہے ہماری مدد کرو۔ اور اپنے مال کو بچاؤ۔ اس خبر کے پہنچتے ہی ابوجہل مکہ سے قریباً ایک ہزار جرار فوج جس میں سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے لے کر بڑے جوش و خروش کے ساتھ مکہ سے نکلا۔ یہ تمام لشکر ہر طرح کیل کانٹے سے درست اور سپاہی سب زرہ پوش تھے۔ گانے والے اور خبر پڑھنے والے بھی ہمراہ تھے۔ عباس بن عبدالمطلب۔ عتبہ بن ربیعہ۔ اُمیہ بن خلف۔ نضر بن حارث۔ ابوجہل بن ہشام وغیرہ کُل تیرہ آدمی کھانا کھلانے والے تھے۔

ابو سفیانؔ کا قافلہ بہ حفاظت مکہ میں پہنچ گیا۔ مسلمانوں کی جمعیت جو قافلہ والوں کو صرف ڈرانے کے لئے بھیجی گئی تھی۔ واپس مدینہ کی طرف روانہ ہوئی۔

جنگ بدر:۔ ابو سفیانؔ نے ابو جہل کے پاس خبر بھیجی۔ کہ ہم مکہ پہنچ گئے ہیں۔ اب واپس چلے آو۔ لیکن ابو جہلؔ اپنے جرار لشکر پر مغرور تھا۔ اُس کو یہ گوارا نہ ہوا۔ کہ ویسے ہی چلا جائے۔ ابو جہل درحقیقت یہ لشکر صرف قافلہ ہی کی حفاظت کے لئے لے کر نہیں نکلا تھا۔ بلکہ اس سے پیشتر عمرؔو بن حضرمی ایک شخص قریش کا حلیف بعض مسلمانوں کے ہاتھ سے جن کو آنحضرت صلعم نے رجب کے مہینے میں بطنِ نخلہ کی طرف بعض حالات کی تحقیق کے لئے بھیجا تھا۔ مارا گیا تھا۔ قریش نے عمرو بن حضرمی کے قتل کو بہانہ بنا کر جنگ کی تیاری مکمل کر لی تھی اور وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہونے ہی والے تھے کہ ضمضم بن عمر قافلہ والوں کی طرف سے استمداد کے لئے پہنچا۔ اور ابو جہلؔ جو پہلے سے روانگی پر آمادہ تھا۔ روانہ ہو گیا۔ چنانچہ ابو جہل برابر کوچ و مقام کرتا ہوا مدینہ کی طرف بڑھتا ہوا چلا آیا۔ قریش کے لشکر کی روانگی کا حال آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ ابو جہلؔ۔ عتبہ۔ شیبہ۔ ولید۔ خنظلہ۔ عبیدہ۔ عاصی۔ حرث۔ طعیمہ۔ زمعہ۔ عقیلؔ۔ ابوالبختری۔ مسعود۔ بنیہ۔ منبہ۔ نوفل۔ سائب۔ رفاعہ وغیرہ تمام بڑے بڑے سردار قریش کے اس لشکر میں موجود ہیں۔

آپؐ نے یہ خبر سُن کر ایک مجلسِ مشورت منعقد کی اور صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر گوشے اور منتخب لوگ تمہاری طرف بھیجے ہیں۔ اُن کا مقابلہ کرنے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اُن کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے اُن کے بعد حضرت مقدادؓ نے نہایت شجاعت و بہادری کے کلمات فرمائے اور کہا۔ کہ ہم اُن بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں جنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا۔ کہ فَاذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ (تو اور تیرا رب دونوں جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے تماشا دیکھیں گے) اس کے بعد آپؐ نے پھر فرمایا۔ کہ لوگو! ان کفار سے لڑائی کے بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے۔ اس دوبارہ فرمانے سے آپؐ کا منشا یہ تھا۔ کہ انصارؓ کی رائے بھی معلوم ہو۔ کیونکہ مذکورہ ہر سہ حضرات مہاجرینؓ میں سے تھے۔ انصارؓ سے جس بات پر بیعت لی گئی تھی۔ وہ یہ تھی۔ کہ مدینہ پر جب بیرونی دشمن حملہ آور ہوگا۔ تو اُس سے لڑیں گے۔ یہ عہد نہیں تھا۔ کہ مدینہ سے باہر نکل کر کسی سے جنگ کریں گے۔ انصارؓ فوراً اس بات کو سمجھ گئے۔ اور اُن میں سے حضرت سعد بن معاذؓ کھڑے

ہوئے۔ اور عرض کیا۔ کہ آپ کا روئے سخن شاید ہم لوگوں کی جانب ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ آپ کو خدا کا رسول یقین کرتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ کہ خدا کا رسولؐ کفار کے مقابلہ کو جائے۔ اور ہم گھروں میں بیٹھے رہیں۔ یہ کفار تو ہم جیسے آدمی ہی ہیں۔ ہم اُن سے کیا ڈریں گے۔ آپ اگر ہم کو حکم دیں گے۔ کہ سمندر میں کود پڑو۔ تو ہم بلا دریغ آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔

بے سروسامانی:۔ جب آپ کو خوب اطمینان ہو گیا۔ کہ تمام صحابہؓ جنگ اور مقابلے کے لئے آمادہ ہیں۔ تو آپ نے مدینہ سے روانگی کا عزم فرمایا۔ لڑنے اور میدانِ جنگ میں جانے کے قابل آدمی کل تین سو دس یا تین سو بارہ یا تین سو تیرہ تھے۔ شہر سے باہر آپ نے اس اسلامی لشکر کی موجودات لی۔ تو اُن تین سو تیرہ میں بعض ایسی چھوٹی عمر کے لڑکے بھی تھے۔ جو میدانِ جنگ میں جانے کے قابل نہ تھے۔ آپ نے ان کو اُن کو صغر سنی کے سبب واپس جانے کا حکم دیا۔ اُن میں سے بعض نے اصرار کیا۔ اور بمنت اپنے آپ کو لشکر اسلام میں شامل رکھنے کی اجازت حاصل کی۔ اس اسلامی لشکر کے ساز و سامان کی یہ حالت تھی۔ کہ صرف دو گھوڑے تھے۔ جن پر حضرت زبیرؓ اور مقداد سوار تھے۔ ستر اونٹ تھے۔ ایک ایک اونٹ پر تین تین چار چار آدمی سوار تھے۔ آنحضرت صلعم جس اُونٹ پر سوار تھے۔ اُس پر بھی دو تین شخص اور سوار تھے۔ بعض حضرات پیدل ہی رہے۔ یہ اسلامی لشکر بدر کے مقام پر پہنچا تو دیکھا۔ کہ کفار پہلے سے بلند قطعہ زمین پر قابض و متصرف اور خیمہ زن ہیں۔ مسلمانوں کو نشیبی اور ریتلی جگہ ٹھہرنا پڑا۔ مگر بدر کے چشموں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ آنحضرت صلعم نے حکم دیا۔ کہ کفار میں سے جو شخص اس چشمہ سے پانی لینے آئے اس کو نہ روکو اور پانی لینے دو۔ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلعم کے لئے ایک چھوٹی سی جھونپڑی تیار کر دی تھی۔ آپ اُس میں عبادت کرتے۔ اور دعائیں مانگتے تھے صحابہ کرامؓ قریشیوں کے مقابلے میں تعداد کے اعتبار سے تو ⅓ تھے۔ اور سامانِ حرب کے اعتبار سے ⅓ بھی نہ تھے۔ کفار سب زرہ پوش اور جوانِ توانا تھے۔ مسلمان عام طور پر فاقہ زدہ ناتوان۔ بیمار اور ضعیف تھے۔ معمولی ہتھیار بھی سب کے پاس پورے نہ تھے۔ کسی کے پاس تلوار تھی۔ تو نیزہ اور کمان نہ تھی۔ کسی کے پاس صرف نیزہ تھا۔ تلوار نہ تھی۔ جب مسلمان جا کر خیمہ زن ہو گئے۔ تو کفار نے عمیر بن وہب جمجی کو سُراغ رساں بنا کر روانہ کیا۔ کہ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد معلوم کر کے آئے۔ عمیر نے جا کر کہا کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو دس سے زیادہ نہیں ہے۔ اور

اور اُن میں صرف دو سوار ہیں۔ کفار کے غرور کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ عتبہ بن ربیعہ نے جب اس قلتِ تعداد کا حال سُنا۔ تو کہا۔ کہ ان تھوڑے سے آدمیوں سے لڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہم کو بلا جنگ کئے ہوئے واپس ہونا چاہیے۔ کیونکہ ہماری تعداد زیادہ ہے لیکن ابوجہل نے مخالفت کی اور کہا۔ کہ اِن سب کا خاتمہ ہی کر دینا چاہیے۔

آغاز جنگ:۔ بالآخر اگلے روز ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری کو میدانِ کارزار گرم ہوا آنحضرت صلعم اوّل اپنے عبادت کے چھوٹے سے چھپر میں گئے۔ اور رو رو کر جنابِ الٰہی میں دُعا کی۔ اور عرض کیا کہ اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھلِکَ ھٰذِہِ العصابۃ مِنْ اَھْلِ الایمان الیوم فلا تعبد فی الارض ابداً (الٰہی اگر تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا۔ تو زمین میں تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا) پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپ پر ذرا سی دیر کے لئے یکایک غنودگی طاری ہو گئی۔ اس کے بعد آپ باہر مسکراتے ہوئے نکلے۔ اور فرمایا کہ کفار کی فوج کو شکست ہو گی۔ اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ آنحضرت صلعم نے حکم دے دیا تھا۔ کہ تم جنگ میں ابتدا نہ کرنا۔ مسلمانوں میں اسی یا اسی سے دو تین زیادہ مہاجرین تھے۔ باقی انصارؓ تھے۔ انصار میں ۶۱ قبائل اوس کے آدمی تھے۔ اور ۱۷۰ خزرج کے۔ طرفین سے صفوفِ جنگ آراستہ ہوئیں۔ آنحضرت صلعم کے ہاتھ میں ایک تیر تھا۔ اور آپ اس کے اشارے سے تسویۂ صفوف فرماتے تھے۔ اس کے بعد لشکر کفار سے رسم عرب کے موافق اوّل عتبہ و شیبہ پسرانِ ربیعہ اور ولید بن عتبہ نکل کر میدان میں آگے آئے۔ اور جنگِ مبارزہ کے لئے للکار کر لشکرِ اسلام سے اپنے مقابلہ پر لڑنے والے تین شخص طلب کئے۔ ان تینوں کا مقابلہ کرنے کے لئے انصارؓ کے تین شخص عوفؓ و معوذؓ پسرانِ عفراء اور عبداللہ بن رواحہؓ نکلے۔ عتبہ نے کہا مَنْ اَنْتُمْ (تم کون ہو؟) اُنھوں نے جواب دیا رَھطٌ مِنَ الانصار (ہم انصار یعنی اہلِ مدینہ میں سے ہیں) عتبہ نے نہایت متکبرانہ انداز اور درشت لہجہ میں کہا مالنا بکم من حاجۃٍ (ہم کو تم سے لڑنے کی ضرورت نہیں) پھر چلا کر کہا محمد اخرج الینا اکفاءنا مِنْ قومنا اے محمدؐ۔ ہمارے مقابلے کے لئے ہماری ذات برادری کے لوگوں کو یعنی قریش میں سے مہاجرین کو بھیجو) آنحضرت صلعم نے یہ سُن کر حکم دیا۔ کہ عتبہ کے مقابلے کو حمزہ بن عبدالمطلب اور عتبہ کے بھائی شیبہ کے مقابلے کو عبیدہؓ بن الحرث اور عتبہ کے بیٹے ولید کے مقابلے کو علی ابن ابی طالب جائیں۔ یہ حکم سنتے ہی بلا تامل تینوں

صحابی میدان میں نکلے۔ عتبہ نے ان تینوں کے نام دریافت کئے۔ حالانکہ وہ ان کو خوب پہچانتا تھا ان کے نام سُن کر کہا۔ کہ ہاں تم سے ہم لڑیں گے۔ مقابلہ شروع ہوا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے عتبہ اور ولید دونوں باپ بیٹے کو ایک ہی وار میں قتل کر دیا۔ شیبہ کے مقابلہ میں حضرت عبیدہؓ زخمی ہوئے۔ زخم بہت کاری لگا۔ جس سے وہ جاں بر نہ ہو سکے۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا۔ اور عبیدہؓ کو اٹھا کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں لاتے۔ اس کے بعد کفار کی صفیں حملہ آور ہوئیں۔ ادھر سے مسلمانوں نے حرکت کی اور جنگ مغلوبہ شروع ہو گئی۔ طرفین سے خوب خوب دادِ مردانگی دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کفار اپنے ستر بہادروں کو قتل اور لوٹنے کو اسیر کرا کر میدان سے بھاگ نکلے۔ جنگ مغلوبہ شروع ہونے کے بعد آنحضرت صلعم ایک سائبان کے نیچے کھڑے ہوئے معرکۂ جنگ کا نظارہ دیکھ رہے تھے۔ اور مجاہدین کو مناسب احکام و ہدایات دے رہے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا۔ کہ بنو ہاشم کے جو لوگ کفار کے ساتھ آئے ہیں۔ وہ اپنی خوشی سے نہیں آئے۔ بلکہ مجبوراً ان کو آنا پڑا ہے۔ اس لئے ان کے ساتھ رعایت کرنی چاہیئے۔ اور عباسؓ بن عبد المطلب کو قتل نہیں کرنا چاہیئے۔ اسی طرح ابو البختری کی نسبت درگذر اور رعایت کا حکم دیا تھا۔ اس حکم کو سُن کر ابو حذیفہؓ نے کہا۔ کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ میں اپنے بھائی کو قتل کروں اور عباسؓ کو چھوڑ دوں۔ اگر عباسؓ میرے مقابلہ پر آیا تو میں درگذر نہیں کروں گا۔ بعد میں حذیفہ اپنے ان الفاظ پر بہت پشیمان ہوتے۔ اور ندامت کا اظہار کیا۔ مخذر بن زیاد کا مقابلہ ابو البختری سے ہوا۔ تو مخذر بن زیادؓ نے کہا ہم کو حکم ہے۔ تم سے نہ لڑیں۔ لہٰذا تم ہمارے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ ابو البختری نے اپنے ایک ساتھی کے بچانے کی کوشش کی۔ جس کو مخذر بن زیاد قتل کرنا چاہتے تھے اس کوشش میں ابو البختری مقتول ہوا۔ اُمیہ بن خلف اور اس کا بیٹا علی بن امیہ دونوں اپنی جان بچانے کے لئے سراسیمہ پھر رہے تھے۔ اُمیہ اور عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے درمیان عہدِ جاہلیت میں دوستی تھی۔ عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے اُن کو پریشان دیکھ کر اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اور اُمیہ کا ہاتھ پکڑ کر لے چلے۔ لیکن حضرت بلالؓ نے دیکھا۔ تو فوراً آواز دے کر چند انصارؓ کے جوانوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اور سب نے مل کر اُمیہ اور علی کو قتل کرنا چاہا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے ہر چند بچانے کی کوشش کی۔ مگر حضرت بلالؓ نے اُن کی ایک بات نہ مانی۔ اور دونوں باپ بیٹوں کو قتل ہی کر کے چھوڑا۔ ایک صحابی عمیرؓ بن الحمام انصاری آنحضرت صلعم کے پاس کھجوریں

کھاتے ہوئے آئے اور پوچھا کہ اگر میں کفار سے لڑتا ہوا مارا جاؤں تو فوراً جنت میں چلا جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ وہ اسی وقت اپنے ہاتھ کی بقیہ کھجوریں پھینک کر اور تلوار کھینچ کر دشمنوں پر جا پڑے اور لڑ کر شہید ہوئے۔

جب لڑائی خوب زور شور سے جاری تھی۔ تو آنحضرت صلعم نے ایک مٹھی بھر کر خاک اُٹھائی اور اس پر کچھ دم کر کے کفار کی طرف پھینک دی۔ اسی وقت کفار کے لشکر نے بھاگنا شروع کیا۔ ایک نوعمر انصاری حضرت معاذ بن عمروؓ کا مقابلہ اتفاقاً ابوجہل سے ہو گیا۔ ابوجہل خود اور زرہ وغیرہ پہنے ہوئے غرق آہن تھا حضرت معاذ بن عمروؓ نے موقع پاکر اور اس کے پاؤں کو زرہ سے خالی دیکھ کر تلوار کا ایک ہاتھ اس کی نصف پنڈلی کے قریب ایسا مارا۔ کہ اس کا پاؤں کٹ کر الگ جا پڑا۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ بن ابوجہل نے باپ کو زخمی دیکھ کر معاذ بن عمروؓ پر حملہ کیا۔ اور تلوار کا ایسا ہاتھ مارا۔ کہ حضرت معاذ بن عمروؓ کا بایاں ہاتھ مونڈھے کے قریب سے کٹ کر لٹک گیا۔ صرف ایک تسمہ لگا ہوا باقی رہا۔ حضرت معاذ بن عمروؓ اسی طرح تمام دن لڑتے رہے۔ لٹکے ہوئے ہاتھ نے جب بہت دق کیا۔ تو اُسے پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے جھٹکا دے کر الگ کر دیا۔ اس کے بعد انصار کے ایک دوسرے نوعمر معوذؓ بن عفرار ابوجہل کے قریب پہنچے اور تلوار کی ایک ایسی ضرب لگائی۔ کہ وہ زخمی ہو کر نیم بسمل ہو گیا۔ جب کفار میدان خالی چھوڑ کر مسلمانوں کے سامنے سے بھاگ گئے۔ اور لشکرِ اسلام کو فتح حاصل ہو گئی۔ تو آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ ابوجہل کی نسبت تحقیق کرو کہ اس کی لاش میدان میں موجود ہے یا نہیں۔ یہ حکم پاتے ہی حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ مقتولین کی لاشیں دیکھنے کو چلے۔ ابوجہل کو دیکھا کہ نیم مُردہ پڑا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے اور کہا۔ کہ او دشمنِ خدا دیکھ تجھ کو خدا نے کیسا ذلیل کیا۔ ابوجہل نے پوچھا لڑائی کا نتیجہ کیا ہوا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ کہ مسلمانوں کو فتح اور کفار کو ہزیمت ہوئی۔ یہ کہہ کر عبداللہ بن مسعودؓ جب اس کا سر کاٹنے لگے۔ تو اس نے کہا۔ کہ میری گردن مونڈھوں سے ملا کر کاٹنا تاکہ میرا سر دوسرے کٹے ہوئے سروں میں بڑا معلوم ہو۔ اور یہ سمجھا جائے۔ کہ سردار کا سر ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ اس کا سر کاٹ کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں لائے اور آپ کے پاؤں میں ڈال دیا۔ آپ نے ابوجہل کا سر دیکھ کر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس لڑائی میں کُل چودہ صحابی شہید ہوئے۔ جن میں چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔ آپ نے معرکۂ جنگ سے فارغ ہو کر مسلمان شہداء کو دفن کیا۔ مشرکین کی لاشوں کو ایک بڑے گڑھے یا کنوئیں میں ڈلوا کر اوپر سے مٹی ڈلوا دی

صرف اُمیّہ بن خلف کا لاشہ اس لئے کہ پارہ پارہ ہو کر اُٹھانے کے قابل نہ رہا تھا۔ اٹھا کر اور مشرکوں کے لاشوں کے ساتھ گڑھے میں نہ ڈالا جا سکا۔ لہٰذا اُس کو وہیں مٹی ڈال کر چھپا دیا گیا۔

کفار اس سراسیمگی سے بھاگے۔ کہ اپنے سپہ سالار ابو جہل کو بھی نیم مردہ میدان ہی میں چھوڑ گئے۔

حرث بن زمعہ ابو قیس بن الفاکہ۔ علی بن اُمیّہ۔ عاص بن منبہ یہ سب کے سب نوجوان تھے۔ اور آنحضرت صلعم کے ساتھ قیام مکہ کے زمانہ میں محبت اور تعلق رکھتے تھے یا شاید مسلمان ہو گئے تھے۔ ہجرت نبویؐ کے بعد اِن لوگوں کے عزیزوں۔ رشتہ داروں اور قبیلہ والوں نے ان کو بہت سختی سے ڈانٹا ڈپٹا۔ اور مرتد ہونے کے لئے کہا۔ اُنھوں نے علانیہ اسلام اور آنحضرت صلعم سے بیزاری کا اظہار کیا۔ اور اس لشکرِ کفار میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے۔ یہ سب کے سب مقتول ہوئے۔ مکہ کے بڑے بڑے سردار جو اس لشکر میں آئے تھے۔ قریباً سب کے سب مقتول ہوئے۔ اور منہزم لشکر کے مکہ پہنچنے پر گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی۔ آنحضرت صلعم نے تمام مالِ غنیمت جو کفار سے مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا ایک جگہ جمع کر کے عبداللہ بن کعبؓ (بنو نجار سے تھے) کے سپرد کیا۔ عبداللہ بن رواحہ اور زید بن حارثؓ کو مدینہ کی بالائی اور نشیبی لبستیوں کی طرف مژدۂ فتح سنانے کے لئے روانہ کیا۔ حضرت اُسامہ بن زیدؓ جن کو آنحضرت صلعم مدینہ میں اپنا نائب بنا کر چھوڑ آئے تھے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ہمیں اس فتح کی خوش خبری عین اُس وقت پہنچی ہے۔ جب کہ ہم حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوجۂ حضرت عثمان بن عفانؓ کو دفن کر رہے تھے۔ یہ خبر مدینہ میں ۱۸ رمضان المبارک کو پہنچی تھی۔

بدر کے میدانِ جنگ سے فارغ ہو کر آپؐ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مقامِ صفرار میں پہنچ کر آپؐ نے حکمِ الٰہی کے موافق تمام مالِ غنیمت بحصۂ مساوی مسلمانوں میں تقسیم فرمایا۔ اور اسیرانِ جنگ میں سے نضر بن الحارث بن کلاہ از بنو عبدالدار کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ یہاں سے روانہ ہو کر مقام عرق الظبیہ میں پہنچے۔ یہاں عقبہ بن ابی معیط بن ابی عمرو بن لیتہ کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ یہ دونوں جو اسیرانِ جنگ بدر میں شامل تھے۔ آنحضرت صلعم اور اسلام سے نہایت سخت و شدید دشمنی رکھتے۔ اور اپنے عناد میں ابو جہل کے ہمسر تھے۔ نضر بن الحارث کو مقام صفرار میں حضرت علیؓ نے، اور عقبہ بن ابی معیط کو مقام عرق الظبیہ میں عاصم بن

ثابت انصاری نے قتل کیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلعم اپنے اصحابؓ کے ساتھ تیز رفتاری سے روانہ ہو کر اسیروں اور ان کے محافظ دستے کو پیچھے چھوڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ سے ایک دن بعد قیدی بھی مدینے میں پہنچ گئے۔

اسیرانِ جنگ سے حُسنِ سلوک کی تاکید:۔ قیدی جب مدینہ میں پہنچ گئے تو آنحضرت صلعم نے ان کو اصحاب کرامؓ میں تقسیم فرما کر حکم دیا۔ کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ ان قیدیوں میں ایک شخص ابو عزیز بن عمیر بھی تھا۔ جو لشکرِ کفار کا علمبردار اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کا حقیقی بھائی تھا۔ ابو عزیز کا بیان ہے۔ کہ جب مجھے بدر سے گرفتار کر کے مدینے کی طرف لا رہے تھے۔ تو میں انصاریوں کی ایک جماعت کے زیرِ حراست تھا۔ یہ انصاری جب کھانا کھانے بیٹھتے تو روٹی مجھے دیتے۔ اور خود کھجوریں کھا کر گذارہ کر لیتے۔ میں شرما کر روٹی ان میں سے کسی کو دیتا۔ تو وہ پھر مجھی کو واپس کر دیتا۔ مدینہ میں پہنچ کر ابو عزیز ابی یسرؓ انصاری کے حصے میں آیا۔ حضرت مُصعب بن عمیرؓ ابی یسرؓ انصاری سے کہنے لگے۔ کہ اس کو خوب حفاظت سے رکھنا۔ اور اس پر سختی کرنا کیونکہ اس کی ماں بڑی مالدار ہے۔ اُس سے معقول فدیہ ملے گا۔ ابو عزیز نے یہ دیکھ کر کہ میرا حقیقی بھائی میرے محافظ کو سختی کرنے کی تاکید کر رہا ہے۔ کہا کہ بھائی صاحب! کیا آپ میرے لئے یہی خیر خواہی کر رہے ہیں؟ حضرت مصعبؓ نے جواب دیا کہ اب تو میرا بھائی نہیں ہے۔ میرا بھائی یہ شخص ہے۔ جو تیری حراست کر رہا ہے۔ ابو عزیز کی ماں نے چار ہزار درہم بھیج کر ابو عزیز کو رہائی دلوائی۔ جنگِ بدر میں مشرکوں کے شکست پانے کی خبر جب مکہ میں پہنچی تو جس طرح کفار کو رنج و ملال ہُوا اُسی طرح اُن چند مسلمانوں کو جو مکہ میں رہ گئے تھے اور اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے۔ بے حد مسرت و خوشی حاصل ہوئی۔ ابو لہب کسی وجہ سے اس جنگ میں شریک نہ ہو سکا تھا۔ اِس نے جب مکہ کے تمام بڑے بڑے سرداروں کے مقتول اور اہلِ مکہ کے شکست یاب ہونے کی خبر سنی۔ تو اُس کے دل پر ایسا دھکا لگا۔ کہ اس کے سننے سے ایک ہفتہ بعد مر گیا۔

اسیرانِ جنگ کا مسئلہ:۔ اسیرانِ جنگ کے متعلق آنحضرت صلعم نے مسجد نبوی میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا۔ کہ میری تو یہ رائے ہے۔ کہ ان قیدیوں کے اندر ہم میں سے جو جس کا عزیز ہے وہی اس کو قتل کرے۔ تاکہ مشرکوں کو معلوم ہو جائے۔ کہ ہمارے دلوں میں اللہ و رسولؐ کی محبت قرابت داری کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ اور اسلام کے مقابلے میں تمام رشتے ہیچ ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میری رائے یہ ہے۔ کہ

فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جائے۔ تاکہ مسلمانوں کو کچھ مالی امداد پہنچے۔ اور یہ اپنا سازو سامانِ جنگ درست کر سکیں۔ اور ممکن ہے کہ ان اسیروں میں سے اکثر کو دینِ اسلام کے قبول کر لینے کی توفیق بھی میسر ہو۔ آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ کی رائے کو پسند فرمایا۔ بعض قیدیوں کو بلا فدیہ لئے ہوئے ویسے ہی چھوڑ دیا۔ فی کس چار ہزار درہم سے ایک ہزار درہم تک فدیہ مکّہ والوں نے بھجوا کر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو چھڑا لیا۔ جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اور زرِ فدیہ بھی ادا نہ کر سکتے تھے۔ ان سے کہا گیا۔ کہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دو اور آزاد ہو جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی زینبؓ ابھی تک مکّہ ہی میں اپنے شوہر ابوالعاص کے یہاں تھیں۔ ابوالعاص بھی ان قیدیوں میں شامل تھے۔ حضرت زینبؓ نے اپنے گلے کا ہار اُتار کر ابوالعاص کے فدیہ میں بھیج دیا تھا۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا۔ کہ مناسب سمجھو تو زینبؓ کا ہار اُس کو واپس کر دو کیونکہ یہ اُس کی ماں خدیجہؓ کی یادگار اُس کے پاس ہے۔ لوگوں نے بخوشی اس بات کو قبول کیا۔ اور حضرت ابوالعاصؓ کو چھوڑ دیا ابوالعاصؓ نے مکّہ میں واپس جا کر حضرت زینبؓ کو مدینہ میں آنحضرت صلعم کے پاس بھجوا دیا۔ ابوالعاصؓ اس واقعہ کے چھ برس بعد مسلمان ہو گئے تھے۔

کفّارِ مکّہ کا جوشِ انتقام:۔ مکّہ میں اس شکست کے بعد مقتولوں کے ورثا نے بلند آواز سے نوحہ وزاری نہیں کی۔ کیونکہ اس خبر سے مسلمان خوش ہوتے۔ صفوان بن اُمیہ نے جس کا باپ اُمیّہ اور بھائی علی دونوں بدر میں مارے گئے تھے۔ عمیر بن وہب کو خفیہ طور پر آمادہ کیا۔ کہ مدینہ میں جا کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کو قتل کرے۔ عمیر بن وہب زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر مکّہ سے چل کر مدینہ میں پہنچے۔ تو حضرت عمرؓ کو شبہ گذرا وہ عمیرؓ کی تلوار کا قبضہ پکڑ کر آنحضرت صلعم کے پاس لے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ عمرؓ تم عمیرؓ کو چھوڑ دو۔ پھر آپ نے قریب بُلا کر پوچھا کہ کیوں آئے ہو۔ عمیرؓ نے جواب دیا۔ کہ میرا بیٹا قیدیوں میں شامل ہے۔ اسے رہا کرانے آیا ہوں۔ کہ آپ مجھ پر رحم کریں اور میرے بیٹے کو آزاد کریں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تم کو صفوان نے میرے قتل کے لئے آمادہ کر کے بھیجا ہے سچی بات کیوں نہیں کہتے۔ پھر آپ نے صفوان اور عمیر کے مشورہ کرنے کی تمام کیفیت سُنا دی۔ عمیر نے کہا۔ میں مسلمان ہوتا اور اقرار کرتا ہوں کہ آپ خدائے تعالیٰ کے بھیجے ہوئے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ اس بات کی خبر سوائے صفوان اور میرے کسی تیسرے شخص کو ہرگز ہرگز نہ تھی۔

"جنگِ بدر میں خدائے تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کی۔ فرشتوں کے شریکِ جنگ ہونے کا حال خود کفارِ نے مکہ میں جاکر بیان کیا۔ بعض مشرکینِ مدینہ جو لڑائی کا تماشا دیکھنے چلے گئے تھے۔ یا اتفاقاً لڑائی کے روز بدر میں موجود اور قریب کی پہاڑی پر بیٹھے ہوئے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اُن کا بیان ہے۔ کہ ہم نے لڑائی کے وقت اپنے سروں کے اوپر سے ایک بادل کے ٹکڑے کو گذرتے ہوئے اور مقامِ جنگ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ اس بادل کے ٹکڑے میں سے جب کہ وہ بالکل ہمارے قریب سے گذر رہا تھا۔ گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سُنائی دی۔ اور کسی کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ جلد آگے بڑھو۔ راوی کہتا ہے۔ کہ اس آواز کے سُننے سے ہم پر اس قدر خوف طاری ہوا۔ کہ میرے چچازاد بھائی کا خوف کے مارے دم نکل گیا۔

جنگِ بدر سے فارغ ہو کر آنحضرت صلعم ۲۲ رمضان المبارک کو مدینہ میں واپس تشریف لائے۔ اسی رمضان کی آخری تاریخوں میں صدقۂ فطر واجب ہوا۔ عیدین کی نمازیں اور قربانی بھی اسی سال مقرر ہوئی۔ اسی سال آپؐ نے اپنی دوسری صاحبزادی اُمِ کُلثوم کا نکاح حضرت عثمانؓ بن عفان سے کیا۔ اور وہ ذی النورین کہلائے۔ اسی سال جنگِ بدر کے بعد آپؐ نے اپنی چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرؓا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کیا۔

کُفارِ مکہ کے دلوں میں انتقام کی آگ خوب تیزی سے شعلہ زن تھی۔ جنگِ بدر کے دو مہینے بعد ابو سفیان دو سو سوارے کر مکہ سے بارادۂ جنگ روانہ ہوا۔ جب مدینے کے قریب یہ لشکر پہنچا۔ تو آنحضرت صلعم کو بھی خبر ہوگئی۔ آپ مسلمانوں کو ہمراہ لے کر مقابلے کے لئے نکلے۔ ابوسفیان کھجوروں کے باغ کو جلا کر جاچکا تھا اور اُس نے دو شخصوں کو جو اپنی کاشت کاری کے کاموں میں وہاں مصروف تھے قتل کر دیا تھا۔ ان دونوں میں ایک تو حضرت سعید بن عمروؓ انصاری تھے۔ اور دوسرا اِن کا حلیف تھا۔ مسلمانوں کے آنے کی خبر سنتے ہی لشکرِ کُفار بھاگ پڑا۔ اور تابِ مقاومت نہ لاسکا۔ بھاگتے ہوئے کفارِ مکہ اپنے ستوؤں کے تھیلے ہلکے کرنے کے لئے راستے میں پھینکتے گئے۔ مسلمانوں نے مقامِ کدر تک تعاقب کیا۔ اور جابجا ستوؤں کے تھیلے پڑے ہوئے پائے۔ آنحضرت صلعم مدینہ میں واپس تشریف لے آئے۔ اور اس واقعہ کا نام غزوۂ سویق مشہور رہا۔ سویق عربی زبان میں ستو کو کہتے ہیں۔ غزوۂ سویق ۲ھ ہجری کے ماہ ذی الحجہ کی ابتداء میں ہوا تھا۔ آخری ماہ ذی الحجہ تک آپؐ مدینہ میں رہے۔ اور کوئی قابلِ تذکرہ واقعہ نہیں ہوا۔

ہجرت کا تیسرا سال:۔ عبداللہ بن ابی بن سلول کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ کہ مدینے والے اس کو اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ آنحضرت صلعم کے تشریف لے جانے سے اس کی بادشاہت خاک میں مل گئی تھی اس کو مسلمانوں سے دلی عداوت تھی۔ مگر چونکہ آدمی عقلمند تھا۔ اُس نے اپنی عداوت کو چھپایا۔ پھر قریش مکہ کے ساتھ ساز باز شروع کرکے مدینہ والوں کو علانیہ مسلمانوں کے مقابلے پر اُبھارنا چاہا۔ مگر ناکام رہا۔ اب مسلمانوں کی فتح بدر کو دیکھ کر وہ بہت مرعوب ہوا۔ اور بظاہر اسلام قبول کر لیا۔ لیکن دل میں چونکہ حسد اور دشمنی رکھتا تھا۔ لہٰذا اس ظاہری طور پر داخلِ اسلام ہونے سے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ بلکہ اُس کی عداوت و دشمنی مسلمانوں کے لئے پہلے سے زیادہ خطرناک و مضرت رساں ثابت ہوئی۔ اُس کے زیر اثر جس قدر مشرکین ابھی تک شرک پر قائم اور مسلمانوں کے دشمن تھے۔ ان کو بھی اُس نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لینے کا مشورہ دیا۔ اس قسم کے لوگوں کا وہ سردار اور پیشوا بنا رہا۔ اس گروہ کو منافقین کا گروہ کہا جاتا ہے۔ ان منافقوں کے گروہ میں بعض یہودی بھی شامل ہوکر اور ظاہری طور پر مسلمان بن کر فائدہ اٹھانے لگے۔

یہودیوں کا معاندانہ رویہ:۔ یہودی بھی مُسلمانوں کے اقتدار اور مذہب اسلام کی اشاعت کو بہت مکروہ سمجھتے تھے اور اُن کی عداوت عبداللہ بن ابی کی عداوت سے بڑھی ہوئی تھی۔ مدینہ کی متعلقہ بستیوں یا یوں سمجھئے کہ مدینہ کے نواحی محلوں میں یہودیوں کے تین قبیلے بہت طاقتور تھے اور اپنی جُدا جُدا گڑھیاں یا قلعے رکھتے تھے۔ ان تینوں قبیلوں کے نام یہ تھے۔ بنی قینقاع۔ بنی نضیر۔ بنی قریظہ۔ آنحضرت صلعم نے مدینہ میں تشریف لاتے ہی جو معاہدہ مرتب فرمایا تھا۔ اُس میں یہ تمام قبیلے یہودیوں کے شامل تھے۔ قریش نے جس طرح عبداللہ بن ابی کے ساتھ ساز باز شروع کیا تھا۔ اسی طرح وہ ان یہودیوں کو بھی برابر اپنا ہمساز بنانے میں مصروف رہے یہودیوں کو چونکہ مسلمانوں کی ترقی دل سے ناپسند تھی۔ لہٰذا وہ قریش کی ہمدردی اور مسلمانوں کی بربادی کے لئے برابر کوشاں رہے۔ اب جنگ بدر کے بعد ان کی عداوت مسلمانوں کے ساتھ اور بھی بڑھ گئی۔ اور آتشِ حسد میں جل کر وہ کباب بن گئے۔ چنانچہ جب بدر سے فتح کی خوش خبری لے کر حضرت زید بن حارثہ مدینہ میں پہنچے ہیں تو کعب ابن اشرف نامی ایک یہودی نے اس خبر کو سُن کر حضرت زیدؓ سے کہا کہ۔ "تیرا بُرا ہو مکّہ والے لوگوں کے بادشاہ اور اشرافِ عرب ہیں۔ اگر محمد (صلعم) نے ان لوگوں پر فتح پالی ہے۔ تو پھر اس زمین پر رہنے کا کوئی لُطف باقی نہیں رہا"۔
جب اس خبر کی خوب تصدیق ہوگئی تو کعب بن اشرف مدینہ چھوڑ کر مکے کی جانب چلا گیا۔

مکہ میں جاکر اُس نے مقتولین بدر کے نوحے لکھنے اور سُنانے شروع کئے۔ اور چند روز تک اپنے اشعار سُنا سُنا کر اہل مکہ کی آتش انتقام کے بھڑکانے میں مصروف رہا۔ پھر مدینہ میں واپس آکر مسلمانوں کی ہجو میں اشعار لکھتا۔ اور مسلمانوں کے خلاف زہر اُگلتا رہا۔ یہودی سب کے سب سُود خوار اور بڑے مال دار تھے۔ قبائلِ اوسؔ اور خزرجؔ یعنی انصارِ مدینہ ان یہودیوں کے مقروض اور مالی اعتبار سے اُن کے دبیل تھے۔ یہودیوں کو اپنی دولت اور چالاکیوں پر بھی بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ اپنے آپ کو بڑا معزز اور شریف جانتے اور ہمسایہ قبائل کو جاہل اور بے وقوف سمجھ کر خاطر میں نہ لاتے تھے۔ جنگِ بدر کے بعد وہ پورے طور پر قریشِ مکہ کے ہمدرد و شریک کار بن گئے۔ عبداللہ بن ابی اور یہودیوں کے درمیان دوستی اور محبت قائم ہوئی۔ اور مسلمانوں کے خلاف مدینہ کے منافقوں اور یہودیوں نے بڑی بڑی عظیم الشان اور خطرناک تدبیریں سوچیں۔ اور قریشِ مکہ کی مہمات کو کامیاب بنانے کا اہتمام گویا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ آنحضرت صلعم کی قبولیت اور اثر کو مٹانے کے لئے عام طور پر بدزبانیوں کا سلسلہ بھی برابر جاری کیا گیا۔ آپ کی مجلس میں بھی آ آکر ہتک آمیز اور بیہودہ کلمات کہنے شروع کئے۔ السلامُ علیکم کی جگہ السّام علیکم (تم پر موت آئے) کہتے۔ راعنا (ہماری رعایت کیجئے یا ہماری بھی بات سنئے) کی جگہ (رعِنَ (احمق ہے) وغیرہ ناشائستہ الفاظ استعمال کرتے۔ منافقوں اور یہودیوں نے مل کر یہ بھی منصوبہ گانٹھا کہ اول بظاہر مسلمان ہو جاؤ اور پھر یہ کہہ کر کہ ہم نے مُسلمان ہو کر دیکھ لیا ہے کہ یہ مذہب اچھا نہیں ہے مرتد بن جاؤ۔ اس طرح ممکن ہے کہ بہت سے مسلمان بھی ہمارے ساتھ مُرتد ہو جائیں اور اُن کی جمعیت منتشر ہو جائے غرض کہ آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کے لئے مدینہ میں اب نہایت سخت اور نئی نئی مشکلات کا سامنا ہوا۔ آنحضرت صلعم نے یہودیوں کے جلسوں اور مجمعوں میں خود جا جاکر ان کو نصیحتیں کیں۔ اور کہا کہ تم خوب واقف ہو۔ کہ میں خدائے تعالیٰ کا سچا رسول ہوں۔ اور تم خود خدائے تعالیٰ کی طرف سے رسول کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ تمہارا فرض تھا۔ کہ سب سے پہلے میری تصدیق کرتے۔ اور اپنی آسمانی کتابوں میں لکھی ہوئی پیش گوئیوں کو تلاش کرتے۔ تم انکار اور مخالفت میں ترقی کر رہے ہو۔ خدا کے غضب سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی اسی طرح عذاب الٰہی نازل ہو۔ جس طرح ابو جہل و عتبہ وغیرہ کا انجام ہوا۔ کہ میدان بدر میں ذلیل و نامراد ہو کر مرے۔ یہودیوں نے بجائے اس کے کہ نصیحت حاصل کرتے۔ آنحضرت صلعم کو سخت و سُست جواب دیئے۔ اور کہا کہ قریشِ مکہ تدبیراتِ جنگ سے ناواقف تھے۔ ہم سے جب مقابلہ کرو گے۔ تو قدر عافیت معلوم ہو جائے گی۔ ہم کو قریشِ مکہ کی

طرح نہ بکھنا۔

یہودی قبیلہ بنی قینقاع:۔ غرض اس قسم کی نالائم باتیں وہ علانیہ بکنے لگے۔آنحضرت صلعم نے ان تمام ناشدنی باتوں کو نہایت صبر و سکون کے ساتھ سُنا۔اور ان نالائقوں کو جو گویا معاہدہ کو خود توڑ چکے تھے۔کوئی سزا دینی مناسب نہ سمجھی۔آپ کی خواہش یہی تھی۔کہ وعظ و پند کے ذریعہ ان کو راہِ راست پر لایا جائے۔اور ان گستاخیوں پر کریمانہ عفو و درگذر سے کام لیا جائے۔مگر یہودیوں کی شامت نے خود اُن کے لئے سامانِ ہلاکت فراہم کر دیئے تھے۔ایک روز بنی قینقاع کی بستی میں کوئی میلہ یا بازار لگا۔اُس بازار میں انصار کی ایک عورت دودھ بیچنے کے لئے گئی۔دودھ بیچ کر وہ سُنار کی دکان پر کوئی زیور خریدنے یا بنوانے گئی۔اُس سنار یہودی نے اُس عورت کو چھیڑا۔ایک انصاری نے جو بازار میں گنے ہوئے تھے۔انصاری عورت کو مظلوم دیکھ کر اُس کی حمایت کی۔اِدھر اُدھر سے یہودی جمع ہو گئے۔اور انصاری پر حملہ کیا۔اس فساد میں وہ انصاری شہید ہو گئے۔اُن کے ہاتھ سے بھی ایک یہودی مارا گیا۔اس خبر کو سُن کر دوسرے مسلمان جو وہاں اتفاقاً موجود تھے پہنچے۔یہودیوں نے فوراً مسلح ہو کر حملہ کیا۔یہ خبر مدینہ میں آنحضرت صلعم کو پہنچی۔آپ صحابہ کرام کو لے کر پہنچے۔اور یہودیوں کو مسلح و آمادہ قتال پایا۔غرض مقابلہ ہوا۔اور نوبت یہاں تک پہنچی۔کہ بنی قینقاع حصن میں سات سو آدمی جنگ جُو تھے۔ان میں تین سو زرہ پوش بھی تھے۔اپنے قلعہ میں محصور ہو گئے۔بنی قینقاع حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی برادری تھے۔مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔پندرہ سولہ روز کے محاصرہ کا نتیجہ یہ ہوا۔کہ مسلمان قلعہ پر قابض و متصرف ہو گئے۔اور تمام بنی قینقاع کو گرفتار کر لیا۔ملک عرب کا عام دستور تھا۔کہ اسیرانِ جنگ بلا دریغ قتل کر دیئے جاتے تھے۔اہلِ مکہ کو سب سے زیادہ تعجب اس بات پر ہوا تھا کہ اسیرانِ بدر میں سے صرف دو شخص جو حد سے زیادہ شرارت میں بڑھے ہوئے تھے۔قتل کئے گئے۔باقی سب کو چھوڑ دیا گیا۔اب جو بنی قینقاع کے سات سو آدمی گرفتار ہوئے۔تو سب کو یقین تھا۔کہ یہ ضرور قتل کئے جائیں گے۔مگر عبداللہ بن ابی بن سلول جو منافقوں کا سردار اور بظاہر مسلمانوں میں شامل تھا۔آنحضرت صلعم کی خدمت میں سفارشی ہوا۔کہ ان یہودیوں کو قتل نہ کیا جائے۔آنحضرت صلعم کسی قدر متامل تھے مگر عبداللہ بن ابی نے بار بار اور باصرار سفارش کر کے سب کی جان بخشی کرالی۔اور حضرت عبادہ بن صامتؓ اُن سب کو خیبر تک نکال آئے۔عبداللہ بن ابی درپردہ ان یہودیوں کا ہمدرد تھا۔اور اسی لئے اُس نے سب کی جان بخشی کرانے میں گویا اپنا حق دوستی ادا کیا۔

کعب ابن اشرف کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔ اس نے اب علانیہ مسلمان عورتوں کے نام عشقیہ اشعار میں استعمال کرنے شروع کئے۔ اس سے مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوتا تھا۔ پھر اس نے آنحضرت صلعم کے قتل کی تدبیریں اور سازشیں شروع کیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضرت رات کے وقت باہر نکلنے میں احتیاط سے کام لیتے تھے۔ جب کعب بن اشرف کی شرارتیں حد سے بڑھ گئیں۔ تو ایک صحابی محمد بن مسلمہؓ نے آنحضرت صلعم سے اس شریر کے قتل کی اجازت حاصل کرنے کے بعد کئی اور دوستوں کو ہمراہ لیا۔ اور اس کے گھر جا کر اس کو قتل کیا۔ کعب بن اشرف کے بعد سلام بن ابی الحقیق یہودی نے اسی قسم کی شرارت پر کمر باندھی اور وہ اپنی شرارتوں میں کعب بن اشرف سے بھی بڑھ کر آنحضرت صلعم کی جان کا دشمن بن گیا۔ کعب بن اشرف کو چونکہ بنو اوس نے قتل کیا تھا۔ اس لئے اب بنو خزرج کے آٹھ نو جوانوں نے خیبر کا راستہ لیا۔ جہاں سلام بن حقیق رہتا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس کو قتل کیا اور صاف بچ کر نکل آئے۔

غزوۂ احد! (۳ھ)؛۔ جنگ بدر کے بعد ایک طرف تو خود اہل مکہ کے دلوں میں آتشِ انتقام موج زن تھی۔ دوسری طرف مدینہ کے یہودیوں اور منافقوں نے اُن کو برانگیختہ کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ تیسری طرف ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے جس کے باپ اور بھائی بدر میں قتل ہوئے تھے۔ ابوسفیان کو غیرتیں دلائیں۔ چنانچہ ابوسفیان جو تمام سردارانِ مکہ کے مقتول ہونے کے بعد مکہ میں سب سے بڑا سردار سمجھا جاتا تھا۔ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہوا۔ تجارتِ شام کا قافلہ جو جنگ بدر کے قریب ابوسفیان کی نگرانی میں واپس آیا تھا۔ ۵۰ ہزار مثقال سونا۔ ایک ہزار اونٹ منافع میں لایا تھا۔ اس قافلہ کا یہ تمام مال اس کے مالکوں میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ سب سامانِ جنگ کی تیاری و فراہمی میں لگا دیا گیا۔ ملکِ عرب کے دوسرے قبیلوں میں شعراء روانہ کئے گئے۔ انھوں نے لوگوں کو قریش کی امداد پر آمادہ کیا۔ چنانچہ تمام بنو کنانہ اور اہلِ تہامہ قریش کے شریک ہو گئے۔ قریش کے تمام حلیف قبائل نے اُن کی مدد کی۔ مکہ کے حبشی غلاموں کو بھی شریکِ جنگ اور داخلِ فوج کیا گیا۔ رجز خواں مرد اور بہادری دلانے کے لئے عورتیں بھی ساتھ لے لی گئیں غرض پورا سال مکہ والوں نے تیاریوں میں صرف کیا۔ اور ان تیاریوں میں مدینہ کے یہودیوں اور منافقوں نے خفیہ طور پر ہر قسم کی خبریں پہنچا کر اور مشورے دے کر قریش کی سب سے زیادہ امداد کی۔

غرض تین ہزار جنگ جو اور نبرد آزما بہادروں کا لشکر ماہِ شوال کی ابتدائی تاریخوں میں روانہ ہوا۔ جنگ بدر کے مقتول سردارانِ قریش کی لڑکیاں اور بیویاں بھی ہمراہ چلیں۔ کہ اپنے عزیزوں

کے قاتلوں کو قتل ہوتا ہوا دیکھیں۔ شعرار بھی ساتھ تھے۔ وہ اپنے اشعار سُنا سُنا کر راستہ بھر بہادروں کے دلوں میں لڑائی کا جوش اور شوق پیدا کرتے ہوئے آئے۔ شرفاءِ قریش کی عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہند بن عتبہ سپہ سالار تھی۔ جس طرح مردوں میں ابوسفیان تمام لشکر کا سپہ سالارِ اعظم تھا۔ جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام وحشی نامی تھا۔ اُس نے وحشی کو بھی ہمراہ لیا۔ کیونکہ وحشی حربہ (چھوٹا نیزہ) چلانا خوب جانتا تھا۔ یعنی حربہ کو پھینک کر مارتا تھا۔ جس کا نشانہ بہت ہی کم خطا جاتا تھا۔ جبیر بن مطعم نے کہا۔ کہ اگر تو نے حمزہؓ کو قتل کیا۔ تو تجھے آزاد کردوں گا۔ ہند بنت عتبہ زوجۂ ابوسفیان نے کہا۔ کہ اگر تو نے میرے باپ کے قاتل حمزہؓ کو قتل کیا۔ تو تجھے اپنا تمام زیور اُتار کر دے دوں گی۔ بعض تاریخوں میں اس لشکر کفار کی تعداد پانچ ہزار بھی لکھی ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے۔ کہ اُن کی تعداد تین ہزار جنگ جُو آدمیوں پر مشتمل تھی۔ عورتیں اور شاگرد پیشہ لوگ ان تین ہزار کے سوا ہوں گے۔

کفار کا یہ لشکر مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ کے قریب پہنچ گیا۔ تب آنحضرت صلعم کو اس کے قریب پہنچنے کی خبر ہوئی۔ آپؐ نے اُسی وقت صحابہ کرام کو بُلا کر مجلسِ مشورت منعقد کی۔ عبداللہ بن ابی منافق بھی جو مسلمانوں میں شامل سمجھا جاتا تھا۔ اس مجلس میں موجود تھا۔ آنحضرت صلعم کی رائے یہ تھی۔ کہ ہم کو مدینہ ہی میں رہ کر مدافعت کرنی چاہیے۔ آپؐ کی یہ رائے اس لئے بھی تھی کہ آپؐ نے خواب میں دیکھا تھا۔ کہ تلوار کی تھوڑی سی دھار گر گئی ہے۔ جس سے آپؐ کو اندیشہ تھا۔ کہ شاید اس معرکہ میں مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچے۔ پھر آپؐ نے دیکھا تھا۔ کہ اپنا ہاتھ آپؐ نے ایک زرہ میں ڈال دیا ہے۔ زرہ کی تعبیر آپؐ نے مدینہ کو سمجھا تھا۔ عبداللہ بن ابی منافق کی بھی یہی رائے تھی۔ کہ مدینہ کے اندر رہ کر مدافعت کی جائے۔ ممکن ہے۔ کہ اُس نے اس رائے کے پیش کرنے میں کوئی اپنی خاص مصلحت مدِ نظر رکھی ہو۔ مگر صحابہؓ میں سے اکثر کی یہ رائے ہوئی۔ کہ ہم کو مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ تاکہ دُشمن کو ہماری کمزوری کا احساس نہ ہو۔ بوڑھی عمر کے صحابہؓ میں سے تو اکثر کی رائے یہی تھی، کہ مدینہ میں بیٹھ کر مدافعت کریں۔ مگر نوجوانوں نے اس کو پسند نہ کیا۔ یہ ۱۴ر شوال جمعہ کا واقعہ ہے۔ اس مشورہ کے بعد آپؐ نے نمازِ جمعہ ادا کی۔ نماز پڑھ کر آپؐ گھر میں تشریف لے گئے اور وہاں سے زرہ پہن کر اور مسلح ہو کر باہر نکلے۔ اب ان لوگوں کو خیال آیا۔ کہ ہم نے آپؐ کی رائے کی مخالفت کی۔ کہیں یہ بات معصیت نہ ہو۔ اور آپؐ سے عرض کیا۔ کہ آپؐ اگر پسند فرماتے ہیں۔ کہ مدینہ کے اندر رہ کر ہی مدافعت

کی جائے تو ایسا ہی کیجئے ہم کو کوئی عذر نہیں ہے۔ لیکن آپ نے کثرتِ رائے اور مجلسِ مشورت کے نتیجے کو اس لئے پامال کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ کوئی وحی اور خدائے تعالےٰ کی طرف سے حکم اس کے متعلق نازل نہ ہوا تھا۔ ان لوگوں کی دل داری بھی مدنظر تھی۔ جو جنگِ بدر میں شریک نہ ہوئے۔ اور اب اپنی بہادریوں کے جوہر دکھلانے کے لئے بے تاب تھے۔

چنانچہ آپ بعد نماز جمعہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ میں ایک اصحابی ابن ام مکتومؓ کو چھوڑ گئے کہ نماز پڑھایا کریں۔ اور آپ کی غیر موجودگی میں مدینہ کا انتظام درست رکھیں۔ ایک ہزار آدمی آپ کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔

منافقین کی شرارت:۔ ابھی کوئی دو یا ڈیڑھ میل چلے ہوں گے۔ کہ ان ایک ہزار آدمیوں میں سے عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر مدینہ کی طرف واپس چلا آیا۔ اور کہہ دیا کہ ہماری رائے پر چونکہ عمل درآمد نہیں ہوا۔ اس لئے ہم مدینہ سے باہر جا کر نہیں لڑیں گے۔ ان تین سو منافقوں کے جدا ہو جانے سے مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو رہ گئی۔ آپ نے ان سات سو میں سے چھوٹی عمر کے لڑکوں کو بھی واپس کر دیا۔ اور کچھ تھوڑا ہی دن باقی تھا۔ کہ آپ مدینے سے تین میل چل کر اُحد کی پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے۔ وہاں دیکھا۔ کہ کفار بھی پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے ہیں۔ چونکہ شام ہو گئی تھی۔ اس لئے طرفین سے کوئی آمادگی مقابلہ کی ظاہر نہیں ہوئی۔ آپ نے اُحد کی پہاڑی کو پسِ پُشت رکھ کر اپنا کیمپ قائم کیا۔ رات خموشی سے گذار کر اگلے دن ۱۵ ار شوال بروز شنبہ ۳ھ کو میدانِ کارزار گرم ہوا۔ لڑائی سے پیشتر آپ نے پچاس تیر اندازوں کا دستہ عبداللہ بن جبیرؓ انصاری کی سرکردگی میں پسِ پشت کی گھاٹی پر تعینات فرما دیا۔ اور ان تیر اندازوں کو حکم دے دیا۔ کہ خواہ کوئی حالت پیش آئے جب تک تم کو دوسرا حکم نہ دیا جائے۔ اپنے مقام کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ بات یہ تھی۔ کہ اُس گھاٹی میں ہو کر اور گھوم کر دشمن مسلمانوں کے عقب سے حملہ آور ہو سکتے تھے۔ آپ نے میدانِ جنگ کے اس نازک مقام کو فوراً تاڑ لیا تھا اس لئے دشمن کے اس اچانک حملہ کی روک کے لئے آپ نے یہ تیر انداز متعین فرما دیئے تھے۔

صفوفِ جنگ آراستہ کر کے آپ نے میمنہ پر زبیرؓ بن العوام کو اور میسرہ پر منذرؓ بن عمرو کو مامور فرمایا۔ حضرت حمزہؓ کو مقدمۃ الجیش مقرر فرمایا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کو علَم دیا گیا۔ آپ نے اپنی تلوار حضرت ابو دجانہؓ کو دی وہ اس تلوار کو لے کر نہایت مسرت کی حالت میں اکڑ کر میدانِ جنگ میں پھرتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ چال خدا کو ناپسند ہے۔ مگر کفار کے مقابلے میں میدانِ جنگ کے

اندر اس طرح چلنا جائز ہے۔ دوسری طرف قریش نے اپنی صفوفِ جنگ کو آراستہ کیا۔ اُنھوں نے
سَو سواروں کی سرداری خالد بن ولیدؓ (یہ ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے) کو دے کر میمنہ پر تعینات
کیا۔ اور سو سوار عکرمہؓ بن ابوجہل (یہ بھی ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے) کو دے کر میسرہ پر متقرر کیا۔
بنی عبدالدار میں قدیم الایام سے قریش کی علم برداری چلی آتی تھی۔ ابوسفیان نے بنی عبدالدار کو جوش
دلانے کے لئے کہا۔ کہ تم اگرچہ قدیم سے قریش میں علم برداری پر مامور ہو لیکن جنگِ بدر میں تمھاری
علم برداری کی جو نحوست ظاہر ہوئی وہ مجبور کرتی ہے۔ کہ علم برداری کسی دوسرے کو سپرد کر دیں اگر تم
وعدہ کرو کہ علم برداری کی نازک خدمات بخوبی انجام دو گے۔ تو عَلَم کو اپنے پاس رکھو۔ ورنہ واپس کر دو۔
بنو عبدالدار نے عَلَم نہیں دیا۔ اور انتہائی بہادری دکھانے کا وعدہ کیا۔ ان مذکورہ دو سواروں کے علاوہ
لشکرِ قریش میں دوسو کوتل گھوڑے اور تھے۔ جو وقتِ ضرورت کے لئے محفوظ تھے۔ مشرکین کے تیراندازوں
کا سردار عبداللہ بن ربیعہ تھا۔ اُدھر کم ازکم تین ہزار کا باسازوسامان جرار لشکر تھا۔ جو قریش اور
دوسرے قبائل کے انتخابی بہادروں اور تجربہ کار جاں بازوں پر مشتمل تھا ادھر صرف سات سو یا سات
سَو سے بھی کچھ کم آدمی آنحضرت صلعم کی فوج میں تھے۔ جن میں پندرہ سال کی عمر تک کے لڑکے بھی
شامل تھے۔ لشکرِ اسلام میں صرف دو گھوڑے تھے۔ غرض تعداد میں مسلمان کفار کے مقابلہ میں
چوتھائی سے بھی کم تھے۔ اور سامانِ جنگ میں تو عشرِ عشیر بھی نہ تھے۔

جنگ شروع ہوگئی:۔ لڑائی کی ابتدا اس طرح ہوئی۔ کہ سب سے پہلے ابو عامر راہب (جو مدینہ کا
باشندہ قبیلہ اَوس سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اپنی قوم میں بڑا بزرگ سمجھا جاتا تھا۔ مدینہ میں مسلمانوں
کے آنے سے آتشِ حسد میں جل بھن گیا تھا۔ اور مکہ میں جاکر رہنے لگا تھا۔ وہ کفار کے ساتھ آیا تھا۔
اور اُس کا خیال تھا۔ کہ میں میدان جنگ میں قبیلۂ اَوس کے لوگوں کو اپنی طرف بلا لوں گا) لشکرِ کفار
سے نکل کر میدان میں آیا۔ اور بنو اَوس کو آواز دی۔ مگر انصارؓ نے اُس کو دھتکار دیا۔ اور وہ شرمندہ
و روسیاہ ہوکر رہ گیا۔ اس کے بعد طرفین سے حملہ آوری ہوئی۔ حضرتِ حمزہؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت
ابودجانہؓ وغیرہ صحابہ کرام نے وہ وہ جواں مردانہ و شجاعانہ کارہائے نمایاں ظاہر کئے۔ کہ کفار کے حوصلے
پست ہوگئے۔ حضرت ابودجانہؓ کفار کو قتل کرتے اور صفوں کو چیرتے ہوئے اُس مقام تک پہنچ گئے۔
کہ ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان اُن کی زد پر آگئی۔ اور اُس نے اپنے آپ کو قتل ہوتے ہوئے دیکھ کر
چیخ ماری۔ حضرت ابودجانہؓ نے یہ دیکھ کر کہ عورت ہے فوراً اپنا ہاتھ روک لیا۔ کہ آنحضرت صلعم کی
تلوار عورت کے خون سے آلودہ نہ ہو۔ اس طرح ہند بنت عتبہ کی جان بچی۔

حضرت حمزہ کی شہادت حضرت حمزہؓ نے حملہ کر کے مشرکین کے علمبردار طلحہ کو قتل کیا اور پھر دودستی تلوار چلاتے اور مشرکین کی صفوف کو درہم برہم کرتے ہوئے بڑھے چلے جاتے تھے حبشی غلام وحشی نے آپ کو بڑھتے ہوئے دیکھا اور ایک پتھر کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گیا جب آپ کفار کو مارتے اور ہٹاتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ تو اس نے موقع پاکر اپنا حربہ پھینک مارا۔ اور وہ نیزہ ایک پہلو سے دوسرے پہلو کے پار نکل گیا۔ حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے۔ اور وحشی نے جاکر ہند بنت عتبہ کو حضرت حمزہؓ کے شہید کر دینے کی خبر سنائی۔ حضرت حنظلہؓ نے حملہ کر کے کفار کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا اور ابوسفیان تک پہنچ گئے حضرت حنظلہؓ ڈر کر ابوسفیان پروار ہی کرنا چاہتے تھے۔ کہ شداد بن اسود لیثی نے پیچھے سے آکر اُن پر وار کیا اور وہ شہید ہو گئے۔ حضرت نضر بن انس اور سعدؓ بن الربیع نے بھی بڑی بڑی چپقلش مردانہ دکھائی۔ قریش کے بارہ علمبردار یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ جن میں سے آٹھ کو صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قتل کیا ان کے علمبرداروں میں سے جب ایک قتل ہوتا اور علم گرتا تو دوسرا آکر اٹھا لیتا تھا۔ اسی طرح جب آخری علمبردار صواب قتل ہوا۔ تو پھر کسی کو علم کے اٹھانے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اور وہ جھنڈا اسی طرح زمین پر پڑا رہا مسلمانوں کے صف شکن حملوں اور جوانمردانہ شمشیر زنی کے مقابلے میں کفار کے تین ہزار بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دوپہر کے قریب کفار پسپا ہونے شروع ہوئے۔ اول تو وہ الٹے پاؤں لڑتے ہوئے پیچھے ہٹتے رہے۔ پھر پشت پھیر کر فرار ہونے لگے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی حد سے بھی نکل گئے۔ اور مسلمانوں نے قریش کی عورتوں کو جو پیچھے دف بجا بجا کر اشعار گا رہی اور اپنے مردوں کو لڑنے کی ترغیب دلا رہی تھیں دیکھا کہ وہ اپنا تمام ساز و سامان چھوڑ چھاڑ کر بھاگ رہی اور بھگوڑوں کے ساتھ شامل ہو رہی ہیں ہند بن عتبہ بھی جو عورتوں کی جرنیل تھی بدحواسی کے ساتھ بھاگی اور اپنا تمام سامان میدان میں چھوڑ گئی۔

پانسہ پلٹ گیا غرض مشرکوں کی شکست اور مسلمانوں کی فتح میں اب کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا تھا۔ کفار جب مسلمانوں کے مقابلے سے بھاگے ہیں۔ تو دوپہر کا وقت تھا۔ کفار کو بھاگتے ہوئے اور اُن کے جھنڈے کو دیر تک زمین پر پڑے ہوئے دیکھ کر تیر اندازوں کو جو گھاٹی کی حفاظت کے لئے تعینات کئے گئے تھے اس بات کا شوق اور جوش پیدا ہوا۔ کہ ہم بھی کفار کے تعاقب میں شریک ہو جائیں اُن کے سردار حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے اُن کو ہر چند روکا کہ جب تک آنحضرت صلعم کا حکم نہ ہو ہم کو اپنی جگہ سے نہیں ہلنا چاہیے۔ مگر فتح کی خوشی اور کفار کے تعاقب کے شوق نے اُن کو کچھ نہ سننے دیا۔ اور انہوں نے اپنی جگہ کو چھوڑ دیا خالد بن ولید جو لشکر قریش کے دستہ میمنہ کے افسر تھے اس گھاٹی کی اہمیت کو خوب تاڑ گئے تھے انہوں نے اپنے سو سواروں کا دستہ لے کر اور ایک میل کا چکر کاٹ کر پہاڑی کے پیچھے ہو کر اسی گھاٹی سے نکل کر یک لخت مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیرؓ مع چند ہمراہی اپنی جگہ موجود تھے لیکن وہ اس دستہ کو روک نہ سکے کیونکہ ان کے ماتحت قریباً تمام تیرانداز پہلے ہی اس مقام سے جا چکے تھے۔ عبداللہ بن جبیرؓ اسی جگہ شہید ہو گئے۔ اس اچانک حملہ نے جو بالکل غیر متوقع

طور پر ہوا۔ اور تیر اندازوں کے جگہ چھوڑ دینے کی وجہ سے ہوا مسلمانوں میں کچھ پریشانی سی پیدا کردی۔ جو لوگ کفار کے

مسلمانوں کو اس حالت میں دیکھ کر عکرمہ بن ابوجہل نے بھی دوسری طرف سے اپنے سواروں کا دھاوا بول دیا۔ ساتھ ہی ابوسفیان جو میدان چھوڑ کر فرار ہو چکے تھے۔ اپنے آدمیوں کو سمیٹ کر اور سب بھاگتے ہوؤں کو روک کر لوٹے۔ اور لشکر کفار نئے جوش اور نئی ہمت کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں پر یہ تمام حملے یکے بعد دیگرے اور اچانک طور پر ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ مسلمان ہر طرف سے کفار کے نرغہ میں آگئے اور ان کی جمعیت میں انتشار اور سراسیمگی پیدا ہوگئی۔ میدانِ جنگ کی یہ صورت ہوگئی۔ کہ جا بجا تھوڑے تھوڑے مسلمان بہت بہت کافروں کے غول میں گھر گئے ایک کی دوسرے کو خبر نہ رہی۔ اور ہر طرف سے ان پر تلواریں برسنے لگیں۔ آنحضرت صلعم بھی صرف بارہ صحابیوں کے ساتھ ایک کفار کے نرغہ میں آگئے۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر علم لئے ہوئے آپ کے قریب ہی استادہ تھے۔ کفار کے ایک مشہور شہسوار ابن قمیہ لیثی نے حملہ کیا۔ اور حضرت مصعبؓ بن عمیر کو شہید کردیا۔ حضرت مصعبؓ چونکہ آنحضرت صلعم کے ہم شبیہ تھے۔ اس لئے اس نے سمجھا کہ محمد صلعم شہید ہوگئے۔ ابن قمیہ نے ایک بلند مقام پر چڑھ کر بلند آواز سے کہا۔ قد قتلت محمدًا اس آواز سے مشرکوں کے دل بڑھ گئے۔ اور وہ خوشی سے اچھلنے لگے۔ مسلمان اس آواز کو سن کر اپنی اپنی جگہ حیران و ششدر رہ گئے۔ کعب بن مالکؓ نے آپ کو دیکھا تو بلند آواز سے کہا کہ "مسلمانو! خوش ہو جاؤ رسول اللہ زندہ و سلامت موجود ہیں" پھر آنحضرت صلعم نے بلند آواز سے فرمایا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ (خدا کے بندو میری طرف آؤ میں خدا کا رسول ہوں) یہ آواز سن کر مسلمان ہر طرف سے آپ کی طرف آنے شروع ہوئے۔ کفار سے لڑتے اُن کے حملوں کو روکتے اور اُن کو مارتے ہوئے آنحضرت صلعم کے قریب پہنچے۔ اُدھر آنحضرت صلعم کی اس آواز نے کفار کو بھی بتا دیا۔ کہ آپ کس جگہ تشریف فرما ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی سب اُسی طرف متوجہ ہوگئے۔ اور وہ مقام جہاں آنحضرت صلعم تشریف رکھتے تھے لڑائی کا مرکز بن گیا۔

کچھ لوگ مسلمانوں کی فوج کے ایسی حالت اور ایسے مقامات پر تھے۔ کہ وہ آنحضرت صلعم تک نہ پہنچ سکے۔ اور ادھر اُدھر منتشر ہوگئے۔ اس پریشانی اور کارزار کے عالم میں عبداللہ بن شہاب زہری نے آنحضرت صلعم کے قریب پہنچ کر آپ پر وار کیا۔ جس سے چہرۂ مبارک زخمی ہوا۔ ابن قمیہ نے آپ کے قریب پہنچ کر تلوار کا ایک ایسا زبردست ہاتھ مارا کہ خود کے دو حلقے آپ کے چہرۂ مبارک میں آنکھ سے نیچے کی ہڈی میں گھس گئے۔ ان کو حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح نے دانت سے پکڑ کر کھینچا۔ تو اُن کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ کفار کی پوری طاقت اب آنحضرت صلعم کی ذاتِ مبارک پر حملے میں صرف ہونے لگی

شمع رسالت کے پروانے

ادھر چند جاں نثاروں نے آپ کے گرد ایک حلقہ بنا لیا۔ حضرت ابودجانہؓ نے آپ کی طرف منہ کرکے اپنی پشت کو سپر بنا لیا۔ پشت کو سپر بنانے میں یہ مدعا تھا۔ کہ جو تیر آئے وہ اُن کے جسم پر لگے اگر منہ کفار کی طرف اور پشت آنحضرت صلعم کی طرف ہوتی تو ممکن تھا کہ تیر کو آتے ہوئے دیکھ کر فطری طور پر جھجک جائیں ہو۔ اور اپنے جسم کو بچائیں۔ اور مبادا تیر آنحضرت صلعم تک پہنچ جائے چنانچہ اُن کی پشت تیروں سے چھلنی ہوگئی۔ اور وہ اسی طرح

کھڑے ہے۔ حضرت سعدؓ بن وقاص اور حضرت ابو طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف آنحضرت صلعم کی حفاظت کے لئے دیوار آہنی کی طرح ڈٹ کر کھڑے ہوگئے اور تیر و تلوار چلا چلا کر دشمنوں کو روکتے ہے حضرت طلحہؓ دشمنوں کی تلواروں کو اپنے ہاتھ پر روکتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کا ہاتھ زخموں کی کثرت سے بیکار ہوگیا تھا حضرت زیادؓ بن سکنؓ انصاری معہ اپنے پانچ ہمراہیوں کے آنحضرت صلعم کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے حضرت عمارہؓ بن زیاد بھی آنحضرت صلعم کی حفاظت میں پروانہ وار شہید ہوئے۔ اُمِّ عمارہ جن کا نام نسیبہ بن بنت کعبؓ تھا لشکر اسلام کے پیچھے پیچھے لڑائی دیکھنے کی غرض سے گئی تھیں جب لڑائی کا رنگ دوپہر کے بعد یکایک تبدیل ہوا۔ تو وہ آنحضرت صلعم کے قریب پہنچ گئیں ابن قمیہ نے جب آنحضرت صلعم پر وار کیا۔ تو ام عمارہ نے تلوار لے کر ابن قمیہ پر پے در پے کئی وار کئے۔ مگر چونکہ دوہری زرہ پہن رہا تھا اُس پر اثر نہ ہوا اُس نے اُمِّ عمارہ کے تلوار کا ایک ہاتھ مارا۔ تو شانہ کے قریب ان کا ہاتھ زخمی ہو گیا۔

حضرتؐ کی استقامت — جب کہ آنحضرت صلعم کے گرد خوب زور شور سے ہنگامہ کارزار گرم تھا۔ ایک شقی نے دور سے ایک پتھر پھینک کر مارا جس سے آپؐ کا ہونٹ زخمی ہوا اور نیچے کا ایک دانت شہید ہوگیا اسی حالت میں آپؐ کا پائے مبارک ایک گڑھے میں جا پڑا۔ اور آپؐ گر گئے حضرت علیؓ نے آپؐ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت طلحہؓ نے آپؐ کو اُٹھا کر باہر نکالا۔ آپؐ کے گرد جب صحابہ کرامؓ کی ایک مختصر جماعت فراہم ہوگئی! اور لڑائی شدت سے جاری ہوئی تو کفار کے حملوں میں سُستی پیدا ہونے لگی اور صحابہ کرامؓ نے کفار کو مار کر ہٹا دیا اس حالت میں آنحضرت صلعم نے پہاڑ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا اور صحابہ کرامؓ کی جماعت کے ساتھ پہاڑ کی ایک بلندی پر چڑھ گئے مدعا اس سے یہ تھا۔ کہ کفار کے زغہ سے نکل کر پہاڑ کو پشت پر لے لیں۔ اور لڑائی کا ایک محاذ قائم ہو جائے چنانچہ یہ تدبیر یعنی لڑائی کے لئے بہترین مقام کو حاصل کرنا بہت مفید ثابت ہوا مسلمانوں کے بلند مقام پر چڑھ جانے کے بعد ابوسفیانؓ نے بھی پہاڑ پر چڑھنا چاہا اور وہ کفار کی ایک جماعت کو لے کر دوسرے راستے سے زیادہ بلند مقام پر پہنچنا چاہتا تھا۔ کہ آنحضرت صلعم نے حضرت عمر فاروقؓ کو حکم دیا۔ کہ ان کو اوپر چڑھنے سے باز رکھو حضرت عمر فاروقؓ چند ہمراہیوں کے ساتھ اُس طرف روانہ ہوئے اور ابوسفیان کی جماعت کو نیچے دھکیل دیا۔

اب مسلمانوں کی جمعیت جلد جلد بڑھنے لگی مسلمان جو منتشر ہوگئے تھے۔ پہاڑ کی اس بلندی پر آ آ کر آنحضرت صلعم کے گرد جمع ہونے لگے۔ کفار کو اب یہ جرأت نہ ہوئی کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوں۔ مگر ایک کافر اُبی بن خلف جو آنحضرت صلعم کے قتل کا پہلے سے ارادہ کرکے آیا تھا۔ اپنے گھوڑے پر سوار آنحضرت صلعم پر حملہ آور ہوا اس کو آتے ہوئے دیکھ کر آپؐ نے فرمایا اس کو آنے دو۔ وہ قریب پہنچ کر آپؐ پر حملہ کرنا ہی چاہتا تھا۔ کہ آپؐ نے ایک صحابی حارث بن صمہ کے ہاتھ سے نیزہ لے کر اُس پر وار کیا۔ نیزہ کی اَنی اُس کی ہنسلی یعنی گردن کی نیچے کی ہڈی میں لگی۔ یہ زخم بہت معمولی سا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن وہ یہ زخم کھا کر نہایت بدحواسی کے ساتھ بھاگا۔ وہ جب حملہ آور ہوا تھا۔ تو یہ شور مچاتا ہوا چلا تھا۔ کہ میں محمد (صلعم) کو ضرور قتل کرکے آؤں گا اس بدحواسی و سراسیمگی کے ساتھ جب بھاگ گیا تو مشرکین نے اس کا مذاق اُڑایا چنانچہ اسی زخم کی وجہ سے وہ واپسی میں مکہ پہنچنے سے پہلے راستہ ہی میں مر گیا۔ اور یہی ایک شخص ہے جو آنحضرت صلعم کے ہاتھ سے مارا گیا

ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا فی القوم محمد (کیا تم لوگوں میں محمد ہیں؟) آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا اس کو جواب نہ دو۔ پھر اس نے پوچھا کیا تم میں ابوبکر صدیقؓ ہیں؟) اس طرف سے کچھ جواب نہ ملا۔ پھر اس نے پوچھا۔ کہ کیا تم میں عمر ابن الخطابؓ ہیں؟ اس پر بھی سکوت رہا۔ پھر وہ بولا۔ "معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ سب قتل ہو گئے" اس پر حضرت عمر فاروق کو تاب نہ رہی فوراً چلا کر بولے۔ "اے دشمنِ خدا یہ سب زندہ ہیں اور تو رسوا ہو گا" یہ سُنکر کچھ متعجب سا ہوا۔ اور فخریہ لہجے میں کہنے لگا اُعْلُ ھُبَلْ اُعْلُ ھُبَلْ (ہبل کی جے ہبل کی جے) آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ سے کہا۔ اس کو جواب دو کہ اَللّٰہُ اَعْلیٰ وَ اَجَلُّ (اللہ برتر و بزرگ ہے) ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کی زبان سے یہ سُن کر کہا لَنَا عُزّیٰ وَلَا عُزّیٰ لَکُمْ (عزّیٰ بت ہمارا ہے تمھارا نہیں ہے) عمر فاروقؓ نے آنحضرت صلعم کے ارشاد کے موافق جواب دیا اَللّٰہُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلیٰ لَکُمْ (اللہ ہمارا والی ہے تمھارا والی نہیں ہے) ابوسفیان نے کہا کہ یہ "لڑائی جنگِ بدر کے برابر ہو گئی۔ یعنی ہم نے جنگِ بدر کا بدلہ لے لیا" حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلعم کے ارشاد کے موافق جواب دے دیا۔ "نہیں برابری نہیں ہوئی۔ کیونکہ ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمھارے مقتولین دوزخ میں" اس کے بعد ابوسفیان خاموش ہو گیا۔ پھر اُس نے بلند آواز سے کہا۔ کہ "اب ہمارا تمھارا مقابلہ آئندہ سال پھر بدر میں ہو گا" آنحضرت صلعم نے حکم دیا۔ کہ کہہ دو نَعَمْ ھُوَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ مَوْعِدٌ (اچھا ہم کو یہ وعدہ منظور ہے) ابوسفیان یہ باتیں کہہ سُن کر وہاں سے چل دیا۔ آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کو ابوسفیان کے پیچھے بھیجا کہ ان کی روانگی کا نظارہ دیکھو۔ اگر انھوں نے اونٹوں پر کجاوے کسے اور گھوڑے کوتل رکھے تو یہ مکہ کو جانا چاہتے ہیں۔ اور اگر اس کے خلاف گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ اور اونٹوں پر کجاوے نہیں کسے تو مدینے پر حملہ کا قصد رکھتے ہیں۔ اگر انھوں نے مدینے پر حملہ کا قصد کیا۔ تو ہم ان پر ابھی حملہ آور ہوں گے۔ حضرت علیؓ گئے۔ اور تھوڑی دیر میں واپس آکر خبر لائے کہ وہ اُونٹوں پر سوار ہو کر گھوڑوں کو کوتل رکھے ہوئے ہیں۔

میدانِ جنگ کا نظارہ:۔ اس کے بعد مطمئن ہو کر آپ پہاڑی سے اُترے۔ میدان میں شہدا کی لاشوں کو دفن کیا گیا۔ ۶۵ انصار اور چار مہاجرین شہید ہوئے تھے۔ کافروں نے بعض شہدا کی لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان نے موقع پاکر حضرت امیر حمزہؓ کی لاش کا مثلہ کیا۔ یعنی اِن کے ناک۔ کان وغیرہ کاٹ ڈالے تھے۔ آنکھیں نکال لی تھیں۔ سینہ چاک کر کے جگر کاٹ کر نکالا۔ اور اُس کو دانتوں سے چبایا۔ مگر نگل نہ سکی اُگل دیا۔ اسی لیے

جگر خوارہ مشہور ہوئی۔ زبیر بن العوامؓ کی والدہ حضرت صفیہؓ جو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالے عنہ کی حقیقی بہن تھیں۔ بھائی کی لاش کو دیکھنے آئیں۔ آنحضرت صلعم نے زبیرؓ سے کہا کہ اُن کو لاش کے پاس جانے سے روکو۔ انھوں نے منع کیا۔ تو حضرت صفیہؓ نے فرمایا۔ کہ مجھ کو معلوم ہو چکا ہے کہ میرے بھائی کی لاش کا مُثلہ کیا گیا ہے۔ میں نوحہ کرنے نہیں آئی۔ میں صبر کروں گی اور دعائے مغفرت مانگوں گی۔ آنحضرت صلعم نے یہ سُنکر اجازت دے دی۔ انھوں نے اپنے بھائی کی لاش اور اُن کے جگر کے ٹکڑے زمین پر پڑے ہوئے دیکھے۔ صبر کیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیۡهِ رَاجِعُوۡنَ پڑھا۔ دعائے مغفرت کی اور چلی آئیں۔ علمبردارِ اسلام حضرت حضرت مُصعَب بن عمیرؓ کے کفن کے لئے صرف ایک چادر تھی۔ جو اس قدر چھوٹی تھی۔ کہ سر چھپاتے تھے۔ تو پاوں کھل جاتے تھے۔ پاوں چھپاتے تھے۔ تو سر کھل جاتا تھا آخر سر چھپایا اور پاوں کو گھاس ڈال کر چھپایا تمام شہدا بلا غسل ایک ایک قبر میں دو دو دفن کئے گئے۔ میدانِ جنگ سے فارغ ہو کر مدینہ کی طرف چلے تو راستے میں حضرت مصعبؓ بن عمیر کی بیوی حمنہ بنت جحشؓ آتی ہوئی ملیں۔ اُن کو اُن کے ماموں حضرت حمزہؓ کی شہادت کی خبر سُنائی گئی۔ اُنھوں نے انا للہ پڑھا۔ پھر اُن کے بھائی عبداللہ بن جحشؓ کی شہادت کا حال سُنایا۔ اُنھوں نے انا للہ پڑھ کر دعائے مغفرت کی۔ پھر اُن کے شوہر مصعب بن عمیرؓ کی شہادت کی خبر دی گئی۔ یہ خبر سُن کر وہ بے تاب ہوگئیں۔ اور رو پڑیں۔ آپ نے یہ کیفیت دیکھ کر فرمایا۔ کہ عورت کو شوہر کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔

انصار کے قبیلہ کی ایک خاتون کے باپ۔ بھائی اور شوہر تینوں شہید ہو گئے تھے۔ وہ آنحضرتؐ کی شہادت کی افواہ سُن کر مدینہ سے چلیں۔ راستے میں کسی نے کہا۔ کہ تمھارا باپ شہید ہو گیا۔ انھوں نے فرمایا۔ یہ بتاو۔ آنحضرت صلعم تو بخیریت ہیں؟ پھر اُن سے کہا گیا تمھارا بھائی بھی شہید ہو گیا۔ انھوں نے یہ سُن کر بھی یہی کہا۔ مجھ کو آنحضرت صلعم کی خیریت سُناؤ پھر اُن سے کہا گیا۔ کہ تمھارا شوہر بھی شہید ہو گیا۔ انھوں نے یہ سُن کر بھی یہی فرمایا۔ کہ مجھ کو آنحضرت صلعم کا حال سُناو۔ اتنے میں آنحضرت صلعم بھی قریب پہنچ گئے تھے۔ اُن کو بتایا گیا۔ کہ آنحضرت صلعم تو وہ تشریف لا رہے ہیں۔ آپ کا چہرہ مبارک دیکھ کر اُس خاتونؓ نے فرمایا۔ کہ جب آپ سلامت ہیں۔ تو پھر تمام مصائب ہیچ ہیں۔

اس لڑائی میں جو مدینے سے صرف تین چار میل کے فاصلہ پر ہوئی تھی۔ عہدنامے کے موافق یہود مدینہ کو مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑنا اور کفار مکہ کا مقابلہ کرنا چاہیے تھا۔

عبداللہ بن اُبی کے واپس آنے اور جمعیت کے کم ہو جانے کے بعد بعض صحابہؓ نے آنحضرت صلعم سے یہ عرض بھی کیا تھا۔ کہ یہودیوں سے مدد طلب کرنی چاہیئے مگر آپ نے یہودیوں سے مدد مانگنی مناسب نہیں سمجھی۔ چنانچہ یہودی مزے سے اپنے گھروں میں بیٹھے اور اس لڑائی کے نتیجے کا انتظار دیکھتے رہے۔ یہودیوں میں سے ایک شخص مخیریق نامی نے اپنی قوم سے کہا۔ کہ تم پر محمد صلعم کی مدد فرض ہے۔ انھوں نے کہا کہ آج شنبہ کا دن ہے ہم نہیں لڑ سکتے۔ مخیریق نے کہا کہ یہ نبی اور کفار کا مقابلہ ہے۔ شنبہ مانع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس نے تلوار اٹھائی۔ اور سیدھا میدانِ جنگ میں پہنچا۔ جاتے ہوئے یہ اعلان کر گیا۔ کہ اگر میں مارا جاؤں تو محمد صلعم سے کچھ تعارض نہ کرنا۔ لڑائی میں شریک ہوا اور مقتول ہوا۔ آنحضرت صلعم کو جب یہ حال معلوم ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ وہ بہترین یہود تھا۔ ایک شخص حارث بن سوید نامی منافق مسلمانوں کے ہمراہ میدانِ جنگ تک گیا۔ جب لڑائی شروع ہوئی۔ تو مجذر بن زیادؓ اور قیس بن زیدؓ دو مسلمانوں کو شہید کر کے مکہ کی طرف بھاگ گیا۔ چند روز کے بعد مدینے میں واپس آیا۔ اور گرفتار ہو کر حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس لڑائی میں سب سے بڑا فائدہ مسلمانوں کو یہ ہوا۔ کہ وہ منافقوں کو خوب پہچان سکے اور دوست و دشمن میں تمیز کرنے کے موقعے ان کو مل گئے۔ مدینہ پہنچ کر اگلے دن یعنی شوال ۳ھ بروز یک شنبہ آنحضرت صلعم نے حکم دیا۔ کہ جو لوگ کل لڑائی میں شریک تھے۔ صرف وہی کفار سے مقابلہ کرنے کے لئے نکلیں۔ کسی نئے شخص کو یعنی ایسے شخص کو ہمراہ چلنے کی اجازت نہ تھی۔ جو جنگِ اُحد میں شریک نہ تھا۔ صرف ایک شخص جابر بن عبداللہؓ کو آپ نے ہمراہ چلنے کی اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ تمام صحابہؓ جو شریکِ جنگ اُحد تھے۔ حتیٰ کہ زخمی بھی آپ کے ساتھ مدینے سے نکلے۔ آپ نے مدینے سے روانہ ہو کر آٹھ میل چل کر مقام حمراء الاسد میں مقام کیا۔ اور تین دن تک آپ حمراء الاسد میں مقیم رہے۔ اتفاقاً معبد بن ابی معبد خزاعی جو مکہ کو جا رہا تھا۔ اس طرف سے گذرا۔ مقام روحا میں پہنچ کر مشرکین نے سوچا۔ کہ اس لڑائی میں ہم کو مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی فتح نہیں ہوئی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ برابر کا مقابلہ رہا۔ کیونکہ اگر ہم یہ کہیں گے۔ کہ فتح مند واپس آ رہے ہیں۔ تو لوگ پوچھیں گے۔ کہ تمھارے ساتھ مسلمان قیدی کہاں ہیں؟ پھر پوچھیں گے۔ کہ مالِ غنیمت کہاں ہے پس جب کہ کوئی قیدی ہمارے پاس نہیں۔ مالِ غنیمت بھی نہیں۔ اور ولید بن عاصی۔ ابو امیہ بن ابی حذیفہ۔ ہشام بن ابی حذیفہ۔ ابی بن خلف۔ عبداللہ بن حمید اسدی۔ طلحہ بن ابی طلحہ۔ ابو سعید بن ابو طلحہ۔ مسافع و جلاس پسرانِ طلحہ۔ ارطاۃ بن شرجیل وغیرہ ستر ایسے شخص جو مشہور سردارانِ قریش

ہیں تھے اور پانچ چھ دوسرے بہادر قتل کرا آئے۔ تو ہم کو کون فتح مند خیال کرے گا۔ جب کہ ہمارے ہاتھ سے صرف حمزہؓ و مصعبؓ وغیرہ تین چار قابلِ تذکرہ آدمی مقتول ہو سکے۔ یہ سوچ کر سب کی رائے بدلی۔ از سیر نو پھر مارنے مرنے پر اظہار مستعدی کیا گیا۔ اور ابوسفیان اس تمام لشکر کو لے کر مقام روحا سے واپسی پر آمادہ ہوا۔ کہ مدینہ پر حملہ آور ہو۔ اسی حالت میں معبد بن ابی معبد مقام روحا میں پہنچا۔ اُس نے ابوسفیان کو خبر سُنائی۔ کہ محمد (صلعم) مدینہ سے نکل کر تمھارے تعاقب میں روانہ ہو چکے ہیں۔ مجھ کو اُن کا لشکر حمراء الاسد میں ملا تھا۔ اور وہ غالباً بہت جلد تم تک پہنچ جانے والے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی لشکر کفار بدحواس ہو کر وہاں سے سیدھا مکہ کی جانب روانہ ہوا۔ اور مکہ پہنچ کر اُس کے دم میں دم آیا۔ آنحضرت صلعم کو جب یہ تحقیق ہو گیا۔ کہ کفار بدحواسی سے مکہ کی طرف بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ تو آپؐ واپس مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے۔ یہ سفر آپؐ کا غزوۂ حمراء الاسد کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے ذریعہ کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رُعب قائم ہوا۔ اور مدینہ اُن کے حملے سے محفوظ رہا۔ جنگ اُحد میں تیراندازوں کی غلطی اور حکم کی تعمیل میں کوتاہی کرنے کے سبب مسلمانوں کو صدمہ پہنچا۔ اور پریشانی کا سامنا ہوا۔ اس جنگ کی نسبت عام طور پر مشہور ہے۔ کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ لیکن وہ بہت بڑی غلطی ہے۔ مسلمانوں نے کفار کو اپنے سامنے سے بھگا دیا تھا۔ اور کفار شکست پا چکے تھے۔ بعد میں وہ پھر حملہ آور ہو سکے لیکن آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کے لشکر نے میدان نہیں چھوڑا۔ کفار ہی نے جنگ کو آئندہ سال پر ملتوی کیا۔ اور مسلمانوں نے اس التوا کو منظور کر لیا۔ میدان سے اوّل کفار مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بعد میں مسلمان وہاں سے مدینہ کی طرف چلے۔ حمراء الاسد میں مسلمانوں کے آنے کی خبر سُن کر کفار ہی سراسیمہ ہو کر بھاگے۔ ہاں اس میں شک نہیں۔ کہ مسلمان کفار مقتولین کی نسبت زیادہ شہید ہوئے۔ اور یہ میدانِ جنگ کے معمولی واقعات ہیں۔ اس لڑائی کے بعد ماہِ ذی الحجہ تک اس سال میں اور کوئی قابلِ تذکرہ واقعہ نہیں ہوا۔ اسی سال نصف رمضان المبارک کے قریب حضرت حسن ابن علیؓ پیدا ہوئے۔ جنگ اُحد میں مسلمانوں کو چشم زخم پہنچنے سے مدینہ کے منافق اور یہودی بہت خوش ہوئے۔ اور اُن کی جراتیں بڑھ گئیں۔ مگر آنحضرت صلعم درگذر ہی سے کام لیتے رہے۔

بدعہدی اور شرارت

ہجرت کا چوتھا سال:۔ یکم محرم سنہ ۴ ہجری کو آنحضرت صلعم کے پاس خبر پہنچی۔ کہ مقام قطن میں قبیلہ

بنی اسد کے بہت سے مفسد جمع ہو گئے ہیں۔ اور مسلمانوں پر حملہ کا قصد رکھتے ہیں۔ طلحہ بن خویلد اور سلمہ بن خویلد اُن کے سردار ہیں۔ اس خبر کو سُن کر آپ نے ابوسلمہ مخزومی کو ڈیڑھ سو مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ کہ ان شریروں کی گوشمالی کریں۔ جب سلمہؓ قطن میں پہنچے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ دشمن مسلمانوں کے آنے کی خبر سُن کر پہلے ہی فرار ہو گیا۔ دشمن کے کچھ مویشی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ اُن کو لے کر ابوسلمہؓ مدینہ واپس آئے۔ وادیٔ عرفات کے قریب عرنہ ایک مقام ہے وہاں سفیان بن خالد ہذلی ایک سخت کافر رہتا تھا۔ اُس نے کفار کو جمع کرنے اور مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں شروع کیں۔ اس کی ان تیاریوں کی خبریں آنحضرت صلعم کے پاس بہ تواتر پہنچنی شروع ہوئیں۔ آپ نے ۵ محرم ۴ھ کو سفیان بن خالد ہذلی کی جانب عبداللہ بن انیسؓ کو روانہ کیا۔ عبداللہ بن انیسؓ دن کو چھپتے رات کو چلتے ہوئے مقام عرنہ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر کسی ترتیب سے اس کا سر کاٹ لیا۔ اور وہ سر لے کر صاف بچ کر نکل آئے۔ اٹھارہ دن کے بعد ۲۳ محرم ۴ھ کو مدینے پہنچے۔ اور وہ سر آپ کے پاؤں میں ڈال دیا۔ ماہِ صفر ۴ھ میں قریش مکہ نے عضل و قارہ (برادر بنو اسد) کے سات آدمیوں کو براہِ فریب آنحضرت صلعم کی خدمت میں بھیجا۔ انھوں نے مدینے پہنچ کر آپ سے عرض کیا۔ کہ ہماری ساری قوم نے اسلام میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے آپ ہمارے ساتھ سکھلانے والے معلمین بھیج دیجے۔ کہ وہ ہم کو اسلام سکھائیں۔ آپ نے اصحاب کرامؓ میں سے دس اور بقول ابن خلدون چھ آدمیوں کو ہمراہ کر دیا۔ مرثد بن ابی مرثدؓ غنوی یا عاصم بن ثابتؓ بن ابی الافلح کو اس بزرگ جماعت کا سردار مقرر فرمایا۔ جب یہ لوگ سفر کرتے ہوئے قبیلۂ ہذیل کے ایک تالاب موسومہ رجیع پر پہنچے۔ تو ان غداروں نے قبیلۂ ہذیل کے دو سو نوجوانوں کو بلا لیا۔ یہ قبیلہ بھی پہلے ہی سے شریکِ سازش تھا۔ مسلمانوں نے جب اپنے آپ کو کفار کے گروہ میں محصور پایا۔ تو وہ فوراً جرأت کر کے قریب کی پہاڑی پر چڑھ گئے۔ اور ان کا مقابلہ شروع کیا۔ کفار نے ان دس آدمیوں کو آسانی سے گرفتار کرنا دشوار سمجھ کر دھوکے سے کام لینا چاہا۔ اور کہا کہ ہم تو صرف تم کو آزمانے نکلے کہ اگر اہل مکہ نے مقابلہ کیا۔ تو تم ان کے مقابلے میں ٹھہر سکو گے یا نہیں مسلمانوں نے ان کے قول و اقرار پر اعتبار نہ کیا۔ بالآخر مسلمانوں کے دو آدمیوں کو وہ زندہ گرفتار کر سکے۔ باقی کفار سے لڑ کر شہید ہو گئے۔

ان دونوں گرفتار ہونے والے بزرگوں کے نام خبیبؓ بن عدی اور زید بن الدثنہؓ تھے۔ ان دونوں کو وہ مکہ میں لے گئے۔ قریش نے گرفتار کرنے والوں کو کافی صلہ دے کر دونوں

کو حارث بن عامر کے گھر میں چند روز بھوکا پیاسا قید رکھا۔ ایک روز حارث کا چھوٹا سا بچہ چھری لیئے ہوئے کھیلتا ہوا حضرت خبیبؓ کے پاس پہنچ گیا۔ انھوں نے بچے کو اپنے زانو پر بٹھا لیا۔ اور چھری لے کر الگ رکھ دی۔ بچے کی ماں نے جب دیکھا۔ کہ بچہ قیدی کے پاس پہنچ گیا ہے۔ اور تیز چھری بھی وہیں موجود ہے۔ تو وہ بے اختیار چیخ مار کر رونے لگی۔ حضرت خبیب نے فرمایا۔ کہ میں تمھارے بچے کو ہرگز قتل نہ کروں گا۔ تم مطمئن رہو۔ چند روز کے بعد حضرت زیدؓ کو صفوان بن امیہ نے لیا۔ اور اپنے باپ کے (جو بدر میں مقتول ہوا تھا) خون کا عوض لینے کے لئے اپنے غلام نسطاس کے سپرد کیا۔ کہ حدودِ حرم سے باہر لے جا کر قتل کرے۔ وہ حضرت زیدؓ کو باہر لے گیا۔ قریش اور اہلِ مکہ اس قتل کا تماشہ دیکھنے کے لئے گروہ در گروہ آ آ کر جمع ہو گئے۔ تماشائیوں میں سے ابو سفیان نے آگے بڑھ کر کہا۔ کہ زیدؓ اب تم بھوکے پیاسے قتل ہوتے ہو، کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو۔ کہ اس وقت تم اپنے اہل و عیال میں آرام سے ہوتے۔ اور ہم بجائے تمھارے محمد (صلعم) کی (نعوذ باللہ) گردن مارتے۔ زیدؓ نے نہایت سختی و بہادری سے جواب دیا۔ کہ واللہ ہم ہرگز پسند نہ کریں گے۔ کہ ہم اپنے اہل و عیال میں ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک کانٹا بھی چبھے۔ ابو سفیان نے کہا۔ واللہ میں نے آج تک کوئی کسی کا دوست ایسا نہیں دیکھا جیسے محمد (صلعم) کے دوست ہیں۔ اس کے بعد حضرت زیدؓ کو شہید کر دیا گیا۔ حضرت خبیبؓ کو حجیر بن ابی اہاب نے لیا تھا۔

حضرت زیدؓ کے بعد حضرت خبیبؓ قتل گاہ میں لائے گئے۔ تو انھوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت چاہی اور یہ اجازت مل گئی۔ انھوں نے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ بعد نماز انھوں نے مشرکین سے کہا۔ کہ میں نماز کو بہت طویل کرنا چاہتا تھا۔ مگر محض اس خیال سے کہ تم یہ نہ کہو کہ قتل سے ڈرتا ہے اور ڈر کر نماز کے بہانے دیر لگاتا ہے۔ میں نے نماز جلدی جلدی پڑھ لی ہے۔ مشرکوں نے حضرت خبیبؓ کو سولی پر لٹکا دیا۔ اور ہر طرف سے نیزے لے لے کر ان کے جسم کو کچوکے دینا اور چھیدنا شروع کیا۔ تا آنکہ اسی طرح زخم دار ہوتے ہوتے ان کی روح قالب سے پرواز کر گئی۔ حضرت خبیبؓ نے جس بہادری کے ساتھ جان دی ہے۔ اس کی مثالیں تاریخ عالم میں کہیں دستیاب نہیں ہو سکتیں۔

روح فرسا حادثہ!:۔ چند روز بعد اسی ماہ صفر ۴ھ میں ابو براء عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اسلام کی دعوت

دی۔ وہ نہ تو مسلمان ہوا۔ اور نہ اس نے اسلام کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھا۔ بلکہ کہنے لگا۔ کہ مجھ کو اپنی قوم کا خیال ہے۔ آپ کچھ لوگوں کو میرے ساتھ کر دیں۔ کہ وہ نجد میں چل کر میری قوم کو اسلام کی طرف بلوائیں۔ اور نصیحت کریں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ مجھ کو اہل نجد سے اندیشہ ہے کہ وہ اُن مسلمان کو نقصان نہ پہنچائیں۔ ابو برآر نے کہا۔ کہ اس بات کا آپ مطلق اندیشہ نہ کریں۔ میں ان لوگوں کو اپنی حمایت میں لے لوں گا۔ آنحضرت صلعم نے منذر بن عمروؓ ساعدی کو ستر صحابیوں کے ساتھ روانہ فرمایا۔ یہ ستر اصحاب سب کے سب قاری اور قرآن کریم کے حفاظ تھے۔

جب یہ لوگ ارضِ بنو عامر اور حرہ بنو سلیم کے درمیان بیر معونہ پر پہنچے۔ تو آنحضرت صلعم کا خط حرم بن ملجانؓ کے ہاتھ عامر بن الطفیل کے پاس پہنچا۔ یہ عامر بن الطفیل ابو برآر عامر بن مالک مذکور کا بھتیجا تھا۔ اس نے اس خط کو پڑھا تک نہیں۔ اور حضرت حرم بن ملجانؓ کو شہید کر دیا۔ پھر اپنی قوم بنو عامر کو ترغیب دی۔ کہ ان تمام مسلمانوں کو قتل کر دو۔ لیکن بنو عامر نے انکار کیا۔ تب اُس نے بنو سلیم سے کہا۔ چنانچہ بنو سلیم کے سردار رعل، ذکوان اور عصیہ آمادہ ہو گئے۔ اور بلا جرم ظالموں نے سب کو شہید کر ڈالا۔ ابو برآر عامر بن مالک کو اس حادثہ کا بڑا رنج ہوا۔ کہ اس کی امان میں اُس کے بھتیجے نے فتور ڈالا۔ اسی رنج میں چند روز کے بعد وہ مر گیا۔ عامر بن طفیل حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو گرفتار کر کے لے گیا تھا۔ پھر ان کے چہرہ کے بال تراش کر اس نے چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ اس کی ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی ہوئی تھی۔ عامر بن طفیل نے اس منت کو پورا کرنے کے لئے اِن کو چھوڑ دیا۔ جب یہ قید سے چھوٹ کر بیر معونہ سے مدینہ کو آ رہے تھے تو اُن کو دو شخص جو بنو عامر سے تھے۔ راستے میں ملے۔ عمرو بن امیہ ضمریؓ نے اِن کو دشمن سمجھ کر اور موقع پا کر انتقاماً قتل کر دیا۔ مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلعم کو تمام حالات سے اطلاع دی آپ نے ایک مہینے تک ان قاتلوں پر بددعا فرمائی۔ عامر بن طفیل ایک مہینہ بعد طاعون سے ہلاک ہو گیا۔

وفائے عہد:۔ جب آپ نے عمرو بن اُمیہ سے راستہ میں اُن دو شخصوں کے قتل کرنے کا حال سُنا۔ تو فرمایا۔ کہ وہ دونوں تو ہماری امان میں تھے۔ اور ہم سے عہد و پیمان کر گئے تھے۔ اب ان کا خون بہا دینا ضروری ہے۔ یہودیوں کا قبیلہ بنی نضیر قبیلہ بنو عامر کا ہم عہد تھا اور مسلمانوں سے بھی اُن کا معاہدہ تھا۔ جس کی رُو سے اُن کو خون بہا میں مدد کرنی چاہیے تھی۔ اس لئے آپ نے اس خون بہا کے معاملہ میں بنو نضیر سے مشورہ کر لینا مناسب سمجھا۔ اور اُن کے محلے یا اُن کی بستی

میں خود تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ بھی گئے۔ بنو نضیر نے آپ کے تشریف لے جانے پر بظاہر خوں بہا میں شرکت کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ آپ کو اپنے قلعہ کی دیوار کے سایہ میں بٹھایا اور لوگوں کو فراہم کرنے اور بلانے کے بہانے سے اِدھر اُدھر چل دیتے۔ انھوں نے آپ کو ایسے موقع پر بٹھایا تھا۔ کہ قلعہ کی منڈیر پر اُس جگہ ایک بہت بڑا پتھر دیوار کی طرح سے کھڑا ہوا رکھا تھا۔ آپ سے جُدا ہو کر انھوں نے مشورہ کیا۔ کہ یہ بہت اچھا موقع ہے۔ کوئی شخص قلعہ پر چڑھ کر اوپر سے یہ پتھر دھکیل دے۔ تاکہ محمد (صلعم) اور ان کے تینوں ساتھی کچلے جائیں۔

یہود کی شرارت:۔ چنانچہ ایک شخص عمرو بن محاسن بن کعب فوراً اوپر چڑھا۔ کہ پتھر آپ پر گرائے۔ ابھی وہ پتھر گرانے نہ پایا تھا۔ کہ آپ کو خدائے تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہودیوں کے اس منصوبہ سے اطلاع دی۔ اور آپ فوراً وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور صحابہ کرام کو ہمراہ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہودیوں نے آپ کو واپس بلانا چاہا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے ہمارے قتل کرنے کا اس طرح منصوبہ کیا۔ اب ہم کو تمھارا اعتبار نہیں رہا۔ یہودیوں نے اپنے اس منصوبے سے انکار نہیں کیا نہ اظہارِ ندامت کیا۔ آپ نے مدینہ میں پہنچ کر ان کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ دوبارہ عہدنامہ لکھو۔ انھوں نے عہد نامہ لکھنے سے انکار کیا۔ آپ نے پھر اُن کو پیغام دیا۔ کہ اگر عہد نامہ نہیں لکھتے تو تم یہاں سے دس روز کے اندر جلا وطن ہو جاؤ۔ اور کسی دوسری جگہ چلے جاؤ۔ بنو نضیر نے اس کے جواب میں انکار کیا۔ اور لڑائی کے لئے مستعد ہو گئے۔ آنحضرت صلعم نے بھی صحابہ کرامؓ کو لے کر اُن پر چڑھائی کی۔ بنو نضیر اپنے قلعہ میں محصور ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ نے محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ پندرہ روز تک جاری رہا۔ مدینہ کے منافقین اور عبداللہ بن ابی نے بنو نضیر کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ ہم تمھارے شریک ہیں۔ اگر تم قلعہ سے نکل کر باہر میدان میں لڑو گے۔ تو ہم بھی تمھارے ساتھ مل کر مسلمانوں کو قتل کریں گے۔ اگر تم جلاوطن ہونا قبول کرو گے۔ تو ہم بھی تمھارے ساتھ ہی مدینے کو چھوڑ کر جلاوطن ہو جائیں گے۔

بنو نضیر کی جلاوطنی:۔ منافقین کی اس پشت گرمی اور ہمت افزائی سے بنو نضیر کے دم خم بھی بڑھ گئے تھے۔ مگر آخر پندرہ دن کے محاصرے اور مقابلے کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں نے عبداللہ بن ابی کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ ہماری جان بخشی کی جائے تو ہم جلاوطن ہونے پر آمادہ ہیں۔ آپ نے حکم دیا۔ کہ سوائے ہتھیاروں کے اور اپنا تمام مال و اسباب۔ جو اونٹوں پر بار ہو سکتا ہے۔ لے جاؤ

اور یہاں سے نکل جاؤ۔ چنانچہ وہ ہتھیاروں کے سوا جس قدر مال اونٹوں پر لاد کرلے جا سکتے تھے۔ لے کر چلے گئے۔ جاتے ہوئے انھوں نے اپنے گھروں کو خود ہی ڈھا کر مسمار کر دیا۔ اور گھر کے مٹکے وغیرہ برتن سب توڑ پھوڑ گئے۔ یہاں سے روانہ ہو کر وہ کچھ تو خیبر میں چلے گئے۔ اور کچھ ملک شام میں جاکر آباد ہو گئے۔ آپ نے اُن کے بقیہ مال و جائداد اور ہتھیار مہاجرین میں تقسیم فرما دیے۔ انصار میں سے صرف حضرت ابو دجانہؓ اور سہل بن حنیفؓ دو شخصوں کو اس مال غنیمت میں سے حصہ ملا۔ کیونکہ یہ دونوں بھی بہت غریب اور افلاس کی حالت میں تھے۔ یہودیوں میں سے یامین بن عمیرؓ اور سعید بن وہبؓ دو شخص مسلمان ہو گئے۔ اس لئے اُن کے مال اسباب و اسلحۂ جنگ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ اس غزوہ کا نام غزوۂ بنو نضیر مشہور ہوا۔ یہ ماہ ربیع الاول ۴ھ یعنی جنگِ اُحد سے پورے چھ مہینے بعد کا واقعہ ہے۔ سورۂ حشر اسی غزوہ میں نازل ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلعم ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک مدینہ منورہ میں تشریف فرما رہے۔

غزوۂ ذات الرقاع: اس عرصہ میں بنو محارب اور بنو ثعلبہ (قبیلۂ غطفان کی شاخیں ہیں) کے متعلق متواتر خبریں پہنچیں کہ وہ شرارت پر آمادہ اور حملہ کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ آپ حضرت عثمان بن عفانؓ کو مدینہ کا عامل مقرر فرما کر صرف چار سو صحابہؓ کے ساتھ اُن کے مقابلے کے لئے گئے وہ لوگ ایک نخلستان میں جمع ہوتے تھے۔ اسلامی لشکر جب اُن کے قریب پہنچا تو وہ سب منتشر ہو کر بھاگ گئے۔ کوئی معرکہ نہیں ہوا۔ اس غزوہ کا نام غزوۂ ذات الرقاع ہے۔ جو جمادی الاول ۴ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ ذات الرقاع اس کا نام اس لئے رکھا گیا۔ کہ پہاڑی اور پتھریلی زمین میں سفر کرنے سے صحابہ کرامؓ کے پاؤں اکثر زخمی ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے غازیوں نے پاؤں میں کپڑے لپیٹ لئے تھے۔ بعض کا خیال ہے۔ کہ ذات الرقاع اُس پہاڑی کا نام ہے جہاں علاقہ نجد میں جاکر آنحضرت صلعم نے قیام فرمایا تھا۔ اور آپ کو دیکھ کر کفار فرار ہو گئے تھے۔

غزوۂ سویق: نجد کے اس سفر سے واپس آکر قریباً تین ماہ آنحضرت صلعم مدینہ منورہ میں تشریف فرما رہے۔ ابو سفیان جنگِ اُحد میں یہ کہہ کر گیا تھا۔ کہ آئندہ سال مقام بدر میں لڑائی ہو گی مسلمانوں نے اس بات کو منظور کر لیا تھا۔ منافقینِ مدینہ بورات دن مسلمانوں کی بربادی کی تدبیر سوچتے رہتے تھے۔ انھوں نے نعیم بن مسعود کو مکہ بھیجا۔ کہ قریش کو اُحد کی قرارداد یاد دلائے۔ اور جنگ کے لئے آمادہ کرے۔ نعیم نے ابو سفیان کو توجہ دلائی کہ مسلمانوں کے مقابلے کی تیاری کرنی چاہیے۔ مکہ میں اس سال کچھ قحط اور گرانی تھی۔ ابو سفیان نے کہا کہ ہم جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ لیکن تم یہ

کام کرو کہ مدینہ جاکر ہماری عظیم الشان تیاریوں کا حال سُناؤ۔ اور مسلمانوں کو ڈراؤ۔ تاکہ وہ مدینہ سے نہ نکلیں۔ اور اس سال لڑائی نہ ہو۔ اگر یہ کام تم سے سرانجام پاگیا۔ تو تم کو بیس اونٹ بطور شکریہ پیش کیے جائیں گے۔ نعیم نے مدینے میں آکر بڑی آب وتاب کے ساتھ قریش کی تیاریوں کا حال جابجا بیان کرنا شروع کیا۔ یہ خبر سُن سُن کر مسلمان کچھ فکرمند ہونے لگے۔ لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ آپؐ خدا کے سچے رسول ہیں۔ پھر مسلمان ان خبروں کو سُن سُن کر کیوں گھبرا رہے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر کوئی ایک شخص بھی میرے ہمراہ نہ چلے تو میں تنہا حسبِ وعدہ کفار کے مقابلے کے لئے بدر کے میدان میں پہنچ جاؤں گا۔ چنانچہ اس کے بعد آپؐ نے جنگ کی تیاری کی۔ اور بدر کی جانب روانہ ہوئے۔ تو آپ کے ہمراہ ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام کا لشکر تھا۔ روانگی کے وقت آپؐ عبداللہ بن رواحہؓ کو مدینہ کا عامل مقرر فرماگئے تھے۔ اس مرتبہ آپؐ نے اپنے لشکر کا عَلَم حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو سپرد کیا تھا۔ کل فوج میں اس مرتبہ دس گھوڑے تھے۔ ابوسفیان لڑائی سے جان بچانا اور طرح دینا چاہتا تھا۔ مگر جب اُس کو آنحضرت صلعم کے مدینہ سے روانہ ہونے کا حال معلوم ہوا۔ تو وہ مکہ سے دو ہزار کا لشکر جرّار لے کر چلا۔ خشک سالی کی وجہ سے اُس لشکر کے پاس سامانِ اذوقہ میں ستّو کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اس واسطے اس لشکر کا نام جیش السویق مکہ میں مشہور ہوا۔

ابوسفیان کے لشکر میں اس مرتبہ پچاس سوار تھے۔ یہ دو ہزار کا لشکر جب مقام عسفان میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر میں ڈیڑھ ہزار جانباز موجود ہیں۔ اہلِ مکہ بدر اور اُحد میں دیکھ چکے تھے کہ تہائی اور چوتھائی تعداد کے مسلمانوں سے بھی اُن کو شکست کھانی پڑی تھی۔ اب بھی اگرچہ مسلمان تعداد میں کم یعنی صرف ۳/۴ تھے۔ مگر اس تعداد کا حال معلوم ہوکر کفار کے اوسان خطا ہوگئے۔ اور مقام عسفان ہی سے یہ کہہ کر مکہ کو واپس چلے گئے۔ کہ ہم قحط سالی کے ایّام میں جنگ کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ یہ لشکر جب راستہ ہی سے واپس ہوکر مکہ میں پہنچا ہے تو مکہ کی عورتوں نے کہا کہ تم صرف ستّو پینے گئے تھے۔ اگر لڑنے کے ارادہ سے جاتے تو واپس کیوں آتے۔

آنحضرت صلعم مقام بدر میں پہنچ کر آٹھ روز تک کفار کے منتظر رہے۔ آٹھویں روز معبد بن ابی معبد خزاعی نے آکر اطلاع دی۔ کہ ابوسفیان مکہ سے روانہ ہوکر اور مقام عسفان تک پہنچ کر پھر واپس چلا گیا ہے۔ آپؐ یہ سُن کر بدر سے مدینہ منورہ کو واپس تشریف لے آئے یہ آخر رجب ۴ھ کا واقعہ ہے۔ اس سفر کا نام غزوۂ بدر موعد اور غزوہ بدر ثانی اور غزوہ بدر صغریٰ اور غزوہ بدر اُخریٰ مشہور

ہے۔ مالِ غنیمت تو مسلمانوں کے ہاتھ نہ آیا۔ لیکن ان ایام میں چونکہ بدر میں میلہ لگتا تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے تجارت کے ذریعے فائدہ اٹھالیا۔

ماہ شعبان میں آپ مدینہ منورہ میں واپس تشریف لے آئے۔ اسی سال میں حضرت امام حسینؑ بن علیؓ پیدا ہوئے۔ اسی سال شراب حرام ہوئی۔ اسی سال عبداللہ بن عثمانؓ یعنی آنحضرت صلعم کے نواسے نے بعمر چھ سال وفات پائی۔ اس بچے کی وفات کا سبب یہ تھا۔ کہ مُرغ نے آنکھ میں پنجہ یا چونچ مار دیا تھا۔ جس کی تکلیف سے جاں بری ممکن نہ ہوئی۔ اسی سال زینب بنت خزیمہ کا انتقال ہوا۔ اسی سال آنحضرت صلعم نے عبدالسلام مخزومی کی وفات کے بعد اُن کی بیوی اُمِ سلمہؓ سے نکاح کیا۔ فاطمہ بنتِ اسید یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی والدہ نے بھی اسی سال انتقال کیا۔

ہجرت کا پانچواں سال:۔ غزوہ بدر ثانی سے واپس آکر آپ چھ سات مہینے مدینہ منورہ میں قیام فرما رہے کوئی قابل تذکرہ اور اہم واقعہ وقوع پذیر نہیں ہوا۔ آغاز ماہ ربیع الاول ۵ھ میں آنحضرت صلعم کو یہ اطلاع ملی۔ کہ مقام دومتہ الجندل کے حاکم اکیدر بن الملک عیسائی نے ایک لشکر عظیم مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے فراہم کیا ہے۔ اور اُن قافلوں کو جو مدینہ سے بغرض تجارت شام کی طرف جاتے ہیں راستہ میں لُوٹ لیتا ہے۔ یہ نیا دشمن چونکہ زیادہ خطرناک ہو سکتا تھا۔ اور اُس کے حملہ آور ہونے سے اندیشہ تھا۔ کہ منافقین، یہود، ارد گرد کے عرب قبائل مسلمانوں کی مشکلات کو اور بھی زیادہ بڑھا دیں گے۔ لہٰذا آپ نے مناسب سمجھا کہ اس فتنہ کو سر اُبھارنے سے پہلے ہی دبا دینا چاہیئے۔ آپ نے مدینہ میں سباع بن عرفطہ غفاری کو عامل مقرر فرمایا۔ اور خود ایک ہزار مسلمانوں کی جمعیت لے کر دومتہ الجندل کی طرف روانہ ہوئے۔ دومتہ الجندل دمشق سے پانچ منزل اور مدینہ سے دس منزل دمشق و مدینہ کے درمیان سرحد شام پر واقع تھا۔ بنی عذرہ کے ایک شخص کو آپ نے بطور رہبر ہمراہ لیا۔ .... اس سفر میں آپ رات کو چلتے اور دن کو مقام کرتے۔ جب دومتہ الجندل کا ایک شب کا سفر رہ گیا تو رہبر نے کہا کہ دشمنوں کی چراگاہ یہاں سے قریب ہے۔ مناسب ہے کہ اُن کے مویشیوں پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ آپ نے اجازت دی اور مسلمانوں نے مویشیوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ خبر اکیدر بن الملک حاکم دومتہ الجندل کو پہنچی تو وہ اس طرح لشکر اسلام کے یکایک قریب پہنچنے سے سراسیمہ ہو کر فرار ہو گیا۔ آپ اگلے دن وہاں پہنچے تو میدان خالی پایا۔ محمد بن سلمہؓ نے ایک کافر کو گرفتار کیا۔ اُس سے حالات دریافت کئے۔ تو اُس نے صاف صاف کہہ دیا۔ کہ آپ کے آنے کی خبر سُن کر سب فرار ہو گئے۔ آپ نے وہاں چند روز مقیم رہ کر چھوٹے چھوٹے دستے اِدھر اُدھر

روانہ کئے۔ مگر کوئی مقابلہ پر نہ آیا۔ اس طرح سرحد شام پر رعب قائم کر کے آپؐ مدینہ کی طرف واپس تشریف لائے۔ راستہ میں ایک عرب سردار نے آکر آپؐ سے ملاقات کی اور عرض کیا۔ کہ میرے علاقہ میں خشک سالی کی وجہ سے چارہ نہیں ملتا۔ مدینہ میں بارش ہو گئی ہے اور وہاں خوب سرسبزی ہے۔ آپؐ اجازت دیں۔ کہ میں اپنے مویشی مدینے کی چراگاہوں میں چرنے کے لئے بھیج دوں۔ آپؐ نے اس کو بخوشی اجازت دے دی۔ اُس عرب سردار کا نام عینیہ بن حصین تھا۔ اس سفر کا نام غزوۂ دومۃ الجندل مشہور ہے۔ اس مرتبہ مدینہ میں واپس تشریف لاکر قریباً پانچ ماہ تک کوئی اہم واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔ اور آپؐ صحابہ کرامؓ کی تربیت اور تبلیغ اسلام میں مصروف رہے۔

غزوۂ بنو مصطلق:۔ شعبان ۵ھ میں خبر پہنچی کہ بنو المصطلق کا سردار حارث بن ضرار جنگ کی تیاریوں میں مصروف رہے۔ اور وہ عرب کے دوسرے قبائل کو اپنا شریک بنا رہا ہے۔ کہ آؤ مسلمانوں پر حملہ کرنے میں میرے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ آنحضرت صلعم نے تحقیق حال کے لئے بریدہ بن حصیبؓ اسلمی کو بطور ایلچی روانہ کیا۔ حضرت بریدہؓ نے واپس آکر اطلاع دی کہ حارث بن ضرار اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی پر تُلا ہوا ہے۔ اُس نے بہت سے قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور کسی طرح لڑائی اور حملہ سے باز آنا نہیں چاہتا۔ ساتھ ہی خبر پہنچی کہ حارث اپنے لشکر کو لے کر روانہ ہونے والا ہے۔ آنحضرت صلعم نے فوراً مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا۔ مدینہ میں زیدؓ بن حارث کو عامل مقرر کیا۔ اور لشکر اسلام کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں تیس گھوڑے تھے۔ جن میں دس مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے۔ مہاجرین اور انصار کے جُدا جُدا علَم تھے۔ انصار کا علَم سعد بن عُبادہ کے ہاتھ میں تھا۔ اور مہاجرین کے علمبردار حضرت ابوبکرؓ صدیق تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو مقدمۃ الجیش مقرر فرمایا گیا۔ چونکہ متواتر متعدد حملوں میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوتی ہوئی دیکھی تھی۔ لہٰذا اس مرتبہ مالِ غنیمت کی طمع میں عبداللہ بن اُبی بھی اپنی جماعت منافقین کے ساتھ شریک ہو گیا۔

یہ منافق لوگ چونکہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے تھے۔ اس لئے اُن کو تمام اسلامی حقوق حاصل تھے۔ اور شریک لشکر ہونے سے وہ منع نہیں کئے جا سکتے تھے۔ یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ عبداللہ بن اُبی اور اُس کی جماعت منافقین لشکر اسلام کے ساتھ بغرضِ قتال روانہ ہوئی۔ جنگِ اُحد میں تو یہ لوگ راستے ہی سے لوٹ کر چلے آئے تھے۔ اور شریک جنگ نہ ہوئے تھے۔

حارث بن ضرار نے ایک جاسوس روانہ کیا تھا۔ یہ جاسوس راستے میں اتفاقاً لشکر اسلام کے قریب پہنچا اور گرفتار ہو کر آنحضرت صلعم کے سامنے پیش کیا گیا۔ جب اُس کا جاسوس ہونا تحقیق ہو گیا۔ اور اسلام لانے سے بھی اُس نے انکار کیا تو رسم عرب اور جنگی آئین کے موافق اُس کے قتل کا حکم صادر ہوا۔ اور وہ قتل کیا گیا۔ حارث کو جب اپنے جاسوس کے قتل ہونے اور آنحضرت صلعم کے قریب پہنچنے کی خبر پہنچی تو وہ بہت پریشان اور بدحواس ہوا۔

آخر آنحضرت صلعم نے حضرت عمر فاروقؓ کو حکم دیا۔ کہ تم آگے بڑھ کر ان کو اسلام کی دعوت دو۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے آگے بڑھ کر اُن کو تبلیغ اسلام کی انھوں نے اس کا سختی سے انکاری جواب دیا۔ اس کے بعد طرفین سے حملہ آوری ہوئی۔ کفار کا علم بردار حضرت ابو قتادہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ علمبردار کے گرتے ہی کفار کے پاؤں یک لخت اُکھڑ گئے۔ اور وہ میدان چھوڑ کر مسلمانوں کے سامنے سے بھاگ گئے۔ جو آدمی کفار کے گرفتار ہوئے اُن میں جویریہ یعنی سالارِ لشکر کی بیٹی بھی گرفتار ہوئی۔ بہت سا مال غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ مریسیع جہاں یہود بنی المصطلق سے لڑائی ہوئی تھی۔ مدینہ منورہ سے نو منزل کے فاصلے پر تھا۔

منافقین کی شرارت:۔ واپسی میں منافقوں نے اپنی عداوتِ باطنی کے تقاضے سے ایسی تدابیر اختیار کیں۔ کہ بعض مہاجرین و انصار میں شکر رنجی و بے لطفی تک نوبت پہنچا دی۔ عبداللہ بن اُبی نے انصار و مہاجرین کے سوال کو خوب اُبھارا۔ اور یہاں تک اُس کی زبان سے نکلا کہ مدینہ میں چل کر ان تمام مہاجرین کو مدینے سے نکال دیا جائے گا۔ اس سفر میں ایک اور قابل تذکرہ واقعہ پیش آیا۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی سفر میں ہمراہ تھیں۔ ایک منزل پر لشکر نے قیام کیا۔ وہاں سے روانگی کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ہودج اُونٹ پر رکھ دیا گیا۔ اور یہ محسوس نہ ہوا کہ وہ ہودج میں ہیں یا نہیں۔ حالانکہ وہ رفعِ حاجت کے لئے گئی ہوئی تھیں۔ اُن کو وہاں کسی قدر دیر اس وجہ سے لگی۔ کہ وہ اپنی ہمشیرہ کا ایک ہار پہنے ہوئے تھیں۔ اتفاقاً اُس ہار کا ڈورا کسی جھاڑی میں اُلجھ کر ٹوٹ گیا۔ اور موتی تمام بکھر گئے۔ چونکہ پرائی چیز تھی۔ اس لئے اور بھی زیادہ اس کا خیال ہوا۔ زمین پر سے موتیوں کے چُننے میں وقت زیادہ صرف ہو گیا۔ لشکر اس عرصہ میں روانہ ہو گیا۔ آپ واپس تشریف لائیں تو قیام گاہ کو خالی پایا۔ بہت متردد اور پریشان ہوئیں۔ اسی عرصہ میں صفوان بن معطلؓ اپنا اُونٹ لئے ہوئے پیچھے سے آتے ہوئے نظر آئے۔ صفوان بن معطلؓ کے سپرد یہ خدمت تھی کہ وہ سب سے پیچھے قیام کریں۔ اور قافلہ کی روانگی کے بعد سب سے بعد میں قیام گاہ کا معائنہ

کرتے ہوئے روانہ ہوں۔ کہ اگر کسی کی کوئی چیز رہ گئی ہے تو اُس کو اُٹھاتے آئیں۔ اور اس طرح کسی کا کوئی نقصان نہ ہونے پائے۔ صفوانؓ کو یہ خدمت اس لئے بھی سپرد کی گئی تھی کہ وہ کثیر النوم بھی تھے اور دیر میں سوتے ہوئے اُٹھتے تھے۔ حسب دستور صفوانؓ قیام گاہ کا معائنہ کرتے ہوئے آئے اور اُنھوں نے اُم المومنینؓ کو دیکھا تو متاسف و شَشدر رہ گئے۔ فوراً اپنے اُونٹ سے اُترے۔ اُم المومنینؓ کو اُونٹ پر بٹھایا اور اُس کی مہار پکڑ کر روانہ ہوئے اور لشکر سے جا ملے۔ جب اپنے لشکر میں اس طرح پہنچے اور لوگوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو سب متاسف ہوئے۔ لیکن منافقین کو بڑا اچھا موقع باتیں بنانے اور بہتان باندھنے کا مل گیا۔ منافقوں نے طرح طرح کی باتیں کرکے لشکر میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ آنحضرت صلعم بہت متردّد اور خاموش تھے۔

غرض منافقوں نے اس مرتبہ شریک لشکرِ اسلام ہو کر مسلمانوں کو اپنی شرارتوں سے پریشان کرنے کا خوب موقع پایا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر منافقوں نے جو بہتان باندھا اُس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ قریباً ڈیڑھ ماہ اپنے والد کے یہاں رہیں اور مسلمانوں کو عام طور پر حضرت صدیقہؓ کی عصمت و عفّت اور مظلومی کا یقین ہو گیا۔ ایک مہینے کے بعد خدائے تعالیٰ کی طرف سے اُن کی پاک دامنی و بے گناہی کا حکم نازل ہوا۔ اور خدائے تعالیٰ نے صدیقہؓ کے صدیقہ ہونے کی گواہی دی۔ اس سے پیشتر ایک اور صدیقہ یعنی حضرت مریم صدیقہ پر بھی اسی قسم کا بہتان یہودیوں نے باندھا تھا۔ وہ بھی خائب و خاسر ہوئے اور اس صدیقہ پر بہتان باندھنے والوں کا انجام بھی خسران و ہلاکت ہی ہوا۔

اس سفر میں منافقوں نے جو جو شرارتیں کیں۔ اُن کا علم آنحضرت صلعم کو ہوتا رہا۔ ابھی مدینہ منورہ میں داخل نہ ہوئے تھے۔ کہ ایک صحابی نے عبد اللہ بن اُبی منافق کی بد کلامیوں کا ذکر کرکے اور گواہیاں گذران کر استدعا کی کہ اس منافق کے قتل کا حکم صادر فرمایا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ عبد اللہ بن اُبی چونکہ بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ اسی لئے اگر اس کو قتل کیا گیا۔ تو لوگ کہیں گے کہ محمد (صلعم) اپنے دوستوں کو قتل کرنے لگے۔ عبد اللہ بن اُبی کا بیٹا سچا مسلمان تھا۔ جن کا نام عبد اللہ بن عبد اللہ بن اُبی تھا۔ عبد اللہ بن عبد اللہ کو جب معلوم ہوا کہ میرا باپ کشتنی و گردن زدنی ثابت ہو چکا ہے۔ تو آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ کہ عبد اللہ بن اُبی یعنی میرے باپ کی قتل کرنے کی خدمت میرے سپرد کی جائے۔ تاکہ میں اُس کا سر کاٹ کر لاؤں اور یہ ثابت ہو جائے۔ کہ اسلام باپ سے زیادہ قیمتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ میں عبد اللہ بن

اُبی کو قتل کرنا نہیں چاہتا یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے وقت عبداللہ بن اُبی کے بیٹے نے خود باپ کو مدینے کے اندر داخل ہونے سے روک دیا۔ اور کہا کہ تو منافق ہے اس لئے تجھ کو مدینہ میں داخل نہ ہونے دوں گا۔ آنحضرت صلعم کو جب معلوم ہوا۔ تو آپ نے عبداللہ بن اُبی کے متعلق حکم دیا کہ اُس کو مدینہ میں آنے دو۔

اسیرانِ جنگ کی رہائی: بنی المصطلق کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ حارث چند روز بعد خود مدینے میں آیا۔ اور اپنی بیٹی کو آزاد کرانے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے جویریہ کو خود فدیہ دے کر رہا کرا دیا۔ جویریہ نے باپ کے ہمراہ جانے کے مقابلے میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں رہنا پسند کیا۔ آپ نے جویریہ کے منشار کے موافق اور حارث کی رضامندی سے جویریہ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اس نکاح کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ نے بنی المصطلق کے تمام اسیروں کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا۔ کہ جو قبیلہ آنحضرت صلعم کا رشتہ دار بن گیا ہے ہم اُس کو قیدی یا غلام نہیں رکھ سکتے۔ ساتھ ہی تمام مالِ غنیمت بھی واپس کر دیا۔ اس طرح یہودیوں کے ایک قبیلے کے ساتھ اس نکاح کی وجہ سے دشمنی کی جگہ محبت پیدا ہو گئی۔

یہود کی گوشمالی: اس جگہ یہ بات ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ بنی نضیر جب جلاوطن ہو کر خیبر اور شام کی طرف چلے گئے تھے انھوں نے مسلسل اپنی کوششوں اور ریشہ دوانیوں کو مسلمانوں کے خلاف جاری رکھا۔ انھیں کی کوششوں سے عرب کے مشرک اور یہودی قبائل جا بجا مسلمانوں کی بیخ کنی کے لئے آمادہ ہونے لگے اور انھیں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھا کہ سرحدِ شام پر عیسائی فوجیں بھی مسلمانوں کو خطرے کی نظر سے دیکھنے لگیں۔ چونکہ مسلمانوں کے خلاف تمام ملکِ عرب اور تمام اعرابی قبائل برانگیختہ کر دیئے گئے تھے۔ اور جا بجا تمام براعظم عرب میں مسلمانوں کی بیخ کنی کے سامان ہونے لگے تھے۔ لہٰذا آنحضرت صلعم ملک کے ہر حصے اور ہر قبیلے سے باخبر رہنے کی کوشش فرماتے تھے۔ اور جہاں کہیں خطرے اور فتنے کے قوی ہونے کا احتمال ہوتا تھا۔ اپنی اسلامی فوج کے ساتھ پہنچ کر اُس فتنے کو قوی ہونے سے پہلے دبا دیتے تھے۔

غزوہ خندق: اوپر کی بیان کردہ چند چھوٹی چھوٹی فوج کشیاں اسی سلسلے میں ہوئیں۔ بنی نضیر میں حیی بن اخطب سب سے بڑا مفسد اور شرارت پیشہ شخص تھا۔ وہ اور قبیلہ بنی نضیر کا بڑا حصہ خیبر میں مقیم ہوا۔ حیی بن اخطب۔ سلام بن ابی الحقیق۔ سلام بن مشکم۔ کنانہ بن الربیع وغیرہ بنو نضیر کے سردار اور ہود بن قیس و ابو عمارہ وغیرہ سردارانِ بنو وائل متحد ہو کر اول مکہ میں گئے چندہ کی فہرست بھی کھولی۔ چنانچہ قریش نے خوب بڑھ بڑھ کر مال و زر بھی مصارفِ جنگ کے لئے دیا۔ یہاں جب خوب جوش پیدا ہو چکا تو قریشِ مکہ سے مشورہ لے کر یہ لوگ قبائل غطفان میں گئے۔ اور اُن کو بھی اسی طرح مسلمانوں سے جنگ کے لئے برانگیختہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ قبائلِ ہوکنانہ بھی آمادہ ہو گئے۔ پھر اُن

یہودیوں کے ساتھ جو مدینہ میں ابھی تک سکونت پذیر تھے (یعنی بنو قریظہ) سازش کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ اور درپردہ اُن سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے اور ہر قسم کی کوشش کرنے کا معاہدہ کیا گیا۔ حالانکہ بنو قریظہ ابھی تک آنحضرت صلعم کے ساتھ ہم عہد تھے۔ اور عہد نامہ کے موافق مسلمانوں کی امداد کرنا اُن کا فرض تھا۔ بنو سلیم۔ فزارہ۔ اشجع۔ بنو سعد اور بنو مرہ وغیرہ قبائلِ قریش اور بنو نضیر اور غطفان وغیرہ قبائل کے سرداروں نے جن کی تعداد پچاس سے کم نہ تھی۔ خانہ کعبہ میں جا کر قسمیں کھائیں۔ کہ جب تک زندہ ہیں مسلمانوں کی مخالفت سے منہ نہ موڑیں گے۔ اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیں گے۔ گذشتہ تجربوں سے فائدہ اٹھا کر اس عظیم الشان سازش میں حد سے زیادہ احتیاط برتی گئی۔ اور اسی لئے آنحضرت صلعم کے پاس مدینہ منورہ میں مخالفینِ اسلام کی اس سب سے بڑی سازش کی خبر وقت سے پہلے نہ پہنچ سکی۔ اوّل ابو سفیان قریش اور اپنے ہم عہد قبائل کا چار ہزار لشکر لے کر مکہ سے روانہ ہوا۔ مقام مرالظہران میں بنو سلیم کی فوج بھی آکر مل گئی۔ اسی طرح تمام قبائل راستے میں آ آکر اس لشکر میں شامل ہوتے گئے۔ بنو نضیر کا سردار حیی بن اخطب اور قبائل غطفان کا سردار عیینہ بن حصین تھا۔ تمام افواجِ کفار کا سپہ سالارِ اعظم ابو سفیان تھا۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر تمام حملہ آور فوج کی تعداد بروایاتِ مختلفہ کم سے کم دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار تھی۔ اس لشکرِ اعظم میں ساڑھے چار ہزار اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے۔

آنحضرت صلعم کو جب اس لشکرِ گراں کے حملہ آور ہونے کا حال معلوم ہوا۔ تو آپ نے مجلسِ مشورت منعقد کی یہ رائے قرار پائی کہ مدینہ کے اندر رہ کر ہی مدافعت کی جائے۔ حضرت سلمانِ فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ حملہ آور فوج سے محفوظ رہنے کے لئے محصور فوج کے گرد خندق کھودی جائے۔ عرب لوگ اس خندق کے کھودنے کی ترکیب سے ناواقف تھے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت سلمانِ فارسیؓ کی اس تجویز کو پسند کیا۔ ایک طرف پہاڑیاں تھیں ایک طرف مدینہ منورہ کے مکانات کی دیواریں فصیل کی قائم مقامی کر رہی تھیں۔ جو سمت کھلی ہوئی تھی۔ اور جس طرف سے دشمن کا حملہ ہو سکتا تھا۔ اُس طرف خندق کی کھدائی کا کام شروع کر دیا گیا۔ سلسلۂ کوہ اور خندق کے درمیان ایک بیضوی شکل کا میدان بن گیا۔ یہی گویا مسلمانوں کا قلعہ تھا۔ اُس کے وسط آنحضرت صلعم کا خیمہ تھا۔ خندق پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری کھودی گئی۔ خندق کی کل لمبائی کے مساوی حصے کر کے دس دس آدمیوں کو ایک ایک حصہ کھودنے کے لئے دیا گیا۔ خود آنحضرت صلعم بھی ایک حصہ کی کھدائی میں شامل اور خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ اس خندق میں ایک جگہ بڑا اور سخت پتھر آگیا۔

سب زور آزمائی کر چکے اور پتھر نہ ٹوٹا تو آنحضرت صلعم کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ کہ خندق کو اُس جگہ سے پھیر کر اور دوسری طرف موڑ کر کھود لینے کی اجازت دی جائے۔ آپؐ جس جگہ خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ وہاں سے اپنا پھاوڑا لے کر چلے۔ اُس پتھر والے حصے میں پہنچ کر اور خندق میں اُتر کر اپنا پھاوڑا یا گدال اس زور سے مارا کہ پتھر میں شگاف پڑ گیا۔ ساتھ ہی ایک روشنی نکلی۔ آپؐ نے اللہ اکبر کہا۔ سب صحابہؓ نے آپؐ کی تقلید میں نعرۂ اللہ اکبر بلند کیا۔ آپؐ نے فرمایا مجھ کو ملکِ شام کی کنجیاں دی گئیں۔ پھر آپؐ نے دوسری ضرب اُس پتھر پر لگائی جس سے اور بھی زیادہ پھٹ گیا۔ اس ضرب سے بھی ایک روشنی نکلی۔ اور اُسی طرح نعرہ اللہ اکبر بلند ہوا۔ آپؐ نے فرمایا مجھ کو ملکِ فارس کی کنجیاں دی گئیں۔ تیسری ضرب میں پتھر ریزہ ریزہ ہوگیا۔ اور اُسی طرح روشنی نکلی۔ اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا۔ اور آپؐ نے فرمایا۔ مجھ کو یمن کی کنجیاں دی گئیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا مجھے جبریلِ امین نے خبر دی ہے کہ یہ تمام ملک تمھاری اُمت کے قبضے میں آجائیں گے۔ اس جگہ غور کرنا چاہیے کہ چوبیس ہزار کفار کے جرار لشکر کے مقابلہ میں مٹھی بھر مسلمان اپنی حفاظت اور جان بچانے کی تدبیروں میں مصروف ہیں۔ تمام ملکِ عرب دشمنی پر تُلا ہوا اور خون کا پیاسا ہے۔ بظاہر بربادی پیش نظر ہے۔ لیکن ایران۔ روم اور یمن کے ملکوں کی سلطنت وحکومت کی خوش خبری سُنائی جا رہی ہے۔ یہ کام خدا کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔ اور خدا کے سوا کوئی ایسی خبر نہیں دے سکتا تھا۔

اسی حالت میں آپؐ کو خبر ملی کہ بنو قریظہ کے سردار کعب بن اُسید نے بھی مسلمانوں کے خلاف حملہ آوروں سے معاہدہ کر لیا ہے۔ اور حیی بن اخطب بنی قریظہ کے قلعہ میں دوستانہ داخل ہو کر اُن کو آمادۂ قتال کر رہا ہے۔ آپؐ نے تحقیق حال اور نیز ہدایت ونصیحت کے لئے سعد بنؓ معاذ اور سعد بنؓ عبید کو بنی قریظہ کے پاس بھیجا۔ اور ان دونوں بزرگوں نے ہرچند اُن کو سمجھایا۔ لیکن کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ بنی قریظہ نے نہایت ترش روئی سے جواب دیا۔ کہ ہم محمد (صلعم) کو نہیں جانتے۔ اور نہ اُن سے ہمارا کوئی معاہدہ ہے۔

لشکرِ کفار جب خندق کے سامنے آیا تو خندق کو دیکھ کر بہت متعجب اور حیران ہوا۔ کیونکہ اس سے پیشتر عربوں نے اس قسم کی خندق نہ دیکھی تھی۔ کفار کے ٹڈی دل نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ حملہ کفار کی طاقت وشوکت کا انتہائی نظارہ اور اسلام کے مقابلے میں کفر کی گویا سب سے بڑی کوشش تھی۔ مسلمانوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو مدینہ کی ایک خاص گڑھی میں حفاظت کی غرض سے جمع کر دیا تھا۔ یہودیوں کی طرف سے جو گویا مدینے کے اندر ہی تھے حملہ کا ہر وقت خوف تھا۔ اُدھر منافقین

کی طرف سے بھی جو مسلمانوں میں ملے جُلے رہتے تھے سخت خطرہ تھا۔ کفار کی طرف سے کئی مرتبہ خندق کے عبور کرنے کی کوشش ہوئی۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ ایک مرتبہ دو تین کافر ایک مقام سے جہاں خندق کی چوڑائی کسی قدر کم تھی گھوڑا کودا کر اندر آ گئے۔ اُن میں ایک کافر عمرو بن عبد دو ہزار سوار کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اور ملکِ عرب کا مشہور بہادر تھا۔ اُس کو حضرت علیؓ نے قتل کر دیا۔ باقی بھاگ گئے۔ صبح سے شام تک تیروں کے ذریعے لڑائی ہوتی تھی۔ مسلمان بھی کفار کو ترکی بہ ترکی جواب دیتے تھے یہ حالت قریبًا ایک ماہ تک جاری رہی۔ دشمنوں کا محاصرہ نہایت سخت تھا۔ اُن کو باہر سے ہر قسم کی امداد بہ تواتر پہنچ رہی تھی۔ نہ سامانِ رسد کی اُن کے لیے کمی تھی۔ نہ اُن کی جمعیت میں کوئی کمی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی حالت یہ تھی۔ کہ سامانِ رسد کہیں سے میسر نہ آ سکتا تھا۔ فاقوں پر فاقے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے بھوک کی شکایت کی اور کُرتا اٹھا کر دکھایا کہ پیٹ پر پتھر باندھ رکھا ہے۔ تاکہ فاقہ کی وجہ سے کمر جھکنے نہ پائے۔ آپؐ نے اپنا کُرتا اُٹھا کر دکھایا تو دو پتھر پیٹ پر باندھے ہوئے تھے۔

رات کو چونکہ شبخوں کا خوف اور خندق کی حفاظت کرنا ضروری تھا۔ لہٰذا رات بھر سب کو میدان میں بیدار رہنا۔ دن بھر دشمن کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ مصعب بن قشیر ایک منافق نے کہا کہ محمد صلعم تو شام ایران اور یمن کے ملکوں کی حکومت اپنے دوستوں کو دے رہے ہیں لیکن ہم تو دیکھتے ہیں۔ کہ وہ مدینہ کے اندر بھی اب نہیں رہ سکتے۔ بعض کہتے تھے۔ کہ گھر سے باہر نکل کر پاخانہ پھرنے کے لئے تو جا نہیں سکتے۔ مگر قیصر و کسریٰ کے ملکوں کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ غرض منافقوں کے طعنے۔ رات کی اوس۔ دن کی دھوپ۔ بھوک۔ کفار کا مقابلہ۔ بنی قریظہ کا اندیشہ۔ منافقوں کا خطرہ۔ کفار کی کثرت۔ مسلمانوں کی قلت ان تمام حالات میں مسلمانوں نے جس عزم و ہمت اور ثبات قدم کا نمونہ دکھایا۔ اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں نے جب اُن کے سامنے ایسی تجویز پیش ہوئی کہ دب کر صلح کر لیں صاف انکار کر دیا۔ اس حالت میں بھی سعید روحیں کھنچ کھنچ کر آتی اور اسلام میں داخل ہوتی رہیں۔ چنانچہ ایک شخص نعیم بن مسعود بن عامر قبیلہ غطفان کے لشکر سے نکل کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ اُنھوں نے مسلمان ہونے کے بعد عرض کیا کہ میں بنو قریظہ اور لشکر کفار میں پھوٹ ڈلوائے دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ اول بنو قریظہ کے پاس گئے۔ پھر ابو سفیان کے پاس گئے۔ اور ایسی باتیں کیں۔ جس سے بنو قریظہ اور قریش دونوں نے ایک دوسرے سے اپنا اپنا اطمینان چاہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بنو قریظہ کفار کے حسبِ منشاء علانیہ کوئی جنگی حرکت کرنے سے باز رہے۔ نعیم بن مسعود نے دونوں جگہ اپنے مسلمان

ہونے کا اعلان نہیں کیا تھا۔ اس لئے اُن کی باتیں طرفین کے لئے قابل توجہ ہوتیں۔

جب محاصرہ کو ستائیس روز گذر گئے تو ایک روز رات کو تیز و تند ہوا چلی۔ خیموں کی میخیں اُکھڑ گیئں۔ چولھوں پر دیگچیاں گر گیئں۔ فارسلنا علیھم ریحًا و جنودًا لم تروھا رہم نے اُن پر ہوا بھیجی اور ایک ایسا لشکر بھیجا جس کو نہیں دیکھ سکتے تھے) اُس ہوا اور جھکڑ نے بڑا کام کیا۔ جا بجا ڈیروں میں آگ گل ہو گئی۔ مشرکوں نے آگ کے بجھنے کو بدشگونی سمجھا۔ اور راتوں رات اپنے ڈیرے خیمے اٹھا کر فرار ہو گئے۔ کفار کے فرار ہونے کی خبر آپؐ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے دی گئی۔ اُسی وقت آپؐ نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو خبر لانے کے لئے بھیجا۔ اُنھوں نے آکر سُنایا کہ کفار کا لشکر گاہ خالی پڑا ہے اور وہ بھاگ گئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ اب کفار قریش ہم پر کبھی حملہ آور نہ ہوں گے۔ مسلمان خوشی خوشی مدینے میں داخل ہوئے۔ یہ واقعہ ماہِ ذیقعدہ ۵ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ آپؐ جب کفار کے مقابلہ پر مدینہ کے باہر خندق کے اس طرف قیام فرما تھے۔ تو مدینہ میں ابنِ اُمِ مکتومؓ کو عامل بنا گئے تھے۔ مدینہ میں آپؐ نے واپس آکر بہت ہی تھوڑی دیر قیام فرمایا۔ اور ظہر کی نماز ادا کر کے حکم دیا کہ عصر کی نماز یہاں کوئی آدمی نہ پڑھے۔ بلکہ عصر کی نماز بنی قریظہ کے محلہ میں ادا کی۔ بعض صحابہ نے ابھی ہتھیار بھی نہیں کھولے تھے۔ یہ حکم سنتے ہی اُسی طرح بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

بنو قریظہ کی بدعہدی کا حشر:۔ حضرت سعد بن معاذؓ جو غزوۂ خندق کے زمانے میں بنو قریظہ کو سمجھا بُجھا کر راہِ راست پر رکھنے کے لئے بنو قریظہ کے پاس اُن کے قلعہ میں بھیجے گئے تھے۔ اور بنو قریظہ نے نہایت دُرشتی و سختی کے ساتھ اُن کو ناکام واپس بھیجا تھا۔ بنو قریظہ کے ہم عہد اور اُن کی قوم سے محبت کا تعلق رکھتے تھے۔ وہ جنگِ خندق کے زمانے میں تیر سے زخمی ہو گئے تھے۔ اُن کو اجازت دی گئی تھی۔ کہ وہ مسجد نبویؐ کے قریب خیمہ میں رہیں۔ اس لئے وہ بنو قریظہ کے محلّہ کی طرف مجاہدینِ اسلام کے ساتھ نہیں جا سکے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو آپؐ نے عَلَم سپرد کیا۔ اور مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے روانہ کیا۔ مدینہ میں ابن اُمِ مکتومؓ کو بدستور عامل رہنے دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ جب بنو قریظہ کے قلعہ کے قریب پہنچے تو اُنھوں نے سُنا کہ بنو قریظہ آنحضرت صلعم کو (نعوذ باللہ) گالیاں دے رہے تھے۔ غرض شام تک بلکہ نمازِ عشا کے وقت تک صحابہ کرامؓ کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ جن لوگوں کو کسی وجہ سے روانگی میں دیر لگی اور وہ عشا کے وقت پہنچے اُنھوں نے بھی نمازِ عصر بنو قریظہ کے محلہ میں پہنچ کر عشا کے وقت ہی ادا کی۔ اور آنحضرت صلعم نے اُن کے اس فعل

کو جائز رکھا۔ بنو قریظہ کے قلعہ میں حیّ بن اخطب بھی موجود تھا۔ جب ابو سفیان اور کفارِ عرب جنگِ خندق سے فرار ہوئے تو حیّ بن اخطب بنو قریظہ کے قلعہ میں چلا آیا تھا۔ اُس نے اُن کو مسلمانوں سے لڑنے اور مقابلہ کرنے پر خوب آمادہ کیا۔ مسلمانوں نے بنو قریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ یہ محاصرہ پچیس روز تک قائم رہا۔ بنو قریظہ کا سردار کعب بن اسد تھا۔ حیّ بن اخطب بھی بنو قریظہ کے ساتھ محصور تھا۔ کعب بن اسد نے جب دیکھا۔ کہ مسلمانوں کا مقابلہ میری قوم سے نہیں ہو سکتا۔ تو اُس نے اپنی قوم کو ایک جگہ جمع کر کے کہا کہ محمد صلعم کے نبیؐ ہونے میں تو شک نہیں۔ کیونکہ اُن کے متعلق ہماری آسمانی کتاب توریت میں پیش گوئیاں صاف صاف موجود ہیں۔ اور یہ وہی نبیؐ ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔ پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب اُن کی تصدیق کریں۔ اور اپنے جان و مال و اولاد کو محفوظ کر لیں۔ بنو قریظہ نے اس مشورہ کی مخالفت کی اور مسلمان ہونے سے انکار کیا۔ اس کے بعد کعب بن اسد نے کہا دوسرا مشورہ میرا یہ ہے کہ اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر دو اور قلعہ سے نکل کر میدان میں مسلمانوں سے جان توڑ کر مقابلہ کرو۔ اگر فتح مند ہوئے تو عورتیں اور بچے پھر میسر آ سکتے ہیں۔ مارے گئے تو ننگ و ناموس کی طرف سے بے فکر مریں گے۔ بنو قریظہ نے اس مشورہ کے قبول کرنے سے بھی انکار کیا۔ کعب بن اسد نے کہا کہ تیسرا مشورہ میرا یہ ہے۔ کہ سبت کی رات میں مسلمانوں پر شبخون مارو کیونکہ اُس روز ہمارے یہاں قتل کرنا اور حملہ آور ہونا ناجائز ہے۔ مسلمان اُس رات کو ہماری طرف سے بالکل بے فکر اور غافل ہوں گے۔ اس لئے ہمارا شبخون بہت کامیاب رہے گا۔ اور ہم مسلمانوں کا بہ کلی استیصال کر دیں گے۔ اس بات پر بھی بنو قریظہ رضا مند نہ ہوئے۔ اور کہا کہ ہم سبت کی بے حرمتی بھی نہیں کرنا چاہتے۔ شرفاء بنو قریظہ میں سے تین شخصوں نے جن کے نام ثعلبہ بن سعید۔ اسد بن عبید اور اسید بن سعید تھے اسلام قبول کر لیا۔ ایک شخص عمرو بن سعد نے کہا کہ میری قوم بنو قریظہ نے بد عہدی کی ہے۔ میں اس بد عہدی میں اُس کا شریک نہیں رہنا چاہتا۔ یہ کہکر وہ قلعہ سے باہر نکل گیا۔ اور لشکرِ اسلام کے ایک سردار محمد بن مسلمہؓ نے جو طلایہ گردی کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ اُس کو قلعہ سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ اُس کا نام و نشان اور ارادہ معلوم کر لینے کے بعد نکل جانے دیا۔ مگر گرفتار نہیں کیا۔ آخر ایک صبح کو بنو قریظہ نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہم اپنے آپ کو اس شرط پر آپ کے سپرد کرتے ہیں۔ کہ سعد بن معاذ ہمارے لئے جو سزا تجویز کریں وہی سزا ہم کو دی جائے۔ آپ نے اس شرط کو قبول فرما لیا۔ بنو قریظہ نے جب اپنے آپ کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا تو قبیلہ بنی اوس کے مسلمان انصار نے آنحضرت صلعم کی

خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ جب زمانۂ جاہلیت میں اوس اور خزرج کی لڑائیاں ہوتی تھیں
تو بنو قریظہ ہمارے یعنی قبیلۂ اوس کے طرف دار ہوتے تھے۔ آپؐ نے قبیلۂ بنو قینقاع کو قبیلۂ
خزرج کے انصار کی مرضی کے موافق چھوڑ دیا تھا۔ اب ہماری باری ہے۔ لہٰذا بنو قریظہ کے
متعلق آپؐ ہم کو حکم مقرر فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ ہم نے پہلے ہی تمھارے قبیلۂ اوس کے سردار
سعد بن معاذؓ کو حکم تسلیم کر لیا ہے۔ اور بنو قریظہ نے بھی سعد بن معاذؓ کو اپنی طرف سے وکیل
مطلق بنا دیا ہے۔ یہ سن کر قبیلۂ اوس کے تمام انصار خوش ہو گئے۔ چنانچہ اُسی وقت انصار مسجد
نبوی کی طرف روانہ ہو گئے۔ سعد بن معاذؓ مجروح اور زیر علاج تھے۔ اُن کو پالکی یا اُسی قسم کی کسی
سواری میں لے کر لشکرِ اسلام کی طرف لائے۔ راستے میں لوگ اُن سے کہتے آتے تھے۔ کہ آپ کا فیصلہ
ناطق ہو گا۔ اب آپ کو موقع حاصل ہے کہ بنو قریظہ کے ساتھ رعایت کریں۔ سعد بن معاذؓ نے
جب اس قسم کی باتیں اپنی قوم کے آدمیوں سے سنیں۔ تو انھوں نے کہا کہ انصاف و عدل کے
مطابق فیصلہ کروں گا اور کسی کی ملامت دامنگیر نہ ہونے دوں گا۔ جب حضرت سعد بن معاذؓ کی
سواری قریب پہنچی تو آپؐ نے انصار کو جو آپؐ کی خدمت میں موجود تھے۔ حکم دیا کہ اپنے سردار کی
تعظیم کو اُٹھو۔ چنانچہ سب نے اُن کو عزت و تعظیم کے ساتھ لیا۔ اس کے بعد حضرت سعد بن معاذؓ
سے کہا گیا کہ آنحضرت صلعم نے تمھارے قدیمی دوستوں یعنی بنو قریظہ کا معاملہ تمھارے سپرد کر دیا
ہے۔ حضرت سعدؓ نے اپنی قوم کے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم سب خدائے تعالیٰ کو حاضر و
ناظر جان کر اقرار کرو کہ میرے فیصلہ کو بخوشی قبول کر لو گے اور کوئی چون و چرا نہ کرو گے۔ سب نے اقرار
کیا کہ ہم تمھارے فیصلے پر رضامند ہوں گے۔ پھر حضرت سعد بن معاذؓ نے یہی اقرار آنحضرت صلعم اور مہاجرین سے
بھی لیا۔ آنحضرت صلعم نے بھی سعد بن معاذؓ کے فیصلے پر رضامند ہونے کا اقرار فرمایا۔ اس کے بعد
حضرت سعد بن معاذؓ نے فرمایا کہ میں حکم دیتا ہوں کہ بنو قریظہ کے تمام مرد قتل کر دیئے جائیں۔ ان
کے بیوی بچوں کے ساتھ اسیران جنگ کا سا سلوک کیا جائے اور ان کے اموال و املاک کو
مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس فیصلہ کے بعد بنو قریظہ کو قلعہ سے نکلنے کا حکم دیا گیا۔ اور اُن
کو زیر حراست مدینہ میں لایا گیا۔ اُن کے مرد قتل کیے گئے۔ اور اُن کے مکانات مسلمانوں کو رہنے کے
لئے دیئے گئے۔

۵ھ کے بقیہ حوادث: ۱۰ ذی الحجہ ۵ھ میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح بحکم رسولِ مقبول
سیف البحر کی طرف تین سو مہاجرین کے ساتھ روانہ ہوئے کہ وہاں قبیلۂ جہنیہ کے حالات کی

تفتیش کریں۔ کیونکہ اُس طرف سے اندیشہ ناک خبریں پہنچی تھیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ اور اُن کے ہمراہیوں کو اس سفر میں کھانے پینے کی سخت اذیت برداشت کرنی پڑی۔ صرف دو دو تین تین چھواروں پر ایک ایک دِن بسر کرتے تھے۔ آخر ساحلِ سمندر پر ایک بہت بڑی مچھلی دستیاب ہوئی۔ جو سب کے لئے کافی ہوئی۔ بنی کلاب کی نسبت خبر پہنچی کہ وہ غدر کا ارادہ رکھتے ہیں چنانچہ اسی ماہِ ذی الحجہ ۵ھ میں محمد بن مسلمہ تیس آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ اُس طرف روانہ ہو گئے۔ بنی کلاب نے اُن کا مقابلہ کیا۔ بنی کلاب کے دس آدمی مارے گئے باقی بھاگ گئے پچاس اُونٹ اور تین ہزار بکریاں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔

اسی طرح عکاشہ بن محصن مکہ کی جانب تفتیش حالات کے لیے روانہ کئے گئے۔ اور ایک مختصر گروہ نجد کی جانب بھیجا گیا۔ جو ثمامہ بن آثال کو گرفتار کرکے لایا۔ ثمامہ بن آثال نے صدق دل سے بخوشی اسلام قبول کیا۔ اور اپنے مُلک یمامہ میں جاکر غلہ کو مکہ کی طرف جانے سے روک دیا۔ قریشِ مکہ کو جب غلہ کی تکلیف ہوئی۔ تو آنحضرت صلعم کے پاس شکایت بھیجی۔ آپ نے حکم صادر فرمایا کہ مکہ میں غلہ بدستور سابق جانے دیا جائے۔ اُسی سال آپ نے اُن مہاجرین کو۔ جو مُلکِ حبش میں نجاشی کے پاس ہجرت کر گئے تھے۔ مدینہ میں بُلوایا۔ مگر مہاجرین کی ایک خاصی تعداد حبش میں باقی رہی۔

ہجرت کا چھٹا سال:۔ اوپر ۵ھ کے واقعات میں ذکر ہو چکا ہے۔ کہ غزوہ دومۃ الجندل سے واپس ہوتے ہوئے راستے میں عیینہ بن حصین نے آنحضرت صلعم سے مدینہ کی چراگاہوں میں اپنے اُونٹ چرانے کی اجازت حاصل کی تھی۔ اس اجازت سے اُس نے ایک سال تک بخوبی فائدہ اُٹھایا اور اِس احساس کا معاوضہ اُس احسان فراموش نے یہ دیا۔ کہ ایک روز موقع پاکر آنحضرت صلعم کے اُونٹوں پر چھاپہ مارا۔ بنو غفار کے ایک شخص کو قتل کرکے اُس کی عورت کو پکڑ کر اُونٹوں کے ساتھ ہی لے گیا۔ اسلمہؓ بن عمرو بن الاکوع کو اس حادثہ کی سب سے پہلے خبر ہوئی۔ اُنھوں نے مدینہ میں بلند آواز سے لوگوں کو اطلاع دی اور فوراً بدمعاشوں کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ اسلمہؓ کی آواز سُن کر آنحضرت صلعم عیینہ کی گرفتاری اور تعاقب کے لئے سوار ہوئے۔ آپ کی روانگی کے بعد مقداد بن الاسودؓ۔ عباد بن بشرؓ۔ سعد بن زیدؓ۔ عکاشہ بن محصنؓ۔ محرز بن نضلہؓ اسدی۔ ابو قتادہؓ وغیرہم روانہ ہوئے۔ اور آنحضرت صلعم سے جا ملے۔ آپ نے سعد بن زید کو سردار مقرر فرما کر صحابہ کی اس جماعت کے ساتھ آگے روانہ کیا۔ اور خود چشمہ ذو قرد پر قیام فرمایا۔ اسلمہ بن عمروؓ نے آخر اُن

بد معاشوں کو جا لیا۔ اِدھر یہ متعاقب جماعت بھی جا پہنچی۔ عیینہ بن حصین کو بھی مزید کمک اپنے
آدمیوں کی پہنچ گئی۔ مقابلہ ہوا۔ ایک صحابی اس لڑائی میں شہید ہوئے۔ دشمنوں کو سخت مقابلہ
کے بعد شکست ہوئی وہ سب فرار و منتشر ہو گئے۔ مسلمانوں نے اپنے اُونٹوں کے علاوہ دشمنوں
کے اُونٹوں پر بھی قبضہ پایا۔ سالماً غانماً چشمہ ذی قرد پر واپس آئے۔ آنحضرت صلعم نے دشمنوں کے
اُونٹوں میں سے ایک اُونٹ اُس جگہ ذبح کیا اور ایک شبانہ روز قیام کے بعد مدینہ کی طرف واپس
تشریف لائے۔ اسی سال آنحضرت صلعم کی خدمت میں خبر پہنچی کہ بنو بکر خیبر کے یہودیوں کے ساتھ
سازش کر کے مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو دو سو آدمی کے ساتھ بنو بکر کی سرکوبی
کے لئے روانہ کیا۔ راستہ میں قبیلۂ بنو بکر کا ایک جاسوس مسلمانوں نے گرفتار کیا۔ اُس جاسوس نے
کہا کہ مجھ کو جان کی امان دو تو میں تم کو بنو بکر کے مقام اجتماع کا پتہ بتا دوں۔ چنانچہ حضرت علی
کرم اللہ وجہہ نے اُس سے پتہ معلوم کیا اور حسبِ وعدہ رہا کر دیا۔ یہ لوگ مقام فدک پر مجتمع تھے۔
حضرت علیؓ نے حملہ کیا۔ دشمنوں سے سخت مقابلہ ہوا۔ بالآخر وہ سب بھاگ گئے۔ مالِ غنیمت میں
پانسو اُونٹ اور دو ہزار بکریاں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ اس غنیمت کو لے کر حضرت علیؓ مدینہ منورہ
کی طرف تشریف لے آئے۔

تبلیغِ اسلام:۔ شعبان ۶ھ میں آنحضرت صلعم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو نواحِ
دومۃ الجندل کی طرف تبلیغِ اسلام کے لئے روانہ کیا۔ یہاں کے باشندے ابھی تک مسلمان نہ
ہوئے تھے۔ ان کا ایک سردار اصبغ بن عمر کلبی عیسائی مذہب کا پیرو تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن عوفؓ
کی تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصبغ نے اسلام قبول کیا۔ اُس نواح کے اکثر باشندوں نے اس سردار
کی تقلید کی۔ بعض سردار جنھوں نے اسلام قبول نہ کیا جزیہ دینے پر رضا مند ہو گئے۔ اصبغ کی
بیٹی تماضر نامی کا نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے ہوا۔ اُسی کے بطن سے ابو سلمہؓ نامی فقیہ
جو اکابر تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں پیدا ہوئے۔

منافقوں کی شرارت کا ایک واقعہ:۔ عرنیہ ایک میدانی علاقہ کا نام ہے۔ وہاں کے چند اشخاص جو
قبیلہ عُکل سے تعلق رکھتے تھے۔ مدینہ میں آ کر بظاہر مسلمان ہو گئے۔ اور چند روز مدینہ میں رہ کر
شاکی ہوئے۔ کہ ہمارا گذارا مویشی کے دودھ پر ہے۔ غلہ کھانے کے ہم عادی نہیں ہیں۔ لہٰذا مدینے
میں رہنے سے ہمارے جسموں پر خارش پیدا ہو گئی۔ اور ہم سخت جسمانی اذیت میں مبتلا ہیں۔
آنحضرت صلعم نے اُن کو قبا کی پہاڑیوں پر جہاں آپؐ کے اونٹوں کی چراگاہ تھی بھیج دیا۔ وہاں

دودھ پی پی کر جب یہ لوگ خوب تندرست اور موٹے تازے ہو گئے۔ تو انھوں نے یہ شرارت کی کہ یسار نامی آنحضرت صلعم کے خادم کو جو اونٹوں کی حفاظت کے لئے مقرر تھا تنہا پاکر بڑی بے رحمی سے قتل کیا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹے۔ اُس کی آنکھوں میں ببول کے کانٹے چبھوئے اس کی دست و پا بُریدہ لاش کو ایک درخت کی شاخ سے باندھ کر لٹکا یا اور تمام اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ جب یہ خبر مدینہ میں پہنچی تو آنحضرت صلعم نے کرز بن خالد الفہری کو بیس سواروں کے ساتھ اُن کے تعاقب میں روانہ کیا۔ چنانچہ بدمعاش ابھی راستے ہی میں تھے۔ کہ گرفتار کئے گئے۔ جب گرفتار ہو کر مدینے میں پہنچے تو قتل کا حکم صادر ہوا اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔

صلح حدیبیہ :- اگرچہ ملکِ عرب میں دین ابراہیمی کا رواج تھا۔ اور اہل عرب شرک و بُت پرستی میں مبتلا تھے۔ لیکن خانۂ کعبہ کی عظمت کو سب تسلیم کرتے اور خانۂ کعبہ کا حج ہمیشہ کرتے تھے۔ حج کے ایام میں لڑائیوں کو بھی ملتوی کر دیتے تھے۔ ماہِ شوال ۶ھ میں آنحضرت صلعم نے خواب میں دیکھا کہ صحابۂ کرام کے ساتھ خانۂ کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ صحابۂ کرام اور آنحضرت صلعم کو خانۂ کعبہ کے طواف و زیارت کی آرزو بھی تھی۔ اس خواب سے اور بھی تحریک ہوئی۔ آپؐ نے عمرہ یعنی زیارتِ کعبہ کا عزم فرمایا۔ ماہِ ذیقعدہ ۶ھ میں آپؐ ایک ہزار چار سو صحابۂ کرام کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ عمرہ کا احرام باندھا اور قربانی کے ستر اونٹ ہمراہ لئے۔ احرام کا باندھنا اور قربانی کے اونٹوں کا ہمراہ ہونا اس بات کی علامت تھی کہ آپ جنگ کے ارادے سے نہیں نکلے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت آپؐ کا مقصد ہے۔ قریشِ مکہ کو بھی کسی طرح حق حاصل نہ تھا۔ کہ وہ کعبہ کی زیارت سے کسی کو باز رکھیں۔

مقام ذوالحلیفہ میں پہنچ کر آپؐ نے قبیلۂ خزاعہ کے ایک شخص کو احتیاطاً بطور جاسوس آگے روانہ کیا۔ اُس نے مقام عسفان میں واپس آکر آپؐ کو اطلاع دی کہ قریش نے آپؐ کی آمد کا حال سُن کر بڑی زبردست جمعیت مقابلہ کے لئے فراہم کرلی ہے۔ اور وہ آپؐ کو خانۂ کعبہ تک پہنچنے سے روکیں گے۔ آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ہم لوگ عمرے کی نیت سے آئے ہیں لڑنے کے ارادے سے نہیں آئے۔ اگر کوئی شخص ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو تو ہمیں مجبوراً اس سے لڑنا چاہئیے۔ آپؐ نے یہ رائے سُن کر آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ قریش مکہ نے خالد بن ولید کو سواروں کا ایک دستہ دے کر مقام کراع الغمیم پر بھیج دیا۔ کہ مسلمانوں کو مکہ کی طرف بڑھنے سے روکیں۔ آپؐ نے عسفان سے روانہ ہو کر راستے سے کسی قدر دہنی

جانب کترا کر سفر اختیار کیا۔ اور یکایک خالد بن ولید کے قریب پہنچے۔ خالد بن ولید مسلمانوں کی اس یکایک آمد سے سراسیمہ ہو کر مکہ کی جانب سرپٹ گھوڑا دوڑا کر گئے۔ اور اہلِ مکہ کو مسلمان کے قریب پہنچ جانے کی اطلاع دی۔ آپ بڑھتے ہوئے اُس پہاڑی پشتہ تک پہنچ گئے جس سے دوسری جانب اُتر کر شہر مکہ کا نواحی میدان شروع ہو جاتا تھا۔ آپؐ کی اُونٹنی اُس جگہ بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا کہ اُونٹنی نے دھوکہ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اونٹنی نے دھوکا نہیں دیا۔ حرمتِ الٰہی کے خلاف تمھاری خواہشیں پوری نہیں ہو سکتیں۔

مقامِ حدیبیہ:۔ آپؐ کی خواہش یہ تھی کہ بیت اللہ اور مکہ پر جو بلد الحرام ہے حملہ کرنا حرمتِ کعبہ کے خلاف ہے۔ اِس لئے خدا تم کو روک رہا ہے۔ پھر آپؐ نے اونٹنی کو ڈانٹا وہ اُٹھ کر چل پڑی۔ آپؐ نے مقامِ حدیبیہ کے کنوئیں پر پہنچ کر قیام کیا۔ اُس کنوئیں میں بہت ہی تھوڑا سا پانی تھا۔ جو ذرا سی دیر میں ختم ہو گیا۔ لوگوں کو پانی کی تکلیف ہوئی۔ آپؐ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر حضرت براء بن عازبؓ کو دیا۔ کہ یہ تیر کنوئیں میں ڈال دو۔ تیر کے ڈالتے ہی پانی کنوئیں میں اس قدر بڑھ گیا۔ کہ لشکرِ اسلام کو پانی کی قطعاً تکلیف نہ ہوئی۔ جب حدیبیہ میں آپؐ مقیم ہوئے۔ تو قریشِ مکہ کی جانب سے بُدیل بن ورقا خزاعی آپؐ کے پاس چند قوموں کے ہمراہ آیا اور آپؐ کے آنے کا سبب دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ قافلہ کے آگے قربانی کے اُونٹوں کی قطار ہے اور ہم احرام باندھے ہوئے ہیں۔ بُدیل یہ سُن کر واپس چلا گیا۔ اور قریشِ مکہ سے کہا کہ تم ناحق شور و غوغا مچا رہے ہو۔ محمد (صلعم) تو صرف بیت اللہ کی زیارت کو آتے ہیں۔ تم سے لڑنے کو نہیں آئے۔ قریش کے فتنہ پسند لوگوں نے کہا کہ ہم اُن کو بیت اللہ کی زیارت کے لئے بھی نہیں آنے دیں گے۔ لیکن اُن کے سمجھ دار لوگ کچھ خاموش ہو کر سوچنے لگے۔ اُس کے بعد اہلِ مکہ نے حلیس بن علقمہ کنانی قبائلِ احابیش کے سردار اعظم کو قاصد بنا کر بھیجا۔ وہ آنحضرت صلعم کے پاس تک بھی نہیں آیا بلکہ قربانی کے اونٹوں کو دیکھ کر راستے ہی سے واپس چلا گیا۔ اور کہا کہ مسلمان لڑنے کے ارادے سے نہیں آئے بلکہ عُمرے کے ارادے سے آئے ہیں۔ زیارتِ کعبہ سے روکنے کا کوئی حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ یہ سُن کر قریش نے کہا کہ تم جنگلی آدمی کچھ نہیں جانتے ہو۔ ہم مسلمانوں کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ ورنہ ہماری بڑی بے عزتی ہو گی۔ حلیس کو سُن کر غصہ آگیا۔ اُس نے کہا اگر تم مسلمانوں کو عُمرہ نہ ادا کرنے دو گے تو میں اپنے تمام آدمیوں کو لے کر تم سے لڑوں گا۔ یہ رنگ دیکھ کر قریش نے حلیس کے غصہ کو ٹھنڈا کیا اور منت و سماجت کے ساتھ

سمجھا بجھا کر اُسے خاموش کیا۔ اب آنحضرت صلعم نے خراش بن اُمیّہ خزاعی کو تغلب نامی اُونٹ دے کر قریش مکّہ کے پاس روانہ کیا اور کہلا بھجوایا کہ ہم لڑنے کے ارادے سے نہیں آئے۔ ہمارا مقصود صرف زیارتِ کعبہ سے مشرف ہونا اور قربانی ادا کرنا ہے۔ خراش نے یہ پیغام قریش کو پہنچایا۔ قریش نے خراش کے اُونٹ کو ذبح کر دیا۔ اور خراش کو بھی مار ڈالنا چاہا۔ لیکن حلیس اور اس کے لوگوں نے خراش کو قریشِ مکّہ کے چنگل سے بچا کر واپس روانہ کر دیا۔ اس کے بعد قریش کے خود سر نوجوانوں کی ایک جماعت مکہ سے نکل کر وادی میں آئی کہ موقعہ پا کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو لیکن صحابہ کرامؓ نے اُن کو دیکھ لیا۔ اور سب کو گرفتار کر لیا۔ مگر بعد میں آنحضرت صلعم کے حکم کے موافق سب کو رہا کر دیا۔ اب آنحضرت صلعم نے ارادہ کیا۔ کہ حضرت عمر فاروقؓ کو اہلِ مکہ کے پاس بھیجیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا۔ کہ مجھ کو اہلِ مکّہ کے پاس جانے میں کوئی عذر نہیں ہے لیکن مکہ میں میرے قبیلہ بنو عدی بن کعب کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ جو مجھ کو اپنی حمایت میں لے۔ لہٰذا میرا جانا خطرہ کا موجب ہو سکتا ہے۔ مجھ سے بہتر عثمان بن عفانؓ ہیں۔ کیونکہ اُن کے قبیلہ بنو امیہ کے بہت سے با اثر اور طاقتور آدمی موجود ہیں۔ پھر آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ کی اس تجویز کو بہت پسند فرمایا اور حضرت عثمان غنیؓ کو بطور ایلچی ابو سفیان کے پاس روانہ کیا۔ حضرت عثمانؓ کی مکہ میں سب سے اوّل ابان بن سعید بن العاص سے مُلاقات ہوئی۔ ابان نے فوراً اُن کو اپنی حمایت میں لے لیا۔ اور ابو سفیان اور دوسرے سردارانِ قریش کے پاس لے گیا۔ سردارانِ قریش نے حضرت عثمان غنیؓ سے آنحضرت صلعم کا پیغام سُن کر کہا کہ ہم تم کو تو اجازت دیتے ہیں۔ خانہ کعبہ کا طواف کر لو۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں بغیر آنحضرت صلعم کے تنہا طواف نہیں کر سکتا۔ یہ سُن کر قریش برہم ہوئے۔ اور حضرت عثمانؓ کو مکہ میں روک لیا۔

بیعتِ رضوان:۔ حضرت عثمانؓ کے جب واپس آنے میں توقف ہوا۔ تو مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ عثمانؓ کو مکہ والوں نے شہید کر دیا ہے۔ اس خبر کے سُنتے ہی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب تک عثمانؓ کے قتل کا بدلہ نہ لے لیں گے یہاں سے نہ ٹلیں گے چنانچہ اُسی وقت آپؐ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور تمام صحابہؓ سے جان نثاری کی بیعت لی۔ یہ بیعت۔ بیعتِ رضوان کے نام مشہور ہوئی۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح ہے لقد رضی اللّٰہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ۔ ترجمہ:۔ جس وقت مسلمانوں نے اے رسول تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کی تو خدا تعالیٰ اُن سے خوش ہو گیا۔"

مگر تھوڑی ہی دیر بعد حضرت عثمان غنیؓ مکہ سے تشریف لے آئے۔ اور اُنھوں نے بھی آنحضرت صلعم سے اسی قسم کی بیعت کی۔ کفارِ مکہ کے مآل اندیش اور سمجھدار لوگوں نے تو لڑائی کو نا پسند کیا تھا۔ لیکن کثرت اُن میں ایسے لوگوں کی تھی جو فساد پر آمادہ تھے۔ اب مسلمانوں کی جنگ پر آمادگی اور تیاری کو دیکھ کر یہ فسادی لوگ بھی کچھ کچھ صلح و آشتی کی طرف مائل ہوئے۔ چنانچہ مکہ والوں نے قبیلۂ بنو ثقیف کے سردار عُروہ بن مسعود کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں بھیجا۔ عُروہ نے آکر کہا کہ محمد (صلعم) قریش کے تمام قبائل تمھارے مقابلے کے لئے آمادہ و مستعد ہیں تمھارے ساتھ جو لوگ ہیں مقابلے کے وقت یہ سب تم کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے اور قریش کے سامنے ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عُروہ کا یہ کلام سن کر نہایت سخت جواب دیا۔ عُروہ خاموش ہو کر رہ گیا۔ آنحضرت صلعم نے عُروہ سے کہا کہ ہم لڑائی کے ارادے سے نہیں بلکہ عُمرے کے ارادے سے آئے ہیں۔ لیکن اگر مکہ والے لڑائی پر آمادہ ہیں تو مَیں اپنے امرِ نبوت کے لئے اُس وقت تک اُن سے لڑوں گا۔ جب تک میری ہڈیاں گوشت سے برہنہ ہو جائیں یا خدا اپنا حکم صادر فرمائے۔ مکہ والے اگر چاہیں تو ایک مُدت کے لئے مجھ سے التوائے جنگ کا معاہدہ کر سکتے ہیں۔ وہ مجھ کو تبلیغ و ہدایت کا کام کرنے دیں۔ اور چاہیں تو خود بھی اسلام قبول کر کے جنگ و جدل کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں۔

رسول سے صحابہ کی والہانہ محبت: عُروہ جب آنحضرت صلعم سے باتیں کر رہا تھا۔ تو وہ اپنا ہاتھ پھیلا پھیلا کر آنحضرت صلعم کی ڈاڑھی کے قریب لے جاتا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو اُس کی یہ حرکت ناگوار گذری اُنھوں نے اپنا قبضۂ شمشیر اُس کے ہاتھ پر مارا اور مؤدبانہ کلام کے لئے کہا۔ عُروہ جب قریشِ مکہ کے پاس واپس گیا۔ تو کہا کہ یا معشرِ قریش! میں نے ہراقلۂ روم اور اکاسرۂ ایران کے دربار دیکھے ہیں۔ میں نے کسی بادشاہ کو اپنے ہمراہیوں میں اس قدر محبوب و مکرم نہیں پایا۔ جس قدر محمد (صلعم) اپنے اصحاب میں محبوب و باعزت ہیں۔ اصحابِ محمد (صلعم) کی یہ حالت ہے۔ کہ وہ محمد (صلعم) کے وضو کا پانی زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ جب وہ کلام کرتے ہیں تو سب خاموشی سے سُنتے ہیں اور تعظیم کی راہ سے اُن کی طرف نگاہ بھر کر نہیں دیکھتے۔ یہ لوگ کسی طرح محمد (صلعم) کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔ محمد (صلعم) نے جو بات تمھارے سامنے پیش کی ہے۔ تم اُس کو قبول کر لو۔ اور مناسب یہی ہے کہ صلح کو غنیمت جانو۔ اُس کے بعد قریشِ مکہ نے سہیل بن عمرو کو اپنا مختارِ کل بنا کر بھیجا اور اُس کو سمجھا دیا کہ صُلح صرف اس طرح ہو سکتی ہے۔ کہ امسال محمد (صلعم) معہ اپنے

ہمراہیوں کے واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آکر عمرہ کریں۔
آنحضرت صلعم نے جب دُور سے سہیلؔ کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ معاملہ اب سہل ہو گیا۔ قریش نے جب اس شخص کو بھیجا ہے۔ تو اُن کی نیت مصالحت کی ہے۔ چنانچہ سہیلؔ نے شرائط صلح پیش کئے۔ آنحضرت صلعم نے اُن شرائط کو قبول فرما لیا اُسی وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ صلح نامہ لکھنے کے لئے طلب کئے گئے۔ حضرت علیؓ نے دستاویز کی پیشانی پر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھا تو سہیلؔ نے کہا کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے تم ہمارے دستور کے موافق باسمک اللھم لکھو۔ آپؐ نے فرمایا۔ اچھا ایسے ہی لکھدو۔ جب حضرت علیؓ نے آنحضرت صلعم کا نام "محمد رسول اللہ" لکھا تو سہیلؔ نے اس پر بھی اعتراض کیا۔ اور کہا کہ اگر ہم آپؐ کو رسول تسلیم کرتے تو پھر یہاں تک نوبت ہی کیوں پہنچتی۔ تم صرف "محمد بن عبداللہ" ہی لکھو۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ خواہ تم مانو یا نہ مانو۔ پھر حضرت علیؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ سہیلؔ کی خواہش کے مطابق اس لفظ کو کاٹ دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا۔ کہ مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا کہ میں لفظ "رسول اللہ" کو قلم سے کاٹوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ لاؤ میں اپنے ہاتھ سے کاٹے دیتا ہوں چنانچہ آپؐ نے خود اپنے ہاتھ سے اُس لفظ پر قلم پھیر دیا۔

شرائط:۔ اس صلح نامہ یا عہد نامہ کے شرائط یہ تھے۔

۱۔ مسلمان اس سال عمرہ نہ کریں گے۔ آئندہ سال آکر عمرہ کریں گے۔ مکہ میں داخل ہوتے وقت سوائے تلوار کے کوئی ہتھیار اُن کے پاس نہ ہوگا۔ تلوار بھی نیام کے اندر ہوگی۔ اور تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں گے۔

۲۔ صلح کی میعاد دس سال ہوگی۔ اس عرصہ میں کوئی فریق دوسرے فریق کے جان و مال سے قطعاً متعرض نہ ہوگا۔ باہم امن وامان کے ساتھ رہیں گے۔

۳۔ عرب کی ہر ایک قوم اور ہر ایک قبیلہ کو اختیار ہوگا۔ کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہے ہم عہد ہو جائے۔ ان ہم عہد قبائل پر بھی اس صلح نامہ کی شرائط اسی طرح نافذ ہوں گی۔ دونوں فریق قبائل کو اپنا ہم عہد اور حلیف بنانے میں آزاد ہوں گے۔

۴۔ اگر قریش میں سے کوئی شخص بلا اجازت اپنے ولی کے مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو قریش کی طرف واپس کیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس آجائے گا۔ تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

معاہدہ صلح کا ردِّ عمل:- اس معاہدہ کی چوتھی شرط صحابۂ کرام کو سخت ناگوار اور گراں معلوم ہوتی تھی۔ اتفاق سے ابھی عہد نامہ لکھا ہی جا رہا تھا۔ کہ خود سہیل کا بیٹا ابو جندلؓ جو مسلمان ہو گیا تھا۔ اور اس جرم میں پابندِ سلاسل کر دیا گیا تھا کسی طرح قید سے نکل کر اور بھاگ کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت ابو جندلؓ کو کفار نے جرمِ اسلام کے سبب سخت سخت جسمانی ایذائیں دی تھیں۔ ان کے جسم پر زخموں کے نشان اور تازہ زخم موجود تھے۔ اُنھوں نے وہ زخم دکھائے اور فریاد کی کہ مجھے ضرور اپنے ساتھ مدینے لے چلیے۔ سہیل نے کہا کہ عہد نامہ کی شرط کے موافق ابو جندلؓ ہم کو واپس ملنا چاہیے۔ آنحضرت صلعم نے سہیل کو سمجھایا مگر وہ راضی نہ ہوا۔ بالآخر ابو جندلؓ سہیل کے سپرد کر دیئے گئے۔ سہیل وہیں سے ابو جندل کو مارتا ہوا مکہ کی طرف لے چلا۔ اس نظارہ کو دیکھ کر حضرت عمرؓ بیتاب ہو گئے۔ فوراً آنحضرت صلعم کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نبیؐ برحق نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ لاریب میں نبیؐ برحق ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ بے شک تم مسلمان ہو۔ حضرت عمرؓ نے پھر کہا کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا وہ ضرور مشرک ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ پھر ہم دین کے معاملے میں ایسی ذلّت کیوں گوارا کریں؟ آپؐ نے فرمایا۔ میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔ اُس کے حکم کی مخالفت اور بد عہدی نہیں کر سکتا۔ وہ مجھے ہرگز ذلیل نہ کرے گا۔ اس کے بعد جب حضرت عمرؓ کا غصہ فرو ہوا۔ تو وہ اپنی اس جرأت و گستاخی پر بہت ہی پشیمان ہوئے۔ زندگی بھر توبہ و استغفار کرتے۔ اور غلام آزاد کرتے رہے۔

فتحِ مُبین:- صلح نامہ کی تکمیل کے بعد آنحضرت صلعم اور مسلمانوں نے حدیبیہ کے مقام پر قربانیاں کیں۔ احرام کھولے اور حجامتیں بنوائیں۔ اس صلح نامہ یا عہد نامہ کے بعد قبیلہ خزاعہ آنحضرت صلعم کا حلیف ہو گیا۔ اور قبیلہ بنو بکر قریشِ مکہ کا حلیف بن گیا۔ خزاعہ اور بنو بکر میں مدتوں سے عداوت چلی آتی تھی۔ یہ دونوں چونکہ ایک ایک فریق کے حلیف بن گئے۔ لہٰذا جس طرح آنحضرت صلعم اور قریش کے درمیان امن و امان کے ساتھ رہنے کا عہد ہوا اُسی طرح ان دونوں میں بھی صلح قائم ہو گئی۔ جب آپؐ حدیبیہ سے مدینے کو واپس تشریف لا رہے تھے۔ تو راستے میں سورہ فتح نازل ہوئی اور خدائے تعالیٰ نے اسی صلح کو جسے صحابہ کرامؓ ایک قسم کی شکست سمجھ رہے تھے فتح مبین قرار دیا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ صلح اسلام کے لئے فتح مبین ہی تھی۔ صحابہ کرام اس کو شکست اس لئے سمجھ رہے تھے کہ بظاہر بعض شرائط میں اپنے آپ کو دبا ہوا اور کمزور پاتے تھے۔ لیکن بہت جلد بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کمزور شرائط ہی بے حد مفید شرائط تھیں۔ اسلام کے لئے سب سے بڑی فتح تو یہ تھی کہ جنگ و پیکار کا سلسلہ ختم ہو کر امن و امان

اور اطمینان حاصل ہوا۔ اسلام جس قدر امن و امان کی حالت میں اپنا دائرہ وسیع کر سکتا ہے لڑائی اور جنگ و جدل کی حالت میں اس قدر نہیں پھیل سکتا۔ اسلام کا اصل منشا ہی یہ ہے۔ کہ دنیا میں انسان امن و امان کی زندگی بسر کرے۔ اسلام کو لڑائی بھی اسی لئے کرنی پڑتی ہے کہ امن و امان قائم ہو۔ اسلامی لڑائیاں لڑائیوں کے لئے نہیں بلکہ لڑائیوں کو مٹانے اور امن و امان قائم کرنے کے لئے تھیں۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد صرف دو برس کے عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد دُگنی ہو گئی تھی۔

صلح حدیبیہ کے نتائج:۔ معاہدہ کی چوتھی شرط سب سے زیادہ صحابہ کرامؓ کو ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ اب اس شرط کے نتائج دیکھئے۔ چند روز کے بعد ایک شخص ابو بصیرؓ جو مکہ میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ مکہ کی ماند بود سے تنگ آ کر بھاگے اور مدینہ میں آ کر پناہ گزیں ہوئے۔ قریش نے اپنے دو آدمی آنحضرت صلعم کی خدمت میں بھیجے کہ معاہدہ کے موافق ابو بصیرؓ کو واپس بھیجا جائے۔ آپؐ نے ابو بصیرؓ کی خواہش پر معاہدہ کی پابندی کو ترجیح دی اور اُن دونوں شخصوں کے ہمراہ ابو بصیرؓ کو واپس کر دیا۔ ابو بصیرؓ تو مکہ میں واپس جانا اپنے لئے موت سے بدتر سمجھتے تھے۔ ذی الحلیفہ پہنچ کر ابو بصیرؓ کو ایک راہِ مفر سُوجھی۔ انھوں نے اپنے محافظوں میں سے ایک سے کہا کہ تمھاری تلوار بڑی اعلیٰ درجہ کی معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے محافظ نے یہ سُن کر اپنے ساتھی کی تلوار کو برہنہ کر کے ہاتھ میں لیا اور تعریف کرنے لگا۔ ابو بصیرؓ نے کہا ذرا مجھے تو دکھاؤ۔ اُس نے تلوار بلا تکلف ابو بصیرؓ کے ہاتھ میں دے دی۔ ابو بصیرؓ نے تلوار ہاتھ میں لیتے ہی ایک ہاتھ اس صفائی اور چابک دستی سے مارا کہ اُن میں سے ایک کا سر کٹتا سا الگ جا پڑا۔ دوسرا فوراً اُٹھ کر بھاگ گیا۔ ابو بصیرؓ تلوار لئے ہوئے اُس کے پیچھے دوڑے وہ وہاں سے مدینے ہی کی طرف بھاگا۔ اور ابو بصیرؓ سے پہلے مدینے میں داخل ہوا۔ مسجد نبویؐ میں حواس باختہ گھبرایا ہوا آیا۔ آنحضرت صلعم سے اپنے ساتھی کے مارے جانے کا حال سُنایا وہ ابھی حال سُنا ہی رہا تھا۔ کہ ابو بصیرؓ بھی تلوار لئے ہوئے سامنے سے نمودار ہوئے۔ آپؐ نے ابو بصیرؓ کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ آتشِ جنگ بھڑکانا چاہتا ہے۔ اگر اس کی مدد کی گئی تو ضرور لڑائی کرا کر رہے گا۔ آپؐ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سُن کر ابو بصیرؓ کو یقین ہو گیا۔ کہ مدینے میں میرا رہنا دشوار ہے۔ اُنھوں نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا۔ کہ آپؐ نے تو اپنا عہد پورا کر دیا۔ اور مجھ کو ان مشرکوں کے سُپرد فرما دیا تھا۔ لیکن خدا نے مجھ کو پھر آزاد

کردیا۔ آپ اپنے عہد کی پابندی میں مجھ کو پھر مشرکوں کے سپرد فرمائیں گے۔ لہٰذا میں جاتا ہوں
یہ کہہ کر وہ وہاں سے چل دیئے۔ قریش کا آدمی مکہ میں گیا۔ اور تمام حال قریش مکہ کو سُنایا۔
ابوبصیرؓ مدینہ سے روانہ ہوکر ساحلِ سمندر کے قریب مقامِ عیص میں مقیم ہو گئے۔ ابوجندلؓ
بن سہیل جن کا حال اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ ابوبصیرؓ کا حال سن کر مکہ سے فرار ہوئے اور سیدھے
مقام عیص میں ابوبصیرؓ کے پاس پہنچ گئے۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے جو شخص مکہ میں مسلمان
ہوتا۔ مکہ سے بھاگ کر ابوبصیرؓ کے گروہ میں شریک ہو جاتا، رفتہ رفتہ اُن کا ایک زبردست گروہ
مقام عیص میں جمع ہو گیا۔ اب اس گروہ نے قریش مکہ کے قافلوں پر، جو ملکِ شام کو تجارت کے
لئے جاتے تھے۔ چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ قریشِ مکہ کے لئے یہ گروہ اس قدر پُرخطر
ثابت ہوا کہ اُن کا ناک میں دم آ گیا۔ اور وہ تنگ اور عاجز ہو کر، بجز اس کے اور کچھ نہ کر سکے
کہ اُنھوں نے بہ منت آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہم معاہدہ کی چوتھی شرط
کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اب جو شخص مسلمان ہو کر مکہ سے مدینے جائے گا۔ ہم ہرگز اس کو واپس
نہ لیں گے۔ اور ازراہِ کرم آپ عیص والے مسلمانوں یعنی جماعت ابوبصیرؓ کو بھی اپنے پاس
مدینے میں بُلا لیں۔ آپ نے قریشِ مکہ کی اس درخواست کو منظور فرما لیا اور ابوبصیرؓ کے پاس
پیغام بھیجا کہ تم معہ اپنی جماعت کے مدینے میں چلے آؤ۔ جب آپ کا یہ فرمان عیص میں پہنچا
ہے۔ تو ابوبصیرؓ بیمار اور صاحبِ فراش تھے۔ اُنھوں نے ابوجندلؓ کو بلا کر ہدایت کی کہ تم اس
حکم کی تعمیل کرو۔ اس کے بعد ابوبصیرؓ کا انتقال ہو گیا۔ اور ابوجندلؓ معہ رفقاء مدینے میں چلے
آئے۔ ابوبصیرؓ کا مذکورہ واقعہ معاہدہ حدیبیہ کے سلسلہ میں اس جگہ مسلسل بیان کر دیا گیا
ہے۔ ورنہ اس کا تعلق ۷ھ سے ہے۔

حبشہ کے مہاجرین کی واپسی:۔ حدیبیہ سے واپس تشریف لاکر آپ نے عمروؓ بن اُمیّہ ضمری کو
نجاشی شاہ حبش کے نام ایک خط دے کر ملکِ حبش کی طرف روانہ کیا کہ وہاں سے حضرت
جعفر بن ابی طالبؓ اور تمام مہاجر مسلمانوں کو حبش سے واپس مدینہ میں لے آئیں۔ اس
خط میں آپ نے نجاشی کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ نجاشی نے اس خط کو پڑھ کر فوراً اسلام
قبول کیا۔ اور تحف وہدایا کے ساتھ مسلمانوں کو مدینے کی طرف رخصت کیا۔ آپ حدیبیہ سے واپس
ہو کر ماہ ذی الحجہ میں مدینے پہنچے۔ محرم ۷ھ تک مدینے میں قیام فرما رہے۔ ۷ھ کے آخر میں
آپ نے اُونٹ اور گھوڑوں کے دوڑانے کا قاعدہ مسلمانوں میں جاری کیا۔ حضرت عائشہؓ کی

والدہ ماجدہ نے اسی سال انتقال فرمایا اور ابو ہریرہؓ اسی سال مسلمان ہوئے۔

فتح خیبر

ہجرت کا ساتواں سال:۔ صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ کو مشرکین مکہ کی طرف سے اطمینان حاصل ہو گیا تھا۔ لیکن مدینے آکر معلوم ہوا کہ خیبر کے علاقہ میں مسلمانوں کی بیخ کنی اور مدینہ پر حملہ آوری کے سامان مکمل ہو رہے ہیں۔ مدینہ سے بنو نضیر اور بنو قریظہ جلاوطن ہو ہو کر خیبر ہی میں اقامت گزیں ہوئے تھے۔ ان یہودیوں کے دلوں میں مسلمانوں کی عداوت و دشمنی کے آتش کدے شعلہ زن تھے۔ اُنھوں نے خیبر کے یہودیوں کو بھی مسلمانوں کی عداوت پر بہت جلد مستعد و آمادہ کر لیا۔ مکہ کے بعد اب مسلمانوں کی مخالفت و عداوت کا سب سے بڑا مرکز خیبر تھا۔ یہود کے تقریباً تمام طاقتور قبائل خیبر میں مجتمع ہو کر پہلے تو مشرکین مکہ اور عرب کے دوسرے طاقتور قبائل کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنے میں مصروف رہے۔ اب اُنھوں نے مسلمانوں کے مقابلے اور استیصال کی جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ عرب کے قبیلہ غطفان کو اُنھوں نے اس شرط پر اپنا شریک بنایا کہ مدینے کی نصف پیداوار تم کو دی جائے گی۔

یہودیوں کی جنگی تیاریاں معمولی نہ تھیں۔ بلکہ اُن کا دائرہ نہایت وسیع اور اُن کی ریشہ دوانیاں نہایت خطرناک تھیں۔ چنانچہ اُنھوں نے مدینے کے منافقین کو بھی اپنا شریک کار بنا لیا تھا۔ اِن منافق جاسوسوں کے ذریعے وہ خیبر میں دُور کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے مسلمانوں کی ایک ایک حرکت سے باخبر رہتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے یہودیوں کی اِن تیاریوں کا حال سُن کر محرم ۷ھ میں پندرہ سو صحابۂ کرامؓ کے ساتھ جن میں دو سو سوار تھے مدینہ سے خیبر کی جانب کوچ فرمایا اور مدینے میں حضرت سباع بن عرفطہؓ کو عامل بنا کر چھوڑا۔ آپؐ نے خیبر کے قریب پہنچ کر خیبر اور بنی غطفان کے درمیان مقام رجیع کو لشکرگاہ تجویز فرمایا۔ بنی غطفان کو یہ خوف ہوا۔ کہ مسلمان ہماری بستیوں پر حملہ آور ہوں گے۔ اس لئے وہ اپنے ہی گھروں میں مدافعت اور مقابلے کے لئے موجود رہے۔ خیبر کے یہودیوں کی مدد کو نہ جا سکے۔

خیبر کے علاقہ میں یہودیوں کے پاس ایک دستہ کے قریب قریب چھ زبردست قلعے

تھے۔ یہودیوں نے اسلامی لشکر کے پہنچنے پر میدان میں نکل کر مبارز طلبی کی۔ اُن میں مرحب اور یاسر دو بہت بڑے بہادر اور دیل تن جنگ جو تھے۔ انھوں نے جب میدان میں نکل کر اپنا حریف طلب کیا تو مسلمانوں کی طرف سے محمدؐ بن مسلمہؓ اور زبیر بن العوامؓ نکلے۔ محمدؐ بن مسلمہؓ نے مرحب کو اور زبیر بن العوامؓ نے یاسر کو قتل کیا۔ بعض روایات میں مرحب کا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ہاتھ سے مقتول ہونا بیان کیا گیا ہے۔

میدانِ جنگ میں یہودیوں نے مسلمانوں کا مقابلہ دشوار سمجھا۔ تو انھوں نے قلعہ بند ہوجانا مناسب سمجھا۔ اُن قلعوں میں صعب بن معاذ کا قلعہ سب سے زیادہ مضبوط اور ایسے موقعہ پر واقع تھا۔ کہ اُس سے دوسرے تمام قلعوں کو مدد پہنچتی تھی۔ لشکرِ اسلام نے سب سے پہلے قلعۂ ناعم پر حملہ کیا اور سخت کوشش و مقابلے کے بعد ناعم پر قبضہ کرلیا۔ اس قلعہ پر حملہ کرتے وقت حضرت محمدؐ بن مسلمہؓ پر قلعہ والوں نے اُوپر سے پتھر کی ایک چکی ڈال دی جس سے وہ شہید ہو گئے۔ اس کے بعد ابی الحقیق یہودی کے قلعہ قموص پر حملہ ہوا۔ یہ قلعہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اسی قلعہ میں سے صفیہ بنت حیی ابن اخطب اور دوسرے بہت سے قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ صفیہ بنت حیی کی شادی کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق سے ہوئی تھی۔ بعد گرفتاری وہ حضرت دحیہؓ کے حصے میں آئی تھیں۔ اُن سے آنحضرت صلعم نے خرید کر آزاد کردیا۔ پھر وہ آنحضرت صلعم کی زوجیت میں آگئیں۔ قموص کے بعد صعب بن معاذ کا قلعہ مفتوح ہوا۔ اُس کے بعد خیبر کا چوتھا قلعہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

آخر میں وطیح اور سلالم دو قلعے باقی رہ گئے۔ ان دونوں کا دس روز تک مسلمانوں نے محاصرہ کیا۔ محصور یہودی جب محاصرہ کی شدت سے تنگ آگئے تو انھوں نے آنحضرت صلعم کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم کو نصف پیداوار بطور مال گذاری لینے کی شرط پر اگر ہماری زمینوں پر قابض رکھا جائے تو ہم اطاعت قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ ان یہودیوں کو زراعت اور باغات کی نصف پیداوار کے اخراج پر بطور رعایا اُن کی املاک واراضیات پر قابض اور آباد رہنے دیا گیا۔ جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخر عہدِ خلافت تک خیبر میں آباد رہے۔

خیبر کی اس جنگ میں پندرہ مسلمان شہید ہوئے۔ چار مہاجرین میں سے۔ گیارہ انصار میں سے اور ۹۳ یہودی مارے گئے۔ اسی جنگ میں حمار اہلی کے گوشت کو مسلمانوں کے لئے حرام

قرار دیا گیا۔ اسی جنگ میں متعہ کو ہمیشہ کے لئے حرام کیا گیا۔ یہودیوں کے ایک سردار سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت الحرث نے ایک سالم بکری بھنی ہوئی زہر آلود آپؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کی۔ آپؐ نے اور آپؐ کے ساتھ حضرت بشرؓ بن البراء بن معرور نے اس کو کھانا شروع کیا۔ آپؐ نے اُس کو چکھتے ہی تھوک دیا۔ اور فرمایا کہ مجھ کو اس بکری کی ہڈیاں خبر دیتی ہیں کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ مگر حضرت بشرؓ اُس کے گوشت میں سے کچھ چبا کر نگل چکے تھے۔ چنانچہ وہ اُسی وقت شہید ہو گئے۔ زینب یہودہ کو بلوایا گیا۔ اُس نے زہر ملانے کا اقرار کیا۔ اور وہ وارثانِ بشرؓ کے حوالے کی گئی مگر اُنھوں نے اس لئے اس کو قتل نہ کیا کہ وہ مسلمان ہو گئی تھی۔ ابھی خیبر سے مدینہ کی طرف واپسی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ کہ ملک حبش سے واپس آنے والے مہاجرین کا قافلہ معہ شاہِ حبش کے خط اور ہدایہ کے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس قافلے میں حضرت جعفر بن ابی طالب۔ اُن کی بیوی اسماء بنت عمیس۔ اُن کے لڑکے عبداللہؓ۔ عونؓ۔ محمدؓ۔ اور حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص بن اُمیہ۔ اُن کی بیوی امینہ بنت خلفا۔ اور اُن کے لڑکے سعیدؓ۔ اور حضرت ام خالدؓ۔ حضرت عمرو بن سعیدؓ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ۔ جہم بن قیسؓ۔ حرث بن خالدؓ۔ محمیہ بن غدارؓ۔ معمرؓ بن عبداللہ۔ ابو حاطبؓ بن عمرو۔ ملک بن ربیعہ بن قیسؓ اور عمرو بن اُمیہ ضمریؓ جو ان لوگوں کو لینے کے لئے گئے تھے شامل تھے۔ آپؐ ان مومنین سے مل کر بہت مسرور ہوئے۔ خیبر سے واپسی میں فدک ایک مقام تھا۔ جو خیبر سے زیادہ دُور نہ تھا۔ فدک کے یہودیوں نے خود پیغام بھیجا کہ ہم کو صرف ہماری جانوں کی امان دی جائے مال و اسباب سے ہم کو سروکار نہیں آنحضرت صلعم نے اُن کی اس درخواست کو منظور فرما لیا۔ چونکہ فدک پر حملہ نہیں کیا گیا۔ اور نہ اس پر کسی سوار و پیادے کو تلوار یا نیزہ چلانے کا موقعہ ملا تھا۔ لہٰذا بلا تقسیم جیسا کہ خدا تعالےٰ کا حکم تھا۔ خدا اور رسول کا مال سمجھا گیا اور ملکیت بیت المال قرار دیا گیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر وادی القریٰ کی طرف لشکر اسلام آیا تو وہاں کے یہودیوں نے مسلمانوں پر تیراندازی شروع کی۔ چنانچہ اُن کا بھی محاصرہ کیا گیا اور آخر انھوں نے بھی نصف بٹائی پر جیسا کہ خیبر والوں نے اطاعت قبول کی تھی۔ اطاعت قبول کر لی۔ وادی القریٰ میں صرف ایک صحابی حضرت مدعمؓ شہید ہوئے۔ وادی القریٰ کے قریب تیما یہودیوں کا ایک مقام تھا۔ انھوں نے بھی وادی القریٰ والوں کی طرح اطاعت قبول کر لی۔

فتح خیبر کے بعد:- فتح خیبر سے واپسی کے وقت ایک منزل پر صبح کے وقت نہ آپ کی آنکھ کھلی نہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کی آنکھ کھلی تمام لشکر اسلام سوتا ہی رہا۔ اور آفتاب نکل آیا۔ سب سے پہلے آپ ہی کی آنکھ کھلی ۔ سب کو بیدار کیا ۔ وہاں سے جدا ہوکر اور تھوڑے فاصلے پر جاکر آپ نے اور تمام صحابہؓ نے نماز فجر ادا کی ۔ اور آپ نے فرمایا کہ اگر اس طرح آنکھ نہ کھلے تو جب بیدار ہوا کرو اُسی وقت نماز ادا کیا کرو ۔ یہود لوگ بڑے مال دار تھے۔ اور خیبر کی زمینیں جو یہودیوں کے قبضے میں تھیں خوب زرخیز اور قیمتی تھیں۔ فتح خیبر کے اموالِ غنیمت اور زرعی زمینیں جو مسلمانوں میں تقسیم ہوئیں تو مہاجرین کی پریشان حالی اور افلاس سب دُور ہو گیا۔ اب مہاجرین صاحبِ جائداد بھی ہو گئے ۔ اور انصار کی مالی امداد سے بھی اُن کو بے نیازی حاصل ہو گئی ۔ آنحضرت صلعم نے اُس وقت تک اپنے ذاتی اخراجات اور اپنے اہل بیت کے لئے کسی صحابی کو کوئی تکلیف نہ دی تھی ۔ انصار یا مہاجرین کی طرف سے اگر کبھی کوئی ہدیہ آپ کی خدمت میں آتا تھا۔ تو آپ کی طرف سے بھی اُن کو ہدایا بھیجے جاتے تھے۔ خیبر کی زمینوں سے آنحضرت صلعم کے حصّے میں فدک کی جائداد آئی تھی ۔ اُسی سے آپ اپنے مہمانوں کی ضیافت اور بنی قریظہ کی زمین سے اپنے رشتہ داروں اور یتیموں اور مفلس مسلمانوں کی پرورش کرتے تھے۔ مشرکینِ مکہ کو جب خیبر پر مسلمانوں کی چڑھائی کا حال معلوم ہوا تو وہ بڑی بے صبری سے اس لڑائی کے نتائج کا انتظار کرنے لگے ۔ مکّہ والوں میں سے ایک شخص حجاج بن علاط سلمیؓ جو بہت مال دار شخص تھے ۔ کسی سفر کے بہانے سے نکل کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہو گئے تھے ۔ اور جنگ خیبر میں آپ کے ہمراہ تھے۔ بعدِ فتح انھوں نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں عرض کیا کہ ابھی تک مکّہ والوں کو میرے مسلمان ہونے کا حال معلوم نہیں ہوا۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں مکّہ میں جاکر اپنا روپیہ جو میری بیوی کے قبضہ میں ہے اور قرضہ جو لوگوں کے ذمّہ ہے وصول کر کے لے آؤں ۔ آپ نے اجازت دے دی ۔ حجاج بن علاطؓ مکّہ میں آتے تو مکّہ والوں کو خیبر کی خبر کا بے حد منتظر پایا ۔ اُنھوں نے مکّہ والوں کے ساتھ عجیب تمسخر کیا۔ اُن سے خیبر کا اصل حال بیان نہ کیا ۔ اپنے روپے فراہم کرانے میں سب سے مدد لی۔ تمام روپے لے کر اور صرف عباسؓ بن عبدالمطلبؓ کو چلتے وقت فتح خیبر کا اصل حال سُنا کر مکّہ سے روانہ ہو گئے ۔ اس کے بعد کفار کو حجاج کے مسلمان ہونے اور خیبر میں مسلمانوں کے کامیاب و فتح مند ہونے کا حال معلوم ہوا تو وہ کفِ افسوس ملتے تھے اور حجاج کے اس طرح

معہ دولت صاف نکل جانے پر اور بھی زیادہ متاسف تھے۔ خیبر سے واپس مدینہ پہنچ کر آپ نے
تمام اُن قبائل کی طرف جو مسلمانوں کی بیخ کنی کی کوششوں اور سازشوں میں لگے ہوئے تھے۔
ایک ایک دستہ فوج ادب آموزی اور رُعب قائم کرنے کے لیے روانہ کیا۔ تاکہ کوئی بڑی بغاوت
اور خطرناک سازش سرسبز نہ ہونے پائے۔ چنانچہ نجد کے قبیلۂ فزارہ کی جانب حضرت ابو بکر
صدیق رضؓ۔ سلمہ بن الاکوع رضؓ اور دوسرے صحابہؓ کے ہمراہ روانہ کیے گئے۔ قوم ہوازن کی طرف
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تیس سواروں کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ
کو تیس شتر سواروں کے ہمراہ بشیر بن دارام یہودی کی گرفتاری کے لیے بھیجا گیا۔ جو خیبر
کے یہودیوں کو بغاوت پر آمادہ کر رہا تھا۔ بشیر بن سعد انصاریؓ تیس سواروں کے ساتھ بنی
مُرہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیے گئے۔ حضرت اسامہؓ بن زید کو ایک جماعت کے ساتھ قوم جہینیہ
کے ایک قبیلۂ حرقات کی طرف بھیجا گیا۔ حضرت غالبؓ بن عبداللہ کلبنی کو ایک جماعت کے
ساتھ قوم بنی الملوح کی تادیب کے لیے بھیجا گیا۔ حضرت ابی حدرد اسلمی کو صرف تین آدمیوں
کے ساتھ قبیلۂ جشم بن معاویہ کے سردار رفاعہ بن قیس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ حضرت
ابو قتادہؓ اور محلمؓ بن جثامہ کو مقام اضم کی طرف روانہ کیا گیا۔ یہ تمام فوجی دستے کامیاب و فتح
مند واپس ہوئے۔ اور ہر جگہ مسلمانوں کو فتح و کامیابی نصیب ہوئی۔ حضرت اُسامہ بن زیدؓ نے
لڑائی میں جب ایک شخص کے قتل کو تلوار اٹھائی تو اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا مگر حضرت اُسامہؓ نے
اُس کو قتل کر دیا۔ آنحضرت صلعم کی خدمت میں یہ واقعہ بیان ہوا۔ تو آپ بہت ناراض ہوئے
حضرت اُسامہؓ سے جواب طلب کیا گیا۔ انھوں نے عرض کیا۔ کہ اُس شخص نے دھوکہ دینے اور اپنی
جان بچانے کے لیے لا الٰہ الا اللہ کہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تو نے اُس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔
کہ وہ منافقت سے کلمہ پڑھتا ہے۔ حضرت اُسامہؓ نے توبہ کی اور آئندہ ساری عمر اس قسم کی
غلطی سے محترز رہنے کا وعدہ کیا۔ اسی طرح حضرت ابو قتادہؓ اور محلمؓ بن جثامہ چلے جا رہے
تھے کہ قوم اشجع کا ایک شخص عامر بن اضبط جو اپنے مال و متاع کے ساتھ سفر کر رہا تھا ملا۔ عامر
بن اضبط نے اس اسلامی لشکر کو دیکھ کر اسلامی طریق پر السلام علیکم کہا۔ مسلمانوں نے دشمن قبیلے
کے شخص کو اس طرح سلام کرتے ہوئے دیکھ کر یہ سمجھا کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لئے ڈر کے
مارے السّلام علیکم سے فائدہ اٹھانا چاہا ہے۔ چنانچہ اُس کو جواب دینے اور وعلیکم السّلام کہنے
میں سب کو تامل ہوا۔ اور محلمؓ بن جثامہ نے عامر پر حملہ کر کے اُسے قتل کر ڈالا۔ جب یہ مہم واپس

آئی اور آنحضرت صلعم کو اس واقعہ کا حال معلوم ہوا تو سخت ناخوش ہوئے اور محلمؓ سے کہا کہ تم نے ایک شخص کو مومن باللہ ہونے کی حالت میں کیوں قتل کیا؟ چنانچہ آپ نے عامر کے ورثا کو پچاس اُونٹ خوں بہا میں دے کر رضامند کر لیا۔ اور محلمؓ کو قصاص سے آزادی ملی۔

تبلیغی خطوط:۔ اسی سال آپ نے ملکِ عرب اور بیرونی ممالک کے بادشاہوں کے پاس خطوط روانہ کئے اور اُن کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی۔ شاہِ حبش کے نام جو خط آپ نے بھیجا تھا۔ اُس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ شاہِ حبش نے بخوشی اسلام قبول کر لیا تھا۔ اب آپ نے ہرقل شاہِ روم کے پاس حضرت دحیہ بن خلیفہؓ کلبی کو۔ مقوقس شاہِ مصر و اسکندریہ کے پاس حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہؓ کو۔ منذر بن ساوی شاہِ بحرین کے پاس حضرت علاؓ بن الحضرمی کو۔ شاہِ عمان کے پاس۔ عمرو بن العاص کو۔ ہوذہ بن علی شاہِ یمامہ کے پاس حضرت سلیطؓ بن عامری کو۔ حارث بن الشمر غسانی شاہِ دمشق کے پاس حضرت شجاع بن وہبؓ کو۔ جبلہ بن ایہم کے پاس بھی شجاع بن وہبؓ کو۔ حرث بن عبد کلال حمیری شاہِ یمن کے پاس مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کو۔ کسریٰ شاہِ فارس کے پاس حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کو تبلیغی خطوط دے دے کر روانہ کیا۔ ہرقل شاہِ روم نے آپ کے ایلچی سے مروت و عزت کا برتاؤ کیا۔ آپ کے خط کی تکریم کی۔ مگر سلطنت کے لالچ اور عیسائیوں کی مخالفت کے خوف سے علانیہ اسلام قبول نہ کر سکا۔ مقوقس شاہِ مصر نے آپ کے خط اور ایلچی کی بڑی عزت کی۔ جواب میں آپ کو نہایت مؤدبانہ عریضہ لکھا۔ ایک خلعت۔ ایک خچر اور دو لونڈیاں آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ خط کے ہمراہ روانہ کیں۔ اسی طرح منذر بن ساوی نے آپ کے خط اور ایلچی کے ساتھ تعظیم کا برتاؤ کیا۔ شاہِ عمان نے آپ کا خط پہنچنے پر اسلام قبول کر لیا۔ کسریٰ شاہِ فارس نے آپ کے نامۂ نامی کو چاک کر دیا اور حضرت عبداللہ بن حذافہ کے ساتھ گستاخانہ برتاؤ کیا۔ آپ نے یہ حال سُن کر فرمایا۔ کہ کسریٰ کی سلطنت اسی طرح چاک کر دی جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مکہ میں ورود:۔ ماہِ شوال ۷ھ کے آخر تک آپ مدینہ منورہ میں تشریف فرما رہے۔ شروع ذیقعدہ ۷ھ میں آپ نے اُن تمام صحابہ کرامؓ کو تیاری سفر کا حکم دیا۔ جو گذشتہ سال صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ کے ہمراہ تھے۔ چنانچہ وہ تمام صحابہ اور دوسرے صحابہ بھی عمرہ کے لئے تیار ہوئے۔ اور کل دو ہزار آدمی لے کر آپ عمرہ ادا کرنے کے لئے مدینے سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ مدینے میں حضرت ابوذر غفاریؓ کو عامل مقرر فرما گئے۔ سال گذشتہ جو صلح نامہ حدیبیہ میں مرتب

ہوا تھا اُس میں یہ شرط تھی کہ مسلمان اس سال بلا عمرہ ادا کئے ویسے ہی چھوٹ جائیں اور اگلے
سال آکر عمرہ ادا کریں چنانچہ اسی شرط کے موافق آپ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ مکہ کے قریب
پہنچ کر آپ نے اور تمام مسلمانوں نے صرف تلواریں حمائل رکھیں۔ باقی تمام ہتھیار اُتار ڈالے
مکہ میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ کے روبرو پہنچ کر آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ کندھوں
کو برہنہ کرلو اور احرام کا کپڑا بغل کے نیچے سے نکال کر گردن کے گرد لپیٹ لینے کے بعد
مستعدی سے دوڑتے ہوئے سرگرمی کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کرو۔ مدعا اس سے یہ تھا۔
کہ مشرکین مکہ پر، جو مسلمانوں کے اس طواف کرنے کا تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے تھے
مسلمانوں کی جفاکشی اور قوت وشوکت کا اظہار ہو۔ مکہ کے بہت سے مشرک مکہ سے باہر گھاٹیوں
اور وادیوں میں چلے گئے تھے۔ تاکہ مسلمانوں کو طواف کرتے ہوئے دیکھ کر رنجیدہ نہ ہوں۔
آنحضرت صلعم اور مسلمانوں نے مکہ میں تین دن قیام فرمایا۔ ارکانِ عمرہ سے فارغ ہو کر آپ
نے عباسؓ بن عبدالمطلب کی بی بی اُم فضل کی ہشیرہ میمونہؓ بنت حارث سے نکاح کیا۔ چوتھے
دن علی الصباح مشرکین مکہ کی طرف سے سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبد العزیٰ دو مشرک آنحضرت
کی خدمت میں آئے اور کہا کہ آپ کو تین دن ہو گئے فوراً مکہ سے چلے جائیے۔ آپ اُس وقت انصار
کی مجلس میں بیٹھے ہوئے سعدؓ بن عبادہ سے باتیں کر رہے تھے۔ آپ نے سہیل سے کہا کہ تم
گھبراتے کیوں ہو؟ میں خود ہی جانے کے لئے تیار ہوں مگر تم کو کیا معلوم ہے کہ میں نے
یہاں ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔ ابھی رُخصتی نہیں ہوئی ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں
یہاں ضیافتِ ولیمہ کروں۔ اور تمام مکہ والوں کو کھانا کھلاؤں۔ اس کے بعد یہاں سے چلا جاؤں۔
اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے۔ سہیل نے کہا ہم کو تمہارے کھانے کی کوئی حاجت نہیں
ہے۔ تم معاہدہ کی پابندی کرو اور فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ چنانچہ آپ نے اُسی وقت کوچ کی
منادی کرادی اور سوار ہو کر مکہ سے باہر تشریف لے گئے۔ حدودِ حرم سے نکل کر وادیٔ سرف کے
اندرونی میدان میں قیام فرمایا۔ یہیں میمونہ بنت حارثؓ آپ کی خدمت میں تشریف لائیں۔
جب آپ مکہ سے روانہ ہونے لگے تو حضرت حمزہؓ کی دختر عمارہ جو چھوٹی بچی تھیں دوڑتی ہوئی اور چچا
چلاتی ہوئی آئیں۔ کہ مجھ کو بھی اپنے ہمراہ مدینے لے چلیں۔ حضرت علیؓ نے فوراً اُس لڑکی کو اُٹھا کر
اپنے ہودج میں بٹھا لیا۔ اب حضرت جعفرؓ بن ابی طالبؓ اور زیدؓ بن حارث بھی اُس لڑکی کی کفالت
و پرورش کے دعوے دار ہوئے۔ ہر ایک شخص یہ چاہتا تھا۔ کہ میں اس لڑکی کو اپنی کفالت میں

رکھوں اور اس کی پرورش کروں۔ حضرت زیدؓ بن حارث نے کہا کہ حضرت حمزہؓ میرے دینی بھائی تھے۔ اس لئے میرا حق فائق ہے۔ حضرت جعفرؓ نے کہا کہ یہ میری چچا زاد بہن ہے اور میری بیوی اس کی خالہ ہے۔ آپؐ نے سب کے دعاوی سُن کر عمارہ کو حضرت جعفرؓ کے سپرد کیا۔ اور فرمایا۔ کہ خالہ بجائے ماں کے ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کی پرورش جعفرؓ کے یہاں ہونی چاہئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کو آپؐ نے رضامند کر دیا۔

عمرو بن العاص کا قبولِ اسلام:۔ مدینہ منورہ میں تشریف لائے ہوئے آپؐ کو چند ہی روز ہوئے تھے۔ کہ مکہ میں حضرت عمرو بن العاص نے مسلمان ہونے اور مکہ سے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا۔ عمرو بن العاص کی نسبت اوپر بیان ہو چکا ہے کہ قریشِ مکہ نے اُن کو مسلمانوں کے خلاف نجاشی شاہِ حبش کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ کہ مسلمان مہاجرین کو حبش میں پناہ نہ مل سکے نجاشی کے دربار میں اُن کو سخت ناکامی حاصل ہوئی تھی اس نے اُن کے دل پر اسلام کی صداقت کا سکہ بٹھا دیا تھا۔ وہ اثر برابر اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہا۔ اور بعد کے حالات نے اس کی تائید و تصدیق کی۔ لہٰذا اب عمرو بن العاص سے ضبط نہ ہو سکا۔ خالد بن ولید اُن کے بڑے گہرے دوست تھے۔ سفرِ حدیبیہ میں بمقامِ غضبان رات کے وقت نمازِ عشاء میں آنحضرت صلعم سے قرآتِ کلام مجید سُن کر خالد بن ولید کا دل نرم ہو گیا تھا۔ اُسی روز سے اُن کو اسلام سے محبت تھی۔ عمرو بن العاصؓ نے خالد بن ولیدؓ سے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ تو خالد بن ولیدؓ فوراً عمرو بن العاص کی ہمراہی پر آمادہ ہو گئے۔ اس کے بعد دونوں نے اپنے تیسرے دوست عثمان بن طلحہؓ کو اپنے ارادے سے مطلع کیا۔ وہ بھی بلا تامل اُن کا ساتھ دینے کو تیار ہو گئے۔ قریش کے یہ تینوں سردار مکہ سے روانہ ہو کر مدینے میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے تھے۔ اُن کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی۔ خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ کو مسلمان ہوتے وقت جب یہ معلوم ہوا۔ کہ مسلمان ہونے سے پچھلے تمام گناہوں کی معافی ہو گئی تو وہ بہت ہی خوش ہوئے

ہجرت کا آٹھواں سال:۔ ملکِ عرب میں اب اسلام کو بظاہر کوئی بڑا خطرہ نہ رہا تھا۔ اسلام کے قبول کرنے اور شرک سے بیزار ہونے میں جان و مال کا خطرہ لازمی نہ تھا۔ اندرونی طاقتیں یکے بعد دیگرے سب اپنا اپنا زور اسلام کے خلاف صرف کر کے مایوس ہو چکی تھیں۔ اسلام ملکِ عرب کے اندر اب خود سب سے بڑی طاقت بن چکا تھا۔ جوں جوں اسلام کی قوت

وطاقت مسلّم ہوتی گئی۔ ملک عرب میں فتنہ وفساد کم ہوتے گئے تاہم قریش مکہ جو تمام ملکِ عرب میں خصوصی عزت وامتیاز رکھتے تھے۔ ابھی تک کفروشرک پر قائم اور مسلمانوں کی مخالفت میں سرگرم تھے۔ منافقینِ مدینہ۔ یہودانِ خیبر۔ مشرکینِ مکہ۔ تینوں دشمنوں نے ملکِ عرب کے اندرونی قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اُبھار اُبھار کر ہر مرتبہ جب نتیجہ میں ناکامی ونامرادی دیکھی تو اب انھوں نے ایران وروم کی شہنشاہیوں اور ایرانی ورومی سرداروں کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنے کی کوششیں اور سازشیں شروع کیں۔ آنحضرت صلعم بھی ان خطرات سے بے خبر نہ تھے۔ آپؐ نے اُن تمام سلاطین کے نام جو ملکِ عرب کے اردگرد تھے۔ دعوتی خطوط روانہ کئے۔ ان دعوتی خطوط نے اکثر درباروں میں بہت ہی اچھا اثر کیا۔ اور دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کے تارو پود کو توڑ کر رکھ دیا۔ لیکن بعض سلاطین جو دشمنوں کی سازشوں اور کوششوں سے متاثر ومسموم ہو چکے تھے۔ بجائے اس کے کہ آپؐ کی دعوت پر صُلح اور سلامتی کی طرف متوجہ ہوتے اور بھی زیادہ مخالفت و عداوت پر مُستعد ہوگئے۔ اور مسلمانوں کے لئے لازمی ہوگیا۔ کہ بیرونی حملوں سے محفوظ رہنے کی تدبیریں عمل میں لائیں۔ اگر کسی بیرونی بادشاہ کا حملہ مدینہ پر ہو جاتا تو تمام مُلکِ عرب کا ازسرِ نو پھر مخالفت پر مستعد ہو جانا اور مسلمانوں کا کُچلا جانا یقینی تھا۔

جنگِ موتہ:۔ آنحضرت صلعم نے جو تبلیغی ودعوتی خطوط سلاطین کے نام لکھے تھے اُن میں ایک خط حارثؓ بن عمیر ازدی کے ہاتھ حاکم بُصریٰ کے نام روانہ کیا تھا۔ حارثؓ بن عمیر ازدی روانہ ہو کر ابھی بُصریٰ تک۔ نہ پہنچے تھے سرحد شام کے قریب مقام موتہ میں پہنچنے پائے تھے کہ وہاں کے حاکم شرجیل بن عمر غسانی نے جو قیصر روم کی طرف سے اس علاقہ کا صوبہ دار تھا حارثؓ کو گرفتار کر لیا اور یہ معلوم کر کے کہ یہ حاکم بُصریٰ کے پاس آنحضرت صلعم کا خط لئے ہوئے جا رہے ہیں اُن کو شہید کر دیا۔ حارثؓ بن عمیر کے بلاوجہ قتل ہونے کی خبر جب مدینہ منورہ میں پہنچی تو مسلمانوں کو سخت صدمہ پہنچا۔ آنحضرت صلعم نے ایک مہم اس سرکش غسانی سردار کی سرکوبی کے لئے روانہ کی۔ اگر اس مہم کی روانگی میں ذرا بھی تامل ہوتا تو شام کی طرف سے مدینہ پر حملہ ہونا یقینی تھا۔ آنحضرت صلعم نے حکم دیا تھا۔ کہ مسلمان اپنے اپنے سلاحِ جنگ لے کر موضع جرف میں جمع ہوں۔ چنانچہ تین ہزار اسلامی لشکر موضع جرف میں جمع ہوگیا۔ آپؐ نے اس لشکر کی سرداری زیدؓ بن حارثؓ کو عطا فرمائی اور حکم دیا۔

کہ اگر زیدؓ بن حارثؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالبؓ اس لشکر کے سردار ہوں گے۔ اگر جعفرؓ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہؓ سردار لشکر ہوں گے۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر جس کو لشکری پسند کریں اپنا سردار بنا لیں۔ آنحضرت صلعم اس لشکر کو تھوڑی دُور تک بطریقِ مشایعت پہنچانے گئے پھر واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

حضرت زیدؓ بن حارثؓ اپنے لشکر کو لئے مقامِ معان تک بڑھے چلے گئے۔ مقام معان میں پہنچ کر خبر ملی کہ حاکمِ موتہ شرجیل بن عمرو نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک لاکھ جرار فوج فراہم کر رکھی ہے۔ اور ایک لاکھ فوج کے ساتھ موتہ سے تھوڑی دُور پیچھے وادی بلقار میں خود قیصرِ روم خیمہ زن ہے اِس خبر کو سُن کر لشکرِ اسلام میں آثارِ فکر و تردد نمایاں ہوئے مسلمان دو دن تک معان میں ٹھہرے رہے اور باہم یہ مشورہ ہوتا رہا کہ آنحضرت صلعم کو خط لکھا جائے اور آپ کے حکم اور امداد کا انتظار کیا جائے۔ ابھی کوئی خاص رائے قائم نہ ہوئی تھی۔ کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے بلند آواز سے لوگوں کو اپنی طرف مخاطب کر کے کہا:۔

"تم لوگ شہادت کی جستجو میں نکلے ہو۔ کفار سے ہم گنتی یعنی اعداد و شمار اور قوت کے ذریعہ نہیں لڑتے۔ بلکہ ہم اُس دین کے ذریعے لڑتے ہیں جس سے اللہ نے ہم کو مشرف کیا ہے۔ پس مقامِ موتہ اور لشکرِ ہرقل کی طرف پیش قدمی کرو۔ اور اپنے لشکر کا میمنہ اور میسرہ درست کر کے کفار کا مقابلہ کرو۔ اس کا نتیجہ ان دو نیکیوں سے خالی نہ ہوگا۔ یا تو ہم کو فتح حاصل ہوگی۔ یا شہادت میسر ہوگی۔"

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا یہ بہادرانہ کلام سُن کر حضرت زیدؓ بن حارثؓ ایک ہاتھ میں نیزہ دوسرے میں جھنڈا لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تمام مسلمانوں میں جوش اور شہادت کا شوق پیدا ہوا۔ لشکرِ اسلام معان سے روانہ ہوا۔ ایک گاؤں مشارف نامی کے قریب دُشمن کی جمعیتِ کثیر مقابل نظر آئی۔ مگر مسلمانوں نے وہاں مقابلہ مناسب نہ سمجھا وہاں سے کترا کر مقامِ موتہ کی طرف بڑھے۔ تاکہ جنگ کے لئے اچھا میدان ہاتھ آئے۔ بالآخر میدانِ موتہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ ایک طرف ایک لاکھ لشکرِ جرار تھا۔ دوسری طرف تین ہزار غازیانِ اسلام تھے۔ اسی لشکرِ اسلام میں حضرت خالد بن ولیدؓ بھی شامل تھے اور مسلمان ہونے کے بعد اُن کو اسلام کی طرف سے پہلی مرتبہ جوہر شجاعت دکھانے کا موقع

ملا تھا۔ قیصرِ روم اور مسلمانوں کی یہ پہلی لڑائی تھی۔ اس لڑائی کو مسلمانوں اور عیسائیوں کی پہلی لڑائی بھی کہا جاسکتا ہے۔ اگرچہ سرحدِ شام کے قریب اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہو چکی تھیں۔ لیکن قابلِ تذکرہ لڑائیوں میں یہ سب سے پہلی لڑائی تھی۔ جو مسلمانوں نے ملکِ شام کی حدود میں لڑی۔ حضرت زیدؓ بن حارثؓ علم ہاتھ میں لئے قلبِ لشکر کے سامنے سب کے آگے آگے تھے۔ میمنہ قطبہ بن قتادہؓ غدری کے سپرد تھا۔ اور میسرہ میں عبایہؓ بن مالک انصاری تھے۔ زیدؓ بن حارث لڑتے اور کفار کو قتل کرتے ہوئے، بہت آگے بڑھ گئے۔ کفار نے چاروں طرف سے اُن کو گھیر لیا۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ اُن کے شہید ہوتے ہی حضرت جعفر بن ابی طالبؓ دوڑ کر آگے بڑھے اور رایت اسلام کو سنبھال لیا۔ حضرت جعفرؓ نے بہت سے کفار کو قتل کیا۔ آخر ان کا گھوڑا زخمی ہو کر گرا۔ اور وہ پیادہ دشمنوں سے لڑتے رہے دشمنوں نے اُن کو بھی اپنے نرغہ میں لے لیا۔ بالآخر اُن کا دایاں ہاتھ کٹ کر الگ جا پڑا۔ مگر اُنھوں نے بائیں ہاتھ سے جھنڈے کو سنبھالے رکھا۔ جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو گردن سے علم کو لگا کر سینے سے سنبھالے رہے۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے آگے بڑھ کر علم کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ تھوڑی دیر لڑ کر یہ بھی شہید ہو گئے۔ اور رایتِ اسلام گر گیا۔ مسلمانوں میں آثارِ پریشانی ہویدا ہوئے۔ حضرت ثابت بن اقرمؓ نے جھٹ آگے بڑھ کر علم اُٹھا لیا۔ اور بلند آواز سے کہا۔

"مسلمانو! کسی ایک شخص کے امیر بنانے میں موافقت کر لو"

لشکریانِ اسلام کی طرف سے متفقہ آواز بلند ہوئی کہ رضینا بک (ہم لوگ تمھاری امارت سے راضی ہیں) ثابت بن اقرمؓ نے جواب دیا "ما انا بفاعل فاتفقوا علی خالد بن الولید (میں یہ کام نہ کر سکوں گا۔ تم خالد بن ولیدؓ کی سرداری تسلیم کر لو) لشکرِ اسلام کی طرف سے فوراً آواز بلند ہوئی "ہم کو خالد بن ولیدؓ کی سرداری منظور ہے۔ یہ سنتے ہی خالد بن ولیدؓ نے فوراً آگے بڑھ کر ثابت بن اقرمؓ کے ہاتھ سے علم لے لیا اور رومی لشکر پر حملہ آور ہوئے۔ ابھی تک رومی لشکر غالب اور مسلمان مغلوب نظر آتے تھے۔ بعض مسلمانوں کی ہمتیں یہ رنگ دیکھ کر پست ہو چکی تھیں۔ لیکن خالدؓ نے علم ہاتھ میں لیتے ہی مسلمانوں کو للکار کر لڑائی پر آمادہ کیا۔ اور غیرت دلا کر چپقلشِ مردانہ پر از سرِ نو آمادہ کر دیا۔ پھر اس خوبی سے دشمنوں کے لشکرِ عظیم پر پے در پے حملے کیے۔ کہ رومیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ حضرت خالد بن ولید نے یہی نہیں کہ

خود بے جگری سے حملے کئے بلکہ اُنھوں نے اپنے لشکر کی ترتیب اور نقل و حرکت کو بڑی خوبی سے اپنے قابو میں رکھا۔ اُنھوں نے کبھی میسرہ کو آگے بڑھایا۔ کبھی میمنہ کو پیچھے ہٹایا خود بھی حملہ آور ہوتے تھے اور اپنے لشکر کے مختلف حصوں سے دشمنوں کو مضروب کرتے تھے۔ خالد بن ولیدؓ بجلی کی طرح میدانِ جنگ میں کوندرہے تھے۔ اور اپنے لشکر کے ہر حصہ کو خود مدد پہنچاتے تھے۔ غرض صبح سے شام تک حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنے تین ہزار غازیوں کو رومیوں کے ایک لاکھ لشکرِ جرار سے لڑایا۔ جب شام ہونے کو آئی تو رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلے سے فرار کی عار گوارا کی، اور بے اوسان ہوکر بھاگے۔ مسلمانوں نے تھوڑی ہی دور تک تعاقب کیا۔ اور کچھ مالِ غنیمت بھی اس تعاقب میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اس لڑائی میں کُل بارہ[۱۲] صحابی لشکرِ اسلام سے شہید ہوئے۔ کفار کے مقتولوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہوسکی۔

سیف اللہ خالدؓ:۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی جنگی قابلیت کا سب نے اعتراف کیا۔ لیکن سب سے بڑا اعتراف یہ تھا۔ کہ خود خدا اور رسولؐ کی طرف سے اُن کو سیف اللہ کا خطاب ملا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جس روز میدانِ موتہ میں غازیانِ اسلام مدینے سے سینکڑوں کوس کے فاصلے پر مصروفِ جنگ تھے۔ اُسی روز آنحضرت صلعم کو مدینہ منورہ میں الہامِ الٰہی کے ذریعے تمام حالاتِ جنگ کی اطلاع ہوئی۔ آپؐ نے اُسی وقت تمام مسلمانوں کو جمع کیا اور ممبر پر چڑھکر فرمایا کہ "تمھارے لشکر کی خبر یہ ہے کہ اُنھوں نے دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ زیدؓ شہید ہوا۔ اللہ نے اُس کو بخش دیا۔ بعد اُس کے جعفرؓ نے اسلامی عَلَم اپنے ہاتھ میں لیا۔ دشمنوں نے اُس کو ہر چہار طرف سے گھیر لیا۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہوا۔ اللہ نے اُس کو بھی بخش دیا۔ پھر عبداللہ بن رواحہؓ نے اسلامی جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا وہ بھی دشمنوں سے لڑکر شہید ہوا۔ یہ سب کے سب جنت میں اُٹھائے گئے۔ اور تختِ زریں پر متمکن ہیں۔ ان تینوں کے بعد اسلامی جھنڈے کو سیفٌ من سیوفِ اللہ یعنی خالد بن ولیدؓ نے لیا اور لڑائی کی بگڑی ہوئی حالت کو سنبھالا۔

اُسی روز سے حضرت خالد بن ولید سیفُ اللہ کے نام سے پکارے جانے لگے۔ حضرت جعفرؓ کے گھر اُسی وقت ماتم شروع ہوگیا۔ یعنی اُن کے گھر کے آدمی فرطِ غم سے رونے لگے۔ آپؐ نے اپنے گھر سے کھانا پکواکر جعفرؓ کے گھر بھجوایا۔ جب حضرت خالد بن ولید اپنا فتح مند لشکر لئے ہوئے مدینہ کے قریب پہنچے تو آنحضرت صلعم مدینے سے نکل کر کچھ دور تک بطریقِ استقبال

تشریف لے گئے۔ حضرت خالد بن ولید کو سیف اللہ کے خطاب کی خوش خبری سنائی۔ ایک صحابی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت جعفرؓ جنت میں دو بازوؤں سے اُڑتے پھر رہے ہیں۔ اسی روز سے اُن کا نام حضرت جعفر طیارؓ مشہور ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ خود آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ حضرت جعفرؓ کو خدائے تعالیٰ نے دو بازو مرحمت فرمائے ہیں۔ جن سے وہ جنت میں اُڑتے پھرتے ہیں۔ اسی روز سے وہ ذوالجناحین اور طیار کے لقب سے موسوم ہوئے جنگِ موتہ ماہِ جمادی الاوّل ۸ھ میں ہوئی۔

جنگِ قضاعہ۔ اس جنگ کے ایک ماہ بعد مدینے میں خبر پہنچی کہ سرحدِ شام کے قریب قبیلۂ قضاعہ نے مدینہ پر حملہ آوری کے لئے لشکر جمع کیا ہے۔ آپؐ نے حضرتِ عمرو بن العاص کو تین سو مہاجرو انصار کے لشکر کا امیر بنا کر اس طرف روانہ کیا۔ حضرت عمرو بن العاص رات کو سفر اور دن کو پوشیدہ مقامات میں قیام کرتے ہوئے روانہ ہوئے دشمن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمن کی جمعیت بہت زیادہ ہے۔ ایک قاصد مدینہ کی طرف بھیجا گیا۔ یہاں سے آپؐ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو کمک دے کر روانہ کیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ کے پہنچنے پر لشکرِ اسلام حملہ آور ہوا۔ دشمن تابِ مقاومت نہ لا سکا اور اُن کا تمام لشکر منتشر ہو گیا۔ اسلامی لشکر سالماً غانماً مدینہ منورہ میں واپس آیا۔ مدینہ سے پانچ منزل کے فاصلے پر ساحلِ سمندر کے قریب قبیلہ جہنیہ نے غدر و سرکشی اور مدینہ پر حملہ آوری کے سامان جمع کئے اس کا حال ۸ھ میں آپؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو تین سو مہاجرو انصار کے ساتھ اُس طرف روانہ کیا۔ یہ مہم بغیر کسی مقابلہ اور مقاتلہ کے واپس آئی۔ اور دشمنوں پر اس مہم کی خبر ہی سن کر ہیبت طاری ہو گئی۔

فتح مکہ:۔ ماہِ شعبان ۸ھ میں مکہ کے اندر ایک عجیب حادثہ رونما ہوا۔ بنو خزاعہ اور بنو بکر حدیبیہ کے صلح نامہ کی رُو سے اپنی عداوتوں کو فراموش کر کے آنحضرت صلعم اور قریشِ مکہ کے حلیف بن گئے تھے۔ اب وہ ایک دوسرے پر حملہ آور نہیں ہو سکتے تھے۔ بنو بکر کی نیت بگڑی اور اُن کے سردار نوفل بن معاویہ نے خزاعہ سے بدلہ لینا چاہا۔ قریشِ مکہ کا فرض تھا کہ وہ اپنے حلیف بنو بکر کو اس ارادے سے باز رکھتے اور بنو خزاعہ پر جو آنحضرت صلعم کے حلیف تھے حملہ نہ کرنے دیتے کیونکہ حدیبیہ میں دس سال کے لئے صلح ہوئی تھی۔ لیکن قریش مکہ نے بنو بکر کو ہتھیاروں وغیرہ سے مدد دی اور قریش میں سے صفوان بن امیہ۔ عکرمہ بن ابی جہل۔ سہیل بن عمرو وغیرہ نے

بنو بکر کے ساتھ حملہ میں شرکت کی۔ بنو بکر معہ سردارانِ قریش بنو خزاعہ پر جا چڑھے اور اچانک اُن کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ یہ حملہ رات کے وقت ایسی حالت میں کیا گیا۔ کہ بنو خزاعہ پڑے ہوئے سو رہے تھے۔ بنو خزاعہ مقابلہ سے مجبور ہو کر حرم میں جا چھپے ظالموں نے وہاں بھی اُن کو نہ چھوڑا۔ بدیل بن ورقہ خزاعی کے گھر میں گھس کر اُس کا تمام گھر بار لوٹ لیا۔ اِس شبخون میں بنو خزاعہ کے بیس یا تیس آدمی مارے گئے۔ جن میں سے بعض بیت اللہ کے اندر قتل کئے گئے۔ بدیل بن ورقہ اور عمرو بن سالم معہ اپنی قوم خزاعہ کے چند آدمیوں کے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے کہ آنحضرت صلعم سے بنو بکر اور قریش کے اس نقضِ عہد کی شکایت کریں جس رات مکہ میں معاہدہ صلح کی ایسی ظالمانہ طور پر دھجیاں اڑائی جا رہی تھیں۔ خزاعہ کے چند آدمیوں نے آنحضرت صلعم کا نام لے کر فریاد کی کہ اے خاتم النبیین ہماری مدد کیجئے اور فریاد سنیئے بنی بکر نے ہم پر ظلم کیا ہے۔ اُس وقت آنحضرت صلعم ام المومنین حضرت میمونہؓ کے حجرے میں وضو کر رہے تھے۔ آپؐ نے خزاعہ والوں کی یہ فریاد جو مکہ میں کر رہے تھے مدینہ میں سُنی اور فوراً جواب میں "لبیک لبیک" فرمایا۔ حضرت میمونہؓ نے عرض کیا۔ کہ لبیک آپؐ نے کس کے جواب میں فرمایا؟ آپؐ نے جواب دیا کہ اس وقت بنو خزاعہ کے لوگوں کی فریاد میرے کانوں تک پہنچی ہے۔ اُس کا جواب میں نے دیا ہے۔ عجیب تر یہ کہ بنو خزاعہ نے بھی آنحضرت صلعم کی آواز اپنی فریاد کے جواب میں سُنی۔ صبح کو آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ رات مکہ میں بنو خزاعہ کو بنو بکر اور قریش نے مل کر قتل کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ کیا آپؐ کا گمان ہے کہ قریش بد عہدی کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ انھوں نے ضرور عہد شکنی کی ہے۔ اور عنقریب اللہ تعالیٰ اُن کے حق میں حکم صادر کرنے والا ہے۔ کئی روز کے بعد بدیل بن ورقا اور عمرو بن سالم خزاعی مدینے میں پہنچے۔ قریش مکہ کی عہد شکنی اور مظالم کی شکایت کی۔ عمرو بن سالم خزاعی نے ایک نہایت پُر درد نظم میں اپنی مظلومی کی داستان سُنائی۔ اُس نظم کے بعض شعر یہ ہیں:-

ان قریش اخلفوك الموعدا ۔۔۔ ونقضوا میثاقك المؤکدا

قریش نے آپؐ کے ساتھ وعدہ خلافی کی ہے ۔۔۔ اور انھوں نے مضبوط معاہدہ کو جو آپؐ سے کیا تھا توڑ ڈالا ہے

وجعلوا لی فی کداء رصدا ۔۔۔ وزعموا ان لست ادعوا احدا

اور ہمیں خشک گھاس کی طرح پامال کر دیا ہے ۔۔۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری مدد کو کوئی نہ آئے گا

وھم اذل واقل عددا ٔ ھم بیتونا بالوتیر ھجدا

اور وہ ذلیل ہیں اور تعداد میں قلیل ہیں انھوں نے وتیر (وہ محلہ جہاں بنو خزاعہ آباد تھے) میں ہم کو سوتے ہوئے جالیا

آپؐ نے بنو خزاعہ کے اُن لوگوں کی تسلی وتشفی کی اور کہا کہ ہم تمھاری امداد کو ضرور پہنچیں گے۔ اُن لوگوں کو آپؐ نے مدینے سے مکہ کی جانب رُخصت فرمادیا۔ جب یہ لوگ مدینے سے روانہ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ ابوسفیان مکہ سے مدّتِ صلح بڑھانے اور عہد کو مضبوط کرنے کے لئے روانہ ہو گیا ہے۔ لیکن وہ ناکام واپس جائے گا۔

مکّہ والوں کو جب اپنے کرتوت کے نتائج پر غور کرنے کا موقع ملا تو وہ بہت خائف ہوئے اور ابوسفیان کو روانہ کیا۔ کہ مدینے میں جاکر شرائط صلح از سر نو قائم کرے۔ اُدھر آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو حکم دیا۔ کہ سفر اور لڑائی کی تیاری شروع کردو۔ ساتھ ہی آپؐ نے جنگ کی اس تیاری کے پوشیدہ رکھنے کی تاکید فرمائی۔ اُدھر بدیل بن ورقا معہ ہمراہیوں کے مدینے سے واپس جارہے تھے۔ اور ابوسفیان مکہ سے مدینہ کو آرہے تھے۔ راستہ میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم اسی وادی تک آئے تھے۔ ابوسفیان کو یہ یقین تھا کہ ابھی تک آنحضرت صلعم تک مکّہ کے اِس واقعہ کی خبر نہ پہنچی ہوگی۔ اسی لئے وہ صلح نامہ کی تجدید جلد از جلد کرنا چاہتا تھا۔

ابوسفیان مدینہ میں:۔ ابوسفیان نے مدینے میں آکر آنحضرت صلعم۔ ابوبکر صدیقؓ عمر فاروقؓ علی کرم اللہ وجہہ سے الگ الگ باتیں کرنی چاہیں مگر کسی نے اُس کو کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کو بڑی مایوسی ہوئی۔ آخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُس کے ساتھ یہ مذاق کیا کہ اُس سے کہا تو بنی کنانہ کا سردار ہے۔ مسجد نبویؐ میں خود کھڑے ہوکر بآواز بلند یہ اعلان کردے کہ میں صُلح کی میعاد کو بڑھاتا اور عہد واقرار کو مضبوط کئے جاتا ہوں۔ ابوسفیان نے اسی طرح کھڑے ہوکر مسجد میں اعلان کیا اور فوراً مدینہ سے روانہ ہوگیا۔ جب وہ مکہ میں پہنچا تو قریش مکّہ نے اُس کا خوب مذاق اُڑایا۔ اور کہا کہ علیؓ نے تیرے ساتھ تمسخر کیا تھا۔ بھلا معاہدے کہیں اس طرح کرتے ہیں۔ ابوسفیان کو اپنی اس حماقت پر بڑی ندامت حاصل ہوئی۔ ابوسفیان کی روانگی کے بعد آنحضرت صلعم نے صحابہ کرام کو مکّہ کی طرف روانگی کا حکم دیا۔ اُس وقت تک خفیہ خفیہ جنگ کی تیاریاں تو تمام صحابہ کررہے تھے۔ لیکن یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ اسلامی لشکر کس طرف کو روانہ ہوگا اور کس قوم یا علاقہ پر حملہ ہوگا۔ اس احتیاط سے آپؐ کا مطلب یہ تھا۔

کہ قریش کو پیشتر سے اس حملہ کی خبر نہ ہونے پائے۔ ایک صحابی حاطبؓ بن ابی بلتعہؓ نے قریش کو مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کی اطلاع دینے کے لئے ایک خط کسی عورت کے ہاتھ اُن کے پاس روانہ کیا۔ آنحضرت صلعم کو الہامِ الٰہی کے ذریعے اُس کی اطلاع ہو گئی۔ آپ نے علیؓ بن ابی طالب اور زبیرؓ بن العوام کو روانہ کیا کہ فلاں عورت قریش مکہ کے نام ایک خط لے جا رہی ہے اُس کو گرفتار کر لاؤ۔ اُنھوں نے روضۂ جناح میں پہنچ کر اُس کو گرفتار کیا۔ اُس کا تمام اسباب و سامان دیکھا۔ خط کا پتہ نہ چلا۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلعم کو غلط خبر ملے خط ضرور اس کے پاس ہے۔ چنانچہ انھوں نے عورت کو ڈرایا دھمکایا تو اُس نے اپنے جوڑے یعنی سر کے بالوں میں سے خط نکال کر دیا۔ دیکھا تو خط حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا تھا۔ عورت اور خط کو آنحضرت صلعم کے پاس لائے۔ حاطبؓ طلب کئے گئے۔ اُنھوں نے کہا کہ چونکہ مکہ میں میرے عزیز و اقارب ہیں۔ اس لئے میں نے چاہا کہ اہل مکہ پر ایک احسان کر دوں اور اُن کو اطلاع دے دوں کہ تم پر حملہ ہونے والا ہے تاکہ اہل مکہ ممنون ہو کر میرے عزیز و اقربا کو ضرر نہ پہنچائیں۔ یہ سُن کر حضرت عمر فاروقؓ نے برافروختہ ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ حکم دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ اے عمرؓ حاطب کی غلطی ہے۔ جو قابلِ عفو ہے چنانچہ حضرت حاطبؓ کی یہ حرکتِ بے جا معاف فرما دی گئی۔

مکہ کی طرف روانگی:- ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو آپؐ دس ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ قریش ابوسفیان کے ناکام واپس آنے سے بہت پریشان تھے۔ اُن کو مسلمانوں کے ارادے کی کوئی اطلاع نہ تھی۔ نہ اُن کے جاسوسوں اور حلیف قبائل نے اُن کو کوئی اطلاع دی تھی۔ آنحضرت صلعم مدینے سے روانہ ہو کر نہایت تیز رفتاری سے مکہ کی طرف چلے جاتے تھے۔ مقام جحفہ میں پہنچے تھے۔ کہ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلبؓ مع اہل و عیال مسلمان اور مہاجر ہو کر مدینے کی طرف آتے ہوئے ملے۔ آپؐ نے اُن کے اہل و عیال کو تو مدینے کی طرف بھجوا دیا۔ اور حضرت عباسؓ کو اپنے ہمراہ لیا۔ اسلامی لشکر بڑھتا ہوا مکہ کے قریب وادی مرالظہران میں (جو مکہ سے چار کوس کے فاصلہ پر ہے) پہنچ گیا۔ ابھی تک مکہ والے بے خبر تھے۔ ان کو یہ بھی معلوم نہ تھا۔ کہ مسلمان اس عہد شکنی کی ہم کو کیا سزا دیں گے۔ اور کیا طرزِ عمل اختیار کریں گے۔ مرالظہران میں شام کے وقت لشکر اسلام پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ رات

ہونے پر چرواہوں کے ذریعے مکہ میں خبر پہنچی کہ وادی مرالظہران میں ایک لشکرِ عظیم خیمہ زن ہے۔ یہ خبر سن کر ابوسفیان تفتیش کی غرض سے نکلا۔ بدیل بن ورقا اور حکیم بن حزام بھی اُس کے ہمراہ تھے۔ ادھر آنحضرت صلعم نے حضرت عمر فاروقؓ کو ایک دستہ فوج دے کر طلایہ گردی پر مامور فرمادیا تھا۔ کہ دشمن شبخون نہ مار سکے۔ حضرت عباسؓ کا دل اپنی قوم کے لئے بے چین تھا۔ وہ جانتے تھے۔ کہ صبح جب اسلامی لشکر مکہ پر حملہ آور ہوگا۔ تو قریش اور مکہ کا نشان باقی نہ رہے گا۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اہلِ مکہ مسلمان ہوجائیں چنانچہ وہ رات کے وقت آنحضرت صلعم کے خچرِ دلدل نامی پر سوار ہو کر لشکر گاہ سے نکلے اور مکہ کی جانب چلے۔ اسلامی لشکر گاہ میں آنحضرت صلعم کے حکم کے موافق ہزار ہزار کے دستوں نے الگ الگ پڑاؤ ڈالے تھے۔ اور سب نے آگ روشن کر رکھی تھی۔

ابوسفیان نے جب دُور سے آگ روشن دیکھی تو وہ حیران رہ گیا کہ اتنا بڑا لشکر کہاں سے آگیا۔ بدیل بن ورقا خزاعی نے کہا کہ یہ خزاعہ کا لشکر ہے۔ ابوسفیان نے سُن کر حقارت آمیز لہجہ میں جواب دیا کہ خزاعہ کی کیا مجال ہے کہ اتنا بڑا لشکر لاسکے۔ وہ ایک ذلیل و قلیل قوم ہے۔

رات کی تاریکی میں حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی، اور وہ اسی خیال سے نکلے تھے۔ کہ کوئی مکہ کا باا ثر آدمی ملے تو اُس کو خطرے سے آگاہ کر کے ترغیب دوں کہ اب مسلمان ہوجانا ہی تمھارے لئے مناسب ہے۔ اُنھوں نے فوراً ابوسفیان کو آواز دی اور کہا کہ یہ لشکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لشکر ہے اور صبح مکہ پر حملہ آور ہوگا ابوسفیان کے ہوش وحواس اُڑ گئے۔ اور حضرت عباسؓ کے قریب آکر کہا کہ پھر اب کیا تدبیر کریں۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ تم میرے پیچھے خچر پر سوار ہوجاؤ۔ میں تمھیں رسول اللہ صلعم کے پاس لئے چلتا ہوں وہیں تم کو امان مل سکے گی۔ ابوسفیان بلاتامل خچر پر سوار ہوگیا اور اُس کے دونوں ہمراہی مکہ کی جانب چلے گئے۔ حضرت عباسؓ ابوسفیان کو اپنے پیچھے سوار کئے ہوئے جب اسلامی لشکر گاہ کی طرف لوٹے تو حضرت عمر فاروقؓ راستے میں ملے انھوں نے ابوسفیان کو پہچان لیا۔ اور قتل کرنا چاہا۔ لیکن حضرت عباسؓ خچر کو مہمیز کر کے تیز رفتاری سے نکل گئے۔ حضرت عمرؓ پیدل تھے۔ وہ بھی پیچھے پیچھے تلوار لئے ہوئے آئے۔ حضرت عباسؓ آنحضرت صلعم کی خدمت میں پہلے پہنچے۔ اُن کے بعد ہی حضرت عمرؓ بھی پہنچ گئے۔ اور عرض

کہا کہ یارسول اللہؐ یہ کافر بلا شرط قابو میں آگیا ہے۔ حکم دیجئے کہ اس کی گردن اُڑا دوں۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ میں ابو سفیان کو امان دے چکا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پھر اجازت چاہی تو حضرت عباسؓ نے کہا کہ عمرؓ! اگر تمھارے خاندان کا کوئی شخص ہوتا تو تم کو اُس کے قتل میں اتنا اصرار نہ ہوتا اور اتنی بے صبری نہ کرتے۔ حضرت فاروقؓ نے عباسؓ کو جواب دیا کہ عباسؓ مجھ کو تمھارے مسلمان ہونے کی اس قدر خوشی حاصل ہے کہ اپنے باپ کے مسلمان ہونے کی بھی اس قدر خوشی نہ ہوتی کیونکہ جانتا تھا کہ آنحضرت صلعم تمھارے مسلمان ہونے کے خواہاں تھے۔ ان دونوں حضرات میں اس قسم کی باتیں ہوئیں تو آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ اچھا ابو سفیان کو ایک رات کی مہلت دی جاتی ہے۔ اور پھر حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابو سفیان کو تم ہی اپنے خیمہ میں رکھو۔ حضرت عباسؓ نے ابو سفیان کو رات بھر اپنے پاس رکھا صبح کو ابو سفیان نے مسلمان ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

ابو سفیان کی عزت فزائی:۔ حضرت عباسؓ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ابو سفیان ایک جاہ پسند آدمی ہے۔ آپ اس کو کوئی خاص عزت بخشیں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا جو شخص خانۂ کعبہ میں پناہ لے گا۔ اُس کو امان دی جائے گی۔ اور جو شخص ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے گا اُس کو بھی امان دی جائے گی۔ اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے گا وہ بھی امان میں رہے گا۔ اور جو شخص بغیر ہتھیار لگائے راہ میں ملے گا۔ اُس سے بھی کوئی تعرض نہ کیا جائے گا ابو سفیان اپنی یہ عزت افزائی دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

اُسی وقت اسلامی لشکر مسلح ہو کر مکہ کی طرف بڑھا۔ لشکرِ اسلام میں الگ الگ قبیلوں کے الگ الگ نشان تھے۔ ابو سفیان نے وادی کے سر پر ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کا نظارہ دیکھا۔ اور پھر سب سے پہلے مکہ میں داخل ہو کر منادی کرا دی کہ جو شخص خانۂ کعبہ میں یا میرے گھر میں پناہ لے گا وہ محفوظ رہے گا۔ آنحضرت صلعم کی خواہش یہی تھی۔ کہ مکہ میں خوں ریزی نہ ہو۔ آنحضرت صلعم کو مکہ سے بے سرو سامانی کے عالم میں اپنا نکلنا یاد آتا تھا۔ اور پھر شاہانہ عظمت اور لشکرِ عظیم کے ساتھ مکہ میں داخل ہونا دیکھتے تھے۔ تو بار بار شکرِ باری تعالیٰ بجا لاتے تھے۔ آپ مکہ میں بلا مزاحمت شوکت و عظمت کے ساتھ داخل ہو کر خانۂ کعبہ کی طرف تشریف لے گئے۔ سواری پر سات بار بیت اللہ کا طواف کیا۔ وہاں جس قدر

بُت تھے سب باہر پھنکوا دیئے۔ پھر عثمان بن طلحہؓ حاجب کعبہ سے کُنجی لے کر خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے۔ نمازِ چاشت ادا کی۔ پھر خانۂ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہوکر آپؐ نے ایک تقریر فرمائی۔ اہلِ مکہ بھی گردنیں جُھکائے خوف اور شرمساری کے عالم میں آپؐ کے سامنے مجرمانہ انداز میں کھڑے ہوئے تھے۔

آنحضرتؐ کا تاریخی خطبہ

"اللہ ایک ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ اُس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور سارے گروہوں کو شکست دی۔ کسی شخص کو جو خدا اور رسولؐ پر ایمان لایا ہے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مکہ میں خون ریزی کرے۔ کسی سرسبز درخت کا کاٹنا بھی اس میں جائز نہیں ہے میں نے زمانہ جاہلیت کی تمام رسموں کو پاؤں میں مسل دیا ہے۔ مگر مجاورتِ کعبہ اور حاجیوں کو آبِ زمزم پلانے کا انتظام باقی رکھا جائے گا۔ اے گروہِ قریش تم کو اللہ نے جاہلیت کے تکبر اور آباء پر فخر کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ کُل آدمی آدم سے اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ یاایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوبًا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اے گروہِ قریش تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟"

اس سوالیہ فقرے کو سُن کر قریش یعنی اہلِ مکہ نے کہا کہ "ہم آپ سے بھلائی کی توقع رکھتے ہیں کیونکہ آپؐ ہمارے بزرگ بھائی اور بزرگ بھائی کے بیٹے ہیں۔" آپ نے یہ جواب سُن کر فرمایا کہ:

"اچھا میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السّلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاءُ (آج تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو۔"

اس خطبہ سے فارغ ہوکر آپؐ کوہِ صفا پر جا بیٹھے اور لوگوں سے خدا اور رسول کی اطاعت کی بیعت لینے لگے۔ مردوں کی بیعت سے فراغت پاکر آپؐ نے حضرت عمر ابن الخطابؓ کو عورتوں سے بیعت لینے پر مامور فرمایا اور خود بہ نفسِ نفیس اُن کے لئے استغفار کرتے رہے۔ صفوان

بن اُمیہ فتح مکہ کے بعد بخوفِ جان یمن کی طرف بھاگا۔ عمیرؓ بن وہبؓ نے جو اُس کی قوم سے تھے۔ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر صفوانؔ کے لئے امان طلب کی۔ آپ نے اُس کو امان دی اور اس امر کے ثبوت کی غرض سے اپنا عمامہ جو مکہ میں داخل ہوتے وقت آپ کے سرِ مبارک پر تھا۔ مرحمت فرمایا۔ عمیرؓ بن وہب صفوانؔ کو یمن کے قریب سے واپس لائے اُس نے آنحضرت صلعم سے دو مہینے کی مہلت طلب کی۔ آپ نے چار مہینے کی مہلت عطا فرمائی۔ یہ صفوان وہ شخص تھا۔ جس نے مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہوتے وقت مزاحمت کی تھی۔ اور پھر تابِ مقاومت نہ لاکر فرار ہو گیا تھا۔ یہی حالت عکرمہ بن ابی جہل کی بھی ہوئی اُس کو بھی آپؐ نے معاف فرمایا۔ یہ دونوں جنگ حُنین کے بعد بخوشی مسلمان ہو گئے تھے حق آیا باطل سرنگوں ہو گیا۔ خانۂ کعبہ کے بتوں کا ٹوٹنا گویا تمام ملک عرب کے بُتوں کا ٹوٹنا تھا۔ اسی طرح قریشِ مکہ کا اسلام میں داخل ہو جانا اور اسلام کی اطاعت اختیار کرنا سارے ملک عرب کا مُطیع ہو جانا تھا کیونکہ تمام قبائل کی آنکھیں قریش مکہ کی طرف ہی لگی ہوئی تھیں۔ کہ وہ اسلام اختیار کرتے ہیں یا نہیں۔ فتح مکہ کے بعد بہت سے قریش مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن بہت سے اپنے کفر اور بُت پرستی پر قائم رہے۔ کسی کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کی کوشش مطلق نہیں کی گئی بلکہ مُدعا صرف امن وامان قائم کرنا اور فساد و بدامنی دور کرنا تھا۔ چنانچہ اب وہ خدشہ باقی نہ رہا۔ اور لوگوں کو مذہبی آزادی حاصل ہوئی۔ اِس مذہبی آزادی کی حالت میں بُت پرستوں کو اسلام کے مطالعہ کرنے اور سمجھنے کا موقعہ ملا اور وہ یکے بعد دیگرے بہت جلد بخوشی اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی دنوں میں سب نے اسلام قبول کر لیا۔

فتح مکہ سے فارغ ہو کر آپؐ نے شہرِ مکہ میں منادی کرائی کہ جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں وہ اپنے گھروں میں کوئی بُت باقی نہ رہنے دیں۔ پھر آپؐ نے نواحِ مکہ کے مشہور بُتوں کے توڑنے اور بت خانوں کے منہدم کرنے کے لئے چھوٹے چھوٹے دستے روانہ کئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو تیس ہزار سواروں کے ہمراہ روانہ کیا۔ کہ بنو کنانہ کے بُت عُزّیٰ نامی کو جس کا استھان ایک نخلستان میں تھا۔ جاکر منہدم کریں۔ خالد بن ولیدؓ نے جاکر عُزّیٰ کو پاش پاش کر دیا۔ اور اُس کا مندر مسمار کر کے زمین کے برابر کیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کو بنی ہذیل کے بُت سواع کے توڑنے اور مسمار کرنے کے لئے بھیجا گیا حضرت عمروؓ بن العاصؓ جب مندر کے قریب پہنچے تو پجاری نے کہا کہ تم

کیسے قادر ہو سکتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم دیکھتے جاؤ۔ یہ کہہ کر مندر میں داخل ہوئے اور بُت کو پاش پاش کر دیا۔ پجاری اُسی وقت بُت پرستی سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا۔ حضرت سعد بن زیدؓ اشہلی کو مناۃ نامی بُت کے توڑنے کے لئے مقام قدید کی طرف بھیجا گیا۔ وہاں کے پجاری بھی یہ یقین رکھتے تھے۔ کہ مسلمان بُت کے توڑنے پر ہرگز قادر نہ ہو سکیں گے۔ مگر انھوں نے دیکھ لیا کہ مسلمانوں نے جاتے ہی اُس کو توڑ پھوڑ کر مندر مسمار کر دیا۔ اسی طرح اور بھی بُت خانے مسمار ہوئے۔ اس کے بعد بعض قبائل کی طرف تبلیغ اسلام کے لئے آپ نے وفود روانہ کئے۔ حضرت خالد بن ولید بنو جذیمہ کی طرف بھیجے گئے۔ اُن کو قتال سے منع کر دیا گیا تھا۔ لیکن وہاں اتفاقاً حضرت خالدؓ کو جنگ کرنی پڑی اور بنو جذیمہ کے چند آدمی مقتول ہوئے۔ ان کا اسباب مال غنیمت کے طور پر خالد بن ولید جب لے کر واپس مکہ میں پہنچے تو آنحضرت صلعم نے اس واقعہ سے اظہار افسوس فرمایا۔ بنو جذیمہ کا مال و اسباب اور اُن کے مقتولین کا خوں بہا آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کے ہاتھ جذیمہ کے پاس واپس بھجوایا۔ فتح مکہ کے بعد آپ مکہ معظمہ میں پندرہ روز تک مقیم رہے اور نمازیں برابر قصر فرماتے رہے۔ آپ کے بلا تعین قیام سے انصار کے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اب شاید آپ مکہ ہی میں رہیں گے اور مدینے واپس نہ جائیں گے۔

غزوہ حنین:۔ فتح مکہ اور اکثر قریش کے داخل اسلام ہونے کی خبر سُن کر عرب کے اُن قبائل میں زیادہ کھلبلی اور پریشانی پیدا ہوئی۔ جو مسلمانوں کے حلیف نہ تھے۔ اُنھیں میں ہوازن اور ثقیف کے قبائل تھے۔ جو طائف اور مکہ کے درمیان رہتے اور قریش کے حریف و مد مقابل سمجھے جاتے تھے۔ یہ قبائل نہ مسلمانوں کے حلیف تھے نہ قریش مکہ کے۔ اُن کو یہ فکر پیدا ہوئی کہ مسلمان مکہ کے بعد اب ہمارے اوپر حملہ آور ہوں گے۔ بنو ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے بنو ہوازن اور بنو ثقیف کے تمام قبائل کو جنگ کے لئے آمادہ کر کے اپنے گرد جمع کر لیا۔ قبائل نصر۔ جشم سعد وغیرہ بھی سب آمادہ جنگ ہو کر شریک ہو گئے اور مقام اوطاس میں اس لشکر عظیم کا اجتماع ہوا۔ آپ کو جب مکہ میں اس لشکر عظیم کے جمع ہونے کی خبر پہنچی تو آپ نے عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو بطور جاسوس خبر لینے کے لئے روانہ کیا۔ انھوں نے واپس آکر بیان کیا کہ دشمنوں کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ اور وہ جنگ کے لئے مستعد ہیں۔ آپ نے فوراً جنگ کی تیاری شروع کی۔ دس ہزار مہاجر و انصار آپ کے ہمراہ مدینے سے آئے تھے وہ سب اور دو ہزار

اہلِ مکہ کل بارہ ہزار کا لشکر آپؐ کے ہمراہ مکہ سے روانہ ہوا۔ اہلِ مکہ کے دو ہزار آدمیوں میں کچھ نو مسلم تھے۔ اور کچھ لوگ ایسے تھے جو ابھی تک مشرکانہ عقائد پر قائم تھے پہلی شوال ۸ھ کو لشکرِ اسلام تہامہ کی وادیوں سے گذر کر وادیِ حنین میں پہنچا۔ دشمنوں نے لشکرِ اسلام کے قریب پہنچنے کی خبر سُنکر وادی حنین کے دونوں جانب کمیں گاہوں میں چھُپ کر مسلمانوں کے لشکر کا انتظار کیا۔

مسلمان وادی کی شاخ در شاخ اور پیچیدہ گذر گاہوں میں ہو کر نشیب کی طرف اُترنے لگے تھے اور صبح کاذب کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ کہ اچانک دشمنوں کی فوجوں نے کمیں گاہوں سے نکل نکل کر تیر اندازی اور شدید حملے شروع کر دیئے۔ اس اچانک آپڑنے والی مصیبت اور بالکل غیر مترقبہ حملے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان سراسیمہ ہو گئے۔ اور اہلِ مکہ کے دو ہزار آدمی سب سے پہلے حواس باختہ ہو کر بھاگے۔ اُن کو دیکھ کر مسلمان بھی جدھر جس کو موقع ملا منتشر ہونے لگے۔ آنحضرت صلعم وادی کے داہنی جانب تھے۔ آپؐ کے ہمراہ حضرت ابو بکر صدیقؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت عباسؓ۔ حضرت فضل بن عباسؓ۔ ابو سفیان بن الحرثؓ اور ایک مختصر سی جماعت صحابہ کرام کی رہ گئی۔ آپؐ اپنے سفید خچر دُلدل نامی پر سوار تھے۔ حضرت عباسؓ اُس کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ اس سخت پریشانی اور افراتفری کی حالت میں آپؐ بلند آواز سے فرماتے تھے۔ کہ انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب۔ آپؐ کے اس استقلال اور شجاعت نے کسی قدر مسلمانوں کی ہمت بندھائی۔ آپؐ کے اردگرد دشمن پوری طاقت سے حملہ آور تھے۔ اور یہ مٹھی بھر آدمی اُن سے لڑ رہے تھے۔ پھر آپؐ نے حضرت عباسؓ کو جو بلند آواز تھے حکم دیا کہ مسلمانوں کو اس طرف بلاؤ۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے ہر قبیلہ کا نام لے کر آواز دینی شروع کی کہ اس طرف آؤ۔ اس آواز کو پہچان کر مسلمان اس طرح اس آواز کی طرف دوڑے جیسے گائے کے بچھڑے اپنی ماں کی آواز سُن کر اُس کی طرف دوڑتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلعم کے قریب صرف سو ہی آدمی پہنچ سکے باقی دشمنوں کے درمیان حائل ہو جانے سے آپؐ تک نہ پہنچ سکے اور وہیں سے لڑنے لگے۔ آپؐ نے اللہ اکبر کہہ کر دُلدل کو دشمنوں کی طرف بڑھایا۔ اور ان سو آدمیوں کے مختصر دستے نے ایسا سخت حملہ کیا کہ اپنے سامنے سے دشمنوں کو بھگا دیا۔ اور اُن کے آدمیوں کو گرفتار کرنا شروع کیا۔ آپؐ کا نعرۂ تکبیر سُن کر اور دُشمنوں پر حملہ آوری دیکھ کر مسلمانوں نے بھی ہر طرف سے سمٹ کر

دشمنوں پر نعرۂ تکبیر کے ساتھ حملہ کیا اور ذرا سی دیر میں لڑائی کا نقشہ بدل گیا۔ دشمنوں کو کامل ہزیمت ہوئی۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کو مشرکینِ اہل مکہ کے سبب جو شریک لشکر تھے ابتدا ہزیمت ہوئی تھی۔ کیونکہ اُنھوں نے خود بھاگ کر دوسروں کے قدم بھی متزلزل کر دیئے تھے۔ لیکن آنحضرت صلعم کی انتہائی شجاعت اور استقلال نے تھوڑی ہی دیر میں مسلمانوں کو سنبھال لیا اور دشمنوں کو شکستِ فاش نصیب ہوئی۔ جس وقت لڑائی کا عنوان بگڑا ہوا تھا۔ اور مسلمانوں میں جنگ کی افراتفری نمودار تھی۔ تو ایک شخص مکہ والوں میں خوشی کے لہجہ میں پکار اُٹھا کہ لو آج سحر کا خاتمہ ہو گیا۔ ایک شخص نے کہا کہ مسلمانوں کی ہزیمت اب رُک نہیں سکتی یہ اسی طرح ساحلِ سمندر تک بھاگتے ہوئے چلے جائیں گے۔ ایک شخص شیبہ نامی نے کہا کہ آج میں محمد (صلعم) سے بدلہ لوں گا۔ یہ کہہ کر وہ آنحضرت صلعم کی طرف بُرے ارادے سے چلا لیکن راستے ہی میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔

ہوازن کے میدان جنگ میں بہت سے آدمی مارے گئے اور وہ بالآخر میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اُن کے بعد قبائل ثقیف کے لوگوں نے تھوڑی دیر میدان کارزار کو گرم رکھا آخر وہ بھی فرار کی عار گوارا کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس لڑائی میں دشمنوں کے بڑے بڑے سردار اور بہادر لوگ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ لیکن اُن کا سپہ سالارِ اعظم مالک بن عوف فرار ہو کر طائف کی طرف گیا اور طائف والوں نے اُن مفروروں کو اپنے یہاں پناہ دے کر شہر کے دروازے بند کر لئے۔ مفرورین کا ایک حصہ مقام اوطاس میں جمع ہوا اور ایک حصے نے مقام نخلہ میں پناہ لی۔ اوطاس اور نخلہ کی طرف فوجی دستے آنحضرت صلعم نے تعاقب میں روانہ کئے اور دونوں جگہ مقابلہ اور مقاتلہ ہوا لیکن مسلمانوں نے ہر مقام پر دشمنوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اور مالِ غنیمت نیز قیدیوں کو لے کر واپس ہوئے۔ آپ نے تمام اسیرانِ جنگ اور مالِ غنیمت کو مقام جعرانہ میں جمع کرنے کا حکم دیا اور حضرت مسعود بن عمروؓ غفاری کو حفاظت کے لئے مقرر فرما کر طائف کا قصد فرمایا۔ اس لڑائی میں چھ ہزار قیدی۔ ۲۴ ہزار اونٹ۔ ۴۴ ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں۔ چار ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ یہ لڑائی جنگِ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ تمام قبائل ثقیف طائف میں جمع ہو چکے تھے اور اہلِ طائف اُن کے ہمدرد بن چکے تھے۔

طائف کا محاصرہ:۔ وادیٔ حنین سے طائف کی طرف جاتے ہوئے راستے میں مالک بن عوف

کا قلعہ آیا۔ آپ نے اس قلعہ کو منہدم کرادیا پھر قلعہ اطم آیا۔ اس کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔ طائف کے قریب پہنچ کر آپ نے اہلِ طائف کو مقابلہ پر آمادہ دیکھا اور طائف کا محاصرہ کر لیا۔ بیس روز تک طائف کا محاصرہ جاری رہا۔ اس بیس روز کے اندر طائف کے ارد گرد کے علاقوں سے اکثر قبائل خود آ آکر اور بعض بذریعہ وفود مسلمان ہوتے رہے۔ جنگِ حُنین میں صرف چار مسلمان شہید ہوئے تھے۔ لیکن طائف کے محاصرہ کی حالت میں بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ اس محاصرہ میں بھی بہت بڑا فائدہ حاصل ہوا۔ کہ طائف کے نواحی قبائل مسلمان ہو گئے۔ طائف کی فتح کو آپ نے اُسی وقت ضروری نہ سمجھ کر وہاں سے مراجعت کی اور مقام جعرانہ میں تشریف لاکر اسیرانِ جنگ اور مالِ غنیمت کی تقسیم فرمائی۔

اسی جگہ قبائلِ ہوازن کی جانب سے ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ کو حلیمہ سعدیہ کا واسطہ دلاکر معافی کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ تم نمازِ ظہر کے وقت جب سب مسلمان نماز کے لئے جمع ہوں گے میرے سامنے اپنی درخواست پیش کرنا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ نے وفدِ ہوازن سے فرمایا کہ تمھارے جس قدر قیدی میرے اور بنو عبدالمطلب کے حصّے میں ہیں۔ وہ سب آزاد سمجھو اور اپنے ساتھ لے جاؤ۔ یہ سُن کر تمام مہاجرو انصار بولے ما کان فھولرسول اللہ (جو ہمارا حصہ ہے۔ وہ رسول اللہ صلعم کا حصہ ہے) یہ کہہ کر سب نے تمام ہوازن کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اس طرح تقریباً چھ ہزار قیدی ذرا سی دیر میں آزاد کردیئے گئے۔ اُنھیں قیدیوں میں شیماء بنت حلیمہ سعدیہ ہمشیرہ رضاعی آنحضرت صلعم بھی تھیں۔ اُنھوں نے جب کہا کہ میں آپ کی رضاعی بہن ہوں تو آپ نے فرمایا۔ کہ اس کا ثبوت کیا ہے۔ اُنھوں نے کہا میری کمر میں تمھارے دانت کے نشان ہیں۔ تم نے بچپن میں کاٹ لیا تھا۔ آپ نے فرمایا درست ہے۔ یہ کہہ کر فوراً اپنی چادر بچھا دی اور اُس پر اُن کو بٹھایا۔ پھر فرمایا کہ اگر تم میرے پاس رہنا پسند کرو تو میں تم کو عزت و احترام سے رکھوں گا۔ اگر اپنی قوم میں جانا چاہو تو تم کو اختیار ہے۔ اُنھوں نے دوسری بات کو پسند کیا۔ اور آپ نے اُن کو بہت سا مال و متاع۔ ایک لونڈی۔ ایک غلام اپنی مِلک سے دے کر رخصت کیا۔ شیماء نے اُس لونڈی اور غلام کا باہم نکاح کر دیا۔ جس سے نسل چلی اور سُنا گیا ہے کہ آج تک وہ نسل باقی ہے۔

انصار کی والہانہ محبتِ رسول:۔ آپ نے مقام جعرانہ میں جب مالِ غنیمت تقسیم کیا تو مکہ والوں

کو جو مولفۃ القلوب تھے زیادہ زیادہ رقمیں دیں اور بعض کو کئی گنا اُن کے حصّے سے زیادہ مالِ غنیمت ملا۔ مکہ والے چونکہ اکثر قریش یعنی آنحضرت صلعم کے اپنے رشتہ دار اور ہم وطن تھے اس لئے انصار کے بعض نوجوانوں میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں۔ کہ آنحضرت صلعم نے اپنے رشتہ داروں اور ہم وطنوں کو بلا استحقاق مال و دولت عطا کی اور ہم کو معمولی حصّہ سے زیادہ کچھ نہ دیا۔ حالانکہ عطیات کے زیادہ مستحق تو ہم لوگ تھے۔

یہ بھنک اڑتی ہوئی آپ کے سمع مبارک تک بھی پہنچ گئی۔ آپ نے تمام انصار کو ایک جگہ جمع کیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے اُن کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا تم نے ایسا ایسا کہا ہے؟ انصار کی طرف سے جواباً عرض کیا گیا۔ کہ ہمارے نوجوانوں نے اس قسم کی باتیں ضرور کی ہیں۔ لیکن ہم میں سے کسی پختہ مغز اور سمجھ دار شخص کو اس بات کا خیال تک بھی نہیں آیا نہ ہم کو کبھی ایسا خیال آسکتا ہے۔

آپ نے یہ سُن کر فرمایا کہ "اے جماعتِ انصار کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم لوگ گمراہ تھے۔ خدائے تعالیٰ نے میری بدولت تم کو ہدایت عطا فرمائی؟" انصار نے عرض کیا۔ "بے شک اللہ اور اُس کے رسولؐ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہوا ہے۔" پھر آپ نے فرمایا۔ "تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دُشمن تھے۔ میری بدولت تم میں اتفاق پیدا ہوا۔" انصار نے عرض کیا۔ "بے شک آپ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا۔" پھر آپ نے فرمایا۔ کہ "تم لوگ نادار تھے۔ میری بدولت اللہ تعالیٰ نے تم کو غنی کیا۔" انصار نے عرض کیا۔ "بے شک اللہ اور اُس کے رسولؐ کا ہم پر بڑا احسان ہوا۔" پھر آپ نے فرمایا کہ "نہیں۔ تم مجھ کو جواب دے سکتے ہو۔ کہ ساری دُنیا نے تجھ کو جھُٹلایا اور ہم نے تیری تصدیق کی۔ سب نے تجھ کو چھوڑ دیا۔ اور ہم نے پناہ دی۔ تو محتاج تھا۔ ہم نے تیری مدد کی۔ اور میں تمہاری ان سب باتوں کی تصدیق کروں گا۔ اے جماعتِ انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکری لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم محمد (صلعم) کو اپنے گھر لے کر جاؤ۔" یہ تقریر سُن کر انصار بے اختیار رو پڑے اور آنسوؤں کی جھڑی سے اُن کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ "اگر ہجرت ایک تقدیری حکم نہ ہوتا تو میں بھی انصار میں ہی شامل ہوتا۔ اگر انصار ایک راستے پر چلیں اور لوگ دوسرا راستہ اختیار کریں تو میں یقیناً انصار کا راستہ اختیار کروں گا۔ اے اللہ انصار اور انصار کے لڑکوں پر اور اُن کے لڑکوں پر رحم کر۔" یہ سُن کر انصار کی جو حالت تھی۔ اور اُن

کو جس قدر خوشی تھی اُس کا ہم صرف تصور کر سکتے ہیں بذریعہ الفاظ کیسے بیان کیا جا سکتا ہے۔ پھر آپؐ نے انصار کو سمجھایا کہ یہ لوگ ابھی تازہ مسلمان ہوئے ہیں۔ تالیفِ قلوب کے خیال سے اُن کو زیادہ مال دیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ اُن کا حق زیادہ ہے۔

مکہ کا پہلا امیر:۔ بعد ازاں آپؐ نے جعرانہ سے مکہ جاتے ہوئے عمرہ کی نیت کی۔ مکہ میں داخل ہو کر عمرے کے ارکان سے فارغ ہو کر عتاب بن اسیدؓ ایک نوجوان شخص کو جن کی عمر بیس برس سے کچھ زیادہ تھی۔ مکہ کا عامل مقرر فرمایا۔ اور معاذ بن جبلؓ کو بغرضِ تعلیم قرآن و احکامِ دین اُن کے پاس چھوڑا اور معہ مہاجرین و انصار مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ عتاب بن اسیدؓ کو عامل اور مکہ کا امیر اس لئے مقرر کیا۔ کہ اُن کو دینی واقفیت حاصل کرنے کا بہت ہی شوق تھا۔ ایک درم روزانہ عتاب کے لئے وظیفہ مقرر فرمایا کہ وہ کسی کے دست نگر نہ رہیں۔ ۲۴ ذیقعدہ ۸ھ کو آپؐ معہ صحابہ کرام مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ حضرت عتاب بن اسیدؓ سب سے پہلے شخص ہیں۔ جنھوں نے اسلام میں امیر ہو کر حج ادا کیا۔ اس سال مسلمانوں نے بھی حج ادا کیا۔ اور مشرکین نے بھی اپنے طریقہ پر حج ادا کیا۔ نہ مشرکوں نے مسلمانوں سے کوئی تعرض کیا نہ مسلمانوں نے مشرکوں سے کچھ کہا۔ اس میل جول کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرکین کو مسلمانوں کے اعمالِ حسنہ اور اخلاق فاضلہ کے مطالعہ کرنے کا خوب موقعہ ملا اور اُن کی زبان پر بے اختیار مسلمانوں کی مدح و ستائش جاری ہو گئی۔ ۸ھ کے متعلق ایک یہ قابل تذکرہ واقعہ رہ گیا تھا۔ کہ آنحضرت صلعم جب مکہ سے مدینہ کو روانہ ہوئے تو طائف کے سرداروں میں سے ایک سردار عروہ بن مسعودؓ جو محاصرۂ طائف کے ایام میں طائف کے اندر نہ تھے۔ بلکہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور بعد محاصرہ اُٹھ جانے کے طائف میں آئے تھے۔ وہ آنحضرت صلعم کے مکہ سے روانہ ہونے کی خبر سُن کر آپؐ کے پیچھے روانہ ہوئے اور آپؐ کے مدینے داخل ہونے سے پہلے ہی راستہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں واپس جا کر اپنی قوم میں اسلام کی تبلیغ کروں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تیری قوم کو اس بات کا غرور ہے کہ مسلمان اُن کو فتح نہیں کر سکے۔ اگر تو اُن کو اسلام کی دعوت دے گا۔ تو وہ تجھ کو قتل کر دیں گے۔ حضرت عروہؓ نے عرض کیا کہ میری قوم مجھ سے بہت محبت کرتی اور میری بات مانتی ہے۔ مجھ کو اُمید ہے۔ کہ وہ کبھی میری مخالفت نہ کریں گے۔ اُن کے اصرار پر آپؐ نے اجازت دے دی وہ طائف میں آئے اور ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر اہلِ طائف کو اسلام

کی دعوت دینی شروع کی۔ اہلِ طائف نے اس بات کو سنتے ہی اُن پر تیروں کی بارش شروع کردی اور وہ شہید ہوگئے۔ دمِ نزع اُن کے اہلِ خاندان نے پوچھا کہ تم اپنے خون کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ ہم اس کا بدلہ کسی سے لیں یا نہ لیں۔ اُنھوں نے کہا کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا۔ اب میری صرف یہ خواہش ہے کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن رفیقوں کے پاس دفن کرنا۔ جو یہاں ایامِ محاصرہ میں شہید ہو کر دفن ہو چکے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے جب عُروہ بن مسعودؓ کی شہادت کا حال سُنا تو فرمایا۔ کہ "عُروہ اپنی قوم میں ایسا ہی تھا۔ جیسا صاحبِ لیٰسین اپنی قوم میں"۔ اسی سال آپؐ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے۔ صاحبزادہ ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ اسی سال آپؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے انتقال فرمایا۔ اسی سال کے آخری ایام میں آپؐ کے لئے لکڑی کا ممبر تیار کیا گیا۔ جس پر بیٹھ کر آپؐ خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اسی سال منذر بن ساری حاکم بحرین کو جو آپؐ کا خط دیکھتے ہی مسلمان ہو گیا تھا۔ آپؐ نے ایک تحریر بھیجی جس کی رُو سے وہ یہود اور مجوسیوں سے جزیہ وصول کرنے لگا۔

ہجرت کا نواں سال:۔ فتح مکہ اور جنگِ حُنین کے بعد جب آپؐ مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔ تو ملکِ عرب کے مشرک لوگ خود بخود آ کر اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ ۹ھ کے شروع ہوتے ہی ملکِ عرب کے دُور دراز علاقوں سے قبیلوں اور قوموں نے اپنے وُکلا بھیج بھیج کر آنحضرت صلعم کی اطاعت کا اقرار کیا۔ اور دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس سال بڑی کثرت سے وفود آئے اور عرب قبائل برابر مسلمان ہوتے رہے۔ اسی لئے ۹ھ عام الوفود کے نام سے مشہور ہے۔ اب آنحضرت صلعم کو دنیوی اعتبار سے بھی شہنشاہِ عرب کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ مسلمانوں پر تو زکوٰۃ فرض تھی۔ جو قبائل ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ اُن سے ایک خفیف رقم بطور جزیہ وصول کی جاتی تھی۔ بس یہی زکوٰۃ یا جزیہ وہ خراج تھا۔ جو آنحضرت صلعم کی شہنشاہی میں رعایا سے وصول کیا جاتا تھا۔ زکوٰۃ کی وصولی کے لئے آپؐ نے جا بجا قبائل کی طرف عامل مقرر فرما کر بھیجے۔ اول اول وصولِ زکوٰۃ کے متعلق بعض دقتیں بھی پیش آئیں بعض عامل بھی شہید ہوئے۔ بعض قبائل کو اس انتظام کے قائم رکھنے کے سرزنش بھی کی گئی۔ بالآخر یہ انتظام اور مُلک کا نظام بہ حسن و خوبی قائم ہو گیا۔

غزوۂ تبوک:۔ جنگِ موتہ کی ہزیمت کا انتقام لینے کے لئے غسانی بادشاہ نے ایک لشکرِ عظیم

فراہم کرکے ہرقل روم سے امداد طلب کی ۔ ہرقل نے چالیس ہزار کا لشکرِ جرار غسانی بادشاہ کے پاس بھیجا اور خود بھی عظیم الشان فوج لے کر عقب سے روانہ ہونے کا قصد کیا ۔ ابو عامر راہب جس کا ذکر اوپر آچکا ہے مکہ سے قیصرِ روم کے پاس چلا گیا تھا ۔ اُس کا کام اور مقصد یہی تھا ۔ کہ قیصر کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اکسائے ۔ اُدھر اُس نے منافقینِ مدینہ سے برابر خفیہ پیام سلام کا سلسلہ جاری رکھا ۔ اُسی کے دیئے ہوئے مشورے کے موافق منافقین نے مسجد ضرار کی تعمیر شروع کی تھی ۔ غرض سرحد شام پر عیسائی فوجوں کے اجتماع اور قیصر کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی خبریں متواتر مدینہ میں پہنچنی شروع ہوئیں ۔ آپؐ نے اس عیسائی حملہ کو مُلکِ شام کی سرحد ہی پر روکنا ضروری سمجھا ۔ کیونکہ ملکِ عرب کے اندر ہرقل روم کی فوجوں کے داخل ہونے سے یک لخت تمام ملکِ عرب میں بدامنی کے پیدا ہونے کا قوی احتمال تھا ۔ نیز سرحد پر ایسے لشکرِ عظیم کا اجتماع کوئی ایسی بات نہ تھی کہ آپؐ اُس کو معمولی سی بات سمجھ کر خاموش رہتے ۔ چنانچہ آپؐ نے عام طور پر قبائل کو اطلاع دی کہ ہرقل کی فوجوں کے مقابلے کے واسطے آ آکر شریک لشکر ہونا چاہیئے ۔ مسلمان اطرافِ ملک سے آآکر مدینہ منورہ میں جمع ہونے شروع ہوئے ۔ منافقین کی جماعت مدینے میں موجود تھی ۔ یہ لوگ مسلمانوں کو ہمیشہ بہکانے اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوششوں میں مصروف رہتے تھے ۔

اس سے پہلے جب کبھی آپؐ نے کسی طرف کو فوج لے جانے کا عزم فرمایا ۔ پہلے سے اُس کا اعلان نہیں فرماتے تھے ۔ تاکہ منافقین کو اعتراض کرنے اور مسلمانوں کے بددل بنانے کا موقع نہ مل سکے عین وقت کے وقت مسلمانوں کو معلوم ہوتا تھا کہ ہم کس طرف جارہے ہیں ۔ اس مرتبہ چونکہ بڑا لشکر جمع کرنا تھا اور اُس کا سامان فراہم کرنا بھی دشوار کام تھا ۔ اس لئے آپؐ نے اعلان کردیا تھا کہ ہرقل کی فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سرحد شام کی طرف مسلمانوں کو جانا پڑے گا ۔ گذشتہ سال چونکہ خشک سالی رہی تھی ۔ اس لئے لوگوں کی مالی حالت بھی سقیم تھی ۔ اس سال فصل اور پیداوار اچھی ہوئی تھی اور اُس کے کاٹنے کا وقت آچکا تھا ۔ لہٰذا لوگ اپنی فصلوں کو چھوڑ کر جانا بالطبع کسی قدر گراں محسوس کرتے تھے ۔ ہرقل اور اُس کے وزراء نے اپنے اس حملہ کی تیاریوں کے سلسلہ میں منافقین مدینہ کو پہلے ہی سے اپنا شریک بنا لیا تھا ۔ مدینہ کے منافقوں کی سازشی مجلسیں سویلم نامی یہودی کے یہاں روزانہ منعقد ہوتی تھیں ۔ بارہ منافقوں نے مل کر اپنی ایک مسجد الگ تعمیر کی ۔ مدعا یہ تھا کہ اس مسجد میں سازشی جلسے اور ہر قسم کی مخالفِ اسلام صلاح و

مشورہ کی باتیں ہوا کریں گی اور اس مسجد کے ذریعہ مسلمانوں میں تفرقہ و نااتفاقی پیدا کرنے کا سامان پیدا کیا جائے گا۔ ان منافقوں نے جب دیکھا کہ مسلمان جنگ اور سفر کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ تو ہمت شکن باتیں کرنی شروع کیں۔ اور موسم گرما کے اس طویل سفر کی دقتیں لوگوں میں بیان کرنے لگے کیونکہ اُن کا مقصد قیصر کی فوجوں کو مدینہ پر حملہ آور کرانا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے۔ کہ مسلمان ملکِ شام کی طرف پہلے ہی حملہ آور ہو کر عیسائی فوجوں کے سیلاب کو عرب میں داخل ہونے سے روک دیں۔

آنحضرت صلعم نے مدینہ میں تمام صحابہ کو تیاری کرنے اور شریک لشکر ہونے کا حکم دیا تھا۔ ساتھ ہی زاد راہ۔ سواری۔ سلاح جنگ وغیرہ کے لئے روپیہ کی زیادہ ضرورت تھی۔ اس لئے چندہ کی بھی عام اپیل فرمائی تھی۔ منافقین نے لوگوں کے بہکانے اور مسلمانوں کے لئے مشکلات پیدا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ حضرت عثمان غنیؓ اپنا مالِ تجارت شام کی طرف روانہ کرنے والے تھے۔ انھوں نے وہ تمام سامان لشکر کی تیاری کے لئے چندہ میں دے دیا۔ جس کی مقدار نو سو اونٹ اور سو گھوڑے مع ساز و براق اور ایک ہزار دینار طلائی تھی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے گھر کا تمام مال و اسباب لاکر چندہ میں دے دیا۔ اور کہا کہ بال بچوں کو خدا کے سپرد کر آیا ہوں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے مال و اسباب سے نصف راہِ خدا میں لاکر دے دیا اور نصف اہل و عیال کے لئے چھوڑا۔ جو لوگ بہت ہی غریب تھے اور محنت مزدوری سے گذر کرتے تھے۔ اُنھوں نے بھی بڑی دلیری سے جو کچھ اُن سے ہو سکا لاکر جمع کر دیا۔ منافقین نے اس چندہ میں بھی شرکت نہ کی۔ تیس ہزار لشکر مدینہ میں جمع ہو گیا۔ فوجی سامان صرف اس قدر درست ہوا کہ تمام فوج نے جوتے بنا لئے۔ آنحضرت صلعم نے حکم دیا تھا کہ تم لوگ جوتے بنا لو کیونکہ پاؤں میں جوتہ ہونے سے آدمی سوار کے حکم میں سمجھا جاتا ہے۔

لشکرِ اسلام کی روانگی:۔ غرض ماہ رجب ۹ھ میں آپ تیس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ سے ایک گھنٹہ کی مسافت کے فاصلہ پر ایک بستی ذی روان میں آپ پہنچے تھے۔ کہ منافقین نے آکر عرض کیا کہ ہم نے ایک مسجد بنائی ہے ہماری خواہش ہے کہ آپ چل کر نماز ادا کریں۔ تاکہ وہ مسجد بھی قابلِ تعظیم سمجھی جانے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت سفر کی تیاری میں مصروف ہوں۔ واپسی کے وقت دیکھا جائے گا۔ آپ نے مدینہ سے نکل ثنیۃ الوداع نامی پہاڑی پر معسکر قائم کیا۔ اور محمد بن مسلمہؓ انصاری کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا۔ منافقوں کا سردار اعظم

عبداللہ بن اُبی بھی معہ اپنی جماعت کے شہر سے نکل کر ثنیۃ الوداع پہاڑی کے نشیبی دامن میں خیمہ زن ہوا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی ہمراہ چلنے پر آمادہ ہے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اُس کا منشا، لوگوں کو آپ کے ہمراہ جانے سے روکنا تھا۔ جب آپ معہ لشکر آگے کو روانہ ہوئے تو منافقین عبداللہ بن اُبی کے ہمراہ مدینہ کو واپس لوٹ آئے۔ بعض منافق اس غرض سے کہ مُخبری کر کے عیسائیوں کو مدد پہنچائیں۔ اسلامی لشکر میں شریک رہے۔

آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔ مدینہ میں منافقوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت یہ کہنا شروع کیا کہ آنحضرت صلعم کو حضرت علیؓ کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ وہ اُن کو بارِ خاطر سمجھتے تھے۔ اسی لئے ان کو چھوڑ دیا ہے۔ حضرت علیؓ یہ سُن کر برداشت نہ کر سکے۔ مسلح ہو کر مدینہ سے چل دیئے۔ اور مقام الجرف میں مدینہ سے کوس بھر کے فاصلہ پر آنحضرت صلعم کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ منافقین میری نسبت ایسی ایسی باتیں کہتے تھے۔ اس لئے حاضر خدمت ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ وہ جھوٹے ہیں۔ میں نے اپنے گھر بار کی حفاظت کے لئے تم کو مدینے میں چھوڑا تھا تم واپس جاؤ۔ اور اُن کی دل دہی کے لئے فرمایا کہ تم میرے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ مگر فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ حضرت علیؓ وہاں سے پھر مدینے کو واپس تشریف لے گئے۔ بعض صحابی جو کسی سُستی یا غفلت کے سبب آپ کے ہمراہ روانہ ہو سکے تھے۔ آپ کی روانگی کے بعد مدینے سے روانہ ہوئے۔ اور راستے کی منزلوں میں شریکِ لشکر ہوتے گئے بعض منافقین جو مسلمانوں کو بددل کرنے کے لئے شریکِ لشکر تھے۔ وہ راستہ کی مختلف منزلوں سے جُدا ہو ہو کر واپس ہوتے رہے مگر اُن کی اس حرکتِ نامعقول کا مسلمانوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آپ نے کسی کے حال سے کوئی تعرض نہ فرمایا۔ اور جو راستہ میں رہ گیا اُس کے متعلق پرواہ نہ کی۔ راستہ میں قومِ ثمود کی تباہ شدہ بستیاں آئیں۔ اس علاقے کا نام حجر تھا۔ جب لشکرِ اسلام اِس قطعہ اراضی میں داخل ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہاں سے استغفار پڑھتے ہوئے جلدی گذر جاؤ۔ اور یہاں کے کنوئیں کا پانی بھی نہ پیو۔ اسی علاقۂ حجر کی حدود میں ایک شب قیام کرنا پڑا۔ تو آپ نے حکم دیا۔ کہ کوئی شخص تنہا لشکر گاہ سے باہر نہ نکلے۔ جب آپ تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈر کے قریب سے گذرے تو آپ نے چادر سے اپنا منہ چھُپا لیا۔ اور سواری کو مہمیز لگا کر تیز کر دیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جب ظالموں اور گنہگاروں کی بستی میں جاؤ تو ڈرتے

ہوئے اور استغفار پڑھتے ہوئے جاؤ کہ مبادا تمہیں بھی ایسی ہی مصیبت پیش نہ آجائے۔

مقام تبوک:۔ جب لشکرِ اسلام چشمۂ تبوک پر سرحد شام میں پہنچ گیا تو وہاں قیام کیا۔ ہرقل آپ کو پیغمبر برحق سمجھتا تھا۔ اُس نے جب آپ کے آنے کی خبر سُنی تو وہ ڈر کے مارے پیچھے ہٹ گیا۔ عیسائی لشکر اور غسانی بادشاہ سب لشکرِ اسلام کی خبر سُن کر اِدھر اُدھر چلے گئے اور میدان خالی چھوڑ گئے۔ تبوک مدینہ سے چودہ پندرہ منزل کی مسافت پر تھا۔ یہاں آپ نے بیس روز کے قریب قیام کیا۔ اس عرصہ میں ایلہ کا حاکم یحنہ بن روبتہ اظہارِ اطاعت کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے جزیہ ادا کرنے کی شرط پر اُس سے صلح کرلی۔ اُس نے جزیہ کی رقم اُسی وقت ادا کردی۔ پھر مقام جربا کے لوگ آئے۔ انھوں نے بھی جزیہ ادا کرنے کا اقرار کیا۔ اور آپ نے اُن کو صلح نامہ لکھ دیا۔ اس کے بعد مقام آذرخ کے باشندے حاضر خدمت ہوئے انھوں نے بھی جزیہ کی ادائیگی کے اقرار پر صلح نامہ حاصل کیا۔

تبوک کے قریب دومۃ الجندل کا علاقہ تھا۔ وہاں کا حاکم اکیدر بن عبدالملک بنو کندہ کے قبیلے سے تھا۔ اور نصرانی مذہب رکھتا تھا۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ اُس کی طرف سے علاماتِ سرکشی نمایاں ہوئی۔ آپ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک دستہ فوج کے ہمراہ روانہ کیا اور فرمایا کہ اکیدر تم کو نیل گائے کا شکار کرتا ہوا ملے گا۔ اُس کو گرفتار کر لاؤ۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اپنے ہمراہی سواروں کو لے کر روانہ ہوئے۔ رات بھر کی مسافت کے بعد صبح ہوتے اکیدر کے قلعہ کے متصل پہنچے۔ وہاں اکیدر کو عجیب واقعہ پیش آیا۔ گرمی کا موسم۔ چاندنی رات۔ اکیدر اپنی بی بی کے ساتھ محل کی چھت پر آرام کر رہا تھا۔ ایک نیل گائے نے جنگل کی طرف سے آکر محل کے دروازے کو اپنے سینگوں سے کھرچنا شروع کیا۔ اکیدر کی بیوی نے حیرت زدہ ہوکر اپنے شوہر کو متوجہ کیا۔ اکیدر اُسی وقت اپنا گھوڑا تیار کرا کر اور اپنے بھائی حسان نامی کو ہمراہ لے کر اس نیل گائے کا شکار کرنے کے لئے نکلا۔ وہ ابھی نیل گائے کے پیچھے تھوڑی ہی دُور چلا ہوگا۔ کہ حضرت خالد بن ولیدؓ مع اپنے ہمراہیوں کے پہنچ گئے۔ اور اُس کو گھیر لیا۔ اکیدر اور اُس کے بھائی نے مقابلہ کیا۔ اکیدر زندہ گرفتار ہوگیا۔ اور اُس کا بھائی لڑ کر مارا گیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اکیدر کی ریشمی خوبصورت قبا اُتار کر فوراً ایک سوار کے ہاتھ آنحضرت صلعم کی خدمت میں آگے روانہ کی اور خود اُس کو لے کر بعد میں حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے اکیدر کی جان بخشی فرمائی۔ اُس نے اطاعت اور جزیہ کی ادائیگی کا اقرار کیا اور اپنے قلعہ میں واپس آکر دو ہزار اونٹ۔ آٹھ سو گھوڑے

چار سو زر ہیں۔ چار سو نیزے آنحضرت صلعم کی خدمت میں بطور پیش کش بھیجے۔ اور صلح نامہ لکھا کر مطمئن ہوا۔

مسجدِ ضرار جلادی گئی:۔ سرحدِ شام کے حاکموں اور رئیسوں سے اطاعت اور امن وامان رکھنے کا اقرار لے کر صحابہ کرام سے آپؐ نے مشورہ کیا۔ سب کی رائے یہی ہوئی کہ اب اور زیادہ قیام اور انتظار کی ضرورت نہیں ہے۔ ہرقل اور اس کی نوجیں مرعوب ہو چکی ہیں۔ اگر ان میں ہمت ہوتی تو مقابلہ پر آجاتے۔ آخرکار آپؐ تبوک سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپؐ مدینہ کے قریب پہنچے اور مدینہ صرف ایک گھنٹہ کے راستہ پر رہ گیا۔ تو آپؐ نے مالک بن دخشم سالمیؓ اور معن بن عدی عجلیؓ کو منافقوں کی بنائی ہوئی مسجد کے جلانے اور مسمار کرنے کے لئے حکم دیا۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمادی تھیں والذین اتخذوا مسجداً ضراراً الخ اور اس طرح منافقین کے کید سے آنحضرت صلعم واقف ہو چکے تھے۔ چنانچہ مسجد ضرار کا نام ونشان مٹا دیا گیا۔ آپ ماہ رمضان ۹ھ میں داخلِ مدینہ ہوئے۔ اس سفر یعنی غزدہ تبوک میں دو مہینے صرف ہوئے۔

حضرت کعب بن مالکؓ۔ مرارہ بن الربیعؓ۔ ہلال بن امیہؓ تین صحابی ایسے تھے جو صالحینِ صحابہ میں سے تھے مگر محض سستی کی وجہ سے آج کل کرتے رہے اور سامانِ سفر کی درستی نہیں کی یہاں تک کہ لشکرِ اسلام مدینہ سے روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد بھی سستی کی وجہ سے روانہ نہ ہو سکے اب جب آپؐ تبوک سے واپس ہو کر مدینے تشریف لائے تو ان تینوں نے حاضرِ خدمت ہو کر اپنی غلطی کا صاف صاف اقرار کیا۔ ان کے لئے حکم صادر ہوا کہ کوئی شخص ان تینوں سے ہم کلام نہ ہو۔ پچاس دن تک یہ برابر توبہ استغفار کرتے رہے۔ تب خدائے تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہوا کہ ان کی توبہ مقبول ہو گئی ہے۔ جب تک ان کی توبہ قبول نہ ہوئی کوئی شخص حتیٰ کہ ان کے گھر والے بھی ان کی کسی بات کا جواب نہ دیتے تھے۔ ان کو سلام کا جواب بھی لوگوں سے نہ ملتا تھا۔ زندگی اُن کے لئے وبالِ جان اور دُوبھر تھی۔ یہ کیفیت جب مشہور ہو کر غسانی بادشاہ کے کانوں تک پہنچی تو اس نے اپنا ایلچی خط دے کر کعب بن مالک کے پاس بھیجا کہ تم ایک رئیس اور شریف آدمی ہو تمہارے ساتھ محمد (صلعم) نے بہت ہی بُرا سلوک کیا ہے۔ تم میرے پاس چلے آؤ۔ میں تمہاری خوب عزت ودل دہی کروں گا۔ حضرت کعب بن مالکؓ کے پاس جب یہ خط پہنچا تو انھوں نے اس خط کو پڑھ کر تنور میں ڈال دیا۔ اور ایلچی سے کہا جاؤ اس کا یہی جواب تھا۔ جب حضرت کعب بن مالکؓ کی توبہ مقبول ہوئی۔ اور آنحضرت صلعم اور صحابہ کرامؓ نے اُن کو مبارک باد دی۔

تو انھوں نے اپنا تمام مال خدا کے نام پر تصدق کر دیا۔

اہلِ طایف کا قبول اسلام:۔ آنحضرت صلعم کے غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لانے کی خبر اہلِ طائف نے سنی تو اُن کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں سے لڑنے کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔ حضرت عروہ بن مسعودؓ جو طائف میں شہید ہوئے تھے اُن کے لڑکے ابو الملیحؓ اور بعض دوسرے آدمی اہلِ طائف سے مدینہ میں آکر مسلمان ہو چکے تھے تبوک سے واپس ہونے پر آنحضرت صلعم کی خدمت میں عبد یالیل بن عمرو اہلِ طائف کی طرف سے وکیل بن کر آئے۔ آپ نے اُن لوگوں کے لئے مسجد میں ایک خیمہ نصب کرا دیا۔ عبد یالیل اور اُن کے ہمراہیوں نے اسلام قبول کیا اور اپنی قوم کی طرف سے آنحضرت صلعم کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ آپ نے اُن پر عثمان بن ابی العاصؓ کو حکمران مقرر فرما دیا۔ اور مغیرہ بن شعبہؓ کو لات کے بُت اور مندر کے منہدم کرنے کے لئے روانہ کیا۔ انھوں نے طائف میں پہنچ کر لات کے بُت اور مندر کو منہدم کیا۔ بُت خانے کے خزانے میں سے جو مال برآمد ہوا۔ اُس سے حضرت عُروہ بن مسعودؓ کا قرضہ ادا کیا گیا۔ باقی مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ آپ کے تبوک سے مدینے میں واپس آتے ہی پھر وفود کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ برابر وفود آتے۔ اسلام قبول کرتے۔ اپنی اپنی قوم کی طرف سے بیعت کرتے اور تعلیم اسلام کے لئے معلم ہمراہ لے کر واپس ہوتے۔ آپ ہر ایک وفد کو رخصت کرتے وقت انعام اور صلہ بھی ضرور دیتے تھے۔ تبوک سے واپس آکر آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ایک جمعیت دے کر بلادِ طے کی جانب روانہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بلادِ طے کے قریب پہنچ کر حملہ کیا۔ عدی بن حاتم فرار ہو کر شام کی طرف بھاگ گیا۔ حضرت علیؓ حاتم کی لڑکی کو قید کر لائے۔ اور دو تلواریں اُن کے بُت خانے سے لوٹ لائے۔ جن کو حرث بن ابی شمر نے چڑھایا حاتم کی لڑکی نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا۔ کہ آپ مجھ پر احسان کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تجھ پر احسان کیا۔ یعنی تجھ کو آزاد کر دیا۔ لیکن تو جلدی نہ کر۔ کوئی معتبر و معزز شخص آئے۔ تو میں اُس کے ہمراہ تجھ کو تیرے ملک میں پہنچا دوں۔ اتنے میں چند لوگ ملکِ شام کے آئے اُن کے ہمراہ آپ نے اُس لڑکی کو کپڑے اور زادِ راہ وغیرہ دے کر رخصت کیا۔

یہ لڑکی جب اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس پہنچی۔ تو عدیؔ نے اپنی بہن سے پوچھا کہ تو نے اُس شخص (آنحضرت صلعم) کو کیسا پایا؟ اُس نے کہا۔ کہ وہ شخص ملنے کے قابل ہے نہایت خلیق اور اعلیٰ درجہ کا محسن ہے۔ عدیؔ یہ سنتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اپنی قوم کی طرف

سے وفد ہوکر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اس کی بڑی عزت کی۔ اور مسجد نبویؐ سے اپنے ہمراہ لئے ہوئے مکان پر آئے۔ اور اُس کو بچھونے پر بٹھایا۔ ایک عورت اثنا راہ میں مل گئی۔ اُس نے آپؐ کو روک لیا۔ جب تک وہ بات کرتی رہی آپؐ کھڑے رہے۔ عدی بن حاتم کو اس خُلق نے مسخر کرلیا۔ پھر آپؐ نے عدی بن حاتم کو کچھ نصائح فرمائے۔ عدی بن حاتم نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ بیعت کی اور مسلمان ہوکر اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے۔

رسول اللہ کے پہلے نائب:۔ تبوک سے واپس ہونے کے بعد وفود کا تواتر ایسا تھا۔ کہ آپؐ مدینہ سے جُدا نہیں ہو سکتے تھے۔ کیونکہ قبائل عرب برابر آ آکر اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ جب حج کا موسم آیا۔ تو آپؐ نے اپنی جگہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حج کا امیر بناکر روانہ کیا۔ اور بیس اونٹ قربانی کے آنحضرت صلعم نے اپنی طرف سے اُن کے ساتھ کئے۔ پانچ اُونٹ قربانی کے حضرت ابوبکرؓ نے اپنی طرف سے لئے۔ تین سو مسلمانوں کا قافلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ روانہ ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روانگی کے بعد سورہ برآت کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں۔ جن میں یہ حکم تھا کہ اس سال کے بعد مشرکین مسجدِ حرام کے قریب نہ جائیں اور بیت اللہ کا طواف برہنہ ہوکر نہ کریں۔ اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کوئی عہد کیا ہے۔ وہ اُس کی مدت تک پورا کر دیا جائے۔ غرض یہ اعلان حج کے موقع پر ضروری تھا۔

آپؐ نے حضرت علیؓ کو یہ آیتیں دے کر اپنی اونٹنی پر سوار کراکر روانہ کیا۔ اور حکم دیا۔ کہ بعد حج یوم النحر کھڑے ہوکر سب کو سُنا دینا۔ حضرت علیؓ روانہ ہوئے اور منزل ذوالحُلیفہ میں حضرت ابوبکرؓ کے قافلے سے جا ملے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُن سے دریافت کیا۔ کہ تم امیر ہوکر آئے ہو۔ یا مامور ہوکر۔ حضرت نے جواب دیا۔ کہ میں مامور ہوکر آیا ہوں۔ امیر آپ ہی رہیں گے۔ مجھ کو صرف یہ آیتیں سنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہاں سے روانہ ہوکر مکہ میں پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے امیر ہونے کی حیثیت سے ارکانِ حج ادا کئے۔ اُس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سورہ برآت کی آیات سُنائیں۔

اسی سال آپؐ کی صاحبزادی اُم کلثومؓ کی وفات ہوئی۔ اسی سال حج فرض ہوا۔ اسی سال حج مسلمانوں کے زیر اہتمام ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دی۔ اس حج کے بعد تمام مشرکین کو صرف چار مہینے کی مہلت دی گئی۔ اور اعلان کیا گیا۔ کہ چار مہینے کے بعد خدا اور رسولؐ مشرکوں سے بری الذمہ ہیں۔ اس اعلان کو سُن کر مکہ میں جو لوگ ابھی تک شرک پر

قائم تھے۔ وہ بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور ہر طرف سے جُوق در جُوق آ آکر قبائل مسلمان ہونے شروع ہوئے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے۔ کہ اسی سال تبوک سے واپس ہوکر آپ نے ایران کے بادشاہ کسریٰ کے نام خط روانہ کیا تھا۔ جس کا ذکر اوپر ۶ھ میں آ چکا ہے۔ اسی سال عبداللہ بن اُبی فوت ہوا۔

حجۃ الوداع:۔ محرم ۱۰ھ سے آخر سال تک بھی وفود کی آمد اور قبائل عرب کے اسلام میں داخل ہونے کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ماہِ ربیع الثانی میں آپ نے حضرت خالد بن الولید رضؓ کو چار سو صحابہ کے ساتھ علاقہ نجران اور اُس کے اطراف و جوانب کے لوگوں کی طرف روانہ کیا۔ اور سمجھا دیا۔ کہ لوگوں کو تین بار اسلام کی دعوت کرنا۔ اور جب وہ اسلام قبول کرلیں۔ تو اسلام کی تعلیم دینا۔ اور لڑائی نہ کرنا۔ اُن اطراف کے لوگوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کے پہنچتے ہی فوراً بہ خوشی اسلام قبول کرلیا۔ انھیں اسلام قبول کرنے والوں میں قبیلہ بنو حرث بن کعب بھی شامل تھا۔ آپ نے حضرت خالد اور دوسرے صحابہ کو واپس بلالیا۔ اور عمرو بن حزمؓ کو اُس طرف اسلام کی تعلیم کے لئے نقیب بنا کر بھیجا۔ ماہِ رمضان ۱۰ھ میں غسان کا وفد آیا۔ جس میں تین آدمی تھے۔ ان لوگوں نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر بطیب خاطر اسلام قبول کیا۔ اور اپنی قوم کی طرف لوٹ کر گئے۔ مگر اُن کی قوم نے اسلام قبول نہ کیا۔ ماہِ شوال ۱۰ھ میں سلامان کا وفد سات آدمیوں کا آیا۔ جس میں اُن کا سردار حبیب بن عمرو بھی تھا۔ یہ لوگ بھی مسلمان ہوئے اور ضروریاتِ دین کی تعلیم سے فارغ و واقف ہوکر واپس گئے۔ ایک روز حبیب بن عمرو نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا افضل الاعمال کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ وقت پر نماز کا ادا کرنا اُنھیں ایام میں ازد کا وفد دس آدمیوں کا آیا۔ یہ سب بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور اُن کی تبلیغ سے تمام قبیلہ نے اسلام قبول کیا۔ قبیلہ ازد اور قبیلہ جرش میں اسی قبول اسلام کی وجہ سے جنگ ہوئی۔ اہل جرش نے جنگ سے پیشتر اپنے دو آدمی آنحضرت صلعم کے حالات دریافت کرنے کو مدینے بھیجے تھے۔ یہ دونوں آنحضرت صلعم کے پاس آئے تو آپ نے اُن سے کہا۔ کہ اہلِ جرش اور اہلِ ازد میں جنگ ہوئی۔ اور جرش نے شکست پائی۔ اسی روز جرش کو شکست ہوئی تھی۔ جب یہ دونوں آدمی واپس گئے۔ اور یہ واقعہ بیان کیا۔ تو تمام قبیلۂ جرش مسلمان ہوگیا اسی سال آپ نے حضرت علیؓ کو ملکِ یمن کی طرف بھیجا۔ کہ وہاں کے لوگوں کو بُت پرستی کی برائی اور توحید کی خوبی سمجھائیں یعنی اسلام کی تبلیغ کریں۔ حضرت علیؓ کی تبلیغ کا یہ اثر ہوا۔ کہ یمن کا

مشہور قبیلہ ہمدان تمام مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد تمام قبائل یمن یکے بعد دیگرے اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ اور ان کے وفود مدینہ منورہ میں آکر آنحضرت صلعم کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ اسی سال قبیلہ مراد کا وفد ملوک کندہ سے علیحدہ ہو کر آیا اور مشرف بہ اسلام ہو کر واپس گیا۔ اسی سال قبیلہ عبد قیس کا وفد جارود بن عمرو کی سرداری میں آیا۔ یہ لوگ عیسائی مذہب رکھتے تھے۔ سب مسلمان ہو کر واپس گئے۔ اور اپنے تمام قبیلہ کو مشرف بہ اسلام کیا۔

مسیلمہ کذاب:۔ اسی سال یمامہ سے بنو حنیفہ کا وفد آیا۔ جس میں مسیلمہ بن حبیب کذاب جرجان بن عنہم طلق بن علی۔ سلمان بن حنظلہ شامل تھے۔ ان لوگوں نے مدینہ میں پہنچ کر اسلام قبول کیا۔ چند روز ٹھہرے رہے۔ اور ابی بن کعبؓ سے قرآن مجید سیکھتے رہے۔ اس وفد کے اور لوگ تو اکثر خدمت نبویؐ میں حاضر ہوتے تھے۔ مگر مسیلمہ باجازت نبوی جائے قیام پر اسباب کی حفاظت کے لئے رہتا تھا۔ اسی سال دس یا زیادہ آدمیوں کا وفد بنو کندہ کا آیا۔ اسی زمانہ میں کنانہ کے وفد کے ساتھ حضرموت کا بھی وفد آیا۔ ان سبھوں نے بطیب خاطر اسلام قبول کیا۔ اسی زمانہ میں وائل بن حجر خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔ آپ نے ان کے داخل اسلام ہونے سے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور معاویہ بن ابوسفیانؓ کو حکم دیا۔ کہ وائل بن حجر کو سے جا کر ٹھہرائیں۔ وائل بن حجر سوار تھے۔ اور معاویہؓ پیادہ۔ معاویہ نے اثنائے راہ میں کہا۔ کہ تم مجھ کو اپنی جوتیاں دے دو۔ میرے پاؤں زمین کی گرمی سے جلے جاتے ہیں۔ وائل نے کہا۔ میں تم کو نہیں دوں گا۔ کیونکہ میں ان کو پہن چکا ہوں۔ معاویہؓ نے کہا۔ اچھا۔ تم اپنے پیچھے مجھ کو بٹھا لو۔ وائل نے جواب دیا۔ کہ تم بادشاہوں کے ساتھ سواری پر نہیں بیٹھ سکتے۔ معاویہؓ نے کہا کہ میرے تو پاؤں جلے جاتے ہیں۔ وائل نے کہا۔ تمہارے لئے کافی ہے۔ کہ میرے ناقہ کے سایہ میں چلو۔ یہی وائل زمانہ خلافت معاویہؓ میں ان کے پاس وفد ہو کر گئے۔ تو انھوں نے ان کی بڑی عزت کی تھی۔ اسی سال محارب کے دس آدمیوں کا اور مذحج کے پندرہ آدمیوں کا وفد آیا۔ ان لوگوں نے قرآن پڑھا۔ اور فرائض اسلام کی تعلیم سے واقف ہو کر اپنی قوم میں واپس گئے۔

مباہلہ:۔ اسی سال نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آیا۔ جس میں ستر سوار (بقول بعض چودہ) اور ان کا سردار عبد المسیح اور ان کا اسقف ابو حارثہ بھی تھا۔ ان لوگوں نے مسجد نبویؐ میں داخل ہو کر بحث مباحثہ شروع کیا۔ اسی اثناء میں سورۃ آل عمران کے شروع کی آیات اور آیت مباہلہ

نازل ہوئی۔ آپ نے اُن سے اسلام قبول کرنے کی نسبت فرمایا۔ تو وہ بہت گستاخی سے پیش آئے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ عیسٰیؑ خدا کے نزدیک ایسا ہی تھا جیسے آدمؑ کہ اُسے مٹی سے بنایا۔ عیسائیوں نے کہا۔ نہیں۔ بلکہ عیسیٰؑ خدا کا بیٹا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم اپنے قول میں سچے ہو۔ تو میرے ساتھ میدان میں چلو۔ اور میرے عزیز و اقارب بھی میرے ہمراہ ہوں۔ دونوں گروہ الگ الگ بیٹھ کر کہیں۔ کہ جو جھوٹا ہو اُس پر خدا کا عذاب نازل ہو۔ یہ سُن کر وہ خاموش ہو گئے دوسرے روز صبح کو آنحضرت صلعم۔ علیؓ۔ فاطمہؓ۔ حسنؓ حسینؓ کو ہمراہ لے کر باہر نکلے۔ اور اُن عیسائیوں سے کہا۔ کہ جب میں یہ دعا کروں۔ کہ ہم میں جو جھوٹا ہو۔ اُس پر خدا کا عذاب نازل ہو۔ تو تم آمین کہنا۔ آپ کی یہ مستعدی دیکھ کر عیسائی خوف زدہ ہو کر کہنے لگے۔ ہم مباہلہ نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا مباہلہ نہیں کرتے۔ اسلام قبول کرو۔ اور سب مسلمانوں کی طرح ہو جاؤ۔ اُنھوں نے کہا۔ ہم کو یہ بھی منظور نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تم ہم کو جزیہ دو۔ یا ہم سے لڑائی کرو۔ انھوں نے کہا۔ ہم کو جزیہ دینا منظور ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ اگر یہ لوگ مُباہلہ کرتے تو دنیا میں قیامت تک کوئی عیسائی نہ رہتا۔ چلتے وقت عیسائیوں نے ایک امین کا تقرر اپنے لئے چاہا۔ آپ نے حضرت ابو عُبیدہ بن جراحؓ کو اُن کے ہمراہ کر دیا۔ چند روز کے بعد نجرانؔ کے قریبًا تمام عیسائی مسلمان ہو گئے۔

قریبًا تمام قبائل یمنؔ اور مُلک یمن کا بادشاہ باذانؔ مسلمان ہو چکا تھا۔ آپ نے تمام مُلکِ یمن کی حکومت باذانؔ ہی کے پاس رکھی تھی۔ اسی سال باذانؔ کا انتقال ہوا۔ آپ نے باذانؔ کے انتقال کے بعد شہر باذان۔ عامر بن شہر ہمدانی۔ ابو موسیٰ اشعری۔ علیؔ بن اُمیہ۔ معاذؔ بن جبل وغیرہ کو مُلکِ یمن کے ایک ایک حصّہ میں حاکم مقرر فرمایا۔ اور حضرت علیؓ کو معہ دوسرے چند صحابیوں کے یمن کی طرف بھیجا۔ اور تاکید کی۔ کہ جب تک کوئی مقابلہ کی ابتدا نہ کرے تم ہتھیار نہ اٹھانا۔ حضرت علیؓ کو ملکِ یمن سے زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا اِن واقعات کے بعد ذیقعدہ کا مہینہ آیا۔ آپ ذیقعدہ ۱۰ھ کو مدینہ منورہ سے حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ مہاجرین و انصار اور روسائے عرب کی ایک جماعت اور قربانی کے سو اونٹ تھے۔ مکہ میں اتوار کے روز ۴ ذی الحجہ کو داخل ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی جو یمن کی طرف صدقات جمع کرنے کو گئے ہوئے تھے۔ مکہ میں آپ سے آملے۔ اور آپ کے ساتھ حج ادا کیا۔

خطبۃ الوداع :- آپ نے اس مرتبہ لوگوں کو مناسکِ حج کی تعلیم دی ۔ اور عرفات میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا ۔ جس میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ " لوگو میری باتوں کو سنو ۔ کیونکہ میں آئندہ سال یا اس کے بعد اس مقام پر تم سے ملنے کا یقین نہیں رکھتا ہوں ۔ لوگو جیسا کہ یہ دن اور یہ مہینہ حرام ہے ۔ اسی طرح ایک دوسرے کے جان و مال تم پر حرام ہیں ۔ یعنی مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت ہر مسلمان کو کرنی چاہیئے ۔ امانتیں اُن کے مالکوں کو سپرد کرنی چاہیئیں ۔ دوسروں پر ظلم نہ کرو ۔ تاکہ تم پر بھی ظلم نہ کیا جائے ۔ سُود حرام ہے ۔ شیطان مایوس ہو گیا ۔ کہ اُس کی پرستش اس سرزمین میں کی جائے ۔ لیکن یہ ہوگا ۔ کہ چھوٹے چھوٹے امور میں اُس کی اطاعت کی جائے گی ۔ لہٰذا تم شیطان کی اطاعت سے بچو ۔ اے لوگو ! عورتوں کا تم پر حق ہے ۔ جیسا کہ تمہارا عورتوں پر حق ہے ۔ عورتوں کے ساتھ بھلائی کرو ۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں ۔ ایک اللہ کی کتاب ۔ دوسرے اُس کے نبی کی سُنت ۔ جب تک تم کتاب و سنت پر عمل کرو گے گمراہ نہ ہو گے ۔ مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں ۔ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے ۔ کہ وہ دوسرے مسلمان کے مال میں بلا اجازت تصرف کرے ۔ تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو " پھر آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ " بتاؤ میں نے احکامِ الٰہی تم کو پہنچا دیئے " ؟ سب نے مل کر جواب دیا ۔ " ہاں ! آپ نے احکامِ الٰہی ہم تک پہنچا دیئے ہیں ۔ آپ نے فرمایا ۔ کہ " اے خدا تو گواہ رہنا "

آپ نے اس خطبہ میں اس طرح کلمات فرمائے ۔ جیسے کسی سے کوئی وداع ہوتا یا کسی کو وداع کرتا ہے ۔ اس لئے اس حج کا نام حجۃ الوداع مشہور ہوا ۔ آپ نے اس سال خطبہ میں احکامِ اسلامی کی خصوصی تبلیغ فرمائی ۔ اس حج کو حجۃ البلاغ کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں ۔ اس خطبہ کے ختم ہونے کے بعد ہی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ماں نے دودھ کا پیالہ بھیجا ۔ آپ نے پی لیا ۔ اس حج میں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان شریک تھے ۔ بقول بعض ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ نے اس مرتبہ آپ کے ساتھ حج کیا ۔ آپ نے اُس روز یہ بھی فرمایا ۔ کہ اس سے پہلے تمام پیغمبروں نے جو کچھ کہا ۔ سب سے اچھا کلام لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الحمد و لہ الحمد وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر ہے ۔ عرفہ کے روز جب آنحضرت صلعم مکہ ہی میں تھے ۔ آیت الیوم اکملت لکم دینکم و اتممتُ علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا نازل ہوئی ۔ اس آیت کو سُن کر بہت سے اصحاب خوش ہوئے ۔ کہ دین اسلام کی آج تکمیل ہو گئی ۔ مگر بعض اصحاب مثل ابوبکر صدیقؓ کے جو زیادہ نکتہ رس طبیعت رکھتے تھے ۔ آب دیدہ ہوئے ۔ کہ اس آیت سے فراق کی

ہو آتی ہے۔ کیونکہ جب دین کی تکمیل ہو گئی۔ تو نبیؐ کے رہنے کی ضرورت نہ رہی۔ ارکان حج سے فارغ ہو کر آنحضرت صلعم مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت علیؓ کی دلدہی:۔ حضرت علیؓ جو یمن کی طرف سے آکر شریک حج ہوئے تھے۔ اُن کے ہمراہیوں نے حضرت علیؓ کی نسبت آنحضرت صلعم سے جو کچھ شکایات بیان کیں۔ جو اہل یمن کی بعض غلط فہمیوں کے سبب پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلعم نے یہ شکایت سُن کر غدیر خم کے مقام میں تقریر فرمائی۔ اور حضرت علیؓ کی تعریف بیان فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ جو میرا دوست ہے۔ وہ علیؓ کا دوست ہے۔ اور جو علیؓ کا دشمن ہے۔ وہ میرا دشمن ہے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کی اس تقریر کے بعد حضرت علیؓ کو مبارک باد دی۔ اور فرمایا۔ کہ آج سے آپ میرے خصوصی دوست ہوئے۔ مدینہ منورہ میں واپس تشریف لے آنے کے بعد آپ کے صاحبزادہ ابراہیم نے انتقال فرمایا۔

حضورؐ کی علالت

ہجرت کا گیارھواں سال:۔ محرم ۱۱ھ میں آپ کو بخار آیا۔ اور بڑھتا گیا۔ آپ کی علالت کی خبر مشہور ہوئی۔ تو بعض مفسدوں نے سر اٹھایا۔ مسیلمہ۔ طلیحہ۔ خولید۔ اسود۔ سجاح بنت حارث نے الگ الگ نبوت کا دعویٰ کیا۔ اُن لوگوں نے سمجھا کہ جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامیاب ہوئے۔ اسی طرح ہم بھی کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کی صداقت پر ایک اور مُہر کر دی۔ کہ یہ سب کے سب ناکام۔ مخذول اور خاسر ہوئے۔ ان میں مسیلمہ کذاب یمامہ میں اور اسود بن کعب عنسی یمن میں زیادہ مشہور ہو گئے تھے۔ آپ بیماری کی حالت میں ایک روز باہر تشریف لائے۔ اور دردِ سر کی وجہ سے سر پر ایک پٹی باندھے ہوئے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ میں نے رات خواب میں دیکھا ہے۔ کہ میری کلائی میں دو کنگن سونے کے ہیں۔ میں نے اُن کو نامطبوع سمجھ کر پھینک دیا۔ اس خواب کی میں نے یہ تعبیر کی ہے۔ کہ یہ دونوں کنگن یہی دونوں کذاب یعنی صاحب یمامہ (مسیلمہ کذاب) اور صاحب یمن (اسود کذاب) ہیں۔ چنانچہ اسود کذاب آنحضرت صلعم کی زندگی ہی میں فیروز نامی ایک مرد مبارک کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور مسیلمہ کذاب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں وحشی قاتلِ حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ وحشی کہا کرتا تھا۔ کہ میں نے حالتِ کفر میں ایک بہترین انسان کو اور حالتِ اسلام میں ایک بدترین انسان کو قتل کیا۔

بسترِ علالت سے جہاد فی سبیل اللہ:۔ ٢٦ ماہ صفر ١١ھ کو بیماری سے کسی قدر افاقہ محسوس ہوا۔ تو آنحضرت صلعم نے شام و فلسطین کی سرحدوں کی خبریں سُن کر مسلمانوں کو جنگِ روم کی تیاری کا حکم دیا۔ کیونکہ یمامہ و یمن کے فتنوں اور عرب کے عیسائیوں کی سازشوں نے رومیوں کو پھر ملکِ عرب کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ آپ نے دوسرے دن حضرت اُسامہؓ بن زید بن حارث کو سالارِ لشکر بنا کر فرمایا۔ کہ تم اپنے باپ کے مقتل پر اس قدر جلد جاؤ۔ کہ وہاں کے لوگوں کو تمھارے آنے کی خبر نہ ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ تم کو فتح حاصل ہوگی۔ ٢٨ صفر ١١ھ کو آپ پر بیماری کا اشتداد ظاہر ہوا۔ اسی بیماری کی حالت میں آپ نے اپنے ہاتھ سے اُسامہؓ کا جھنڈا درست کر کے فوج کو روانہ فرمایا۔ اور تمام جلیل القدر صحابہ کو اُسامہؓ کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ ابوبکرؓ۔ عباسؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ سب اُسامہ بن زیدؓ کے ماتحت بنا کر روانہ کئے گئے۔ مگر علالت کے سبب آپ نے اُسامہؓ کی اجازت سے علیؓ و عباسؓ کو تیمارداری کے لئے مدینہ میں رکھ لیا تھا۔ باقی تمام صحابہؓ اُسامہؓ کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اُسامہؓ نے مدینہ سے ایک کوس چل کر مقام جرف میں قیام کیا۔ وہاں سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اُسامہؓ سے اجازت طلب کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اور پھر چلے جاتے تھے۔ اُسامہؓ لشکر لئے ہوئے جرف میں پڑے رہے اور آنحضرت صلعم کی علالت کی حالت دیکھ کر کوچ نہ کر سکے۔ آپ نے بھی اس حالت میں اُن کو کوچ کرنے کا حکم نہ دیا۔ اور معہ لشکر اُن کے جرف میں مقیم رہنے کو جائز رکھا۔ اُسامہؓ کی سرداری سے بعض لوگوں کو انقباض پیدا ہوا۔ کہ اُن کے باپ زیدؓ غلام تھے۔ آنحضرت صلعم نے جب ان چہ می گوئیوں کو سُنا تو لوگوں کو بُلا کر کہا۔ کہ جب اس کا باپ سالارِ لشکر رہ چکا ہے۔ تو اس کی سرداری میں کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ پھر فرمایا۔ کہ زیدؓ اول المسلمین میں سے ہیں۔ اُن کا مرتبہ اسلام میں بہت بڑا ہے۔ غرض جن کو اعتراض تھا۔ وہ نادم ہوئے۔ اور پھر بخوشی اُن کی سرداری کو تسلیم کیا۔

علالت میں اضافہ:۔ بیماری روز بروز زیادہ ہوتی گئی۔ آپ نے ازواجِ مطہراتؓ سے حضرت عائشہؓ کے کمرہ میں قیام کرنے کی اجازت طلب کی۔ سب نے بخوشی اجازت دے دی۔ آپ حضرت عائشہؓ کے مکان میں گئے۔ پھر باہر نکل کر آپ نے مسلمانوں کے مجمع میں ایک تقریر فرمائی اور کہا۔ کہ میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی ہدایت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دے۔ اور میں اُس کو تم پر چھوڑتا ہوں۔ اور تم کو اُس کے سپرد کرتا ہوں۔ میں تم کو دوزخ سے ڈرانے والا ہوں اور

جنت کی بشارت دینے والا ہوں۔ اللہ کے بندوں غرور اور تکبر اختیار نہ کرو۔ جنت اُن لوگوں کے لئے ہے۔ جو تکبر اور فساد نہیں کرتے۔ آخرت کی بھلائی متقیوں کے لئے ہے اور غرور کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ مجھ کو میرے قریبی رشتہ دار غسل دیں۔ پھر فرمایا۔ میرا جنازہ میری قبر کے کنارے رکھ کر ایک ساعت کے لئے الگ ہو جانا تاکہ ملائکہ مجھ پر نماز پڑھ لیں۔ بعد ازاں گروہ کے گروہ مجھ پر نماز پڑھنا۔ پہلے میرے خاندان کے مرد نماز پڑھیں۔ بعد ازاں اُن کی عورتیں۔ بیماری کی آخری حالت میں تین روز تک آپؐ صاحب فراش رہے۔

حضرت ابو بکرؓ کو حکمِ امامت:۔ آپؐ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اپنی جگہ مسجد میں نمازوں کی امامت کے لئے مقرر فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔ کہ میرے باپ اس خدمت کو انجام نہ دے سکیں گے۔ کیوں کہ وہ زیادہ رقیق القلب ہیں۔ آپ حضرت عمرؓ کو امام مقرر فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں! ابو بکرؓ ہی امامت کریں گے۔ حضرت ابو بکرؓ مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ کو کچھ افاقہ محسوس ہوا۔ اور مسجد میں تشریف لے آئے۔ حالت نماز ہی میں آپؐ کے تشریف لے آنے پر حضرت ابو بکرؓ نے امام کی جگہ آپؐ کے لئے خالی کرنے اور خود پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا۔ تو آپؐ نے اُن کو مونڈھے کے پاس سے پکڑ کر وہیں قائم رکھا۔ اور خود اُن کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ کہ آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔ کہ اپنے باپ اور بھائی کو بلاؤ کہ میں تمہارے باپ کے لئے خلافت نامہ لکھ دوں۔ پھر فرمایا۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ مسلمان سوائے اُن کے دوسرے کو سردار مقرر نہ کریں گے۔ اور خدائے تعالیٰ کی مشیت یہی ہے۔ اسی طرح صحیحین میں یہ بھی مذکور ہے۔ کہ ایک روز حالتِ مرض میں آپؐ نے کاغذ اور قلم دوات طلب کیا۔ چونکہ اس وقت عارضہ کی شدت تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا۔ کہ آپؐ کو اذیت نہ دی جائے۔ ہمارے واسطے قرآن مجید ہی کافی ہے۔ جیسا کہ آپؐ فرما چکے ہیں۔ بعض صحابہ نے فرمایا۔ کہ نہیں آپ کو متوجہ کیا جائے۔ اور پوچھا جائے کہ آپؐ کیا لکھواتے ہیں۔ آپؐ کو لوگوں کے باتیں کرنے کی آواز ناگوار معلوم ہوئی۔ پھر آپؐ سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ آپؐ کیا لکھوانا چاہتے ہیں فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ تم مجھ کو اسی حالت میں رہنے دو۔ جس میں میں ہوں۔ اور باہر چلے جاؤ۔ اُس وقت آپؐ کو درد کی سخت شدت و اذیت تھی۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نہیں چاہتے تھے۔ کہ ایسی حالت میں آپؐ کو کوئی تکلیف دی جائے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد آپؐ کو کچھ تخفیف ہوئی۔ تو سب کو طلب فرمایا۔ اور کہا۔ کہ "جب وفود آئیں۔ تو اُن کو صلہ اور انعام سے

ضرور خوش کیا کرو۔ مشرکین کو جزیرۃ العرب سے بالکل خارج کر دینے کی کوشش کرو۔ اسامہؓ کے لشکر کو ضرور روانہ کر دینا۔ انصار کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ اُن کی غلطیوں سے درگذر کرنا۔ اپنی صحبت میں ابو بکرؓ سے افضل کسی کو نہیں جانتا۔ اس کے بعد پھر درد کی زیادتی ہوئی۔ اور آپ پھر بیہوش ہو گئے۔

وفات سے کچھ پہلے:۔ حضرت علیؓ۔ حضرت عباسؓ۔ فضل بن عباسؓ۔ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ ان ایام بیماری میں زیادہ تر آپ کی خدمت میں حاضر رہے۔ پانچ یا چھ دینار آپ کے پاس تھے۔ جو حضرت عائشہؓ کی تحویل میں رکھ دیئے گئے تھے آپ نے اُن کے صدقہ کر دینے کا حکم دیا۔ تاکہ کوئی چیز دنیا میں نہ چھوڑی جائے۔ حضرت علیؓ کو آپ نے وصیت کی۔ کہ نماز اور متعلقین سے غافل نہ رہنا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے آپ کے ایام علالت میں تیرہ نمازیں پڑھائیں۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو دوشنبہ کے روز نماز فجر کے وقت آپ سر مبارک میں پٹی باندھے ہوئے باہر تشریف لائے۔ اُس وقت حضرت ابو بکرؓ لوگوں کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ اُنھوں نے اس مرتبہ پھر پیچھے ہٹنے کا قصد کیا۔ آپ نے پھر اُن کو اپنے ہاتھ سے روک دیا۔ اور دائیں طرف بیٹھ کر نماز ادا کی۔ بعد نماز آپ نے لوگوں کو کچھ وعظ فرمایا۔ جب آپ اپنی تقریر ختم کر چکے تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔ کہ "ہم دیکھتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ آج خوش وخرم معلوم ہوتے ہیں"۔ اس کے بعد آپ اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور حضرت عائشہؓ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ مطمئن ہو کر اور آنحضرت صلعم کو آج بہت افاقہ کی حالت میں دیکھ کر اپنے اہل وعیال کے پاس اپنے مکان میں چلے گئے۔ اسی اثنائے میں عبد الرحمن بن ابی بکرؓ ایک تر مسواک ہاتھ میں لئے ہوتے حاضر ہوئے۔ آپ نے اُس کی طرف غور سے دیکھا۔ حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں۔ کہ آپ مسواک چاہتے ہیں پس انھوں نے بھائی کے ہاتھ سے مسواک لے کر اپنے دانتوں سے خوب نرم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی۔ آپ نے لے کر مسواک کی۔ پھر اُس کو چھوڑ کر اپنے سر مبارک کو عائشہؓ کے سینہ پر رکھ کر پاؤں پھیلا دیئے۔

وفات:۔ اس کے بعد آپ کے پاس ایک پیالہ پانی سے بھرا ہوا رکھا تھا۔ اپنا دست مبارک اُس سے تر فرما کر چہرہ مبارک پر پھیرتے اور فرماتے تھے اللھم اعنی علی سکرات الموت (اے اللہ سکرات موت میں میری مدد کر) حضرت ام المومنینؓ بار بار آپ کا چہرہ دیکھتی جاتی تھیں

کہ یکایک آپؐ کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ آپؐ کی زبان مبارک پر اُس وقت الرفیق الاعلیٰ مِنَ الجنۃ جاری تھا۔ دوپہر کے قریب روز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو اس دار فانی سے آپؐ نے انتقال فرمایا۔ اگلے دن سہ شنبہ کو دوپہر کے قریب مدفون ہوئے۔ آپؐ کے انتقال کے وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ موجود نہ تھے۔ وہ اپنے اہل و عیال کے پاس اپنے مکان پر جو مقام سنح میں تھا گئے ہوئے تھے۔ اس خبر کو جو شخص سنتا تھا حیران و ششدر رہ جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ کی حالت:۔ حضرت عمر فاروقؓ کے بھی ہوش و حواس بجا نہ رہے۔ وہ اپنی تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور بلند آواز سے کہنے لگے ان رجالاً مِنَ المنافقین یزعمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مات وانہ ذھب الی ربہٖ کما ذھب موسیٰ ولیرجعن فیقطعن ایدی رجال وارجلھم (منافقوں کے چند لوگ یہ گمان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے۔ حالانکہ وہ فوت نہیں ہوئے۔ وہ اپنے رب کے پاس اس طرح گئے ہیں۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام گئے تھے۔ وہ ضرور واپس آئیں گے۔ اور لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے) حضرت عمر فاروقؓ جوش اور غضب کی حالت میں اسی قسم کی باتیں کہہ رہے تھے۔ اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اُن سے یہ کہتا کہ تم اپنی تلوار نیام میں کرلو۔ رسول اللہؐ کا انتقال ہو گیا ہے اتنے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ آپہنچے اور سیدھے حجرہ مبارک میں گئے۔ حضرت عائشہؓ کی گود سے سر مبارک لے کر اور بغور دیکھ کر کہا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں بے شک آپؐ نے اُس موت کا ذائقہ چکھا جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مقدر فرمایا تھا۔ اور اب ہرگز اس کے بعد آپ کو موت نہ آئے گی۔ پھر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے باہر آئے

حضرت ابو بکرؓ کی استقامت:۔ حضرت عمر فاروقؓ کو وہی باتیں کہتے ہوئے سُنا۔ اور اُن سے کہا۔ کہ خاموش رہو۔ مگر حضرت عمرؓ نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے علیحدہ کھڑے ہو کر مخاطب کیا۔ جس قدر آدمی حضرت عمرؓ کے پاس جمع تھے وہ سب اُن کو تنہا چھوڑ کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس چلے آئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے بعد حمد و ثنا کے فرمایا۔ "لوگو! اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجتے تھے۔ تو محمد صلعم تو فوت ہو گئے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتے تھے۔ تو اللہ تعالےٰ بے شک زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا۔" پھر انھوں نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً و سیجزی اللہ الشاکرین

(اور نہیں تھے محمد مگر رسول۔ ان سے پہلے اور بھی رسول گذر چکے ہیں۔ پس کیا اگر محمد صلعم مرجائیں یا مارے جائیں۔ تو تم لوگ اپنی پرانی حالت کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ اور جو شخص حالت کفر کی طرف لوٹ جائے گا۔ وہ اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ اور عنقریب اللہ تعالیٰ اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کو جزا دے گا) حضرت ابوبکرؓ کی زبان سے قرآن مجید کی ان آیات کا سُننا تھا کہ یکایک مجمع سے وہ حیرت کا عالم دُور ہوگیا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں۔ کہ پہلے میں نے ابوبکرؓ کے کہنے پر مطلق خیال نہ کیا۔ لیکن جس وقت انھوں نے یہ آیت پڑھی۔ تو مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت اسی وقت نازل ہوئی ہے۔ مارے خوف کے میرے پاؤں تھرا گئے۔ اور میں نے سمجھ لیا۔ کہ آنحضرت صلعم کا انتقال ہوگیا۔

سقیفۂ بنی ساعدہ:۔ یہاں مسجد نبوی میں یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ کہ خبر پہنچی۔ کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں انصار مجتمع ہیں۔ اور وہ سب سعد بن عبادہؓ کی بیعت کیا چاہتے ہیں۔ اور بعض انصار یہ بھی کہتے ہیں منا امیر ومن قریش امیر (ایک ہم میں سے امیر ہوگا۔ ایک قریش میں سے امیر ہوگا) یہ خبر سُن کر حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ معہ ایک گروہ مہاجرین کے اس نامناسب حالت کی اصلاح اور روک تھام کے لئے سقیفۂ بنو ساعدہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور حضرت علیؓ وعباسؓ واُسامہؓ وفضل بن عباسؓ وغیرہ آپ کے قریبی رشتہ داروں کو آپ کی وصیت کے موافق تجہیز وتکفین کے اہتمام پر متعین فرماگئے۔ حضرت علیؓ نے آپ کو غسل دیا۔ حضرت عباسؓ اور اُن کے دونوں لڑکے کروٹ بدلواتے جاتے۔ حضرت اُسامہؓ پانی ڈالتے جاتے تھے۔

نمازِ جنازہ وتجہیز وتکفین:۔ جب غسل دے کر آپ کی تجہیز سے فراغت ہوئی۔ تو صحابہؓ میں اختلاف ہوا۔ کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے۔ بعض کہتے تھے۔ کہ مسجد میں آپ کو دفن کیا جائے۔ بعض کہتے تھے۔ کہ آپ کے مکان میں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آکر کہا۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔ کہ ہر ایک نبیؑ اسی جگہ دفن کیا گیا ہے۔ جہاں اُس کی روح قبض کی گئی ہے۔ لوگوں نے یہ سنتے ہی آپ کے فرش کو جس پر آپ کا انتقال ہوا تھا اٹھا دیا۔ اور اسی جگہ قبر کھودی گئی۔ قبر بغلی کھودی گئی۔ جب قبر تیار ہوگئی۔ تو جنازہ کی نماز پڑھنی شروع ہوئی۔ اوّل مردوں نے پھر عورتوں نے۔ پھر لڑکوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ کسی نے کسی کی امامت نہ کی۔ آپ کے مرض کی شدت اور پھر انتقال کا حال سُن کر اُسامہ بن زیدؓ اور اُن کے تمام لشکر والے مدینے میں چلے آتے تھے۔ اور فوجی عَلَم حجرہ مبارک کے دروازے پر کھڑا کر دیا گیا تھا۔ نمازِ جنازہ

چونکہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں جہاں آپؐ کا انتقال ہوا۔ اور جہاں آپؐ کی قبر تیار ہوئی تھی، پڑھی گئی۔ لہٰذا ظاہر ہے۔ کہ تمام مسلمان جو مدینہ میں موجود تھے۔ ایک مرتبہ نماز نہ پڑھ سکتے تھے۔ پھر یہ نماز جنازہ کسی کے زیر امامت بھی ادا نہیں ہوئی۔ بلکہ الگ الگ ادا کی گئی۔ لہٰذا یہ کسی طرح ممکن ہی نہ تھا۔ کہ تمام مسلمان جو مدینہ میں موجود تھے۔ تمام لشکر اُسامہؓ، تمام عورتیں۔ تمام لڑکے، تمام غلام گروہ در گروہ حجرہ میں آ آکر نماز جنازہ پڑھتے اور آپؐ انتقال کے بعد فوراً ہی دفن کر دیئے جاتے۔ نماز جنازہ کا سلسلہ یقیناً اگلے دن تک برابر جاری رہا ہوگا۔ اور اس لئے اس پر ذرا بھی متعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ آپؐ کی وفات دوشنبہ کو ہوئی۔ اور آپؐ اگلے روز سہ شنبہ کو دفن کئے گئے۔ بعض ضعیف روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپؐ سہ شنبہ اور چہار شنبہ کی درمیانی شب میں دفن کئے گئے۔ جو اسلامی حساب کے موافق چہار شنبہ کی شب تھی۔ تب بھی کسی حیرت اور تعجب کا مقام نہیں ہے۔ کیونکہ آپؐ کی وفات اور آپؐ کے دفن میں اس طرح ۳۶ گھنٹہ کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ مانا جاسکتا ہے۔ اور وہ جو اس حالت کے اعتبار سے جو اوپر مذکور ہوئی کچھ زیادہ نہیں ہے۔

حُلیہ مبارک:۔ آپؐ نہ بہت طویل القامت تھے۔ نہ پست قد۔ مگر دوسرے آدمیوں کے مجمع میں سب سے بالا معلوم ہوتے تھے۔ رنگ گندمی۔ پُر ملاحت۔ سُرخی مائل تھا۔ سر مبارک بڑا، داڑھی خوب بھری ہوئی۔ بال سیاہ قدرے پیچیدہ۔ آنکھیں گول۔ بڑی۔ سیاہ۔ پُر رونق۔ سر کے بال سید سے اکثر کان کی لَو تک اور کبھی کندھوں تک، اور کبھی کان کی لَو سے بھی اوپر رہتے تھے۔ بھویں باہم پیوستہ۔ ایک باریک سی رگ درمیان فاصل تھی۔ کہ غصہ کے وقت ظاہر ہو جاتی تھی۔ آنکھوں کی سفیدی میں سُرخ ڈورے بھی تھے۔ رُخسار نرم اور پُر گوشت تھے۔ سر میں تیل ڈالتے تھے۔ اور آنکھوں میں سُرمہ لگاتے تھے۔ دانت مثل مروارید سفید و چمک دار تھے تبسم کے سوا کبھی کھل کھلا کر نہ ہنستے تھے۔ آپؐ نہایت خندہ رُو، شیریں کلام۔ فصیح۔ شجاع اور جامع جمیع کمالاتِ انسانیہ تھے۔ آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوت تھی۔ آپؐ اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ کسی کا سوال رد نہ کرتے تھے۔

اولاد امجاد:۔ سوائے حضرت ابراہیم کے۔ جو ماریہ قبطیہؓ کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے باقی تمام اولاد آپؐ کی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے پیدا ہوئی۔ سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ جو چار سال کی عمر میں مکہ ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ انھیں کے نام سے آپؐ کی کنیت

ابوالقاسم ہوئی۔ اُن کے بعد حضرت زینبؓ۔ پھر عبد اللہؓ جن کا لقب طیب وطاہر تھا۔ پھر رقیہؓ۔ پھر اُم کلثومؓ۔ پھر فاطمہ زہراؓ پیدا ہوئیں۔ لڑکے سب چھوٹی ہی چھوٹی عمر میں فوت ہوئے۔ لیکن لڑکیاں سب جوان ہوئیں۔ اور اُن کی شادیاں ہوئیں لیکن ان میں سے سوائے حضرت فاطمہ رضؓ کے جو سب سے چھوٹی بیٹی تھیں اور کسی بیٹی سے نسل نہیں چلی۔ حضرت فاطمہؓ کے چار بچے ہوئے دو بیٹے حسنؓ حسینؓ اور دو بیٹیاں زینبؓ۔ اُم کلثومؓ۔

اخلاق و عادات

آنحضرت صلعم کے بعض متفرق حالات۔ آپ کی زندگی کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ماں کے پیٹ ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ آپ کی زندگی یتیمی و بے کسی کی حالت سے شروع ہوئی مگر جب آپ کی وفات ہوئی تو تمام ملکِ عرب کے شہنشاہ تھے۔ عرب کا کوئی صوبہ ایسا نہ تھا جہاں آپ کی دنیوی حکومت اور شہنشاہی نہ ہو گئی ہو۔ ان تمام حالات اور تمام مدارج زندگی میں آپ کی سادہ معاشرت یکساں طور پر نظر آتی ہے۔ اور صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم نے کبھی اپنے آپ کو دُنیوی کام کاج میں دوسروں پر فضیلت نہیں دی بلکہ جس طرح تم سب لوگ اپنے گھروں میں اپنا کام کرتے ہو ایسے ہی آپ بھی کیا کرتے تھے۔ آپ خود ہی اپنی بکریوں کا دودھ دوہ لیتے اور خود ہی اپنی جوتیاں گانٹھ لیتے تھے۔ مدینہ منورہ میں جب مسجد نبویؐ کی تعمیر ہو رہی تھی۔ تو آپ سب کاموں میں شریک تھے۔ یہاں تک کہ معمولی مزدوروں کی طرح آپ بھی اینٹیں اٹھا اُٹھا کر لاتے تھے۔ جنگِ احزاب میں آپ بھی خندق کھودنے والوں میں شامل تھے۔ اپنے ہاتھوں سے مٹی اٹھاتے اور پتھر توڑتے تھے۔ آپ کی غذا عموماً جو کی روٹی ہوتی تھی۔ آپ کے گھر میں چھلنی نہ تھی۔ پھونک مار کر بھوسی اُڑا دی جاتی تھی کبھی دو دن تک متواتر یہ جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر آپ کو نہ ملی۔ بعض مرتبہ ایک ایک مہینے تک آپ کے گھر آگ نہیں جلی صرف کھجوروں اور پانی پر آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے زندگی بسر کی۔ آپ نے کبھی کسی کھانے کو بُرا نہیں کہا۔ نہ اُس میں عیب نکالے جو کچھ موجود ہوتا وہی تناول فرما لیتے۔ بھوک نہ ہوتی یا مرغوب نہ ہوتا تو ہاتھ کھینچ لیتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلعم کا بستر آپ کے گھر میں کس چیز کا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ ادھوڑی کا جس میں کھجوروں کی چھال بھری ہوئی تھی یہی سوال

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی کیا گیا۔ انھوں نے فرمایا۔ کہ ایک ٹاٹ کا ٹکڑا تھا۔ جسے ہم دوہرا کردیا کرتے تھے۔ ایک رات میں نے خیال کیا۔ کہ اس کی چار تہیں کردوں۔ تاکہ آپؐ کو زیادہ آرام ملے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب صبح ہوئی تو آپؐ نے پوچھا کہ رات تم نے میرے لیے کیا بچھایا تھا۔ میں نے کہا کہ وہی آپ کا ٹاٹ تھا۔ مگر اُس کی چار تہیں کردی تھیں۔ تاکہ آپؐ کو زیادہ آرام ملے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں تم اُسے جیسا پہلے تھا ویسا ہی کردو۔ اُس نے رات مجھے نمازِ شب سے باز رکھا۔ وفات سے پہلے آپؐ نے فرمایا تھا کہ میرے ورثا کو میرے ترکے میں روپیہ پیسہ وغیرہ نقدی کچھ نہ ملے۔ ایک یہودی کے پاس آپؐ کی زرہ بعوض تیس درہم گروی رکھی تھی۔ آپؐ کے پاس زرِ نقد اتنا نہ تھا کہ اس کو چھڑا لیتے۔ آپؐ نے ترکے میں اپنے ہتھیار ایک خچر۔ اور ایک زرہ چھوڑی۔ ان چیزوں کی نسبت بھی یہی ارشاد تھا۔ کہ خیرات کردی جائیں کیا وہ لوگ اندھے نہیں ہیں جو یہ کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم نے نعوذ باللہ ذاتی اغراض۔ نفسانی مقاصد۔ جاہ طلبی۔ حصولِ زر اور ملک گیری کے لئے اپنی قوم پر تلوار اٹھائی تھی؟ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔ کہ میں آٹھ برس کا تھا۔ جب آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور برابر دس برس تک خدمتِ نبوی میں رہا مگر اس طویل مدت میں کبھی ایک مرتبہ بھی آپؐ نے اُف تک نہیں کی اور نہ یہ فرمایا۔ کہ یہ کام کیوں کیا اور وہ کام کیوں نہ کیا۔ آپؐ کی زبان سے کبھی کوئی فحش اور بیہودہ کلمہ نہیں نکلا۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ لوگوں نے آپؐ سے کہا مشرکین کے لئے بددعا کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ میں لعنت کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کی طبیعت میں بیہودگی اور لغویت بالکل نہ تھی۔ آپ بچوں کو اپنی گود میں بٹھا لیتے اور اُن سے کھیلا کرتے۔ مریضوں کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے شہر کے دُور دراز محلوں میں آپ تشریف لے جاتے تھے۔ جس کسی سے ملتے پہلے خود سلام کرتے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے آپ سے مصافحہ کیا ہو اور آپ نے اُس کے ہاتھ کھینچنے سے پہلے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہو۔ آپ احتراماً اپنے اصحاب کا نام نہ لیتے بلکہ کسی کنیت سے مخاطب کرتے اور محبت آمیز پسندیدہ ناموں سے اُن کو یاد کرتے تھے۔ آپ کسی کا قطع کلام نہیں کرتے تھے البتہ اگر کوئی نازیبا بات کہتا تو آپ اُسے منع فرما دیتے یا اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے تاکہ وہ خود ہی رُک جائے۔

کمالِ خوش خُلق:۔ حضرت عبداللہ بن حارثؓ کا قول ہے۔ کہ میں نے کسی شخص کو جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوش خلق نہیں دیکھا۔ آپ کا قول ہے۔ کہ پہلوان وہ نہیں ہے۔ جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے۔ جو غصہ کے وقت اپنے نفس کا مالک ہو۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔ کہ آپ اشجع الناس تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ کہ اہلِ مدینہ یکایک گھبرا اُٹھے۔ جیسے کوئی دشمن چڑھ آئے اس قسم کا شور اُٹھا۔ لوگ اس آواز کی جانب چلے۔ مگر اُن کو آپ اُس طرف واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ سب سے پہلے گھوڑے کی ننگی پُشت پر سوار ہو کر اُدھر تشریف لے گئے تھے۔ آپ نے لوگوں سے کہا گھبراؤ مت کوئی خوف و اندیشہ کی بات نہیں ہے۔ براؓ بن عازب کا بیان ہے۔ کہ جنگ حنین کے دن لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اور آنحضرت صلعم یہ رجز پڑھ رہے تھے انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب۔ اُس روز آپ سے زیادہ بہادر اور شجاع کوئی نہیں دیکھا گیا۔ جب لڑائی بہت تند اور تیز ہوتی تو ہم آپ کی پناہ ڈھونڈتے ہم میں سب سے زیادہ بہادر اور دلیر وہ سمجھا جاتا جو میدانِ جنگ میں آپ کے برابر کھڑا رہ سکتا تھا۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں آپ کے ہم رکاب تھا آپ اُس وقت ایک موٹے کنارے کی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک بدوی نے چادر کا کنارہ پکڑ کر اس زور سے جھٹکا دیا کہ چادر کے کنارے کی رگڑ سے آپ کے شانے اور گردن پر نشان پڑ گیا۔ آپ اُس کی طرف متوجہ ہوئے تو اُس نے کہا اے محمد (صلعم) اللہ کے اس مال میں سے جو تیرے پاس ہے۔ میرے دونوں اُونٹوں پر بھی کچھ لاد دے۔ کیونکہ اس میں سے جو کچھ تو مجھے دے گا وہ کچھ تیرا یا تیرے باپ کا مال نہیں ہے۔ یہ تلخ اور سخت کلام سُن کر اول تو آپ فرطِ حلم وکرم سے خاموش رہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بے شک مال تو اللہ کا ہے اور میں اُس کا بندہ ہوں۔ مگر تو یہ تو بتا کہ تیرے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے جو تو نے میرے ساتھ کیا ہے۔ اُس نے کہا نہیں۔ آپ نے پوچھا کیوں نہیں؟ اُس نے کہا کیونکہ تو بُرائی کے عوض بُرائی نہیں کرتا۔ یہ سُن کر آپ مسکرائے پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کے ایک اُونٹ پر جَو اور ایک اونٹ پر کھجوریں لاد کر دے دو۔ ایک مرتبہ ایک یہودی زید بن سعنہ اسلام لانے سے پہلے آپ کے پاس اپنے کچھ قرض کا تقاضا کرنے آیا اور بہت کچھ بک جھک کر کہنے لگا۔ کہ تم اولاد عبدالمطلب بڑے ہی نادہند اور وعدہ خلاف ہو۔ اُس کی اس بدامنی پر آنحضرت صلعم تو مسکراتے ہی رہے۔ مگر حضرت عمرؓ نے اسے جھڑک کر ایسی بیہودہ گوئی سے روکنا چاہا۔ تو آپ نے حضرت عمر فاروقؓ سے فرمایا کہ اے عمرؓ تو نے ہم دونوں سے وہ

طرزِ عمل اختیار نہیں کیا۔ جو ہونا چاہیئے تھا۔ مناسب یہ تھا کہ تم اسے نہ جھڑکتے۔ بلکہ حسنِ طلب اور نرمی کے ساتھ تقاضا کرنے کی نصیحت کرتے اور مجھ سے ایفائے وعدہ اور ادائے قرضہ کے لئے کہتے۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا۔ کہ اس کا قرض ادا کر دو اور جھڑکنے کے معاوضہ میں بیس صاع یعنی ڈیڑھ من جو اور دے دو حالانکہ میعادِ قرض میں ابھی تین دن باقی تھے اور وہ یہودی قبل از انقضائے میعاد ہی تقاضا کرنے آگیا تھا۔ اس حلم نیک طینتی اور خوش خوئی کا یہ اثر ہوا کہ وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم آپ کے ہمراہ ابو سیف لوہار کے یہاں گئے جس کی بیوی آپ کے صاحبزادے ابراہیم کو دودھ پلاتی تھیں۔ اُس وقت ابراہیم بالکل جاں بلب تھے اُن کی حالت دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ آپ کو آب دیدہ دیکھ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا یا رسول اللہ صلعم، آپ بھی بے صبری کا اظہار فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابن عوف یہ آنسو رحم و شفقت کی وجہ سے ہیں بے صبری و ناشکری کی وجہ سے نہیں ہیں اور بے شک دل رنج کرتا ہے۔ اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ لیکن ہم کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ انصار میں کچھ لوگوں نے آپ سے کچھ مانگا آپ نے اُن کو دے دیا اُنھوں نے اور مانگا آپ نے اُن کو اور دیا۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس جو کچھ تھا سب دے ڈالا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جو کچھ آتا ہے اُسے تم لوگوں سے بچا کر جمع نہیں کر رکھتا۔ اور بلاشبہ جو شخص اللہ سے یہ مانگتا ہے کہ وہ اُسے سوال کی ذلت سے بچائے تو اللہ اُسے اس ذلت سے بچا لیتا ہے اور جو استغنا چاہتا ہے اللہ اُسے غنی کر دیتا ہے۔ جو شخص صبر اختیار کرتا ہے اللہ اُسے صابر بنا دیتا ہے اور کسی شخص کو عطایائے الٰہی میں سے کوئی عطیہ صبر سے زیادہ اچھا نہیں دیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے بارہا فرمایا۔ کہ اگر میرے پاس کوہِ اُحد کے برابر سونا ہو تب بھی مجھے خوشی اُس وقت ہو کہ میں تین دن گذرنے سے پہلے ہی وہ سب تقسیم کر دوں۔ اور میرے پاس سوائے اس کے جو میں ادائے قرض کے لئے اُٹھا رکھوں اور باقی نہ رہے بعض اوقات جب آپ کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اور کوئی حاجت مند آجاتا تھا تو آپ کو قرض تک لے کر اُس کی حاجت روائی میں تامل نہ ہوتا تھا۔ اور بالعموم آپ پر اسی قسم کے قرض تھے۔ ورنہ اپنی ذاتی ضرورتوں کو قرض کے

پورا کرنے سے آپ بالکل بے نیاز تھے۔

جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں ایک غزوے میں آپ کے ساتھ تھا۔ میرا اونٹ تھک کر پیچھے رہ گیا۔ اتنے میں آپ آ گئے۔ آپ نے پوچھا کہ کیوں جابر کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میرا اونٹ تھک گیا ہے۔ آپ نے میرے اونٹ کے ایک تسمہ مارا تو وہ خوب تیز چلنے لگا۔ پھر ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے چلے۔ پھر آپ نے مجھ سے پوچھا کہ تم یہ اونٹ فروخت کرتے ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے وہ مجھ سے خرید لیا۔ پھر آپ آگے تشریف لے آئے اور میں ذرا دن چڑھے پہنچا۔ میں نے اونٹ مسجد کے دروازہ پر باندھ دیا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا۔ کہ اونٹ کو چھوڑ دو اور مسجد میں آ کر دو رکعت نماز پڑھو۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اونٹ کی قیمت ادا کر دو۔ میں قیمت لے کر چلا تو آپ نے مجھے پھر بلایا۔ میں ڈرا کہ میرا اونٹ واپس کر دیا جائے گا۔ مگر میں آیا تو آپ نے فرمایا۔ کہ اونٹ بھی لے جاؤ۔ اور اس کی قیمت تمھاری ہو چکی اسے بھی رہنے دو۔ ایک مرتبہ آپ کسی جنگل میں تشریف لئے جاتے تھے۔ ایک شخص آپ کے ہمراہ تھا۔ آپ نے زمین کھود کر دو مسواکیں نکالیں۔ ایک سیدھی تھی ایک ٹیڑھی آپ نے ٹیڑھی خود لی اور سیدھی اپنے ہمراہی کو دی۔ انھوں نے عرض کیا کہ سیدھی آپ لیں۔ مگر آپ نے نہیں لی اور فرمایا کہ جو شخص کسی کی صحبت میں رہتا ہے خواہ گھڑی بھر ہی کیوں نہ ہو قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ کہ حقِ صحبت بجا لایا یا نہیں۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک یہودی اور ایک منافق مسلمان بشر نامی کے درمیان کچھ جھگڑا تھا۔ وہ دونوں آپ کے پاس فیصلے کے لئے آئے۔ آپ نے دونوں کے حالات تحقیق کر کے یہودی کو حق بجانب پایا۔ اور یہودی کے حق میں فیصلہ صادر کیا جب دونوں باہر نکلے تو بشر نے کہا یہ فیصلہ ٹھیک نہیں ہوا۔ چلو حضرت عمرؓ کے پاس چلیں۔ چنانچہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ یہودی نے آتے ہی بیان کر دیا۔ ہم دونوں آنحضرت صلعم کے پاس گئے تھے۔ انھوں نے میرے حق میں فیصلہ صادر کیا۔ مگر اس نے نہیں مانا۔ اور آپ کے پاس لایا ہے۔ کہ آپ جو فیصلہ کریں گے وہ مانا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے بشر سے یہودی کے اس بیان کی تصدیق کی۔ اس نے کہا ہاں یہ سچ کہتا ہے۔ ہم دونوں آنحضرت صلعم کے پاس گئے تھے۔ مگر میں ان کے فیصلے پر آپ کے فیصلے کو ترجیح دیتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا تم دونوں ذرا ٹھیرو میں ابھی فیصلہ کئے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اندر گئے اور تلوار لا کر منافق بشر کی گردن اڑا دی۔ اور کہا کہ جو شخص

مسلمان ہو کر اللہ اور اُس کے رسولؐ کے فیصلے کو نہ مانے میں اُس کا فیصلہ اس طرح کرتا ہوں۔
اس پر اُس کے ہمراہی منافقوں نے بہت غل مچایا۔ مگر خدائے تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضرت عمرؓ کے فعل کی تائید فرمائی اور اُسی دن سے اُن کا لقب فاروقؓ ہو گیا۔

فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ کہ بنی مخزوم میں سے ایک عورت فاطمہ بنت الاسود چوری کے جرم میں پکڑی گئی۔ ثبوتِ جرم کے بعد آپ نے اُس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ شرفائے قریش کو یہ عار ناگوار گذرا۔ اُنھوں نے چاہا کہ سفارش کر کے اس عورت کو سزا سے بچالیں۔ مگر سفارش کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کو کہہ سن کر آمادہ کیا۔ اُنھوں نے آپ سے سفارش کی۔ تو آپ نے فرمایا اُسامہؓ! تم اللہ کی مقرر کردہ سزا میں سفارش کو دخل دیتے ہو۔ پھر آپ اُٹھے اور آپ نے لوگوں کے مجمع میں تقریر فرمائی۔ کہ اے لوگو! تم سے پہلے کی قومیں اسی لئے تباہ ہو گئیں۔ کہ جب اُن میں کوئی بڑا خاندانی شخص چوری کرتا تھا۔ تو لوگ اُسے چھوڑ دیتے تھے۔ اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تھا۔ تو اُسے سزا دیتے تھے۔ خدا گواہ ہے کہ اگر فاطمہؓ بنتِ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے چوری کی ہوتی تو یقیناً میں اُس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

بے تکلفی:۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ تم میری تعریف میں زیادہ مبالغہ مت کرو۔ جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو حد سے زیادہ بڑھا دیا۔ میں تو اللہ کے بندوں میں سے ایک ہوں اس لئے مجھے عبداللہ و رسولہ کہا کرو۔ ایک مرتبہ آپ باہر تشریف لائے تو سب صحابہ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ اس پر آپ نے فرمایا جیسے عجمی آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اس طرح تم کو کھڑا ہونا نہ چاہیے (شفا قاضی عیاض) آپ اپنے اصحاب میں بالکل ملے جُلے رہتے تھے۔ اور مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی تھی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔ آپ نوکروں کے کام میں شریک ہو جاتے اور اُن کو اپنے پاس بٹھا لیتے تھے۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ کوئی شخص کسی یہودی کا مقروض ہوا اور یہودی نے تنگ طلبی کی وہ شخص آپ کے پاس آیا۔ اگر آپ کے پاس کچھ ہوا تو خود اُس کا قرض دے دیا۔ ورنہ اُس یہودی کے پاس خود تشریف لے گئے اور اُس سے کچھ اور مہلت دینے کے لئے کہا مگر یہودی لوگ اس کا بھی کچھ خیال نہیں کرتے تھے۔ تو آپ اِدھر اُدھر کوشش کر کے جس طرح ممکن ہوتا تھا۔ ادائے قرض کا بندوبست کر دیتے تھے۔
آپ نے فرمایا ہے۔ کہ بھوکوں اور مسکینوں کے لئے کوشش کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ۔

قائم اللیل اور صائم النہار کے برابر درجہ رکھتا ہے۔

ایک شخص نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ جنت پانے کا عمل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ صدق۔ کیونکہ جب آدمی سچا ہوتا ہے۔ تو نیکی کرتا ہے۔ اور جب نیکی کرتا ہے تو نورِ ایمان پیدا ہوتا ہے۔ اور جب ایمان دار ہوتا ہے۔ تو جنت میں داخل ہوتا ہے۔ ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ خبردار سچے رہو۔ خواہ تم کو سچائی میں ہلاکت ہی کیوں نہ نظر آئے۔ کیونکہ بلاشبہ نجات اسی میں ہے۔ مکہ سے بدر کی طرف آئے ہوئے راستے میں اخنس بن شُریق نے ابو جہل سے کہا کہ اے ابو الحکم میں تجھ سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ اس جگہ ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا شخص ہماری بات سننے والا نہیں ہے۔ تو مجھے سچ سچ بتا دے کہ آیا محمد (صلعم) سچا ہے یا جھوٹا۔ ابو جہل نے جواب دیا۔ کہ واللہ بے شک محمد (صلعم) ہمیشہ سچ بولتا ہے اور اس نے کبھی غلط بیانی نہیں کی۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے۔ کہ آنحضرت صلعم شریف پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے اور جب کوئی بات آپ کو ناپسند ہوتی تھی تو ہم لوگ فوراً آپ کے چہرے سے سمجھ جاتے تھے۔ اگر آپ کو کسی کی بات اچھی نہ معلوم ہوتی تھی تو اُسے اشارے کنائے سے آگاہ فرما دیتے تھے۔ تاکہ وہ خفیف نہ ہو۔ لیکن کلامِ الٰہی اور اعلاء کلمۃ الحق میں آپ کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔

میانہ روی:- حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ جب آپ کو کسی کی کوئی ناپسندیدہ بات معلوم ہوتی تو آپ اُس کا نام لے کر تخصیص کے ساتھ کچھ نہ فرماتے۔ بلکہ یوں فرماتے کہ وہ کیسے آدمی ہیں جو ایسی باتیں کرتے ہیں۔ آپ بیشتر اوقات خاموش رہتے تھے۔ اور بلا ضرورت بات نہیں کرتے تھے۔ آپ کا کلام صاف اور واضح ہوتا تھا۔ نہ اتنا طول کہ اس میں کوئی فضول اور غیر ضروری بات ہو نہ اتنا مختصر کہ کوئی کام کی بات رہ جائے یا سمجھ میں نہ آئے۔ آپ کی چال بھی نہایت معتدل تھی۔ نہ تو آپ سست چلتے تھے۔ کہ ساتھ والوں پر گراں ہو نہ اس قدر تیز چلتے تھے کہ اس سے تکان اور سُستی مترشح ہو۔ غرض اعتدال اور میانہ روی آپ کی ہر ایک بات سے ہویدا تھی۔

خوش طبعی:- آپ کبھی خوش طبعی بھی فرما لیتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ آپ نے کسی کو ایک اونٹ دینے کا وعدہ کیا۔ جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اونٹنی کا بچہ دیتا ہوں۔ یہ سنکر وہ شخص کہنے لگا۔ میں اونٹنی کا بچہ کیا کروں گا۔ آپ نے فرمایا اُونٹ اونٹنی کے بچے

نہیں ہوتے تو اور کس کے بچے ہوتے ہیں۔ آپ نے خوش طبعی کی راہ سے بجائے اُونٹ کے اونٹنی کا بچہ کہا تھا۔ وہ سمجھا کہ شاید آپ نے چھوٹے سے کم عمر بچہ کے لئے حکم دیا ہے۔ آپ خوش طبعی فرماتے تھے۔ لیکن خوش طبعی میں بھی کبھی صدق و راستی کے سوا آپ کی زبان سے کوئی کلمہ غلط یا جھوٹ نہیں نکلتا تھا۔ آپ لوگوں کو کھیلنے کودنے اور خوشی منانے سے بھی منع نہیں فرماتے تھے۔

اخلاقِ حمیدہ:۔ آپ جب بیٹھتے تو لوگوں کے اندر اس طرح ملے جلے ہوتے کہ کوئی نووارد آپ کو پہچان نہ سکتا تھا۔ اور پوچھنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ کہ نبی صلعم کون ہیں۔ ایسی چیز جس کے کھانے سے منہ بدبودار ہو جائے۔ آپ پسند نہ فرماتے تھے۔ پیوند لگا ہوا کپڑا پہن لیتے اور اچھا کپڑا مل جائے تو اُسے پھینک نہ دیتے تھے۔ آپ کا لباس سادہ مگر صاف ہوتا تھا۔ دن میں کئی کئی مرتبہ مسواک کرتے تھے۔ آپ کے پاس بیٹھنے والے یہ شہادت دیتے ہیں۔ کہ کبھی آپ کے جسم یا لباس یا منہ سے بو نہیں آئی۔ جہاں عفو سے اصلاح ہوتی وہاں آپ عفو کرتے۔ مگر جہاں سزا کی ضرورت ہوتی وہاں سزا بھی دیتے۔ کیونکہ ان شریروں کو جو شرارت سے باز نہ آتے تھے۔ سزا نہ دینا بدی کی اعانت کرنا تھا۔

مسلمانوں کی خیرات کو آپ نے مسلمانوں ہی تک محدود نہیں رکھا۔ عیسائی۔ یہودی۔ مشرک سب سے فیاضی کا برتاؤ کرتے۔ آپ پر جو بڑی سے بڑی مصیبت آتی اُسے آسانی سے برداشت کر لیتے۔ مگر دوسروں کی مصیبت پر آپ کا دل بے چین ہو جاتا تھا۔ آپ اسباب سے کام لیتے تھے اور نتیجے کو خدا پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور کبھی اس بات سے نہیں گھبراتے تھے۔ کہ نتیجہ خلافِ امید ہوا۔ آپ میں تواضع تھی مگر دنائت نہ تھی، ہیبت تھی۔ مگر درشتی نہ تھی سخاوت تھی۔ مگر اسراف نہ تھا جو شخص آپ کے سامنے یکایک آجاتا وہ ہیبت زدہ ہو جاتا۔ اور جو پاس آبیٹھتا وہ فدائی بن جاتا۔ متعدی امراض سے بچاؤ رکھتے۔ تندرستوں کو محتاط رہنے کا حکم دیا کرتے۔ اور نادان طبیب کو طبابت سے منع کرتے۔ حرام اشیا۔ کو بطور دوا استعمال کرنا ناپسند فرماتے تھے۔ جب کسی معاملے میں دو صورتیں سامنے آتیں تو آسان صورت کو اختیار فرما لیتے۔ اسیرانِ جنگ کی خبر گیری مہمانوں کی طرح فرماتے۔ تیر افگنی۔ نشانہ بازی۔ گھوڑ دوڑ وغیرہ مردانہ ورزشوں میں بھی آپ شریک ہوا کرتے تھے۔ غرض کہ ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار　　گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے نہایت مختصر حالات جو اوپر درج ہو چکے ہیں اُن کے ساتھ ہی ضرورت تھی۔ کہ آپ کے خاتم النبیین رحمۃ للعالمین سید البشر خیر الاولین والآخرین ہونے کے دلائل و براہین بھی لکھے جاتے۔ نیز قرآنِ کریم کا خاتم الکتب نور و ہدایت کامل و مکمل ہدایت نامہ ہونا بھی ثابت کیا جاتا۔ یہ دو ضروری مضمون آنحضرت صلعم کی تاریخ لکھنے والا ہر مورخ ضرور لکھنا چاہتا ہوگا۔ مگر چونکہ تاریخ۔ علم الکلام۔ فلسفہ۔ جُدا جُدا حدود رکھتے ہیں۔ بنا بریں مورخین نے ان مضامین کو دوسروں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اور یہی مناسب بھی تھا جس شخص کو کتاب و نبوت کی بحث دیکھنی منظور ہو۔ وہ میری کتاب حجۃ الاسلام کا مطالعہ کرے۔

تیسرا باب

خلافتِ راشدہ

خلافت اور خلیفہ:- خلیفہ کے معنی جانشین اور خلافت کے معنی جانشینی ہیں۔ لیکن اصطلاحِ شرع اور اصطلاحِ مؤرخین میں خلیفہ کے معنی بادشاہ یا شہنشاہ کے قریب قریب مراد لئے جاتے ہیں۔ ایک مورخ کے لئے یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ وہ سلسلہ تاریخ اور واقعات کو بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلعم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق ؓ خلیفہ اول کے واقعاتِ خلافت شروع کرنے سے پہلے لفظ خلیفہ یا خلافت کی بحث میں اپنا اور قارئین کرام کا وقت صرف کرے۔ لیکن چونکہ آنحضرت صلعم کی جانشینی کا مسئلہ ایک اختلافی مسئلہ بن کر دو قوموں میں مخالفت کا باعث بن گیا ہے۔ اور اس مخالفت نے مؤرخین۔ تاریخی روایات۔ تاریخی تصانیف اور مؤرخین کے ادائے بیان پر بھی اپنا اثر ڈالا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک واقعہ نگار کا کام کسی قدر دشوار ہو گیا۔ نیز تاریخ اسلام لکھنے والے کے لئے ضروری ہو گیا۔ کہ وہ قارئینِ تاریخ کو کسی غلط فہمی میں مبتلا ہونے سے بچانے کے لئے مسئلۂ خلافت کے متعلق اپنا مسلک اور عقیدہ پہلے بیان کر دے۔ اُس کے بعد خلافتِ راشدہ کے حالات دواقعات بیان کرے۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں خلیفہ کا لفظ استعمال ہوا ہے اُس کے ساتھ الارض کا لفظ بھی ضرور آیا ہے اور اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً سے ثابت ہوا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے آدم یعنی بنی آدم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ بنی آدم کا اشرف المخلوقات ہونا ظاہر اور نوعِ انسان کا زمینی مخلوقات پر حکمران ہونا عیاں۔ پس یہ خلافت انسان کی جو زمین کے ساتھ مخصوص ہے

یقیناً خلافت الہیہ ہے۔ اور نوعِ انسان خلیفۃ اللہ۔ لیکن خدائے تعالیٰ کی ذات بے ہمتا جو سب کی خالق و مالک ہے۔ اس سے بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ کہ من کل الوجوہ کوئی مخلوق چاہے وہ اشرف المخلوقات ہی کیوں نہ ہو اُس کی جانشین یعنی خلیفہ ہو سکے۔ پس نوع انسان کی خلافت الہیہ من وجہ تسلیم کرنی پڑے گی۔ اور وہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ کہ جس طرح خدائے تعالیٰ تمام موجودات مخلوقات کا حقیقی حکمران اور شہنشاہ ہے۔ اسی طرح زمین میں صرف نوع انسان ہی تمام دوسری مخلوقات پر بظاہر حکمران نظر آتی ہے۔ اور ہر چیز اور ہر زمینی مخلوق سے اپنی فرماں برداری انسان کرا لیتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ میں خلیفہ سے مراد حکمران ہے نہ اور کچھ۔ ایک جگہ قرآن کریم میں فرمایا ہے ھوالذی جعلکم خلائف فی الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجات یہاں نوع انسان کی اُس عام خلافت میں تخصیص موجود ہے۔ مدعا یہ ہے کہ تمھاری قوم کو حکمران قوم بنایا۔ یعنی دوسری انسانی قومیں تمھاری محکوم ہیں اور تم حکمران قوم ہو۔ یہاں بھی وہی خلیفہ کا لفظ موجود ہے۔ جس کے معنی بجز حکمرانی کے اور کچھ نہیں۔ پھر ایک جگہ فرمایا کہ یا داؤد انا جعلناک خلیفۃً فی الارض یہاں ایک شخص یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت و سلطنت کا ذکر ہے۔ یہاں بھی خلیفہ کا لفظ موجود ہے۔ جس کے معنی پادشاہ یا شہنشاہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی اسی حکومت و سلطنت کے متعلق دوسری جگہ فرمایا وشددنا ملکہ (ہم نے اُن کی سلطنت کو مضبوط کیا)، پھر خاص مسلمانوں بالخصوص صحابہ کرام کی نسبت فرمایا وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم یعنی جس طرح زمین میں ہم نے دوسرے لوگوں کو حکمران بنایا تھا۔ اسی طرح تم میں سے آنحضرت صلعم کے مخاطبین میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ بجالائے۔ اُن کو زمین میں حکمرانی عطا کی جائے گی۔

استحقاقِ خلافت قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات بھی اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ کہ زمین پر حکومت و سلطنت یعنی خلافت کا عطا کرنا یا حکومت و سلطنت کا کسی سے چھین لینا خدائے تعالیٰ ہی کا خاص کام ہے۔ اگرچہ ہر ایک کام کا فاعلِ حقیقی خدائے تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن اُس نے خلافت و سلطنت کے عطا کرنے کا فاعل ہر جگہ اپنے آپ ہی کو ظاہر فرمایا ہے۔ اس فعل کو استعارۃً بھی کسی دوسرے کی طرف نسبت نہیں کیا۔ ایک جگہ صاف

طور پر فرمایا قل اللّٰھم مالک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء۔
اب دیکھنے اور غور کرنے کی قابل بات یہ ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ کن لوگوں کو خلافت یا حکومت
عطا فرماتا ہے۔ یعنی جو لوگ خلافت حاصل کرتے ہیں۔ اُن کے امتیازی نشانات کیا ہیں۔ آدم
یا بنی آدم کو جو زمینی مخلوقات پر حکمرانی حاصل ہے اس کا سبب قرآنِ کریم کے مطالعہ سے
معلوم ہوتا ہے کہ علم ہے وعلم آدم الاسماء کلھا۔ فرشتوں نے سفکِ دم اور فساد کو
خلافت الٰہیہ کے منافی سمجھا اور خدائے تعالیٰ کی تحمید و تقدیس بیان کرنے کو خلافت کا استحقاق
اور علامت قرار دیا۔ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ نوعِ انسان کو محض نعمت علم ہی
کے سبب تمام دوسری مخلوقات پر حکمرانی و فرماں روائی حاصل ہے۔ اگر انسان کو دوسری مخلوقات
پر فضیلت علمی حاصل نہ ہو تو ہوا کا ایک جھونکا۔ پانی کی ایک لہر۔ درخت کا ایک پتہ اور جمادات
کا ایک ذرہ انسان کو عاجز کر سکتا اور اس کو فنا کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔ مگر علم کی بدولت
شیر۔ ہاتھی۔ دریا۔ پہاڑ۔ ہوا۔ آگ۔ بجلی وغیرہ سب انسان کی خدمت گذاری و فرماں برداری
اور راحت رسانی پر مستعد اور غلاموں کی طرح فرماں بردار نظر آتے ہیں۔ قرآنِ کریم پر غور
کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب طالوت کی بادشاہت پر لوگوں نے اعتراض کیا تو خدائے
تعالیٰ نے اپنے نبی کی معرفت معترضین کو جواب دیا کہ ان اللّٰہ اصطفٰہ علیکم وزادہ
بسطۃ فی العلم والجسم واللّٰہ یوتیہ ملکہ من یشاء واللّٰہ واسع علیم یعنی طالوت
کو خدائے تعالیٰ نے بادشاہت کے لئے منتخب فرما لیا اور علم اور جسم میں وسعت عطا کی اور
اللّٰہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سلطنت عطا فرماتا ہے اور حکومت عطا فرماتا ہے اور اللّٰہ ہی صاحب
وسعت اور صاحبِ علم ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو حکومت و خلافت عطا فرما کر خدائے
تعالیٰ نے حکم دیا۔ کہ فاحکم بین الناس ولا تتبع الھوی پھر ایک جگہ فرمایا ولقد
اھلکنا القرون من قبلکم لما ظلموا وجاءتھم رسلھم بالبینٰت وما کانوا لیومنوا
کذالک نجزی القوم المجرمین ثم جعلنٰکم خلائف فی الارض بعد ھم لننظر کیف
تعملون۔ قرآن کریم سے اسی قسم کی شاید سینکڑوں آیات تلاش کی جا سکتی ہیں۔ کہ خلیفہ سے
مُراد حکمران اور خلافت سے مراد سلطنت ہے اور سلطنت و حکمرانی کے لئے علم۔ عدل۔ اصلاح
قوت اور رفاہِ خلائق کی شرطیں لازمی ہیں جن کی ہمیشہ بادشاہوں اور خلیفوں کو ضرورت رہی
ہے اور بغیر ان شرائط و صفات کے کوئی بادشاہ یا کوئی سلطان اپنی بادشاہت اور سلطنت

کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ یہ تمام صفاتِ حسنہ پیغمبروں اور رسولوں کی تعلیمات سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ لازمی نہیں ہے کہ ہر ایک رسول اور ہر ایک پیغمبر بادشاہ بھی ضروری ہو۔ خلافت کے لئے اگر محض عبادت اور خدائے تعالیٰ کی تحمید و تقدیس کا بجالانا ہی ضروری ہوتا تو صرف پیغمبر یا فرشتے ہی دنیا میں حکمران نظر آتے اور اُن کے سوا کسی کو سلطنت و حکمرانی میسر نہ آتی۔ مگر مشاہدہ اس کی تائید کر رہا ہے۔ پس نتیجہ اس تمام تحقیق کا یہ نکلا کہ خلافت درحقیقت حکمرانی و سلطنت ہے نہ کچھ اور۔ خلیفہ یا بادشاہ خدائے تعالیٰ خود جس کو چاہتا ہے بناتا ہے۔ اور جب کوئی حکمران قوم من حیث القوم ظلم و فساد پر اُتر آتی ہے تو اُس سے خدائے تعالیٰ حکومت یا خلافت چھین لیتا ہے۔ اور جس دوسری قوم کو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔

اسلامی خلافت: نوعِ انسان کی تمام ترقیات اور انسان کی تمام علمی و اخلاقی فضیلتیں درحقیقت نتیجہ ہیں تعلیمات انبیاء کا۔ نبی دنیا میں کبھی بحیثیت معلم تشریف لائے ہیں۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کبھی بحیثیت بادشاہ تشریف لائے ہیں۔ مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام۔ بادشاہ نبی کی شریعت بمقابلہ معلم نبی کی شریعت کے زیادہ کامل اور زیادہ عظیم الشان ہوا کرتی ہے۔ معلم نبی اپنی اُمت کے ہر فرد کی زندگی کے لئے ایک نمونہ پیش کرتا ہے۔ لیکن بادشاہ نبی علاوہ نمونہ پیش کرنے کے اُس نمونہ پر لوگوں کو عامل بنا جاتا یعنی اپنی لائی ہوئی شریعت کو نافذ الفرمان قانون کا مرتبہ دے جاتا ہے معلم نبی جب اپنا کام ختم کر کے اس دنیا سے جاتا ہے۔ تو امر نبوت میں کوئی اُس کا جانشین نہیں ہوتا نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ نبی خدائے تعالیٰ سے حکم پا کر بندوں کو خبر پہنچاتا ہے۔ یعنی اُس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اب اگر اس کام میں کوئی اُس کا جانشین ہو تو اُس پر وحی نازل ہونی چاہیے اور جو کام نبی کرتا تھا وہی وہ بھی کرے۔ اندریں صورت وہ جانشین بجائے خود نبی کہلائے گا۔ اور اُس میں اور اُس کے پیش رو میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ پہلا نبی دنیا سے اُسی وقت رُخصت ہوتا ہے جب نبوت کے کام کو ختم کر جاتا ہے پس اُس کے لئے جانشین یعنی دوسرے نبی کی مطلق ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جو نبی صرف معلم نبی تھے۔ اُن کا کوئی جانشین نہیں سُنا گیا۔ لیکن بادشاہ نبی چونکہ نبی ہونے کے علاوہ بادشاہ بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کے فوت ہونے پر امرِ نبوت میں تو کوئی اُن کا جانشین نہیں ہوتا۔ لیکن امر سلطنت میں ضرور اُن کا جانشین ہوتا ہے بادشاہ نبی کا جانشین بادشاہ ہوتا ہے اور چونکہ وہ اُس نبی کا ترتیب کردہ اور پورے طور پر تعلیم یافتہ ہوتا ہے لہٰذا اس کی سلطنت و حکومت کا نمونہ اور بہترین حکومت و سلطنت ہوتی ہے۔ یہ

جانشین یا خلیفہ نبی کی لائی ہوئی شریعت میں ایک رتی برابر بھی تغیر و تبدل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ امر نبوت یعنی شریعت کا کام تو نبی ختم کر گیا۔ اس خلیفۂ رسول کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ حکومت و سلطنت کا کام بالکل اپنے رسول کے نمونے پر چلائے اسی لئے اُس کی حکومت و سلطنت جو حکومتوں کا اعلیٰ نمونہ ہوتی ہے۔ دوسری حکومتوں سے زیادہ اچھی اور بزرگ و قابل تکریم حکومت سمجھی جاتی ہے۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ کامل و مکمل اور آخری رسولؐ تھے۔ اور کامل و مکمل ہدایت نامہ لے کر آئے تھے۔ لہٰذا بادشاہ بھی تھے۔ اُن کی حکومت و بادشاہت دنیا کی تمام حکومتوں اور بادشاہتوں کے لئے قیامت تک بہترین نمونہ ہے جس طرح آنحضرت صلعم کی زندگی قیامت تک ہر انسان کے لئے بہترین نمونۂ زندگی ہے۔ آنحضرت صلعم کے بعد اُن کے جانشین یا خلیفہ کا ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ امر سلطنت میں اُن کے جانشین ہوئے ان جانشینوں میں جو لوگ براہِ راست آنحضرت صلعم کے ترتیب کردہ آنحضرت صلعم سے فیض یافتہ یعنی صحابہ کرام تھے۔ وہ خلیفۂ سلطنت تھے۔ وہ سلطنت و حکومت کو آنحضرت صلعم کی حکومت و سلطنت سے زیادہ مشابہ رکھنے کی قابلیت و اہلیت زیادہ رکھتے تھے۔ لہٰذا ان کی سلطنت و حکومت یعنی خلافت خلافت راشدہ کے نام سے موسوم ہو گئی۔ اس کے بعد جوں جوں آنحضرت صلعم سے بُعد ہوتا گیا۔ خلافت کی حالت و حیثیت میں بھی فرق پیدا ہوتا گیا۔

مسئلہ خلافت میں اختلاف:

مسلمانوں میں بعض لوگ ایسے بھی پیدا ہوئے کہ انھوں نے آنحضرت صلعم کے خلفا، یعنی جانشینوں کے متعلق عجیب عجیب قسم کے اعتراضات کا ایک طومار باندھ دیا ہے۔ اور کسی کو مجرم اور ظالم اور کسی کو بے گناہ و مظلوم ٹھہرایا ہے حالانکہ کسی انسان کو خلافت کے متعلق دم مارنے یا اعتراض کرنے کا کوئی حق حاصل ہی نہیں ہے۔ خدائے تعالیٰ نے زمین کی بادشاہت اور خلافت کا کسی کو عطا کرنا یا کسی سے چھین لینا صرف اپنی ہی طرف منسوب رکھا ہے بجز بطور ظاہر یا استعارہ کے طور پر بھی خلافت عطا کرنے یا خلافت چھیننے کے کام کو کسی انسان کی طرف منسوب نہیں فرمایا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے بھی خلیفہ کے انتخاب خلیفہ کے تعین و تقرر کی نسبت خود کوئی حکم نہیں دیا۔ قرآنِ کریم نے یہ بتا دیا۔ کہ خلیفہ کو کیا کام کرنے چاہئیں۔ کن باتوں سے بچنا اور ڈرنا چاہیے۔ یہ بھی بتا دیا کہ کون کون سے اعمالِ صالح ہیں۔ جو مستحق خلافت بنا دیتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں بتایا۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خلیفہ یعنی اُن کے بعد مسلمانوں پر حکمران کون شخص ہوگا۔ روزہ نماز

حج۔ زکوٰۃ اور حقوق العباد و حقوق اللہ کی ذرا ذرا سی تفصیل بھی شریعت اسلام نے واضح اور مبرہن طریق پر بیان فرما دی لیکن آنحضرت صلعم کے جانشین کا تعین نہ فرمایا۔ اس میں حکمت یہی تھی کہ خدائے تعالیٰ جس کو چاہتا ہے۔ خلافت عطا فرماتا ہے۔ اور وہی خود ایسے سامان مہیا فرما دیتا ہے۔ کہ مستحق خلافت کو خلافت مل جائے۔ خلافت کے حاصل کرنے کا کام چونکہ انسانی کوششوں اور انسانی تدبیروں سے بالاتر ہے لہٰذا خدائے تعالےٰ نے خود اپنے فعل سے بتا دیا کہ ان سب سے پہلے مسلمانوں میں کون مستحق خلافت تھا اور کون اس کے بعد۔ اس مسئلہ میں لڑنا جھگڑنا اور اعتراض کرنا بالکل فضول اور گویا خدائے تعالیٰ پر معترض ہونا ہے۔ آنحضرت صلعم کے بعد کس شخص کو خلیفہ بننا چاہیے تھا۔؟ اس کا جواب صاف ہے کہ اس کو جو خلیفہ بن سکا یہ کہنا کہ جو خلیفہ بن گیا وہ خلیفہ بننے کا مستحق نہ تھا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا ہے۔ کہ خلیفہ خود خدائے تعالیٰ نہیں بناتا یہ کہ خدا جس کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا۔ اس کو نہیں بنا سکا۔ اور انسانی تدبیروں سے نعوذ باللہ خدائے تعالیٰ شکست کھا گیا۔ پس ان لوگوں کی حالت جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر معترض ہیں اس شخص سے بہت مشابہ ہے۔ جو کسی جج کی عدالت سے اپنے منشا کے خلاف فیصلہ سن کر کچہری سے نکلتا۔ اور باہر آ کر جج کو برا بھلا کہتا ہے۔ لیکن جج پھر بھی جج ہے اور یہ مجرم مجرم ہے۔ جج کا حکم اس ناراض ہونے والے شخص کے بڑبڑانے سے رک نہیں سکتا۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ نے اپنا فیصلہ خلافت کے متعلق صادر فرما دیا اور جس کو خلیفہ بنانا چاہا اس کو خلیفہ بنا دیا۔ اب اس خدائی فیصلے کے خلاف اگر کوئی ناراض ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ واللہ یؤتی ملکہ من یشاء۔

دینی خلافت اور دنیوی سلطنت کا فرق:

خلافت کے متعلق جو کچھ اوپر مذکور ہو چکا ہے اس سے یہ شبہ گذر سکتا ہے۔ کہ خلافت محض بادشاہت اور سلطنت کا نام ہے۔ تو ہر ایک بادشاہ کو خلیفہ کہا جا سکتا ہے اور خلافت کو مذہب سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے لیکن معلوم ہونا چاہیے۔ کہ مسلمانوں میں خلیفہ صرف اس بادشاہ یا حکمران کو کہا جا سکتا ہے۔ جو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کردہ حکومت و سلطنت کا وارث اور امر سلطنت میں آپ کا جانشین ہو۔ اور اعمال دینیہ یعنی نماز۔ فتویٰ۔ قضا۔ عدالت۔ احتساب۔ جہاد وغیرہ کا منتظم اور تکالیف شرعیہ پر عوام الناس کو آمادہ اور عمل کرنے کی ہدایت کرے شریعت اسلام مصالح دینوی اور مصالح اخروی دونوں پر مشتمل ہے۔ ایک غیر مسلم اور دنیوی بادشاہ کے

ذریعہ جو نوعِ انسان کی خدمت اور رفاہ عام کا کام انجام پذیر ہوتا ہے اُس سے بدرجہا بہتر یہ کام خلیفہ یعنی احکام رسول کے موافق حکومت کرنے والے کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ شریعتِ اسلام چونکہ اپنے پیرو کو ہر دنیوی خوبی کا بھی وارث بناتی ہے۔ اس لئے وہ حکومت جو شرع اسلام کے موافق ہوگی۔ بنی نوع انسان کے لئے زیادہ مفید اور زیادہ اچھی حکومت ہوگی۔ شریعتِ اسلام یہ بھی چاہتی ہے۔ کہ مسلمان بنی نوع انسان ایسی حکومت وسلطنت کے ماتحت زندگی بسر کریں۔ جو شریعت اسلام کے موافق قائم ہو۔ لہٰذا خلافت کو شریعتِ اسلام سے خصوصی تعلق ہے یہ کہنا کہ خلافت کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں سراسر غلط اور نادرست ہے۔ ایسی حکومت و سلطنت جو احکام شرع کے موافق قائم نہ ہو اور قہر و جبر نیز انسانی تدبیروں کی بنا پر اس کا قیام و استحکام ہو ہرگز بنی نوعِ انسان کے لئے اس قدر مفید و بابرکت ثابت نہیں ہو سکی۔ جیسی کہ قانونِ شرع کے موافق قائم شدہ حکومت نوعِ انسان کے لئے موجب فلاح ثابت ہوئی ہے۔ پس ایسی حکومت جو قانونِ شرع کے موافق دنیا میں قائم رہی وہ آنحضرت صلعم اور ان کے اصحابِ کرام کی حکومت تھی۔ اور دنیا میں اس سے پہلے یا اس کے بعد کوئی ایسی حکومت نظر نہیں آتی جو اصحاب نبی کریم کی حکومت سے بہتر اور بنی نوعِ انسان کے لئے زیادہ مفید ثابت کی جا سکے۔ اسی حکومت وسلطنت کا نام خلافتِ راشدہ ہے۔ اس کے بعد اگرچہ خلافت کے نام سے حکومتِ اسلامی کا سلسلہ آج تک قائم ہے مگر اُس میں تھوڑا یا بہت دُنیوی سلاطین کا طرز و انداز شامل ہوتا رہا۔ اور اسی نسبت سے شرعی حکومت اور قانون شرع کا رنگ ہلکا ہوتا رہا۔

کسی قوم قبیلہ یا خاندان سے خلافت کا تعلق:- قرآن کریم میں صاف طور پر ارشاد الٰہی ہے۔ کہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ اور تمہارے کنبے اور قبیلے اس لئے بنائے کہ ایک دوسرے کی تمیز ہو سکے اللہ کے نزدیک تم میں بہت بزرگ وہ ہے۔ جو بہت متقی ہے۔ اللہ خوب جاننے والا اور خبردار ہے) اسلام نے دُنیا میں لوگوں کے خاندانی مفاخر اور قومی بُرائیوں اور فضیلتوں کو مٹا کر ایک ہی قوم بنانی چاہی ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَۃٌ فرما کر تمام برادریوں کی ایک برادری اور تمام قوموں کی ایک قوم بنا دی ہے۔ اور اس قوم کا نام مسلمان

یا مومن قوم ہے۔

ساری دُنیا میں قومیں اور خاندان تعلیم اسلام کے موافق اگر ہو سکتے ہیں۔ تو دو ہی ہو سکتے ہیں۔ ایک مومن و مسلم دوسرے کافر و مشرک۔ توحید کے دائرہ میں داخل ہو کر تفریق قومی بے حقیقت سی ہو جاتی ہے۔ قوموں اور قبیلوں کی تفریق اس سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی کہ ہم ایک دوسرے میں تمیز کرنے اور ایک دوسرے کا پتہ دینے میں سہولت بہم پہنچا سکتے ہیں اور بس۔ عزت و تکریم اور حکومت و برتری خدائے تعالےٰ کی جانب سے ہمیشہ مستحق عزت اور مستحق تکریم لوگوں کو عطا ہوا کرتی ہے۔ خواہ وہ کسی قبیلہ اور کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں۔ استحقاق تکریم کے لئے تقویٰ اور ایمان شرط ہے۔ حکومت و خلافت کے لئے بھی خدائے تعالیٰ نے علم صحت و قوت جسمانی (کیونکہ صحیح عقل ہمیشہ صحیح جسموں میں ہوتی ہے) تقویٰ۔ عدل۔ اصلاح وغیرہ شرائط کو ضروری قرار دیا ہے۔ کسی قوم قبیلے کی شرط ہرگز نہیں لگائی۔ اسلام نے انصار کو مہاجرین کا بھائی بنا دیا۔ اسلام نے ابوجہل جیسے قریش کو باشندگانِ مدینہ کے نوجوانوں کا مقتول بنایا۔ اسلام نے بلال حبشیؓ کو اشراف عرب پر فضیلت دی۔ اسلام نے اُسامہ بن زیدؓ کو عمر فاروقؓ کا سردار اور مُطاع بنا دیا۔ اسلام نے پادشاہ اور غلام کو پہلو بہ پہلو ایک صف میں کھڑا کیا۔

اسلام نے آنحضرت صلعم سے یہ اعلان کرایا کہ اگر فاطمہؓ بنتِ رسول اللہؐ سے بھی خدا نخواستہ چوری کا ارتکاب ہوگا۔ اُس کا ہاتھ بالکل اُسی طرح کاٹا جائے گا۔ جس طرح کسی دوسرے چور عورت کا۔ اسلام ہی نے آنحضرت صلعم سے یہ اعلان کرایا کہ لوگو! اگر تمھارے اوپر کوئی ادنیٰ حبشی غلام بھی حکمران یعنی خلیفہ ہو جائے۔ تو تم اُس کی فرماں برداری کرو۔ اسلام ہی نے حضرت عمر فاروقؓ سے اپنی زندگی کی آخری ساعتوں میں یہ کہلوایا کہ اگر آج ابو حُذیفہ کا غلام سالم زندہ ہوتا تو میں اُس کو اپنا جانشین بنا دیتا۔ غرضیکہ اسلام نے خاندانی اور نسبی مفاخر کے بُت کو پاش پاش اور ریزہ ریزہ کر دیا۔ یہ نہایت ہی عظیم اور گراں قدر خدمت تھی۔ جو اسلام نے بنی نوعِ انسان کے لئے انجام دی اور آج اسلام کو دنیا کے تمام مذاہب اور قوانین پر فخر حاصل ہے۔ کہ کسی سے بھی خاندانی فخر و تکبر کا مہیب بُت اپنی جگہ سے نہ ہلایا گیا لیکن اسلام نے اُس کو ریزہ ریزہ کر کے اُس کا غبار ہوا میں اڑا دیا۔

کس قدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے۔ کہ آج بہت سے مسلمان جو اسلام اور آئینِ اسلام کی پابندی کا دعویٰ کرتے ہیں یہ کہتے ہوئے سُنے جاتے ہیں۔ کہ اسلام نے حکم دیا تھا۔ اور

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم اور منشا تھا۔ کہ خلافت صرف قبائل قریش یا قبیلہ بنوہاشم یا حضرت علیؓ اور اولادِ علیؓ کے ساتھ مخصوص و مختص رہے۔ اور دوسرے قبیلے کا کوئی شخص کسی حالت میں بھی خلافت کا مستحق نہ ہو سکے اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلے خدائے تعالےٰ قرآنِ مجید میں اس کی صاف طور پر ہدایت فرماتا۔ اور آنحضرت صلعم اس کے متعلق صاف صاف احکام صادر فرما جاتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قرآنِ مجید میں خدا نے احکام نازل فرمادیے تھے۔ اور وہ احکام چالاکی سے غاصبانِ خلافت نے چھپا لئے تو پھر خدائے تعالیٰ نعوذ باللہ جھوٹا ٹھیرتا ہے۔ جس نے وعدہ فرمایا تھا۔ کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون اور نعوذ باللہ آنحضرت صلعم نے بھی فرضِ تبلیغ کو ہرگز ہرگز پورے طور پر انجام نہیں دیا۔ کہ حجۃ الوداع کے خطبے میں بھی اپنے جانشین اور خلافت کے بنوہاشم میں مخصوص طور پر رہنے کی نسبت کچھ نہ فرمایا۔ حالانکہ اس خطبے کے آخر میں آپ نے قریباً سوالاکھ آدمیوں کے مجمع میں اپنی تبلیغ کے مکمل کردینے کا اعلان فرمایا اور لوگوں سے اُس کی تصدیق چاہی۔ پھر مرض الموت میں آپ نے ذرا ذرا سی باتوں کے متعلق بھی جن کو ضروری سمجھا وصیت فرمائی۔ اگر کسی کا ایک درہم یا دینار آپ پر قرض تھا تو اُس کو ادا فرمایا۔ لیکن خلافت کے متعلق اس عظیم الشان فرضۂ خلافت کو ادا نہ فرمایا۔

بات وہی ہے کہ آپ جانتے تھے کہ خلیفہ بنانے کا کام خدائے تعالیٰ کا ہے اور اس کام کے لئے اُس نے نبی کو مطلق تکلیف نہیں دی۔ ہاں نبی کریم صلعم نے خدائے تعالیٰ سے علم پاکر اس بات کو ضرور معلوم کرلیا تھا۔ کہ میرے بعد خدائے تعالیٰ کس کو خلیفہ بنانے والا ہے۔ اسی لئے آپ نے اپنی بیماری میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نمازوں کی امامت کے لئے اپنا قائم مقام بنایا اور وصیت میں مہاجرین کو فرمایا کہ تم انصار کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ مہاجرین سے انصار کی اس طرح سفارش کرنا دلیل اس امر کی ہے۔ کہ آپ کو علم ہوچکا تھا کہ میرے بعد خلافت انصار کو نہیں بلکہ مہاجرین کو ملنے والی ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم ملک بعد ذالک۔ پھر آپ نے خدائے تعالیٰ سے علم پاکر یہ بھی معلوم کیا الا ئمۃ من قریش (امام قریش میں سے ہوں گے) یہ سب آپ کی پیش آئندہ واقعات کے متعلق پیش گوئیاں تھیں۔ احکام نہ تھے۔ اب اگر کوئی شخص الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم ملک بعد ذالک (میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی۔ پھر سلطنت ہو جائے گی) کو حکم قرار دے تو ظاہر ہے۔ کہ یہ ایک مغالطہ ہوگا۔ جو وہ لوگوں کو دینا چاہتا ہے نہ اصل حقیقت۔ بالکل یہی کیفیت الائمۃ من قریش

کی ہے۔ اس میں کیا شک و شبہ ہے کہ اس زمانہ میں قریش ہی کے اندر اعلیٰ قسم کا دماغ اور اعلیٰ درجہ کا علم و تقویٰ موجود تھا۔ اور ان صفاتِ حسنہ میں اُن کو دوسروں پر فضیلت تھی۔ اور خدائے تعالیٰ نے اُن کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا۔ پھر جب اُن کی وہ حالت نہ رہی تو دوسرے لوگوں میں سے جو منصبِ خلافت کے متعلق بہترین معلوم ہوتے خدائے تعالیٰ نے اُن کو خلافت و حکومت عطا فرمائی۔ بہرحال خلافت یا حکومت و سلطنت کسی خاندان کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ یہ خدائے تعالیٰ کا ایک انعام ہے اور ہمیشہ اُن لوگوں کو ملتا ہے جو اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کریں جب وہ نااہل اور نالائق ہو جاتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ اُن سے اس انعام کو چھین لیتا اور دوسروں کو عطا فرما دیتا ہے۔ اور یہی الٰہی انصاف سے ہم کو توقع ہونی چاہیے تھی۔

خلافت اور پیری مُریدی:۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سورہ نور کی آیت استخلاف میں جس خلافت کا وعدہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وہ پیری مُریدی کا سلسلہ مُراد ہے۔ میرے نزدیک یہ سراسر نادرست اور غلط عقیدہ ہے۔ یہ مانا کہ پیر بھی اپنے مُریدوں پر حکمران ہوتا ہے لیکن اس حکومت اور خلیفہ کے نافذالفرمان ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کسی پیر کو زمین کا حاکم اور زمین کا دادا ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ قرآنِ کریم نے خلیفہ کے معانی سمجھانے میں آدمؑ و داؤدؑ کا نام لے کر اور اُن کی مثالیں بیان فرما کر کسی اشتباہ کا موقعہ باقی نہیں رکھا۔ ہم کو بہرحال قرآنِ کریم ہی کی اصطلاح سے کام لینا ہے۔ قرآنِ کریم اپنے الفاظ کے معنی خود بتا دیتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام و نسب:۔ آپ کا نام عبداللہ بن ابو قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ہے۔ مُرہ پر آپ آنحضرت صلعم سے نسب میں مل جاتے ہیں اور باعتبار مراتب آبا ایک ہی درجہ میں ہیں کیونکہ دونوں میں مرہ تک چھ چھ پشتوں کا فاصلہ ہے۔ آپ کی والدہ کا نام سلمٰی بنت صخر بن کعب بن سعد ہے۔ یہ ابو قحافہ کی چچازاد بہن تھیں اور اُمّ الخیر کے نام سے مشہور تھیں۔ آپ کے والد ابو قحافہ کا نام عثمان ہے۔ آپ کو زمانۂ جاہلیت میں عبدالکعبہ کہا جاتا تھا۔ آنحضرت صلعم نے آپ کا نام عبداللہ رکھا۔ آپ کا نام عتیق بھی تھا۔ مگر علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الخلفاء

کبھی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آپ نے اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر خدا و رسول کی محبت میں ہجرت کی۔ غار میں رسول اللہ صلعم کا ساتھ دیا لڑائیوں میں آپ کے ساتھ رہے۔ جنگِ بدر میں آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ تم میں سے ایک کے ساتھ جبرائیلؑ ہے اور دوسرے کے ساتھ میکائیل۔ جنگِ بدر میں عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ مشرکین کے لشکر میں شامل تھے۔ جب وہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے اپنے والدِ ماجد یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ بدر کے روز آپ کئی مرتبہ میرے تیر کی زد میں آئے مگر میں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ آپ نے فرمایا اگر مجھے ایسا موقعہ ملتا تو میں تجھے بغیر نشانہ بنائے نہ رہتا۔

شجاعت:۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مرتبہ لوگوں سے سوال کیا کہ تمہارے نزدیک شجاع ترین کون شخص ہے۔ سب نے عرض کیا آپ۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ اپنے برابر کے جوڑے سے لڑتا ہوں یہ کوئی شجاعت نہیں۔ تم شجاع ترین شخص کا نام لو۔ سب نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ شجاع ترین حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ یوم بدر میں ہم نے رسول اللہ صلعم کے لئے ایک سائبان بنایا تھا۔ ہم نے پوچھا کہ آنحضرت صلعم کے پاس کون رہے گا کہ مشرکین کو آپ پر حملہ کرنے سے باز رکھے۔ قسم خدا کی ہم میں سے کسی شخص کی ہمت نہ پڑی مگر ابوبکر صدیقؓ ننگی تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور کسی کو پاس نہ پھٹکنے دیا۔ اور جس شخص نے آپ پر حملہ کیا ابوبکر صدیقؓ اس پر حملہ آور ہوئے۔

ایک دفعہ مکہ معظمہ میں مشرکین نے رسول اللہ صلعم کو پکڑ لیا۔ اور آپ کو گھسیٹنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ تو ہی ہے جو ایک خدا بتاتا ہے۔ واللہ کسی کو کفار کے مقابلے کی جرأت نہ ہوئی مگر ابوبکر صدیقؓ آگے بڑھے وہ کفار کو مار کر ہٹاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ ہائے افسوس تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا خدا ایک ہے۔ یہ فرما کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ رو پڑے اور فرمانے لگے بھلا یہ تو بتاؤ کہ مومن آلِ فرعون اچھے ہیں یا ابوبکرؓ لیکن جب لوگوں نے جواب نہ دیا تو فرمایا کہ جواب کیوں نہیں دیتے۔ واللہ ابوبکرؓ کی ایک ساعت اُن کی ہزار ساعت سے بہتر ہے۔ وہ تو ایمان کو چھپاتے تھے اور ابوبکرؓ نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا۔

سخاوت:۔ آپ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ سخی تھے وسیجنبھا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی کے شانِ نزول آپ ہی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جتنا

تھے۔ مصائب کے وقت صبر و استقامت سے کام لیتے اور مہمانوں کی خوب مدارات و تواضع بجا لاتے۔ لوگ اپنے معاملات میں آپ سے آ کر مشورہ لیا کرتے اور آپ کو اعلیٰ درجہ کا صائب الرائے سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ ابن الدغنہ آپ کو راستے سے، جب کہ آپ مکہ سے رخصت ہو چکے تھے واپس لے آیا تھا۔ جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے آپ انساب اور اخبارِ عرب کے بڑے ماہر تھے۔ آپ طبعًا برائیوں اور کمینہ خصلتوں سے محترز رہتے تھے۔ آپ نے جاہلیت ہی میں اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے کبھی شراب پی ہے۔ آپ نے فرمایا نعوذ باللہ کبھی نہیں۔ اس نے پوچھا کیوں؟ آپ نے فرمایا میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے بدن میں سے بُو آئے اور مروت زائل ہو جائے۔ یہ گفتگو آنحضرت صلعم کی مجلس میں روایت ہوئی۔ تو آپ نے دو مرتبہ فرمایا کہ ابوبکرؓ سچ کہتے ہیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیر مجسم۔ بے عیب۔ سلیم الطبع اور حق پسند و حق پرور تھے۔ یہی سبب تھا۔ کہ جب آنحضرت صلعم نے آپ کو دعوتِ اسلام پیش کی تو آپ نے کچھ بھی پس و پیش نہ کیا۔ فوراً قبول کر لیا اور نصرت و امداد کا وعدہ فرمایا پھر وعدہ کو نہایت خوبی کے ساتھ پورا کر دکھایا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ بجز ابوبکر صدیقؓ کے جس کو میں نے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کچھ نہ کچھ پس و پیش ضرور کیا۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ بجز نبی کے اور کسی پر جو ابوبکرؓ سے بہتر ہو آفتاب طلوع نہ ہوا۔ چونکہ آپ قریش میں ہر دل عزیز تھے۔ اس لئے بہت سے لوگ آپ کے سمجھانے سے ایمان لے آئے۔ جن میں عثمان بن عفانؓ۔ طلحہ بن عبد اللہؓ اور سعد بن وقاصؓ جیسے حضرات شامل تھے۔

عہدِ اسلام:۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے پہلے آنحضرت صلعم پر ایمان لائے۔ جس شخص نے سب سے پہلے آنحضرت صلعم کے ساتھ نماز پڑھی وہ ابوبکر صدیقؓ تھے۔ میمون بن مہران سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک علی کرم اللہ وجہہ افضل ہیں یا ابوبکر صدیقؓ۔ انہوں نے یہ سن کر سخت غصہ کیا اور فرمانے لگے۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں ان دونوں میں موازنہ کئے جانے کے وقت تک زندہ رہوں گا۔ ارے یہ دونوں اسلام کے لئے بمنزلہ سر کے تھے۔ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایمان لائے۔ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ ایمان لائی تھیں علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلعم کی اجازت کے بغیر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے

مجھے ابوبکر صدیقؓ کے مال سے نفع پہنچا ہے کسی کے مال سے نہیں پہنچا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ رو کر فرمانے لگے کہ میں اور میرا مال کیا چیز ہے جو کچھ ہے سب آپ کا ہی طفیل ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مال میں ویسا ہی تصرف فرماتے تھے جیسا اپنے مال میں۔ جس روز حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے ہیں اُس روز ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ آپ نے وہ سب کے سب آنحضرت صلعم پر خرچ کر دیئے۔ ایک روز حضرت عمر فاروقؓ جیش عُسرت یا جنگِ تبوک کے چندہ کا تذکرہ فرما کر کہنے لگے آنحضرت صلعم نے جب ہمیں مال تصدق کرنے کا حکم دیا تو میں نے حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر مال تصدق کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور اپنا نصف مال تصدق کر دیا۔ رسول اللہ صلعم نے مجھ سے دریافت کیا کہ اپنے اہل و عیال کے واسطے کچھ چھوڑا۔ میں نے عرض کیا کہ باقی نصف۔ اتنے میں ابوبکر صدیقؓ اپنا سارا مال لیئے ہوئے آگئے آنحضرت صلعم نے اُن سے بھی وہی سوال کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ اہل و عیال کے لئے خدا اور رسولِ خدا کافی ہیں۔ میں نے یہ دیکھ کر کہا کہ میں کبھی ابوبکر صدیقؓ سے کسی بات میں نہ بڑھ سکوں گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم نے فرمایا کہ میں سب کا احسان اُتار چکا ہوں، البتہ ابوبکر صدیقؓ کا احسان باقی ہے اس کا بدلہ قیامت کے دن خدائے تعالیٰ دے گا۔ کسی شخص کے مال سے مجھے اتنا فائدہ نہیں ہوا جتنا ابوبکر صدیقؓ کے مال سے۔

علم و فضل:- آپ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ عالم اور ذکی تھے جب کسی مسئلہ کے متعلق صحابہ کرام میں اختلاف واقع ہوتا تو وہ مسئلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے پیش کیا جاتا۔ آپ اُس پر جو حکم لگاتے وہ عین ثواب ہوتا۔ قرآن شریف کا علم آپ کو سب صحابیوں سے زیادہ تھا۔ اسی لئے آنحضرت صلعم نے آپ کو نماز میں امام بنایا۔ سنت کا علم بھی آپ کو کامل تھا اسی لئے صحابہ کرام مسائل سنت میں آپ ہی سے رجوع کرتے تھے۔ آپ کا حافظہ بھی قوی تھا۔ آپ نہایت ذکی الطبع تھے۔ آپ کو آنحضرت صلعم کا فیضِ صحبت ابتدائے بعثت سے دفات تک حاصل رہا۔ زمانۂ خلافت میں جب کوئی معاملہ پیش آتا تو آپ قرآن شریف میں اُس مسئلہ کو تلاش فرماتے۔ اگر قرآن شریف میں نہ ملتا تو آنحضرت صلعم کے قول و فعل کے موافق فیصلہ کرتے اگر ایسا قول و فعل کوئی نہ معلوم ہوتا۔ تو باہر نکل کر لوگوں سے دریافت فرماتے کہ تم نے کوئی حدیث اس معاملہ کے متعلق سُنی ہے؟ اگر کوئی صحابی ایسی حدیث بیان نہ فرماتے تو آپ جلیل القدر صحابہ کو جمع فرماتے اور اُن کی کثرت رائے کے موافق فیصلہ صادر فرماتے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ

عرب بھر کے بالعموم اور قریش کے بالخصوص بڑے نساب تھے۔ حتیٰ کہ جبیر بن مطعم جو عرب کے بڑے نسابوں میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے خوشہ چین تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں نے علم نسب عرب کے سب سے بڑے نساب سے سیکھا ہے علم تعبیر میں بھی آپ کو سب سے زیادہ فوقیت حاصل تھی۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلعم کے عہد میں آپ خوابوں کی تعبیر بتایا کرتے تھے۔ امام محمد بن سیرین کہتے ہیں۔ کہ رسولِ خدا کے بعد صدیق اکبرؓ سب سے بڑے معبر ہیں۔ آپ سب سے زیادہ فصیح تقریر کرنے والے تھے۔ بعض اہل علم کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ صحابیوں میں سب سے زیادہ فصیح ابوبکرؓ و علیؓ تھے۔ تمام صحابیوں میں آپ کی عقلِ کامل اور اصابتِ رائے مسلم تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بار ہا فرمایا ہے کہ اس اُمتِ محمدی میں سب سے زیادہ افضل ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جو شخص مجھ کو ابوبکرؓ و عمرؓ پر فضیلت دے گا۔ میں اُس کے دُرّے لگاؤں گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ کہ خدائے تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم کرے کہ اُس نے اپنی بیٹی مجھے زوجیت میں دی۔ اور مجھے مدینہ تک پہنچایا اور بلالؓ کو آزاد کیا۔ خدا تعالیٰ عمرؓ پر رحم کرے حق بات کہتے ہیں خواہ کتنی ہی تلخ کیوں ہو۔ خدا تعالیٰ عثمان پر رحم کرے کہ اُن سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ علیؓ پر رحم کرے۔ الٰہی جہاں کہیں علیؓ ہو حق اُس کے ساتھ رکھ۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کو بالاجماع خلیفہ بنایا۔ کیونکہ اُس وقت دنیا کے پردے پر اُن سے بہتر آدمی نہ ملا۔ معاویہ بن قرہ کہتے ہیں۔ کہ صحابہ کو کبھی خلافتِ ابوبکرؓ میں شک نہیں ہوا۔ اور وہ لوگ ہمیشہ ان کو خلیفہ رسولؐ کہتے رہے اور اصحابی کبھی کسی خطا یا گمراہی پر اجماع نہیں کر سکتے۔

حسنِ معاشرت:۔ عطا بن صائب کہتے ہیں کہ بیعتِ خلافت کے دوسرے دن حضرت ابوبکر صدیقؓ دو چادریں لئے ہوئے بازار کو جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا بازار۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اب آپ یہ دھندے چھوڑ دیں۔ آپ مسلمانوں کے امیر ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ پھر میں اور میرے اہل و عیال کہاں سے کھائیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ کام ابو عبیدہؓ کے سپرد کیجئے۔ چنانچہ دونوں صاحب ابو عبیدہؓ کے پاس گئے اور اُن سے حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میرا اور میرے اہل و عیال کا نفقہ مہاجرین سے وصول کر دیا کرو۔ ہر چیز معمولی حیثیت کی چاہیئے۔ گرمی اور جاڑے کے کپڑوں کی بھی ضرورت

ہو گی۔ جب پھٹ جایا کریں گے تو ہم واپس کر دیا کریں گے اور نئے لے لیا کریں گے۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ ہر روز آپ کے یہاں آدھی بکری کا گوشت بھیج دیا کرتے تھے۔ ابو بکر بن حفص کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے انتقال کے وقت حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ مسلمانوں کے کام کرنے کی اجرت میں میں نے کوڑی پیسے کا فائدہ حاصل نہیں کیا۔ سوائے اس کے کہ موٹا جھوٹا کھا پہن لیا۔ اس وقت مسلمانوں کا تھوڑا یا بہت کوئی مال سوائے اس حبشی غلام۔ اونٹنی اور پرانی چادر کے میرے پاس نہیں ہے۔ جب میں مر جاؤں تو ان سب کو عمرؓ کے پاس بھیج دینا۔

حضرت امام حسن بن علی علیہ السّلام سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے انتقال کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا۔ کہ میرے مرنے کے بعد یہ اونٹنی جس کا دودھ ہم پیتے تھے۔ اور یہ بڑا پیالہ جس میں ہم کھاتے تھے اور یہ چادریں عمرؓ کے پاس بھیج دینا کیونکہ میں نے ان چیزوں کو بحیثیت خلیفہ ہونے کے بیت المال سے لیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ کو یہ چیزیں پہنچیں تو انہوں نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ ابو بکرؓ پر رحم فرمائے کہ میرے واسطے کیسی کچھ تکلیف اٹھائی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بیت المال میں کبھی مال و دولت جمع نہیں ہونے دیا۔ جو کچھ آتا مسلمانوں کے لئے خرچ کر دیتے فقراء و مساکین پر برجستہ مساوی تقسیم کر دیتے تھے۔ کبھی گھوڑے اور ہتھیار خرید کر فی سبیل اللہ دے دیتے۔ کبھی کچھ کپڑے لے کر غربار صحرانشین کو بھیج دیتے۔ حتیٰ کہ جب حضرت عمرؓ نے آپ کی وفات کے بعد مع اور چند صحابیوں کے بیت المال کا جائزہ لیا تو بالکل خالی پایا۔ محلہ کی لڑکیاں اپنی بکریاں لے کر آپ کے پاس آ جایا کرتیں اور آپ سے دودھ دوہا کرلے جاتیں۔ صدیق اکبرؓ بہت سے آدمیوں میں اس طرح رل مل کر بیٹھتے کہ کوئی پہچان بھی نہ سکتا تھا۔ کہ ان میں خلیفہ کون ہے۔

خلافتِ صدیقی کے اہم واقعات

سقیفۂ بنو ساعدہ اور بیعتِ خلافت

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مسجد نبوی میں حضرت صدیق اکبرؓ تقریر فرما کر لوگوں کی حیرت دور فرما چکے تھے۔ کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں انصار کے مجتمع ہونے اور بلا مشاورت مہاجرین کسی امیر یا خلیفہ کے انتخاب کی

نسبت گفتگو کرنے کی خبر پہنچی۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد اسلام پر یہ سب سے زیادہ نازک وقت تھا۔ اگر اس خبر کو سُن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ خاموش رہتے۔ اور اس طرف متوجہ نہ ہوتے تو سخت اندیشہ تھا۔ کہ مہاجرین و انصار کی اخوت و محبت ذرا سی دیر میں برباد ہو کر جمعیتِ اسلامی پارہ پارہ ہو جاتی۔ مگر چونکہ خدائے تعالیٰ اپنے دین کا خود حافظ و ناصر تھا۔ اُس نے صدیق اکبرؓ کو ہمت و استقامت عطا فرمائی۔ کہ ہر ایک خطرہ اور ہر ایک اندیشہ اُن کی بصیرت و قوت کے آگے فوز و اصلاح سے تبدیل ہو گیا۔ آنحضرت صلعم کی قوتِ قدسی نے تمام مسلمانوں کو ایک ہی قوم اور ایک ہی خاندان بنا دیا تھا۔ اور نورِ ایمان کے محیر العقول اثر سے قبیلوں۔ خاندانوں اور ملکوں کے امتیازات یک سر برباد و منہدم ہو چکے تھے اور اُن کی حقیقت اس سے زیادہ باقی نہ رہی تھی کہ قبیلوں اور خاندانوں کے نام سے لوگوں کی شناخت میں اور پتہ دینے میں آسانی ہوتی تھی اور بس۔

وفاتِ نبوی کے بعد اور اُس روح اعظم کے ملاءِ اعلیٰ کی طرف متوجہ ہونے پر ذرا سی دیر کے لئے اس تفریقِ قومی کے ابتلاء کا کروٹ لینا کوئی حیرت اور تعجب کا مقام نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ صحابۂ کرام کی پاک و مطہر جماعت نے اس ابتلاء کو اپنے لئے موجبِ اصطفا بنایا یا سامانِ بربادی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مدینۂ منورہ میں مہاجرین کی تعداد انصارؓ کے مقابلے میں کم تھی۔ لیکن انصار بھی دو حصوں میں منقسم تھے یعنی اوس اور خزرج۔ اسلام سے پہلے قدیم سے ایک دوسرے کے حریف اور رقیب چلے آتے تھے۔ اس طرح مدینۂ منورہ کے موجودہ مسلمانوں کو تین بڑے بڑے حصوں میں منقسم سمجھا جا سکتا تھا۔ اوس۔ خزرج قریش یا مہاجرین یا مکی۔ قبیلہ خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ تھے۔ اُن کے مکان کے متعلق ایک وسیع نشست گاہ تھی۔ جس کی صورت یہ تھی کہ ایک وسیع چبوترہ تھا۔ اُس کے اوپر سائبان پڑا ہوا تھا۔ اُسی کو سقیفۂ بنی ساعدہ کہتے تھے۔

بیعت: آنحضرت صلعم کی وفات کا حال سُن کر ایک طرف مسجد نبوی میں لوگ جمع ہو گئے تھے اُن میں قریباً سب مہاجرین تھے۔ کیونکہ مہاجرین کے مکانات اسی محلّہ میں زیادہ تھے۔ یہاں انصار بہت کم تھے۔ دوسری طرف بازار کے متصل سقیفۂ بنی ساعدہ میں مسلمانوں کا اجتماع تھا۔ اس مجمع میں تقریباً سب انصار ہی تھے۔ کوئی ایک دو مہاجر بھی اتفاقاً وہاں موجود تھے۔ اسلام کی ابتداء اور اس کی نشو و نما۔ مخالفین کی کوششیں۔ جنگ و پیکار کے

ہنگامے۔ شرک کا مغلوب و معدوم ہونا اور اسلامی قانون و اسلامی آئین کے سامنے سب کا گردنیں جُھکا دینا سب کچھ اُن لوگوں کے پیش نظر تھا اور وہ جانتے تھے کہ یہ نظام اب وفاتِ نبوی کے بعد دُنیا میں اُسی وقت بحسن و خوبی قائم رہ سکتا ہے کہ آپ کا جانشین منتخب کرلیا جائے۔

مسجدِ نبویؐ میں حضرت عمر فاروقؓ کے عاشقانہ جذبہ نے لوگوں کو کچھ سوچنے اور مسئلہ خلافت پر غور کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ وفات نبوی کی خبر سُن کر اگر جلد یہاں نہ پہنچ جاتے تو خدا جانے مسجد نبویؐ میں عشاقِ نبویؐ کی یہ حیرت و اضطراب کی حالت کب تک قائم رہتی۔ لیکن دوسرے مجمع کی جو سعد بن عبادہ کی نشست گاہ میں تھا یہ حالت نہ تھی۔ وہاں انتخابِ خلیفہ کے متعلق گفتگو ہوئی چونکہ وہ مجمع انصار ہی کا تھا۔ اور ایک سردار قبیلہ کی نشست گاہ میں تھا جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے۔ اور قبیلہ خزرج تعدادِ نفوس اور مال و دولت میں انصار کے دوسرے قبیلہ اوس سے فائق و برتر تھا۔ لہٰذا اُس مجمع کی گفتگو اور اظہارِ خیالات کا نتیجہ یہ تھا کہ حضرت سعد بن عبادہ کو خلیفہ یعنی جانشین رسول اللہؐ تسلیم کیا جائے۔

مہاجرین کی تعداد اگرچہ مدینہ میں انصار سے کم تھی۔ لیکن اُن کی اہمیت اور اُن کی بزرگی و عظمت کا انصار کے قلوب پر ایسا اثر تھا۔ کہ جب حضرت سعد نے خلافت کو انصار ہی کا حق ثابت کرنا چاہا تو انصار کے ایک شخص نے اعتراض کیا کہ مہاجرین انصار کی خلافت کو کیسے تسلیم کریں گے۔ اس پر ایک دوسرے انصاری نے کہا کہ اگر انھوں نے تسلیم نہ کیا۔ تو ہم ان سے کہہ دیں گے کہ ایک خلیفہ تم اپنا مہاجرین میں سے بنا لو اور ایک خلیفہ ہم نے انصار میں سے بنا لیا ہے حضرت سعد نے کہا کہ نہیں یہ ایک کمزوری کی بات ہے۔ ایک اور انصاری نے کہا کہ اگر مہاجرین نے ہمارے خلیفہ کو تسلیم نہ کیا۔ تو ہم اُن کو بذریعہ شمشیر مدینہ سے نکال دیں گے اُس مجمع میں جو چند مہاجرین تھے اُنھوں نے انصار کی مخالفت میں آواز بلند کی اس طرح اِس مجمع میں بحث و تکرار شروع ہوگئی۔ ممکن تھا کہ یہ ناگوار صورت ترقی کر کے جنگ و پیکار تک نوبت پہنچ جاتی۔

یہ خطرناک رنگ دیکھ کر حضرت مغیرہؓ بن شعبہ وہاں سے چلے اور مسجدِ نبویؐ میں آکر سقیفہ بنی ساعدہ کی روداد سُنائی۔ یہاں مسجد نبویؐ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی تقریر ختم کر کے تجہیز و تکفین کے سامان کی تیاری میں مصروف ہو چکے تھے۔ اس وحشت انگیز خبر کو سُن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے ہمراہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف

روانہ ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسرے صحابہ کو تجہیز و تکفین کے کام کی تکمیل میں مصروف چھوڑ گئے۔ اگر اُس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ ذرا بھی تامل فرماتے تو خدا جانے کیسے کیسے خطرات رُونما ہو جاتے یہ تینوں بزرگ اُس مجمع میں پہنچے تو وہاں ایک عجیب افراتفری اور تُوتُو مَیں مَیں کا عالم برپا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے وہاں اُس مجمع کو مخاطب کر کے کچھ بولنا چاہا۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ نے روک دیا۔ اور خود کھڑے ہو کر نہایت وقار و سنجیدگی کے ساتھ تقریر فرمائی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ ابھی تھوڑی دیر ہوئی حضرت عمر فاروقؓ کی از خود رفتگی دیکھ چکے تھے کہ وہ مسجدِ نبویؐ میں شمشیر بدست پھر رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے۔ کہ جو کوئی یہ کہے گا۔ کہ آنحضرت صلعم فوت ہو گئے۔ میں اُس کا سر اُڑا دوں گا۔ لہٰذا حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اندیشہ ہوا کہ یہاں بھی کہیں فرطِ جوش اور وفورِ غم میں کوئی اسی قسم کی بات نہ کہہ گذریں۔ لہٰذا انھوں نے خود مجمع کو مخاطب فرما کر تقریر شروع کی اور اسی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اُنھوں نے فرمایا اوّل مہاجرین اُمرا ہوں گے اور انصار وزرا۔ آپ کی تقریر سُن کر حضرت حبابؓ بن المنذر بن الجموح نے فرمایا کہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت حباب انصاری کو جواب دیا۔ کہ تم کو خوب یاد ہو گا۔ کہ آنحضرت صلعم نے مہاجرین کو وصیت کی ہے کہ انصار کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ انصار کو وصیت نہیں کی کہ مہاجرین کے ساتھ رعایت کا برتاؤ کرنا۔ یہ دلیل اس بات کی ہے۔ کہ حکومت و خلافت مہاجرین میں رہے گی۔ حضرت حبابؓ بن المنذرؓ نے فوراً حضرت عمر فاروقؓ کے کلام کو قطع کیا اور خود کچھ فرمانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت حبابؓ دونوں زور زور سے باتیں کرنے لگے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے دونوں کو روکنے اور خاموش کرنے کی کوشش کی۔ اتنے میں حضرت بشیرؓ بن النعمان بن کعب بن الخزاج انصاری کھڑے ہوئے اور انھوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلعم بے شک قبیلۂ قریش سے تھے لہٰذا اُن کی قوم یعنی قریش کے لوگ ہی خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ ہم لوگوں نے بے شک دین اسلام کی نصرت کی اور ہم سابق بالایمان ہیں۔ لیکن ہمارا اسلام لانا اور رسول اللہؐ کی امداد کے لئے مستعد ہو جانا محض اس لئے تھا۔ کہ خدائے تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے۔ اس کا معاوضہ ہم دنیا میں نہیں چاہتے۔ اور نہ ہم خلافت و امارت کے معاملہ میں مہاجرین سے کوئی جھگڑا کرنا پسند کرتے ہیں۔ حبابؓ بن المنذر نے کہا کہ بشیرؓ تو نے اس وقت بھی

بزدلی کی بات کہی۔ اور بنے بنائے کام کو بگاڑنا چاہا ہے۔ حضرت بشیرؓ نے کہا کہ میں نے بزدلی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ میں نے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ ایک ایسی قوم سے خلافت وامارت کے متعلق جھگڑا کرو جو خلافت وامارت کی مستحق ہے۔ کیا اے حبابؓ تو نے سُنا نہیں۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ الائمۃ من قریش (امام قریش ہیں سے ہوں گے) حضرت بشیرؓ کے اس کلام کی بعض دوسرے انصار نے بھی تائید وتصدیق کی اور اس باخدا قوم نے اپنے دنیوی اور مادی خدمات کو اپنے دینی وروحانی جذبات پر غالب نہ ہونے دیا۔ حضرت حبابؓ بن المنذر بھی یہ باتیں سُن کر خاموش ہوگئے اور انھوں نے فوراً اپنی رائے تبدیل کرلی۔

اُن کے خاموش ہوتے ہی یک لخت تمام مجمع پر سکون وخاموشی طاری ہوگئی اور خلافت کے متعلقین مہاجرین وانصار کا نزاع یکایک دُور ہوگیا۔ اب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ یہ عمرؓ اور ابو عبیدہؓ موجود ہیں تم ان دونوں میں سے ایک کو پسند کرلو۔ حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں۔ یہ غار میں رسول اللہ صلعم کے رفیق تھے۔ نماز کی امامت کرانے میں رسول اللہ صلعم نے ان کو اپنا قائم مقام بنایا۔ حالانکہ نماز امورِ دین میں سب سے افضل شے ہے۔ پس حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا خلافت وامارت کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ یہ فرمانے کے بعد سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور اُن کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت بشیرؓ بن سعد انصاری نے بیعت کی۔ پھر تو یہ کیفیت پیدا ہوئی کہ چاروں طرف سے لوگ بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ یہ خبر باہر پہنچی اور لوگ سنتے ہی دوڑ پڑے۔ غرض تمام مہاجرین وانصار نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بلا اختلاف متفقہ طور پر بیعت کرلی۔

انصار میں سے صرف حضرت سعد بن عبادہؓ نے اور مہاجرین میں سے اُن لوگوں نے جو تجہیز وتکفین کے کام میں مصروف تھے اُس وقت سقیفہ بنو ساعدہ میں بیعت نہیں کی۔ حضرت سعد نے تھوڑی دیر بعد اُسی روز حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت زبیرؓ وطلحہؓ نے مہاجرین میں سے چالیس روز تک محض اس شکایت کی بنا پر بیعت نہیں کی کہ سقیفہ بنو ساعدہ کی بیعت میں ہم کو کیوں شریکِ مشورہ نہیں کیا گیا۔

حضرت علیؓ ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے اور کہا کہ میں آپ کی فضیلت واستحقاقِ خلافت کا منکر نہیں ہوں لیکن شکایت یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلعم کے قریبی رشتہ

دار ہیں۔ آپ نے سقیفۂ بنو ساعدہ میں ہم سے مشورہ کئے بغیر کیوں لوگوں سے بیعت لی۔ آپ اگر ہم کو وہاں بُلوا لیتے تو ہم بھی سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا مجھ کو اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنے سے زیادہ عزیز و محبوب ہے۔ میں سقیفہ میں بیعت لینے کی غرض سے نہیں گیا تھا۔ بلکہ مہاجرین و انصار کے نزاع کا رفع کرنا نہایت ضروری تھا دونوں فریق لڑنے اور مارنے مرنے پر تیار تھے۔ میں نے خود اپنی بیعت کی درخواست نہیں کی بلکہ حاضرین نے خود بالاتفاق میرے ہاتھ پر کی۔ اگر اُس وقت میں بیعت لینے کو ملتوی رکھتا تو اس اندیشہ اور خطرہ کے دوبارہ زیادہ طاقت سے نمودار ہونے کا قوی احتمال تھا۔ تم جب کہ تجہیز و تکفین کے کام میں مصروف تھے۔ تو میں اس عجلت میں تم کو کیسے وہاں سے بُلوا سکتا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ باتیں سُن کر فوراً شکایت واپس لی اور اگلے روز مسجد نبوی میں مجمع عام کے روبرو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت ابوبکرؓ کا خطبہ بیعت سقیفہ سے واپس آ کر اگلے روز تجہیز و تکفین نبوی صلعم سے فارغ ہو کر مسجد نبویؐ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ممبر پر بیٹھ کر بیعت عامہ لی۔ بعد ازاں کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا اور حمد و نعت کے بعد لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

کہ "میں تمہارا سردار بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، پس اگر میں نیک کام کروں تو تمہارا فرض ہے کہ میری مدد کرو اور اگر میں کوئی غلط راہ اختیار کروں تو فرض ہے کہ تم مجھ کو سیدھے راستے راستہ پر قائم کرو۔ راستی و راست گفتاری امانت ہے اور دروغ گوئی خیانت۔ تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے۔ جب تک کہ میں اُس کا حق نہ دلوا دوں۔ اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے جب تک کہ میں اُس سے حق نہ لے لوں تم لوگ جہاد کو ترک نہ کرنا۔ جب کوئی قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے تو وہ ذلیل ہو جاتی ہے۔ جب تک کہ میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو۔ جب میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی کروں تو تم میرا ساتھ چھوڑ دو۔ کیونکہ پھر تم پر میری اطاعت فرض نہیں ہے"۔

اُس روز ۳۳ ہزار صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

بیعتِ سقیفہ کے بعد مدینہ منورہ اور مہاجرین و انصار میں اُس اختلاف کا نام و نشان بھی کہیں نہیں پایا گیا۔ جو بیعت سے چند منٹ پیشتر مہاجرین و انصار میں موجود تھا۔ سب کے سب اُسی طرح شیر و شکر اور ایک دوسرے کے بھائی بھائی تھے۔ یہ بھی ایک سب سے بڑی دلیل اس اَمر کی ہے۔ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو براہِ راست درس گاہِ نبوی سے متنفیض ہوئے تھے۔ پورے طور پر دین کو دنیا پر مقدم کر چکے تھے۔ اور دنیا میں کوئی گروہ اور کوئی جماعت اُن کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتی۔ جب اس بات پر غور کیا جاتا ہے۔ کہ صحابہ کرام میں سے ۳۳ ہزار صحابہ نے ایک دن میں بطیبِ خاطر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر تمام ملکِ عرب اور سارے مسلمانوں نے آپ کو خلیفہ رسول اللہ تسلیم کیا تو خلافتِ صدیقی سے بڑھ کر کوئی دوسرا اجماعِ اُمت نظر نہیں آتا۔

لشکرِ اُسامہ کی روانگی آنحضرت صلعم کی وفات سے چند ماہ پیشتر یمن و نجد کے علاقوں میں اسود و مسیلمہ کے فتنے نمودار ہو چکے تھے۔ ان ملکوں کے باشندے نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ابھی وہ پورے طور پر اسلام اور حقیقتِ اسلام سے واقف بھی نہ ہونے پائے تھے۔ کہ جھوٹے مدعیانِ نبوت کے شیطانی فتنے نمودار ہوئے۔ اور یہ نومسلم لوگ اُن کے فریب میں آگئے۔ نجد کی طرف تو وہی کیفیت برپا تھی۔ لیکن وفاتِ نبوی سے پیشتر اسود عنسی کا کام ہو چکا تھا۔ مگر یمن کی طرف ابھی زہریلے اثر اور سامانِ فتن کا بکلی استیصال نہیں ہوا تھا۔ وفاتِ نبویؐ کی خبر تمام برِاعظم عرب میں نہایت سُرعت اور برق رفتاری کے ساتھ پھیل گئی۔ اور پھیلنی چاہیے تھی۔ اس خبر نے ایک طرف جدید الاسلام اور محتاجِ تعلیم قبیلوں کے خیالات میں تبدیلی پیدا کر دی۔ دوسری طرف جھوٹے مدعیان نبوت کے حوصلوں اور ہمتوں میں اضافہ کر کے اُن کے کاروبار میں قوت و ترقی پیدا کر دی۔ ہر ملک اور ہر قوم میں واقعہ پسند اور فتنہ پرداز لوگ بھی ہر زمانے میں ہوا ہی کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو بھی از سرِ نو اپنی شرارتوں کے لئے مناسب مواقع میسر آئے۔ شہرت طلب افراد اور حکومت پسند قبائل بھی اپنی مطلق العنانی اور تن آسانیوں کے لئے تدابیر سوچنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف سے ارتداد کی خبریں آنی شروع ہوئیں۔ یہ خبریں اس تسلسل اور اس کثرت سے مدینہ میں آئیں کہ اُن کو سُن سُن کر صحابہ کرام کی آنکھوں کے سامنے مصائب و آلام اور ہموم و غموم کے پہاڑ تھے۔ اور اُن کے دل و دماغ پر اتنا بوجھ پڑ گیا تھا۔ کہ انھوں نے اگر درس گاہِ نبوی اور آغوشِ رسالت میں صبر و استقامت کی تعلیم

نہ پائی ہوتی تو اُن کی اور اسلام کی بربادی بہ ظاہر یقینی تھی۔ سوائے مدینہ۔ مکہ اور طائف تین مقاموں کے باقی تمام برّاعظم عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے پوری قوت و اشتداد کے ساتھ بھڑک اٹھے تھے۔ ساتھ ہی یہ خبریں بھی پہنچیں کہ مدینۂ منورہ پر ہر طرف سے حملوں کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ آنحضرت صلعم نے حضرت اُسامہ بن زیدؓ کو اپنے مرض الموت میں شام کی جانب رومیوں کے مقابلہ کو لشکرِ اسلام کے ساتھ روانہ فرمایا تھا۔ اور آنحضرت صلعم کی علالت کے رو بہ ترقی ہونے کے سبب یہ لشکر رُکا ہوا تھا۔ اب بعد وفاتِ نبوی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس لشکر کو روانہ کرنا چاہا۔ تو صحابہ کرام نے حضرت صدیق اکبرؓ سے عرض کیا کہ ایسی حالت میں جب کہ ہر طرف سے ارتداد کی خبریں آ رہی ہیں۔ اور مدینے پر حملے ہونے والے ہیں۔ اس لشکر کی روانگی کو ملتوی کر دیا جائے۔ صدیق اکبرؓ کی قوتِ ایمان۔ قوتِ قلب۔ ہمت و شجاعت اور حوصلہ و استقامت کا اندازہ کرو کہ انھوں نے سب کو جواب دیا کہ اگر مجھ کو اس بات کا بھی یقین دلا دیا جائے کہ اس لشکر کے روانہ کرنے کے بعد مجھ کو مدینہ میں کوئی درندہ تنہا پا کر پھاڑ ڈالے گا تب بھی میں اُس لشکر کی روانگی کو ہرگز ملتوی نہ کروں گا۔ جس کو آنحضرت صلعم نے روانہ فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا۔ کہ تمام وہ لوگ جو لشکرِ اُسامہ میں شامل تھے روانگی کی تیاری کریں اور مدینہ کے باہر لشکر گاہ میں جلد فراہم ہو جائیں۔

اس حکم کی تعمیل میں صحابہ کرام اُسامہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ حضرت اُسامہ کے باپ حضرت زید بن حارثؓ چونکہ آنحضرت صلعم کے غلام تھے۔ اس لئے بعض لوگوں کے دلوں میں اُن کی سرداری سے انقباض تھا۔ نیز حضرت اُسامہؓ کی عمر اُس وقت صرف سترہ سال کی تھی۔ اِس لئے بعض لوگوں کی خواہش تھی کہ کوئی معمر قریشی سردار مقرر فرمایا جاوے۔ جب تمام لشکر باہر جمع ہو گیا۔ تو حضرت اُسامہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو (کہ وہ بھی اس لشکر کے ایک سپاہی تھے) حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر روانہ کیا کہ بڑے بڑے آدمی سب میرے ساتھ ہیں۔ آپ ان کو واپس بُلا لیں اور اپنے پاس رکھیں کیونکہ مجھکو اندیشہ ہے کہ مشرکین حملہ کر کے آپکو اور مسلمانوں کو اذیت پہنچائیں۔ حضرت عمرؓ لشکر گاہ سے سالارِ لشکر کا پیغام لے کر جب روانہ ہونے لگے۔ تو انصار نے بھی ایک پیغام حضرت عمرؓ کے ذریعہ خلیفہ کی خدمت میں روانہ کیا کہ آپ اس لشکر کا سردار کوئی ایسا شخص مقرر فرمائیں جو اُسامہؓ سے زیادہ عمر کا ہو اور شریف النسل ہو۔ حضرت عمرؓ نے آکر اوّل حضرت اُسامہؓ کا پیغام عرض کیا۔ تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اس لشکر کے روانہ کرنے سے اگر تمام بستی خالی ہو جائے اور میں تن تنہا رہ جاؤں اور درندے مجھ کو اٹھا کر لے جائیں۔ تب بھی اُس لشکر کی روانگی ملتوی نہیں ہو سکتی۔ پھر انصار کا پیغام سُن کر فرمایا کہ اُن

کے دلوں میں ابھی تک فخر وتکبر کا اثر باقی ہے یہ کہہ کر آپ خود اُٹھے اور اُس لشکر کو رخصت کرنے کے لئے پیدل مدینے سے باہر لشکر گاہ تک تشریف لائے۔ حضرت اسامہؓ کو معہ لشکر رخصت کیا۔ اور خود حضرت اُسامہؓ کی رکاب میں باتیں کرتے ہوتے چلے۔ حضرت اُسامہ نے عرض کیا کہ یا تو آپ سوار ہو جائیے یا میں سواری سے اُتر کر پیدل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ میں سوا نہ ہوں گا۔ اور تم کو سواری سے اُترنے کی ضرورت نہیں۔ اور میرا کیا نقصان ہو گا اگر میں تھوڑی دُور خدا کی راہ میں بطریق مشایعت تمھاری رکاب میں پیدل چلوں۔ صدیق اکبرؓ کا یہ طریق عمل انصار کے اُس مذکورہ پیغام کا کافی جواب تھا۔ آپ کو اُسامہؓ کی رکاب میں اس طرح پیدل چلتے ہوتے دیکھ کر تمام لشکر حیران رہ گیا۔ اور سب کے دلوں میں وہ انقباض دور ہو کر اُس کی جگہ فرماں برداری اور خلوص کے جذبات پیدا ہو گئے۔

اُسامہ کو نصیحت آپ نے اُسامہؓ کو اُن کی سواری کے ساتھ ساتھ پیدل چلتے ہوئے دس باتوں کی نصیحت اور وصیت کی۔ آپ نے فرمایا۔

"(۱) خیانت نہ کرنا (۲) جھوٹ نہ بولنا (۳) بدعہدی نہ کرنا (۴) بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا (۵) کسی ثمر دار درخت کو نہ کاٹنا نہ جلانا (۶) کھانے کی ضرورت کے سوا اونٹ بکری گائے وغیرہ کو ذبح نہ کرنا (۷) جب کسی قوم پر گذرو تو اُس کو نرمی سے اسلام کی طرف بلاؤ (۸) جب کسی سے ملو اُس کے حفظِ مراتب کا خیال رکھو (۹) جب کھانا تمھارے سامنے آئے تو اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرو (۱۰) یہودیوں اور عیسائیوں کے اُن لوگوں سے جنھوں نے دنیا وی تعلقات سے الگ ہو کر اپنے عبادت خانوں میں رہنا اختیار کر رکھا ہے۔ کوئی تعرض نہ کرو۔ اُن تمام کاموں میں جن کے کرنے کا حکم آنحضرت صلعم نے تم کو دیا۔ نہ کمی کرنا نہ زیادتی۔ اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں کفّار سے لڑو۔"

صدیق اکبرؓ اُسامہؓ کو یہ نصیحتیں کر کے مقام جرف سے واپس لوٹے۔ واپس ہوتے وقت آپ نے اُسامہؓ سے کہا کہ "اگر تم اجازت دو تو عمرؓ میری مدد اور مشورے کے لئے میرے پاس رہ جائیں۔" حضرت اُسامہؓ نے فوراً حضرت عمر فاروقؓ کو مدینے میں رہنے کی اجازت دے دی اور وہ اس لشکر سے جُدا ہو کر حضرت ابو بکرؓ صدیقؓ کے ساتھ مدینے میں تشریف لے آئے۔

اس جگہ غور کرنے کے قابل بات یہ ہے کہ خلیفۂ وقت اپنے حکم سے حضرت عمرؓ کو روک سکتے تھے۔ مگر انھوں نے حضرت اُسامہؓ سے باقاعدہ اجازت حاصل کرنی ضروری

بھی۔ یہ بھی اُس لشکر کے لئے ایک نہایت ضروری اور اہم نصیحت تھی۔ جو خلیفۂ وقت نے اپنے نمونے کے ذریعہ کی۔

اُسامہ کی کامیابی حضرت اُسامہؓ نے آنحضرت صلعم کے ارشاد کے موافق درون و بلقا کی وادیوں میں پہنچ کر رومیوں کے لشکر سے لڑائی شروع کردی رومیوں کو شکست دے کر اور بے شمار مالِ غنیمت اور قیدی لے کر چالیس دن کے بعد مدینہ میں واپس آئے۔ اس لشکر کی روانگی بظاہر بے حد خطرناک معلوم ہوتی تھی۔ مگر اس کے نتائج اسلام اور مسلمانوں کے لئے بے حد مفید ثابت ہوئے۔ مُلک کی اس شورش و بدامنی کے زمانے میں لشکرِ اسلام کا اس طرح رومیوں پر حملہ آور ہونا گویا تمام مرتدین اور باغیوں کو بتا دینا تھا کہ ہم تمہاری ان سرکشیوں اور تیاریوں کو ایک پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتے۔ اس ہمت و طاقت کے عملی اشتہار و اعلان نے سرکشوں اور باغیوں کے حوصلوں کو پست کرکے اُن کو فکر و تردد میں مبتلا کر دیا۔ اور وہ بجائے اس کے کہ بے تحاشہ سب کے سب مسلمانوں کی بیخ کنی پر پل پڑتے اپنی اپنی جگہ یہ تحقیق کرنے لگے۔ کہ مسلمانوں کو مغلوب کیا جا سکتا ہے یا نہیں یہی وجہ ہے کہ طلیحہ اسدی اور مسیلمہ کذاب وغیرہ وغیرہ مدعیانِ نبوت اپنے اپنے علاقوں سے باہر قدم نہیں نکال سکے۔ اور منکرینِ زکوٰۃ وغیرہ سرکش قبائلِ مخالفتِ اسلام کا قطعی فیصلہ نہ کر سکے۔ حضرت اُسامہؓ کا رومیوں کے لشکر پر فتح مند ہونا اور سالماً غانماً واپس آنا اور اس خبر کا ملک میں شہرت پانا اور بھی زیادہ مفید ثابت ہوا۔ چونکہ مالِ غنیمت بھی خوب ہاتھ آگیا تھا۔ لہٰذا آئندہ سرکشوں کو درست کرنا اور مُلک کے امن و امان کو بحال کرنے میں اس غنیمت سے مسلمانوں کو بڑی امداد ملی اور فوجی دستوں کی روانگی میں سامان سفر کی تیاریاں زیادہ تکلیف نہیں ہو سکیں۔

فتنۂ ارتداد عام طور پر لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد مدینہ، مکہ و طائف کے سوا تمام ملک عرب ایسا مُرتد ہو گیا کہ لوگ توحید کو چھوڑ کر شرک میں مبتلا ہو گئے اور خدا کی جگہ بُتوں کی پوجا کرنے لگے تھے۔ حالانکہ یہ سمجھنا سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ بات یہ تھی کہ کذابین یعنی جھوٹے مدعیانِ نبوت بھی نمازوں وغیرہ عبادات کے منکر نہ تھے اور ارتداد کفر و شرک کے لئے نہ تھا بلکہ بعض ارکانِ اسلام بالخصوص زکوٰۃ سے لوگوں نے انکار کیا۔ اس ارتداد کا سبب قبائل عرب کی قدیمی مطلق العنانی اور آزاد منشی تھی۔

اسلام نے لوگوں پر زکوٰۃ فرض کی تھی۔ یہ ایک ٹیکس تھا۔ جو علیٰ قدر مال و دولت صاحب نصاب لوگوں کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس ٹیکس یا اخراج کو وہ آزادی کے خوگر لوگ اپنے لئے ایک بارگراں محسوس کرتے تھے۔ جو ابھی اچھی طرح ذائقہ اسلام کے چاشنی چش نہ ہوئے تھے انھوں نے اس اسلامی خراج کی ادائیگی سے انکار کیا۔ باقی مذہب اسلام سے اُن کو انکار نہ تھا۔ زکوٰۃ کا انکار چونکہ قبائل کے مزاج اور مادی خواہشات وجذبات کے مناسب حال تھا۔ لہٰذا اس انکار میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک فوراً تمام ملک شریک ہوگیا۔ یہ چونکہ ایک سرکشی تھی لہٰذا نومسلم سرکشوں کو مسیلمہ وطلیحہ وغیرہ کذابین نے اپنی طرف جذب کرنے اور مالی عبادات کے علاوہ جسمانی عبادات میں بھی تخفیف کرکے اپنی اپنی نبوت منوانے کا موقع پایا۔

بہر حال شرک اور بت پرستی کا مسئلہ مطلق زیر بحث نہ تھا مگر دینِ اسلام نے نوعِ انسان میں جو شیرازہ بندی اور نظام قائم کرنا چاہا تھا۔ وہ نظام بظاہر درہم برہم ہوا چاہتا تھا۔ اس عظیم الشان خطرہ کا علاج مشرکین وکفار کی معرکہ آرائیوں سے زیادہ سخت اور دشوار تھا۔ کیونکہ منکرینِ زکوٰۃ کے عزائم اور اعلانات سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ کرام کو جمع کرکے مجلسِ مشورت منعقد کی تو بعض صحابہ کی یہ رائے ہوئی کہ منکرینِ زکوٰۃ کے ساتھ مشرکین وکفار کی طرح قتال نہیں کرنا چاہیے۔ مگر یہ رائے بھی اسی طرح کمزور تھی جیسی کہ لشکرِ اسامہؓ کی روانگی کے خلاف بعض لوگوں نے ظاہر کی تھی جس طرح اس رائے کو صدیق اکبرؓ نے نہیں مانا تھا۔ اسی طرح اس کمزور رائے کو بھی انھوں نے قابلِ قبول نہیں سمجھا۔ اور فرمایا کہ "خدا کی قسم اگر زکوٰۃ کا ایک جانور یا ایک دانہ بھی کوئی قبیلہ ادا نہ کرے گا۔ تو میں اُس سے ضرور قتال کروں گا۔"

مرتدین کے وفود مدینہ منورہ میں آئے اور انھوں نے درخواست کی "نمازیں ہم پڑھتے ہیں زکوٰۃ ہم کو معاف کردو۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہ صاف جواب سن کر وہ اپنے اپنے قبائل میں واپس گئے۔ یکایک تمام ملک میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس عزم راسخ کی خبر پھیل گئی اور مرتدین یا منکرینِ زکوٰۃ مقابلہ اور معرکہ آرائی کے لئے تیار ہوگئے۔ صوبوں کے عاملوں نے اپنے اپنے صوبوں کے باغی ہوجانے اور زکوٰۃ وصول نہ ہونے کی اطلاعیں بھیجیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پوری مستعدی۔ کامل ہمت واستقلال کے ساتھ ایک بیدار مغز اور ملک دار شہنشاہ کی حیثیت سے عاملوں کے نام مناسب ہدایات اور سردارانِ قبائل کے نام خطوط روانہ کئے۔ جیشِ اسامہؓ اُدھر رومیوں سے برسرِ پیکار تھا۔ اِدھر مرتدین جو مدینہ کے نواح میں جمع ہوگئے تھے

مدینہ پر حملہ کی دھمکی دے رہے تھے۔ دور دراز علاقوں کے مرتدین کے پاس پُر شوکت و باسطوت تہدیدی خطوط حضرت ابوبکر صدیقؓ روانہ کر رہے تھے۔ اور نواحی باغیوں کے حملوں کی مدافعت و مقابلہ کی تیاریوں سے بھی غافل نہ تھے۔

آپ نے مدینہ منورہ کے موجودہ مسلمانوں کے قابلِ جنگ لوگوں کو مسجد نبوی کے سامنے ہمہ وقت موجود و مستعد رہنے کا حکم دے رکھا تھا۔ اور حضرت علیؓ۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو مدینہ منورہ کے گرد گشت لگانے اور پہرہ دینے پر مامور کر دیا تھا۔ کہ اگر مدینہ پر کوئی قبیلہ حملہ آور ہو تو فوراً اُس کی اطلاع حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پہنچ سکے مقام ابرق میں قبیلہ عبس اور مقام ذی القصہ میں قبیلۂ ذبیان کا جماؤ تھا۔ بنو اسد اور بنو کنانہ کے بھی کچھ لوگ اس میں شامل تھے۔ عبس اور ذبیان کو جب یہ معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ میں بہت تھوڑے سے آدمی باقی ہیں۔ اور زکوٰۃ کے معاف کرنے سے صدیق اکبرؓ نے صاف انکار کر دیا ہے تو انھوں نے متفق ہو کر مدینے پر حملہ کر دیا۔ ان حملہ آوروں کو حضرت علیؓ و زبیرؓ و طلحہؓ و ابن مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدینے سے باہر ہی روکا اور مدینہ میں صدیق اکبرؓ کے پاس خبر بھیجی۔ ادھر سے بلا توقف کمک روانہ ہوئی مسلمانوں نے ذی خشب تک اُن کو پسپا کر دیا۔ اور وہ ہزیمت پاکر بھاگ نکلے۔ مگر دوسرے راستے سے دف اور قسم قسم کے باجے بجاتے ہوئے لوٹے۔ جس سے مسلمانوں کے اونٹ ایسے بدکے اور ڈر کر بھاگے کہ مدینہ ہی میں آکر دم لیا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ خود مدینہ سے باہر نکلے اور دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ مرتدین کو پانچ چھ گھنٹہ کی خوں ریز جنگ کے بعد شکست فاش حاصل ہوئی اور بہت سے مسلمانوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئے۔

حضرت نعمان بن مقرنؓ اور ایک چھوٹی سی جماعت کے ہمراہ مالِ غنیمت تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مدینہ میں بھیجا اور خود دشمنوں کے تعاقب میں روانہ ہو کر مقام ذی القصہ تک بڑھتے چلے گئے۔ ادھر دشمنوں کی ایک بڑی جمعیت نے دھوکہ دے کر اور نظر بچا کر مدینہ پر حملہ کر دیا۔ اور چند مسلمانوں کو شہید کر کے اور مالِ غنیمت واپس چھین کر چل دیئے۔ جب ابوبکر صدیقؓ واپس لوٹے اور یہ حال سُنا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور قسم کھائی کہ جس قدر مسلمان مرتدین کے ہاتھ سے شہید ہوئے ہیں۔ جب تک اتنے ہی مرتدین کو قتل نہ کر لوں گا۔ چین سے نہ بیٹھوں گا۔ غرض آپ اسی عزم و تہیہ میں تھے کہ حضرت اسامہؓ مع مالِ غنیمت مدینے میں داخل ہوئے۔ آپ

نے اُسامہؓ اور اُن کے لشکر کو تو مدینہ میں چھوڑا کہ وہ اور اُن کا لشکر جو سفر سے تھکا ہوا آیا ہے مدینہ میں آرام کریں اور خود مدینہ کے مسلمانوں کی مختصر سی جمعیت لے کر ذی خشب اور ذی قصہ کی طرف خروج کیا۔ مقام ابرق میں عبس و ذبیان و بنو بکر و ثعلبہ بن سعد وغیرہ قبائل برسرِ مقابلہ ہوئے۔ نہایت سخت لڑائی ہوئی۔ انجام کار مرتدین شکست یاب ہو کر فرار ہوئے۔ مقام ابرق میں حضرت صدیق اکبرؓ نے قیام کیا اور بنو ذبیان کے مقامات مسلمانوں کو دے دیئے۔ اُن کی چراگاہیں مجاہدین کے گھوڑوں کے لئے وقف فرما دیں۔ وہاں سے آپ مقام ذی القصہ تک تشریف لے گئے اور دشمنوں کی قرار واقعی گوشمالی کی۔ پھر مدینہ منورہ میں واپس تشریف لے آئے۔ اب لشکر اُسامہؓ بھی ستا لیا تھا۔

مُلکِ عرب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جن لوگوں سے مقابلہ و مقاتلہ در پیش تھا۔ اُن کی دو قسمیں تھیں۔ اوّل وہ لوگ جو نجد و یمن و حضر موت وغیرہ کی طرف مسیلمہ و طلیحہ و سجاح وغیرہ جھوٹے مدعیانِ نبوت کے ساتھ متفق ہو گئے تھے اُن لوگوں سے لڑنے یا قتال کرنے میں کسی صحابی کو اختلاف نہ تھا۔ دوسرے وہ قبائل جو زکوٰۃ کے ادا کرنے سے انکار کرتے تھے اُن سے قتال کرنے کو بعض صحابہ نے نامناسب خیال کیا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اظہار رائے کے بعد سب صحابی اُن کی رائے سے متفق ہو گئے تھے۔ ان دونوں قسم کے لوگوں میں کچھ فرق تو ضرور تھا۔ لیکن مسلمانوں نے جب کہ دونوں کے مقابلہ و مقاتلہ کو یکساں ضروری قرار دیا۔ تو پھر اُن دونوں میں کوئی فرق و امتیاز باقی نہ رہا تھا۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ دونوں گروہ دنیا طلبی اور مادیت کے ایک ہی سلاب میں بہہ گئے تھے۔ جن کو صدیقی تدبیر و روحانیت نے غرق ہونے سے بچایا اور اس طوفانِ ہلاکت آفرین سے نجات دلا کر مُلکِ عرب کا بیڑا ساحل نور و فلاح تک صحیح سلامت پہنچایا۔

صدیقِ اکبر کا فرمان

صدیق اکبرؓ نے مدینہ منورہ میں آتے ہی اوّل ایک فرمان لکھا اور اُس کی متعدد نقلیں کرا کر قاصدوں کے ذریعہ ہر مرتد قبیلہ کی طرف ایک ایک فرمان بھیجا کہ اوّل جا کر تمام قبیلے کے لوگوں کو ایک مجمع میں بُلا کر یہ فرمان سب کو سُنا دیا جائے۔ اس فرمان یا منشور عام کا مضمون یہ تھا کہ :-

"ابوبکرؓ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہر اُس شخص کو جس کے پاس یہ فرمان پہنچے خواہ وہ اسلام پر قائم ہو یا اسلام سے پھر گیا ہو معلوم

ہونا چاہیے۔ کہ فانی احمد الیکم اللہ الذی لا الٰہ الا ھو وحدہ لاشریک لہٗ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ وآمن بما جاء واکفر من ابی واجاھدہ۔ اما بعد خدائے تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا نبیؐ بنا کر بھیجا۔ جو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے اور خدا کے حکم سے لوگوں کو خدا کی طرف بلانے والے ہیں۔ اور ہدایت کے سراجِ منیر ہیں۔ جو شخص دعوتِ اسلام کو قبول کرتا ہے۔ خدائے تعالیٰ اُس کو ہدایت دیتا اور کامیابی کا سیدھا راستہ بتا دیتا ہے اور جو انکار کرتا ہے بحکم الٰہی اُس کو بذریعہ جہاد انقیاد و فرماں برداری کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ احکامِ الٰہی کو نافذ فرمانے، مسلمانوں کو نصیحت کرنے اور اپنے فرائض تبلیغ کو بخوبی سرانجام دینے کے بعد آنحضرت صلعم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ خدائے تعالیٰ نے اس کی خبر قرآنِ مجید میں پہلے سے ہی دے دی تھی۔ کہ انک میت و انھم میتون (تم بھی مرنے والے ہو اور وہ بھی مرنے والے ہیں) و جعلنا لبشر من قبلک الخلد افان مت فھم الخالدون (تم سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی سو کیا اگر تم مر جاؤ گے تو وہ ہمیشہ رہیں گے) اور مسلمانوں کو یوں مخاطب کر کے سمجھا دیا۔ کہ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ومن ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً وسیجزی اللہ الشاکرین (محمدؐ تو صرف رسول ہیں۔ اُن سے پہلے بہت سے رسول ہو گذرے ہیں۔ پس اگر یہ مر گئے یا مقتول ہوئے۔ تو تم پچھلے پاؤں پھر جاؤ گے۔ اور جو شخص مر جائے گا۔ اللہ کا وہ کچھ نہ بگاڑے گا۔ اور اللہ تعالیٰ شکر گذار لوگوں کو نیک بدلہ دے گا) پس جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا تو محمد صلعم تو بلاشک فوت ہو گئے اور جو اکیلے خدا کی پرستش کرتا تھا۔ تو خدا زندہ اور قائم ہے۔ نہ وہ فوت ہوا۔ نہ اُس کو نیند اور نہ اونگھ چھو سکتی ہے۔ وہ اپنے حکم کی نگہداشت کرتا ہے۔ اور اپنی جماعت کے ذریعے دشمنوں سے بدلہ لینے والا ہے۔ میں تم کو خدا سے ڈرنے۔ نبیؐ کے لائے ہوئے نور اور خدا کی رحمت سے حصہ لینے۔ اسلام کی ہدایت اختیار کرنے اور دینِ الٰہی کی مضبوط

رسّی کے پکڑنے کی وصیّت کرتا ہوں۔ جس کو خدا نے ہدایت نہ کی وہ گمراہ ہوا اور جس کو خدا نے عافیت عنایت کی وہ مصیبت میں مبتلا ہوا۔ جس کی خدا مدد نہ کرے وہ یکہ و تنہا اور بے یار و مددگار رہے۔ انسان جب تک اسلام کا انکار کرے دنیا و آخرت میں کوئی عمل اُس کا مقبول نہیں ہو سکتا۔ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے لوگوں نے اسلام قبول کرنے اور اُس کے احکام کی تعمیل کرنے کے بعد خدا سے منہ موڑ کر جہالت اور شیطان کی اطاعت کی طرف رجوع کیا ہے کیا تم اللہ کو چھوڑ کر شیطان اور اُس کی ذرّیت کو دوست بناتے ہو۔ جو تمھارے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شیطان تمھارا دشمن ہے۔ پس تم بھی اُس کو اپنا دشمن بناؤ۔ کیونکہ وہ تو اپنے گروہ کو تمھارے دوزخی بنانے کے لئے آمادہ کرتا ہے۔ میں تمھاری طرف مہاجرین و انصار کے لشکر کو روانہ کرتا ہوں۔ جو نیکی کی پیروی کرنے والے ہیں۔ میں نے ان کو حکم دیا ہے کہ اوّل اسلام کی دعوت دیئے بغیر کسی سے مقابلہ نہ کریں۔ میں نے حکم دیا ہے کہ جو لوگ اسلام کا اقرار کریں اور بُرائیوں سے باز رہیں۔ نیک کاموں سے انکار نہ کریں۔ اُن کی اعانت کی جائے۔ اور جو اسلام سے انکار کریں ان کا مقابلہ کیا جائے۔ اور اُن کی کچھ قدر و منزلت نہ کی جائے۔ اور بجز اسلام کے کچھ قبول نہ کریں۔ پس جو شخص ایمان لائے اُس کے لئے بہتری ہے۔ ورنہ وہ خدا کو عاجز نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے۔ کہ میرے اس اعلان کو ہر ایک مجمع عام میں پڑھ کر سُنا دے۔ جب اسلامی لشکر تمھارے قریب پہنچے اور اُن کا مؤذن اذان دے۔ تو تم بھی اُس کے مقابلہ میں اذان دو۔ یہ علامت اس بات کی ہوگی کہ تم نے اسلام کو قبول کر لیا ہے۔ تم پر حملہ نہ کیا جائے گا۔ اور اگر تم نے اذان نہ دی۔ تو تم سے بازپرس ہوگی اور درصورتِ انکار تم پر حملہ کر دیا جائے گا"

مرتدین کا استیصال ان فرامین کو قاصدوں کے ہاتھ روانہ کرنے کے بعد صدیق اکبرؓ نے گیارہ عَلَم تیار کئے اور گیارہ سردار منتخب فرما کر ایک ایک جھنڈا ہر ایک سردار کو دیا۔ ہر ایک کے ساتھ ایک ایک دستۂ فوج کیا اور حکم دیا۔ کہ مکہ و طائف وغیرہ مقامات سے۔ جہاں جہاں اسلام پر ثابت قدم قبائل ملیں اُن میں سے کچھ لوگوں کو اُن قبائل اور

اُن کے گھر بار کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیں۔ اور کچھ لوگوں کو اپنے لشکر میں شریک کرتے اور ساتھ لیتے جائیں۔ پہلا عَلم خالد بن ولیدؓ کو دیا گیا۔ اور حکم ہُوا کہ اوّل طلیحہ بن خویلد اسدی پر چڑھائی کرو۔ جب اِس مہم سے فارغ ہوجاؤ تو مقام بطاح کی طرف مالک بن نویرہ پر حملہ آور ہو۔ دوسرا عَلم عکرمہ بن ابی جہل کو دیا گیا اور حکم ہوا کہ یمامہ کی طرف مسیلمہ کذاب پر حملہ کرو۔ تیسرا عَلم شرجیل بن حسنہ کو سپرد ہوکر حکم ہوا کہ عکرمہ کی امداد کرو اور یمامہ سے فارغ ہوکر حضر موت کی طرف بنوکندہ اور بنو قضا پر حملہ آوری کرو۔ چوتھا عَلم خالد بن سعیدؓ بن العاصی کو ملا۔ اور حکم ہوا کہ تمام مُلک شام کی سرحد پر پہنچ کر اُس طرف کے قبائل کو درست کرو۔ پانچواں عَلم عمرو بن العاصی کو سپرد فرما کر حکم دیا کہ مرتدین بنو قضاعہ کی طرف جاؤ۔ چھٹا عَلم حذیفہ بن محصن کو دے کر ملکِ عمان کی طرف جانے کا حکم دیا۔ ساتواں عَلم عرفجہ بن ہرثمہ کو سپرد کرکے اہل مہرہ کی طرف جانے کا حکم دیا۔ حذیفہ اور عرفجہ کو یہ بھی حکم ملا کہ دونوں ساتھ ساتھ رہیں۔ جب ملکِ عمان میں رہیں تو حذیفہ امیر اور عرفجہ مامور ہوں گے۔ اور جب مہرہ میں ہوں تو عرفجہ امیر ہوں گے اور حذیفہ ماتحت سمجھے جائیں گے آٹھواں عَلم طریفہ بن حاجز کو دیا گیا۔ اور حکم ہوا کہ بنو سلیم اور اُن کے شریک حال بنوہوازن کی طرف جاؤ نواں عَلم سوید بن مقرن کو دیا گیا۔ اور اُن کو حکم ملا کہ یمن (تہامہ) کی جانب جاؤ۔ دسواں عَلم علاء بن الحضرمی کو دیا گیا۔ اور حکم ہوا کہ تم بحرین کی طرف جاؤ۔ گیارھواں عَلم مہاجر بن ابی امیہ کو دیا گیا! اور حکم ہوا کہ صنعاء کی طرف جاؤ۔ اِن تمام سرداروں کو روانگی کے وقت ایک ایک فرمان ایک ہی مضمون کا لکھ کر دیا گیا۔ اس فرمان کا مضمون یہ تھا۔

منشورِ صدیقی

"یہ عہد نامہ ہے ابوبکر خلیفہ رسول اللہؐ کی طرف سے جو فلاں سردار کو دیا جاتا ہے۔ جب کہ وہ لشکرِ اسلام کے ساتھ مرتدین سے لڑنے کو روانہ کیا جا رہا ہے۔ اس سردار سے ہم نے اقرار لیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ظاہراً اور باطناً اپنے تمام کاموں میں ڈرتا رہے گا۔ ہم نے اُس کو حکم دیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں مرتدین سے لڑے مگر پہلے اُن پر اتمام حجت کرے اور اُن

کو اسلام کی دعوت دے ۔ اگر وہ قبول کرے تو لڑائی سے باز رہے اگر وہ
قبول نہ کریں تو اُن پر حملہ کیا جائے ۔ یہاں تک کہ وہ اسلام کا اقرار کریں ۔
پھر اُن کو اُن کے فرائض و حقوق سے آگاہ کیا جائے جو اُن پر فرض ہے وہ
اُن سے لیا جائے ۔ اور جو اُن کے حقوق ہیں وہ اُن کو دیئے جائیں ۔ اس میں
رعایت کسی کی نہ کی جائے مسلمانوں کو دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے سے
روکا جائے ۔ جس نے احکام خداوندی کا انکار کیا اُس سے لڑائی کی جائے گی ۔
اور جس نے دعوت کو قبول کر لیا وہ بے گناہ سمجھا جائے گا ۔ اور جو شخص اقرار
باللسان کے بعد دل میں کچھ اور عقیدہ رکھتا ہوگا ۔ اُس کا حساب خدائے تعالیٰ
اُس سے لے گا ۔ جو لوگ منکر ہو کر لڑائی تک نوبت پہنچا دیں گے اور خدائے تعالیٰ
اُن پر مسلمانوں کو غلبہ عطا کرے گا ۔ تو مالِ غنیمت علاوہ خمس کے تقسیم کر دیا
جائے گا ۔ اور خمس ہمارے پاس بھیجا جائے گا ۔ ہم نے یہ بھی ہدایت کر دی
ہے کہ سردارِ لشکر اپنے ہمراہیوں کو عجلت اور فساد سے منع کرے ۔ اور کسی غیر
کو اپنے لشکر میں داخل نہ ہونے دے ۔ جب تک کہ اُس کو اچھی طرح جان
پہچان نہ لے تاکہ جاسوسوں کے فتنہ سے محفوظ رہے ۔ یہ بھی ہدایت کر دی کہ
مسلمانوں سے نیک سلوک کرے ۔ روانگی اور قیام میں لوگوں سے نرمی
کرے ۔ اور اُن پر رحم کرے نشست و برخاست اور گفتگو میں ایک دوسرے
کے ساتھ رعایت اور نرمی کو ملحوظ رکھا جائے ۔"

یہ تمام سردار ماہ جمادی الاوّل ۱۱ھ میں مدینہ منوّرہ سے روانہ ہو کر اور اپنے اپنے
مقررہ علاقوں کی طرف جا کر مصروفِ عمل ہوئے ۔

طلیحہ اسدی: - طلیحہ ایک کاہن تھا ۔ پھر اسلام میں داخل ہوا ۔ آخر زمانہ حیاتِ نبوی
میں مرتد ہو کر خود مدّعی نبوّت بن بیٹھا ۔ بنی اسرائیل کے بعض قبائل
اُس کی جماعت میں داخل ہو گئے ۔ اُس کی سرکوبی کے لئے حضرت ضرار بن الازورؓ روانہ
ہوئے تھے ۔ ابھی وہ اپنا کام ختم نہ کر چکے تھے کہ وفاتِ نبوی کی خبر مشہور ہوئی ۔ اور حضرت
ضرار اس مہم کو ناتمام چھوڑ کر معہ ہمراہیوں کے مدینہ کی طرف آئے ، طلیحہ کو اس فرصت میں اپنی
حالت درست کرنے اور جمعیت کے بڑھانے کا خوب موقع ملا ۔ غطفان و ہوازن وغیرہ کے

قبائل جو ذی القصہ و ذی خشب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے شکست کھا کر بھاگے تھے۔ طلیحہ کے پاس پہنچے تھے۔ اور اُس کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ نجد کے مشہور چشمہ بزاخہ پر طلیحہ نے اپنا کیمپ قائم کیا۔ اور یہاں غطفان۔ ہوازن۔ بنو اسد۔ بنو عامر۔ بنو طے وغیرہ قبائل کا اجتماع عظیم اُس کے گرد ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب گیارہ سردار منتخب فرما کر روانہ کرنے چاہے تو حضرت عدیؓ بن حاتمؓ مدینہ منورہ میں موجود تھے۔ وہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی روانگی سے پہلے اپنے قبیلہ طے کی طرف روانہ ہوئے۔ اور اُن کو سمجھا کر اسلام پر قائم کیا۔ اس قبیلہ کے جو لوگ طلیحہ کے لشکر میں شامل تھے۔ اُن کے پاس قبیلہ طے کے آدمیوں کو بھیجا کہ خالدؓ کے حملہ سے پہلے اپنے قبیلہ کو وہاں سے بُلا لو۔ چنانچہ بنی طے کے سب آدمی طلیحہ کے لشکر سے جُدا ہو کر آ گئے۔ اور سب کے سب اِسلام پر قائم ہو کر حضرت خالد بن ولیدؓ کے لشکر میں جو قریب پہنچ چکا تھا شامل ہو گئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے بزاخہ کے میدان میں پہنچ کر لشکر طلیحہ پر حملہ کیا۔ جنگ و پیکار اور حملہ کے عام شروع ہونے سے پیشتر لشکرِ اسلام کے دو بہادر حضرت عکاشہ بن حصنؓ اور ثابت بن اقرمؓ انصاری جو طلایہ گردی کی خدمت پر مامور تھے دشمنوں کے ہاتھ سے شہید ہو گئے تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے ثابت ابن قیسؓ کو اور بنی طے پر عدیؓ بن حاتم کو سردار مقرر کر کے حملہ کیا۔ طلیحہ کے لشکر کی سپہ سالاری اُس کا بھائی خیال کر رہا تھا۔ اور طلیحہ ایک چادر اوڑھے ہوئے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے الگ ایک طرف وحی کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ لڑائی خوب زور شور سے جاری ہوئی۔

جب مرتدین کے لشکر پر کچھ پریشانی کے آثار نمایاں ہوئے۔ تو طلیحہ کے لشکر کا ایک سردار عیینہ بن حصن طلیحہ کے پاس آیا اور کہا کہ کوئی وحی نازل ہوئی یا نہیں؟ طلیحہ نے کہا ابھی نہیں ہوئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد عیینہ نے دریافت کیا اور وہی جواب پایا۔ پھر میدان پر جا کر لڑنے لگا۔ اب دم بدم مسلمان غالب ہوتے جاتے تھے۔ اور مرتدین کے پاؤں اُکھڑنے لگے تھے۔ عیینہ تیسری مرتبہ پھر طلیحہ کے پاس گیا۔ اور وحی کی نسبت پوچھا تو اُس نے کہا کہ "ہاں جبرائیل میرے پاس آیا تھا۔ وہ کہہ گیا ہے کہ تیرے لئے وہی ہوگا۔ جو تیری قسمت میں لکھا ہے"۔ عیینہ نے یہ سُن کر کہا کہ لوگو طلیحہ جھوٹا ہے۔ میں تو جاتا ہوں۔ یہ سنتے ہی مرتدین یک لخت بھاگ پڑے۔ بہت سے مقتول، بہت سے مفرور اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ بہت سے اسی وقت

مسلمان ہو گئے۔ طلیحہ معہ اپنی بیوی کے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے بھاگا۔ اور ملکِ شام کی طرف جا کر قبیلہ قضاعہ میں مقیم ہوا۔ جب رفتہ رفتہ تمام قبائل مسلمان ہو گئے اور خود اُس کا قبیلہ بھی اسلام میں داخل ہو گیا تو طلیحہ بھی مسلمان ہو کر حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں مدینے آیا۔ اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ عیینہ بن حصن بھی گرفتار ہو کر حضرت خالد بن ولیدؓ کے سامنے آیا۔ اُس کو حضرت خالدؓ نے صدیق اکبرؓ کے پاس مدینہ میں بھیج دیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اسلام پیش کیا۔ اُس نے نہایت سختی و درشتی سے انکاری جواب دیا۔ چنانچہ وہ مقتول ہوا۔

مقام بزاخہ پر لشکرِ طلیحہ جب شکست کھا کر بھاگا ہے تو مفروروں میں عطفان و سلیم و ہوازن وغیرہ قبائل کے لوگ مقام حواب میں جا کر مجتمع ہوئے۔ اور سلمیٰ بنت مالک بن حذیفہ بن بدر بن ظفر کو اپنا سردار بنایا۔ اور مقابلہ کی تیاری میں مصروف ہوئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو یہ حال معلوم ہوا۔ تو وہ اُس طرف متوجہ ہوئے۔ سلمیٰ اپنے لشکر کو لے کر مقابلہ پر آئی۔ اور ایک ناقہ پر سوار ہو کر خود سپہ سالاری کی خدمات انجام دینے لگی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے حملہ کیا۔ سخت مقابلہ ہوا۔ سلمیٰ کے ناقہ کی حفاظت میں سَو آدمی مرتدین کے مقتول ہوئے۔ آخر سلمیٰ کا ناقہ زخمی ہو کر گرا اور سلمیٰ مقتول ہوئی۔ اُس کے مقتول ہوتے ہی مرتدین سے میدان خالی ہو گیا۔ یہاں یہ ہنگامہ برپا تھا۔

اُدھر مدینہ منورہ میں بنو سلیم کا ایک سردار الفجاۃ بن عبد یا لیل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا۔ کہ میں مسلمان ہوں۔ آپ آلاتِ حرب سے مدد کریں۔ میں مرتدین کا مقابلہ کروں گا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اُس کو اور اُس کے ہمراہیوں کو سامانِ حرب عطا کر کے مرتدین کے مقابلہ کو بھیجا۔ اُس نے مدینہ سے نکل کر اپنے ارتداد کا اعلان کیا۔ اور بنو سلیم و بنو ہوازن کے اُن لوگوں پر جو مسلمان ہو گئے تھے۔ شب خون مارنے کو بڑھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس حال سے آگاہ ہو کر فوراً عبداللہ بن قیس کو روانہ کیا۔ انھوں نے اِن دھوکہ باز مرتدین کو راستہ ہی میں جا لیا بعد مقابلہ و مقاتلہ الفجاۃ بن عبد یا لیل گرفتار ہو کر صدیقؓ اکبر کے سامنے مدینہ میں حاضر کیا گیا۔ اور مقتول ہوا۔

سجاح اور مالک بن نویرہ:۔ بنو تمیم چند قبائل پر مشتمل اور چند بستیوں میں سکونت پذیر تھے۔ اُن کے علاقے پر حیات نبوی صلعم میں چند عامل

جو کہ انھیں کی قوم کے مقرر تھے جن کے نام مالک بن نویرہ ۔ وکیع بن مالک ۔صفوان بن صفوان ۔قیس بن عاصم وغیرہ تھے ۔ جب وفات نبوی کی خبر مشہور ہوئی تو قیس بن عاصم مرتد ہو گیا ۔ مالک بن نویرہ نے بھی اس خبر کو سن کر مسرت کا اظہار کیا ۔صفوان بن صفوان اسلام پر قائم رہے اور قیس و صفوان میں جنگ شروع ہو گئی ۔ اسی اثناء میں سجاح بنت الحرث بن سوید نے جو قبیلہ تغلب سے تعلق رکھتی تھی ۔ نبوت کا دعویٰ کیا ۔ اور بنی تغلب کے سردار ہذیل بن عمران نے اور بنی نمر کے سردار عقبہ ابن ہلال اور بنی شیبان کے سردار سلیل بن قیس نے اس کے دعویٰ کو قبول کیا ۔ سجاح کے پاس چار ہزار کے قریب لشکر جمع ہو گیا ۔ وہ اس لشکر کو لے کر مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے چلی ۔ بنو تمیم کے اندر اختلاف پیدا ہو ہی گیا تھا ۔ مالک بن نویرہ نے سجاح سے مصالحت کر کے اس کو مشورہ دیا کہ بنو تمیم کے دوسرے قبائل پر حملہ کرے ۔ اور اس طرح بنو تمیم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لے کر مدینہ کی طرف جائے ۔ سجاح نے بنو تمیم پر حملہ کیا ۔ بنو تمیم نے مقابلہ کر کے اس کے لشکر کو شکست دی مگر پھر صلح ہو گئی ۔

اب سجاح مالک بن نویرہ اور وکیع بن مالک کو ہمراہ لے کر چلی ۔ تھوڑی دور جا کر اور کچھ سوچ کر یہ دونوں سردار بنو تمیم کے جدا ہو کر واپس چلے گئے ۔ سجاح اپنے لشکر کو لئے ہوئے آگے بڑھی ۔ سجاح نے اپنے پیروؤں کے لئے پنج وقتہ نماز تو لازمی رکھی تھی ۔ مگر سور کا گوشت کھانا ۔ شراب پینا اور زنا کرنا جائز قرار دے دیا تھا ۔ بہت سے عیسائی بھی اپنا مذہب چھوڑ کر اس کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے ۔

اب سجاح کو بنی تمیم کی بستیوں سے آگے بڑھ کر معلوم ہوا ۔ کہ خالد بن ولیدؓ لشکر اسلام لئے ہوئے اس طرف تشریف لا رہے ہیں ۔ ادھر مسیلمہ کذاب کی جمعیت کثیرہ کا حال سن کر اس کو تردد ہوا کہ کہیں وہ بھی نبوت کا مدعی ہونے کے سبب رقابت اور مخالفت پر آمادہ نہ ہو جائے ۔ مسیلمہ کذاب نے جب سجاح کے لشکر کا حال سنا ۔ تو وہ بھی اپنی جگہ متردد ہوا ۔ کہ ایک طرف اسلامی لشکر کا خطرہ ہے اور دوسری طرف سجاح لشکر عظیم لئے ہوئے نکلی ہے ۔ اگر اس طرف متوجہ ہو گئی تو بڑی دقت پیش آئے گی ۔ ادھر عکرمہؓ اور شرجیلؓ بھی اپنی جمعیت کو لئے ہوئے یمامہ کے قریب پہنچ چکے تھے ۔ اور مسیلمہ و سجاح کو ایک دوسرے کا شریک کار سمجھ کر احتیاط کو کام میں لا رہے تھے ۔ بالآخر مسیلمہ نے سجاح کو خط لکھا

کہ تمہارا ارادہ کیا ہے۔ سجاح نے جواب دیا۔ کہ میں مدینہ منورہ پر حملہ کرنا چاہتی ہوں میں نبی ہوں اور سُنا ہے کہ آپ بھی نبی ہیں۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ہم دونوں مل کر مدینہ پر حملہ کریں۔ مسیلمہ نے فوراً پیغام بھیجا۔ کہ جب تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ تھے۔ اُس وقت تو میں نے آدھا مُلک اُن کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ اور آدھے مُلک کو اپنا علاقہ سمجھتا تھا۔ اب اُن کے بعد تمام مُلک پر میرا حق ہے۔ لیکن چونکہ تم بھی نبوت کی مدعی ہو لہٰذا میں آدھی پیغمبری تم کو دے دوں گا۔ بہتر یہ ہے کہ اپنے لشکر کو وہیں چھوڑ کر تنہا میرے پاس چلی آؤ۔ تاکہ تقسیم پیغمبری اور مدینہ پر حملہ آوری کے متعلق تم سے تمام گفتگو اور مشورہ ہو جائے۔

جھوٹی نبیّہ کا نکاح

سجاح یہ پیغام پاتے ہی مسیلمہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ اُس نے اپنے قلعہ کے سامنے ایک خیمہ کھڑا کیا سجاح کو اُس میں اُتارا دونوں کی بات چیت ہوئی۔ سجاح نے مسیلمہ کی پیغمبری کو تسلیم کیا۔ اُس پر ایمان لائی۔ پھر دونوں کا نکاح ہو گیا۔ نکاح کے بعد سجاح تین دن تک مسیلمہ کے پاس رہی وہاں سے رُخصت ہو کر اپنے لشکر میں آئی تو لشکر والوں نے کہا کہ نکاح کا مہر کہاں ہے یہ بے مہر کیسا نکاح تو نے کیا ہے۔ وہ پھر مسیلمہ کے پاس گئی تو مسیلمہ نے کہا کہ میں نے تیرے مہر میں تیری جماعت کے لئے دو نمازیں یعنی عشاء اور فجر کی نماز معاف کر دی ہے۔ سجاح وہاں سے رخصت ہو کر آئی۔ ہذیل و عقبہ کو یمامہ کی نصف پیداوار وصول کرنے کے لئے چھوڑ کر روانہ ہوئی تھی۔ کہ حضرت خالدؓ بن ولیدؓ جو بنو تمیم کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے سامنے آ گئے۔ خالد بن ولیدؓ کے لشکر کو دیکھتے ہی سجاح کے ہمراہی فرار ہو گئے۔ اور وہ بہزار دقت اپنے قبیلہ بنی تغلب میں بمقام جزیرہ پہنچ کر گم نامی کی زندگی بسر کرنے لگی۔

حضرت خالد بن ولیدؓ جب بنو تمیم کے علاقہ میں پہنچے۔ تو وہاں کے اُن لوگوں سے جو اسلام پر قائم تھے۔ کوئی تعرض نہیں کیا۔ لیکن جو مُرتد ہو گئے تھے وہ گرفتار و قتل کئے گئے مُرتد اور مسلمان کی شناخت اذان کے ذریعہ ہوتی تھی۔ جیسا کہ اوپر فرمان صدیقی

میں ذکر آچکا ہے۔ مالک بن نویرہ کی بستیوں پر بھی اذان کے بعد ہی حملہ ہوا۔

مالک بن نویرہ کا قتل

مالک بن نویرہ کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ کہ اس نے وفات نبوی کی خبر سن کر اظہار مسرت کیا تھا۔ پھر سجاح کے ساتھ بھی اس نے مصالحت کی تھی۔ مگر بعد میں اس کے لشکر سے جدا ہو کر چلا گیا تھا۔ اب جب کہ مالک بن نویرہ گرفتار ہو کر آیا اور حضرت خالد بن ولید کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو بعض مسلمانوں نے کہا کہ مالک نویرہ کی بستی سے اذان کی آواز جواباً آئی تھی۔ اس لیے اس کو قتل نہیں کرنا چاہیے۔ بعض نے کہا کہ انھوں نے جواباً اذان نہیں کہی۔ یہ خلیفہ رسول اللہؐ کے حکم کے موافق واجب القتل ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے جہاں تک تحقیق و تفتیش کیا۔ یقینی اور قطعی شہادت اس معاملہ میں دستیاب نہ ہوئی۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ مالک بن نویرہ نے جب حضرت خالد بن ولیدؓ سے گفتگو کی تو اس کی زبان سے اثناء گفتگو میں کئی بار یہ نکلا کہ تمھارے صاحب نے ایسا فرمایا یا تمھارے صاحب کا ایسا حکم ہے وغیرہ اس "تمھارے صاحب" سے مراد آنحضرت صلعم تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے یہ لفظ سن کر غصہ سے فرمایا۔ کہ کیا وہ تیرے صاحب نہ تھے۔ اس پر اس نے کوئی جواب مناسب نہیں دیا۔ طبری کی روایت کے موافق حضرت ضرار بن الازورؓ اس وقت شمشیر بدست کھڑے تھے۔ انھوں نے حضرت خالدؓ کا اشارہ پاتے ہی اس کا سر اڑا دیا۔ یہ میدان جنگ کا ایک نہایت معمولی سا واقعہ تھا۔ لیکن مورخین کو اس کا خاص طور پر اس لئے ذکر کرنا پڑا کہ حضرت ابو قتادہؓ بھی حضرت خالد بن ولیدؓ کی فوج میں شامل تھے۔ اور وہ انھیں لوگوں میں تھے۔ جو یہ کہتے تھے۔ کہ مالک بن نویرہ کی بستی سے اذان کی آواز آئی تھی۔ لہٰذا مالک بن نویرہ کو قتل نہیں کرنا چاہیے۔ بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ مالک بن نویرہ کو حضرت خالد بن ولیدؓ نے قتل نہیں کرایا۔ بلکہ انھوں نے مزید تحقیق حال کے لیے مالک بن نویرہ کو ضرارؓ بن ازور کی حراست میں دے دیا تھا۔ اور اتفاقاً رات کے وقت دھوکے سے مالک بن نویرہ ضرار ابن ازورؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ بہر حال حضرت ابو قتادہؓ بہت ناراض ہوئے اور انھوں نے اپنی ناراضی کا اظہار اس طرح کیا کہ وہ خالد بن ولیدؓ سے بلا اجازت لئے

خفا ہوکر مدینے میں چلے آئے اور یہاں آکر شکایت کی کہ خالد بن ولیدؓ مسلمانوں کو قتل کرتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے مسلمانوں نے مدینے میں جب یہ بات سُنی تو خالدؓ بن ولید کے متعلق حضرت ابوبکر صدیقؓ سے شکایت کی اور کہا کہ خالدؓ کو معزول کر کے اُس سے قصاص لینا چاہیئے۔ مدینہ منورہ میں خالد بن ولیدؓ کے متعلق عام ناراضی اس لئے بھی پھیل گئی اور قتل مسلم کا الزام اس لئے اور بھی اُن پر تھُپ گیا۔ کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے بعد میں مالک نویرہ کی بیوی سے نکاح کر لیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ سب کچھ سُن کر حضرت ابوقتادہؓ کو مجرم قرار دیا۔ کہ خالدؓ کی بلا اجازت کیوں لشکر سے جُدا ہوکر چلے آئے۔ اُن کو حکم دیا گیا واپس جائیں اور خالدؓ کے لشکر میں شامل ہوکر اُن کے ہر ایک حکم کو بجالائیں۔ چنانچہ اُن کو واپس جانا پڑا۔ حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے صحابہ کو سمجھایا کہ خالد پر زیادہ سے زیادہ ایک اجتہادی غلطی کا الزام عائد ہو سکتا ہے۔ فوجی نظام اور آئین جنگ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خالد کو جو سیفٌ من سیف اللّٰہ ہیں نہ زیرِ قصاص لایا جا سکتا ہے نہ معزول کیا جا سکتا ہے۔ صدیق اکبرؓ نے مالک بن نویرہ کا خوں بہا بیت المال سے ادا کر دیا۔ ایک اسی واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ صحابہ کرام کو اپنے دشمنوں کے قتل کرنے میں کس قدر احتیاط مدِ نظر رہتی تھی۔ اور وہ کسی معمولی شخص کے لئے ایک قیمتی سپہ سالار کو بھی حق و انصاف کی عزت قائم رکھنے کے واسطے قتل کرنا اور زیر قصاص لانا ضروری سمجھتے تھے۔

مسیلمۂ کذّاب:۔ فتح مکہ کے بعد جو وفود قبائل کی طرف سے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوئے تھے اُن میں مسیلمہ بن حبیب بھی بنو حنیفہ کے وفد میں شامل تھا۔ جس کا اوپر عہد نبویؐ کے واقعات میں تذکرہ آچکا ہے جب وہ اپنے وطن یمامہ کی طرف واپس ہوا تو اُنھیں ایام میں آنحضرت صلعم کی ناسازیٔ طبع کی خبر مشہور ہوئی مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں خط روانہ کیا۔ کہ "نبوت میں آپ اور میں دونوں شریک ہیں۔ لہٰذا نصف مُلک قریش کا اور نصف میرا ہے گا۔" آنحضرت صلعم نے جواباً اُس کو لکھا کہ:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ امّا بعد فان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہٖ والعاقبۃ للمتقین

اس جواب کے روانہ کرنے کے بعد آنحضرت صلعم نے بنو حنیفہ کے ایک معزز شخص رجال بن عنفوہ کو جو ہجرت کر کے مدینہ میں آگیا تھا۔ اور اُس کا اپنی قوم پر بوجہ ہجرت کر جانے کے اور بھی زیادہ اثر تھا مسیلمہ کے پاس روانہ کیا کہ اُس کو نصیحت کر کے اسلام پر قائم کرے۔

رجال نے یمامہ میں پہنچ کر مسیلمہ کی تائید کی اور اُس کا متبع بن گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسیلمہ کی خوب گرم بازاری ہوگئی۔ وفاتِ نبوی کے بعد مسیلمہ کذاب کا فوراً تدارک نہ ہوسکا۔ کیونکہ صدیق اکبرؓ کی توجہ مختلف جہات پر تقسیم ہوگئی تھی۔ عکرمہؓ ابی جہل کو مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے نامزد فرما کر روانہ کیا گیا تھا۔ اور اُن کے پیچھے شرجیل بن حسنہؓ کو کمکی بنا کر روانہ روانہ کیا تھا۔ عکرمہؓ نے مسیلمہ کے قریب پہنچ کر شرجیل کے شریک ہونے سے پہلے ہی شتاب زدگی سے حملہ کر کے شکست کھائی۔ اس خبر کو سُن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عکرمہؓ کو لکھا کہ تم اب مدینہ واپس نہ آؤ۔ بلکہ حذیفہ و عرفجہ کے پاس چلے جاؤ۔ اور اُن کی ماتحتی میں مہرہ اور اہل عمان سے لڑو۔ جب اس مہم سے فراغت حاصل ہو تو معہ اپنے لشکر کے مہاجرین ابی اُمیہؓ کے پاس یمن و حضر موت میں چلے جاؤ۔ اور شرجیل بن حسنہ کو لکھا کہ تم خالد بن ولیدؓ کے صوبجات کی طرف جا کر وہاں سے قضاعہ کی طرف چلے جاؤ اور عمرو بن العاصی کے شریک ہو کر اُن لوگوں سے جنگ کرو۔ جو قضاعہ میں سے مرتد ہوگئے ہیں۔ اس عرصہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ علاقہ بطاح یعنی بنو تمیم کے علاقہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ وہ اپنی مہم کو پورے طور پر انجام دے کر واپس مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔ یہاں دربارِ خلافت میں حاضر ہو کر اُن کو مالک بن نویرہ کے معاملہ میں صفائی پیش کرنی پڑی۔ حضرت عمر فاروقؓ اگرچہ حضرت خالدؓ کے ساتھ سخت گیری اور تعزیر و سزادہی کا برتاؤ ضروری سمجھتے تھے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُن کو معذور و بے گناہ پاکر قابل مواخذہ نہ سمجھا اور اپنی رضامندی کا اظہار فرما کر ان کو سُرخ روئی کے ساتھ مہاجرین و انصار کا ایک لشکر دے کر مسیلمہ کذاب کی طرف روانہ فرمایا۔

قومیت کی گمراہی

مسیلمہ کے پاس قبیلہ ربیعہ کے چالیس ہزار جنگ جو جمع ہوگئے تھے۔ ان لوگوں میں بعض ایسے بھی تھے۔ جو مسیلمہ کو نبوت کے دعوے میں جھوٹا سمجھتے تھے۔ مگر ہم قومیت کے سبب

اُس کی کامیابی کے خواہاں تھے۔ ان لوگوں کا قول تھا کہ مسیلمہ جھوٹا ہے۔ اور محمد (صلعم) سچے ہیں۔ لیکن ہم کو ربیعہ کا جھوٹا نبی مضر کے سچے نبی سے زیادہ عزیز ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو روانہ کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُن کی امداد و اعانت کے لئے اور فوجیں بھی روانہ کیں جو راستہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے لشکر میں شامل ہوتی رہیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے لشکر کی کُل تعداد تیرہ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ جب شہر یمامہ ایک دن کے راستہ پر رہ گیا۔ تو خالد بن ولیدؓ نے ایک دستہ بطور مقدمۃ الجیش آگے روانہ کیا۔

اُسی روز مسیلمہ نے مجاعہ بن مرارہ کو ساٹھ آدمیوں کی جماعت کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ کہ جاکر بنو تمیم پر شب خون مارے۔ مجاعہ کا مقابلہ لشکر اسلام کے مقدمۃ الجیش سے ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ تمام مرتدین مقتول ہوئے اور ان کے سردار مجاعہ کو گرفتار کر کے حضرت خالد بن ولیدؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ خالد بن ولیدؓ آگے بڑھ کر شہر یمامہ کے قریب پہنچے۔ تو مسیلمہ شہر یمامہ سے نکل کر دروازۂ شہر کے قریب ایک باغ میں جس کا نام اُس نے حدیقۃ الرحمٰن رکھا تھا خیمہ زن ہوا۔ اس باغ کی چار دیواری خوب مضبوط اور قلعہ نما تھی۔ لشکر مسیلمہ کی سپہ سالاری رجال بن عنفوہ اور محکم بن طفیل کو سپرد تھی۔

گھمسان کا مقابلہ

اُنھوں نے چالیس ہزار کے لشکر جرار کو خالد بن ولیدؓ کے تیرہ ہزار مسلمانوں پر حملہ آور کیا۔ یہ حملہ نہایت سخت اور زلزلہ انداز تھا۔ مسلمانوں نے نہایت صبر و استقلال کے ساتھ اس حملہ کو روکا۔ اور پھر ہر طرف سے سمٹ کر اور اپنے آپ کو قابو میں رکھ کر دشمنوں پر بھوکے شیروں کی طرح حملہ آور ہوئے تو لشکرِ کذاب کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اور وہ بدحواسی کے عالم میں آوارہ و فرار ہونے لگے۔ محکم بن طفیل نے اپنے لشکر کی یہ حالت دیکھ کر بلند آواز سے کہا کہ "اے بنو حنیفہ باغ میں داخل ہو جاؤ۔ اور میں تمھارے پیچھے آنے والے حملہ آوروں کو روک رہا ہوں" یہ آواز سُن کر بھاگنے والے سب باغ میں داخل ہو گئے۔ محکم بن طفیل تھوڑی دیر لڑتا رہا۔ آخر عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ لیکن ابھی تک فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ مرتدین بھی سنبھل کر پھر مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ اور طرفین سے دادِ شجاعت دی جانے لگی۔ مسلمانوں کے علمبردار حضرت ثابت بن قیسؓ شہید ہوئے۔ تو حضرت زید بن خطابؓ

نے علم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مسلمانوں نے ایسی چپقلش مردانہ دکھائی کہ دشمن پیچھے ہٹتے ہٹتے باغ کی دیواروں کے نیچے پہنچ گیا۔ باغ کے دروازہ پر تھوڑی دیر تک سخت لڑائی ہوئی آخر مسلمانوں نے باغ کا دروازہ بھی توڑ دیا اور جا بجا سے دیواریں توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔

لوگوں نے مسیلمہ سے دریافت کیا کہ "وہ وعدہ فتح کا کب پورا ہو گا جو تیرا خدا تجھ سے کر چکا ہے" اس نے جواب دیا کہ یہ وقت ایسی باتوں کے دریافت کرنے کا نہیں ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے اہل وعیال کے لئے لڑے۔ باغ کے اندر بھی جب ہنگامہ زد و خورد گرم ہوا تو مسیلمہ مجبوراً مسلح ہو کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور لوگوں کو لڑنے کے لئے آمادہ کرنے لگا۔ جب اس نے ہر طرف مسلمانوں کو چیرہ دست دیکھا۔ تو گھوڑے سے اُتر کر باغ کے باہر چپکے سے جانے لگا۔ اتفاقاً دروازہ باغ کے قریب وحشی (قاتل حمزہ) کھڑا تھا اس نے اپنا حربہ پھینک کر مارا جو مسیلمہ کی دوہری زرہ کو کاٹ کر اس کے پیٹ کے پار نکل گیا۔ بالآخر دشمنوں میں سے جس کو جس طرف راستہ ملا بھاگا۔ اور تھوڑی دیر میں مسلمانوں کے سوا مرندوں میں کوئی نظر نہ آتا تھا۔ اس لڑائی میں دشمنوں کے سترہ ہزار آدمی غازیانِ اسلام کے ہاتھ سے مقتول ہوئے۔ اور ایک ہزار سے کچھ زیادہ مسلمانوں کو درجۂ شہادت حاصل ہوا۔ لیکن مسلمانوں میں زخمیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی شہید ہونے والوں میں حفاظِ کلام اللہ بہت سے تھے۔ تین سو ساٹھ انصار اور تین سو ساٹھ تابعین اس لڑائی میں شہید ہوئے۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے مجاعہ بن مرارہ کو جو قید میں تھے اپنے ہمراہ لے کر لاشوں کا معائنہ کیا۔ اور سردارانِ لشکر مسیلمہ اور خود مسیلمہ کی لاش کو مجاعہ نے شناخت کیا۔

بنو حنیفہ یعنی لشکرِ مسیلمہ کے بقیۃ السیف تو آوارہ و مفرور ہو چکے تھے۔ شہر اور قلعہ یمامہ میں عورتوں اور بچوں کے سوا کوئی مرد باقی نہ تھا۔ اور زخمیوں کی مرہم پٹی ضروری سمجھ کر حضرت خالد بن ولیدؓ نے اسی روز شہر یمامہ پر قبضہ کرنا ضروری نہ سمجھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ کل صبح شہر پر قبضہ کرنے کے لئے بڑھیں گے۔ مجاعہ بن مرارہ نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے میں کوتاہی نہ کی۔ اس نے خالد بن ولیدؓ سے کہا کہ ہمارے جس قدر سردار معہ مسیلمہ مارے گئے ہیں۔ آپ یہ نہ سمجھیں۔ کہ آپ نے مہم کو پورا کر لیا ہے۔ ابھی ان سے بہت زیادہ بہادر جنگجو لوگ باقی ہیں۔ اور وہ شہر کی مضبوط فصیلوں اور سامانِ رسد نیز سامانِ حرب کی کافی فراہمی سے

فائدہ اُٹھاکر آپ کو ناک چنے چبوادیں گے۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ تھوڑی دیر کے لئے مجھے چھوڑ دیجئے۔ تاکہ میں شہر میں جاکر ان سب لوگوں کو اس بات پر آمادہ کراؤں کہ وہ آپ کا مقابلہ نہ کریں اور شہر کو بہ رضامندی صلح کے ساتھ آپ کے سپرد کردوں۔ حضرت خالدؓ نے مجاعہ سے کہا کہ میں تجھ کو قید سے رہا کئے دیتا ہوں تو جاکر اپنی قوم کو صلح پر رضامند کر۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ صرف میں اُن کے نفوس کی بابت صلح کردوں گا۔

مجاعہ لشکر اسلام سے روانہ ہوکر شہر میں گیا۔ اور وہاں شہر کی عورتوں کو مسلح ہوکر شہر پر فصیل شہر پر کھڑے ہونے کی ہدایت کرکے جو کچھ سمجھانا تھا سمجھا آیا۔ اور واپس آکر کہا کہ میری قوم محض اپنی جانوں کی بابت صلح کرتی نہیں چاہتی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے شہر کی طرف نظر ڈالی تو تمام فصیل تلواروں اور نیزوں سے چمک رہی تھی اور مسلح آدمیوں کی کثرت جو مجاعہ نے بیان کی تھی اُس کی تصدیق ہو رہی تھی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے زخمیوں کی کثرت اور مہم کے جلد ختم کرنے کے خیال سے صلح کو مناسب سمجھ کر اس بات پر رضامندی ظاہر کی کہ نصف مال واسباب اور نصف مزرعہ باغات اور نصف قیدیوں کو بنو حنیفہ کے لئے چھوڑ دیں گے۔ مجاعہ پھر شہر میں گیا اور واپس آکر کہا کہ وہ لوگ اس پر بھی رضامند نہیں ہوتے۔ آپ ایک ربع مال واسباب وغیرہ لے کر صلح کرلیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے چوتھائی اموال واملاک پر صُلح کرلی اور صلح نامہ لکھا گیا۔ اس کے بعد جب دروازہ کھلوا کر اندر گئے تو وہاں سوائے عورتوں اور بچوں کے کسی مرد کا نام ونشان نہ پایا۔ حضرت خالدؓ نے مجاعہ سے کہا کہ تو نے ہمارے ساتھ فریب سے کام لیا ہے۔ اُس نے کہا کہ میری قوم بالکل تباہ ہوجاتی۔ میرا فرض تھا کہ اپنی قوم کو مصیبت سے بچاؤں۔ آپ مجھ کو معاف فرمائیے۔ حضرت خالد خاموش ہو رہے اور عہد نامہ کی خلاف ورزی کا خیال تک بھی اُن کے دل میں نہ آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مسلمہ بن وقش حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک خط لے کر پہنچے اُس میں لکھا تھا۔ کہ اگر تم کو بنو حنیفہ پر فتح حاصل ہو تو اُن کے بالغ مردوں کو قتل کیا جائے اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو قید کرلیا جائے۔ لیکن اس خط کے پہنچنے سے پہلے صلح نامہ لکھا جا چکا تھا۔ لہٰذا اس کی تعمیل نہ ہوسکی۔ پاس عہد اور ایفائے وعدہ کی مثالوں میں یہ واقعہ بھی خصوصیت سے قابلِ تذکرہ ہے۔

حضرت خالد بن ولید نے بنو حنیفہ کے ایک وفد کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت

میں روانہ کیا۔ ایک خط خلیفہ کی خدمت میں لکھ کر اُن کو دیا۔ اس خط میں فتح کا مفصل حال اور ابو حنیفہ کے دوبارہ داخلِ اسلام ہونے کی خبر درج تھی۔ صدیق اکبرؓ نے اس وفد سے عزّت واحترام کے ساتھ ملاقات کی۔ اور محبّت کے ساتھ اُن کو رخصت کیا۔ جنگ یمامہ ماہ ذی الحجہ ۱۱ھ میں وقوع پذیر ہوئی۔

حطم بن ضبیعہ:۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت علاء بن الحضرمی کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک لشکر کا سردار بنا کر بحرین کی طرف روانہ کیا تھا۔ بحرین میں بنو عبدالقیس۔ بنو بکر بن وائل معہ اپنی شاخوں کے زبردست قبائل تھے۔ یہ بھی پڑھ چکے ہو کہ جارود بن المعلیٰؓ اپنے قبیلۂ عبدالقیس کی طرف سے وفد ہو کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ آنحضرت صلعم کی خبرِ وفات کو سُن کر قبیلۂ عبدالقیس کے لوگ یہ کہہ کر مُرتد ہو گئے۔ کہ اگر آنحضرت صلعم نبی ہوتے تو کبھی نہ مرتے۔ حضرت جارود بن المعلیٰؓ نے اپنی قوم کو ایک جگہ جمع کیا اور کہا کہ مجھ کو تم سے ایک بات دریافت کرنی ہے۔ جو جانتا ہو وہ بتائے جو نہ جانتا ہو وہ خاموش رہے۔ انھوں نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے دریافت کیا کہ تم یہ بتاؤ حضرت محمد صلعم سے پہلے بھی دنیا میں نبی آئے ہیں یا نہیں؟ سب نے کہا آئے ہیں۔ پھر انھوں نے پوچھا کہ وہ سب عام انسانوں کی طرح اپنی زندگی پوری کر کے فوت ہو گئے یا نہیں؟ سب نے کہا کہ وہ اپنی زندگی پوری کر کے فوت ہو گئے۔ حضرت جارودؓ نے کہا کہ بس اس طرح آنحضرت صلعم بھی اپنا زمانہ حیات پورا کر کے فوت ہو گئے۔ یہ کہہ کر انھوں نے کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔ قبیلۂ عبدالقیس کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ انھوں نے اُسی وقت توبہ کی اور اسلام پر قائم ہو گئے۔

قبیلۂ عبدالقیس تو حضرت جارود بن المعلیٰؓ کی بروقت کوشش سے اس طرح بچ گیا لیکن قبیلۂ بنو بکر بن وائل نے مرتد ہو کر حطم کو اپنا سردار بنایا۔ حطم بنو بکر کی جمعیت کثیرہ لے کر نکلا اور مقام عطیف و ہجر کے درمیان ڈیرے ڈال دیئے۔ اور کچھ آدمیوں کو قبیلۂ عبدالقیس کی طرف بھیجا کہ اُن کو مرتد بنا کر لائیں۔ لیکن عبدالقیس نے صاف طور پر مرتد ہونے سے انکار کیا۔ اور وہ لوگ ناکام و نامراد واپس آئے۔ اس کے بعد حطم نے مغرور بن سوید کو ایک جمعیت دے کر ارد گرد کے مُسلمان لوگوں کو مُرتد بنانے یا اُن سے لڑنے کے لئے بھیجا۔

اسی حالت میں حضرت علار بن الحضرمی اپنا لشکر لیے ہوئے ملک بحرین میں داخل ہوئے انھوں نے حضرت جارود بن المعلی کے پاس جو مقام دارین میں تشریف رکھتے تھے حکم بھیجا کہ بنو عبد القیس کو ہمراہ لے کر حطم پر حملہ کرو۔ اس حکم کے پہنچتے اور اس خبر کے مشہور ہوتے ہی ارد گرد کے تمام مسلمان علار بن الحضرمی کے پاس آ آکر جمع ہو گئے۔ اور جس قدر مرتدین و مشرکین اُس علاقہ میں تھے۔ وہ سب حطم کے لشکر میں آآکر شامل ہو گئے۔ حضرت علار بن الحضرمی اپنا لشکر لئے ہوتے آگے بڑھے اور حطم کی لشکر گاہ کے قریب پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔ انھوں نے دیکھا کہ حطم نے اپنے لشکر گاہ کے گرد ایک خندق کھدوالی ہے۔ آخر دونوں لشکروں میں لڑائی شروع ہوئی۔ ایک مہینے تک طرفین سے لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ کوئی ایک دوسرے پر فتح یاب نہ ہوا۔ جب پورا ایک مہینہ اسی حالت میں گذر گیا تو حضرت علار نے غازیانِ اسلام کو لے کر ایک زبردست حملہ کیا۔ اور بہادرانِ اسلام خندق کو عبور کر کے لشکر گاہِ کفار میں داخل ہو گئے۔ قیس بن عاصم کے ہاتھ سے حطم مارا گیا۔ بہت سے مرتدین ہلاک ہوئے باقی بھاگ نکلے۔ بھاگے ہوؤں کا تعاقب ہوا۔ اور بالآخر رفتہ رفتہ سب اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ مذکورہ بالا جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ بہت سامالِ غنیمت آیا۔ جس سے لشکر اسلام کی حالت خوب درست ہو گئی۔

لقیط بن مالک:- اوپر ذکر آچکا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حذیفہ بن حصن رضؓ کو عمان کی جانب اور عرفجہ بن ہرثمہؓ کو اہل مہرہ کی جانب روانہ کیا تھا۔ اور دونوں کے ساتھ رہنے کا حکم ہوا تھا۔ آنحضرت صلعم کی وفات کا حال سُن کر ملک عمان میں لقیط بن مالک نے نبوت کا دعویٰ کیا اہل عمان اور اہل مہرہ مُرتد ہو گئے اور آنحضرت صلعم کی طرف سے جو عامل وہاں مقرر تھے اُن کو نکال دیا۔ حذیفہ بن محصن حمیری کو صدیق اکبرؓ نے حکم دیا تھا کہ اوّل عمان کی طرف جانا۔ وہاں کی مہم سے فارغ ہو کر مہرہ کی جانب متوجہ ہونا۔ اُدھر عکرمہ بن ابی جہل کو بھی جو یمامہ کی طرف بھیجے گئے تھے یہی حکم ملا تھا۔ کہ عمان کی طرف جا کر حذیفہ و عرفجہ کے شریک ہوں۔ چنانچہ یہ تینوں سردار صحرائے عمان میں مل کر خیمہ زن ہوئے۔ لقیط نے اسلامی لشکر کی خبر سُن کر فوجیں فراہم کیں۔ اور شہر دبا میں آکر ہر طرح سامانِ حرب سے مسلح ہو کر لشکرِ اسلام کے مقابلہ کو نکلا۔ لشکرِ اسلام میں عکرمہؓ بن ابی جہل مقدمۃ الجیش تھے۔ میمنہ میں حذیفہؓ اور میسرہ میں عرفجہؓ اور قلب

لشکر میں وہ رؤسائے عمان تھے جو اسلام پر ثابت قدم تھے۔ اور لشکر اسلام کے آنے کی خبر سن کر شریک لشکر ہوئے تھے۔

نماز فجر کے وقت سے لڑائی شروع ہوئی۔ اسلامی لشکر نشیبی زمین میں تھا۔ اور دشمنوں کو بلند زمین پر موقعہ مل گیا تھا۔ ابتدائے جنگ کا عنوان مسلمانوں کے خلاف اور شکست کے آثار نمایاں تھے۔ لقیط نے بڑی بہادری کے ساتھ لشکرِ اسلام پر حملے کئے۔ بالآخر لڑائی کا رنگ بدلا اور مسلمانوں نے صبر و استقامت سے کام لے کر دشمنوں کو پیچھے ہٹایا۔ دشمن منہ موڑ کر بھاگے اور مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوئی۔ اس لڑائی میں دس ہزار دشمن مقتول ہوئے۔ اور چار ہزار گرفتار ہو کر مسلمانوں کی قید میں آئے۔ اسی تناسب سے مالِ غنیمت لے کر مدینے میں آئے۔ اور حضرت عکرمہؓ مہرہ کی جانب روانہ ہوئے۔ چند روز کے بعد تمام عمان میں اسلام قائم ہو گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

ردّتِ مہرہ:- مہرہ میں کچھ لوگ عمان کے مقیم تھے۔ ان کے علاوہ عبدالقیس کے لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ ازد اور بنی سعد وغیرہ قبائل بھی وہاں آباد تھے۔ یہ سب کے سب مرتد ہو کر ریاست و امارت کے معاملہ میں دو گروہوں کے اندر منقسم ہو کر آپس میں لڑائی جھگڑا کر رہے تھے۔ عکرمہؓ نے مہرہ میں پہنچ کر ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ ان میں سے ایک گروہ نے اسلام قبول کر لیا۔ دوسرے نے جس کا سردار مصبح تھا۔ اسلام قبول کرنے سے انکار اور اپنے ارتداد پر اصرار کیا۔ عکرمہؓ نے گروہ مسلم کو اپنے ساتھ لے کر مرتدین پر حملہ کیا اور شکست فاش دے کر ان کے سردار کو قتل کر دیا۔ اس فتح کا نواحی علاقوں پر خاص اثر پڑا۔ ارد گرد کے تمام قبائل بخوشی اسلام میں داخل ہو گئے۔ عکرمہؓ نے مالِ غنیمت کے ساتھ اسلامی کامیابیوں کی مفصل کیفیت لکھ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں بھیجی۔ وہاں سے جواب آیا۔ کہ اب تم یمن کی طرف روانہ ہو کر مہاجرؓ بن ابی امیہ کے لشکر میں شریک ہو جاؤ۔

ردّتِ یمن:- اسود عنسی کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ اس نے ملک یمن میں نبوّت کا دعویٰ کر کے قریباً تمام ملک یمن میں بدامنی پیدا کر دی تھی۔ لیکن وہ آنحضرت صلعم کے زمانۂ حیات میں ہی مقتول ہو کر اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ چکا تھا۔ اور ملک یمن میں ارتداد کے بعد پھر اسلام پھیلنے لگا تھا۔ ابھی تک پورے طور پر مطلع صاف نہ ہوا تھا۔ کہ آنحضرت

صلعم کی وفات ہوئی۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی تمام ملک یمن میں پھر وبائے ارتداد پھیل گئی۔ اس مرتبہ مرتدینِ یمن کے دو مشہور سردار تھے۔ ایک قیس بن مکشوح دوسرا عمرو بن معدی کرب۔ یمن کے مسلمانوں کو مرتدینِ یمن نے بہت ستایا۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ مسلمان جو تعداد میں بالکل بے حقیقت تھے وہ علاقوں کو خالی کرتے ہوئے ہٹ آئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے ملک یمن کے علاقہ صنعا کی طرف مہاجر بن ابی امیہؓ کو ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ مہاجر بن ابی اُمیہؓ مدینہ سے روانہ ہو کر راستہ میں مکہ و طائف سے مسلمانوں کی جمعیت کو ہمراہ لیتے ہوئے نہایت تیز رفتاری سے علاقۂ نجران میں داخل ہو کر خیمہ زن ہوئے۔ قیسؔ و عمروؔ کو مہاجرؓ کے حملہ آور ہونے کی اطلاع پہلے سے پہنچ چکی تھی۔ وہ بھی نجران میں اُن کی آمد کے منتظر تھے۔ عمرو بن معد یکرب عرب کا ایک مشہور سردار تھا۔ جس کی صف شکنی و حریف افگنی کی تمام ملک میں دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ مہاجرؓ نے دشمنوں کی بے قیاس و لا تعداد افواج میں اپنے آپ کو محصور دیکھ کر اپنے ہمراہیوں کو جرأت و غیرت دلائی اور ان کی ہمت بندھائی پھر مرتدین پر حملہ آور ہوئے۔ نہایت سخت معرکہ ہوا۔ بالآخر لشکرِ اسلام کو غلبہ حاصل ہوا۔ قیسؔ و عمروؔ دونوں سردار مسلمانوں کی قید میں آئے۔ بہت سے مرتدین ہلاک و گرفتار اور بقیۃ السیف فرار کی عار گوارا کرنے پر مجبور ہوئے۔ قیسؔ و عمروؔ کو مدینہ منورہ کی طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں روانہ کیا۔ مدینہ منورہ میں پہنچ کر دونوں نے اپنے ارتداد سے پشیمانی کا اظہار کیا۔ اور بخوشی اسلام قبول کر کے قید سے آزاد اور بحکم صدیقی یمن کی طرف مراجعت فرما ہوئے۔

مہاجر بن ابی اُمیہؓ نجران کی جنگ میں مرتدین یمن کی کمر توڑ کر آگے بڑھے اور صنعا میں پہنچ کر اس جگہ کے اُن مُرتدین کو جو بر سرِ مقابلہ آئے شکست پر شکست دے کر تمام علاقہ کو پاک و صاف کر دیا۔ اسی جگہ عکرمہؓ بن ابی جہل آ کر شریک لشکر ہوئے۔ یہاں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم کے موافق دونوں سردار بنو کندہ کی سرکوبی کے لئے بڑھے۔ بنو کندہ نے اشعث بن قیس کو اپنا سردار بنا کر لشکرِ اسلام کے مقابلہ کی زبردست تیاریاں کی تھیں۔۔ اور روز بروز اُن کی جمعیت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ خبر سن کر مہاجر بن ابی اُمیہ نے لشکرِ اسلام میں سے تیز رفتار سواروں کا ایک دستہ منتخب کر کے اپنے ہمراہ لیا۔ اور لشکر عکرمہ

بن ابی جہل کی سرداری میں چھوڑ کر نہایت تیزی و برق رفتاری سے یلغار کرتے ہوئے مقام محجر میں جہاں اشعث بن قیس مرتدین کا لشکر لئے ہوئے پڑا تھا پہنچے اور جاتے ہی قضائے مبرم کی طرح مرتدین پر ٹوٹ پڑے۔ مرتدین اس حملہ کی تاب نہ لا سکے سراسیمہ ہو کر بھاگے۔ اشعث نے وہاں سے فرار ہو کر قلعہ نجیر میں پناہ لی۔ وہیں تمام مرتدین پہنچ کر قلعہ بند ہو گئے۔ مہاجر بن ابی اُمیہؓ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اسی عرصہ میں عکرمہؓ بن ابی جہل اسلامی لشکر لئے ہوتے آ پہنچے۔ محاصرہ کی سختی اور کمک و سامان رسد کی آمد سے مایوس ہو کر اشعث نے صلح کی درخواست پیش کی۔ یہ درخواست اس قدر عاجز ہو کر پیش کی۔ کہ اُس نے اپنی قوم کے صرف نو آدمیوں کے لئے مع اہل و عیال جان بخشی و رہائی چاہی۔ مہاجر نے اِس درخواست کو منظور کر لیا۔ عجیب اتفاق یہ ہوا کہ اشعث غلطی سے ان نو آدمیوں کی فہرست میں اپنا نام بھول گیا تھا۔ چنانچہ اُن نو آدمیوں کو چھوڑ کر باقی کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ ان اسیرانِ جنگ میں اشعث بن قیس بھی شامل تھا۔ جب یہ لوگ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سامنے مدینے میں لا کر پیش کیے گئے۔ تو اشعث نے اپنے افعالِ گذشتہ پر اظہارِ پشیمانی کیا۔ اور صدیق اکبرؓ سے کہا کہ آپ میرا اسلام قبول فرمالیں۔ میں بطیبِ خاطر اسلام کو پسند اور اختیار کرتا ہوں۔ صدیق اکبرؓ نے نہ صرف اشعث بلکہ تمام اسیرانِ بنو کندہ کو آزاد کر دیا۔ اور صرف اس قدر کہا۔ کہ مجھ کو امید ہے کہ میں آئندہ تم سے سوائے بھلائی کے اور کچھ نہ دیکھوں گا۔

ارتداد کا استیصالِ کامل

غرض ۱۱ھ کے ختم اور ۱۲ھ کے شروع ہونے سے پہلے پہلے یعنی ایک سال سے کم مدت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک عرب کے فتنۂ ارتداد پر پورے طور پر غالب آ گئے۔ محرم ۱۲ھ میں جزیرۃ العرب مشرکین و مرتدین سے بالکل پاک و صاف ہو چکا تھا۔ اور برِ اعظم عرب کے کسی گوشہ اور کسی حصّہ پر شرک و ارتداد کی کوئی سیاہی باقی نہ تھی۔ ایک طرف چند مہینے پہلے کی اُس حالت پر غور کرو کہ مدینہ و مکہ و طائف کے سوا تمام ملک کا مطلع غبار آلود تھا۔ اور اس غبار سے شمشیر و نیزہ و سنان اور کمند و کمان کے طوفان اُبلتے ہوئے اور اُمنڈتے ہوئے نظر آتے تھے۔ پھر یہ کیفیت تھی۔ کہ پتھر کے موم کی طرح پگھلنے اور فولاد کی رگیں کچے دھاگے کی طرح گسیختہ ہونے سے باز نہیں رہ سکتی تھیں۔

پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہمتیں دریاؤں کے پانی کی طرح بہ سکتی تھیں۔ اور آسمان کی طرح بلند و وسیع حوصلے تنگ و پست ہو کر تحت الثریٰ کی گمنامیوں میں شامل ہو سکتے تھے لیکن دبستانِ محمدی کے تربیت یافتہ صدیق اکبرؓ کی ہمت و حوصلہ کا اندازہ کرو کہ تنہا اس تمام طوفان کے مقابلہ کو جس شوکت و شجاعت کے ساتھ میدان میں نکلا ہے ہم اُس کی مثال میں نہ شیر و نہنگ کا نام لے سکتے ہیں نہ رستم و اسفندیار کا نام زبان پر لا سکتے ہیں شیر نیستاں اور رستم دستاں کے دلوں کو اگر صدیق اکبرؓ کے دل کی طاقت کے سو حصوں میں سے ایک حصہ بھی ملا ہوتا تو ہم کو کسی مثال تشبیہہ کے تلاش و تجسس میں سرگردانی کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ خیر البشرؐ کے شاگرد رشید خاتم النبیینؐ کے خلیفۂ اول نے ٹھیک اپنے مرتبہ کے موافق ہمت و استقلال اور قوت قدسی کا اظہار کیا۔ اور جس کام کو اسکندر یونانی۔ جولیس سیزر رومی۔ کیخسرو ایرانی مل کر بھی پورا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ صدیق اکبرؓ نے چند مہینے میں اُس کو بہ حسن و خوبی پورا کر کے دکھایا۔

اس میں شک نہیں کہ لشکرِ صدیقیؓ میں خالدؓ۔ عکرمہؓ۔ شرجیلؓ۔ حذیفہؓ وغیرہ جیسے بے نظیر مردانِ صف شکن موجود تھے لیکن یہ بھی تو سوچو کہ صدیق اکبرؓ کس طرح مدینہ منورہ میں بیٹھے ہوئے مُلک کے ہر حصے اور ہر گوشے کی حالت سے باخبر تھے۔ اور کس طرح فوجی دستوں کے پاس اُن کے احکام متواتر پہنچ رہے تھے۔ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر دستۂ فوج اور ہر سالار لشکر ملکِ عرب کی بساط پر شطرنج کے ایک مُہرہ کی طرح تھا۔ اور صدیق اکبرؓ کی انگشتِ تدبیر جس مُہرہ کو جس جگہ مناسب ہوتا تھا اٹھا کر رکھ دیتی تھی۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان گیارہ اسلامی لشکروں نے ہر طرف روانہ ہو کر مُلکِ عرب سے فتنۂ ارتداد کو مٹا دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خلیفۃ الرسول نے مدینہ میں بیٹھے ہوئے شام و نجد سے مسقط و حضر موت تک اور خلیج فارس سے یمن و عدن تک تمام برّاعظم تک تنہا اپنی تدبیر و رائے سے چند مہینے کے اندر ہر ایک خس و خاشاک سے پاک و صاف کر دیا۔ اس فتنہ کی ہمت شکن ابتداء میں کوئی متنفس صدیق اکبرؓ کے سوا ایسا نہ تھا جو اس کی انتہا کو دیکھ سکتا اور صرف صدیق اکبرؓ ہی کو وہ اندیشہ سوز ایمان حاصل تھا۔ کہ انھوں نے نہ لشکر اُسامہؓ کی روانگی کو ملتوی کرنا مناسب سمجھا نہ مسجدِ نبویؐ میں فاروق اعظمؓ کے ہاتھ پاؤں

پھیلا دینے والی باتوں سے مرعوب و متاثر ہوئے۔ نہ منکرین زکوٰۃ کے مطالبات کو پرِکاہ کے برابر وقعت دی۔ اب تم غور کرو اور سوچو کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین اور آنحضرت صلعم کی قائم کی ہوئی سلطنت کا شہنشاہ صدیق اکبرؓ کے سوا اور کون ہو سکتا تھا؟

روم و ایران: بعثت نبویؐ کے وقت دنیا میں دو سلطنتیں سب سے بڑی تھیں۔ اور وہی گویا تمام قابل تذکرہ دنیا پر چھائی ہوئی تھیں۔ ایک روم کی سلطنت اور دوسری ایرانی شہنشاہی۔ اس وقت دنیا میں صرف وہی تمدن تھے۔ آدھی دنیا پر رومی تمدن چھایا ہوا تھا اور آدھی پر ایرانی۔ ملکِ عرب جو بالکل کس مپرسی اور تاریکی کے عالم میں پڑا ہوا تھا۔ آنحضرت صلعم کا ظہور ہوا۔ اور اسلام کے ذریعہ ایک نئی سلطنت اور نئے تمدن کی ابتدا ہوئی۔ اور دُنیا نے دیکھ لیا کہ عربی یا اسلامی سلطنت کے مقابلے میں رومی و ایرانی سلطنتیں اور رومی و ایرانی ہوا ہو کر فنا ہو گئے اور ساری دنیا اسلامی حکومت اور اسلامی تمدن کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرنے لگی۔ اس اجمال کی تفصیل آئندہ اوراق میں پیش کریں گے۔ اب چونکہ عرب کی سلطنت اور رومی و ایرانی سلطنتوں کی زور آزمائی شروع ہونے والی ہے۔ اور بہت جلد ہم ایران و روم کو عرب کے مقابلہ میں ریزہ ریزہ ہوتے ہوئے دیکھنے والے ہیں۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان دونوں مشہور و متمدن سلطنتوں سے بقدرِ ضرورت واقف ہو جائیں۔

کسی زمانہ میں ایرانی سلطنت بحیرۂ روم۔ بحیرۂ اسود۔ خلیج فارس۔ دریائے سندھ کشمیر۔ تبت۔ کوہ التائی۔ بحیرہ کاسپین تک وسیع تھی۔ کیانی خاندان کی حکمرانی اور رستم زابلستان کی پہلوانی کا زمانہ گذرنے کے بعد اسکندر یونانی نے سلطنت ایرانی کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ لیکن تمدن ایرانی باقی رہا تھا۔ بعثت نبویؐ سے چار سو سال پیشتر اردشیر بابکاں نے ساسانی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ ساسانی خاندان نے کیانیوں کی وسیع سلطنت کے اکثر حصوں کو اپنی مملکت میں شامل کر کے خلیج فارس۔ دریائے فرات۔ بحیرۂ کاسپین۔ دریائے سندھ۔ دریائے جیحوں کے درمیان ایک وسیع اور ٹھوس سلطنت قائم کر کے تمام براعظم ایشیا کی سیادت حاصل کر لی۔

رومیوں کی سلطنت کا مرکز سلطنت اٹلی کا شہر روما تھا۔ جس میں جولیس سیزر اور

سینٹ انگوسطس وغیرہ شہنشاہ گذر چکے تھے۔ اس سلطنت میں قریباً تمام برّاعظم یورپ اور مصر و ایشیائے کوچک شامل تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس رومی شہنشاہی کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ مغربی حصہ کا دارالسلطنت تو شہر روما ہی رہا۔ لیکن مشرقی حصہ کا دارالسلطنت شہر قسطنطنیہ قرار پایا۔ قسطنطنیہ کے قیصر کو بھی قیصر روم ہی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جس کے تحت و تصرف میں مصر و حبش و فلسطین و شام و ایشیائے کوچک و بلقان کے ممالک تھے۔ اس مشرقی رومی سلطنت کی شان و شوکت اور قوت و سطوت کے آگے مغربی روم کی حیثیت دحقیقت ماند پڑ گئی تھی۔ ایشیائے کوچک اور عراق کے میدانوں میں ان دونوں شہنشاہیوں یعنی رومی و ایرانی سلطنتوں کی حدِ فاصل کوئی قدرتی چیز یعنی پہاڑ و سمندر وغیرہ کے نہ ہونے سے کبھی کبھی ایک دوسرے سے ٹکرانے اور معرکہ آرا ہونے کا بھی موقع آجاتا تھا۔

آنحضرت صلعم کی ولادت کے وقت ایران کا شہنشاہ نوشیروانِ عادل ساسانی تھا۔ آپ کی بعثت کے وقت ایران پر نوشیروان عادل کا پوتا خسرو پرویز متمکن تھا اور قسطنطنیہ میں ایک زبردست بغاوت قیصر فوقا کے خلاف نمودار ہوئی۔ اُمرائے سلطنت اور رعایائے مُلک نے فوقا کو تخت سے اُتار کر قتل کر دیا۔ اور افریقی مقبوضات کے گورنر یعنی فرماں روائے مصر کو قسطنطنیہ کے تخت پر بٹھانے کے لئے دعوت دی۔ گورنر افریقہ تو پیرانہ سالی کی وجہ سے نہ جا سکا۔ لیکن اُس کا جوان العمر و جواں بخت بیٹا ہرقل قسطنطنیہ میں تخت نشین ہو گیا۔ اور ہرقل کی شہنشاہی کو ارکان سلطنت نے بخوشی تسلیم کر لیا۔ مقتول قیصر فوقا اور خسرو پرویز کے درمیان دوستی و محبت کے تعلقات تھے۔ کیونکہ خسرو پرویز نے رومی سلطنت یعنی ہرقل پر حملہ کیا۔ ایک ایسے شخص کے تخت نشین ہونے کے بعد جو وراثتاً تخت و تاج کا حق دار نہ تھا۔ ایرانیوں کے لئے سلطنتِ روم پر حملہ آور ہونے کا بہترین موقع تھا۔ ایرانیوں اور رومیوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ ان لڑائیوں کا سلسلہ چھ سات سال تک جاری رہا۔ بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ بعثتِ نبوی کے آٹھویں سال ایرانیوں نے شام کا ملک فتح کر کے بیت المقدس پر قبضہ کیا۔ اور عیسائیوں سے صلیب چھین کر لے گئے۔ ساتھ ہی فلسطین کے تمام مُلک کو فتح کر کے اسکندریہ تک پہنچ گئے۔

مشرکین مکہ نے ایرانیوں کی ان فتوحات کا حال سُن کر بڑی خوشیاں منائیں کیونکہ رومی اہلِ کتاب اور ایرانی مشرک تھے۔ مسلمانوں کو مشرکوں کے مقابلہ میں اہلِ کتاب

سے ہمدردی تھی اس لئے اس خبر سے مسلمان رنجیدہ ہوئے۔ خدائے تعالیٰ نے سورۂ روم کی آیات نازل فرمائیں۔ اوران میں اطلاع دی کہ اگرچہ رومی اس وقت میں مغلوب ہوگئے ہیں۔ لیکن چند سال کے بعد وہ غالب ہوجائیں گے اور مسلمان اُس وقت مسرور ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہرقل چھ سات سال تک برابر فوجی تیاریوں میں مصروف رہا۔ اس عرصہ میں اُس نے اپنے ملک کے اندرونی انتظامات پر بھی پورے طور پر قابو پالیا ایرانیوں کو اپنی حدودِ مملکت سے نکالنے اور سابقہ ہزیمتوں کا انتقام لینے کے لئے نکلا۔ اور بالآخر ملک شام کے میدانوں میں رومی لشکر نے ایرانیوں کو فیصلہ کن شکست دی۔ ایرانی بھاگے اور قیصر روم نے اپنے تمام علاقے ایرانیوں سے خالی کرا لینے کے علاوہ ایرانیوں کے بعض صوبوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

ادھر رومیوں نے ایرانیوں پر فتح عظیم حاصل کی۔ اُدھر بدر کے میدان میں مسلمانوں نے کفارِ مکہ کو شکست فاش دی اور قرآنِ کریم کی پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ اس کے بعد بھی ایرانیوں اور رومیوں میں لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ ۶ھ کے ابتدا میں رومیوں اور ایرانیوں کے درمیان صلح ہوگئی۔ اور ایرانیوں نے وہ صلیب جو بیت المقدس سے لے گئے تھے رومیوں کو واپس کردی۔ اس صلح نے ہرقل کی فتوحات کو ایک طرف مکمل کردیا دوسری طرف ایرانیوں نے اپنے کھوئے ہوئے علاقے اور صوبے رومیوں سے واپس لئے لہٰذا ایرانی بھی اس صلح سے خوش ہوئے۔ اس وقت ایرانی و رومی دونوں درباروں میں بیداری کے علامات نمایاں تھے اور دونوں اپنی اپنی ترقی و مضبوطی کے لئے مناسب تدابیر میں مصروف ہوگئے تھے۔ اسی سال آنحضرت صلعم نے بادشاہوں کے نام خطوط روانہ کئے۔ کیانیوں کے زمانے میں ایران کا دارالسلطنت استخر تھا۔ جس کو سکندر یونانی نے جلاکر خاک سیاہ کردیا تھا۔ اب ساسانی خاندان کا دارالسلطنت مدائن تھا۔ اُدھر ہرقل اپنی فتوحات اور صلیب کے واپس ملنے کی خوشی میں زیارت کے لئے بیت المقدس آیا ہوا تھا۔

آنحضرت صلعم کا خط خسرو پرویز کے پاس مدائن میں ہرقل کے پاس بیت المقدس میں پہنچا۔ خسرو پرویز نے آپ کے نامۂ گرامی کو چاک کردیا۔ اور ہرقل نے تکریم و عزت کے ساتھ اُس خط کو لیا۔ آپ نے ایرانی بادشاہ کی حرکتِ نامعقول کا حال سُن کر فرمایا۔ کہ اُس کی سلطنت پارہ پارہ ہوجائے گی۔ خسرو پرویز نے یہی نہیں۔ کہ آپ کے خط اور قاصد کے ساتھ

گستاخی کی بلکہ اپنے عامل باذان والیٔ یمن کو لکھا کہ اس عربی پیغمبر (محمد صلعم) کو گرفتار کرکے ہمارے پاس بھیج دو۔ باذان نے دو آدمی مدینے میں بھیجے۔ وہ دونوں خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ اور خسرو پرویز کے حکم سے اطلاع دی۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ جس کو اپنا خدا سمجھتے ہو یعنی خسرو پرویز وہ رات اپنے بیٹے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہ دونوں جب باذان کے پاس واپس پہنچے تو وہاں مدائن سے اطلاع پہنچی کہ خسرو پرویز کو اُس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا ہے۔ یہ واقعۂ قتل ٹھیک اُسی رات کا تھا۔ جس رات کی نسبت آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ باذان گورنرِ یمن مسلمان ہو گیا۔ اور اس طرح ملکِ یمن میں بہت جلد اسلام پھیل گیا۔ آنحضرت صلعم نے باذان ہی کو یمن کا عامل رکھا۔ شیرویہ کو اس قدر مہلت ہی نہ ملی۔ کہ وہ اندرونی جھگڑوں سے فارغ ہو کر عرب اور مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوتا۔ چند روز کے بعد اُس کی جگہ اُس کا کمسن بچہ تخت ایران پر بٹھایا گیا۔ جس کا نام اردشیر تھا۔ اس کمسن اردشیر کو ایرانی سپہ سالار شہریار نامی نے چند مہینے کے بعد قتل کرکے خود تختِ سلطنت پر جلوس کیا۔ چند روز کے بعد ارکانِ سلطنت نے اُس کو قتل کرکے شیرویہ کی بہن اور خسرو پرویز کی بیٹی بوران کو تخت پر بٹھایا جو صرف ایک سال چند ماہ حکمران رہی۔ اسی کے زمانے میں آنحضرت صلعم نے وفات پائی۔ بوران کے بعد کئی لڑکے اور عورتیں یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئیں۔ آخر میں یزدجرد تخت نشین ہوا۔ جس کے زمانے میں ایران پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ غرض جس روز سے خسرو پرویز نے نامۂ نبویؐ کو چاک کیا تھا۔ اُسی روز سے ایرانی سلطنت کا قصرِ رفیع قدرتی طور پر منہدم ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اور ایران کے تخت پر بجائے ملک گیر و ملک دار عالی ہمت بادشاہوں کے لڑکوں اور عورتوں نے قبضہ پا لیا تھا۔ ایرانی سلطنت کے قبضہ سے اس کا ایک صوبہ یعنی یمن کا ملک نکل چکا تھا۔ اس لئے ایرانیوں کو مسلمانوں سے اور بھی زیادہ عداوت ہو گئی تھی۔

ایرانی مشرک ہونے کی وجہ سے زیادہ متکبر و مغرور تھے۔ لہٰذا وہ عربوں کو زیادہ حقیر سمجھ کر اُن کی قوت و استقلال کی خبریں سُن سُن کر زیادہ بے چین اور مسلمانوں کے استیصال پر زیادہ آمادہ تھے۔ لیکن قدرت نے اُن کو اس طرح اندرونی جھگڑوں اور بادشاہوں کے عزل و نصب کی مصیبتوں میں گرفتار کر دیا تھا۔ کہ وہ ملکِ عرب کی طرف جلدی متوجہ نہ ہو سکتے تھے۔ منافقینِ مدینہ اور یہودانِ مدینہ نے، جو مدینہ سے جلاوطن ہوئے تھے۔ یہ تواتر دبا

مدائن میں اپنے زبان آور چالاک ایلچی بھیج بھیج کر ایرانیوں کو مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لیے ابھارا تھا۔ دوسری طرف ان لوگوں نے ہرقل کے دربار میں بھی اسی قسم کی کوششیں شروع کر رکھی تھیں ہرقل کا دربار چونکہ اندرونی جھگڑوں سے پاک تھا۔ لہٰذا اُن کو وہاں زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ ملکِ شام کے جنوبی حصہ میں عرب قوم کے لوگ آباد تھے۔ اور اُن کی بہت سی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں قائم تھیں۔ عربی لوگ عیسائی مذہب اختیار کر چکے تھے۔ اور عرب متنصرہ کے نام سے مشہور تھے۔ عرب متنصرہ کی خود مختار ریاستوں سے ہرقل کے دوستانہ و ہمدردانہ تعلقات تھے۔ جب کبھی ان اعراب متنصرہ کی ریاستوں پر ایرانیوں نے حملے کئے تھے۔ تو قیصرِ قسطنطنیہ نے ان کی مدد و حفاظت پر آمادگی ظاہر کی۔ اس لئے یہ لوگ اور بھی مجبور تھے۔ کہ اپنے آپ کو قیصر روم کی حمایت میں رکھیں۔ چونکہ عربی النسل ہونے کے سبب یہ لوگ زیادہ بہادر تھے۔ اس لئے قیصر روم ان کے وجود کو زیادہ قیمتی سمجھتا اور ضرورت کے وقت ان کی جنگ جُویانہ قابلیتوں سے فائدہ اٹھایا کرتا تھا۔ ملکِ عرب میں جو ایک اسلامی سلطنت قائم ہو چکی تھی۔ اس اسلامی سلطنت اور قیصر روم کی سلطنت کے درمیان عرب متنصرہ کی ریاستیں حد فاصل تھیں۔ چونکہ یہ ریاستیں سب عیسائی مذہب رکھتی تھیں اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ رومیوں اور عربوں کے درمیان تو ایک حدِ فاصل تھی۔ لیکن اسلامی سلطنت اور عیسائی حکومت کے درمیان کوئی حدِ فاصل نہ تھی۔ حیاتِ نبویؐ میں جب عیسائی ریاستوں اور مسلمانوں کے درمیان مقابلہ و مقاتلہ کی نوبت پہنچی تو ایک طرف اِن اعراب متنصرہ نے ہرقل سے امداد کی درخواست کی۔ دوسری طرف منافقوں اور یہودیوں کی ریشہ دوانیوں نے دربار ہرقل کو مسلمانوں کی بیخ کنی پر آمادہ و مستعد کیا۔

آنحضرت صلعم نے جس زمانہ میں ہرقل کے پاس خط بھیجا تھا۔ اُسی زمانہ میں بصرہ و دمشق کے رئیسوں کی طرف بھی خط روانہ کئے تھے۔ لیکن ان دونوں نے آنحضرت صلعم کے ایلچیوں کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا تھا۔ چنانچہ بصرہ کے حاکم شرجیل نے تو آنحضرت صلعم کے ایلچی حارثؓ کو شہید کر دیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے حضرت زید بن حارثؓ کو شرجیل بن عمرو غسانی سے حضرت حارثؓ کا انتقام لینے کے لئے روانہ کیا اور جنگ موتہ میں حضرت زیدؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ شہید ہوئے۔ اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے لڑائی کی حالت کو سنبھالا اس جنگ میں ہرقل کی فوجوں نے شرجیل غسانی کی حمایت میں مسلمانوں کا مقابلہ کیا

رومیوں نے اس کے بعد ملکِ عرب پر چڑھائی کی۔ اور آنحضرت صلعم کو خود چشمہ تبوک تک لشکرلے کر جانا پڑا۔ اُس وقت رومی سامنے سے ٹل گئے۔ اور کوئی بڑی لڑائی نہ ہوئی۔ بلکہ انھیں اعرابِ متنصرہ کی ریاستوں سے جزیہ لے کر اور اُن پر رعب قائم کر کے آنحضرت صلعم واپس تشریف لائے تو خبر سُنی کہ ہرقل ملک عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اور سرحدِ شام پر فوجیں جمع ہو رہی ہیں۔ آپؐ نے حضرت اُسامہؓ بن زید کو اُس طرف روانہ کیا۔ لیکن آپ کی علالت کی وجہ سے یہ لشکر مدینہ کے باہر رکا رہا۔ اور آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ ہو کر اس لشکر کو روانہ کیا۔ یہ لشکر سرحد شام تک گیا۔ اور وہاں کے سرکش و باغی رؤسا کو درست کر کے واپس چلا آیا۔

ہرقل کی فوجوں سے اس لیے مقابلہ پیش نہ آیا کہ رؤساء عرب متنصرہ میں سے بعض بطیبِ خاطر اسلام کو حق سمجھ کر تسلیم کر چکے تھے۔ اور ہرقل متامل تھا۔ کہ یہ سرحدی ریاستیں اسلام میں داخل ہونے والی ہیں۔ یا عیسائیت پر قائم رہ کر مسلمانوں کے مقابلہ پر مستعد ہونے والی ہیں محض اِن ریاستوں کی وجہ سے جو کئی بار اسلامی طاقت کے نظارے دیکھ چکی تھیں۔ اور اصولِ اسلامی سے واقف ہو کر اسلام کی طرف مائل نظر آتی تھیں۔ ہرقل کو لڑائی کے لئے اقدام میں تامل تھا۔ وہ خود بھی اسلامی صداقت کا دلی طور پر معترف تھا لہٰذا ایک طرف مسلمانوں کی ترقی اُس کے زوالِ سلطنت کا پیغام تھا اور وہ مسلمانوں کی طاقت کو پیش از خطرہ مٹا دینا چاہتا تھا۔ دوسری طرف چونکہ اُس کو انجام اور نتیجہ مشتبہ نظر آتا تھا۔ لہٰذا آئندہ بہترین موقع کے انتظار میں وہ جنگ کو ٹالتا تھا۔ بہرحال وہ ہرقل جو ایرانیوں کی عظیم الشان شہنشاہی کو نیچا دکھا چکا تھا۔ وہ ہمہ تن اسلامی طاقت کے برباد کرنے کی طرف متوجہ تھا۔ اور کسی مناسب موقعہ کو ہاتھ سے گنوا دینے والا نہ تھا۔

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد جو تمام ملک عرب میں بدامنی اور ہلچل پیدا ہوئی تو ایک طرف ایرانیوں نے اور دوسری طرف رومیوں نے ان خبروں کو بڑے اطمینان و مسرت کے ساتھ سُنا۔ دنیا میں پہلی ہی مرتبہ تمام براعظم عرب نے ایک سلطنت اور ایک متحدہ طاقت کی شکل میں اپنے آپ کو جلوہ افروز کیا تھا۔ اور اسی لئے رومیوں اور ایرانیوں کے درباروں نے اس ملک کو غور و التفات اور فکر و تردد کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ اور یہ دونوں حکومتیں بجائے خود الگ الگ اس جدید عربی طاقت یعنی حکومتِ اسلام کو مٹا دینے اور

فنا کر دینے پر آمادہ تھیں۔ وفاتِ نبویؐ کی خبر کے ساتھ ہی ارتداد کی خبروں نے اِن دونوں حکومتوں کو بتا دیا تھا۔ کہ ملکِ عرب کے پامال کرنے اور آئندہ خطرات کے مٹا دینے کا یہ بہترین وقت ہے۔ چنانچہ ایک طرف ہرقل کی فوجیں شام میں اور دوسری طرف ایران کی فوجیں عراق میں جمع ہونے لگیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مآل اندیشی، ژرف نگاہی، موقعہ شناسی اور مستعدی کا اس طرح بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے فتنۂ ارتداد کو جلد سے جلد مٹایا۔ اور اس فتنہ کے فرو کرنے کے بعد ایک دن بھی ضائع کئے بغیر فوراً رومیوں اور ایرانیوں کے روکنے اور مدافعت کرنے کے لئے تمام ملکِ عرب کو آمادہ کر دیا۔ اگر حضرت صدیق اکبرؓ چند روز اور فتنۂ ارتداد کو مٹا دینے پر قادر نہ ہوتے یا فتنۂ ارتداد کے مٹ جانے کے بعد چند روز تساہل و تامل میں گذار دیتے تو مدینۃ النبیؐ یعنی دارالخلافت اسلام رومیوں یا ایرانیوں کے محاصرہ میں آکر مسلمانوں کے لئے عرصۂ حیات تنگ ہو چکا ہوتا۔ حیرت ہوتی ہے کہ صدیق اکبرؓ نے کیسا سخت واہم کام کیسے نازک و محدود وقت میں کس احتیاط اور کس خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ اور اسلام کی روحانی و مادی حالت اور معنوی و ظاہری شان کو کس عظمت و جبروت کے ساتھ قائم رکھا۔ اب آگے رومیوں اور ایرانیوں کے ساتھ مسلمانوں کی لڑائیاں شروع ہوتی ہیں۔ جو حالت مُلک شام کی تھی۔ کہ اس کے جنوبی حصّہ میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں عرب متنصرہ کی تھیں۔ بالکل یہی حالت عراق عرب کی تھی کہ اس میں بھی چھوٹی چھوٹی ریاستیں عربوں کی تھیں۔ جن میں سے اکثر ایرانی شہنشاہی کے ماتحت، اور بعض ایرانی دربار سے گورنر مقرر ہو کر آتے اور حکومت کرتے تھے۔

مسلمانوں کی حکمتِ عملی

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب لشکر اُسامہؓ کو شام کی طرف روانہ کیا تھا۔ تو وہ ایرانیوں سے غافل نہ تھے۔ اُنھوں نے اس خطرناک حالت اور ان تشویش افزا ایام میں، جب کہ خود مدینہ منورہ کی حفاظت اور ملکِ عرب کے صوبوں میں فتنۂ ارتداد کے مٹانے کے لئے فوجوں کی بے حد ضرورت تھی۔ ایک چھوٹا سا دستہ مذکورۂ بالا گیارہ لشکروں کی روانگی سے پہلے مثنیٰ

بن حارثہ شیبانی کی سرداری میں عراق کی جانب روانہ کر دیا تھا۔ اور مثنیٰ کو حکم دیا تھا۔ کہ عراق میں پہنچ کر کسی جگہ بھی جم کر لڑائی کی تمہید نہ ڈالیں۔ بلکہ بطریق چھاپا دل چھاپے مارتے اور عراقی رئیسوں کو ڈراتے رہیں۔ اس سے مدعا صدیق اکبرؓ کا یہ تھا۔ کہ جب تک ملک عرب کا فتنہ ارتداد فرو ہو۔ اُس وقت تک ایرانیوں کو ملکِ عرب پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہو سکے۔ اور وہ مسلمانوں کی پریشانیوں اور مصیبتوں سے پورے طور پر واقف نہ ہو سکیں۔ یہی مقصد صدیق اکبرؓ نے لشکر اسامۂ کے ذریعہ حاصل کرنا چاہا تھا۔ کہ رومی لوگوں کو عرب کی جانب حملہ آور ہونے کی یکایک جرأت نہ ہو سکے۔ جب نجد یمامہ کے حالات قابو میں آ گئے تو صدیق اکبرؓ نے عیاض بن غنمؓ کو جو نجد میں مقیم تھے۔ لکھا کہ اُن مسلمانوں کو جو مرتد نہیں ہوئے اور اسلام پر بدستور قائم رہے اپنے ہمراہ لے کر بالائی عراق پر حملہ آور ہوں اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو جو یمامہ میں مقیم تھے۔ لکھا کہ اپنا لشکر لئے ہوئے زیریں عراق کی طرف متوجہ ہوں۔ راستہ میں جو قبائل یار و سا آئے۔ وہ بطیب خاطر مسلمان ہوتے یا اسلامی سیادت میں داخل ہوتے گئے۔ حکم صدیقی کی تصریح کے موافق مقام ابلہ میں مثنیٰؓ بن حارثہ اور خالد بن ولیدؓ دونوں آ کر مل گئے۔

جنگ ذات السلاسل۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے مقام ابلہ میں تمام اسلامی لشکر کی موجودات لی۔ تو کُل اٹھارہ ہزار آدمی تھے۔ آپ کے سامنے عراق کا وہ ایرانی صوبہ تھا۔ جس کا نام حضیر تھا۔ اور دربار ایران سے اس صوبہ کا گورنر ہرمز نامی ایک نہایت دلیر و جنگ جو سردار مقرر تھا۔ اس ہرمز کی دھاک تمام عرب و عراق اور ہندوستان تک بیٹھی ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ جنگی بیڑہ لے کر ساحلِ ہندوستان پر بھی حملہ آور ہوا کرتا تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے ہرمز کے نام ایک خط اتمام حجت کے لئے لکھا اور اسلام کی طرف دعوت دی۔ ہرمز نے اس خط کے پہنچتے ہی فوراً دربار ایران کو اطلاع دی اور خود فوجیں جمع کر کے حضرت خالدؓ کے مقابلے کو بڑھا۔ اُدھر سے حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنا لشکر تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ کی سرداری عدیؓ بن حاتم کو دی۔ دوسرا حصہ قعقاعؓ بن عمرو کے سپرد کیا۔ اور تیسرے حصہ کو اپنے ماتحت رکھ کر تینوں سرداروں نے داہنے بائیں ایک دن کی مسافت کا فاصلہ دے کر حضیر کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ لشکرِ ایران کے قریب پہنچ کر تینوں اسلامی سردار مل گئے۔ ایرانیوں کے مقابل اسلامی لشکر خیمہ زن ہوا۔ اول حضرت

خالد بن ولید میدان میں نکلے اور ہرمز کو مقابلہ کے لئے طلب کیا۔ ہرمز حضرت خالدؓ کی آواز سن کر میدان میں نکلا۔ دونوں سردار گھوڑوں سے اُتر کر پیادہ ہوگئے۔ اوّل حضرت خالدؓ نے وار کیا۔ ہرمز نے فوراً پیچھے ہٹ کر اور پینترا بدل کر وار خالی دیا۔ اور پھر نہایت پھرتی سے حضرت خالدؓ پر تلوار کا وار کیا۔ حضرت خالد بن ولید نے فوراً بیٹھک کے ساتھ آگے سمٹ کر اُس کی کلائی تھام کر تلوار چھین لی۔ ہرمز تلوار چھنواتے ہی حضرت خالدؓ کو لپٹ گیا۔ اور کشتی کی نوبت پہنچی۔ حضرت خالدؓ نے اُس کی کمر پکڑ کر اُٹھایا۔ اور زمین پر اس زور سے پٹکا کہ پھر وہ حرکت نہ کر سکا۔ اُس کے سینے پر چڑھ بیٹھے اور سر کاٹ کر پھینک دیا۔ ایرانیوں کے ایک دستہ نے اپنے سردار کو مغلوب دیکھ کر اُس کی مدد کے لئے حملہ کیا۔ ادھر سے قعقاع بن عمروؓ نے آگے بڑھ کر اُن کو روکا۔ پھر دونوں فوجیں آگے بڑھیں۔ اور جنگ مغلوبہ شروع ہوئی تھوڑی ہی دیر میں ایرانی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ بہت سے مقتول و مقید ہوئے۔ ہرمز کے لباس و اسلحہ پر حضرت خالدؓ نے قبضہ کیا۔ ہرمز دربار ایران کا ایسا سردار تھا جو تاج سر پر رکھتا تھا اُس کے تاج کی قیمت جو حضرت خالدؓ کے قبضہ میں آیا۔ ایک لاکھ دینار تھی۔ اس لڑائی میں ایرانیوں کے ایک حصّہ فوج نے اپنے پاؤں میں زنجیریں باندھ لی تھیں۔ کہ عربوں کے مقابلہ میں میدان سے بھاگ نہ سکیں۔ مگر پھر بھی اُن کو زنجیریں توڑ کر بھاگنا ہی پڑا۔ ان زنجیروں کی وجہ سے اس لڑائی کا نام جنگ ذات السلاسل مشہور ہوا۔

حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ کو خالد بن ولیدؓ نے ایرانیوں کے تعاقب میں روانہ کیا۔ انھوں نے آگے بڑھ کر حصن المراۃ کا محاصرہ کیا اور اس قلعہ کو فتح کیا۔ وہاں کا حاکم مقتول ہوا۔ اس کی بیوی مسلمان ہوگئی اور اُس نے حضرت مثنیٰ کی زوجیت میں آنا پسند کیا۔

جنگ قارن:- ہرمز کی اطلاعی عرضی جب دربار ایران میں پہنچی تو وہاں سے ہرمز کی امداد کے لئے ایک زبردست اور بہادر سردار قارن ایک بہادر فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ مگر اُس کے پہنچنے سے پہلے ہرمز کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ راستے میں قارن کو ہرمز کی ہزیمت یافتہ فوج ملی اُس نے بھگوڑوں کو روکا اور اُن کی ہمت بندھا کر اپنے ہمراہ لیا اور آگے بڑھ کر نہر کے کنارے قیام کیا۔ ادھر سے اسلامی لشکر آگے بڑھا۔ جنگ ہوئی۔ قارن انوشجان اور قباد تینوں بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ ایرانی اپنی تین ہزار لاشیں میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگے۔ بھاگتے ہوئے۔ بہت سے نہر میں ڈوب کر مرے۔ بہت سے گرفتار ہوئے۔

اس لڑائی کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے اس صوبہ کی رعایا کو کسی قسم کی کوئی تکلیف واذیت پہنچائے بغیر جزیہ کی ادائیگی پر آمادہ کرکے وہاں اسلامی عامل مقرر فرمادیئے۔ اور رعایائے ایران نے رعایائے اسلام بن کر یہ محسوس کیا۔ کہ دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل ہوگئے۔

جنگِ ولجہ:- قارن وغیرہ کے مارے جانے کی خبر سن کر دربار ایران سے اندر زگر ایک مشہور شہسوار ایک جرار لشکر کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ یہ لشکر مدائن سے روانہ ہوکر مقام ولجہ میں پہنچا تھا۔ کہ پیچھے سے بہمن جادویہ ایک دوسرے زبردست سردار کو لشکرِ عظیم کے ساتھ مدائن سے روانہ کیا گیا۔ مقام ولجہ میں پہنچ کر حضرت خالد بن ولیدؓ نے لشکر ایران پر حملہ کیا۔ ایک خوں ریز جنگ کے بعد لشکر ایران کو شکست فاش حاصل ہوئی اُن کا سردار بھی شدت تشنگی سے میدان جنگ میں مرگیا۔ بہمن جادویہ مقام لیس میں پہنچا تھا۔ کہ بھاگے ہوئے ایرانی اُس کی فوج میں جاکر شامل ہوئے اس لڑائی میں بہت سے عیسائی عرب بھی آکر ایرانی لشکر میں شریک ہوگئے تھے۔ بہمن جادویہ نے ایرانیوں اور عربوں کے اس لشکر عظیم کو مقام لیس میں چھوڑا اور خود مدائن کی طرف روانہ ہوا۔ کیونکہ وہاں اُس کی ضرورت نہ تھی۔

جنگِ لیس:- حضرت خالد بن ولیدؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ مقام لیس میں لشکر عظیم موجود ہے۔ جو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے والا ہے تو انھوں نے خود ہی لیس کی طرف کوچ کیا۔ اور وہاں پہنچ کر لڑائی شروع کردی۔ اوّل حضرت خالد بن ولیدؓ نے میدان میں تنہا آگے بڑھ کر اپنا مبارز طلب کیا۔ اُدھر سے مالک بن قیس مقابلہ پر آیا اور آتے ہی خالدؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے بعد جنگ مغلوبہ شروع ہوئی اور ستر ہزار دشمن میدان جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔

فتح حیرہ:- جنگ لیس سے فارغ ہوکر حضرت خالد بن ولیدؓ نے حیرہ کا محاصرہ کیا۔ جب محاصرہ کو طول ہوا۔ اور شہر والے عاجز ہوگئے۔ تو حیرہ کا رئیس عمروبن عبدالمسیح معہ دوسرے رؤسا کے خالد بن ولیدؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایرانی سردار اور ایرانی لشکر جو حیرہ میں موجود تھا اردشیر کسریٰ کی موت کا حال سُن کر پہلے ہی فرار ہوچکا تھا۔ عبدالمسیح نے قریباً دو لاکھ روپیہ خراج قبول کرکے صلح کرلی۔ فتح حیرہ کے بعد خالد بن ولیدؓ نے ضرارؓ بن الازور۔ ضرار بن الخطابؓ۔ قعقاع بن عمروؓ۔ مثنیٰ بن حارثہؓ۔ عینیہ بن الشماسؓ وغیرہ سردارانِ لشکر کو حیرہ کے اطراف وجوانب میں چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں کے ساتھ روانہ کیا۔ ہر ایک قبیلہ اور ہر ایک

بستی نے جزیہ یا اسلام قبول کیا۔ اور اس طرح دجلہ تک کا تمام علاقہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ پر فتح ہو گیا۔ خالد بن ولیدؓ حیرہ میں مقیم رہ کر اردگرد کی مہمات کا اہتمام و انصرام فرماتے رہے۔

خالدؓ کا پیغام

حیرہ سے حضرت خالدؓ نے ایک خط ایرانی رؤسا کی طرف روانہ کیا اور منشور عام عراق کے ان امراء کے نام بھیجا جو زمینداروں یا جاگیرداروں کی حیثیت رکھتے اور ابھی تک مطیع و منقاد نہ ہوئے تھے۔ ایرانی رؤسا کے نام جو خط انھوں نے بھیجا تھا اس میں لکھا تھا کہ

"اما بعد تمام تعریف اس خدا کو ہے۔ جس نے تمہارے نظام میں خلل ڈال دیا اور تمہارے مکر کو سست کر دیا اور تمہارے اتحاد کو توڑ دیا۔ اگر ہم اس ملک پر حملہ آور نہ ہوتے تو تمہارے لئے بُرائی ہوتی۔ اب بہتر یہ ہے کہ تم ہماری فرماں برداری کرو۔ ہم تمہارے علاقے چھوڑ دیں گے۔ اور دوسری طرف چلے جائیں گے۔ اگر تم ہمارے مطیع نہ ہوئے تو پھر تم کو ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا۔ جو موت کو ایسا دوست رکھتے ہیں جیسے تم زندگی کو محبوب رکھتے ہو۔"

دوسرے منشورِ عام کا یہ مضمون تھا کہ

"تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے تمہاری شیخی کرکری کر دی اور تمہارے اتفاق کو توڑ دیا۔ اور تمہاری شان و شوکت مٹا دی۔ پس تم اسلام قبول کرو کہ سلامت رہو گے یا ہماری حفاظت میں آکر ذمی بن جاؤ۔ اور جزیہ ادا کرو۔ ورنہ میں ایسی قوم تم پر لایا ہوں جو موت کو ایسا عزیز رکھتی ہے جیسا تم شراب خواری کو محبوب رکھتے ہو۔"

ان خطوط و فرامین کا یہ اثر ہوا۔ کہ دربارِ ایران میں جو بادشاہ کے متعلق جھگڑے پڑے ہوئے تھے۔ وہ فوراً سلجھ گئے اور امیرانِ دربار فوراً اپنا ایک پادشاہ منتخب کر لینے میں متفق ہو گئے۔ تاکہ اہلِ عرب کا تدارک دل جمعی کے ساتھ بہ آسانی ہو سکے۔

فتح انبار یا جنگ ذات العیون:- ایرانیوں نے انبار میں ایک لشکر عظیم فراہم کر کے شیرزاد والیٔ ساباط کو اس لشکر کا سپہ سالار بنایا تھا خالد بن ولیدؓ حیرہ میں اس اجتماع لشکر کی خبر سُن کر حیرہ سے انبار کی طرف روانہ ہوئے۔ شیرزاد نے انبار کی فصیل کے باہر مٹی کا دمدمہ بھی تیار کرا لیا تھا اور وہ عربی لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر طرح تیار و مستعد تھا۔ حضرت خالدؓ نے جب انبار کا محاصرہ کیا۔ تو محصورین نے دمدمہ سے یک لخت تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ اور اسلامی لشکر میں ایک ہزار مجاہدین کی آنکھیں تیروں سے زخمی و بیکار ہو گئیں۔ لیکن لشکر اسلام اور اُس کا شیر دل سپہ سالار ایسا نہ تھا۔ کہ تیروں کی بارش اس کو روک سکے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے کمزور و ناتواں اونٹوں کو ذبح کرا کر خندق میں ڈال دیا۔ اور اس طرح جب خندق کے عبور کرنے کا راستہ بن گیا۔ تو مسلمانوں نے اول دمدمہ پر قبضہ کیا۔ پھر فصیل شہر تک پہنچ کر خون کے دریا بہا دیئے۔ ایرانیوں نے مدافعت میں بڑی ہمت اور بہادری کا اظہار کیا۔ مگر مسلمانوں کے مقابل کچھ پیش نہ گئی۔ شیرزاد نے جب دیکھا کہ شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے والا ہے تو اُس نے فوراً حضرت خالدؓ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے جواباً کہلا بھیجا۔ کہ شیرزاد اپنے چند مخصوص ہمراہیوں کے ساتھ صرف تین دن کا سامان رسد لے کر اگر شہر سے نکلنا چاہے تو ہم اُس کو جانے دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شیرزاد شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ اور خالدؓ فاتحانہ شہر میں داخل ہوئے۔ ایرانیوں نے اسلامی لشکر کے مقابلے کے لئے جا بجا فوجی تیاریاں مکمل کر رکھی تھیں۔ چنانچہ انبار میں معلوم ہوا کہ مقام عین التمر میں مہران بن بہرام چوبیں ہزار ایرانیوں کا ایک لشکر عظیم لئے ہوئے اور عقبہ بن ابی عقبہ اہلِ عرب کے ایک اجتماع عظیم کے ساتھ بقصدِ قتال خیمہ زن ہے۔ گرد و نواح کے عرب قبائل تغلب و آیاد وغیرہ بھی اسلامی لشکر کے مقابلہ کی غرض سے فراہم ہو کر آ گئے تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے زبرقان بن بدر کو شہر انبار کا حاکم مقرر کر کے خود التمر کا قصد کیا۔

فتح عین التمر:- عقبہ بن عقبہ نے خالد بن ولیدؓ کے قریب پہنچنے کی خبر سُن کر مہران بن بہرام ایرانی سپہ سالار سے کہا کہ عربوں کی لڑائی کو عرب ہی خوب جانتے ہیں۔ لہٰذا آپ اول ہم کو اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے دیجئے۔ مہران نے اس بات کو بخوشی منظور کر لیا عقبہ سب سے پہلے میدان میں نکلا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اُس کو فوراً زندہ گرفتار کر لیا۔

عقبہ کے گرفتار ہوتے ہی عقبہ کا تمام لشکر بھاگ پڑا۔ بہت سے مفرورین کو مسلمانوں نے گرفتار بھی کیا۔ مہران بن بہرام پر اس نظارہ سے ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ قلعہ چھوڑ کر بلا مقابلہ فرار ہو گیا۔ عقبہ کی بھاگی ہوئی فوج نے ایرانیوں سے قلعہ خالی دیکھ کر فوراً قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ اور اس طرح قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ چار روز کے محاصرہ کے بعد قلعہ پر بھی اسلامی لشکر کا قبضہ ہوا۔ عیسائی عرب جو مجوسیوں کے ساتھ مل کر لڑ رہے تھے۔ مقتول ہوئے۔ اور مال و اسباب پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔

بالائی عراق

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حکم صدیقی کے موافق عیاض بن غنمؓ نے بالائی عراق پر حملہ کیا تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو تو بہت جلد قبائل در وسار سے گذر کر ایرانی سرداروں اور ایرانی فوجوں سے مقابلہ پیش آگیا تھا۔ اگرچہ عرب سردار اور عیسائی قبائل بھی برسر مقابلہ تھے۔ لیکن وہ ایرانیوں سے جدا نہ تھے۔ حضرت عیاض بن غنم جو بالائی عراق پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اُن کو ابھی تک عیسائی خود مختار روساء سے فرصت نہیں ملی تھی۔ وہ جس علاقہ میں مصروف کار تھے۔ وہ علاقہ عراق۔ جزیرہ، ایران، شام کا مقام اتصال تھا۔ اور اسی لئے اُن کی معرکہ آرائیوں کا اثر جس قدر دربارِ ایران پر پڑ سکتا تھا۔ اسی قدر دربار ہرقل پر بھی پڑ رہا تھا۔ جس زمانے میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے عین التمر کو فتح کیا اُس وقت حضرت عیاض بن غنمؓ عرب کے مشرک و نصرانی قبائل کو زیر کرتے ہوئے دومۃ الجندل کے حکمرانوں سے برسرِ مقابلہ تھے۔ علاقہ دومۃ الجندل میں دو رئیس تھے۔ ایک اکیدر بن عبد الملک (جس کا ذکر اوپر حیات نبوی کے واقعات میں آچکا ہے) دوسرا جودی بن ربیعہ۔ یہ دونوں رئیس متفق و متحد ہو کر عیاض بن غنمؓ کے مقابلہ میں صف آرا تھے اور انہوں نے ارد گرد کے تمام نصرانی قبائل کو اپنے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں شریک و متحد کر لیا تھا۔ عیاض بن غنم کا ایک خط عین التمر میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس پہنچا کہ ہماری مدد کو پہنچے۔ دشمن کی بڑی تعداد و قوت کا مقابلہ ہماری نہایت ہی قلیل جمعیت سے شاید نہ ہو سکے۔

فتح دومۃ الجندل حضرت خالد بن ولیدؓ قعقاع بن عمروؓ کو حیرہ میں اپنا نائب بنا کر بلا توقف دومۃ الجندل کی جانب روانہ ہوئے۔ حضرت خالدؓ کے آنے

کی خبر سُن کر اکیدر بن عبد الملک نے جودی بن ربیعہ اور دوسرے نصرانی سرداروں سے کہا کہ مسلمانوں سے صلح کر لینی چاہیے۔ لیکن انھوں نے اس رائے کو ناپسند کیا۔ اکیدر اُن کا ساتھ چھوڑ کر تنہا نکل کھڑا ہوا۔ اُس کے اس طرح جدا ہو کر جانے کی خبر مسلمانوں کو بھی لگ گئی۔ ایک چھوٹے سے دستۂ فوج نے اُس کو گرفتار کرنا چاہا۔ مگر وہ لڑ کر ہلاک ہوا۔

دومۃ الجندل کے قریب پہنچ کر حضرت خالد بن ولیدؓ نے اول یہ تحقیق کیا کہ عیاض بن غنمؓ کس طرف حملہ آور ہیں۔ اُن کے مقابل دوسری طرف سے حضرت خالدؓ نے حملہ شروع کیا۔ جودی بن ربیعہ نے جو اب عیسائی لشکر کا سپہ سالار اعظم تھا اپنے لشکر کے فوراً دو حصے کر کے ایک عیاض بن غنمؓ کے مقابلہ کو بھیجا۔ اور دوسرا حصہ خود لے کر حضرت خالدؓ کے مقابلہ پر آیا۔ حضرت خالدؓ نے صف سے آگے میدان میں نکل کر جودی سالار لشکر کو للکارا اور اپنے مقابلہ پر طلب کیا۔ وہ میدان سے نکل کر خالدؓ کے مقابلہ پر آیا۔ حضرت خالدؓ نے فوراً اُس کو گرفتار کر لیا۔ اُس کے ہمراہیوں نے یہ نظارہ دیکھ کر فوراً بھاگنا شروع کیا۔ اتفاقاً اُسی وقت عیاض بن غنمؓ نے اپنے مقابل عیسائیوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ دونوں طرف کے مفرور بھاگ کر قلعہ میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا۔ حضرت خالدؓ نے قلعہ کا محاصرہ کر کے اہل قلعہ کے روبرو جودی کو قتل کر ڈالا۔ اور قلعہ پر دھاوا کر کے بزور شمشیر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ جو مقابل ہوا اُس کو قتل کر دیا۔ جس نے امان طلب کی اُس کو امان دے دی گئی؛

جنگ حصید: اہلِ فارس نے جب یہ دیکھا کہ خالد بن ولیدؓ صوبہ حیرہ کو چھوڑ کر دومۃ الجندل کی طرف چلے گئے۔ تو انھوں نے حیرہ کے واپس لینے اور اسلامی عاملوں کو اس علاقے سے نکال دینے کی بلا توقف زبردست کوشش کی۔ حیرہ کے عربی قبائل نے بھی اپنے سردار عقبہ بن عقبہ کے قتل کا معاوضہ لینے کے لئے از سرِ نو جنگی تیاریاں فوراً مکمل کر لیں۔ دربار ایران سے دو نامی سردار زرمہر اور روزبہ لشکر عظیم لے کر روانہ ہوئے۔ قعقاع بن عمروؓ نے اس حملہ آوری کا حال سُن کر موجودہ مسلمانوں کی دو فوجیں بنائیں۔ ایک کی سرداری ابو لیلیٰؓ کو دی اور دوسری قعقاع بن عمروؓ نے اپنے ماتحت لی۔ اور حیرہ سے روانہ ہو کر مقام حصید میں ایرانیوں سے جا بھڑے۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ ایرانیوں کے دونوں سردار اور نصف سے زیادہ فوج مسلمانوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئی۔ باقی مفرور ہو کر

مقام خنافش کی طرف گئی۔ جہاں ایرانیوں کا ایک زبردست سپہ سالار بہبوذان ایک زبردست فوج لئے ہوئے پڑا تھا۔ ابولیلیٰ اِن مفرورین کے تعاقب میں خنافش تک پہنچے تو بہبوذان خنافش سے بھاگ کر مضیخ کی طرف چلا گیا۔ جہاں ہذیل بن عمران معہ دوسرے عرب سرداروں کے عربوں کی جمعیت کثیرہ لیے ہوئے مسلمانوں کے مقابلہ کی غرض سے پڑا ہوا تھا۔ یہاں یہ واقعات گذر رہے تھے۔ کہ حضرت خالد بن ولیدؓ دومۃ الجندل سے فارغ ہوکر واپس حیرہ میں تشریف لے آئے۔

جنگ مضیخ:- مضیخ میں علاوہ ہذیل بن عمران کے ربیعہ بن بجیر تغلبی بھی معہ بنو تغلب مسلمانوں کے مقابلہ کو موجود تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ۔ قعقاعؓ اور ابولیلیٰ کو دو مختلف سمتوں سے تاریخ مقررہ میں مضیخ کی طرف روانہ کرکے خود بھی اسی طرف ایک تیسری سمت سے روانہ ہوئے۔ تاریخ مقررہ پر پہنچ کر تینوں فوجوں نے یک لخت حملہ کرکے دشمنوں کے جمِ غفیر کو تہِ تیغ کرنا شروع کیا۔ ہذیل تو چند آدمیوں کے ساتھ اپنی جان بچا کر بھاگ گیا۔ لیکن باقی سردار اور بے شمار آدمی مارے گئے۔ مقتولین میں دو شخص عبدالعزیز بن ابی رہم اور لبید بن جریر ایسے بھی تھے جو مسلمان ہوگئے تھے۔ مگر مجبوراً دشمنوں کے ساتھ تھے۔ ان دونوں کے مارے جانے کا حال جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو معلوم ہوا تو اُنھوں نے دونوں کا خوں بہا ادا کیا۔ اور اُن کی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کا تاکیدی حکم دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مالک بن نویرہ کے قتل کے سبب پہلے ہی سے حضرت خالد بن ولیدؓ سے ناراض تھے۔ اب عبدالعزیز اور لبید دو شخص اور مالک بن نویرہ کی فہرست میں شامل ہوگئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے اس معاملہ میں کوئی باز پرس نہیں کی اور فرمایا کہ جو شخص اہلِ شرک کے ساتھ رہے گا۔ اُس کا یہی انجام ہوگا۔ ربیعہ بن بجیر تغلبی بھی صاف بچ کر نکل گیا تھا۔ اور ایک جمعیت کثیر فراہم کرکے اہل فارس کی امداد کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ ہذیل فرار ہوکر مقام لبیر میں عتاب بن اسید کے پاس چلا گیا تھا جہاں عتاب بن اسید بھی مسلمانوں کے خلاف جمعیت کثیرہ فراہم کر چکا تھا۔ خالد بن ولیدؓ نے ربیعہ کے تعاقب میں تو قعقاعؓ وابولیلیٰ کو روانہ کیا اور ہذیل کے تعاقب میں خود تشریف لے گئے۔ چنانچہ ربیعہ اور اُس کے تمام ہمراہی مقتول۔ لبیر میں عتاب بن اسید اور ہذیل دونوں معہ اکثر

ہمراہیوں کے مسلمانوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے۔ اس کے بعد ہی معلوم ہوا کہ مقام رضافہ میں ہلال بن عقبہ نے اپنے گرد مسلمانوں کے خلاف ایک بہت بڑی جمعیت فراہم کرلی ہے۔ حضرت خالدؓ بلا توقف یسیر سے رضافہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں خالدؓ کی آمد سن کر دشمن فرار ہوئے اور بھاگ کر رضاب اور فراض کی طرف گئے۔ یہ مقامات دومۃ الجندل کے متصل اور فارس وشام وعرب کے مقام اتصال پر واقع تھے۔ یہاں بنو تغلب بنو تمر۔ بنو آیاد کا پہلے سے اجتماع تھا۔ اور رومی لشکر اُن کی امداد کے لئے آیا ہوا قریب ہی خیمہ زن تھا۔ اس طرح لڑائیوں کا سلسلہ جو عراق کے نشیبی حصے سے شروع ہوا تھا۔ ایرانی فوجوں سے گذر کر درمیانی قبائل اور رؤسا کی بدولت رومی لشکر تک پہنچ گیا۔

جنگِ فراض

خالد بن ولیدؓ نے فراض میں پہنچ کر لڑائی کی تمہید ڈال دی۔ یہ مقام دریائے فرات کے کنارے تھا۔ دوسری طرف رومی لشکر خیمہ زن تھا رومی لشکر نے پیغام بھیجا کہ یا تو تم دریائے فرات کے اس طرف آجاؤ۔ یا ہم کو اُس طرف عبور کرنے دو۔ تاکہ ہمارے تمہارے دو دو ہاتھ ہوں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے جواب دیا کہ تم ہی اس طرف آجاؤ۔ چنانچہ رومی لشکر دریا کو عبور کرکے اسلامی لشکر کے مقابل ہوا۔ اسلامی لشکر مسلسل سفر اور لڑائیوں سے چور چور ہو رہا تھا۔ رومی بالکل تازہ دم تھے۔ تعداد کے اعتبار سے بھی وہ آٹھ دس گنے تھے۔ لڑائی شروع ہوئی تمام دن ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ بالآخر رومی لشکر کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ اور وہ میدان میں ایک لاکھ لاشیں چھوڑ کر مسلمانوں کے سامنے سے بھاگے۔ اس لڑائی سے فارغ ہو کر ۲۵ ذیقعدہ ۱۲ھ کو خالد بن ولیدؓ نے شجرہ بن الاغر کے ہمراہ تمام لشکر کو حیرہ کی جانب واپس روانہ کیا۔ اور خود چند ہمراہیوں کو لے کر چپکے سے مقام فراض سے روانہ ہوئے اور مکہ معظمہ میں پہنچ کر حج بیت اللہ میں شریک ہوئے۔

حج سے فارغ ہو کر فوراً حیرہ کی جانب چل دیئے۔ حیرہ میں پہنچ کر جب آپ شریک لشکر ہوتے ہیں تو کسی شخص کو اس کا وہم وگمان بھی نہ ہوا کہ یہ حج کرکے آئے ہیں۔ اتفاقاً یہ خبر چھپی نہ رہ سکی۔ اور رفتہ رفتہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے کانوں تک پہنچی۔ انھوں نے خالدؓ کو آئندہ اس قسم کی حرکات سے منع کیا اور کسی قدر اظہار ناراضگی بھی کیا۔ اس سال حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی حج بیت اللہ ادا فرمایا اور اپنی جگہ مدینہ منورہ میں حضرت

عثمان بن عفانؓ کو مدینہ کا عامل بنایا۔ حضرت خالدؓ بن ولیدؓ نے حیرہ میں واپس آکر وہاں کے چند چھوٹے چھوٹے مقامات پر جو باقی رہ گئے تھے قبضہ کیا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ ماہ ربیع الاول ۱۲ھ تک علاقہ حیرہ میں رہے۔ آخر محرم ۱۲ھ میں وہ اس علاقہ میں داخل ہوئے تھے۔ اس قلیل مدت میں اُن کو قدم قدم پر دشمنوں کا مقابلہ پیش آیا۔ اور بیسیوں خوں ریز وعظیم لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ ہر ایک لڑائی میں اُن کی فوج کم اور دشمن کی فوج کئی کئی گنی ہوتی تھی۔ ہر ایک لڑائی میں اُنھیں کو فتح نصیب ہوئی۔ کسی موقعہ پر بھی اُن کو شکست وہزیمت حاصل نہیں ہوئی۔ ایرانیوں کی مغرور اور دشمن قوم کے دل پر اُن کے قوتِ بازو اور عزم واستقلال کی بدولت عربوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ اس قلیل مدت میں اُنھوں نے جس قدر وسیع ملک اور مختلف زبردست قبائل کو تسخیر کیا۔ اس کی نظیر تاریخ عالم میں بہ آسانی دستیاب نہیں ہو سکے گی۔ اس معاملہ میں ہم مجبور ہیں۔ کہ خالد بن ولیدؓ کی بے نظیر شجاعت اور قابلیتِ سپہ سالاری پر درود سلام بھیجیں لیکن ان تمام خالدی کارناموں کی ایک روح ہے۔ اُس روح کو بھی ہمیں تلاش کر لینا چاہیے وہ روح انتخابِ صدیقی۔ تربیتِ صدیقی، اور ہدایاتِ صدیقی ہیں۔ مدینۂ منورہ اور لشکرِ اسلام کے درمیان برابر سلسلۂ خط وکتابت ہمیشہ جاری رہتا۔ اور ہر ایک واقعہ کی خبر جلد از جلد خلیفۃ الرسولؐ تک پہنچ جاتی تھی۔ اسی طرح معمولی معمولی باتوں کے متعلق خلیفۃ الرسولؐ کی طرف سے ہدایات پہنچتی رہتی تھیں۔

خالد بن ولیدؓ ملک شام میں: ایرانیوں کی جانب سے کسی قدر اطمینان ہو چکا تھا۔ اور اُمید نہ تھی۔ کہ اب جلد وہ مدینۂ منورہ پر فوج کشی کے خواب دیکھیں گے۔ جس وقت عرب کے ہر ایک حصہ میں فتنۂ ارتداد فرو ہو گیا اور ایرانی خطرہ کی اہمیت بھی کسی عجلت کی متقاضی نہ رہی تو اب سب سے مقدم اور سب سے زیادہ اہم ملک شام کا انتظام اور اُس طرف سے رومی وغسانی خطرہ کی روک تھام تھی۔ شرجیل بن عمرو غسانی بادشاہ نے آنحضرت صلعم کے ایلچی کو شہید کر دیا تھا۔ جس کے بعد جنگِ موتہ ہوئی۔ پھر رومیوں اور غسانیوں نے مل کر مدینہ منورہ پر فوج کشی کی تیاریاں کیں۔ جس کا حال سُن کر خود آنحضرت صلعم فوج لے کر تبوک تک تشریف لے گئے مگر اُس وقت تک عیسائی پورے طور پر اتنے بڑے عربی واسلامی لشکر کے مقابلہ کی جرأت

نہ کر سکے اور آنحضرت صلعم سرحدِ شام پر رُعب ڈال کر واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد
پھر خبر پہنچی کہ سرحدِ شام پر فوجی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ تو آنحضرت صلعم نے حضرت اُسامہؓ
بن زید کو روانہ کیا۔ جو بعد وفات نبویؐ سرحدِ شام کی طرف گئے۔ اور جو مقابل ہوا اُس کو
شکست دے کر جلدی سے واپس چلے آئے۔ کیونکہ فتنۂ ارتداد کا اندرون ملک میں خوب زور
شور تھا۔ فتنۂ ارتداد کی روک تھام کے لئے حضرت ابو بکرؓ نے جب گیارہ لشکر تیار کر کے
روانہ کئے تو اُن میں سے ایک لشکر حضرت خالد بن سعیدؓ کو دے کر حکم دیا۔ کہ تم سرحدِ شام کی
طرف جاؤ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی شامی خطرہ کو محسوس کئے ہوئے تھے اور اُنھوں نے فتنۂ
ارتداد کے فرو کرنے میں شامی خطرہ کو بخوبی پیش نظر رکھا تھا۔ جب ارتداد سے اطمینان ہو گیا
تو اُنھوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو تو عراق کی طرف متوجہ کر دیا کہ ایرانی خطرہ کی طرف
سے اطمینان حاصل ہو اور ملکِ عرب کے ہر حصّہ میں ایلچی بھیج کر لڑائی کے لئے جنگی
سپاہیوں کو ہر قبیلہ سے طلب کیا۔ مُدعا اس سے یہ تھا کہ عرب کی متحدہ طاقت سے رومی
اور ایرانی شہنشاہیوں کا مقابلہ کیا جائے تاکہ ہمیشہ کے لئے عیسائیوں اور مجوسیوں کے خطرہ
سے عرب کو نجات ملے۔ دوسرے عرب کے جنگجو قبائل جو خاموش بیٹھنے کے عادی نہ تھے
اُن کو ہر حصّہ مُلک سے طلب کر کے غیر مسلم دشمنوں کے مقابلے میں شام و عراق کی طرف بھیج
دیا جائے تاکہ عرب کے اتحاد و قوت اور اسلام کی مرکزی قوت کے لئے کسی اندرونی فتنہ کا اندیشہ
باقی نہ رہے۔ اندریں صورت کہا جا سکتا ہے۔ کہ فتنۂ ارتداد بھی اسلامی فتوحات کا ایک بہت
بڑا سبب تھا۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تدبیر و رائے نے اسلامی عظمت و شوکت کی نشو و
نما کے لئے وہ کام کیا۔ جو ایک تجربہ کار اور ہوشیار مالی اپنے باغیچہ کی سرسبزی کے لئے کر سکتا ہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ بہت تھوڑے سے آدمی تھے لیکن وہ راستے سے صدیقی
ہدایت کے موافق جس قدر مُسلمان ہو سکے اپنے ہمراہ لیتے گئے۔ خالد بن ولیدؓ کو حکم دیا گیا
تھا۔ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے مرتدین کو درست کرنا اور عیسائی لشکر مقابلہ پر آئے۔ تو
حتی الامکان جنگ چپاول سے کام لینا میدان داری اور جم کر مقابلہ کرنے سے پرہیز کرنا۔
ایسا حکم دینے کی وجہ یہی تھی۔ کہ صدیق اکبرؓ سب سے اوّل عرب کو قابو میں لانا چاہتے تھے
اور جب تک فتنۂ ارتداد بکلی فرو نہ ہو جائے اُس وقت تک ہرقل و کسریٰ کی فوجوں سے
لڑائی چھیڑنا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ جس طرح دوسرے سرداران لشکر کے ساتھ دربارِ خلافت

سے سلسلہ خط وکتابت جاری تھا۔ اسی طرح خالدبن ولیدؓ کی نقل وحرکت سے بھی صدیقؓ اکبر باخبر تھے اور برابر خالدؓ ولید کے پاس مدینۂ منورہ سے احکام پہنچتے رہتے تھے۔

ہرقل نے اسلامی لشکر کے حدود شام میں موجود ہونے کی خبر سن کر اول سرحدی قبائل اور سرحدی رؤسا، کو مقابلہ کے لئے اُبھارا۔ لیکن جب یہ چھوٹے چھوٹے رئیس اور عرب متنصرہ کے قبائل اسلامی لشکر کے مقابلہ میں مغلوب ہوتے گئے۔ تو قیصرِ روم ہرقل نے ہامان نامی رومی کو لشکر عظیم کے ساتھ آگے بڑھایا۔ جب عیسائی اور اسلامی فوجوں کا مقابلہ ہوا تو ہامان کے لشکر کو شکست ہوئی اور مسلمانوں کے ہاتھ بہت سامالِ غنیمت آیا۔ اس شکست کا حال سن کر ہرقل خود قسطنطنیہ سے روانہ ہوکر ملک شام میں آیا اور تمام فوجوں کو جمع کرکے لڑائی کا اہتمام اُس نے براہِ راست اپنے ہاتھ میں لیا۔ خالدبن ولیدؓ کے خط سے یہ تمام کیفیت صدیق اکبرؓ کو معلوم ہوتی۔ جس کا اُن کو پہلے سے اندازہ تھا۔ اتفاقاً جس روز یہ خط مدینہ میں پہنچا ہے۔ اُسی روز عکرمہؓ بن ابی جہل اپنی مہم سے فارغ ہوکر مدینے میں پہنچے تھے۔ ساتھ ہی ملک کے ہر حصہ سے لڑائی کے لئے آمادہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار ہو ہو کر قبائل آنے شروع ہو گئے۔ صدیق اکبرؓ نے عکرمہؓ بن ابی جہل کو فوراً خالدبن ولیدؓ کی طرف روانہ کر دیا۔ اُن کے بعد عمروبن العاصؓ کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا کہ خالدبن ولیدؓ اور اُن کے ہمراہیوں کو ساتھ لیتے ہوئے فلسطین کے راستے حملہ آور ہوں۔ اُن کے بعد آتے ہوئے قبائل کی ایک فوج مرتب کرکے یزیدبن ابی سفیان کو سردار بنا کر روانہ کیا اور حکم دیا کہ تم دمشق کی طرف جاکر حملہ آور ہو۔ پھر ایک اور فوج ترتیب دے کر اُس کا سردار حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح کو بنایا اور حکم دیا کہ تم حمص کی جانب جاکر حملہ کرو۔ اسی عرصہ میں شرجیلؓ بن حسنہ عراق کی طرف سے مدینہ منورہ میں تشریف لائے تھے۔ صدیق اکبرؓ نے ایک اور لشکر مرتب فرما کر اُس کا سردار شرجیل بن حسنہؓ کو مقرر فرمادیا اور حکم دیا کہ تم اردن کی جانب سے حملہ کرو۔ اس طرح صدیق اکبرؓ نے چار لشکر مرتب فرما کر چار مختلف راستوں سے ماہ محرم ۱۳ھ میں روانہ کئے کہ ملکِ شام پر حملہ آور ہوں۔

جب یہ چاروں لشکر حدودِ شام میں پہنچے اور ہرقل کو اس کی اطلاع ملی کہ عربوں نے چار حصوں میں منقسم ہوکر چار مقامات پر حملہ آوری کا قصد کیا ہے تو اُس نے بھی اپنے چار سپہ سالاروں کو چار عظیم الشان لشکر دے کر الگ الگ روانہ کیا۔ عمروبن العاصؓ کے

مقابلہ کے واسطے اس نے اپنے حقیقی بھائی تذارق کو نوّے ہزار فوج دے کر فلسطین کی طرف روانہ کیا۔ جرجہ بن توذر کو چالیس ہزار فوج دے کر یزید بن ابی سفیان کے مقابل دمشق کی سمت بھیجا۔ راقص نامی سردار کو پچاس ہزار فوج کے ساتھ شرجیل بن حسنہ کے مقابلہ پر اردن کی جانب اور رفیقار بن نسطورس کو ساٹھ ہزار سوار کی جمعیت کے ساتھ ابو عبیدہ رضؓ بن الجراح کے مقابلہ کو حمص کی طرف روانہ کیا۔ ہرقل نے اپنے چاروں سرداروں کے ماتحت کُل دو لاکھ چالیس ہزار فوج مسلمانوں کے مقابلہ کی غرض سے روانہ کی۔ حالانکہ مسلمانوں کے چاروں لشکروں کا مجموعہ تیس ہزار کے قریب تھا۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ ہرقل نے کیسی زبردست تیاریاں مسلمانوں کے استیصال کی پہلے سے کر رکھی تھیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ خود ہرقل اپنی ذات سے اس بات کا خواہش مند نہ تھا۔ کہ ضرور مسلمانوں سے لڑے وہ تو لڑائی کو ٹالنا اور جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں سے بے تعلق رہنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے تمام درباری۔ تمام اُمرار۔ تمام سردارانِ فوج اور تمام صوبہ دار ہمہ تن آمادہ و مستعد تھے کہ ملکِ عرب پر حملہ کیا جائے۔ اس مطلب کو ان الفاظ میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ ہرقل تو لڑائی پر آمادہ نہ تھا۔ مگر رومی گورنمنٹ پورے طور سے پر آمادہ و مستعد تھی۔ لہٰذا ہرقل کو رومی گورنمنٹ کا شہنشاہ ہونے کی حیثیت سے ہر ایک اہتمام ایک ہوشیار و تجربہ کار مہتمم کی طرح کرنا پڑتا تھا۔

مسلمان سردار اگرچہ ایک دوسرے سے جدا سفر کر رہے تھے۔ لیکن حکم صدیقی کے موافق ایک دوسرے کے حالات سے باخبر اور آپس میں سلسلۂ پیام رسانی کو قائم رکھے ہوئے تھے۔ جب حدودِ شام میں داخل ہونے کے بعد اُن کو معلوم ہوا کہ ہر ایک لشکر کے مقابلہ پر اُس سے آٹھ گنی رومی فوج جو ہر طرح کیل کانٹے سے درست ہے آرہی ہے تو ایک طرف صدیق اکبرؓ کو اطلاع دی۔ دوسری طرف اُنھوں نے مناسب سمجھا کہ ہم کو ایک جگہ متحد ہو کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اتفاق کی بات کہ ادھر چاروں سردار اپنی اپنی فوجوں کو لئے ہوئے ایک جگہ یرموک میں جمع ہوئے۔ اُدھر صدیق اکبرؓ نے رومی لشکر کی کثرت اور تیاریوں کا حال سُن کر ایک طرف تو چاروں سرداروں کے نام ایک جگہ جمع ہو کر مقابلہ کرنے کا حکم بھیجا دوسری طرف حضرت خالد بن ولیدؓ کو لکھا کہ تم صوبہ حیرہ میں اپنی جگہ مثنیٰ بن حارثہؓ کو وہاں کا ذمہ دار افسر بنا کر نصف فوج مثنیٰؓ کے پاس چھوڑ کر اور نصف فوج خود لے کر شام کی طرف چلے جاؤ۔

اور وہاں کی تمام افواج اسلام کا اہتمام بحیثیت سپہ سالار اعظم اپنے ہاتھ میں لے لو۔ صدیق اکبرؓ دیکھ چکے تھے۔ کہ خالد بن ولیدؓ نے ایرانی افواج کو کس طرح پیہم شکستیں دے کر ایک بڑا علاقہ سلطنتِ ایران سے چھین لیا ہے۔ اُن کی نظر میں خالدؓ سے بہتر کوئی شخص نہ تھا۔ جو اس خطرناک حالت میں رومیوں کا مقابلہ کامیابی سے کر سکے۔ یہ وہ بھی جانتے تھے۔ کہ خالدؓ کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا کارنامہ جنگِ موتہ تھا۔ کہ انھوں نے اسلامی لشکر کی بگڑی ہوئی حالت کو سُدھار لیا تھا۔ جس کے صلہ میں بارگاہ ایزدی سے اُن کو سیفُ اللہ کا خطاب ملا تھا۔ لہٰذا انھوں نے مناسب سمجھا۔ کہ چاروں نہایت زبردست اور قبائل سپہ سالاروں کے پاس سیف اللہ کو بھیجنا اور ان چاروں پر اُن کو سردار بنا دینا ضرور مفید ہوگا۔ چنانچہ خالد بن ولیدؓ نے دس ہزار فوج مثنیٰ بن حارثہؓ کے پاس چھوڑی۔ اور دس ہزار فوج لے کر شام روانہ ہوئے۔

اُدھر ہرقل نے جب یہ دیکھا۔ کہ چاروں اسلامی لشکر ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں تو اُس نے بھی اپنے چاروں سرداروں کو حکم دیا۔ کہ ایک جگہ جمع ہو کر مقابلہ کرو۔ چاروں رومی لشکر جمع ہو کر چشمۂ یرموک کے دوسری جانب ایک ایسے بیضوی میدان میں خیمہ زن ہوئے جو پشت کی جانب پہاڑ اور سامنے کی جانب پانی سے محصور تھا۔ اس دو لاکھ چالیس ہزار رومی لشکر کا سپہ سالار اعظم ہرقل کا بھائی تذارق تھا۔ ہرقل نے اُس کو لکھا۔ کہ میں ایک زبردست لشکر اور تمھاری کمک کے لئے روانہ کر رہا ہوں۔ چنانچہ ماہان نامی سردار کو یرموک کی طرف روانہ کیا۔ اسلامی لشکر جو چشمۂ یرموک کے اس طرف میدان میں پڑا ہوا تھا۔ خود رومیوں پر اپنی قلت کے سبب حملہ نہ کر سکتا تھا۔ اُدھر رومی جو ایک قدرتی حصار کے اندر محفوظ تھے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونے میں لیس و پیش کر رہے تھے۔

یرموک میں جب دونوں طرف کے لشکر جمع ہوئے ہیں تو صفر کا مہینہ تھا۔ انھیں ایام میں یا دو چار روز بعد حضرت خالد بن ولیدؓ عراق سے اپنا دس ہزار لشکر لے کر یرموک کی جانب روانہ ہوئے۔ راستہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کو کئی جگہ دشمن قبائل اور دشمن رئیسوں کی فوجوں نے روکا ٹوکا۔ ہر جگہ خالد لڑتے۔ دشمنوں کو مارتے بھگاتے اور سامنے سے ہٹاتے ہوئے ماہ ربیع الاوّل ۱۳ھ میں یرموک پہنچ گئے۔ یرموک میں ہرقل کی طرف سے کئی سردار اور بطریق فوجی امداد کے ساتھ رومی لشکر میں آ کر شریک ہو چکے تھے۔ حضرت خالدؓ کے

آنے سے پہلے اگرچہ معمولی چھیڑ چھاڑ دونوں لشکروں میں ہو جاتی تھی۔ مگر کوئی اہم قابلِ تذکرہ معرکہ ابھی تک نہیں ہوا تھا۔

جنگِ یرموک:- حضرت خالد بن ولیدؓ نے ایک تجربہ کار سپہ سالار کی حیثیت سے تمام حالات کا معائنہ کیا۔ ایک رات اُن کو محسوس ہوا۔ کہ صبح رومی لشکر متفقہ طور پر حملہ آور ہو گا۔ اُنھوں نے رات ہی کے وقت تمام لشکرِ اسلام کو جس کی تعداد چالیس ہزار سے چھیالیس ہزار تک بیان کی گئی ہے۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کر کے ہر ایک دستہ پر ایک ایک تجربہ کار بہادر شخص کو افسر مقرر کیا۔ اور چیدہ چیدہ بہادروں کا ایک مختصر دستہ اپنی رفاقت کے لئے مخصوص کر کے نہایت عمدگی کے ساتھ ہر ایک افسر کو اُس کے فرائض اور مناسب ہدایات سمجھا دیں۔ رومی لشکر کی جانب سے اوّل چالیس ہزار سواروں کے ایک لشکر نے حملہ کیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنے مٹھی بھر رفیقوں کے ساتھ آگے بڑھ کر اس لشکر کو بھگا دیا۔ اس کے بعد جرجہ بن زیدؓ رومی سردار آگے بڑھ کر آیا۔ اور خالد بن ولیدؓ کو کچھ باتیں کرنے کے لئے طلب کیا۔ خالد بن ولیدؓ اُس کے پاس گئے۔ اُس نے خالد بن ولیدؓ سے اسلام کے متعلق کچھ سوالات کئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اُس کو نہایت خوبی کے ساتھ اسلام کی حقیقت سمجھائی۔ وہ اُسی وقت مسلمان ہو کر تنہا خالد بن ولیدؓ کے ہمراہ اسلامی لشکر میں چلے آئے۔ اور پھر مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر رومی لشکر پر حملہ آور ہوئے۔ اسی لڑائی میں جرجہ بن زیدؓ نہایت بہادری کے ساتھ لڑ کر شہید ہوتے۔

دونوں طرف سے سخت حملہ شروع ہُوا۔ اسلامی سرداروں کی جرت انگیز بہادری نے باوجود مسلمانوں کی کمی کے کسی لشکری کے دل میں ہمت ہارنے اور بددل ہونے کے خیال تک کو بھی نہیں آنے دیا۔ جوش و خروش کا یہ عالم تھا۔ کہ عورتوں نے بھی جو اسلامی لشکر کے ساتھ تھیں۔ لڑنے اور کفار کے قتل کرنے میں حصہ لیا۔ ابی سفیان رجز پڑھ پڑھ کر دلوں میں جوش اور لڑائی کی اُمنگ پیدا کر رہے تھے۔ حضرت عکرمہؓ نے بلند آواز سے کہا۔ کہ کون ہے جو میرے ہاتھ پر موت کے لئے بیعت کرے۔ اُسی وقت حضرت ضرارؓ بن ازور اور دوسرے چار سو آدمیوں نے بیعت کی۔ کہ ہم یا تو شہید ہو جائیں گے یا فتح مند ہو کر میدان سے واپس آئیں گے۔ اس کے بعد یہ جماعت رومی لشکر میں بھوکے شیروں کی طرح گھس گئی۔ حضرت

مقداد بلند آواز سے سورہ انفال کی تلاوت فرما کر غازیانِ اسلام کے دلوں میں شوقِ شہادت پیدا کر رہے تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ۔ ابو عبیدہ بن جراحؓ۔ شرجیل بن حسنہ۔ یزید بن ابی سفیانؓ۔ عکرمہؓ بن ابی جہل۔ قعقاع بن عمرؓ۔ ابو سفیانؓ۔ ابو درداءؓ۔ عمرو بن عاص۔ حارثؓ ضرارؓ۔ جرجہ بن زیدؓ۔ وغیرہ بہادرانِ اسلام نے وہ وہ کارہائے نمایاں کئے کہ چشمِ فلک نے آج تک نہ دیکھے تھے۔ صبح سے شام تک شمشیر و خنجر اور تیر و سنان کا استعمال بڑی تیزی اور سرگرمی سے جاری رہا۔ ظہر و عصر کی نمازیں غازیانِ اسلام نے محض اشاروں سے میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے پڑھیں۔ دن ختم ہو گیا مگر لڑائی ختم نہ ہوئی۔

بالآخر رومی دن بھر کی صعوبت کشی سے افسردہ و مضمحل ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ پر نہ جم سکے۔ پیچھے ہٹے اور ہٹتے ہٹتے دامنِ کوہ میں پہنچے لیکن مسلمان ان کے ساتھ ساتھ بڑھتے بڑھتے اور دھکیلتے ہوئے گئے۔ جب پیچھے ہٹنے اور بھاگنے کی جگہ نہ ملی تو ادھر ادھر کو پھوٹ پھوٹ کر اُن کا سیلاب نکلا۔ مسلمانوں نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا۔ بہت سے پانی میں ڈوب کر، بہت سے خندق میں گر کر ہلاک ہوئے۔ ایک لاکھ تیس ہزار رومی لقمۂ اجل ہوئے۔ باقی اپنی جان بچا کر بھاگ نکلے۔ ان مفرورین میں سوار زیادہ تھے۔ پیدل تقریباً سب مارے گئے۔ لڑائی تمام دن اور تمام رات جاری رہ کر اگلے دن صبح کے وقت مسلمانوں کی فتح کی شکل میں ختم ہوئی۔ اور رومی سپاہیوں سے میدان بالکل خالی نظر آیا۔ رومیوں کا سپہ سالار اعظم تذارق برادر ہرقل بھی مارا گیا۔ اور بھی کئی سردار مارے گئے۔ مسلمانوں کے تین ہزار بہادر شہید ہوئے۔ اِن تین ہزار میں جرجہ بن زید نو مسلم۔ عکرمہؓ بن ابی جہل۔ عمرو بن عکرمہؓ۔ سلمہ بن ہشامؓ۔ عمرو بن سعیدؓ۔ ابان بن سعیدؓ۔ ہشام بن العاصیؓ۔ ہبار بن سفیانؓ۔ طفیل بن عمروؓ وغیرہ شہدا خاص طور پر قابلِ تذکرہ ہیں۔ جنگِ یرموک ربیع الاول یا ربیع الثانی ۱۳ھ میں بیان کی جاتی ہے مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ جنگِ یرموک یقیناً جمادی الثانی کی آخر تاریخوں میں ہوئی ہے۔ رومی لشکر کے یرموک میں آنے سے پہلے مسلمانوں نے بصریٰ وغیرہ مقامات فتح کئے تھے۔ وفاتِ صدیقی تک فتحِ یرموک کی خبر مدینہ میں نہیں پہنچی تھی۔ یہ غیر ممکن تھا۔ کہ فتح یرموک کی خبر دو ڈھائی مہینے تک مدینہ میں نہ پہنچتی۔

وفاتِ صدیقی

شام کے ملک میں یرموک کی لڑائی نے قیصر ہرقل کو بدحواس بنا دیا تھا۔ جب یرموک کے بھاگے ہوئے سپاہی حمص میں ہرقل کے پاس جہاں

وہ نتیجۂ جنگ کا انتظار کر رہا تھا پہنچے ہیں تو وہ اپنے کئی لاکھ آہن پوش لشکر کا مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھ سے تہس نہس ہونا سُن کر ششدر رہ گیا اور فوراً حمص سے روانہ ہو کر کسی دوسرے مقام کی طرف چل دیا۔ جاتے ہوئے یہ حکم دے گیا کہ دمشق اور حمص کو اچھی طرح قلعہ بند اور مضبوط کر لیا جائے۔ مسلمان یرموک سے بڑھ کر دمشق کا محاصرہ کر چکے تھے۔ شام کے ملک پر گویا مسلمان قابض و متصرف ہو ہی چکے تھے یا ہونے والے تھے۔ ہرقل کی کمر یرموک میں ٹوٹ چکی تھی۔ اور اب بجائے اس کے کہ رومی عرب کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے۔ اُن کی نگاہوں میں خود اپنی موت وہلاکت پھرنے لگی تھی۔ اسی طرح عراق کا زرخیز وسیع حصّہ مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں آ چکا تھا۔ اسلامی حکومت ملکِ عرب میں مستقل و پائدار ہو کر ایران اور روم کی سرحدوں کو پیچھے ہٹانے اور خود وسیع ہونے میں مصروف ہو چکی تھی۔

شروع ماہِ جمادی الثانی ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بعارضۂ تپ مبتلا ہوئے۔ پندرہ روز برابر شدّت کا بخار رہا۔ جب آپ کو یقین ہوا کہ وقت آخر آ پہنچا ہے۔ تو آپ نے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بُلا کر خلافت کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے آپ نے فرمایا۔ کہ عمرؓ کی بابت تمھارا کیا خیال ہے۔ اُنھوں نے کہا۔ کہ عمرؓ کے مزاج میں سختی گیری زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ عمرؓ کی سختی کا سبب صرف یہ ہے۔ کہ میں نرم طبیعت رکھتا تھا۔ میں نے خود اندازہ کر لیا ہے۔ کہ جس معاملہ میں نرمی اختیار کرتا تھا۔ اُس میں عمرؓ کی رائے سختی کی جانب مائل نظر آتی تھی۔ لیکن جن معاملات میں نے سختی سے کام لیا ہے۔ اُن میں عمرؓ ہمیشہ نرمی کا پہلو اختیار کرتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ خلافت اُن کو ضرور نرم دل اور معتدل بنا دے گی۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان غنیؓ کو بُلا کر یہی سوال کیا۔ اُنھوں نے جواب دیا۔ کہ عمرؓ کا باطن اُن کے ظاہر سے اچھا ہے۔ اور ہم میں سے کوئی اِن کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ پھر آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو بُلا کر یہی سوال کیا۔ انھوں نے بھی وہی جواب دیا۔ جو حضرت عثمان غنی دے چکے تھے۔ اس کے بعد حضرت طلحہؓ تشریف لائے آپ نے اُن کے سامنے بھی فرمایا۔ کہ میرا ارادہ ہے۔ کہ اپنے بعد عمر فاروقؓ کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر کر جاؤں۔ حضرت طلحہؓ نے کہا کہ آپ خدا تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔ کہ آپ نے رعیّت کے ساتھ کیسا معاملہ کیا۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اُٹھا کر بٹھا دو۔ چنانچہ آپ کو بٹھایا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں خدائے تعالیٰ کو جواب دوں گا کہ میں نے تیری مخلوق

پر تیری مخلوق کے بہترین شخص کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ یہ سن کر حضرت طلحہؓ خاموش ہو رہے۔۔ پھر آپ نے حضرت عثمان غنیؓ کو بلا کر وصیت نامہ لکھنے کا حکم دیا۔ شدتِ علالت کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ رُک رُک کر بولتے جاتے۔ اور حضرت عثمان غنیؓ لکھتے جاتے تھے۔ اس وصیت نامہ کا مضمون یہ تھا۔

"یہ وہ عہد ہے۔ جو ابو بکر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کیا ہے۔ جب کہ اس کا آخری وقت دنیا میں اور اول وقت آخرت کا ہے ایسی حالت میں کافر بھی ایمان لاتا اور فاجر بھی یقین لے آتا ہے۔ میں نے تم لوگوں پر عمر ابن الخطابؓ کو مقرر کیا ہے اور میں نے تم لوگوں کی بھلائی اور بہتری میں کوتاہی نہیں کی۔ پس اگر عمرؓ نے صبر و عدل سے کام لیا۔ تو یہ میری اس کے ساتھ واقفیت تھی۔ اور اگر برائی کی تو مجھ کو غیب کا علم نہیں ہے اور میں نے تو بہتری و بھلائی کا قصد کیا ہے۔ اور ہر شخص کو اپنے نتائج اعمال سے سابقہ پڑتا ہے۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ (جنھوں نے ظلم کیا ہے۔ عنقریب دیکھ لیں گے کہ کس پہلو پر پھیرے جاتے ہیں)"۔

صدیق اکبرؓ کا آخری خطبہ

جب یہ تحریر لکھی جا چکی۔ تو آپ نے حکم دیا۔ کہ لوگوں کو پڑھ کر سنا دو۔ پھر خود اسی شدتِ مرض کی حالت میں باہر تشریف لائے اور مسلمانوں کے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ میں نے اپنے کسی عزیز رشتہ دار کو خلیفہ نہیں بنایا۔ اور میں نے صرف اپنی ہی رائے سے عمر فاروقؓ کو خلیفہ نہیں بنایا۔ بلکہ صاحبُ الرائے لوگوں سے مشورہ کر لینے کے بعد خلیفہ بنایا ہے۔ پس کیا تم لوگ اس شخص کے خلیفہ ہونے پر رضامند ہو۔ جس کو میں نے تمھارے لئے انتخاب کیا ہے؟ یہ سن کر لوگوں نے کہا۔ کہ ہم آپ کے انتخاب اور آپ کی تجویز کو پسند کرتے ہیں۔ پھر صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ تم کو چاہیئے۔ کہ عمر فاروقؓ کا کہنا سنو۔ اور اس کی اطاعت کرو۔ سب نے اقرارِ اطاعت کیا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ :-

"اے عمرؓ میں نے تم کو اصحابِ رسول اللہ علیہ وسلم پر اپنا نائب بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ظاہر و باطن ڈرتے رہنا۔ اے عمرؓ اللہ تعالیٰ کے بعض حقوق ہیں۔ جو رات سے متعلق ہیں۔ اُن کو وہ دن میں قبول نہیں کرے گا۔ اسی طرح بعض حقوق دن سے متعلق ہیں۔ جن کو وہ رات میں قبول نہیں کرے گا۔ اللہ تعالےٰ نوافل کو قبول نہیں فرماتا۔ جب تک کہ فرائض ادا نہ کئے جائیں۔ اے عمرؓ جن کے اعمالِ صالحہ قیامت میں وزنی ہوں گے۔ وہی فلاح پائیں گے۔ اور جن کے اعمال نیک کم ہوں گے وہ مبتلائے مصیبت ہوں گے۔ اے عمرؓ فلاح و نجات کی راہیں قرآن مجید پر عمل کرنے اور حق کی پیروی سے میسّر ہوتی ہیں۔ اے عمرؓ کیا تم کو معلوم نہیں۔ کہ ترغیب و ترہیب اور انذار و بشارت کی آیات قرآن مجید میں ساتھ ساتھ نازل ہوئی ہیں۔ تاکہ مومن اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور اُس سے اپنی مغفرت طلب کرتا رہے۔ اے عمرؓ جب قرآنِ مجید میں اہل نار کا ذکر آئے۔ تو دعا کرو کہ الٰہی! تو مجھے ان میں شامل نہ کرنا۔ اور جب اہلِ جنت کا ذکر آئے۔ تو دعا کرو۔ کہ الٰہی تو مجھے ان میں شامل کر۔ اے عمرؓ تم جب میری ان وصیتوں پر عمل کرو گے۔ تو مجھے گویا اپنے پاس بیٹھا ہوا پاؤ گے"۔

یہ تحریر اور وصیت وغیرہ کی کارروائی ۲۲ر جمادی الثانی ۱۳ھ بروز دو شنبہ عمل میں آئی۔ ۲۲ر اور ۲۳ر جمادی الثانی کی درمیانی شب میں جو شبِ سہ شنبہ تھی۔ بعد مغرب بعمر ۶۳ سال آپ کا انتقال ہوا۔ اور عشا سے پہلے آپ دفن کر دیئے گئے۔ سوا دو سال آپ نے خلافت کی۔ مکہ کے عامل حضرت عتاب اسیدؓ نے بھی مکہ میں اسی روز انتقال کیا۔ جس روز ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی خلافت کے لئے تحریر لکھوائی اور مسلمانوں کو اس کی اطلاع دی۔ وہ صدیق اکبرؓ کی زندگی کا آخری دن تھا۔ اسی روز بعد تکمیلِ تحریر حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ جو حیرہ (عراق) سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تھے مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں (عراق) کی یہ صورت پیش آئی تھی۔ کہ جب خالد بن ولیدؓ نصف فوج خود لے کر اور نصف مثنیٰ بن حارثہؓ کے پاس چھوڑ کر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ تو بہمن جادویہ

ایرانی سپہ سالار یہ سمجھ کر کہ اب خالد بن ولیدؓ کی غیر موجودگی میں مسلمانوں کا اس ملک سے نکال دینا آسان ہے۔ ایک لشکر عظیم لے کر آیا۔ مثنیٰ بن حارثہؓ نے حیرہ سے چل کر بابل کے قریب اس ایرانی لشکر کا استقبال کیا۔ جنگِ عظیم برپا ہوئی۔ بڑے کشت و خون کے بعد ایرانیوں کو شکستِ فاش نصیب ہوئی۔ مثنیٰ بن حارثہؓ نے مدائن کے قریب تک ایرانیوں کا تعاقب کیا۔ اور پھر واپس حیرہ میں چلے آئے۔ اس شکست کے بعد ایرانیوں نے اپنے اندرونی جھگڑوں کو ملتوی کر کے اور ایرانی سپہ سالاروں اور وزیروں نے اپنی رقابتوں کو فراموش کر کے از سرِ نو تیاریاں شروع کیں۔ تمام ملک اور صوبوں میں زندگی۔ جوش اور ہمت کی لہر دوڑ گئی۔ ایرانی قبائل اور رؤسا سارا ملک سب مسلمانوں کے خلاف میدانِ جنگ میں جانے اور لڑنے مرنے پر مستعد ہو گئے۔ حضرت مثنیٰ نے جب ایرانیوں کی جنگی سرگرمیوں کے حالات سُنے۔ تو ان کو اپنی قلتِ فوج کے تصور سے پریشانی ہوئی۔ لہٰذا وہ بشیر بن خصاصہؓ کو اپنی جگہ مقرر کر کے خود عازمِ مدینہ ہوئے۔ کہ خلیفۃ الرسول کو زبانی بالتفصیل تمام حالات سُنائیں اور اس موقع کی اہمیت و نزاکت سمجھائیں۔ حضرت مثنیٰؓ جب مدینہ میں پہنچے تو صدیق اکبرؓ کی زندگی کے صرف چند گھنٹے باقی تھے۔ اُنھوں نے مثنیٰؓ سے تمام حالات سُنے اور حضرت عمر فاروقؓ سے فرمایا۔ کہ تم مثنیٰؓ کے ساتھ فوج جمع کر کے ضرور اور جلد روانہ کرنا۔ جب حضرت عمرؓ آپ کے پاس سے باہر نکلے تو آپ نے فرمایا۔ اے اللہ میں نے عمرؓ کو مسلمانوں کی بہتری اور فتنہ و فساد کے خطرہ کو دور کرنے کے لئے اپنے بعد خلیفہ منتخب کیا ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے۔ مسلمانوں کی بھلائی کے لئے کیا ہے تو دلوں کے حال سے خوب واقف ہے۔ میں نے مسلمانوں سے مشورہ بھی لے لیا ہے۔ اور اُن میں سے اُس شخص کو جو سب سے بہتر۔ قوی اور مسلمانوں کی بھلائی چاہنے والا اور امین ہے اُن کا والی بنایا ہے۔ پس تو میرا خلیفہ اُن میں قائم رکھ وہ تیرے بندے ہیں اور اُن کی پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ اِن کے والیوں کو نیک بنا۔ اور عمرؓ کو بہتر خلیفہ بنا اور اُس کی رعیت کو اُس کے لئے اچھی رعیت بنا دے۔"

حضرت علیؓ کے تاثرات

جس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خبرِ وفات مدینہ میں پھیلی تمام شہر میں کہرام و تلاطم

برپا ہو گیا۔ اور وفاتِ نبویؐ کے دن کا نقشہ دوبارہ لوگوں کی نگاہوں میں پھرنے لگا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس خبر کو سُنا تو رو پڑے۔ اور روتے ہوئے آپ کے مکان پر آئے دروازہ پر کھڑے ہو کر فرمانے لگے :۔

"اے ابوبکرؓ خدا تم پر رحم کرے۔ بخدا تم تمام اُمت میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ اور ایمان کو اپنا خُلق بنایا۔ تم سب سے زیادہ صاحبِ الیقان۔ سب سے غنی اور سب سے زیادہ آنحضرت صلعم کی حفاظت و نگہداشت کرتے۔ سب سے زیادہ اسلام کے حامی اور خیر خواہِ مخلوق تھے۔ تم خُلق، فضل۔ ہدایت میں آنحضرت صلعم سے قریب تر تھے۔ اللہ تعالیٰ تم کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزا دے۔ اور رسول اللہ صلعم کی طرف سے بہترین جزا دے۔ تم نے آپ کی تصدیق کی۔ جب دوسروں نے تکذیب کی اور اس وقت رسولِ خدا کی غم خواری کی۔ جب دوسروں نے بُخل کیا۔ جب لوگ نصرت و حمایت سے رُکے ہوئے تھے۔ تم نے کھڑے ہو کر رسولِ خدا کی مدد کی۔ خدا نے تم کو اپنی کتاب میں صدیق کہا (وَالَّذِی جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ) تم اسلام کی پشت و پناہ اور کافروں کے بھگانے والے تھے۔ نہ تمہاری حجت بے راہ ہوئی۔ اور نہ تمہاری بصیرت ناتواں ہوئی۔ تمہارے نفس نے کبھی بُزدلی نہیں دکھائی۔ تم پہاڑ کی مانند مستقل مزاج تھے۔ تند ہوائیں نہ تم کو اُکھاڑ سکیں۔ نہ ہلا سکیں۔ تمہاری نسبت آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ ضعیفُ البدن۔ قویُّ الایمان۔ منکسرالمزاج۔ اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ زمین پر بزرگ۔ مومنوں بڑے ہیں۔ نہ تمہارے سامنے کسی کو طمع ہو سکتی تھی نہ خواہش۔ کمزور تمہارے نزدیک قوی اور قوی کمزور تھا۔ یہاں تک کہ کمزور کا حق دلا دو اور زور آور سے حق لے لو۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خبر کو سُن کر فرمانے لگے :۔

"اے خلیفۂ رسول اللہ تم نے اپنے بعد قوم کو بڑی سخت تکلیف دی۔ اور اُن کو مصیبت میں ڈال دیا، تمہارے غبار کو بھی پہنچنا بہت مشکل ہے۔ میں تمہاری برابری کہاں کر سکتا ہوں۔"

عُمّالِ خلافتِ صدیقی:- حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں امین الملت حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح بیت المال کے افسر اور مہتمم تھے۔ محکمہ قضاء حضرت فاروقؓ کے سپرد تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عثمان غنیؓ کو کتابت اور دفتر کا کام سپرد تھا۔ ان حضرات میں سے جب کوئی موجود نہ ہوتا۔ تو دوسرا جو کوئی موجود ہوتا اس کام کو انجام دے لیتا تھا۔ مکہ معظمہ میں حضرت عتابؓ بن اسید عامل تھے۔ جن کا انتقال اُسی روز ہوا۔ جس روز حضرت ابو بکرؓ نے وفات پائی۔ طائف کے عامل حضرت عثمان بن العاصؓ تھے۔ صنعا میں مہاجر بن اُمیہ اور حضر موت میں زیاد بن لبیدؓ عامل تھے صوبۂ خولان میں یعلی بن اُمیہ۔ یمن میں ابو موسیٰ اشعریؓ۔ جند میں معاذ بن جبلؓ۔ بحرین میں علاء بن حضرمیؓ دومۃ الجندل میں عیاض بن غنمؓ۔ عراق میں مثنّیٰ بن حارثؓ عامل یا گورنر کے عہدے پر مقرر تھے۔ ابو عبیدہ بن الجراح آخر میں سپہ سالاری کی خدمت میں مامور ہو کر شام کی طرف بھیجے گئے تھے۔ یزید بن ابی سفیانؓ۔ عمرو بن العاصؓ شرجیل بن حسنہ بھی سپہ سالاری کی خدمات پر ملکِ شام میں مصروف تھے۔ خالد بن ولیدؓ خلافت صدیقی میں سپہ سالار اعظم کے عہدے پر فائز اور خلافتِ صدیقی سے وہی نسبت رکھتے تھے۔ جو رستم کو کیکاؤس و کیخسرو کی سلطنت سے تھی۔

اولاد و ازواج:- حضرت ابو بکر صدیقؓ کی پہلی بیوی قتیلہ بنت عبد العزیٰ تھی۔ جس سے عبد اللہ بن ابی بکر اور اُن کے بعد اسماء بنت ابی بکرؓ (عبد اللہ بن زبیرؓ کی والدہ) پیدا ہوئے۔ دوسری بیوی آپ کی اُم رومان تھیں۔ ان کے بطن سے عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پیدا ہوئے۔ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ مسلمان ہوئے۔ تو پہلی بیوی نے مسلمان ہونے سے انکار کیا۔ اُس کو آپ نے طلاق دے دی۔ دوسری بیوی اُم رومان مسلمان ہو گئیں۔ مسلمان ہونے کے بعد بھی آپ نے دو نکاح اور کئے۔ ایک اسماء بنت عمیسؓ کے ساتھ جو جعفر بن ابی طالب کی بیوہ تھیں۔ ان کے بطن سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے۔ دوسرا نکاح حبیبہ بنت خارجہ انصاریہؓ سے۔ جو قبیلہ خزرج سے تھیں۔ ان کے بطن سے ایک بیٹی اُم کلثوم آپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔

...

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نسب و ولادت:- آپ اشرافِ قریش میں سے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کے خاندان سے سفارت مخصوص و متعلق تھی۔ یعنی جب قریش کی کسی دوسرے قبیلے سے لڑائی ہوئی تھی۔ تو آپ کے بزرگوں کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ یا جب کبھی تفاخرِ نسب کے اظہار کی ضرورت پیش آتی۔ تو اس کام کے لئے آپ ہی کے بزرگ آگے نکلتے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ عمرؓ بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی۔ کعب کے دو بیٹے تھے۔ ایک عدی دوسرے مرہ۔ مرۃ آنحضرت صلعم کے اجداد میں ہیں۔ یعنی آٹھویں پشت میں حضرت عمرؓ کا سلسلہ نسب آنحضرت صلعم کے سلسلہ نسب میں مل کر ایک ہو جاتا ہے۔ عمر فاروقؓ کی کنیت ابو حفص تھی۔ آنحضرت صلعم نے آپ کو فاروق کے لقب سے ملقب فرمایا تھا۔ آپ ہجرت نبوی سے چالیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ لڑکپن میں اونٹوں کے چرانے کا شغل تھا۔ جوان ہونے کے بعد عرب کے دستور کے موافق نسب دانی۔ سپہ گری، شہسواری اور پہلوانی کی تعلیم حاصل کی۔ عہد جاہلیت میں بھی اور مسلمان ہونے کے بعد بھی تجارت کا پیشہ کرتے تھے۔

بعض خصوصی فضائل:- فاروقِ اعظمؓ اسلام لانے سے بیشتر بازارِ عکاظ میں جہاں سالانہ اہلِ فن کا اجتماع ہوتا تھا۔ اور بہت بڑا میلہ لگتا تھا۔ اکثر دنگل میں کشتی لڑا کرتے تھے۔ اور ملک عرب کے نامی پہلوانوں میں سمجھے جاتے تھے شہسواری میں یہ کمال حاصل تھا۔ کہ گھوڑے پر اچھل کر سوار ہوتے اور اسی طرح جم کر بیٹھتے۔ کہ بدن کو حرکت نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت صلعم کی بعثت کے وقت فتوح البلدان کی روایت کے موافق قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان میں ایک حضرت عمر ابن الخطابؓ بھی تھے۔ آپ چالیس مسلمان مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام لائے۔ بقول بعض انتالیسؓ مردوں اور تیئیس عورتوں کے بعد اور بقول دیگر ۴۵ مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ سابقینِ اولین اور عشرۂ مبشرہ میں ہیں۔ آپ آنحضرت صلعم کے خسر ہیں۔ آپ کا شمار علما اور زہاد صحابہ میں ہے۔ ۵۳۹ حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔

جن کو حضرت عثمانؓ۔ علیؓ۔ طلحہؓ۔ سعدؓ۔ ابن مسعودؓ۔ ابوذرؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ ابنِ عباسؓ
عبداللہ بن زبیرؓ۔ انسؓ۔ ابوہریرہؓ۔ عمرو بن عاصؓ۔ ابو موسیٰ اشعریؓ۔ براء بن عازبؓ۔ ابوسعید
خدریؓ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے روایت کیا ہے۔

ابنِ عباسؓ کی روایت ہے۔ کہ جس روز حضرت عمر فاروقؓ ایمان لائے۔ اُس روز
مشرکین نے کہا۔ کہ آج مسلمانوں نے ہم سے سارا بدلہ لے لیا۔ اور اسی روز آیت یٰاَیُّھَا
النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ نازل ہوئی۔ ابن مسعود کی روایت ہے۔
کہ جس روز حضرت عمر فاروق ایمان لائے۔ اُس روز سے اِسلام عزت ہی پاتا گیا۔ آپ کا
اسلام گویا فتحِ اسلام تھی۔ اور آپ کی ہجرت گویا نصرت تھی۔ اور آپ کی امامت رحمت
تھی۔ ہماری مجال نہ تھی۔ کہ ہم کعبہ شریف میں نماز پڑھ سکیں۔ لیکن جب عمر فاروق
ایمان لائے۔ تو آپ نے مشرکین سے اس قدر جدال و معرکہ آرائی کی۔ کہ مجبوراً اُن کو ہمیں نماز
پڑھنے کی اجازت دینی پڑی۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں۔ کہ جب سے عمر فاروقؓ ایمان
لائے۔ اسلام بمنزلہ ایک اقبال مند آدمی کے ہوگیا۔ کہ ہر قدم پر ترقی کرتا تھا۔ اور جب سے
آپ نے شہادت پائی۔ اسلام کے اقبال میں کمی آگئی۔ کہ ہر قدم پیچھے ہی پڑتا ہے۔

ابن سعدؓ کہتے ہیں۔ کہ جب سے حضرت عمرؓ ایمان لائے اسلام ظاہر ہوا۔ ہم کعبہ کے
گرد بیٹھنے۔ طواف کرنے مشرکین سے بدلہ لینے اور ان کو جواب دینے لگے۔ ابن عساکر نے
حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے۔ کہ ہر شخص نے خفیہ طور پر ہجرت کی ہے۔
لیکن جب حضرت عمرؓ نے ہجرت کا قصد کیا۔ تو ایک ہاتھ میں برہنہ تلوار لی۔ دوسرے میں تیر
اور پشت پر کمان کو لگا کر خانہ کعبہ میں تشریف لائے۔ سات مرتبہ طواف کیا اور دو رکعتیں
مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر پڑھیں۔ پھر سردارانِ قریش کے حلقہ میں تشریف لائے۔
اور ایک ایک سے کہا کہ تمہارے منہ کالے ہوں۔ جو شخص اپنی ماں کو بے فرزند اور اپنی بیوی
کو بیوہ کرنا چاہتا ہو۔ وہ آکر مجھ سے مقابل ہو۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ کہ آپ کو روکتا۔

امام نووی کہتے ہیں۔ کہ حضرت عمرؓ ہر ایک جنگ میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ رہے
اور یوم احد میں ثابت قدم رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں
نے بحالت خواب جنت میں دیکھا کہ ایک عورت ایک قصر کے پہلو میں بیٹھی ہوئی وضو کر رہی
ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ قصر کس کا ہے۔ معلوم ہوا کہ عمرؓ کا ہے۔ پھر آپ نے حضرت عمرؓ سے

مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ مجھ کو تمہاری غیرت یاد آگئی۔ اور میں وہیں سے لوٹ آیا۔ حضرت عمرؓ رو پڑے۔ اور فرمایا۔ کہ میں اور آپ سے غیرت کروں۔ آنحضرت صلعم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ میں نے دودھ پیا ہے۔ اور اس کی تازگی میرے ناخنوں تک پہنچ گئی ہے۔ پھر میں نے وہ دودھ عمرؓ کو دے دیا۔ لوگوں نے پوچھا۔ کہ حضور اس کی تعبیر کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ دودھ سے مراد علم ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اور وہ قمیص پہنے ہوئے ہیں۔ بعض کے قمیص سینے تک ہیں۔ بعض کے اس سے زیادہ۔ مگر عمرؓ کا قمیص زمین میں گھسٹتا جاتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ قمیص سے مراد کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ دین۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ کہ واللہ جس راستے سے تم جاؤ گے۔ اُس راستے پر شیطان کبھی نہ چلنے پائے گا۔ بلکہ وہ دوسرا راستہ اختیار کرے گا۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا۔ کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہونے والا ہوتا۔ تو وہ عمرؓ ہی ہوتا۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ عمر فاروقؓ چراغِ اہلِ جنّت ہیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ جب تک عمرؓ تمہارے درمیان رہے گا۔ فضول کا دروازہ بند رہے گا۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا کہ آسمان کا ہر فرشتہ عمرؓ کا وقار کرتا ہے۔ اور زمین کا ہر شیطان اُس سے ڈرتا ہے۔ حضرت ابو سعیدؓ خدری کی حدیث میں مذکور ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ جتنے نبی مبعوث ہوئے ہیں اُن کی اُمت میں ایک محدّث ضرور رہا ہے۔ اگر میری اُمت میں بھی کوئی محدث ہو سکتا ہے تو وہ عمرؓ ہے۔ لوگوں نے پوچھا۔ کہ محدّث کسے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جس کی زبان سے ملائکہ باتیں کریں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا ہے کہ روئے زمین پر کوئی شخص عمرؓ سے زیادہ مجھ کو عزیز نہیں ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ جب صالحین کا ذکر کرو۔ تو عمرؓ کو نہ بھول جاؤ۔ ابن عمرؓ کا قول ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد ہم نے حضرت عمرؓ کو سب سے زیادہ ذہین پایا۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں۔ کہ اگر دنیا بھر کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں اور حضرت عمرؓ کا علم دوسرے پلڑے میں رکھ کر تولا جائے۔ تو حضرت عمرؓ کا پلڑا بھاری رہے گا۔ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں۔ کہ دنیا بھر کا علم حضرت عمرؓ کی گود میں پڑا ہوا ہے۔ نیز یہ کہ کوئی شخص سوائے حضرت عمرؓ کے ایسا نہیں ہے جس نے جرأت کے ساتھ راہِ خدا میں ملامت سُنی ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عمرؓ کو کپڑا اوڑھے ہوئے دیکھ کر فرمایا۔ کہ اس کپڑے اوڑھے ہوئے شخص سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہیں

ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ حضرت عمرؓ ارادہ کی پختگی اور ہوشمندی و دلیری سے پُر ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا۔ کہ حضرت عمرؓ کی فضیلت ان چار باتوں سے معلوم ہوتی ہے۔ اول اسیرانِ جنگ بدر کے قتل کا حکم دیا۔ اور اُس کے بعد آیت لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ نازل ہوئی۔ دوم آپ نے اُمہات المومنین کو پردہ کرنے کے لئے کہا اور پھر آیت پردہ نازل ہوئی۔ اسی پر حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ کہ وحی تو ہمارے گھر میں اُترتی ہے اور تم کو پہلے ہی القا ہو جاتا ہے۔ سوم رسول اللہ صلعم کا دعا کرنا۔ کہ الٰہی عمرؓ کو مسلمان کرکے اسلام کی مدد فرما۔ چہارم آپ کا اول ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بیعت کر لینا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ہم اکثر یہ ذکر کیا کرتے تھے۔ کہ حضرت عمرؓ کی خلافت میں شیطان قید میں رہے اور آپ کے انتقال کے بعد آزاد ہو گئے۔ ابو اُسامہؓ نے کہا۔ کہ تم جانتے بھی ہو۔ کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کون تھے وہ اسلام کے لئے بمنزلہ ماں اور باپ کے تھے۔ حضرت جعفر صادقؓ کا قول ہے۔ کہ میں اُس شخص سے بیزار ہوں۔ جو ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھلائی سے نہ یاد کرے۔

حلیہ فاروقی فاروق اعظمؓ کی رنگت سفید تھی۔ لیکن سُرخی اس پر غالب تھی۔ قد نہایت لمبا تھا پیادہ پا چلنے میں معلوم ہوتا تھا۔ کہ سوار جا رہے ہیں۔ رخساروں پر گوشت کم تھا۔ ڈاڑھی گھنی۔ مونچھیں بڑی۔ سر کے بال سامنے سے اُڑ گئے تھے۔ ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ دراز قد موٹے تازے تھے۔ رنگت میں سُرخی غالب تھی۔ گال پچکے ہوئے۔ مونچھیں بڑی تھیں اور ان کے اطراف میں سرخی تھی۔ آپ کی والدہ شریفہ ابوجہل کی بہن تھیں۔ اس رشتے سے آپ ابوجہل کو ماموں کہا کرتے تھے۔

خلافتِ فاروقی کے اہم واقعات

۲۲ رجمادی الثانی ۱۳ھ بروز سہ شنبہ مدینہ منورہ میں تمام مسلمانوں نے بلا اختلاف فاروق اعظم کے ہاتھ بیعت کی۔ ۲۲ رجمادی الثانی ۱۳ھ بروز دوشنبہ مثنیٰ بن حارثہ کے آنے اور حالات سُنانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو بلا کر جو حکم دیا تھا۔ اُس کے الفاظ یہ تھے۔

"مجھے قوی اُمید ہے۔ کہ میں آج ہی مر جاؤں گا۔ پس میرے مرنے کے بعد

تم کل کا دن ختم ہونے سے پہلے پہلے مثنیٰ کے ساتھ لوگوں کو لڑائی پر روانہ کر دینا۔ تم کو کوئی مصیبت تمھارے دینی کام اور حکمِ الٰہی سے غافل نہ کرنے پائے۔ تم نے دیکھا ہے۔ کہ میں نے آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد کیا کیا تھا۔ حالانکہ وہ سب سے بڑی مصیبت تھی۔ جب اہلِ شام پر فتح حاصل ہو جائے۔ تو اہلِ عراق کو عراق کی طرف واپس بھیج دینا۔ کیونکہ اہلِ عراق عراق ہی کے کاموں کو خوب سرانجام دے سکتے ہیں۔ اور عراق ہی میں اُن کا دل خوب کھلا ہوا ہے۔"

اِن الفاظ سے ایک یہ حقیقت بھی خوب سمجھ میں آجاتی ہے۔ کہ حضرت ابو بکر صدیق رض نے وفات نبویؐ کے بعد جو کچھ کیا دینی کام اور دینی مقصد کو مقدم سمجھ کر کیا۔ مرتے وقت بھی اُن کو دینی کاموں ہی کی فکر تھی۔ اپنی اولاد و ازواج کے حق میں کوئی وصیت نہیں فرمائی۔ فاروقِ اعظم رض نے بیعتِ خلافت لینے کے بعد لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی۔ مہاجرین و انصار کو خاص طور پر مخاطب کر کے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے پکارا۔ مگر مجمع نے آمادگی اور جوش کا اظہار نہ کیا۔ تین دن تک حضرت فاروق اعظم رض نے لوگوں کو جمع کر کے جہاد کا وعظ سُنایا مگر لوگوں کی طرف سے خاموشی رہی۔ چوتھے روز ابو عبید بن مسعود ثقفی نے جہاد عراق کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کی۔ اُن کے بعد سعد بن عبیدؓ انصاری کھڑے ہوئے۔ پھر حضرت سلیط بن قیسؓ اور اسی طرح بہت سے لوگ یکے بعد دیگرے آمادہ ہو گئے۔ اور ایک لشکر عراق کے لئے تیار ہو گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ابو عبید بن مسعودؓ ہی کو جو سب سے پہلے آمادہ ہوئے تھے۔ اِس لشکر کا سردار بنا کر مثنیٰ بن حارثہ رض کے ہمراہ عراق کی جانب روانہ کیا۔

تین دن تک لوگوں کا خاموش رہنا مورخین کو خاص طور پر محسوس ہوا ہے۔ اور اُنھوں نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے۔ کہ حضرت عمر فاروق رض نے پہلے ہی دن چونکہ خالد بن ولیدؓ کی معزولی کا فرمان لکھ کر شام کے مُلک کی طرف بھیجا تھا۔ لہٰذا لوگ اِن سے ناخوش ہو گئے تھے۔ اور اسی لئے اُن کے آمادہ کرنے سے آمادہ نہیں ہوئے تھے۔ مگر یہ خیال سراسر غلط اور نادرست ہے۔ فاروق اعظم رض کے فرمان کی کسی نے بھی مدینہ میں ایسی مخالفت نہیں کی۔ کہ اس کا حال عام لوگوں کو معلوم ہوا ہو۔ اگر واقعی فاروقِ اعظم رض سے لوگ مدینہ میں پہلے ہی دن ناخوش ہو گئے تھے۔ تو یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس کا ذکر خاص الخاص

طور پر مؤرخین کو لکھنا پڑتا۔ اور اس ناراضی کے دور ہونے کے اسباب بھی بیان کرنے ضروری تھے۔ یہ ایک ایسا غلط خیال ہے۔ کہ اصحاب نبوی کی شان میں بہت بڑی گستاخی لازم آتی ہے وہ لوگ ایسے نہ تھے۔ کہ کسی اختلاف رائے کی بنا پر ترغیب جہاد کی تحقیر کرتے۔ بات صرف یہ تھی۔ کہ جہاد کے لئے سب تیار تھے۔ مگر ذمہ داری لینے یا بڑا اٹھانے میں متامل اور ایک دوسرے کے منتظر تھے۔ اُن میں ہر شخص یہ سمجھتا تھا۔ کہ مجھ سے زیادہ بزرگ اور مجھ سے زیادہ قابلِ عزت لوگ ہیں۔ وہ جواب دیں گے۔ اسی طرح ہر ایک شخص دوسرے کا منتظر تھا۔ بعض اوقات اس قسم کی گرہ بڑے بڑے مجمعوں میں لگ جایا کرتی ہے اور ہم اپنے زمانے میں بھی اس قسم کی مثالیں دیکھتے رہتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت کا خاصہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے اعمالِ نیک اور خیرات و صدقات کے متعلق ایک طرف سے بچنے کے لئے چھپانے کی ترغیب ہے۔ تو دوسری طرف علانیہ بھی ان نیک کاموں کے کرنے کا حکم ہے۔ تاکہ دوسروں کو تحریص و جرأت ہو۔ اور خاموشی و رکاوٹ کی کوئی گرہ نہ لگنے پائے۔ فاروق اعظمؓ نے اگر اپنی خلافت کے پہلے ہی دن خالد بن ولیدؓ کی معزولی کا حکم لکھا تھا۔ تو جہاد کی ترغیب تو انھوں نے بیعتِ خلافت لینے کے بعد ہی پہلی تقریر اور پہلی ہی مجلس میں دی تھی۔ اس تقریر اور اس ترغیب کے بعد ہی انھوں نے خالدؓ کی معزولی کا فرمان لکھوایا ہوگا۔ پس سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس پہلی ترغیب کا جواب مجمع کی طرف سے کیوں نہ ملا۔ بات یہ ہے۔ کہ بعض اوقات کوئی اُستاد اپنے شاگردوں کو مدرسہ کے کمرے میں حکم دیتا ہے۔ کہ تختۂ سیاہ کو کپڑے سے صاف کر دو یا نقشے کو لپیٹ دو۔ مگر اس کے اس حکم کی کوئی طالب علم تعمیل نہیں کرتا۔ اس کا یہ سبب نہیں ہوتا۔ کہ اس اُستاد کی تعمیل کو شاگرد ضروری نہیں سمجھتے۔ بلکہ تعمیل نہ ہونے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اُستاد نے سارے کے سارے شاگردوں کو مخاطب کرکے حکم دیا تھا۔ جب وہی اُستاد کسی ایک یا دو شاگردوں کا نام لے کر یہی حکم دیتا ہے تو فوراً اس کے حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے۔ بہرحال لوگوں کے مجمع کا تین دن تک خاموش رہنا خواہ کسی سبب سے ہو۔ مگر یہ سبب تو ہرگز نہ تھا۔ کہ وہ خالد بن ولیدؓ کی معزولی کے حکم سے ناراض تھے کیونکہ خود مدینہ منورہ میں انصار کی ایک بڑی جماعت ایسی موجود تھی۔ جو خالد بن ولیدؓ کو مالک بن نویرہ کے معاملے میں قابل مواخذہ یقین کرتی تھی۔ اگر اور لوگ ناراض تھے۔ تو وہ جماعت تو ضرور فاروق اعظمؓ سے خوش ہوگی۔ اُن لوگوں کو کس چیز نے خاموش رکھا؟

خالد بن ولیدؓ کی معزولی :- صدیق اکبرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو افواج شام کا سپہ سالار اعظم بنا کر بھیجا تھا حضرت خالد بن ولیدؓ ایک زبردست جنگ جُو اور بے نظیر بہادر سپہ سالار تھے۔ عراق میں بھی اب تک خالد بن ولیدؓ ہی سپہ سالارِ اعظم تھے۔ اور اُن کی حیرت انگیز بہادری اور جنگی قابلیت نے دربار ایران اور ساسانی شہنشاہی کو حیران وششدر اور مرعوب بنا دیا تھا۔ رومی سلطنت کو بھی ابتداءً اسی طرح مرعوب بنانے اور ایک زبردست ٹکر لگانے کی ضرورت تھی۔ لہٰذا صدیق اکبرؓ نے سیف اللہ کو شام کی طرف سپہ سالار اعظم بنا کر بھیج دیا۔ اور ان کا اندازہ نہایت صحیح ثابت ہوا۔ کیونکہ خالد بن ولیدؓ نے شام میں پہنچ کر یرموک کے میدان میں ایسی زبردست ٹکر لگائی۔ کہ رومی شہنشاہی کی کمر ٹوٹ گئی۔ اور قیصر کے رُعب وسطوت میں زلزلہ برپا ہو گیا۔ ان ابتدائی لڑائیوں کے بعد لشکر اسلام کے قبضہ میں ایران وروم کے آباد و سرسبز صوبے آنے والے تھے۔ اور دونوں شہنشاہیوں کی باقاعدہ افواج سے معرکہ آرائی ومیدان داری شروع ہونیوالی تھی لہٰذا اب ضرورت تھی کہ اسلامی افواج نہ صرف ایک فتحمند و ملک گیر سپہ سالار کے زیر حکم کام کریں بلکہ ایک مدبر و ملک دار افسر کی ماتحتی میں معروف کار رہیں

فاروق اعظمؓ خالد بن ولیدؓ کی جنگی قابلیت کے منکر نہ تھے۔ بلکہ وہ خالد بن ولیدؓ کو کسی قدر غیر محتاط اور متہور شخص سمجھتے تھے۔ ان کو شروع ہی سے یہ اندیشہ تھا۔ کہ خالد بن ولیدؓ کی بے احتیاطی کہیں مسلمانوں کی کسی جمعیت کو ہلاکت میں نہ ڈال دے۔ صدیق اکبرؓ بھی اس احساس میں فاروق اعظمؓ کے مخالف نہ تھے۔ لیکن وہ عراق وشام کے ابتدائی معرکوں میں خالد بن ولیدؓ ہی کو سب سے زیادہ موزوں اور مناسب سمجھتے تھے۔ وہ خالد بن ولیدؓ کی سرداری کے نقائص کو خوبیوں کے مقابلے میں کمتر پاتے تھے۔ اور اسی لئے انھوں نے دنیا کی دونوں سب سے بڑی طاقتوں (روم و ایران) کو سیف اللہ کی یورش وتابانی دکھانی ضروری سمجھی۔ یہ مدعا چونکہ حاصل ہو چکا تھا۔ لہٰذا اب ضرورت نہ تھی۔ کہ خالد بن ولیدؓ ہی سپہ سالار اعظم رہیں۔ اس موقع پر اُن الفاظ کو پھر ایک مرتبہ پڑھو۔ جو صدیق اکبرؓ نے فاروق اعظم کو اپنے آخری وقت میں لشکر عراق کی نسبت فرمائے تھے۔ اور جو اوپر درج ہو چکے ہیں۔ فاروقِ اعظمؓ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ:۔

"خدائے تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم کرے۔ کہ انھوں نے خالد بن ولیدؓ کی امارت کی پردہ پوشی کر دی۔ کیونکہ انھوں نے مجھ کو خالدؓ کے ہمراہیوں کی نسبت

اپنے آخری وقت میں حکم دیا کہ عراق کی جانب واپس بھیج دینا۔ لیکن خالدؓ کا کچھ ذکر نہیں کیا"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو خالد بن ولیدؓ کی معزولی کا حکم دیا۔ وہ منشائے صدیقی کے خلاف نہ تھا۔ اور یہ بھی کیسے ہو سکتا تھا۔ کہ فاروق اعظمؓ خلیفہ ہوتے ہی سب سے پہلا کام وہ کرتے جو صدیق اکبرؓ کے منشا اور خواہش کے بالکل خلاف ہوتا۔ فاروق اعظمؓ کی خلافت کا حال شروع کرتے ہوئے عام طور پر مورخین اس بات کو بھی بھول جاتے ہیں۔ کہ صدیق اکبرؓ نے فاروق اعظمؓ کو لشکر اسامہؓ سے صرف اس لئے جدا کر کے اپنے پاس رکھا تھا۔ کہ امور خلافت میں ان کے مشورہ سے امداد حاصل کریں۔ اور خلافت صدیقی کے پورے زمانے میں آخر وقت تک فاروق اعظم ہی صدیق اکبرؓ کے وزیر و مشیر رہے۔ صدیق اکبرؓ کا کوئی کام ایسا نہ تھا جس میں فاروق اعظمؓ سے استمزاج و استصواب نہ کر لیا گیا ہو۔ دنیا میں بہت سے لوگ ظاہر بیں ہوا کرتے ہیں۔ اور وہ اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے بڑے آدمیوں سے ایسی ایسی باتوں کو منسوب کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا کرتے۔ جن کو ان بڑے آدمیوں سے کوئی بھی تعلق نہیں ہوتا۔ فاروق اعظمؓ نے خالد بن ولیدؓ کی بعض بے احتیاطیوں پر ضرور اظہار ناراضگی کیا۔ لیکن یہ اظہار ناراضگی بس وہیں تک تھا۔ جہاں تک شریعت اور ان کی تحقیق و اجتہاد کا تعلق تھا۔ اس اظہار ناراضگی کو عداوت و عناد کا درجہ ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا تھا نہ ہوا۔ وہ فاروق اعظمؓ جو اسیران بدر کی نسبت بہ آزادانہ حکم دے کہ جو جس کا عزیز و رشتہ دار ہے وہ اسی کے ہاتھ سے قتل کیا جائے۔ اس کی نسبت یہ رائے قائم کرنی کہ ان کو خالدؓ سے کوئی کد یا ذاتی عداوت تھی سراسر ظلم اور نہایت ہی رکیک و بیہودہ خیال ہے۔

فاروق اعظمؓ نے خالد بن ولیدؓ کو معزول کر کے درحقیقت امت محمدیہ پر بڑا احسان کیا اور ایک ایسی نظیر پیدا کر دی۔ کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے اور خدمت دینی کے مقابلہ میں اپنی ہستی کو ہیچ سمجھنے کی مثالوں میں سب سے پہلے ہم خالد بن ولیدؓ ہی کا نام لیتے ہیں۔ خالدؓ بن ولید اگر مرتے دم تک افواج اسلام کے سپہ سالار اعظم رہتے۔ تب بھی ان کی بہادری اور جنگی قابلیت کے متعلق اس سے زیادہ کوئی شہرت نہ ہوتی۔ جو آج موجود ہے۔ لیکن اس معزولی کے واقعہ نے خالد بن ولیدؓ کی عزت و عظمت میں ایک ایسے عظیم الشان مرتبہ کا اضافہ

کردیا ہے۔ جس کے آگے ان کی سپہ گری و بہادری کے مرتبہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہم ایک طرف خالد بن ولیدؓ کے جنگی کارناموں پر فخر کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف اُن کی للّٰہیت اور اطاعتِ اولی الامر کو فخریہ پیش کرتے ہیں۔

بعض مورخین نے اپنی ایک یہ لطیف رائے بھی بیان کی ہے۔ کہ خالد بن ولیدؓ کو چونکہ ہر ایک معرکہ میں فتح و فیروزی حاصل ہوتی رہی تھی۔ لہٰذا لوگوں کے دلوں میں خیال پیدا ہو سکتا تھا۔ کہ تمام فتوحات خالد بن ولیدؓ کی سپہ سالاری کے سبب مسلمانوں کو حاصل ہوئیں۔ فاروق اعظمؓ نے خالد بن ولیدؓ کو معزول کر کے ثابت کر دیا۔ کہ مسلمانوں کی کامیابیاں اور فتح مندیاں کسی شخص سے وابستہ نہیں ہیں بلکہ مشیتِ ایزدی اور اسلام کی برکات اِن فتوحات کا اصل سبب ہے۔ اس روایت کی تائید اس طرح بھی ہوتی ہے۔ کہ فاروقِ اعظمؓ نے جس طرح افواج شام کی سپہ سالاری میں تبدیلی فرمائی، اسی طرح افواجِ عراق کی سپہ سالاری سے بھی حضرت مثنیٰ بن حارثہ کو معزول کر کے ابو عبیدہ بن مسعود کا ماتحت بنا دیا تھا، آج بھی اگر مسلمان اسلام کی پیروی میں صحابہ کرام کا نمونہ بن جائیں، تو وہی کامیابیاں اور وہی فتحمندیاں جو قرونِ اولیٰ میں حاصل ہوئی تھیں۔ پھر حاصل ہونے لگیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے خلیفہ مقرر ہونے کے بعد جو قابلِ تذکرہ جنگی انتظامات کئے۔ اُن میں سب سے پہلا کام یہ تھا۔ کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو افواجِ شام کی اعلیٰ سپہ سالاری سے معزول کر کے حضرت ابو عبیدہ ابن جراح کو ملکِ شام کی اسلامی افواج کا سپہ سالار اعظم بنایا۔ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کی ماتحتی میں۔ نہ صرف جان فروشی اور کار فرمائی میں پہلے سے زیادہ مستعدی دکھلائی۔ بلکہ حضرت ابو عبیدہؓ کو ہمیشہ مفید ترین جنگی مشورے دیتے رہے۔ یہی وہ امتیازِ خاص ہے جو حضرت خالد بن ولیدؓ کے مرتبہ اور عزت کو تمام دنیا کی نگاہ میں بہت بلند کر دیتا۔ اور ان کو روئے زمین کا بے نظیر سپہ سالار اور سچا پکا مخلص انسان ثابت کرتا ہے کہ جس کے دل میں رضائے الٰہی کے سوا شہرت طلبی اور ریا کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ دوسرا کام فاروقِ اعظمؓ کا یہ تھا۔ کہ انھوں نے ابو عبیدؓ بن مسعود کو ایک فوج کے ساتھ عراق کی جانب روانہ کیا۔ اور ان کو ملکِ عراق کے تمام اسلامی افواج کا سپہ سالار اعظم مقرر کیا۔ ابو عبیدؓ بن مسعود کے روانہ کرنے کے بعد تیسرا کام فاروق اعظم کا یہ تھا۔ کہ یعلی بن اُمیہؓ کو ملکِ یمن کی جانب روانہ

کیا۔ کہ آنحضرت صلعم کی اُس آخری وصیت کو پورا کریں۔ کہ ملکِ عرب میں مسلمانوں کے سوا کوئی یہودی اور کوئی نصرانی نہ رہنے پائے۔ چونکہ مسلمان صدیقِ اکبرؓ کی خلافت کے سوا دو برس دوسرے اعاظم امور کی انجام دہی میں مصروف رہے۔ کہ اس وصیتِ نبویؐ کے پورا کرنے کا ابھی تک موقعہ نہ مل سکا تھا۔

نجران کے عیسائیوں کی جلاوطنی:۔ فاروق اعظمؓ نے یعلیٰ بن اُمیہؓ کو حکم دیا۔ کہ ملکِ یمن کی طرف جا کر نجران کے عیسائیوں سے کہدو کہ تم اس مُلک کو چھوڑ دو۔ ہم تم کو حدودِ عرب سے باہر ملک شام میں تمہاری ان زمینوں سے زیادہ زرخیز زمینیں اور ان زمینوں سے زیادہ وسیع زمینیں دیتے ہیں۔ اور تم کو کسی مالی وجسمانی محنت و نقصان میں مبتلا کرنا نہیں چاہتے۔ ملکِ عرب اَب صرف مسلمانوں کے لئے رہے گا۔ غیر مُسلم ہونے کی حالت میں تمھارا قیام یہاں ممکن نہیں۔

بعض کوتاہ فہم لوگ نجران کے نصرانیوں کی اس جلاوطنی کو ناجائز فعل قرار دے کر معترض ہوا کرتے ہیں۔ لیکن وہ بات بھول جاتے ہیں۔ کہ مدینہ کے یہودیوں نے بھی مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں اور رومیوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دینے میں خاص طور پر کوشش کی تھی۔ اور اب نجران کے عیسائی بھی مسلمانوں کے بیچ میں رہ کر رومی سلطنت کے لئے جو ہر سرپرخاش تھی جاسوسی اور ہر قسم کی مخالفِ اسلام سازشوں کے کامیاب بنانے میں مصروف تھے۔ آنحضرت صلعم ملک عرب کے عیسائیوں اور یہودیوں کی سود خوری اور مخالفِ اسلام سازشی کارروائیوں سے واقف تھے۔ آپ مسلمانوں کو یہودیوں اور عیسائیوں کی ہمسائیگی سے اس لئے بچانا چاہتے تھے۔ کہ ان کی یہ بد عادات کہیں مسلمانوں میں سرایت نہ کر جائیں۔ اسی لئے آپ نے نجران کے عیسائیوں سے جو عہد نامہ کیا تھا۔ اُس میں ایک یہ شرط بھی تھی۔ کہ عیسائی سود خوری کی عادت کو ترک کر دیں گے اور اسی وجہ سے آپؐ نے وصیت فرمائی تھی۔ کہ مُلکِ عرب میں یہودی اور عیسائی نہ رہنے پائیں۔ نجران کے نصرانیوں نے ہرقل کے ساتھ ہمدردانہ طرزِ عمل اختیار کر کے اور سود خوری کو ترک نہ کر کے اپنے آپ کو خود ہی اس سلوک کا مستحق بنا لیا تھا۔ کہ اُن کو مُلکِ عرب سے جلاوطن کر دیا جائے۔ آج کل بھی ہم یہودیوں کی جلاوطنیوں کا حال اخبارات میں پڑھا کرتے ہیں۔ جو ان کو یورپ کے متمدن ملکوں سے جبریہ اختیار کرنی اور اپنی جائدادیں حسرت کے ساتھ چھوڑنی پڑتی ہیں۔ ان

جلاوطنیوں کے مقابلے میں بخران کے نصرانیوں کی جلاوطنی تو ایک رحمت تھی نہ کہ مصیبت۔

فتح دمشق:-

جنگِ یرموک میں رومی لشکر شکست فاش کھا کر بھاگا۔ اور مقام فحل میں جاکر رُکا۔ ہرقل نے احکام جاری کئے۔ جن کے موافق فحل میں بھی اور دمشق میں بھی رُومی لشکرِ عظیم مقابلہ کے لئے فراہم ہوگیا۔ دمشق کی خوب مضبوطی کرلی گئی۔ اور فلسطین وحمص کی طرف سے بوقت ضرورت دمشق والوں کو مزید کمک بھیجنے کا اہتمام بھی ہوگیا۔۔۔ افواجِ دمشق کا سپہ سالارِ اعظم ہرقل نے نسطاس بن نسطورس کو مقرر کیا۔ اور ہامان نامی بطریق دمشق کا گورنر پہلے وہاں سے موجود تھا اسلامی لشکر ابھی یرموک ہی میں خیمہ زن تھا۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے فاروق اعظمؓ کے حکم کی موافق لشکرِ عراق پر جو خالد بن ولیدؓ کے ہمراہ عراق سے آیا تھا۔ ہاشم بن عتبہؓ کو امیر مقرر کرکے عراق کی جانب روانہ کردیا۔ ایک دستہ فوج فحل کی جانب روانہ کیا۔ باقی فوج کے چند حصے کرکے ایک حصہ ذوالکلاعؓ کی سرداری میں روانہ کیا۔ کہ دمشق اور حمص کے درمیان مقیم رہ کر اُس فوج کو جو ہرقل حمص سے دمشق والوں کی کمک کو روانہ کرے روکیں۔ ایک حصہ کو فلسطین و دمشق کے درمیان متعین کیا۔ کہ فلسطین کی طرف سے رُومی فوجوں کو دمشق کی جانب نہ آنے دیں باقی فوج کو لے کر حضرت ابو عبیدہؓ خود دمشق کی جانب متوجہ ہوئے۔ دمشق پہنچنے سے پہلے مقام غوطہ کو فتح کیا آخر ماہِ رجب ۱۳ھ میں اسلامی لشکر نے دمشق کا محاصرہ کرلیا۔ شہر میں کافی فوج تھی لیکن رومیوں کی جرأت نہ ہوئی۔ کہ میدان میں نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے انھوں نے شہر کی مضبوط فصیلوں اور اپنے سامانِ مدافعت کی پناہ لینی مناسب سمجھی۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح بابُ الجابیہ کی جانب خیمہ زن ہوئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ باب توما کی جانب اُترے۔ حضرت شرجیل بن حسنہ فرادیس کی جانب اور یزید بن ابی سفیان باب صغیر و باب کیسان کی جانب فروکش ہوئے۔ اس طرح دمشق کے چاروں طرف اسلامی لشکر نے محاصرہ ڈال دیا۔ محصورین شہر کی فصیلوں پر چڑھ کر کبھی پتھروں کی بارش منجنیقوں کے ذریعہ کرتے۔ کبھی تیروں کا مینہ برساتے۔ مسلمان بھی اُن کے جواب دینے میں کوتاہی نہ کرتے۔ اس طرح یہ محاصرہ ماہ رجب ۱۳ھ سے ۱۶ محرم ۱۴ھ تک چھ مہینے جاری رہا۔ ہرقل نے حمص سے دمشق والوں کی کمک کے لئے جو فوجیں روانہ کیں۔ اُن کو ذوالکلاعؓ نے دمشق تک نہ پہنچنے دیا۔ کیونکہ وہ اسی غرض کے لئے دمشق وحمص کے درمیان مقیم تھے۔ جب چھ

مہینے گذر گئے۔ تو دمشق والے ہرقل کی امداد سے مایوس ہو گئے۔ اور اُن میں مقابلہ کرنے کا جوش کم ہونے لگا۔ تو حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح نے اِس حالت سے بر وقت مطلع ہو کر اور محاصرہ کو زیادہ طول دینا مناسب نہ سمجھ کر ہر سمت کے سرداروں کو حکم دیا۔ کہ کل شہر پر حملہ آوری ہو گی۔

مسلمانوں کی اس جنگی تیاری اور حملہ آوری کا حال معلوم کر کے اُمراءِ دمشق کے ایک وفد نے باب توما کی جانب سے حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس آکر امان طلب کی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اُن کو امان نامہ لکھ دیا اور بلامقابلہ شہر کے اندر داخل ہوئے۔ خالد بن ولیدؓ نے جو امان نامہ دمشق والوں کو لکھ کر دیا۔ اُس کا مضمون اس طرح تھا۔

"خالد بن ولیدؓ نے دمشق والوں کو یہ رعایتیں دی ہیں۔ کہ جب اسلامی لشکر دمشق میں داخل ہو گا۔ تو دمشق والوں کو امان دی جائے گی۔ اُن کی جان و مال اور گرجوں پر کوئی تصرف نہ کیا جائے گا۔ نہ شہر دمشق کی شہر پناہ منہدم کی جائے گی۔ نہ کسی مکان کو مسمار و منہدم کیا جائے گا۔ اسلامی لشکر کا کوئی شخص شہر والوں کے کسی مکان میں سکونت اختیار نہ کرے گا۔ مسلمان اور اُن کا خلیفہ بجز نیکی کے کوئی بُرا سلوک دمشق والوں سے نہ کریں گے۔ جب تک کہ دمشق والے جزیہ ادا کرتے رہیں گے"

ادھر خالد بن ولیدؓ صلح کے ذریعہ شہر میں داخل ہوئے۔ ٹھیک اُسی وقت باقی ہر سہ جوانب سے اسلامی سردار سیڑھیاں لگا لگا کر اور دروازے توڑ توڑ کر قہر و غلبہ کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔ وسطِ شہر میں خالدؓ اور ابو عبیدہؓ کی ملاقات ہوئی۔ ابو عبیدہؓ نے کہا۔ کہ ہم نے شہر کو بزور شمشیر فتح کیا ہے۔ خالد بن ولیدؓ نے کہا کہ میں نے بمصالحت شہر پر قبضہ کیا ہے۔ بعض روایات کی رُو سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بطریق ہامان نے خود امراءِ دمشق کو بھیج کر خالد بن ولیدؓ سے عہدنامہ لکھوالیا تھا۔ اور وہ مسلمانوں کے حملہ کی طاقت اور نتیجے کو دیکھنا چاہتا تھا۔ کہ اگر مسلمان اپنے متفقہ حملے اور پوری کوشش میں ناکام رہے اور بزور شمشیر دمشق میں داخل نہ ہو سکے۔ تو آئندہ بھی مدافعت کو جاری رکھا جائے گا۔ اور خالدؓ کے عہدنامہ کو کوئی وقعت نہ دی جائے گی۔ لیکن اگر مسلمان اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئے۔ اور زبردستی شہر میں داخل ہوئے۔ تو اس عہدنامہ کے ذریعے اُس برتاؤ سے محفوظ رہیں گے۔

جو بزورِ شمشیر فتح کئے ہوئے شہر کے ساتھ آئینِ جنگ کے موافق کیا جاتا ہے۔ ادھر ابو عبیدہؓ بزورِ شمشیر شہر میں داخل ہوئے۔ اور اُدھر دمشق والوں نے خود دروازہ کھول کر خالد بن ولیدؓ کو شہر کے اندر بُلا لیا۔ بہر حال کوئی بات ہوئی۔ یہ ضرور ہوا کہ خالد بن ولیدؓ بذریعہ مصالحت داخلِ دمشق ہوئے۔ اور ابو عبیدہؓ بن جرّاح بزورِ شمشیر۔

وسطِ شہر میں جب دونوں سردار ملاقی ہوئے۔ تو یہ مسئلہ در پیش ہوا۔ کہ دمشق بزورِ شمشیر مفتوح سمجھا جائے یا بمصالحت۔ بعض شخصوں نے کہا۔ کہ خالد بن ولیدؓ چونکہ افواجِ اسلامی کے سپہ سالارِ اعظم نہ تھے۔ لہٰذا ان کا عہد نامہ جائز نہیں سمجھا جائے گا۔ ایسا عہد نامہ صرف ابو عبیدہؓ لکھ سکتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا۔ کہ نہیں مسلمانوں کا کوئی ایک معمولی سپاہی بھی جو عہد اقرار کرے گا۔ وہ تمام مسلمانوں کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ لہٰذا خالد بن ولیدؓ کا عہد نامہ جائز سمجھا جائے گا۔ اس پر یہ رائے پیش کی گئی۔ کہ وسطِ شہر سے بابِ توما تک نصف شہر بذریعہ مصالحت مفتوح سمجھا جائے گا۔ اور باقی نصف شہر بذریعہ شمشیر مسخر تصور کیا جائے لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کو بھی پسند نہ فرمایا۔ اور تمام شہر خالد بن ولیدؓ کے عہد نامہ کے موافق بمصالحت مفتوح سمجھا گیا۔ اور ان تمام باتوں پر سختی سے عمل درآمد کیا گیا۔ جن کی نسبت خالد بن ولیدؓ نے اپنے عہد نامے میں تصریح فرما دی تھی۔ ابن خلدون کی روایت کے موافق خالد بن ولیدؓ بزورِ شمشیر بابِ توما کی طرف سے داخل ہوئے۔ تو شہر والوں نے باقی دروازوں کے سامنے والے سرداروں سے مصالحت کر کے اُن کو فوراً بمصالحت شہر میں داخل کیا۔ بہر حال مسلمانوں نے دمشق والوں کے ساتھ مصالحانہ سلوک کیا۔ اور شہر والوں کو کوئی آزار نہیں پہنچایا۔ ابو عبیدہؓ بن جراح نے یزید ابن ابی سفیان کو دمشق کا عامل مقرر کیا۔ اور رومی سرداروں نیز سپاہیوں کو دمشق سے نکل کر جہاں اُن کا جی چاہا چلے جانے دیا؛

جنگِ فحل: یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق میں ضروری جمعیت کے ساتھ چھوڑ کر حضرت ابو عبیدہؓ جراح دمشق سے مقامِ فحل کی جانب بڑھے۔ جہاں ہرقل کا نامی سردار سقلار بن مخراق لاکھوں آدمیوں کا لشکر لئے ہوئے پڑا تھا۔ دمشق سے روانہ ہوتے وقت حضرت ابو عبیدہؓ نے خالد بن ولیدؓ کو مقدمۃ الجیش کا۔ شرجیل بن حسنہ کو قلب کا۔ عمرو بن عاصؓ کو میمنہ کا۔ ضرار بن ازورؓ کو سواروں کا۔ عیاض بن غنمؓ کو پیادوں کا افسر مقرر کیا۔ اور خود میسرہ میں رہے۔ فحل کے قریب پہنچ کر اسلامی لشکر اپنے اپنے سرداروں کی ماتحتی میں مناسب موقعوں

پر خیمہ زن ہوا۔ آدھی رات کے وقت رومیوں نے مسلمانوں کے قلبِ لشکر پر حملہ کیا۔ شرجیل بن حسنہؓ مقابل ہوئے۔ لڑائی کا شور و غل سُن کر تمام مسلمان سردار اپنا اپنا لشکر لے کر میدان میں آگئے۔ اور ہنگامہ زد و خورد پوری شدت اور تیزی سے گرم ہوا۔ یہ لڑائی کئی دِن تک جاری رہی۔ جس طرح دن کو معرکہ کارزار گرم رہتا تھا ۔۔۔ اسی طرح رات کو بھی جاری رہتا تھا آخر رومی سردار سقلار میدانِ جنگ میں اسّی ہزار رومیوں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کرا کر خود بھی مقتول ہوا۔ بقیۃ السیف نے راہِ فرار اختیار کی۔ اور مسلمانوں کے لئے بے شمار مالِ غنیمت چھوڑ گئے۔ فتح فحل کے بعد اسلامی لشکر بیسان کی جانب بڑھا۔

فتح بیسان:۔ بیسان کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا۔ کہ یہاں بھی سخت مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اسلامی لشکر نے شہر و قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسی حالت میں خبر پہنچی کہ ایک رومی سردار زبردست فوج لیے ہوئے دمشق کی جانب گیا ہے تاکہ اس کو مسلمانوں کے قبضے سے نکال لے۔ یہ خبر سُن کر حضرت ابو عبیدہؓ نے خالد بن ولیدؓ کو سواروں کا ایک دستہ دے کر دمشق کی جانب روانہ کیا۔ رومی سردار جب دمشق کے قریب پہنچا۔ تو یزید بن ابی سفیانؓ عامل دمشق اُس کے مقابلہ کو نکلے۔ اور ہنگامہ جدال و قتال گرم ہوا۔ عین معرکہ جنگ میں رومیوں پر پیچھے سے حضرت خالد بن ولیدؓ پہنچ کر حملہ آور ہوئے۔ اور اس رومی لشکر سے ایک شخص بھی بچ کر بھاگنے کا موقعہ نہ پا سکا۔ سب کے سب میدانِ جنگ میں کھیت رہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ یہاں سے فارغ ہوتے ہی واپس ابو عبیدہؓ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ بیسان والوں نے اول مسلمانوں کا مقابلہ کرنے اور حملہ آور ہونے میں کمی نہیں کی لیکن بالآخر اپنے آپ کو اسلامی لشکر کے مقابلے کے قابل نہ پا کر صلح کی درخواست کی اور اسلامی سپہ سالار نے بخوشی اس درخواست کو منظور کر کے اہلِ بیسان پر جزیہ مقرر کر دیا۔ اور ایک عامل وہاں مقرر فرما دیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ابو الاعور اسلمیؓ کو ایک دستہ فوج دے کر طبریہ کی جانب روانہ کیا تھا۔ اہلِ طبریہ نے بیسان والوں کا انجام دیکھ کر ابو الاعور کو بمصالحت شہر سپرد کر دیا۔

صیدا، عرقہ، جبیل، بیروت کی فتح:۔ یزید بن ابی سفیانؓ نے دمشق کے انتظام پر قابو پا کر اپنے بھائی معاویہ بن ابی سفیان کو ایک دستہ فوج دے کر عرقہ کی جانب روانہ کیا۔ انھوں نے عرقہ کو فتح کر لیا۔ پھر یزید بن ابی سفیان صیدا و جبیل و بیروت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور معمولی زد و خورد کے بعد ان تمام

مقامات پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس طرح دمشق اور تمام علاقہ اردن مسلمانوں کے قبضے میں آگیا؛

عراقی معرکے

فتح یرموک کے بعد ملک شام میں مذکورہ بالا فتوحات مسلمانوں کو حاصل ہو چکیں تو انھوں نے اب حمص کی طرف جہاں قیصر ہرقل فروکش تھا بڑھنے کی تیاریاں کیں۔ اب ملک شام اور رومی لشکروں کے ساتھ مسلمانوں کی معرکہ آرائیوں کے حالات وواقعات بیان کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ملکِ عراق کے اُن حالات اور واقعات کو بھی بیان کر دیا جائے۔ جو خلافت فاروقی کی ابتدا سے لے کر اب تک وقوع پذیر ہوئے تھے۔ اگر ہم ملکِ شام کے واقعات کی سیر کرتے ہوئے دُور تک آگے بڑھ گئے۔ تو پھر ملکِ عراق کے حالات بہت زیادہ پیچھے ہٹ کر شروع سے مطالعہ کرنے میں وہ لطف حاصل نہ ہو سکے گا جو شامی و عراقی معرکہ آرائیوں کی متوازی سیر اور تطابق زمانی کے صحیح تصور سے حاصل ہو سکتا ہے۔

ابو عبیدؓ بن مسعود کا پہلا کارنامہ:

اوپر ذکر آچکا ہے۔ کہ فاروقِ اعظمؓ نے اپنی خلافت کے پہلے ہی ہفتے میں مثنیٰ بن حارثہؓ۔ سعد بن عبیدؓ۔ سلیط بن قیسؓ اور ابو عبید بن مسعودؓ کو عراق کی جانب روانہ کردیا تھا۔ مثنیٰ بن حارثہؓ مدینۂ منورہ سے تو باقی مذکورہ سرداروں کے ساتھ ہی روانہ ہوتے تھے۔ لیکن ابو عبید بن مسعودؓ جو لشکرِ عراق کے سپہ سالارِ اعظم بنا کر بھیجے گئے تھے۔ راستے کے عرب قبائل سے بھی لوگوں کو اپنے ہمراہ لیتے اور قیام کرتے ہوئے گئے۔ اس لئے وہ عراق میں مثنیٰ بن حارثہؓ سے ایک ماہ بعد پہنچے۔ مثنیٰ بن حارثہؓ نے حیرہ میں پہنچ کر دیکھا۔ کہ ایرانیوں نے تمام رؤسائے عراق کو مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کر دیا ہے۔ ایران کے دربار مدائن میں خراسان کا گورنر رستم آکر قابو یافتہ ہو گیا ہے۔ اُس نے فوجی تنظیم اور انتظامی سررشتوں کو خوب مضبوط کرلینے کے علاوہ قبائل کو مسلمانوں کے خلاف آمادہ کر لینے میں بھی کامیابی حاصل کر لی ہے۔ سواد اور حیرہ کے مرزبان لڑائی کے لئے تُلے ہوئے بیٹھے ہیں مثنیٰؓ کے پہنچنے پر رستم نے ایک زبردست فوج مثنیٰؓ کے مقابلہ کو روانہ کی۔ دوسری زبردست فوج شاہی خاندان کے ایک بہادر و تجربہ کار سپہ سالار نرسی کے ماتحت مقام کسکر کی جانب بھیجی۔ اور تیسرا عظیم الشان لشکر جابان نامی سردار کے ماتحت نشیبی فرات کی سمت روانہ کیا۔ جس نے مقام نمارق میں آکر چھاؤنی

ڈال دی۔ حضرت مثنیٰؓ نے حیرہ سے نکل کر مقام خفان میں قیام کیا۔ اتنے میں ابو عبید بن بن مسعودؓ پہنچ گئے۔ انھوں نے تمام فوج کی سپہ سالاری اپنے ہاتھ میں لے کر مثنیٰ بن حارثہؓ کو سواروں کی سرداری سپرد کرکے مقام خفان ہی میں چھوڑا۔ اور خود مقام نمارق میں جابان پر حملہ آور ہوئے۔ بڑی خوں ریز جنگ ہوئی۔ آخر ابو عبیدؓ نے بذاتِ خود اللہ اکبر کہہ کر لشکرِ ایران پر نہایت سخت حملہ کیا۔ اور ان کی صفوف کو درہم برہم کرکے جمعیت کو منتشر کردیا۔ مسلمانوں نے اپنے سپہ سالار کی اقتدا میں جی توڑ کر ایسے شیرانہ و جواں مردانہ حملے کیے۔ کہ ایرانی میدان خالی چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ ایرانی سپہ سالار جابان کو اسلامی لشکر کے ایک بہادر مطر بن فضہ ربیعی نے گرفتار کرلیا۔ جس کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ یہ سپہ سالار ہے۔ جابان نے اس سے کہا۔ کہ تم مجھ کو گرفتار کرکے کیا کروگے۔ میں تم کو دو نہایت قیمتی غلام دوں گا۔ مجھ کو تم امان دے دو۔ مطر نے اس کو امان دے کر چھوڑ دیا۔ جب وہ چھوٹ کر چلا۔ تو ایک اور شخص نے اس کو پہچان کر گرفتار کرلیا۔ اور حضرت ابو عبید بن مسعودؓ کے پاس لایا۔ کہ یہ ایرانی سپہ سالار ہے اس نے دھوکہ دے کر امان حاصل کی تھی۔ حضرت ابو عبیدؓ نے مطر بن فضہ کو بلا کر پوچھا۔ تو انھوں نے کہا۔ کہ ہاں میں نے اس کو امان دی ہے۔ ابو عبیدؓ نے فرمایا کہ جب ایک مسلمان نے اس کو امان دیدی ہے۔ تو اب اس کے خلاف عمل درآمد کرنا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہوسکتا۔ یہ کہہ کر جابان کو بہ حفاظت میدانِ جنگ سے رخصت کردیا۔ جابان وہاں سے روانہ ہوکر اپنی مفرور فوج سے جا ملا اور یہ تمام فراری مقام کسکر میں نرسی کے پاس پہنچے۔۔۔

فتح کسکر:۔ نرسی پیشتر سے تیس ہزار فوج لیے ہوئے کسکر میں مقیم تھا۔ اب جابان اور اس کی ہزیمت خوردہ فوج بھی اس کے پاس آگئی۔ دربارِ ایران کو جب جابان کی شکست کا حال معلوم ہوا۔ تو رستم نے مدائن سے ایک عظیم الشان فوج جالینوس نامی سردار کی سرکردگی میں نرسی کی امداد کے لئے کسکر کی جانب روانہ کی۔ مگر حضرت ابو عبید بن مسعودؓ ثقفی نے جالینوس کے پہنچنے سے پہلے ہی نیشپی کسکر کے مقام سقاطیہ میں نرسی کے ساتھ جنگ شروع کردی۔ نرسی کے ساتھ شاہی خاندان کے دو اور ماتحت سردار تھے۔ ان ایرانی شہزادوں نے قلب اور میمنہ و میسرہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر حملہ کیا۔ مسلمانوں کی فوج میں قلب لشکر کو حضرت ابو عبید لئے ہوئے تھے۔ حضرت سعد بن عبیدؓ میمنہ کے سردار تھے۔ اور حضرت سلیط بن قیسؓ میسرہ

کے۔ حضرت مثنیٰ مقدمۃ الجیش کے افسر تھے۔ نہایت زور شور کے ساتھ لڑائی شروع ہوئی۔ مثنیٰ بن حارثہؓ نے جب دیکھا۔ کہ لڑائی طول کھینچ رہی ہے۔ تو انھوں نے اپنے دستے کو جُدا کرکے اور چار کوس کا چکر کاٹ کر ایرانی فوج کے عقب میں پہنچ کر حملہ کیا۔ نرسی نے اس غیر مترقبہ حملہ روکنے کے لئے اپنی فوج کے ایک حصّہ کو اُس طرف متوجہ کیا۔ حضرت سعدؓ بن عبید نے ایک زبردست حملہ کیا۔ اور خاص نرسی کے سر پر جا پہنچے۔ ابو عبیدؓ بھی صفوں کو چیرتے اور درہم برہم کرتے ہوئے ایرانی لشکر کے سمندر میں شناوری کرنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر کے ساتھ ایک زبردست حملہ کیا۔ کہ ایرانی میدان کو خالی کرنے لگے۔ نرسی سعد بن عبیدؓ کے مقابلہ میں نہ جم سکا۔ اور جان بچا کر پیچھے ہٹا۔ نرسی کے بھاگتے ہی تمام لشکر بھاگ پڑا۔ حضرت مثنیٰؓ نے مفرورین کا تعاقب کیا۔ اور باقی لشکر نے قیدیوں کو سنبھال کر ایرانیوں کے خیموں اور بازاروں پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد ابو عبیدؓ نے مثنیٰؓ، عاصمؓ اور سلیطؓ کو فوجی افسر دے کر ارد گرد کے اُن مقامات کی طرف روانہ کیا، جہاں ایرانی لشکر کے موجود ہونے کی خبر پہنچی تھی۔ ان سرداروں نے ہر جگہ فتح حاصل کرکے تمام علاقہ سواد کو تسخیر کر لیا؛

جنگ باقشیا: جالینوس کسکر تک نہ پہنچنے پایا تھا۔ کہ نرسی کو شکست فاش حاصل ہو گئی۔ اس شکست کی خبر سُن کر وہ باقشیا میں رُک گیا۔ ابو عبیدؓ نے سقاطیہ اور کسکر سے روانہ ہو کر باقشیا میں جالینوس پر حملہ کیا۔ اور جالینوس تابِ مقاومت نہ لاکر وہاں سے بھاگا۔ اور مدائن میں جاکر دم لیا؛

ابو عبیدؓ مسعود ثقفی کا آخری کارنامہ:- جالینوس جب شکست کھا کر مدائن میں پہنچا۔ تو تمام دربار اور دار السلطنت میں ہل چل مچ گئی۔ رستم نے جو سلطنتِ ایران کا مدار المہام تھا۔ سرِ دربار اعلان کیا کہ کون سا بہادر ہے۔ جو لشکرِ عرب کی پیش قدمی کو روک سکتا ہے اور اب تک کی ایرانی شکستوں کا انتقام عربوں سے لے سکتا ہے۔ سب نے بالاتفاق کہا۔ کہ بہمن جادویہ کے سوا اور کوئی ایسا تجربہ کار اور بہادر سپہ سالار نظر نہیں آتا۔ چنانچہ بہمن جادویہ کو رستم نے تین ہزار فوج اور تین سو جنگی ہاتھی نیز ہر قسم کا سامان جنگ اور سامانِ رسد دے کر روانہ کیا۔ اور اس کی کمک کے لئے جالینوس کو مقرر کرکے بہمن جادو سے کہا۔ کہ اگر اب کی مرتبہ بھی جالینوس میدان سے بھاگا تو ضرور اس کی گردن اُڑا دی جائے

گی۔ بہمن جادویہ کو درفش کاویانی بھی دیا گیا۔ جس کی نسبت ایرانیوں کا عقیدہ تھا۔ کہ جس فوج کے ساتھ یہ جھنڈا ہوتا ہے۔ اس کو کبھی شکست نہیں ہوتی۔ بہمن جادویہ پورے سازو سامان اور بڑے کروفر کے ساتھ مدائن سے روانہ ہوا۔ راستے میں جس قدر شہر قصبے اور قریے آتے تھے۔ بہمن جادویہ ہر جگہ سے لوگوں کو عرب کے مقابلے پر آمادہ کر کے اپنے ساتھ لیتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دریائے فرات کے کنارے مقام قس ناطف میں آکر مقیم ہوا۔ ادھر سے ابو عبید بن مسعودؓ اس لشکرِ عظیم کی آمد کا حال سن کر مقام کسکر سے روانہ ہوئے۔ اور دریائے فرات کے اس کنارے پر مقام مروحہ میں مقیم ہوئے۔ چونکہ دریائے فرات بیچ میں حائل تھا۔ لہٰذا دونوں لشکر چند روز تک خاموش پڑے رہے۔ بالآخر فریقین کی رضامندی سے دریائے فرات پر پُل تیار کیا گیا۔ جب پُل بن کر تیار ہو گیا۔ تو بہمن جادویہ نے ابو عبیدہؓ کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ "تم دریا کو عبور کر کے اس طرف آتے ہو یا ہم کو دریا کے اس طرف بلاتے ہو" اگرچہ دوسرے سرداروں کی رائے یہی تھی۔ کہ اہلِ فارس کو دریا کے اس طرف بُلانا چاہیے۔ لیکن ابو عبیدؓ نے یہی پسند کیا کہ ہم دریا کے اس طرف جا کر ایرانیوں کا مقابلہ کریں۔ چنانچہ وہ اسلامی لشکر لے کر فرات کے اُس طرف گئے۔ وہاں ایرانی لشکر اور دریائے فرات کے درمیان بہت ہی تھوڑا سا میدان تھا۔ جو لشکرِ اسلام کے پہنچنے سے کھچا کھچ بھر گیا۔ بہرحال صفیں آراستہ کر کے فریقین نے میدان کارزار گرم کیا۔ بہمن جادویہ نے ہاتھیوں کی صف کو لشکر کے آگے رکھا۔ ان ہاتھیوں پر تیرانداز بیٹھے ہوئے تھے۔ اور وہ لشکرِ اسلام پر تیراندازی کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے گھوڑوں نے اس سے پیشتر کبھی ہاتھی نہ دیکھے تھے۔ لہٰذا جب مسلمان حملہ آور ہوتے اُن کے گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر بدکتے اور بے قابو ہو کر اِدھر اُدھر بھاگتے۔ لڑائی کا یہ عنوان دیکھ کر ابو عبیدؓ نے حکم دیا۔ کہ پیادہ ہو کر حملہ کرو۔ یہ حملہ بڑی جانبازی و مردانگی کے ساتھ کیا گیا۔ لیکن ہاتھیوں نے جب اسلامی صفوف پر حملہ کرنا اور لوگوں کو کچلنا شروع کیا۔ تو مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہونے لگیں۔ ابو عبیدؓ نے بلند آواز سے لوگوں کو جرأت دلائی۔ اور کہا۔ کہ ہاتھیوں کی سونڈوں کو تلواروں سے کاٹو۔ یہ کہہ کر انھوں نے خود ہاتھیوں پر حملہ کیا۔ اور یکے بعد دیگرے کئی ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹ کر ان کے اگلے پاؤں تلوار کی ضرب سے کاٹے اور اس طرح ہاتھیوں کو گرا کر اُن کے سواروں کو قتل کیا۔

اپنے سپہ سالاروں کی یہ بہادری دیکھ کر دوسروں کو بھی جرأت ہوئی۔ اور مسلمانوں نے

ایرانی ہاتھیوں کے مقابلہ میں شیرانہ حملے کئے۔ عین اس حالت میں کہ معرکہ کارزار تیزی سے گرم تھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن مسعود سپہ سالارِ لشکرِ اسلام پر جنگی ہاتھی نے حملہ کیا۔ ابوعبیدؓ نے نہایت چابک دستی سے تلوار کا وار کیا۔ اور ہاتھی کی سونڈ کٹ کر الگ جا پڑی۔ لیکن ہاتھی نے اسی حالت میں آگے بڑھ کر ان کو گرا دیا۔ اور سینے پر پاؤں رکھ دیا۔ جس سے ان کی پسلیاں چور چور ہو گئیں۔ ابوعبیدہؓ کی شہادت کے بعد ان کے بھائی حکم نے فوراً آگے بڑھ کر علَم اپنے ہاتھ میں لیا۔ لیکن وہ بھی ہاتھی پر حملہ آور ہو کر ابوعبیدؓ کی طرح شہید ہوئے۔ ان کے بعد قبیلۂ بنوثقیف کے اور چھ آدمیوں نے یکے بعد دیگرے علَم ہاتھ میں لیا اور جامِ شہادت نوش کیا۔ آٹھویں شخص جنھوں نے علَم کو سنبھالا مثنیٰ بن حارثہؓ تھے۔ انھوں نے علَم ہاتھ میں لیتے ہی مدافعت اور استقامت میں جرأت کا اظہار کیا۔ لیکن لوگ اپنے ساتھ سرداروں کو یکے بعد دیگرے قتل ہوتے ہوئے دیکھ کر اور ہاتھیوں کی حملہ آوری کی تاب نہ لا کر فرار پر آمادہ ہو چکے تھے۔ ان بھاگنے والوں کو روکنے کے لئے عبداللہ بن مرثد ثقفی نے جا کر پل کے تختے توڑ دیئے اور رسّے کاٹ دیئے اور کہا۔ کہ لوگو! اب بھاگنے کا راستہ بھی بند ہو گیا۔ لہٰذا مرو جس طرح تمھارے بھائی اور تمھارے سردار شہید ہو چکے ہیں۔ پل کے ٹوٹنے سے یہ خرابی واقع ہوئی۔ کہ لوگ دریا میں کودنے اور پانی میں غرق ہونے لگے۔ حضرت مثنیٰ نے بچی کھچی فوج کو سمیٹ کر اور ابو محجن ثقفی وغیرہ سرداروں کو ہمراہ لے کر میدان میں ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ ساتھ ہی پل کے تیار کرنے کا حکم دیا۔ اور تمام لشکر میں اعلان کرایا۔ کہ میں ایرانی لشکر کو آگے بڑھنے سے روکے ہوئے ہوں۔ اطمینان کے ساتھ پل کے راستے دریا کو عبور کرو۔ حضرت مثنیٰ نے بڑی بہادری اور جان بازی کے ساتھ ایرانیوں کے حملے کو روکا۔ اور جب مسلمان دریا کے دوسری طرف عبور کر گئے۔ تب سب سے آخر میں خود پل کے راستے اس طرف آئے۔ مسلمانوں کی تعداد نو ہزار تھی جس میں سے چار ہزار اور بروایت دیگر چھ ہزار شہید ہو گئے۔ حضرت سلیطؓ بن قیسؓ۔ عقبہؓ و عبداللہؓ پسران قبطی بن قیس۔ عباد بن قیسؓ۔ بن السکنؓ۔ ابو امیہ فزاریؓ وغیرہ صحابی بھی انھیں شہداء میں شامل تھے۔ ایرانیوں کے بھی چھ ہزار آدمی مارے گئے۔ لیکن اب تک کی تمام لڑائیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا اس لڑائی میں نسبتاً زیادہ نقصان ہوا۔ اور اسی لڑائی میں ایسا اتفاق بھی ہوا۔ کہ مسلمان ایرانیوں کے مقابلے سے فرار بھی ہوئے۔ لیکن ہر ایک شخص جو فرار کی عار گوارا کرنے پر مجبور ہوا۔ مدت العمر ندامت و شرمندگی سے لوگوں کو اپنا منہ دکھانا چاہتا تھا کہیں جا دو یہ کی

اتنی ہمت نہ تھی۔ کہ وہ فرات کو عبور کر کے مسلمانوں پر جو بہت ہی تھوڑے اور خستہ حالت میں رہ گئے تھے۔ حملہ آور ہوتا۔ وہ وہیں سے مدائن کی جانب چل دیا۔ یہ لڑائی ماہ شعبان ۱۳ھ کو واقع ہوئی:۔

جنگِ بویب:۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو جب ابو عبید بن مسعودؓ ثقفی کی شہادت اور مسلمانوں کے نقصانِ عظیم کا حال معلوم ہوا۔ تو انھوں نے خاص اہتمام کے ساتھ ایرانیوں کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کیں۔ قبائل کی طرف قاصد بھیجے۔ اور لوگوں کو لڑائی کے لئے ترغیب دی۔ چنانچہ متعدد قبائل فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور مدینہ منورہ سے مثنیٰ بن حارثہ کی امداد کے لئے عراق کی طرف روانہ کئے گئے۔ حضرت مثنیٰ نے بھی عراقِ عرب میں فوجی بھرتی جاری کر کے ایک نئی فوج عراق عرب کی مرتب فرمائی تھی

ان تیاریوں کا حال دوبارہ ایران کو معلوم ہوا۔ تو وہاں سے رستم (ایران کا وزیر اعظم اور وزیر جنگ) نے مہران ہمدانی کو سالار جنگ بنا کر بارہ ہزار انتخابی فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ مہران کے انتخاب کی وجہ یہ بھی تھی۔ کہ اس نے ملکِ عرب میں تربیت و پرورش پائی تھی۔ اور وہ اہلِ عرب اور عربی لشکر کی قوت کا صحیح اندازہ کر سکتا تھا۔ حضرت مثنیٰؓ نے مہران ہمدانی کی روانگی کا حال سن کر اپنی تمام افواج کو دریائے فرات کے کنارے مقام بویب میں مجتمع کیا۔ مہران بھی بویب کے بالمقابل فرات کے دوسرے کنارے پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ اور مثنیٰؓ کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ تم خود دریائے فرات کو عبور کر کے اس طرف آؤ۔ یا ہم کو دریائے فرات کے عبور کرنے کا موقع دو۔ کہ ہم اس طرف آکر صفوف آراستہ کریں۔ حضرت مثنیٰ چونکہ گذشتہ جنگ میں دریا کے عبور کرنے کا تلخ تجربہ دیکھ چکے تھے۔ لہٰذا انھوں نے جواباً کہلا بھیجا۔ کہ تم ہی فرات کو عبور کر کے اس طرف آجاؤ۔ چنانچہ مہران اپنی تمام ایرانی افواج اور جنگی ہاتھیوں کو لے کر دریا کے اس طرف آیا۔ اور سب سے آگے پیادوں کو رکھ کر ان کے پیچھے ہاتھیوں کی صفوں کو کھڑا کیا۔ جن پر تیر انداز سوار تھے۔ داہنے بائیں سواروں کے دستے تھے۔ ادھر سے اسلامی فوج بھی مقابلہ کے لئے صف بستہ ہو کر تیار ہو گئی۔ ایرانیوں نے حملہ کیا۔ مسلمانوں نے ان کا بڑی پامردی و جواں مردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ طرفین سے خوب خوب دادِ شجاعت دی گئی۔ بالآخر لشکرِ ایران کو مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست حاصل ہوئی۔ جب ایرانیوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔ تو مثنیٰ بن حارثہؓ سپہ سالار اسلام نے دوڑ کر پل کو توڑ دیا۔ تاکہ ایرانی بآسانی دریا کو عبور کر کے

نہ بھاگ سکیں نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ایرانی قتل اور بہت سے غرقِ دریا ہوئے۔ مہران ہمدانی میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ ایرانی لشکر کے تقریباً ایک لاکھ آدمی و بروایت ابنِ خلدون اس لڑائی میں مقتول ہوئے۔ اور مسلمانوں کے لشکر سے صرف سو آدمی شہید ہوئے ایرانی لشکر سے جو لوگ بچ کر بھاگے۔ اُن کا تعاقب مسلمانوں نے مقام ساباط تک کیا۔ اس لڑائی کے بعد سواد سے دجلہ تک کا تمام علاقہ مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں آگیا۔ یہ لڑائی ماہ رمضان ۱۳ھ میں ہوئی۔

بویب کی شکست:۔ مہران کے قتل اور لشکرِ عظیم کی بربادی کا حال معلوم ہو کر صرف دربارِ ایران بلکہ تمام مُلک ایران میں کہرام برپا ہو گیا۔ لڑائی کے اس نتیجہ کا حال سُن کر ایک لاکھ ایرانی اور ایک سو عرب مقتول ہوئے۔ ہر شخص حیران ہو جاتا تھا۔ غرض ایرانیوں کے دلوں پر عربوں کی بہادری کا زبردست سکہ بیٹھ گیا۔ اس وقت اگرچہ ایران کے تمام امور سلطنت رستم بن فرخ زاد کے ہاتھ میں تھے۔ لیکن تختِ ایران پر برائے نام ایک عورت جو شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی تخت نشین تھی۔ اس شکست فاش اور نقصانِ عظیم کا حال سُن کر ہر شخص کی زبان پر یہ فقرہ جاری تھا۔ کہ عورت کی سلطنت میں فوج کا فتح مند ہونا دشوار ہے۔ چنانچہ تمام رؤسائے ملک اور اُمرائے دربار نے شاہی خاندان کے ایک نوجوان یزدجرد کو تلاش کیا۔ اور اُس عورت کو تخت سے اُتار کر یزدجرد کو تختِ سلطنت پر بٹھایا۔ دربار میں رستم اور فیروز دو سردار بہت قابو یافتہ اور بااثر اور نیز ایک دوسرے کے مخالف اور رقیب تھے ان دونوں میں مصالحت پیدا کی گئی۔ یزدجرد کی عمر تخت نشینی کے وقت ۱۲ سال تھی۔ یزدجرد کے تخت نشین ہوتے ہی امرا اور رؤسا نے اپنی مخالفتوں کو فراموش کر کے مُلک و سلطنت کی حفاظت و خدمت کے لئے کمر باندھی۔ اور تمام وہ صوبیدار جو دربارِ ایران کی بدانتظامیوں کے سبب بددل ہو رہے تھے یک لخت چُستی و مستعدی کا اظہار کرنے لگے۔ اور سلطنتِ ایران میں ایک تازہ روح عربوں کے مقابلے کی پیدا ہو گئی۔ جن صوبوں اور شہروں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اُن میں بھی بغاوت اور سرکشی کے طوفان برپا ہونے لگے۔ ایرانی چھاؤنیاں فوجوں سے پُر ہو گئیں۔ ایرانی قلعے سب مضبوط کر دیئے گئے۔ ایرانیوں کا سہارا پا کر بہت سے علاقے جو مسلمانوں کے قبضے میں تھے باغی ہو کر ایرانیوں کا دم بھرنے لگے:۔

فاروقِ اعظمؓ کا خود ایرانیوں کے مقابلہ پر آمادہ ہونا

فاروق اعظمؓ کو یہ حالت مدینہ منورہ میں ذیقعدہ کے مہینے میں معلوم ہوئی۔ آپ نے اُسی وقت ایک حکم تو مثنٰی بن حارثہؓ کے نام بھیجا۔ کہ ربیعہ اور مضر کے قبائل کو جو عراق اور مدینہ کے درمیان نصف راستے سے اُس طرف آباد ہیں۔ خود اپنے پاس طلب کرو۔ اور اپنی جمعیت کو اس طرح طاقتور بناؤ۔ اور مخدوش علاقے کو خالی کر کے سرحد عرب کی طرف سمٹ آؤ۔ ساتھ ہی اپنے تمام عاملوں کے نام احکام روانہ کئے۔ کہ ہر قبیلے سے جنگ جو لوگ جہادِ فی سبیل اللہ کے لئے بھیجے جائیں۔ اُن احکام کی روانگی کے بعد آپ حج بیت اللہ کے لئے مدینہ سے مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے تو ملک کے ہر حصے سے لوگوں کے گروہ آنے شروع ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام میدانِ مدینہ آدمیوں سے پُر نظر آنے لگا۔ فاروق اعظمؓ نے حضرت طلحہؓ کو ہراول کا سردار مقرر فرمایا۔ زبیر بن العوامؓ کو میمنہ پر اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو میسرہ پر مقرر فرما کر سپہ سالار بن کر اور فوج لے کر روانگی کا عزم فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بُلا کر مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔ اور فوج لے کر مدینے سے روانہ ہوئے اور چشمہ ضرار پر آ کر قیام کیا۔ اس تمام فوج میں لڑائی کے لئے بڑا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ خلیفۂ وقت خود اس فوج کا سپہ سالار تھا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ آپ کا خود عراق کی طرف جانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ فاروق اعظمؓ نے تمام سردارانِ فوج اور عام لشکری لوگوں کو ایک جلسۂ عظیم میں مخاطب کر کے مشورہ طلب کیا۔ تو کثرت رائے خلیفۂ وقت کے ارادے کے موافق ظاہر ہوئی۔ یعنی لشکری لوگوں نے خلیفۂ وقت کے بحیثیت سپہ سالار ملک عراق کی طرف جانے کو مناسب سمجھا۔ لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا۔ کہ میں اس رائے کو ناپسند کرتا ہوں۔ خلیفۂ وقت کا خود مدینہ منورہ سے تشریف لے جانا خطرے سے خالی نہیں۔ کیونکہ اگر کسی سردار کو میدانِ جنگ میں ہزیمت حاصل ہو تو خلیفۂ وقت بآسانی اس کا تدارک کر سکتے ہیں۔ لیکن خدانخواستہ خود خلیفۂ وقت کو میدانِ جنگ میں کوئی چشمِ زخم پہنچے۔ تو پھر مسلمانوں کے کام کا سنبھلنا دشوار ہو جائے گا۔ یہ سُن کر مدینہ منورہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی بلوائے گئے۔ اور تمام اکابرِ صحابہؓ سے اس مشورہ میں مشورہ لیا گیا۔۔۔

حضرت علیؓ اور تمام جلیل القدر صحابہؓ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کی رائے کو پسند کیا۔ فاروق اعظمؓ نے دوبارہ لشکری لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ میں تمہارے ساتھ خود عراق کی جانب جانے کو تیار تھا۔ لیکن صحابہ کرام کے تمام صاحب الرائے حضرات میرے جانے کو ناپسند کرتے ہیں۔ لہٰذا میں مجبور ہوں۔ اور کوئی دوسرا شخص تمہارا سپہ سالار بن کر تمہارے ساتھ جائے گا۔ اب صحابہ کرام کی مجلس میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ کہ کس کو سپہ سالارِ عراق بنا کر بھیجا جائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انکار فرمایا۔ ابوعبیدہؓ و خالدؓ ملکِ شام میں مصروفِ پیکار تھے۔

اسی غور و فکر کی حالت میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا۔ کہ میں ایک شخص کا نام لیتا ہوں۔ کہ اس سے بہتر دوسرا شخص نہیں بتایا جا سکتا۔ یہ کہکر انھوں نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا نام لیا۔ سب نے اُن کی تائید کی۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی پسند فرمایا۔ سعد بن ابی وقاصؓ آنحضرت صلعم کے ماموں اور بڑے عالی مرتبہ صحابی تھے۔ اُن دنوں حضرت سعدؓ قبیلۂ ہوازن کے صدقات کی وصولی پر مامور تھے۔ اُسی وقت اُن کو خط لکھ کر بھیجا گیا۔ کہ فوراً مدینہ کی طرف آؤ۔ چنانچہ حضرت سعدؓ چند روز کے بعد فاروقِ اعظمؓ کی خدمت میں پہنچے۔ لشکر مقام صرار میں مقیم رہا۔ فاروق اعظمؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو مناسب ہدایات کیں۔ اور ہر ایک چھوٹے بڑے واقعہ سے اطلاع دیتے رہنے کی تاکید کرکے اور سپہ سالار افواج بنا کر روانہ کیا۔ سعد بن ابی وقاصؓ چار ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ اور اٹھارہ منزلیں طے کرکے مقام ثعلبہ میں پہنچ کر مقیم ہوئے۔ سعدؓ کی روانگی کے بعد ہی فاروق اعظمؓ نے دو ہزار یمانی اور دو ہزار نجدی بہادروں کا لشکر سعدؓ کی کمک کے لئے روانہ فرمایا۔ جو سعد بن ابی وقاصؓ سے آملے۔ مثنیٰ بن حارثہؓ موضع ذی قار میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی آمد کے منتظر آٹھ ہزار آدمیوں کا لشکر لئے ہوئے پڑے تھے۔ کہ حضرت سعدؓ کے ساتھ مل کر فرات کی طرف بڑھیں۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ واقعہ جسر میں زخمی ہو گئے تھے۔ اُن کے زخموں کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ بالآخر جب کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مقام ثعلبہ میں جا کر فروکش ہوئے ہیں۔ تو وہاں خبر پہنچی۔ کہ حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ نے انتقال فرمایا؛

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ملکِ عراق میں:- حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ نے فوت ہوتے وقت اپنی جگہ حضرت بشیر بن حصاصہ کو اپنی فوج کا سردار تجویز فرما دیا تھا۔ اس وقت آٹھ ہزار فوج حضرت مثنیٰؓ کے پاس موجود تھی۔ فاروقِ اعظمؓ نے حضرت سعد بن وقاصؓ کے لیے راستہ اور راستے کی منزلیں بھی خود مقرر فرما دی تھیں۔ اور روزانہ ہدایات بھیجتے رہتے۔ اور لشکرِ اسلام کی خبریں منگاتے رہتے تھے جب حضرت سعد بن وقاصؓ مقام ثعلبہ سے مقام سیراف کی جانب روانہ ہوئے۔ تو راستے میں قبیلۂ بنی اسد کے تین ہزار جوان جو فاروقِ اعظمؓ کے حکم نامہ کے موافق سرِ رہگذر منتظر تھے۔ سعدؓ کی فوج میں شامل ہو گئے۔ مقام سیراف میں پہنچے۔ تو یہاں اشعث بن قیس حکمِ فاروقی کے موافق اپنے قبیلے کے دو ہزار غازیوں کو لے کر حاضر اور لشکر سعدؓ میں شامل ہوئے اسی جگہ حضرت مثنیٰؓ کے بھائی معنیٰ بن حارثہ شیبانی سعدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور وہ تمام ضروری ہدایتیں جو حضرت مثنیٰؓ نے فوت ہوتے وقت فوج اور دشمن کی جنگ کے متعلق بیان فرمائی تھیں بیان کیں۔ اسی جگہ وہ آٹھ ہزار کا لشکر بھی جو حضرت مثنیٰؓ کے پاس تھا۔ لشکر سعدؓ میں آکر شامل ہو گیا۔ حضرت سعد بن وقاصؓ نے اس جگہ لشکرِ اسلام کا جائزہ لیا۔ تو بیس اور تیس ہزار کے درمیان تعداد تھی۔ جس میں تین سو صحابی ایسے تھے۔ جو بیعۃ الرضوان میں موجود تھے۔ اور ستر اصحابی ایسے تھے۔ جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ابھی مقام سیراف ہی میں مقیم تھے۔ فاروقِ اعظمؓ کا فرمان ان کے نام پہنچا۔ کہ قادسیہ کی طرف بڑھو اور قادسیہ میں پہنچ کر اپنے مورچے ایسے مقام پر قائم کرو۔ کہ تمہارے آگے فارس کی زمین ہو۔ اور تمہارے پیچھے عرب کے پہاڑ ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو فتح نصیب کرے تو جس قدر چاہو بڑھتے چلے جاؤ۔ لیکن خدانخواستہ معاملہ بر عکس ہو۔ تو پہاڑ پر آکر ٹھہرو۔ اور پھر خوب چوکس ہو کر حملہ کرو۔ حضرت سعدؓ نے اس حکم کے موافق مقام سیراف سے کوچ کیا۔ اور حضرت زہیر بن عبداللہ بن قتادہ کو مقدمۃ الجیش کا۔ عبداللہ بن المعتصم کو میمنہ کا۔ شرجیل بن السمط کندی کو میسرہ کا۔ عاصم بن عمرو تمیمی کو ساقہ کا سردار مقرر کیا۔ لشکرِ سعدؓ میں حضرت سلمانؓ فارسی سامان رسد کے افسر اعلیٰ تھے۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی قاضی وخزانچی تھے۔ ہلال ہجریؓ مترجم اور زیاد بن ابی سفیان کاتب یا سیکرٹری تھے۔ حضرت سعدؓ اپنا لشکر لئے ہوئے مقام سیراف سے قادسیہ کی طرف جا رہے تھے۔ کہ راستے میں مقام عذیب آیا۔ جہاں ایرانیوں

کا بیگزین تھا۔ اُس پر قبضہ کرتے ہوئے قادسیہ پہنچے۔ قادسیہ پہنچ کر لشکرِ فارس کے انتظار میں قریبًا دو ماہ انتظار کرنا پڑا۔ اس زمانہ میں لشکرِ اسلام کو جب سامانِ رسد کی ضرورت ہوتی تو ایرانی علاقوں پر مختلف دستے چھاپے مارتے اور ضروری سامان حاصل کرتے ،

مدائن سے رستم کی روانگی :- دار السلطنت ایران میں پیہم خبریں پہنچنی شروع ہوئیں۔ کہ قادسیہ میں عربی لشکر کا قیام ہے۔ اور فرات و حیرہ کا درمیانی علاقہ عربوں نے لوٹ کر ویران کر دیا ہے۔ قادسیہ کے متصلہ علاقوں کے لوگ دربار میں شاکی بن کر پہنچنے شروع ہوئے۔ کہ جلد کچھ تدارک ہونا چاہیے۔ ورنہ ہم سب مجبورًا عربوں کی فرماں برداری اختیار کر لیں گے۔ دربارِ ایران میں رستم بہت عقلمند اور تجربہ کار شخص تھا۔ اُس کی رائے آخر تک یہی رہی۔ کہ عربوں کو اُن کے حال پر آزاد چھوڑ دیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو جنگ و پیکار کے مواقع کو ٹلا دیا جائے۔ لیکن یزد جرد شہنشاہ ایران نے ان خبروں کو سُن کر رستم اپنے وزیر جنگ کو طلب کیا۔ اور حکم دیا۔ تو خود لشکر عظیم لے کر قادسیہ کی طرف روانہ ہو اور عربوں کے اور روز کے جھگڑے کو پورے طور پر ختم کر دے۔ رستم چاہتا تھا کہ یکے بعد دیگرے دوسرے سرداروں کو روانہ کرے۔ اور مسلسل طور پر لڑائی کے سلسلہ کو جاری رکھے۔ لیکن یزدجرد کے اصرار پر مجبورًا رستم کو مدائن سے روانہ ہونا پڑا۔ رستم نے مدائن سے روانہ ہو کر مقام ساباط میں قیام کیا۔ اور مُلک کے ہر حصہ سے افواج آ آ کر اُس کے گرد جمع ہونی شروع ہوئیں یہاں تک کہ ڈیڑھ لاکھ ایرانی لشکر ساباط میں رستم کے گرد فراہم ہو گیا۔ جو ہر طرح سامانِ حرب سے مسلح اور لڑائی کے جوش و شوق میں ڈوبا ہوا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے دربارِ خلافت میں ایرانیوں کی جنگی تیاریوں اور نقل و حرکت کے حالات بھیجے۔ فاروق اعظمؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا۔ کہ تم ایرانیوں کی کثرتِ افواج اور سازو سامان کی فراوانی دیکھ کر مطلق خائف و مضطر نہ ہو۔ بلکہ خدائے تعالیٰ پر بھروسہ رکھو۔ اور خدائے تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرتے رہو۔ اور قبل از جنگ چند آدمیوں کی ایک سفارت یزدجرد شاہ ایران کے پاس بھیجو۔ تاکہ وہ دربار ایران میں جا کر دعوت اسلام کے فرض سے سبک دوش ہوں۔ اور شاہِ فارس دعوتِ اسلام کو قبول نہ کرے۔ تو اس انکار کا وبال بھی اُس پر پڑے۔ اس حکم کے پہنچنے پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے لشکرِ اسلام سے سمجھ دار۔ خوش گفتار۔ وجیہہ، بہادر اور ذی حوصلہ حضرات کو منتخب کر کے قادسیہ سے مدائن کی جانب روانہ کیا؛

اسلامی سفارت: اس سفارت میں جو قادسیہ سے مدائن کی جانب روانہ ہوئے مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے۔ نعمان بن مقرن، قیس بن زرارہ، اشعث بن قیس، فرات بن حیان، عاصم بن عمر، عمرو بن معدیکرب، مغیرہ بن شعبہ، معنی بن حارثہ، عطارد بن حاجب، بشیر بن ابی رہم، حنظلہ بن الربیع، عدی بن سہیل۔ یہ تمام حضرات اپنے عربی گھوڑوں پر سوار راستے میں رستم کے لشکر کو چھوڑتے ہوئے سیدھے مدائن پہنچے۔ وہاں یزدجرد نے ان سفیروں کے آنے کی خبر سن کر دربار کو خوب آراستہ کیا۔ جب یہ اسلامی سفراء دربار میں اپنی سادہ وسپاہیانہ وضع کے ساتھ داخل ہوئے۔ تو تمام درباران کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اول یزدجرد نے ان سے معمولی سوالات کیے۔ اور ان کے باصواب جواب پاکر دریافت کیا۔ کہ تم لوگوں کو ہمارے مقابلے کی جرأت کیسے ہو گئی۔ اور تم کس طرح اس بات کو بھول گئے۔ کہ تمہاری قوم تمام دنیا میں ذلیل واحمق قوم سمجھی جاتی ہے۔ کیا تم اس بات کو بھی بھول گئے ہو۔ کہ جب کبھی تم لوگوں سے کوئی سرکشی یا بغاوت دیکھی جاتی تھی تو ہم اپنی سرحد کے عاملوں اور صوبیداروں کو حکم دے دیا کرتے تھے۔ کہ تم کو سیدھا کردیں۔ چنانچہ وہ تم کو ٹھیک بنا دیا کرتے تھے۔ یہ سن کر حضرت نعمان بن مقرن نے جواب دیا۔ کہ ہم دنیا سے بت پرستی اور شرک مٹانے کی کوشش کرتے اور تمام دنیا کے سامنے اسلام پیش کرتے ہیں کہ اسلام ہی کے ذریعہ انسان سعادت انسانی حاصل کرسکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام کو قبول نہیں کرتا تو اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی حفاظت وسرپرستی میں سپرد کردے۔ اور جزیہ ادا کرے۔ لیکن اگر وہ اسلام اور ادائے جزیہ دونوں باتوں سے انکار کرتا ہے تو اس کے اور ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

قیس بن زرارہ کی تقریر

یزدجرد اس گفتگو کو سن کر برافروختہ ہوا۔ لیکن ضبط کرکے بولا کہ تم لوگ محض وحشی اور جنگلی لوگ ہو۔ تمہاری تعداد بھی کم ہے۔ تم ہمارے ملک کے کسی حصہ کی طمع نہ کرو۔ ہم تم پر اس قدر احسان کرسکتے ہیں۔ کہ تم کو کھانے کے لئے غلہ اور پہننے کے لئے کپڑا دے دیں۔ اور تمہارے اوپر کوئی ایسا حاکم مقرر کردیں۔ جو تمہارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے۔ اس بات کو سن کر حضرت قیس بن زرارہ فوراً آگے بڑھے اور کہا۔ کہ یہ لوگ جو تمہارے سامنے

موجود ہیں۔ نہ سادہ شرفائے عرب ہیں۔ اور شرفائے عرب ایسی لغو باتوں کا جواب دینے سے شرم کرتے ہیں۔ میں تمھاری باتوں کا جواب دیتا ہوں۔ اور یہ سب میری باتوں کی تصدیق کرتے جائیں گے۔ سنو! تم نے جو عرب کی حالت اور اہلِ عرب کی کیفیت بیان کی۔ درحقیقت ہم اس سے بھی بدرجہا زیادہ خراب و ناقص حالت میں تھے، لیکن خدائے تعالیٰ نے ہم پر بڑا فضل و احسان کیا کہ ہماری ہدایت کے لئے نبی بھیجا، جس نے ہم کو صراطِ مستقیم کی ہدایت کی، اور حق و صداقت کے دشمنوں کو مغلوب و ذلیل کیا، اور دنیا میں فتوحات حاصل ہونے کا ہم کو وعدہ دیا۔ پس تمھارے لئے اب مناسب یہی ہے۔ کہ تم ہم کو جزیہ دینا منظور کرو۔ یا اسلام کو قبول کرو ورنہ ہمارے تمھارے درمیان تلوار فیصلہ کر دے گی۔

یزدجرد اس کلام کو سن کر آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے کہا۔ اگر سفیروں کا قتل کرنا جائز ہوتا۔ تو میں تم کو ضرور قتل کر دیتا۔ پھر اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ ایک مٹی کی ٹوکری بھر کر لاؤ۔ اور جو شخص ان میں سردار ہے اُن کے سر پر رکھ دو۔ اور اسی حالت میں اس کو مدائن سے باہر نکال دو۔ پھر بولا۔ کہ رستم بہت جلد تم سب کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔ اتنے میں مٹی کی ٹوکری آگئی۔ حضرت عاصمؓ نے فوراً اٹھ کر وہ ٹوکری اپنے کاندھے پر اٹھا لی اور کہا۔ کہ میں اس وفد کا سردار ہوں۔ یہ سب حضرات یزدجرد کے دربار سے نکلے۔ اور اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر مٹی کی وہ ٹوکری لئے ہوئے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس پہنچے۔ اور کہا۔ کہ ملک ایران کی فتح مبارک ہو۔ خدائے تعالیٰ نے اُن کے ملک کی مٹی ہم کو عطا کی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی اس تفاؤل سے بہت ہی خوش ہوئے۔

ان سفراء کی واپسی کے بعد دربارِ ایران سے رستم کے پاس ساباط میں تازہ احکام پہنچے۔ اور کمکی سردار بھی روانہ کئے گئے۔ ساٹھ ہزار فوج کا بڑا حصہ خاص رستم کے زیرِ کمان تھا۔ مقدمۃ الجیش کا سردار جالینوس تھا۔ جس کے ہمراہ چالیس ہزار کا لشکر تھا۔ بیس ہزار فوج ساقہ میں تھی۔ میمنہ پر تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ ہرمزان، اور میسرہ پر تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مہران بن بہرام رازی تھا۔ اس طرح کل ایرانی لشکر کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار تک پہنچ گئی۔ اس کے علاوہ ایک سو جنگی ہاتھی قلب میں رستم کے ساتھ تھے۔ پچھتر ہاتھی میمنہ میں اور پچھتر میسرہ میں بیس ہاتھی مقدمۃ الجیش میں اور تیس ساقہ میں تھے۔ اس ترتیب و سامان کے ساتھ رستم ساباط سے روانہ ہو کر مقام کوثا میں پہنچا۔ اور وہاں خیمہ زن ہوا۔ قادسیہ اور مدائن کے درمیان تیس چالیس کوس کا فاصلہ تھا۔ ایرانی اور اسلامی لشکروں کا فاصلہ اب

بہت ہی کم رہ گیا تھا۔ طرفین سے چھوٹے چھوٹے دستے ایک دوسرے پر چھاپہ مارنے اور سامانِ رسد لوٹنے کے لئے ہر روز روانہ ہوتے رہتے تھے۔ رستم لڑائی کو ٹالنا چاہتا تھا۔ اس لئے اُس نے مدائن سے قادسیہ تک پہنچنے میں چھ مہینے صرف کر دیئے۔ مقام کوثا سے روانہ ہو کر رستم قادسیہ کے سامنے پہنچا۔ اور مقام عتیق میں خیمہ زن ہوا۔ دربارِ ایران سے بار بار رستم کے پاس تقاضوں کے پیغام آتے تھے۔ کہ جلد عربوں کا مقابلہ کرو۔ رستم یہ چاہتا تھا۔ کہ بلا مقابلہ کام چل جائے۔ تو اچھا ہے۔ چنانچہ اُس نے قادسیہ پہنچ کر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ تم اپنے کسی سفیر کو ہمارے پاس بھیج دو تاکہ ہم اُس سے مصالحت کی گفتگو کریں۔

حضرت سعد بن وقاصؓ نے حضرت ربعی بن عامرؓ کو سفیر بنا کر رستم کے پاس روانہ کیا۔ رستم نے بڑے تکلف اور شان و تجمل کے ساتھ دربار کیا۔ سونے کا تخت بچھوایا۔ اور اُس کے چاروں طرف دیبا و حریر اور رومی قالینوں کا فرش کرایا۔ تکیوں اور شامیانوں کی جھالریں بیچے موتیوں کی تھیں۔ غرض حضرت ربعی بن عامرؓ اس شان و شوکت والے دربار میں داخل ہوئے اور گھوڑے کو ایک گاؤ تکیے سے جو لبِ فرش پڑا ہوا تھا باندھ کر تیر کی انی ٹیکتے اور اُس فرش کو چاک و سوراخ دار بناتے ہوئے تخت کی طرف بڑھے اور بڑھ کر رستم کے برابر جا بیٹھے۔ لوگوں نے ربعی کو تخت سے نیچے اُتارنا اور اُن کے ہتھیاروں کو علیحدہ کرنا چاہا۔ تو حضرت ربعیؓ نے جواب دیا کہ میں تمہارے یہاں تمہارا طلبیدہ آیا ہوں۔ خود اپنی کوئی استدعا لے کر نہیں آیا۔ ہمارے مذہب میں اس کی سخت ممانعت ہے۔ کہ ایک شخص خدا بن کر بیٹھے اور باقی آدمی بندوں کی طرح ہاتھ باندھ کر اُس کے سامنے کھڑے ہوں۔ رستم نے اپنے آدمیوں کو خود منع کر دیا۔ کہ کوئی شخص اس کے حال سے معترض نہ ہو۔ مگر کچھ سوچ کر حضرت ربعیؓ خود رستم کے پاس سے اُٹھے اور تخت سے اُتر کر خنجر سے زمین پر بچھے ہوئے قالین اور فرش کو چاک کر کے نیچے سے خالی زمین نکال کر اُس پر بیٹھ گئے۔ اور رستم سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ ہم کو تمہارے اس پُر تکلف فرش کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمارے لئے خدا تعالیٰ کا بچھایا ہوا فرش یعنی زمین کافی ہے۔ اس کے بعد رستم نے ترجمان کے ذریعہ حضرت ربعیؓ سے سوال کیا۔ کہ اس جنگ و پیکار سے تمہارا مقصد کیا ہے؟

حضرت ربعیؓ نے جواب دیا۔ کہ ہم خدائے تعالیٰ کے بندوں کو دنیا کی تنگی سے دارِ آخرت

کی وسعت میں لانا ظلم اور مذاہب باطلہ کی جگہ عدل اور اسلام کی اشاعت کرنا چاہتے ہیں۔ جو شخص عدل اور اسلام پر قائم ہو جائے گا۔ ہم اُس سے اور اُس کے مُلک و اموال سے معترض نہ ہوں گے۔ جو شخص ہمارے راستے میں حائل ہوگا۔ ہم اُس سے لڑیں گے۔ یہاں تک کہ جنت میں پہنچ جائیں گے یا فتح مند ہوں گے۔ اگر تم جزیہ دینا منظور کرو گے۔ تو ہم اُس کو قبول کرلیں گے۔ اور تم سے معترض نہ ہوں گے۔ اور جب کبھی تم کو ہماری ضرورت ہوگی تمھاری مدد کو موجود ہوں گے۔ اور تمھارے جان و مال کی حفاظت کریں گے۔ یہ باتیں سُن کر رستم نے سوال کیا۔ کہ کیا تم مسلمانوں کے سردار ہو؟ حضرت ربعیؓ نے جواب دیا۔ کہ نہیں۔ میں ایک معمولی سپاہی ہوں۔ لیکن ہم میں ہر ایک شخص خواہ وہ ادنیٰ ہو اعلیٰ کی طرف سے اجازت دے سکتا۔ اور ہر متنفس ہر معاملہ میں پورا اختیار رکھتا ہے۔ یہ سُن کر رستم اور اُس کے درباری دنگ رہ گئے۔ پھر رستم نے کہا۔ کہ تمھاری تلوار کا نیام بہت بوسیدہ ہے۔ ربعیؓ نے فوراً تلوار نیام سے کھینچ کر کہا۔ کہ اس پر آب ابھی رکھائی گئی ہے۔ پھر رستم نے کہا۔ کہ تمھارے نیزے کا پھل بہت چھوٹا ہے۔ یہ لڑائی میں کیا کام دیتا ہوگا۔ حضرت ربعیؓ نے فرمایا کہ یہ پھل سیدھا دشمن کے سینے کو چھیدتا ہوا پار ہو جاتا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آگ کی چھوٹی سی چنگاری تمام شہر کو جلا ڈالنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ اسی قسم کی نوک جھوک کی باتوں کے بعد رستم نے کہا کہ اچھا ہم تمھاری باتوں پر غور کریں۔ اور اپنے اہل الرائے اشخاص سے مشورہ بھی لے لیں۔ ربعیؓ وہاں سے اُٹھے۔ اور اپنے گھوڑے کے پاس آکر اُس پر سوار ہو کر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی خدمت میں پہنچے۔

دوسرے روز رستم نے حضرت سعدؓ کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ آج بھی میرے پاس اپنے ایلچی کو بھیج دیجئے۔ حضرت سعدؓ نے حضرت حذیفہؓ بن محصن کو روانہ کیا۔ حضرت حذیفہ بھی اُسی انداز اور اُسی آزادانہ روش سے گئے۔ جیسے کہ حضرت ربعیؓ گذشتہ روز گئے تھے۔ حضرت حذیفہؓ رستم کے سامنے پہنچ کر اپنے گھوڑے سے نہ اُترے۔ بلکہ گھوڑے پر چڑھے ہوئے اُس کے تخت کے قریب پہنچ گئے۔ رستم نے کہا۔ کہ کیا سبب ہے۔ کہ آج تم بھیجے گئے۔ اور کل والے صاحب نہیں آئے۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا۔ کہ ہمارا سردار عدل کرتا ہے۔ ہر خدمت کے لئے ہر ایک شخص کو موقعہ دیتا ہے۔ کل اُن کی باری تھی۔ آج میری باری آگئی۔ رستم نے کہا۔ کہ تم ہم کو کتنے دنوں کی مُہلت دے سکتے ہو؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا۔ کہ آج سے تین روز تک کی۔ رستم یہ

سُن کر خاموش ہوا۔ اور حضرت حذیفہؓ اپنے گھوڑے کی باگ موڑ کر سیدھے اسلامی لشکرگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آج بھی حضرت حذیفہؓ کی بے باکی اور حاضر جوابی سے تمام دربار حیران وششدر رہ گیا۔ اگلے روز رستم نے پھر لشکرِ اسلام سے ایک سفیر کو طلب کیا۔ آج حضرت سعدؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ کو روانہ کیا۔ حضرت مغیرہؓ کو رستم نے لالچ بھی دینا چاہا۔ اور ڈرانے کی بھی کوشش کی۔ لیکن حضرت مغیرہؓ نے نہایت سخت اور معقول جواب دیا۔ جس سے رستم کو غصہ آیا۔ اور اُس نے کہا۔ کہ میں اب تم سے ہرگز صلح نہ کروں گا۔ اور تم سب کو قتل کر ڈالوں گا۔ حضرت مغیرہؓ وہاں سے اٹھ کر اپنے لشکرگاہ کی جانب تشریف لے آئے۔

جنگِ قادسیہ:- حضرت مغیرہؓ کے رخصت ہوتے ہی رستم نے اپنی فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ دونوں لشکروں کے درمیان ایک نہر حائل تھی۔ رستم نے نہر پر پُل بنانے کا حکم دیا۔ اور پُل فوراً بن کر تیار ہو گیا۔ اگلے دن علی الصبح رستم نے حضرت سعدؓ کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ تم نہر کے اس طرف آکر لڑو گے یا ہم کو نہر کے اُس طرف آنا چاہیے۔ حضرت سعدؓ نے کہلا بھجوایا۔ کہ تم ہی نہر کے اِس طرف آجاؤ۔ چنانچہ تمام ایرانی لشکر نہر کو عبور کرکے میدان میں آکر جم گیا۔ میمنہ و میسرہ اور ہراول و ساقہ وغیرہ لشکر کے ہر ایک حصّہ کو رستم نے جنگی ہاتھیوں اور زرہ پوش سواروں سے ہر طرح مضبوط و مکمل بنایا۔ خود قلب لشکر میں قیام کیا۔ یہ ایرانی لشکر جو زیادہ سے زیادہ تیس ہزار کے اسلامی لشکر کے مقابلہ میں آمادہ جنگ ہوا۔ پونے دو لاکھ سے زیادہ اور ہر طرح اسلامی لشکر کی نسبت سامانِ حرب سے مسلح تھا۔ سپہ سالار لشکرِ اسلام حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے دُنبل نکل رہے تھے۔ اور عرق النساء کے درد کی بھی آپ کو شکایت تھی۔ لہٰذا نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتے تھے نہ چل پھر سکتے تھے۔ میدانِ جنگ میں اسلامی لشکرگاہ کے سرے پر ایک پُرانے زمانہ کی بنی ہوئی پختہ عمارت کھڑی تھی۔ حضرت سعدؓ خو اُس عمارت کی چھت پر گاؤ تکیہ کے سہارے بیٹھ گئے۔ اور اپنی جگہ میدانِ جنگ کا سردار خالد بن عرفطہؓ کو تجویز کیا۔ لیکن لڑائی کے نقشے اور میدان جنگ کے اہم تغیر و تبدل کو حضرت سعدؓ نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا۔ یعنی برابر حضرت خالد بن عرفطہؓ کے پاس ہدایات روانہ کرتے رہے۔ ایرانی لشکر کی تیاریوں کی خبر سُن کر اسلامی لشکر بھی جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گیا تھا۔ حضرت عمرو بن معدیکربؓ۔ حضرت عاصم بن عمروؓ۔ حضرت ربعیؓ۔ عاثر وغیرہ حضرات نے حضرت سعدؓ کے حکم کے موافق تمام لشکرِ اسلام میں گشت لگا کر

لوگوں کو جہاد اور جنگ پر آمادہ کیا۔ شعراء نے رجز خوانی شروع کی۔ قاریوں نے سورۂ انفال کی تلاوت سے تمام لشکر میں ایک جوش اور ہیجانی کیفیت پیدا کردی۔

بہرحال دونوں فوجیں مسلح ہو کر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو گئیں۔ سب سے پہلے لشکرِ ایران کی طرف سے ہرمز نامی ایک شہزادہ میدان میں نکلا۔ جو زرین تاج پہنے ہوئے تھا۔ اور ایران کے مشہور پہلوانوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کے مقابلہ کے لئے حضرت غالب بن عبد اللہؓ اسدی اسلامی لشکر سے نکلے۔ حضرت غالبؓ نے میدان میں جاتے ہی ہرمز کو گرفتار کر لیا۔ اور گرفتار کر کے حضرت سعدؓ کے پاس لاکر ان کے سپرد کر گئے۔ اس کے بعد ایک اور زبردست شہسوار اہلِ فارس کی جانب سے نکلا۔ ادھر سے حضرت عاصمؓ اس کے مقابلے کو پہنچے۔ طرفین سے ایک ایک دو دو وار ہی ہونے پائے تھے۔ کہ ایرانی شہسوار بھاگا۔ حضرت عاصمؓ نے اس کا تعاقب کیا۔ لشکرِ فارس کی صفِ اول کے قریب پہنچ کر اس کے گھوڑے کی دُم پکڑ کر روک لیا۔ اور سوار کو اس کے گھوڑے سے اٹھا کر اور اپنے آگے زبردستی بٹھا کر گرفتار کر لائے۔ یہ بہادری دیکھ کر لشکرِ ایران سے ایک اور بہادر چاندی کا گرز لئے ہوئے نکلا۔ اس کے مقابلے پر حضرت عمرو بن معدیکربؓ نکلے اور گرفتار کر کے لشکرِ اسلام میں لے آئے۔ رستم نے اپنے کئی سرداروں کو اس طرح گرفتار ہوتے ہوئے دیکھ کر فوراً جنگ مغلوبہ شروع کر دی۔ اور سب سے پہلے ہاتھیوں کی صف کو مسلمانوں کی طرف ریلا۔ ہاتھیوں کے اس حملہ کو قبیلۂ بجیلہ نے روکا۔ لیکن ان کا بہت نقصان ہوا۔ حضرت سعدؓ نے جو بڑے غور سے میدانِ جنگ کا رنگ دیکھ رہے تھے۔ فوراً بنی اسد کے لوگوں کو بجیلہ کی کمک کے لئے حکم دیا۔ بنو اسد نے آگے بڑھ کر خوب داد مردانگی دی۔ لیکن جب ان کی بھی حالت نازک ہوئی۔ تو حضرت سعد نے فوراً قبیلہ کندہ کے بہادروں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ بنو کندہ نے آگے بڑھ کر اس شان سے حملہ کیا۔ کہ اہلِ فارس کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ رُستم نے یہ رنگ دیکھ کر تمام لشکرِ ایران کو مجموعی طاقت سے یکبارگی حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس متفقہ سخت حملے کو دیکھ کر حضرت سعدؓ نے تکبیر کہی۔ اور تمام اسلامی لشکر نے حضرت سعدؓ کی تقلید میں تکبیر کہہ کر ایرانیوں پر حملہ کیا۔ گویا دو سمندر ایک دوسرے پر اُمنڈ آئے یا دو پہاڑ ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ فریقین کی فوجیں ایک دوسرے میں خلط ملط ہو گئیں۔ اس حالت میں ایرانیوں کے جنگی ہاتھیوں نے اسلامی لشکر کو سخت نقصان

پہنچانا شروع کیا۔ حضرت سعدؓ نے فوراً تیر اندازوں کو حکم دیا۔ کہ ہاتھیوں پر اور ہاتھیوں کے سواروں پر تیر اندازی کرو۔ حضرت عاصمؓ نے نیزہ لے کر ہاتھیوں پر حملہ کیا۔ اُن کی تقلید میں دوسرے بہادروں نے بھی ہاتھیوں کی سونڈوں پر تلواروں اور نیزوں سے زخم پہنچانے شروع کئے۔ تیر اندازوں نے ایسے تیر برسائے۔ کہ فیل نشینوں کو جوابی تیر اندازی کی مہلت ہی نہ ملی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہاتھی پیچھے ہٹے۔ اور بہادروں کے لئے میدان میں شمشیر زنی کے جوہر دکھانے کے مواقع ملے۔ صبح سے شام تک میدان کارزار گرم رہا۔ رات کی تاریکی نے لڑائی کو کل کے لئے ملتوی کردیا۔ یہ دوشنبہ کا روز تھا۔ محرم ۱۴ھ کا واقعہ ہے۔

اگلے دن علی الصبح بعد نمازِ فجر حضرت سعد بن وقاصؓ نے سب سے پہلے کل کے شہداء کو قادسیہ کے مشرق کی جانب دفن کرایا۔ کل کے شہداء کی تعداد پانچ سو تھی۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کا سامان رات ہی میں کردیا گیا تھا۔ شہداء کے دفن سے فارغ ہو کر اسلامی لشکر نے اپنی صفیں مرتب کیں۔ ایرانی بھی میدان میں آ ڈٹے۔ ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی۔ کہ مُلکِ شام سے روانہ کئے ہوئے لشکر کے قریب پہنچنے کی خبر پہنچی۔ مُلکِ شام سے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے حضرت ہاشم بن عتبہؓ کی سرداری میں لشکرِ عراق کو واپس بھیجا تھا۔ اس لشکر کے مقدمۃ الجیش پر حضرت قعقاع بن عمروؓ افسر تھے۔ اور وہ ایک ہزار کا مقدمۃ الجیش لئے ہوئے سب سے پہلے قادسیہ پہنچے۔ اور حضرت سعدؓ کو بڑے لشکر کے قریب پہنچنے کی خوش خبری سُنا کر خود اجازت لے کر میدان میں نکلے۔ اور مبارز طلب کیا۔ ان کے مقابلہ پر بہمن جادویہ آیا۔ طرفین سے دادِ سپہ گری دی گئی۔ اور جوہرِ مردانگی دکھائے گئے لیکن نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حضرت قعقاعؓ کے ہاتھ سے بہمن جادویہ ہلاک ہوا۔ اس کے بعد کئی مشہور و نامور ایرانی بہادر میدان میں نکلے اور مقتول ہوئے۔ بالآخر رستم نے عام حملہ کا حکم دیا۔ اور بڑے زور شور سے لڑائی ہونے لگی۔ ہاشم بن عتبہؓ نے میدانِ جنگ کے گرم ہونے کا حال سُن کر اپنی چھ ہزار فوج کے بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیئے اور حکم دیا۔ کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ایک ایک حصہ تکبیر کہتا ہوا داخل ہو۔ اس طرح شام تک یکے بعد دیگرے یہ دستے لشکرِ اسلام میں داخل ہوتے۔ اور ایرانی اس طرح پیہم کمکی دستوں کی آمد دیکھ دیکھ کر خوف زدہ ہوتے رہے۔ آج بھی ہاتھیوں کا فتنہ لشکرِ اسلام کے لئے بہت سخت تھا۔ لیکن مسلمانوں نے ایک نئی تدبیر یہ کی۔ کہ اونٹوں پر بڑی بڑی جھولیں ڈالیں۔ وہ بھی

ہاتھیوں کی طرح مہیب نظر آتے ۔ اور ایرانیوں کے گھوڑے ان کو دیکھ دیکھ کر بدکنے لگے۔ جس قدر ہاتھیوں سے اسلامی لشکر کو نقصان پہنچتا تھا۔ اُسی قدر ایرانی لشکر کو ان مصنوعی ہاتھیوں سے نقصان پہنچنے لگا۔ آج حضرت قعقاعؓ نے بہت سے ایرانی سرداروں اور مشہور شہسواروں کو قتل کیا۔ شام تک بازارِ جنگ گرم رہا۔ آج ایک ہزار مسلمان اور دس ہزار ایرانی میدانِ جنگ میں کام آئے۔

تیسرے روز حضرت سعد بن وقاصؓ نے نمازِ فجر سے فارغ ہوتے ہی اول شہداء کی لاشوں کے دفن کرنے کا انتظام کیا۔ مجروحوں کو عورتوں کے سپرد کیا گیا۔ کہ وہ مرہم پٹی کریں۔ اِس کے بعد دونوں فوجیں میدانِ جنگ میں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ آج بھی ایرانیوں نے ہاتھیوں کو آگے رکھا۔ لیکن قعقاعؓ و عاصمؓ نے مل کر فیل سفید پر جو تمام ہاتھیوں کا سردار تھا حملہ کیا اور اُس کو مار ڈالا۔ فیل سفید کے مارے جانے کے بعد ایک دوسرے ہاتھی پر حملہ ہوا۔ تو وہ میدان سے اپنی جان بچا کر بھاگا۔ اُس کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر دوسرے ہاتھیوں نے بھی تقلید کی اور اس طرح آج ہاتھیوں کا وجود بجائے اس کے کہ اسلامی لشکر کو نقصان پہنچاتا خود ایرانیوں کے لئے نقصان رساں ثابت ہوا۔ آج بھی بڑے زور کی لڑائی ہوئی اور صبح سے شام تک جاری رہی۔ غروبِ آفتاب کے بعد تھوڑی دیر کے لئے دونوں فوجیں ایک دوسرے سے جُدا ہوئیں۔ اور پھر فوراً مستعد ہو کر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو گئیں مغرب کے وقت سے شروع ہو کر صبح تک لڑائی جاری رہی۔ تمام رات لڑائی کا شور و غُل اور ہنگامہ برپا رہا۔ نہ پوری کیفیت حضرت سعدؓ کو معلوم ہو سکتی تھی نہ رستم کو۔ غرض یہ رات بھی ایک عجیب قسم کی رات تھی۔ سپہ سالار اسلام حضرت سعدؓ رات بھر دُعا میں مصروف رہے۔ آدھی رات کے بعد انھوں نے میدانِ جنگ کے شور و غل میں حضرت قعقاعؓ کی آواز سُنی۔ کہ وہ اپنے لوگوں کو کہہ رہے ہیں۔ کہ سب سمٹ کر قلب پر حملہ کرو اور رستم کو گرفتار کرو۔ اس آواز نے نہ صرف حضرت سعدؓ کو تسکین دی۔ بلکہ تمام مسلمانوں میں از سرِ نو طاقت پیدا کر دی۔ تمام دن اور تمام رات لڑتے ہوئے غازیانِ اسلام تھک کر چور چور ہو گئے تھے۔ مگر اب پھر ہر قبیلہ کے سردار نے اپنی اپنی قوم کو مقابلہ کے لئے برانگیختہ کیا۔ بڑے زور شور سے تلوار چلنے لگی۔ حضرت قعقاعؓ کی رکابی فوج لڑتی ہوئی اُس مقام تک پہنچ گئی۔ جہاں رستم ایک زرّیں تخت پر بیٹھا ہوا اپنی فوج کو لڑا رہا۔ اور حصۂ فوج کو احکام بھیج رہا تھا۔ اسلامی

حملہ آوروں کے قریب پہنچنے پر رستم خود تخت سے اُتر کر لڑنے لگا۔ جب زخمی ہوا، تو پیٹھ پھیر کر بھاگا۔ حضرت ہلال بن علقمہؓ نے فوراً آگے بڑھ کر بھاگتے ہوئے برچھے کا وار کیا۔ جس سے اُس کی کمر ٹوٹ گئی۔ اور نہر میں گر پڑا۔ ہلالؓ نے فوراً گھوڑے سے کود کر اور جھک کر رستم کی ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔ اور اس کا کام تمام کر کے فوراً رستم کے تخت پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا کہ "خدا کی قسم میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے" اس آواز کے سنتے ہی اسلامی فوج نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اور ایرانیوں کے ہوش و حواس باختہ ہو گئے۔ ایرانی میدان سے بھاگے۔ لشکر ایران میں سواروں کی تعداد تیس ہزار تھی۔ جن میں سے بمشکل تیس سوار بھاگ کر اپنی جان بچا سکے، باقی سب میدان جنگ میں مارے گئے، حضرت ضرار ابن الخطابؓ نے درفش کاویان ایرانیوں کے مشہور جھنڈے پر قبضہ کیا، جس کے عوض میں انھوں نے تیس ہزار دینار لیے حالانکہ وہ دو لاکھ دس ہزار دینار کی مالیت کا تھا۔

اس لڑائی میں مسلمانوں کے کل چھ ہزار آدمی شہید ہوئے۔ حضرت سعدؓ نے رستم کا تمام سامان و اسلحہ ہلال بن علقمہ کو دیا۔ اور قعقاع و شرحبیل کو تعاقب کے لئے روانہ کیا۔ لیکن ان سے بھی پہلے حضرت زہرہؓ بن حیوۃ ایک دستۂ فوج لیکر مفرور ایرانیوں کے پیچھے روانہ ہو چکے تھے۔ راستے میں ایک مقام پر جالینوس مفروروں کو روک روک کر مجتمع کر رہا تھا۔ حضرت زہرہ نے اُس کو حملہ کر کے قتل کر دیا۔ اور اس کے تمام مال و سامان پر قبضہ کر کے حضرت سعد کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت سعد کو جالینوس کا سامان اُن کے حوالے کرنے میں تامل ہوا اور اس معاملہ میں دربار خلافت سے اجازت طلب کی۔ فاروق اعظمؓ نے حضرت کی ستائش کی اور جالینوس کا اسباب انھیں کو دے دینے کا حکم دیا۔

حضرت سعدؓ نے میدانِ جنگ کا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد مالِ غنیمت فراہم کیا۔ فوراً حضرت فاروقؓ کی خدمت میں فتح کی خوش خبری کا خط لکھا۔ اور ایک تیز رفتار شتر سوار کو دے کر مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ یہاں فاروق اعظمؓ کا یہ حال تھا۔ کہ روزانہ صبح اٹھ کر مدینے سے باہر دور تک نکل جاتے اور قادسیہ کے قاصد کا انتظار کر کے دو پہر کے بعد مدینے میں واپس آجاتے تھے۔ ایک روز حسب دستور وہ باہر تشریف لے گئے۔ دور سے ایک شتر سوار نظر پڑا، اُس کی طرف لپکے، قریب پہنچ کر دریافت کیا۔ کہ کہاں سے آتے ہو۔ اُس نے کہا کہ میں قادسیہ سے آرہا ہوں اور خوش خبری لایا ہوں کہ خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عطا کی۔ فاروق اعظمؓ نے اُس سے لڑائی کی کیفیت اور فتح کے تفصیلی حالات دریافت کرنے شروع کئے اور شتر سوار کی رکاب پکڑے ہوئے اُس کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئے

مدینے میں داخل ہوئے۔ شتر سوار حالات سناتا جاتا تھا۔ اور اپنے اونٹ پر سوار مدینے میں دربار خلافت کی جانب چلا جاتا تھا۔ شہر میں داخل ہو کر شتر سوار نے دیکھا۔ کہ ہر شخص جو سامنے آتا ہے۔ فاروقِ اعظمؓ کو امیرالمومنین کہہ کر سلام علیک کرتا ہے۔ تب اُس کو معلوم ہوا۔ کہ جو شخص میرے ساتھ پیدل چل رہا ہے وہ خلیفۂ وقت ہے۔ یہ معلوم کر کے وہ ڈرا اور اُونٹ سے اُترنا چاہا۔ لیکن فاروق اعظمؓ نے کہا کہ تم حالات سُنائے جاؤ۔ اور بدستور اپنے اُونٹ پر سوار چلے چلو۔ چنانچہ اسی طرح گھر تک آئے۔ مسجد نبویؐ میں پہنچ کر لوگوں کو جمع کیا۔ اور فتح کی خوش خبری سب کو سُنائی۔ ایک نہایت پُر اثر تقریر فرمائی۔ جس کا خاتمہ اس طرح تھا۔

> "بھائیو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بنانا چاہوں۔ میں تو خود اللہ تعالےٰ کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا کام میرے سپرد ہے۔ اگر میں یہ کام اس طرح انجام دوں، کہ تم آرام سے اپنے گھروں میں اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ تو یہ میری خوش نصیبی ہے اور اگر خدانخواستہ میری یہ خواہش ہو۔ کہ تم لوگ میرے دروازے پر حاضری دیا کرو۔ تو یہ میری بدبختی ہوگی۔ میں تم کو تعلیم دیتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں۔ لیکن صرف قول سے نہیں بلکہ عمل سے بھی"۔

فتح بابل و کوثی

ایرانیوں نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل میں قیام کیا۔ اور کئی نامور سرداروں نے مفرور لوگوں کو فراہم کر کے مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ حضرت سعدؓ نے فتح کے بعد دو مہینے تک قادسیہ میں قیام فرمایا۔ اور فاروق اعظمؓ کے حکم کا انتظار کیا۔ دربارِ خلافت سے احکام کے وصول ہونے پر حضرت سعدؓ نے اہل و عیال کو تو قادسیہ ہی میں چھوڑا اور خود لشکرِ اسلامی کے ساتھ مدائن کی جانب روانہ ہوئے۔ اپنی روانگی سے پہلے حضرت زہرہؓ بن حیوۃ کو مقدمۃ الجیش بنا کر آگے روانہ کیا۔ زہرہؓ دشمنوں کو مارتے ہٹاتے محکوم بناتے ہوئے بڑھے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ بابل کے قریب پہنچے یہاں حضرت سعدؓ بھی اپنی پوری فوج لے کر آ پہنچے۔ ایرانی سرداروں نے حضرت سعدؓ کے آنے کی خبر سُنی۔ تو وہ بابل میں قیام نہ کر سکے۔ کچھ مدائن کی طرف چل دیئے۔ کچھ اہواز اور نہاوند کی جانب چلے گئے۔ اور راستے میں تمام پلوں کو توڑتے اور دریائے دجلہ اور اس کی نہروں اور ندیوں کو ناقابل عبور بناتے ہوئے گئے۔ ایرانیوں کے فرار و منتشر ہو جانے کی خبر سُن کر حضرت سعدؓ

نے حضرت زہرہؓ کو حسب دستور آگے روانہ کیا۔ اور خود بھی اُن کے پیچھے بڑے لشکر کو لے کر متحرک ہوئے۔ حضرت زہرہؓ جب مقام کوثی پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں ایرانیوں کا مشہور سردار شہریار مقابلہ پر آمادہ ہے۔ کوثی وہ مقام ہے۔ جہاں نمرود نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو قید کیا تھا۔ قید خانہ کی جگہ اُس وقت تک محفوظ تھی۔ شہریار حضرت زہرہؓ کے قریب پہنچنے کا حال سُن کر کوثی سے باہر نکلا۔ اور مسلمانوں کے مقابل صف آرا ہو کر میدان میں آگے بڑھ کر للکارا۔ کہ تمھارے سارے لشکر میں جو سب سے زیادہ بہادر جنگجو ہو وہ میرے مقابلے پر آئے۔ یہ سُن کر حضرت زہرہؓ نے جواب دیا۔ کہ میں خود تیرے مقابلہ پر آنے کو تیار تھا۔ لیکن اب تیری یہ لن ترانی سُن کر تیرے مقابلے پر اس لشکر میں سے کسی ادنیٰ ترین غلام کو بھیجتا ہوں کہ وہ تیرے غرور کا سر نیچا کردے۔ یہ کہہ کر آپ نے نائل بن جشم اعرج کو جو قبیلہ بنو تمیم کا غلام تھا اشارہ کیا۔ حضرت نائل بن جشم فوراً گھوڑا اُڑا کر میدان میں شہریار کے مقابل پہنچے۔ شہریار اُن کو نہایت کمزور دیکھ کر اُن کی طرف بڑھا۔ اور گردن پکڑ کر کھینچا۔ اور زمین پر گرا کر اُن کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاقاً شہریار کا انگوٹھا حضرت نائل کے منہ میں آگیا۔ انھوں نے اس کو زور سے چبایا۔ کہ شہریار بیتاب ہوگیا۔ اور حضرت نائل فوراً اُٹھ کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے اور بلا توقف خنجر نکال کر اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ شہریار کے مارے جاتے ہی تمام ایرانی فوجیں بھاگ پڑیں۔ شہریار کی زرہ قیمتی پوشاک۔ زریں تاج اور ہتھیار سب نائل کو ملے۔ حضرت سعدؓ نے پہنچ کر شہریار کے مارے جانے اور کوثی کے فتح ہونے کا حال سُنا۔ اور اُس مقام کو جا کر دیکھا۔ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السّلام قید رہے تھے۔ پھر حضرت نائل کو حکم دیا۔ کہ شہریار کی پوشاک پہن کر اور شہریار کے تمام ہتھیار لگا کر آئیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور لشکرِ اسلام اس نظارہ کو دیکھ کر خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مصروف ہوا۔

بہرہ شیر کی فتح:۔ بہرہ شیر ایک مقام کا نام تھا۔ جو مدائن کے قریب ایک زبردست قلعہ اور شہر تھا۔ بہرہ شیر میں شاہی باڈی گارڈ کا ایک زبردست رسالہ اور دارالسلطنت کی حفاظت کے لئے نہایت زبردست اور بہادر فوج رہتی تھی۔ مدائن اور بہرہ شیر کے درمیان دریائے دجلہ حائل تھا۔ بہرہ شیر اس طرف تھا اور مدائن دجلہ کے اُس طرف تھا۔ شہنشاہ ایران کبھی بہرہ شیر میں بھی آکر رہتا تھا۔ یہاں بھی شاہی ایوان اور

شاہی کارخانے موجود تھے۔ اسلامی لشکر کوثی سے آگے بڑھا۔ تو بہرہ شیر پہنچنے تک کئی مقامات پر ایرانیوں کا مقابلہ کرنا اور ان کو شکست دے کر راستے سے ہٹانا پڑا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے بہرہ شیر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ تین مہینے تک جاری رہا۔ آخر محصورین سختی سے تنگ آکر مقابلہ پر آمادہ ہوئے اور شہر پناہ سے باہر مقابلے پر آئے۔ بالآخر مقتول و مفرور ہوئے اور اسلامی لشکر فاتحانہ بہرہ شیر میں داخل ہوا۔ بہرہ شیر کے مفتوح ہوتے ہی یزدجرد نے مدائن سے بھاگنے اور اموال و خزائن کے مدائن سے منتقل کرنے کی تدابیر اختیار کیں۔ مدائن سے یزدجرد کا معہ خزائن کے بھاگ جانا مسلمانوں کے لئے خطرات کا بدستور باقی رہنا تھا۔

بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

حضرت سعدؓ کو اب اس بات کا خیال تھا۔ کہ جس قدر جلد ہو مدائن پر قبضہ کریں۔ لیکن دریائے دجلہ بیچ میں حائل تھا۔ اور اس کا پایاب عبور کرنا سخت دشوار تھا۔ ایرانیوں نے بہرہ شیر سے بھاگتے ہوئے پُل کو بالکل مسمار اور منہدم کر دیا تھا۔ دور دُور تک کوئی کشتی بھی نہیں چھوڑی تھی۔ دوسرے کنارے پر ایرانی فوج بھی متعین تھی جو عبور دریا سے مانع تھی دوسرے روز حضرت سعدؓ نے گھوڑے پر سوار ہو کر اور تمام فوج کی کمربندی کرا کر فرمایا۔ کہ تم میں کون ایسا بہادر سردار ہے۔ جو اپنی جمعیت کے ساتھ اس بات کا وعدہ کرے۔ کہ وہ ہم کو دریا کے عبور کرنے کے وقت دشمن کے حملے سے بچائے گا۔ حضرت عاصم بن عمروؓ نے اس خدمت کی ذمہ داری قبول کی۔ اور چھ سو تیراندازوں کی ایک جماعت لے کر دریائے دجلہ کے اِس کنارے ایک اونچے مقام پر جا بیٹھے۔ حضرت سعدؓ نے نَسْتَعِیْنُ بِاللّٰہِ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ط کہہ کر اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ ان کی تقلید میں دوسروں نے بھی جرأت سے کام لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے لشکرِ اسلام دجلہ کی طوفانی موجوں کا مقابلہ کرتا ہوا دوسرے کنارے کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ سیلاب لشکر جب نصف سے زیادہ دریا کو عبور کر چکا۔ تو اس طرف سے ایرانی تیراندازوں نے تیر بازی شروع کی۔ ادھر سے عاصمؓ اور اُن کی جماعت نے ایرانی تیراندازوں پر اس زور و قوت کے ساتھ تیر پھینکے۔ کہ بہت سے ایرانی مقتول و مجروح ہوئے اور اس بلائے بے درماں سے اپنی جان بچانے کی تدبیروں میں مصروف ہو کر لشکرِ اسلام کو عبور دریا سے نہ روک سکے۔

مسلمانوں نے اُس طرف پہنچ کر ایرانیوں کو قتل کرنا شروع کیا۔

فتح مدائن:- یزدجرد مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے اہل وعیال اور خزانوں کو مدائن سے روانہ کر چکا تھا۔ تاہم قصر ابیض (شاہی محل) اور دارالسلطنت میں مال و دولت کی کمی نہ تھی اسلامی لشکر کے دریا سے عبور کر لینے کا حال سن کر یزدجرد بھی مدائن سے چل دیا۔ مسلمانوں نے شہر کی مختلف سمتوں سے شہر میں داخل ہونا شروع کیا۔ خود باشندگان شہر نے شاہی محلات کی لوٹ مار مسلمانوں کے پہنچنے اور شہر میں داخل ہونے سے پہلے شروع کردی تھی۔ حضرت سعدؓ قصر ابیض میں داخل ہوئے۔ اور ان کی زبان سے بے اختیار یہ آیتیں نکلیں کَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۔ پھر حضرت سعدؓ نے وہیں ایک سلام سے آٹھ رکعتیں صلوٰۃ الفتح کی پڑھیں، یہ جمعہ کا روز تھا۔ قصر ابیض میں جس جگہ کسریٰ کا تخت تھا۔ وہاں منبر رکھا گیا۔ اور اسی قصر میں جمعہ ادا کیا گیا۔ یہ پہلا جمعہ تھا۔ جو دارالسلطنت ایران میں ادا کیا گیا۔ اس محل شاہی میں جس قدر تصاویر و تماثیل تھیں۔ وہ علی حالہٖ قائم رہیں۔ نہ حضرت سعد نے ان کو توڑا پھوڑا نہ وہاں سے جُدا کیا۔ بوجہ نیت اقامت اس قصر میں نماز کو قصر بھی نہیں کیا گیا۔ زہرہ بن جُوَیْہ کو ایرانیوں کے تعاقب میں نہروں کی جانب روانہ کیا گیا۔ مالِ غنیمت کے فراہم کرنے پر عمرؓو بن مقرن کو اور اُس کی تقسیم پر سلیمان بن ربیعہؓ باہلی کو مامور کیا گیا۔ مال غنیمت میں شہنشاہ ایران کی بہت سی نادر روزگار چیزیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ چاندی سونے اور جواہرات کی بہت سی مورتیں کسریٰ کا شاہی لباس۔ اس کا زرنگار تاج۔ اُس کی زرہ اور اسی قسم کی بہت سی چیزیں مسلمانوں نے اُن بھاگنے والوں سے چھینیں۔ جو ان چیزوں کو لے کر ایوان شاہی سے بھاگتے تھے۔ ایوان شاہی کے خزانے اور عجائب خانے میں سے خاقان چین قیصر روم داہر شاہ ہند، بہرام گور، سیاوش۔ نعمان بن منذر، کسریٰ، ہرمز، فیروز کے خود۔ زرہیں تلواریں اور خنجر دستیاب ہوئے۔ جو عجائبات روزگار سمجھ کر شاہی خزانہ میں محفوظ رکھے جاتے تھے۔ اور ایرانی ان چیزوں پر فخر کیا کرتے تھے۔ ان چیزوں کے فراہم ہو جانے پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت قعقاعؓ کو اجازت دی۔ کہ تلواروں میں سے جس تلوار کو پسند کرو۔ لے لو۔ حضرت قعقاعؓ نے یہ سُن کر قیصر روم ہرقل کی تلوار اٹھالی۔ پھر حضرت سعدؓ نے اپنی طرف

سے بہرام گور کی زرہ بھی اُن کو مرحمت فرمائی ؛

حضرت سعدؓ نے علاوہ خمس کے جو چیزیں نادرات روزگار میں شمار ہوتی تھیں۔ وہ سب جمع کر کے دربارِ خلافت کو روانہ کر دیں۔ انھیں نادرات روزگار میں کسریٰ کا فرش تھا۔ جو بہار کے نام سے موسوم تھا۔ یہ فرش ساٹھ گز لمبا اور ساٹھ گز چوڑا تھا۔ اس میں پھول، پتیاں درخت، نہریں۔ تصویریں، غنچے سب سونے چاندی اور جواہرات سے بنائے گئے تھے۔ شاہانِ فارس جب موسم بہار گذر جاتا تھا۔ تو اُس کی یاد میں اس فرش پر بیٹھ کر شراب نوشی کیا کرتے تھے۔ جب یہ تمام چیزیں مدینہ منورہ میں پہنچیں۔ تو لوگ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ فاروق اعظمؓ نے تمام سامان و اسباب کو لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ فرش کی نسبت عام طور پر لوگوں کی رائے تھی۔ کہ اس کو تقسیم نہ کیا جائے۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ کہ نہیں اس کو بھی تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ نے حضرت علیؓ کی رائے سے اس فرش کو بھی کاٹ کاٹ کر لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت علیؓ کے حصے میں جو ٹکڑا فرش کا آیا تھا۔ وہ بہت نفیس ٹکڑوں میں نہ تھا، تاہم انھوں نے اُس کو بیس ہزار دینار کو فروخت کیا۔

حضرت سعدؓ نے مدائن پر قابض و متصرف ہو کر اپنے اور اہل لشکر کے اہل و عیال کو قادسیہ سے بلوایا۔ اور شاہی ایوانات لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ جن میں انھوں نے اپنے اہل و عیال کو ٹھیرایا ؛

معرکۂ جلولاء:۔ جب مدائن پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ تو یزدجرد مدائن سے بھاگ کر مقام حلوان میں مقیم ہوا۔ رستم بن فرخ زاد کے بھائی خرزاد بن فرخ زاد نے مقام جلولاء میں لشکر اور سامانِ حرب بڑی قابلیت اور حوصلے کے ساتھ فراہم کرنا شروع کیا۔ قلعہ اور شہر کے گرد خندق کھدوائی۔ گوکھرو بنوا کر مسلمانوں کی آمد اور حملے کے راستوں میں بچھوائے۔ یہ جنگی تیاری اور فوجی اجتماع اس قدر عظیم و اہم تھا۔ کہ ایک طرف ایرانیوں کی آنکھیں اُس طرف لگی ہوئی تھیں۔ تو دوسری طرف مسلمانوں کو بھی اس کا خاص طور پر خیال تھا۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے یہ تمام کیفیت مدینہ منورہ میں حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس لکھ کر بھیجی۔ دربار فاروقی سے حکم آیا۔ کہ ہاشمؓ بن عتبہ بارہ ہزار فوج لے کر جلولاء کی مہم پر روانہ ہوں۔ مقدمۃ الجیش حضرت قعقاعؓ کو سپرد کیا جائے۔ معشر بن مالک کو میمنہ کی اور عمرو بن مالک کو میسرہ کی سرداری

دی جائے۔ اور ساقہ پر عمرو بن مرہ کو مقرر کیا جائے۔ اس حکم فاروقی کے موافق حضرت ہاشم مدائن سے روانہ ہو کر چوتھے روز جلولار پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ کئی مہینے جاری رہا۔ ایرانی قلعہ سے نکل نکل کر حملہ آور بھی ہوتے رہتے تھے۔

اس طرح مسلمانوں اور ایرانیوں میں جلولار کے محاصرہ کے ایام میں بہت سے معرکے ہوئے اور ہر معرکہ میں ایرانی مغلوب ہوتے رہے جلولار میں لاکھوں ایرانی جنگجو موجود تھے مسلمانوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز نہ تھی۔ اپنی جمعیت کی کثرت اور سامان حرب کی فراوانی پر اعتماد کر کے ایرانیوں نے خوب جی توڑ کر مقابلہ کیا مگر آخر مسلمانوں کے مقابلہ میں ناکام ونامراد ثابت ہوئے۔ ایک لاکھ ایرانی اس معرکہ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ تین کروڑ کا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ یزدجرد نے حلوان میں جب جلولار کے سقوط کا حال سنا۔ تو وہ حلوان میں نہ ٹھہر سکا۔ وہاں سے بھاگ کر رے کی جانب روانہ ہوا۔ اور حلوان میں خسرو شنوم کو ایک مناسب جنگی جمعیت کے ساتھ چھوڑ گیا۔ حضرت قعقاع معرکہ جلولار کے بعد مقام حلوان کی طرف روانہ ہوئے۔ خسرو شنوم نے حلوان سے نکل کر مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھا کر بھاگا۔ اور قعقاع نے حلوان پر قبضہ کیا۔

حضرت سعدؓ نے ان فتوحات کے بعد مالِ غنیمت کا خمس اور فتح کی خوش خبری حضرت زیادؓ کے ہاتھ فاروق اعظمؓ کی خدمت میں بھیجی۔ اور ملکِ ایران میں آگے بڑھنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت زیادؓ یہ مال غنیمت لے کر شام کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ فاروقِ اعظمؓ نے فتوحات کا حال سن کر لوگوں کو جمع کیا۔ اور زیاد کو حکم دیا۔ کہ اب ان سب کو وہ حالات جو مجھ کو سنا چکے ہو سناؤ۔ چنانچہ حضرت زیاد نے نہایت طلاقت وفصاحت کے ساتھ مسلمانوں کی بہادریوں کے نقشے کھینچ کر سامعین کے سامنے رکھ دیئے۔ پھر فاروق اعظمؓ نے فرمایا۔ کہ مالِ غنیمت کا انبار صحن مسجد میں اسی طرح موجود رہے۔ اس کی چوکسی ونگرانی کا انتظام کر دیا۔ اگلے دن فجر کے بعد آپ نے وہ تمام مال واسباب لوگوں کو تقسیم فرما دیا۔ جواہرات کے انبار اور مالِ غنیمت کی بیش قیمتی وکثرت دیکھ کر فاروق اعظمؓ رو پڑے۔ تو حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ امیر المومنین یہ تو مقام شکر تھا۔ آپ روتے کیوں ہیں؟ حضرت فاروق اعظمؓ نے جواب دیا کہ خدائے تعالےٰ

جس قوم کو دنیا کی دولت عطا فرماتا ہے۔ اُس میں رشک اور حسد بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس لئے اُس قوم میں تفرقہ پڑ جاتا ہے۔ پس مجھ کو اس وقت اسی تصور نے رُلا دیا۔

اس کے بعد فاروق اعظمؓ نے حضرت سعدؓ کے جواب میں اُن کے پاس حکم بھیجا۔ کہ مسلمانوں نے پیہم صعوبات برداشت کی ہیں۔ ابھی چند روز اپنے لشکر کو آرام کرنے کا موقع دو۔

جنگ جلولار ۱۶ھ میں واقع ہوئی۔ یہاں تک حالات کے بیان کرنے میں دانستہ تاریخ مہینہ اور سال کا ذکر اس لئے ترک کر دیا ہے۔ کہ بعض واقعات کی تاریخ اور سنہ ایک مؤرخ کچھ بیان کرتا ہے اور دوسرا کچھ۔ اندریں صورت واقعات کی ترتیب کا صحیح ہونا کافی سمجھا گیا۔ عراق کے حالات ۱۶ھ یعنی معرکۂ جلولا تک اسی ترتیب سے وقوع پذیر ہوئے۔ جو اوپر مذکور ہوئے۔ اب ان حالات کو یہیں تک چھوڑ کر پھر ملک شام کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

شامی معرکے:۔ عراقی معرکوں کا حال اوپر مذکور ہو چکا ہے اور ہم ۱۶ھ میں یزدجرد شاہِ ایران کو مقام حلوان سے رے کی جانب فرار ہوتا ہوا دیکھ چکے ہیں۔ لیکن اب ہم کو قریباً دو سال پیچھے ہٹ کر ملک شام کے حالات کی سیر کرنا ہے۔ دمشق کی فتح کا حال ہم اوپر پڑھ چکے ہیں۔ فتح دمشق کے بعد مقام فحل اور مقام بیسان کے معرکوں کی کیفیت بھی زیرِ مطالعہ آ چکی ہے۔ اب اسلامی لشکر مقام حمص کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

فتح حمص:۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراحؓ نے حمص کے ارادے سے روانہ ہو کر ذوالکلاع میں پڑاؤ ڈالا حمص ملک شام کے چھ ضلعوں میں سے ایک ضلع کا نام ہے۔ اور یہی نام ایک شہر کا ہے۔ جس کے نام سے یہ ضلع موسوم ہے۔ انگریزی میں حمص کو امیسا کہتے ہیں۔ اس شہر میں سورج کا مندر تھا جس کی زیارت کے لئے دُور دور سے بُت پرست آیا کرتے تھے۔ اردن اور دمشق کے اضلاع کی فتح کے بعد اب حمص، انطاکیہ، بیت المقدس بڑے بڑے اور مرکزی مقامات باقی تھے۔ جو مسلمانوں کو فتح کرنے تھے۔ جب اسلامی لشکر مقام ذوالکلاع میں جا کر خیمہ زن ہوا۔ تو قیصر ہرقل نے توذر بطریق کو مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ جس نے حمص سے روانہ ہو کر مقام مرج روم میں پہنچ کر قیام کیا۔ اُس کے بعد قیصر نے شمس بطریق کو بھی لکھا۔ ان دونوں بطریقوں سے اسلامی فوج کا مقابلہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شمس

بطریق حضرت ابو عبیدہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور رومی لشکر شکست یاب ہو کر بھاگا۔
یہ بھاگا ہوا لشکر جب حمص میں پہنچا۔ تو قیصر ہرقل جو حمص میں مقیم تھا۔ حمص کو وہاں سے الرّہا کی طرف چلا گیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے مرج روم سے روانہ ہو کر حمص کا محاصرہ کیا۔ ہرقل نے بہت کوشش کی کہ اہلِ حمص کو مدد پہنچائے۔ مگر اس کی کوئی کوشش کارگر ثابت نہ ہوئی۔ اور اہلِ حمص کو کوئی امداد رومیوں کی نہ پہنچ سکی۔ آخر مجبور و مایوس ہو کر اہلِ حمص نے انھیں شرائط پر کہ جن پر اہلِ دمشق نے صلح کی تھی۔ حمص کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا۔ فتح حمص کے بعد شہر حماۃ پر جو حمص و قنسرین کے درمیان واقع ہے۔ فوج کشی ہوئی۔ اہلِ حماۃ نے بھی جزیہ دینا منظور کر کے صلح کی۔ اس کے بعد شیزر اور معرۃ پر بھی اسی طرح مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ اس کے بعد شہر لاذقیہ پر عیسائیوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ مگر مغلوب و مفتوح ہوئے۔ لاذقیہ کے بعد سلمیہ کو بھی بزورِ تیغ مسلمانوں نے فتح کیا۔

فتح قنسرین:۔ سلمیہ کی فتح کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ اپنی رکابی فوج لے کر بحکم ابو عبیدہؓ قنسرین کی جانب بڑھے۔ وہاں میناس نامی رومی سردار نے جس کا مرتبہ ہرقل کے بعد سب سے بڑا تھا۔ آگے بڑھ کر خالد بن ولیدؓ کا مقابلہ کیا۔ خالد بن ولیدؓ نے سخت مقابلہ کے بعد اس کو پسپا ہونے پر مجبور کیا۔ وہ قنسرین میں داخل ہو کر قلعہ بند ہوا۔ اور خالد بن ولیدؓ نے آگے بڑھ کر قنسرین کا محاصرہ کر لیا۔ انجام کار قنسرین مفتوح ہوا۔ اس فتح کا حال جب حضرت فاروق اعظمؓ کو معلوم ہوا۔ تو وہ خالد بن ولیدؓ سے بہت خوش ہوئے اور ان کے اختیارات اور فوجی سرداری میں نمایاں اضافہ فرمایا۔

فتح حلب و انطاکیہ:۔ مہم قنسرین سے فارغ حضرت ابو عبیدہؓ نے حلب کی جانب کوچ کیا۔ جب حلب کے قریب پہنچے۔ تو خبر آئی۔ کہ اہل قنسرین نے عہد شکنی اور بغاوت اختیار کی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے فوراً ایک دستۂ فوج کو قنسرین کی طرف روانہ کیا۔ اہلِ قنسرین نے محصور ہو کر پھر اظہار اطاعت کیا اور بھاری جرمانہ دے کر اپنے آپ کو بچایا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حلب کے قریب پہنچ کر مقام کیا۔ اور حضرت عیاض بن غنمؓ نے جو مقدمۃ الجیش کے افسر تھے اپنی ماتحت فوج لے کر حلب کا محاصرہ کیا۔ اہلِ حلب نے حضرت عیاض بن غنمؓ سے اب تک کے مفتوحہ شہروں کی شرائط پر صلح کر کے شہر کو سپرد کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اُن شرائط کو جو عیاض بن غنمؓ نے طے کی تھیں جائز قرار دیا۔ اور اپنے دستخط سے معاہدہ لکھ دیا۔

حلب کو فتح کر کے حضرت ابو عبیدہؓ انطاکیہ کی جانب بڑھے۔ انطاکیہ قیصر ہرقل کا ایشیائی دارالسلطنت تھا۔ یہاں ہرقل کے شاہی محلات بنے ہوئے تھے۔ اور ہر قسم کی حفاظت کا سامان جو ایک دارالسلطنت کے لئے ضروری ہے۔ یہاں موجود تھا۔ اسی لئے مختلف مقامات کے مفرور عیسائی بھاگ بھاگ کر انطاکیہ ہی میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ حلب کے بھی بہت سے عیسائی انطاکیہ ہیں آ گئے تھے۔ جب مسلمان انطاکیہ کے قریب پہنچے۔ تو عیسائیوں نے انطاکیہ سے نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ اور شکست کھا کر شہر میں جا گھسے۔ اسلامی لشکر نے انطاکیہ کا محاصرہ کیا۔ چند روز کے بعد شہر والوں نے مجبور ہو کر جزیہ کے وعدہ پر صلح کر لی۔ بعض عیسائی انطاکیہ سے کسی طرف کو خود ہی جلاوطن ہو گئے۔ مسلمانوں نے اُن کے حال سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اس کے بعد خبر پہنچی۔ کہ حلب کے قریب مقام معرہ مصرین میں مسلمانوں کے خلاف عیسائی لشکر جمع ہو رہا ہے۔ اس خبر کو سُن کر حضرت ابو عبیدہؓ اس طرف کو روانہ ہوئے وہاں بڑی بھاری جنگ ہوئی۔ بہت سے عیسائی اور رومی سردار مارے گئے۔ اہل معرہ مصرین نے اہل حلب کی طرح صلح کر لی۔ یہاں یہ صلح نامہ ابھی مکمل نہیں ہونے پایا تھا۔ کہ انطاکیہ والوں کی بغاوت و بدعہدی کی خبر پہنچی۔ مگر عیاض بن غنم اور حبیب بن مسلمہ موجود تھے۔ انھوں نے لڑ کر عیسائیوں کو پھر مغلوب کیا۔ اور شہر پر قابض ہو گئے۔ اس بغاوت و بدعہدی کے بعد انطاکیہ والوں نے پھر پہلی شرائط پر ہی صلح کی درخواست کی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اُن کی اِس درخواست کو منظور کر لیا۔

عیسائیوں کی بار بار کی بغاوت و بدعہدی دیکھ کر حضرت ابو عبیدہؓ نے فاروق اعظمؓ کو لکھا کہ ان عیسائیوں کے بار بار نقضِ عہد سے بعض اوقات اسلامی لشکر کو بڑی بڑی مشکلات کا سامنا ہو جاتا ہے۔ ان کے ساتھ کس خاص قسم کا برتاؤ کیا جائے؟ فاروق اعظمؓ نے لکھا۔ کہ عیسائیوں کے بڑے بڑے مرکزی شہروں اور قصبوں میں جن کو تم فتح کر چکے ہو۔ ایک ایک فوجی دستہ مدامی طور پر موجود رکھو۔ ایسے ہر ایک حفاظتی دستے کو ہم بیت المال سے وظائف اور تنخواہیں دیں گے۔ فتح انطاکیہ کے بعد اردگرد کے تمام مواضعات و قصبات نے بطیبِ خاطر مسلمانوں کی اطاعت قبول کی۔ اور تورس۔ منبج۔ تل عزاز وغیرہ قصبات معہ مفصلات بلا جنگ و پیکار مسلمانوں کی اطاعت و قبضہ میں داخل ہو گئے۔ اور فرات تک شام کے تمام شہر مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔

فتح بغراس و مرعش و حرث:۔ اب شام کی طرف سے مطمئن ہوکر اور تمام شہروں میں عامل مقرر کرنے اور فوجی دستے متعین فرما دینے کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے فلسطین کی طرف توجہ فرمائی اور ایک لشکر میسرہ بن مسروق کی سرداری میں مقام بغراس جو علاقۂ انطاکیہ میں ایشیائے کوچک کی سرحد پر ایک مقام تھا۔ یہاں بہت سے عرب قبائل غسان، تنوخ، ایاد وغیرہ آباد تھے۔ اور عیسائی مذہب رکھنے کی وجہ سے فتح انطاکیہ کا حال سن کر ہرقل کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ میسرہ بن مسروق نے جاتے ہی اُن پر حملہ کیا۔ بڑا بھاری معرکہ ہوا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے انطاکیہ سے مالک بن اُشتر نخعی کو میسرہ کی کمک پر روانہ کیا۔ اس نئی فوج کو آتے ہوئے دیکھ کر عیسائی گھبرا گئے اور حواس باختہ ہوکر بھاگے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ ایک چھوٹا سا لشکر لے کر مرعش کی طرف گئے۔ اور عیسائیوں نے جلاوطنی کی اجازت حاصل کرکے شہر خالد بن ولیدؓ کے سپرد کر دیا۔ اسی طرح ایک لشکر لے کر حبیب بن مسلمہ قلعہ حرث کی طرف گئے۔ اور اس کو فتح کیا۔

فتح قیساریہ (قیصرہ) و فتح اجنادین:۔ انھیں ایام میں انطاکیہ و علاقۂ انطاکیہ کو اسلامی لشکر فتح کر رہا تھا۔ دمشق کے عامل حضرت یزید بن ابی سفیان نے اپنے بھائی معاویہؓ بن ابی سفیان کو حکم فاروقی کی بنا پر فوج دے کر قیساریہ کی طرف بھیجا۔ وہاں سخت معرکہ پیش آیا۔ اور اسی ہزار عیسائی میدان جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اور قیساریہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔

مہم مرج روم اور فتح بیسان کے بعد قیصر ہرقل نے ارطبون نامی بطریق کو جو نہایت بہادر اور مشہور سپہ سالار تھا۔ مقام اجنادین میں فوجیں جمع کرنے کا حکم دیا۔ ارطبون نے ایک زبردست فوج تو اپنے پاس مقام اجنادین میں رکھی۔ اور ایک فوج مقام رملہ میں اور ایک بیت المقدس میں تعینات کی۔ یہ فوجیں اسلامی حملہ آوروں کی منتظر اور ہر طرح کیل کانٹے سے لیس اور تعداد میں بے شمار تھیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے جو اس سمت کے حصۂ افواج کی سرداری رکھتے تھے۔ بحکم ابو عبیدہؓ علقمہ بن حکیم فراسی اور مسرور بن العکی کو بیت المقدس کی طرف اور ابو ایوب المالکی کو رملہ کی جانب روانہ کیا۔ اور عمروؓ خود ارطبون کے مقابلہ کو اجنادین کی جانب بڑھے۔ اجنادین میں نہایت سخت معرکہ آرائی ہوئی۔ یہ لڑائی جنگِ یرموک کی مانند تھی۔ بالآخر ارطبون حضرت عمروؓ کے مقابلہ سے شکست کھا کر بیت المقدس کی طرف بھاگا۔ حضرت علقمہ بن حکیم فراسی نے جو بیت المقدس کا محاصرہ کئے ہوئے تھے راستہ دے دیا۔ ارطبون

بیت المقدس میں داخل ہوگیا۔ اور اجنادین پر حضرت عمرؓو کا قبضہ ہوا۔

فتح بیت المقدس:

ارطبون جب بیت المقدس میں داخل ہوگیا۔ تو حضرت عمرؓو نے غزہ سبط۔ نابلس۔ لد۔ عمواس۔ جبرین۔ یافا وغیرہ مقامات پر قبضہ کیا۔ اور بیت المقدس کے اردگرد کے تمام علاقے پر قابض ہوکر بیت المقدس کی طرف بڑھے۔ اور محاصرہ کو سختی سے جاری رکھا۔ انھیں ایام میں حضرت ابو عبیدہؓ شام کے انتہائی اضلاع قنسرین وغیرہ کی فتح سے فارغ ہوکر فلسطین و بیت المقدس کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ عیسائی قلعہ بند ہوکر نہایت سختی سے محاصرین کی مدافعت اور مقابلہ کر رہے تھے۔ ابو عبیدہؓ کے آجانے کی خبر سن کر ان کی ہمت کچھ پست سی ہوگئی۔ اور سپہ سالار اعظم یعنی حضرت ابو عبیدہؓ کے پہنچنے پر انھوں نے صلح کے سلام و پیام جاری کیے۔ مسلمانوں کی طرف سے صلح میں کوئی تامل ہوتا ہی نہ تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے جو شرائط پیش ہوتے تھے۔ وہ بہت سادہ اور ایسے مقررہ معینہ تھے۔ کہ تمام عیسائی ان سے واقف تھے۔ لیکن بیت المقدس کے عیسائیوں نے صلح کی شرائط میں ایک خاص شرط کا اضافہ ضروری ولازمی قرار دیا۔ وہ یہ کہ عہدنامہ خود خلیفہ وقت آکر لکھے۔ ارطبون بطریق بیت المقدس سے نکل کر مصر کی طرف بھاگ گیا تھا۔ رؤسا شہر اور شرفائے بیت المقدس ہی مدافعت میں استقامت دکھا رہے تھے اور اب شہر کا قبضہ میں آجانا کچھ بھی دشوار نہ تھا۔ لیکن حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح نے یہی مناسب سمجھا۔ کہ جہاں تک ہوسکے کشت و خون کا امکان مسدود کیا جائے اور جنگ پر صلح کو فوقیت دی جائے۔

چنانچہ انھوں نے فاروق اعظمؓ کو ان حالات کا ایک خط لکھا۔ اور اس میں تحریر کیا۔ کہ آپ کے یہاں تشریف لانے سے بیت المقدس بلا جنگ قبضہ میں آسکتا ہے۔ فاروق اعظمؓ نے اس خط کے پہنچنے پر صاحب الرائے حضرات کو مسجد نبویؐ میں بغرض مشورہ طلب کیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کہ عیسائی اب مغلوب ہو چکے ہیں۔ ان میں مقابلے اور مدافعت کی ہمت وطاقت نہیں رہی۔ آپ بیت المقدس کا سفر اختیار نہ کریں۔ خدائے تعالیٰ عیسائیوں کو اور بھی زیادہ ذلیل کرے گا۔ اور وہ بلا شرط شہر کو مسلمانوں کے سپرد کردیں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ کہ میری رائے میں آپ کو ضرور جانا چاہیے۔ فاروق اعظمؓ نے حضرت علی کرم کی رائے کو پسند کیا۔ اور رتیوں کا ایک تھیلا۔ ایک اونٹ۔

فاروقِ اعظمؓ کا سفرِ فلسطین

ایک غلام۔ ایک لکڑی کا پیالہ ہمراہ لے کر اور اپنی جگہ حضرت عثمان غنیؓ کو مدینہ کا عامل مقرر فرما کر روانہ ہو گئے۔ آپ کے اس سفر کی سادگی وجفاکشی عام طور پر مشہور ہے کبھی غلام اونٹ کی مہار پکڑ کر چلتا اور فاروق اعظمؓ اونٹ پر سوار ہوتے۔ اور کبھی غلام اونٹ پر سوار ہوتا۔ اور فاروق اعظمؓ اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے آگے چلتے۔ یہ اس عظیم الشان شہنشاہ اور خلیفۂ اسلام کا سفر تھا۔ جس کی فوجیں قیصر وکسریٰ کے محلات اور تخت وتاج کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں میں روند چکی تھیں۔ یہ مہینہ جس میں فاروق اعظمؓ کا یہ سفر شروع ہوا ہے۔ رجب کا مہینہ تھا۔ اور ۱۶ھ جب کہ مدائن وانطاکیہ فتح ہو چکے تھے۔ عزم روانگی کے ساتھ ہی روانگی سے پہلے آپ نے دمشق وبیت المقدس کی اسلامی افواج کے سرداروں کو اطلاع دے دی تھی۔ سب سے پہلے یزید بن ابی سفیانؓ ان کے بعد ابو عبیدہ بن جراحؓ ان کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے ان سرداروں کو خوبصورت اور شان وشوکت کے لباس میں اپنے استقبال کو آتے ہوئے دیکھ کر طیش وغضب کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ تم لوگوں نے دو ہی برس میں عجمیوں کی خو بو اختیار کر لی۔ مگر جب ان سرداروں نے فرمایا۔ کہ ہماری ان پُر تکلف قباؤں کے نیچے سلاح وحرب موجود ہیں۔ اور ہم عربی اخلاق پر قائم ہیں۔ تب آپ کو اطمینان ہوا۔

عیسائیوں کو امان نامہ

آپ مقام جابیہ میں مقیم ہوئے یہیں رؤسا بیت المقدس آپ کی ملاقات کو حاضر ہوئے اور یہ عہد نامہ آپ نے اپنے سامنے ان کو لکھوا دیا۔

"یہ وہ امان نامہ ہے۔ جو امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا والوں کو دیا ہے۔ ایلیا والوں کی جان مال گرجے صلیب۔ بیمار۔ تندرست سب کو امان دی جاتی ہے اور ہر مذہب والے کو امان دی جاتی ہے۔ ان کے گرجاؤں میں سکونت نہ کی جائے گی۔ اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ان کے احاطوں کو بھی نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور مالوں میں کسی قسم کی کمی

کی جائے گی۔ نہ مذہب کے بارے میں کسی قسم کا کوئی تشدد کیا جائے گا اور نہ ان میں سے کسی کو کوئی ضرر پہنچایا جائے گا۔ اور ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ اور ایلیا والوں کا فرض ہے کہ وہ جزیہ دیں۔ اور یونانیوں کو نکال دیں۔ پس یونانیوں یعنی رومیوں میں سے جو شہر سے نکل جائے گا۔ اُس کے جان و مال کو امان دی جاتی ہے۔ جب تک کہ وہ محفوظ مقام تک نہ پہنچ جائیں۔ اور اگر کوئی رومی ایلیا ہی میں رہنا پسند کرتا ہے۔ تو اُس کو باقی اہل شہر کی طرح جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر اہلِ ایلیا میں سے کوئی شخص رومیوں کے ساتھ جانا چاہے۔ تو اُس کو امن و امان ہے۔ یہاں تک کہ وہ محفوظ مقام پر پہنچ جائیں جو کچھ اس عہد نامہ میں درج ہے اُس پر خدا اور رسول اور خلفاء اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ بشرطیکہ اہلِ ایلیا مقررہ جزیہ کی ادائیگی سے انکار نہ کریں "۔

اس عہد نامہ پر حضرت خالد بن ولیدؓ۔ عمرو بن العاصؓ۔ عبدالرحمن بن عوفؓ اور معاویہؓ بن ابی سفیان کے دستخط بطور گواہ ثبت ہوئے۔ بیت المقدس والوں نے فوراً جزیہ ادا کر کے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ اسی طرح اہلِ رملہ نے بھی مصالحت کے ساتھ شہر مسلمانوں کو سپرد کر دیا۔ فاروق اعظمؓ پیادہ پا بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے مسجد اقصیٰ میں گئے محرابِ داؤد کے پاس پہنچ کر سجدہ داؤد کی آیت پڑھ کر سجدہ کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجے میں گئے۔ اور اس کی سیر کر کے واپس تشریف لائے۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد فاروق اعظمؓ نے صوبہ فلسطین کے دو حصے کر کے ایک حصہ پر علقمہ بن حکیم کو عامل مقرر کر کے رملہ میں قیام کا حکم دیا۔ دوسرے حصہ پر علقمہ بن محرز کو عامل مقرر فرما کر بیت المقدس میں رہنے کا حکم دیا۔

فتح تکریت و جزیرہ:۔ مذکورہ بالا واقعات کے پڑھنے سے رجب ۱۶ھ تک کی اسلامی تاریخ جو شام و عراق سے تعلق رکھتی ہے ہماری نظر سے گذر گئی۔ اب آگے روم و ایران کے واقعات میں سے کسی ایک کے سلسلہ کو شروع کرنے سے پیشتر تکریت کی فتح اور صوبہ جزیرہ پر لشکرِ اسلام کے قبضہ کا حال اس لئے بیان کرنا ضروری ہے۔ کہ تکریت میں رومیوں اور ایرانیوں نے مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اسی طرح جزیرہ کے قبضہ میں لانے کا باعث مسلمانوں کی عراقی و شامی دونوں فوجیں ہوئی ہیں۔ نیز یہ کہ مذکورہ بالا واقعات

کے بعد ہی تکریت والجزیرہ کے واقعات وقوع پذیر ہوئے ہیں ؛

تکریت میں ایک ایرانی صوبہ دار رہا کرتا تھا۔ اس نے جب سُنا۔ کہ مدائن پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ تو اس نے رُومیوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ رومی لوگوں پر بھی چونکہ اسلامی فوجوں کی ضربیں پڑ رہی تھیں۔ وہ بہت آسانی سے اس سرحدی صوبیدار کی اعانت پر آمادہ ہو گئے۔ ساتھ ہی ایاد۔ تغلب۔ نمر وغیرہ عرب قبائل جو عیسائی تھے۔ رومیوں کی ترغیب سے مرزبان تکریت کے ساتھ شریک ہو گئے۔ فاروق اعظمؓ کی ہدایت کے مطابق حضرت سعد بن وقاصؓ نے عبداللہ بن المعتم کو پانچ ہزار کی جمعیت کے ساتھ تکریت کی جانب روانہ کیا اسلامی لشکر نے جاکر تکریت کا محاصرہ کر لیا۔ بڑی خوں ریز جنگ کے بعد رومیوں اور ایرانیوں کو شکست فاش حاصل ہوئی۔ عرب قبائل میں سے اکثر نے دین اسلام قبول کر لیا۔ بہت ہی تھوڑے ایرانی اور رومی جان بچا کر بھاگ سکے۔ ورنہ سب وہیں مقتول ہوئے۔ اس لڑائی میں مالِ غنیمت اس قدر ہاتھ آیا۔ کہ جب خمس نکال کر لشکر پر تقسیم کیا گیا۔ تو ایک ایک سوار کے حصے میں تین تین ہزار درہم آئے ؛

صُوبہ جزیرہ بھی شام و عراق کے درمیان کبھی رومی سلطنت کے زیر اثر ہوتا۔ کبھی ایرانی سلطنت کی ماتحتی میں آجاتا تھا۔ اہلِ جزیرہ نے اسلامی فتوحات کے نقشے دیکھ دیکھ کر ہرقل کو لکھا۔ کہ آپ شام کے مشرقی شہروں کی طرف حفاظتی افواج بھیجیں۔ ہم سب مل کر آپ کی اور آپ کی فوجوں کی مدد کریں گے۔ ہرقل نے اہل جزیرہ کی اس درخواست کو تائید غیبی سمجھ کر شام کے مشرقی شہروں کی طرف فوجیں روانہ کیں۔ فاروق اعظمؓ نے ان حالات سے واقف ہو کر ایک طرف حضرت سعد بن وقاصؓ کو لکھا۔ کہ اہلِ جزیرہ کو اُن کی حدود سے باہر نہ نکلنے دو۔ دوسری طرف حضرت ابو عبیدہؓ کو لکھا۔ کہ قیصر کی فوجوں کو حمص و قنسرین کی طرف بڑھنے سے روکو۔ چنانچہ عراقی و شامی ہر دو افواج نے اپنا اپنا کام عمدگی سے انجام دیا۔ اور تمام صوبہ جزیرہ حضرت عیاض بن غنمؓ کے ہاتھ پر بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے بعد ایک سرے سے دوسرے سرے تک مفتوح ہو گیا۔ یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے ؛

قبیلہ ایاد کی واپسی

اسی سال جب کہ پورے صوبہ جزیرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ تو وہاں سے قبیلہ ایاد جو عیسائی مذہب رکھتا تھا جلا وطن ہو کر ہرقل کے ملک میں چلا گیا۔ اور وہاں سکونت اختیار کی۔ فاروق اعظمؓ نے اس بات سے مطلع ہو کر

ہرقل کو خط لکھا۔ کہ

"مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے۔ کہ قبائل عرب سے ایک قبیلہ ہمارا ملک چھوڑ کر تمہارے شہروں میں چلا گیا ہے۔ اگر تم اُن عربوں کو اپنے ملک سے نہ نکال دو گے۔ تو ہم ان تمام عیسائیوں کو جو ہمارے ملک میں آباد ہیں۔ نکال کر تمہارے پاس بھیج دیں گے"۔

ہرقل نے اس فاروقی خط کو پڑھتے ہی فوراً قبیلہ ایاد کو جو چار ہزار نفوس پر مشتمل تھا۔ اپنے علاقے سے نکال دیا۔ وہ شام اور جزیرہ میں واپس آکر آباد ہو گئے۔ فاروقِ اعظمؓ نے عراق عجم پر حبیب بن مسلمہؓ کو اور عراق عرب پر ولید بن عقبہ کو انتظامی افسر مقرر فرمایا تھا۔ ان عربوں کے واپس آنے پر ولید بن عقبہ کو لکھا۔ کہ ان لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور نہ کرو۔ اگر وہ جزیہ دینا منظور کریں تو قبول کر لو۔ یہ بات کہ سوائے اسلام کے کوئی درخواست منظور نہ کی جائے گی۔ جزیرۃ العرب مابین مکہ مدینہ اور یمن کے لئے مخصوص ہے۔ ہاں اس شرط کا ان لوگوں کو ضرور پابند بناؤ۔ کہ جن لڑکوں کے والدین مسلمان ہو گئے ہیں۔ اُن کو عیسائی نہ بنائیں۔ یعنی مسلمانوں کی اولاد کو عیسائی بنانے کی کوشش نہ کریں۔ اور جو مسلمان ہونا چاہے اُس کو نہ روکیں۔

ولید بن عقبہ نے اس حکم فاروقی کی تعمیل کی۔ چند روز کے بعد ایاد نے ایک سفارت مدینہ منورہ میں بھیجی۔ کہ ہم سے کوئی رقم جزیہ کے نام سے وصول نہ کی جائے۔ فاروقِ اعظمؓ نے ان کی اس درخواست کو منظور کر کے جزیہ سے دو چند رقم صدقہ کے نام سے وصول کرنے کا حکم وہاں کے عامل کو لکھ بھیجا۔ اور قبیلۂ ایاد نے اس کو بخوشی منظور کر لیا۔ چند روز کے بعد قبیلۂ ایاد نے ولید بن عقبہ کی شکایت کی۔ تو حضرت فاروق اعظمؓ نے اُن کو معزول کر کے اُن کی جگہ فرات بن حیان اور ہند بن عمر الجملی کو مقرر فرمایا۔

اس جگہ یہ بات قابل تذکرہ ہے کہ صوبہ جزیرہ کی فتح کو بعض مورخین نے فتوحات شام میں شمار کیا ہے۔ بہر حال عیاض بن غنمؓ اور خالد بن ولیدؓ جو عیاض بن غنمؓ کے کمکی بن کر آئے تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ کی افواج یعنی افواج شام سے آئے تھے۔ صوبہ جزیرہ کی فتح کو شام و عراق دونوں کی فتوحات میں شامل سمجھنا چاہیئے۔

خالد بن ولیدؓ کی معزولی:- عام طور پر لوگ کہتے ہیں۔ کہ فاروق اعظمؓ نے تختِ خلافت

پر بیٹھتے ہی خالد بن ولیدؓ کو معزول کر دیا تھا۔ لیکن اس بات کے سمجھنے میں لوگوں سے بہت غلطی ہوئی ہے۔ فاروق اعظمؓ نے شروع عہدِ خلافت میں خالد بن ولیدؓ کو حقیقی طور پر معزول نہیں کیا تھا۔ بلکہ اُن کا درجہ کسی قدر کم کیا تھا۔ پہلے خالد بن ولید سپہ سالار اعظم تھے فاروق اعظمؓ نے اُن کو نائبِ سپہ سالار اعظم بنا دیا تھا۔ اس ایک درجہ کے ٹوٹنے سے اُن کی ذمہ داریوں میں کوئی نمایاں فرق نہ آیا تھا۔ صرف اس بات کی روک تھام ہو گئی تھی۔ کہ وہ آزادانہ طور پر مسلمانوں کی جمعیت کو کسی خطرہ کے مقام میں نہیں لے جا سکتے تھے۔ اور حضرت ابو عبیدہؓ کی رضا مندی اور اجازت ان کو حاصل کرنی پڑتی تھی۔ خالد بن ولیدؓ کی معزولی کا اصل واقعہ ۱۷ھ کے آخری مہینوں میں ہوا۔ اور اس کی تفصیل اس طرح ہے۔ کہ فاروقِ اعظمؓ ہر سردار فوج۔ ہر عامل۔ ہر حصہ فوج اور ہر شہر کے حال سے باخبر رہتے تھے۔ آپ کے پرچہ نویس ہر فوج اور ہر شہر میں موجود ہوتے تھے اور بلا کم و کاست ضروری حالات سے خلیفۂ وقت کو آگاہ رکھتے تھے۔ حالانکہ ہر ایک عامل اور ہر ایک سردار فوج خود بھی اپنے حالات کی اطلاع دربار خلافت میں بھیجتا رہتا تھا۔ فاروقِ اعظمؓ کو اُن کے پرچہ نویس نے اطلاع دی۔ کہ خالد بن ولیدؓ جو صوبۂ جزیرہ کی فتح سے ابھی واپس مُلک شام میں آئے ہیں اپنے ساتھ بے حد مال و دولت لائے ہیں۔ اور انھوں نے اپنی مدح کے صلہ میں اشعث بن قیس شاعر کو دس ہزار درہم دیئے ہیں۔ فاروقِ اعظمؓ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو خط لکھا کہ "خالدؓ سے سرِ مجلس دریافت کیا جائے۔ کہ تم نے اشعث کو انعام اپنی گرہ سے دیا ہے یا بیتُ المال سے۔ اگر اپنی گرہ سے دیا ہے تو اسراف ہے اور بیت المال سے دیا ہے تو خیانت، دونوں صورتوں میں معزولی کے قابل ہو۔ خالدؓ کا عمامہ اُتار کر اُسی عمامہ سے اُن کی گردن باندھی جائے۔ قاصد سے فاروق اعظمؓ نے یہ بھی کہدیا تھا۔ کہ اگر خالد بن ولیدؓ اپنی غلطی کا اقرار کریں تو اُن سے درگذر کی جائے۔ چنانچہ وہ مجمعِ عام میں بلائے گئے۔ قاصد نے اُن سے پوچھا کہ یہ انعام تم نے کہاں سے دیا"؟ خالدؓ یہ سُن کر خاموش رہے۔ اور اپنی خطا کا اقرار کرنے پر رضا مند نہ ہوئے۔ مجبوراً قاصد نے ان کا عمامہ اُتارا اور اُسی سے اُن کی گردن باندھی۔ اور پھر دوبارہ دریافت کیا۔ تو خالدؓ نے کہا۔ کہ اشعث کو میں نے اپنے مال سے انعام دیا۔ بیت المال سے نہیں دیا۔ قاصد نے یہ سنتے ہی گردن کھول دی اور فاروق اعظمؓ کو اس کیفیت کی اطلاع دی۔ فاروق اعظمؓ نے خالد بن ولیدؓ کو جواب دہی کے لئے مدینہ منورہ میں طلب فرمایا۔ خالد

بن ولیدؓ نے حاضر ہو کر کہا کہ عمرؓ! واللہ تم میرے معاملے میں انصاف نہیں کرتے ہو۔ فاروقِ اعظمؓ نے کہا۔ تمھارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی۔ اور اس قدر انعام و صلہ شاعر کو تم نے کہاں سے دیا؟۔ خالد بن ولیدؓ نے کہا۔ کہ مالِ غنیمت سے جو میرے حصہ میں آیا تھا۔ انعام دیا تھا۔ پھر خالد بن ولیدؓ نے کہا کہ اچھا ساٹھ ہزار سے جو کچھ زیادہ ہو۔ وہ بیت المال میں داخل کرتا ہوں۔ چنانچہ حساب کرنے پر بیس ہزار زائد نکلے۔ اور بیت المال میں داخل کر دیئے گئے۔ اس کے بعد دونوں حضرات میں صفائی ہو گئی۔ اور کوئی وجہ کدورت باقی نہ رہی خالد بن ولیدؓ کے متعلق یہ شکایت شروع سے تھی۔ کہ وہ فوجی حساب کتاب کو صاف نہ کرتے اور مکمل حساب نہ سمجھاتے تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی۔ کہ وہ آزادانہ صرف کر دیا کرتے تھے۔ اور اُن کی شاہ خرچیاں اکثر اوقات کسی قاعدہ کے ماتحت نہ آسکتی تھیں۔ اسی لئے فاروقِ اعظمؓ نے اُن کا ایک درجہ توڑ دیا تھا۔ اور اب چشم نمائی کے طور پر دارالخلافہ میں طلب فرما کر ایک نوع کی تنبیہ کر دی تھی ؛

بصرہ و کوفہ:۔ ۱۴ھ سے فاروق اعظمؓ کو سردارانِ لشکر کی۔ پورٹوں اور عراق کی طرف سے آنے والے سپاہیوں کے معائنہ سے اس بات کا احساس ہو گیا تھا۔ کہ عربوں کو عراق کی آب و ہوا موافق نہیں آتی۔ چنانچہ آپ نے احکام جاری کئے۔ کہ اہلِ عرب کے لئے ایسی چھاؤنیاں قائم کی جائیں جن کی آب و ہوا مُلک عرب سے بہت مشابہ اور صحت بخش ہو تاکہ فوجیں جب لڑائی کے کام سے فارغ ہوا کریں۔ تو ان چھاؤنیوں میں آکر قیام کیا کریں۔ اسی زمانے میں بصرہ کے مقام پر فوجی چھاؤنی دجلہ کے قریب قائم کی گئی۔ اس چھاؤنی میں صرف پھوس کے چھپر تھے۔ اور جب لشکری لوگ کسی مہم پر جاتے۔ تو اُن چھپروں کو آگ لگا جاتے تھے۔ واپس آکر پھر اپنی ضرورت کے موافق چھپر ڈال لیتے تھے۔ ۱۷ھ میں فاروق اعظمؓ نے بصرہ میں مکانات بنائے اور ایک دوسری چھاؤنی یعنی کوفہ کے آباد کرنے کی منظوری دی۔ اسی سال بصرہ میں مکانات بننے شروع ہوئے اور اسی سال کوفہ کی آبادی شروع ہوئی۔ ان دو مقامات کی آب و ہوا عربوں کو بہت موافق آئی۔ اور چند روز کے بعد یہ دونوں شہر اسلامی طاقت کے مرکز شمار ہونے لگے ؛

فتح اہواز و اسلام ہرمزان:۔ ایرانیوں کا نامی سردار ہرمزان جنگِ قادسیہ سے فرار ہو کر صوبہ اہواز کے دارالصدر خوزستان میں آکر اس علاقہ کے تمام

متعلقہ شہروں میں قابض ہو کر فوجیں جمع کرنے کی کوشش میں مصروف ہوا۔ اور رفتہ رفتہ اُس علاقہ پر خود مختارانہ حکومت کر کے اپنی حدودِ حکومت کو وسیع کرنا شروع کیا۔ کوفہ وبصرہ کی چھاؤنیوں سے اسلامی افواج نے اُس پر حملہ کیا اور شکست پر شکست دے کر صوبہ اہواز پر اپنا قبضہ قائم رکھنے کے لئے جزیہ دے کر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ چند روز کے بعد ہرمزان نے بغاوت اختیار کی۔ اور مقام سوق اہواز میں اسلامی فوج سے شکست کھا کر مقام رامِ ہرمز میں جا کر پناہ لی۔ اس مرتبہ ہرمزان نے عاجز ہو کر پھر صلح کی درخواست پیش کی۔ اور ادائے جزیہ کی شرط پر مسلمانوں نے باقی علاقہ ہرمزان کے قبضہ میں چھوڑ کر اُس سے پھر صلح کر لی۔ حضرت حرقوص بن زہیر سعدی فاتح اہواز نے جبل اہواز پر ڈیرے ڈال کر علاقہ اہواز کے ویران شدہ شہروں کی آبادی کا کام شروع کیا۔ اسی عرصہ میں خبریں پہنچیں کہ یزدجرد شاہ فارس نے بہت سی فوجیں جمع کر کے مسلمانوں پر پھر چڑھائی کا مصمم ارادہ کیا ہے۔

اس خبر کو سُن کر حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت سعد بن وقاصؓ کو لکھا۔ کہ اس خطرہ کے سدِباب کے لئے مختلف سمتوں اور مختلف راستوں پر اسلامی دستے متعین کر دو۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے ایک دستہ احتیاطاً ہرمزان کے مقابل رامِ ہرمز کی جانب بھی متعین کیا۔ کیونکہ ہرمزان یزدجرد کے احکام کی تعمیل اور اس عزائم کو کامیاب بنانے کی تدابیر میں مصروف تھا۔ اس دستہ فوج کے مقابلہ پر ہرمزان فوج لے کر میدان میں نکلا۔ لڑائی ہوئی۔ ہرمزان کو شکست فاش حاصل ہوئی۔ اور مسلمانوں نے رامِ ہرمز پر قبضہ کیا۔ ہرمزان شکست خوردہ فرار ہو کر مقام تستر میں پہنچ کر مسلمانوں کے خلاف فوجیں جمع کرنے لگا۔ تستر کے قلعہ کی مرمت بھی کرا لی۔ چاروں طرف خندق کو بھی درست کر لیا۔ اور برجوں کی پورے طور پر مضبوطی کر لی۔ ایرانی فوجیں بھی تستر میں اُس کے پاس آ آ کر جمع ہونے لگیں۔ ان حالات سے مطلع ہو کر فاروق اعظمؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ کو بصرہ کی افواج کا سردار بنا کر بھیجا۔

ابوموسیٰؓ نے تستر کی جانب حرکت کے قریب پہنچ کر لڑائیوں کا سلسلہ جاری کیا۔ ہرمزان نے اول کئی معرکے میدان میں کئے پھر تستر میں محصور ہو کر مدافعت میں مستعد ہوا۔ بہت سی لڑائیوں اور حملہ آوریوں کے بعد شہر تستر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ہرمزان نے تستر کے قلعہ میں پناہ لی۔ قریب تھا۔ کہ قلعہ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے۔ کہ ہرمزان نے ابوموسیٰؓ

کی خدمت میں یہ درخواست بھیجی۔ کہ میں اپنے آپ کو اس شرط پر تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ کہ مجھ کو فاروق اعظمؓ کی خدمت میں بھیج دیا جائے اور میرے معاملہ کو انھیں کے فیصلہ پر چھوڑ دیا جائے۔ ابو موسیٰؓ نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ چنانچہ ہرمزان کو انس بن مالکؓ اور احنف بن قیس وغیرہ کی ایک سفارت کے ہمراہ مدینہ منورہ کی جانب روانہ کیا گیا۔ مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر ہرمزان نے مرصع تاج سر پر رکھا۔ اور زرق برق لباس پہنا۔ فاروق اعظمؓ نے جب ایسے بڑے سردار کو اس طرح گرفتار دیکھا۔ تو خدا کا شکر ادا کیا۔ ہرمز سے پوچھا۔ کہ تم نے کئی مرتبہ بدعہدی کی ہے۔ اس کی سزا میں تمہارے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا جائے۔ اور بتاؤ کہ تم اب اپنی برأت اور معذرت میں کیا کہنا چاہتے ہو؟

ہرمز نے کہا۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم میری طرف سے معذرت سنے بغیر ہی مجھ کو قتل نہ کردو۔ فاروق اعظمؓ نے فرمایا نہیں۔ تم خوف نہ کرو۔ تمہاری معذرت ضرور سنی جائے گی۔ پھر ہرمزان نے پانی مانگا۔ پانی آیا۔ تو ہرمزان نے پیالہ ہاتھ میں لے کر کہا۔ مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔ کہ کہیں تم مجھ کو پانی پینے کی حالت میں قتل نہ کردو۔ فاروق اعظمؓ نے فرمایا۔ تم مطلق خوف نہ کرو۔ جب تک پانی نہ پی لوگے اس وقت تک تم کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ ہرمزان نے یہ سنتے ہی پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا۔ اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا۔ اور اس شرط کے موافق اب تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ تم نے مجھ کو امان دے دی ہے۔

حضرت عمرؓ کا حسنِ سلوک

فاروق اعظمؓ نے یہ سن کر فرمایا۔ کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ ہم نے تجھ کو امان نہیں دی۔۔۔ حضرت انس بن مالکؓ فوراً بول اٹھے۔ کہ امیر المومنین ہرمزان سچ کہتا ہے۔ آپ نے ابھی فرمایا ہے کہ جب تک پورا حال نہ کہہ لوگے اور پانی نہ پی لوگے کسی خطرہ میں نہ ڈالے جاؤ گے۔۔ فاروق اعظمؓ سن کر حیران رہ گئے۔ اور ہرمزان سے مخاطب ہو کر بولے۔ کہ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ مگر میں تم کو کوئی دھوکا نہ دوں گا۔ مناسب ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہرمزان نے اسی وقت کلمہ توحید پڑھا۔ فاروق اعظمؓ بہت خوش ہوئے۔ ہرمزان کو مدینے میں رہنے کی جگہ دی۔ دو ہزار سالانہ تنخواہ مقرر کر دی۔ اور اس کے بعد مہم فارس میں اکثر ہرمزان سے مشورہ لیتے رہتے تھے۔ اس کے بعد فاروق اعظمؓ نے انس بن مالکؓ اور احنف بن قیس وغیرہ

ارکان سفارت سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ شاید تم لوگ ذمیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے ہو۔ اسی لئے یہ بار بار بغاوت اختیار کرتے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت احنف بن قیس رضؓ نے جواباً عرض کیا۔ کہ امیرالمومنین ہم ہمیشہ اپنے وعدوں کا ایفا کرتے اور نہایت رافت ومحبت کا برتاؤ ذمیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کی بار بار بغاوت وسرکشی کا سبب صرف یہ ہے۔ کہ آپ نے ہم کو بلادِ فارس میں آگے بڑھنے کی ممانعت کردی ہے۔ اہلِ فارس کا بادشاہ یزدجرد فارس کے شہروں میں موجود ہے۔ جب تک یزدجرد فارس کے ملک میں زندہ وسلامت موجود رہے گا۔ اُس وقت تک اہلِ فارس لڑنے اور ہمارا مقابلہ کرنے سے کبھی باز نہ آئیں گے۔ فاروق اعظمؓ نے احنفؓ کے کلام کی تصدیق کی۔ اور اس کے بعد بلادِ فارس میں اسلامی فوجوں کو پیش قدمی کی اجازت دے دی ؛

فتح مصر فاروق اعظمؓ جب بیت المقدس تشریف لے گئے تھے۔ تو عمرو بن العاصؓ نے ان سے مصر پر فوج کشی کی اجازت حاصل کرلی تھی۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ نے حضرت زبیرؓ بن العوام کو عمرو بن العاصؓ کا کمکی مقرر فرمایا تھا۔ عمرو بن العاصؓ چار ہزار اسلامی لشکر لے کر مصر کی جانب بڑھے مصر کے بادشاہ مقوقش کے پاس فاروق اعظمؓ کی ہدایت کے موافق حضرت عمروؓ نے تین شرطیں یعنی اسلام جزیہ جنگ لکھکر بھیج دیں۔ آج کل مصر میں رومی سردار ارطبون بھی معہ اپنی فوج کے مقیم تھا۔ سب سے پہلے ارطبون اپنی فوج لے کر آگے بڑھا۔ اور سخت معرکہ کے بعد شکست کھا کر بھاگا مسلمانوں نے آگے بڑھ کر مقام عین شمس کا محاصرہ کرلیا۔ اور یہیں سے مصر کی فوجی چھاؤنی حصار فرما اور اسکندریہ کے محاصرے کے لئے دستے روانہ کئے۔ تینوں جگہ چندروز تک لڑائی اور محاصرہ کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر عین شمس والوں نے جزیہ دے کر صلح کرلی۔ صلح کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے ان قیدیوں کے واپس دینے سے انکار کیا۔ جن کو بحالتِ جنگ اس سے پہلے گرفتار کرچکے تھے۔ یہ معاملہ فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو آپ نے عمرو بن العاصؓ کو لکھا۔ کہ مصریوں کے تمام قیدیوں کو واپس کردو۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت زبیر بن العوامؓ کو سپہ سالار بنا کر مقام فسطاط کی طرف روانہ کیا۔ یہاں ایک زبردست قلعہ تھا۔ جس کو حضرت زبیرؓ نے جنگ وپیکار بسیار کے بعد فتح کرلیا۔ پھر عمرو بن العاصؓ نے اسکندریہ پر حملہ کیا۔ تین مہینے کے محاصرے کے بعد اسکندریہ مفتوح ہوا۔ اور مقوقش شاہ مصر نے جو اسکندریہ میں مقیم تھا۔ اس شرط پر صلح کی۔ کہ جو شخص اسکندریہ سے جانا چاہے۔

اُس کو جانے دیا جائے۔ اور جو اسکندریہ میں رہے اُس کو رہنے دیا جائے۔ فتح اسکندریہ کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے تمام فوجی سرداروں اور لشکریوں کو اسکندریہ میں ٹھہرا کر بلاد و اطرافِ مصر کی طرف قبضہ و دخل اور انتظام قائم کرنے کے لئے تعینات کیا اور مصر سے فارغ ہو کر توبہ کی جانب توجہ کی؛

جنگِ نہاوند:۔ فتح مدائن و جلولار کے بعد یزد جرد مقام رَے میں جا کر مقیم ہوا تھا۔ وہاں کے مرزبان مسمی آبان جادویہ نے یزد جرد کے قیام کو اپنی حکومت و اختیار کے منافی دیکھ کر بے وفائی کے علامات کا اظہار کیا۔ اور یزد جرد رَے سے روانہ ہو کر اصفہان چلا گیا۔ اصفہان کے چند روزہ قیام کے بعد کرمان کی طرف آیا۔ وہاں سے پھر واپس اصفہان میں جب مسلمانوں نے صوبۂ اہواز پر تصرف کیا۔ تو یزدجرد مشرقی ایران یعنی خراسان کے شہر مرو میں آکر مقیم ہوا۔ یہاں اُس نے ایک آتش کدہ بنوایا۔ اور اطمینان کے ساتھ رہنے لگا۔ اس کا خیال تھا۔ کہ اہلِ عرب اب آگے نہ بڑھیں گے۔ اور سرحدی مقامات تک ان کی فتوحات کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ لیکن اہواز کے تمام وکمال مسلمانوں کے قبضہ میں چلے جانے اور ہرمزآن کے گرفتار ہو کر مدینے چلے جانے کی خبر سُن کر اُس کو طیش آیا۔ اور وہ پھر ایک مرتبہ پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کے استیصال کی غرض سے فوجوں کے فراہم کرنے میں مصروف ہوا۔ اُس نے اطراف و جوانب کے امرا کو خطوط لکھے اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے غیرتیں دلا کر آمادہ و مستعد بنایا۔

چنانچہ یزدجرد کی ان کوششوں کے نتیجے میں یکایک طبرستان۔ جرجان۔ خراسان اصفہان۔ ہمدان۔ سندھ وغیرہ ملکوں اور صوبوں میں مسلمانوں کے خلاف سخت جوش اور مستعدی پیدا ہوئی۔ اور جوق درجوق لشکری لوگ یزدجرد کی خدمت میں آ آکر جمع ہونے لگے۔ یزدجرد نے فیروزا اور بقول دیگر مردان شاہ کو سپہ سالار بنا کر ڈیڑھ لاکھ لشکرِ جرار کے ساتھ نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ یہاں یہ ڈیڑھ لاکھ کا لشکر جمع ہو رہا تھا وہاں مدینہ منورہ میں فاروق اعظم بلادِ ایران میں پیش قدمی کی اجازت مسلمانوں کو دے چکے تھے۔ انھیں ایام میں مدینے کے اندر خبر پہنچی کہ ڈیڑھ لاکھ کا لشکر نہاوند میں ایرانیوں کا جمع ہو گیا ہے۔ فاروق اعظمؓ نے اس لشکر کے مقابلے کے لئے خود جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت طلحہؓ نے فاروق اعظمؓ کے جانے کو مناسب نہ سمجھ کر اس رائے سے اختلاف کیا۔ فاروق اعظمؓ نے ان بزرگوں کی رائے کو منظور کر کے کوفہ کی افواج کا سپہ سالار نعمان

بن مقرن رضؓ کو مقرر کر کے حکم دیا۔ کہ کوفہ کے قریب کسی چشمہ پر جا کر قیام کرو۔ ان ایام میں حضرت سعد بن وقاصؓ کو فاروق اعظمؓ نے مدینہ منورہ میں اپنے پاس بلوا لیا تھا۔ وہ فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ان سے دریافت کیا گیا۔ کہ تم کوفہ میں کس کو اپنا قائم مقام بنا کر آئے ہو۔ انھوں نے عرض کیا۔ کہ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان کو۔ فاروق اعظمؓ نے عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان کو حکم لکھ کر بھیجا۔ کہ کوفہ کی افواج کو نعمان بن مقرن کے ساتھ روانہ کردو۔ اور فلاں چشمہ پر نعمان بن مقرن کے پاس بھیج دو۔ انھوں نے اس حکم کی تعمیل میں حذیفہ بن الیمانؓ اور نعیم بن مقرن کے ہمراہ فوج مرتب کر کے روانہ کردی۔ ساتھ ہی اہواز کی مقیم افواج کو لکھ بھیجا۔ کہ فارس و اصفہان کی ناکہ بندی کرو۔ تاکہ اہل نہاوند کو ایرانی امداد نہ پہنچا سکیں۔ نعمان بن مقرن کے پاس جب فوجیں جمع ہوگئیں۔ تو انھوں نے اپنے بھائی نعیم بن مقرن کو مقدمۃ الجیش کا افسر مقرر کیا۔ میمنہ حذیفہ بن الیمان کو دیا۔ میسرہ سوید بن مقرن کے سپرد کیا۔ پیادہ فوج پر قعقاعؓ کو اور ساقہ پر مجاشع بن مسعود کو متعین و مامور کیا۔ اس تمام اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی۔ کوفہ سے روانہ ہو کر یہ لشکر نہاوند کی طرف برابر بڑھتا چلا گیا۔ اور وہاں سے نو میل کے فاصلہ پر قیام کیا۔ ادھر سے ایرانی لشکر بھی جس کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی میدان میں نکل آیا۔

چہار شنبہ کے روز لڑائی شروع ہو کر جمعرات تک جاری رہی۔ اور کوئی فیصلہ فتح و شکست کا نہ ہو سکا۔ جمعہ کے روز سے ایرانی پھر شہر اور شہر پناہ کے اندر چلے گئے۔ انھوں نے شہر کے باہر لوہے کے گوکھرو بچھا رکھے تھے۔ جن کی وجہ سے اسلامی لشکر شہر کے فصیل کے قریب بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اور ایرانی جب چاہتے دروازوں سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے۔ یہ رنگ دیکھ کر نعمانؓ نے سرداران لشکر کو اپنے خیمے میں بغرض مشورہ طلب کیا اور ہر ایک لڑائی کے متعلق رائے لی گئی۔ حضرت طلیحہ بن خالدؓ کی رائے سب کو پسند آئی اور اسی کے موافق اسلامی فوج مرتب و مسلح ہو کر چھ سات میل شہر سے پیچھے ہٹ کر مقیم ہوئے اور قعقاع تھوڑی سی فوج لے کر شہر والوں پر حملہ آور ہوئے۔ ایرانی ابھی تھوڑی سی فوج کو حملہ آور دیکھ کر بڑے جوش و خروش کے ساتھ مقابلہ کو نکلے۔ حضرت قعقاعؓ نے ایرانیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ ایرانی فتح کی خوشی میں ان کی جمعیت کو دباتے ہوئے آگے بڑھتے چلے آئے۔ یہاں تک کہ اپنی خندقوں وغیرہ سے بہت فاصلہ پر آ کر

اسلامی تازہ دم فوج کی زد پر آ گئے۔ نعمان بن مقرن اور اُن کے ساتھ تمام اسلامی لشکر نے نعرۂ تکبیر کے ساتھ یکایک حملہ کیا۔ تو ایرانی لشکر نہایت بے سروسامانی کے ساتھ بھاگا۔ مسلمانوں نے اُن کو بے دریغ قتل کرنا شروع کیا۔ عین معرکۂ قتال کی شدت کے عالم میں حضرت نعمان بن مقرن زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے۔ اُن کے بھائی نعیم بن مقرن نے فوراً اپنے بھائی کے کپڑے پہن کر علَم ہاتھوں میں لے لیا۔ اور لشکر والوں کو آخر تک اپنے سپہ سالار کے شہید ہونے کا حال معلوم نہ ہوا۔ ایرانی لشکر جو میدان سے سراسیمہ ہو کر بھاگا۔ اُن گوکھروں سے جو مسلمانوں کے لئے بچھائے تھے۔ اپنے آپ کو نہ بچا سکا۔ اور خود اُن گوکھروں میں مبتلا ہو کر ہزاروں ایرانی ہلاک ہوئے۔ ایرانی سردار نہاوند سے بھاگے۔ اور تمام بھگوڑے ہمدان میں جا کر جمع ہوئے۔ نعیمؓ و قعقاعؓ نے ان فراریوں کا پاشنہ کوب پہنچ کر ہمدان کا محاصرہ کر لیا اور بآسانی ہمدان پر اسلامی قبضہ ہو گیا۔ حضرت نعمان کی شہادت کے بعد حضرت حذیفہ بن الیمانؓ لشکرِ اسلام کے سپہ سالار مقرر ہوئے تھے۔ انھوں نے نہاوند پہنچ کر مالِ غنیمت جمع کیا۔ یہاں کے آتش کدے کو بجھایا۔

ایک موبد نے خود حضرت حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیش قیمت جواہرات کا ایک صندوقچہ جو اس کے پاس شاہی امانت کے طور پر رکھا تھا پیش کیا۔ حضرت حذیفہؓ نے مالِ غنیمت لشکر میں تقسیم کیا۔ اور خمس کے ساتھ وہ جواہرات کا صندوقچہ بھی فاروق اعظمؓ کی خدمت میں سائب بن الاقرع کے ہاتھ روانہ کیا۔ فاروق اعظمؓ کو چند روز سے کوئی خبر جنگ کی نہیں پہنچی تھی۔ وہ بہت منتظر و پریشان تھے۔ کہ سائبؓ بن الاقرع خمس معہ جواہرات اور فتح کی خوش خبری لے کر پہنچے۔ فاروق اعظم بہت خوش ہوئے۔ جواہرات کو بیت المال میں داخل کرا کر سائبؓ کو واپس جانے کا حکم دیا۔ سائب کوفہ میں داخل ہی ہوئے تھے کہ فاروق اعظمؓ کا فرستادہ قاصد بھی اُن کے پیچھے کوفہ میں داخل ہوا۔ اور سائب کو پھر مدینہ کی طرف لوٹا کر لے گیا۔ فاروق اعظمؓ نے فرمایا۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ کہ فرشتے ان جواہرات کے رکھ لینے پر مجھ کو عذاب کی دھمکی دیتے ہیں۔ لہٰذا میں ان کو بیت المال میں ہرگز نہ رکھوں گا۔ تم ان جواہرات کو لے جاؤ اور فروخت کر کے ان کی قیمت لشکر اسلام پر تقسیم کر دو۔ سائبؓ نے کوفہ میں ان جواہرات کو عمرو بن حریث مخزومی کے ہاتھ دو لاکھ درہم پر فروخت کیا۔ اور وہ دو لاکھ درہم مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ عمرو بن حریث نے

ان جواہرات کو فارس میں لے جاکر چار لاکھ درہم کو فروخت کر دیا۔ فاروقِ اعظمؓ کا قاتل ابو لولو نہاوند کا باشندہ تھا۔ اور اسی لڑائی میں گرفتار کیا گیا تھا۔

مُلکِ عجم کی عام تسخیر:۔ فتح نہاوند کے بعد ہمدان فتح ہوا۔ چند روز کے بعد ہمدان والوں نے بغاوت اختیار کی۔ فاروقِ اعظمؓ نے اس کے بعد ایران کے مختلف صوبوں اور مختلف سمتوں کی طرف مختلف سردار نامزد فرما کر حکم دیا۔ کہ ملک تسخیر کرتے اور بدامنی دور کر کے امن و امان قائم کرتے چلے جاؤ۔ چنانچہ کوفہ و بصرہ دونوں چھاؤنیوں کی سپاہ اور سردار تسخیرِ ایران کے کام میں مصروف ہو گئے۔ یہ عام لشکر کشی مذکورہ بالا واقعات کے بعد ۲۱ھ میں شروع ہوئے۔ لشکر کشی کا حکم فاروق اعظمؓ نے ایرانیوں کی آئے دن کی بغاوتوں اور سازشوں سے تنگ آ کر دیا تھا۔ ورنہ فاروق اعظمؓ خواہش یہی تھی۔ کہ ہم اپنے مقبوضہ ممالک پر قانع رہیں۔ اور اس حالت میں رہیں۔ کہ ہم کو ایرانیوں کی چڑھائیوں کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ غرض ایران میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اوّل اصفہان عبداللہ بن عبداللہ کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ حضرت نعیم بن مقرن نے رے۔ آذر بائیجان کو بڑے خوں ریز معرکہ کے بعد فتح کیا۔ نعیم بن مقرن کے بھائی سوید بن مقرن نے قومس کو فتح کر لیا۔ رستم مذکور مقتول کا بھائی اسفندیار حضرت عتبہ کے مقابلہ میں گرفتار ہوا۔ اور پھر جزیہ ادا کرنے کی شرط پر رہا ہوا۔ سوید بن مقرن نے قومس کے بعد جرجان کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد کل صوبہ طبرستان مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ حضرت بکیرؓ نے آرمینیا فتح کیا۔ عبدالرحمٰنؓ بن ربیعہ نے شہر بیضا اور علاقہ خزر فتح کر لیا۔

عاصم بن عمرؓ نے ۲۳ھ میں ملک سیستان اور سہیل بن عدی نے کرمان فتح کیا۔ حکم بن عمرو التغلبی نے مکران یعنی بلوچستان کا ملک فتح کیا۔ اور جنگ عظیم کے بعد اس ملک کے راجہ راسل نے جو ایرانیوں کا طرف دار و باج گذار تھا شکست کھائی۔ حکم بن عمروؓ نے فاروقِ اعظمؓ کی خدمت میں فتح کی خوش خبری کے ساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ میں ہاتھ آئے تھے بھیجے۔ حضرت صحار عبدیؓ حضرت حکم کی طرف سے یہ خوش خبری اور ہاتھی لے کر مدینے گئے تھے۔ صحار عبدیؓ سے فاروق اعظمؓ نے اس نواح کے حالات معلوم کرنے کے بعد حکم بن عمرو کو لکھا۔ کہ بس جہاں تک تم پہنچ گئے ہو۔ یہیں رُک جاؤ۔ اب آگے نہ بڑھو۔ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ یزدجرد دارالصدر خراسان یعنی مرو میں مقیم تھا۔ فاروق اعظمؓ نے خراسان

کی فتح کا علم احنف بن قیسؓ کو دیا جس نے اول ہرات کو فتح کیا۔ اس کے بعد وہ مرو یعنی شاہجہان کی طرف بڑھے۔ یزدجرد یہیں مقیم تھا۔ وہ مروشاہجہان سے مرورود چلا گیا۔ اور خاقانِ چین نیز دوسرے سلاطین کو امداد کے لئے خطوط لکھے۔ احنف بن قیس مرو شاہجہان پر قبضہ کرتے ہوئے مرورود کی طرف بڑھے۔ یزدجرد یہاں سے بھی بھاگا۔ اور بلخ میں جاکر دم لیا۔ خراسان میں چونکہ یزدجرد مقیم تھا۔ اور یہاں سخت معرکہ پیش آنے کا احتمال تھا۔ اس لئے فاروق اعظمؓ نے احنف بن قیس کی کمک کے لئے کئی فوجی دستے تجربہ کار اور بہادر سپہ سالاروں کی ماتحتی میں روانہ کئے تھے۔ یہ تازہ دم فوج جب احنف بن قیس کے پاس پہنچ گئی۔ تو انھوں نے تمام لشکر کو ہمراہ لے کر بلخ پر حملہ کیا مگر یزدجرد شکست کھاکر بھاگا۔ اور دریائے جیحوں سے اُتر کر ترکستان کے علاقے میں چلا گیا احنف بن قیسؓ نے تمام خراسان پر قبضہ کرکے مرورود کو صدر مقام قرار دیا۔ خراسان کی فتح کا حال جب فاروق اعظمؓ کو معلوم ہوا۔ تو احنف کی بہادری اور مردانہ کارناموں کی تعریف کی۔ لیکن فرمایا کہ کاش ہمارے اور خراسان کے درمیان آگ کا دریا حائل ہوتا۔ مُدعا آپ کا یہ تھا۔ کہ فتوحات کی وسعت کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ آپ نے احنف بن قیس کو خط لکھا۔ کہ تم جہاں تک پہنچ چکے ہو۔ اس سے آگے ہرگز نہ بڑھو۔ یزدجرد جب خاقان کے پاس فرغانہ میں پہنچا۔ تو اُس نے اس کی بڑی عزت کی۔ اور زبردست فوج لے کر یزدجرد کے ہمراہ خراسان کی طرف روانہ ہوا۔ بلخ تک خاقان تو مرورود پر حملہ آور ہوا۔ اور یزدجرد نے مروشاہجہان پر حملہ کیا۔ خاقان کو مرورود میں احنف بن قیس کے مقابلہ میں ناکامی ہوئی۔ اور اپنے بعض ناموروں کو قتل کراکر وہاں سے فرغانہ کی طرف چل دیا۔ خاقان کو فرغانہ کی طرف راہی سُن کر یزدجرد نے بھی مروشاہجہان سے محاصرہ اٹھایا۔ اور ترکستان کی طرف چلا۔ یزدجرد کے امیروں اور سرداروں نے یہ دیکھ کر کہ یزدجرد کا اقبال یاور نہیں رہا۔ اُس سے تمام زروجواہر اور مال واسباب جو وہ اپنے ہمراہ ترکستان کو لئے جاتا تھا چھین لیا۔ اور یزدجرد بیک بینی و دوگوش خاقان کے پاس فرغانہ میں پہنچا۔ اس فتح کی خوش خبری فاروق اعظمؓ کے پاس مدینہ میں پہنچی تو اُنھوں نے مُنادی کراکر شہر کے لوگوں کو مسجد نبویؐ میں طلب کیا۔ پھر اُس مجمع عام کے روبرو ایک تقریر فرمائی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ

"آج مجوسیوں کی حکومت فنا ہوچکی۔ اب وہ اپنے ملک میں بالشت بھر

زمین کے بھی مالک نہ ہو سکیں گے۔ کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکیں۔
مسلمانو! خدائے تعالیٰ نے تم کو مجوسیوں کی زمین، مجوسیوں کے ملک اور مجوسیوں کے اموال واملاک کا مالک بنا دیا ہے۔ تاکہ اب تمہارے اعمال وافعال کو جانچے۔ پس مسلمانو! تم اپنی حالت کو تغیر نہ ہونے دینا۔ ورنہ خدائے تعالیٰ تم سے بھی حکومت چھین لے گا۔ اور کسی دوسری قوم کو دے دے گا۔"

اس کے چند ہی روز بعد فاروق اعظمؓ کی شہادت کا واقعہ مدینہ منورہ میں پیش ہوا!

قحط اور طاعون:۔ ۱۷ھ کے آخری ایام میں عراق، شام، مصر میں طاعون نمودار ہوا۔ اور ۱۸ھ کی ابتدا سے اس وبا میں اشتداد کی کیفیت پیدا ہوئی۔ ساتھ ہی سرزمین عرب میں قحط عظیم ظاہر ہوا۔ غلہ کی کمی سے تمام ملک میں بڑی پریشانی پھیلی۔ فاروق اعظمؓ نے قحط کے دور کرنے اور لوگوں کی مصیبت کو ہلکا کرنے کی کوشش میں حیرت انگیز سرگرمی اور جفاکشی کا اظہار فرمایا۔ صوبجات ممالک اسلامیہ کے عاملوں کے پاس احکام بھیجے گئے۔ کہ اہلِ مدینہ کے لئے غلہ جہاں تک ممکن ہو روانہ کریں۔ اس حکم کی تعمیل میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر سے بیس جہاز غلہ کے بھیجے۔ ان جہازوں کے آنے کی خبر سُن کر فاروق اعظمؓ خود بندرگاہ تک جو مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر تھا تشریف لے گئے۔ غلہ کو جہازوں سے اُتروا کر ایک محفوظ مکان میں رکھا گیا۔ اور ضرورت مندوں کی فہرستیں مرتب کرا کر غلہ اُن میں تقسیم کرایا گیا۔ فاروق اعظمؓ نے عہد کیا تھا کہ جب تک قحط کی بلا لوگوں پر مسلط ہے ہم گھی اور دودھ ہرگز استعمال نہ کریں گے۔ اس خشک سالی کے دور کرنے کے لئے فاروق اعظمؓ اہلِ مدینہ کو ہمراہ لے کر نمازِ استسقا۔ ادا کرنے کے لئے نکلے۔ دُعا مانگی۔ دعا ابھی ختم نہ ہوئی تھی۔ کہ بارش شروع ہو گئی۔ شام میں طاعون کی وبا۔ کے نمودار ہونے کا حال سُن کر فاروق اعظمؓ مدینہ منورہ سے خود شام کی اسلامی فوجوں کی طرف روانہ ہوئے۔ مقام سرغ میں پہنچے تھے۔ کہ حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ اور دوسرے سردارانِ لشکر نے بطریقِ استقبال آگے بڑھ کر ملاقات کی۔ اور بعض صحابہؓ نے عرض کیا۔ کہ آپ اب آگے طاعونی علاقہ میں تشریف نہ لے جائیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا۔ کہ میں نے آنحضرت صلعم سے سُنا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔ کہ جس جگہ وبا

پھیلی ہو وہاں نہ جاؤ۔ اور اگر اتفاق سے اُس مقام پر وبا پھیل جائے جہاں تم موجود ہو تو وہاں سے نہ بھاگو۔ اس حدیث کو سُن کر فاروقِ اعظمؓ مدینہ منورہ کی طرف واپس ہوئے۔ اور سردارانِ لشکر کو تاکیدی طور پر ہدایت کر آئے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو اس مرض کے متعلق انسدادی تدابیر کام میں لائیں۔ ابو عبیدہؓ لشکر اسلام کو لئے ہوئے ایک نشیبی علاقہ میں مقیم تھے۔ فاروقی حکم کے موافق وہاں سے کوچ کر کے مقام جابیہ میں جس کی آب و ہوا اچھی تھی لشکر اسلام کو لے آئے۔ یہاں آکر حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح مرضِ طاعون میں مبتلا ہوئے جب مرض کی شدت اور زندگی سے مایوسی ہوئی تو حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنی جگہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو سالارِ لشکر مقرر فرمایا اور تھوڑی دیر کے بعد فوت ہو گئے۔ معاذ بن جبلؓ بھی زیادہ دنوں زندہ نہ رہ سکے۔ اوّل ان کے بیٹے نے اسی مرض میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔ پھر وہ بھی بیمار ہوئے۔ انھوں نے مرنے سے پیشتر عمرو بن العاصؓ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

عمرو بن العاصؓ حضرت معاذ بن جبلؓ کی وفات کے بعد لشکرِ اسلام کو لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔ اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں نے الگ الگ چوٹیوں پر قیام کیا۔ چند روز کے بعد اس وبا کا زور شور کم ہو گیا۔ مصر کی فتح اس طاعون اور وبا سے یقیناً پہلے ہو چکی تھی اس وبا کے ایام میں حضرت عمرو بن العاصؓ مصر سے غلّہ مدینہ کی جانب روانہ کرنے کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس شام کے ملک میں اس لئے تشریف لے آئے تھے۔ کہ فاروقِ اعظمؓ کے حدود شام میں تشریف لانے کا حال اُن کو معلوم ہو چکا تھا۔ اور فاروقِ اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مصر کے حالات بیان کرنا اور انتظامِ ملکی کے متعلق فاروق اعظمؓ سے ہدایات کا حاصل کرنا ضروری تھا۔ فاروق اعظمؓ کی واپسی کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ اس وبا کی مصیبت اور حضرت ابو عبیدہؓ و حضرت معاذؓ کی وفات کے سبب فوراً مصر کو نہ جا سکتے تھے۔ اسی وبا میں یزید بن ابی سفیان جو دمشق کے عامل تھے فوت ہوئے۔ اُن کے فوت ہونے کی خبر سُن کر فاروق اعظمؓ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ اُن کے بھائی کو دمشق کا عامل مقرر فرمایا۔ اسی انتظام میں شرجیل بن حسنہ علاقہ اردن کے عامل مقرر ہوئے۔ اس وبا میں بڑے بڑے معزز و بزرگ صحابی فوت ہوئے۔ اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ جو ایک خاص رفتار کے ساتھ جاری تھا۔ اس لئے رُک گیا۔ کہ لشکرِ اسلام اپنی ہی مصیبتوں میں گرفتار تھا۔ اسی سلسلہ میں فاروق

اعظمؓ نے شریح بن حرث کندی کو کوفہ کا اور کعب بن سوار ازدی کو بصرہ کا قاضی مقرر فرمایا۔
اسی سال فاروق اعظمؓ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان مسافروں کی راحت کے لئے مکانات اور کنوئیں تعمیر کرائے۔ خانہ کعبہ کے صحن کی توسیع کی۔ اور لوگوں کے مکانات خرید کر صحنِ کعبہ میں شامل کئے۔

فتوحاتِ فاروقی:۔ اوپر جن جن ملکوں اور صوبوں کی فتوحات کا ذکر ہوا ہے اُن میں فارس و عراق و جزیرہ خراسان و بلوچستان و شام و فلسطین و مصر و آرمینیا وغیرہ کا تذکرہ آچکا ہے۔ یہ فتوحات جو فاروق اعظمؓ کی دس سالہ خلافت کے زمانہ میں ہوئیں معمولی فتوحات نہیں سمجھی جا سکتیں۔ فاروقِ اعظمؓ نے ۲۰ھ میں اسلامی سلطنت کے جو صوبے مقرر فرمائے تھے۔ اُن کی تفصیل اس طرح ہے۔ مکہ۔ مدینہ۔ شام۔ جزیرہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ مصر۔ فلسطین۔ خراسان۔ آذربائیجان۔ فارس۔ ان میں سے بعض صوبے ایسے بھی تھے۔ جو دو دو صوبوں کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ بعض صوبوں کے صدر مقام بھی دو دو تھے۔ اور دونوں جگہ الگ الگ صوبیدار معہ اپنے کامل عملہ کے رہتے تھے۔ ہر صوبے میں ایک والی یا عامل ایک کاتب یا میر منشی ایک بخشی فوج۔ ایک صاحب الخراج یا کلکٹر۔ ایک افسر پولس۔ ایک افسر خزانہ۔ ایک قاضی ضرور ہوتا تھا۔ خلافتِ فاروقی پر ایک عام تبصرہ لکھنے سے پیشتر شہادت فاروقی کا حال بھی بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

واقعہ شہادت فاروق اعظمؓ:۔ مدینہ منورہ میں مغیرہ بن شعبہ کا ایک نصرانی غلام فیروز نامی جس کی کنیت ابو لولو تھی رہتا تھا۔ اُس نے ایک روز بازار میں فاروق اعظمؓ سے شکایت کی۔ کہ میرا آقا مغیرہ بن شعبہ مجھ سے زیادہ محصول لیتا ہے آپ کم کرا دیجئے۔ فاروق اعظمؓ نے اُس سے دریافت کیا۔ کہ کس قدر محصول وہ وصول کرتا ہے۔ ابو لولو نے کہا۔ دو درم (ساتھ آنے) روزانہ۔ فاروقِ اعظمؓ نے دریافت فرمایا۔ کہ تو کیا کام کرتا ہے۔ اُس نے کہا آہنگری۔ نقاشی اور نجاری۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ان صنعتوں کے مقابلے میں یہ رقم زیادہ نہیں ہے۔ یہ سُن کر ابو لولو اپنے دل میں سخت ناراض ہوا۔ فاروقِ اعظمؓ نے پھر اُس سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ میں نے سُنا ہے تو ایسی چکی بنانی جانتا ہے۔ کہ جو ہوا کے زور سے چلتی ہے۔ تو مجھ کو بھی ایسی چکی بنا دے۔ اُس نے جواب میں کہا۔ کہ بہت خوب! میں ایسی چکی بنا دوں گا۔ جس کی آواز اہلِ مغرب و مشرق سُنیں گے۔ دوسرے دن نمازِ فجر کے لئے لوگ

مسجدِ نبویؐ میں جمع ہوئے۔ ابولولو بھی ایک خنجر لئے ہوئے مسجد میں داخل ہوگیا۔ جب نماز کے لئے صفیں درست ہوگئیں۔ اور فاروقِ اعظمؓ امامت کے لئے آگے بڑھ کر نماز شروع کر چکے۔ تو ابولولو نے۔ جو مسلمانوں کے ساتھ صفِ اوّل میں کھڑا تھا۔ نکل کر فاروقِ اعظمؓ پر خنجر کے چھ وار کئے۔ جن میں ایک وار ناف سے نیچے پڑا۔ فاروقِ اعظمؓ نے فوراً حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو کھینچ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔ اور خود زخموں کے صدمہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے لوگوں کو اس حالت میں نماز پڑھائی۔ کہ فاروقِ اعظمؓ زخمی سامنے پڑے تھے۔ ابولولو اپنا وار کر کے مسجد نبویؐ سے بھاگا۔ لوگوں نے اُس کے پکڑنے کی کوشش کی۔ اُس نے کئی شخصوں کو زخمی کیا۔ اور کُلیب بن ابی بکیرؓ کو شہید کر دیا۔ بالآخر گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن اُس نے گرفتار ہوتے ہی خودکُشی کر لی۔ نمازِ فجر پڑھ لینے کے بعد لوگ فاروقِ اعظمؓ کو مسجد سے اُٹھا کر اُن کے گھر لائے انھوں نے ہوش میں آتے ہی سب سے پہلے یہ دریافت کیا۔ کہ میرا قاتل کون تھا۔ لوگوں نے ابولولو کا نام بتایا۔ تو آپ نے فرمایا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا۔ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو یا جس نے خدا کو ایک سجدہ بھی کیا ہو۔ ایک طبیب نے آ کر آپ کو دودھ اور نبیذ پلایا۔ تو وہ زخم کے راستے باہر نکل آیا۔ یہ حالت دیکھ کر لوگوں کو آپ کی زندگی سے مایوسی ہوئی۔ اور عرض کیا۔ کہ جس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کو اپنا جانشین مقرر فرما دیا تھا۔ آپ بھی کسی کو اپنا جانشین مقرر فرما دیں۔

آپ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ حضرت سعد بن وقاصؓ۔ حضرت زبیر بن العوامؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کو طلب فرمایا۔ حضرت طلحہؓ مدینہ منورہ میں تشریف نہ رکھتے تھے۔ فاروقِ اعظمؓ نے باقی پانچ آدمیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تین روز تک طلحہؓ کا انتظار کرنا۔ اگر وہ تین روز تک آجائیں۔ تو اُن کو بھی اپنی جماعت میں شامل کرنا۔ اور تین روز تک نہ آئیں تو پھر تم پانچ آدمی ہی مشورہ کر کے اپنے آپ میں سے کسی ایک کو اپنا امیر بنا لینا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کو بُلا کر کہا۔ کہ اگر لوگ خلافت و امارت کے انتخاب میں اختلاف کریں۔ تو تم کثرت کے ساتھ شریک ہونا۔ اور اگر فریقین برابر تعداد کے ہوں تو تم اُس گروہ میں شریک ہونا جس میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ شامل ہوں۔ پھر ابوطلحہ انصاری اور مقداد بن الاسود کو بُلا کر حکم دیا۔ کہ جب یہ لوگ

خلیفہ کے انتخاب وتقرر کی غرض سے ایک جگہ مشورہ کرنے کو جمع ہوں ۔ تو تم دونوں دروازے پر کھڑے رہنا ۔ اور کسی کو ان کے پاس نہ جانے دینا ۔ جب تک وہ مشورے سے فارغ نہ ہوجائیں ۔ پھر آپ نے مذکورہ بالا حضرات کو مخاطب کر کے فرمایا ۔ کہ جو شخص خلافت کے لئے منتخب ہو ۔ اُس کو وصیت کرتا ہوں ۔ کہ وہ انصار کے حقوق کا بہت لحاظ رکھے ۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں ۔ جنھوں نے آنحضرت صلعم کی مدد کی ۔ مہاجرین کو اپنے گھروں میں ٹھہرایا ۔ انصار تمھارے محسن ہیں ۔ ان کے ساتھ تم کو احسان کرنا چاہیئے ۔ ان کی خطا ولغزش سے حتی الامکان درگذر اور چشم پوشی اختیار کرنا مناسب ہے ۔ تم میں سے جو شخص خلیفہ منتخب ہو ۔ اس کو مہاجرین کا بھی پاس ولحاظ رکھنا چاہیئے ۔ کیونکہ یہی لوگ مادہ اسلام ہیں ۔ اسی طرح ذمیوں کا بھی پورا پورا خیال رکھنا چاہیئے ۔ ان کے ساتھ اللہ اور رسولؐ کی ذمہ داری کو کما حقہٗ ملحوظ رکھا جائے ۔ اور ذمیوں سے جو وعدہ کیا جائے ۔ اس کو ضرور پورا کیا جائے ۔ ان کے دشمنوں کو دور کیا جائے ۔ ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے ۔

پھر اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو بلاکر حکم دیا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں جاؤ ۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں دفن کئے جانے کی اجازت حاصل کرو ۔ وہ حضرت صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اور فاروقِ اعظمؓ کی التجا پیش کی ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ۔ کہ یہ جگہ میں نے اپنے لئے تجویز کی تھی ۔ لیکن اب میں عمر فاروقؓ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں ۔ اُن کو ضرور اس جگہ دفن کیا جائے ۔ یہ خبر جب حضرت عبد اللہؓ نے فاروقِ اعظمؓ کو سُنائی ۔ تو وہ بہت خوش ہوئے ۔ اور فرمایا ۔ کہ میری سب سے بڑی آرزو برآئی ۔ چہار شنبہ ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ کو آپ زخمی ہوئے ۔ اور یکم محرم ۲۴ھ کو ہفتہ کے دن فوت ہوکر مدفون ہوئے ۔ ساڑھے دس برس خلافت کی ۔ نماز جنازہ حضرت صہیبؓ نے پڑھائی ۔ حضرت عثمان غنیؓ ۔ حضرت علیؓ ۔ حضرت زبیرؓ ۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے قبر میں اُتارا ۔

ازواج واولاد :- فاروقِ اعظمؓ کا پہلا نکاح زمانۂ جاہلیت میں زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح سے ہوا تھا ۔ جن کے بطن سے عبد اللہؓ ۔ عبد الرحمٰن اکبرؓ اور حضرت حفصہؓ پیدا ہوئیں ۔ زینبؓ مکہ میں ایمان لائیں اور وہیں فوت ہوئیں ۔ یہ عثمانؓ بن مظعون کی بہن تھیں ۔ جو اوّل المسلمین تھے ۔ اور جن کا اسلام لانے والوں

میں چودھواں نمبر تھا۔ دوسرا نکاح عہد جاہلیت ہی میں ملیکہ بنت جرول خزاعی سے کیا۔ جس سے عبید اللہ پیدا ہوئے۔ چونکہ یہ بیوی ایمان نہیں لائی۔ اس لئے اس کو سنہ ھ میں طلاق دے دی۔ تیسری بیوی قریبہ بنت ابی امیہ مخزومی تھی۔ جس سے جاہلیت ہی میں نکاح کیا۔ اور سنہ ھ میں بعد صلح حدیبیہ اسلام نہ لانے کی وجہ سے طلاق دے دی۔ چوتھا نکاح اسلام میں ام حکیم بنت الحرث بن ہشام مخزومی سے کیا۔ جن کے بطن سے فاطمہؓ پیدا ہوئیں۔ پانچواں نکاح مدینے میں آنے کے بعد سنہ ھ میں جمیلہ بنت عاصم بن ثابت بن ابی افلح اوسی انصاری سے کیا۔ جن کے بطن سے عاصم پیدا ہوئے۔ لیکن ان کو بھی کسی وجہ سے طلاق دے دی تھی۔ چھٹا نکاح سنہ ھ میں اُم کلثوم بنت علیؓ ابن ابی طالب سے چالیس ہزار مہر پر کیا۔ ان کے بطن سے رقیہ اور زید پیدا ہوئے۔ عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل جو فاروق اعظمؓ کی چچیری بہن تھیں اور فکیہہ یمینیہ بھی فاروق اعظمؓ کی بیویوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ فکیہہ کی نسبت بعض لوگوں نے لکھا ہے۔ کہ وہ لونڈی تھیں۔ اُن کے پیٹ سے عبدالرحمٰن اوسط پیدا ہوئے تھے۔ فاروقِ اعظمؓ کی اولاد میں حضرت حفصہؓ زوجۂ رسول اللہ صلعم اور حضرت عبداللہ دو بہت نامور ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ آنحضرت صلعم کے ساتھ تقریباً تمام غزوات میں شریک رہے۔

اولیات فاروقی:۔ فاروق اعظمؓ نے بہت سی مالی وملکی۔ سیاسی وانتظامی۔ معاشرتی و تمدنی باتیں تجویز وایجاد فرمائی ہیں۔ اُن کو اولیات کے نام سے پکارتے ہیں۔ ان میں بعض کی فہرست اس طرح ہے:۔

بیت المال یا خزانہ باقاعدہ طور پر قائم کیا۔ سنہ ہجری قائم کیا۔ امیرالمومنین کا لقب اختیار کیا۔ فوج کے واسطے باقاعدہ دفتر مقرر کیا۔ مالی دفتر الگ قائم کیا۔ رضاکاروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ ملک کی پیمائش کا قاعدہ جاری کیا۔ مردم شماری کرائی۔ نہریں کھدوائیں۔ شہر آباد کرائے۔ مثلاً کوفہ۔ بصرہ۔ جیزہ۔ فسطاط (قاہرہ)، صامشرک مقبوضہ کو باقاعدہ صوبوں میں تقسیم کیا۔ حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔ دُرّہ کا استعمال کیا۔ جیل خانہ قائم کیا۔ پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ راتوں کو خود گشت کر کے رعایا کے حال سے باخبر رہنے کا طریقہ نکالا۔ پرچہ نویس مقرر کئے۔ راستے اور مسافروں کے لئے کنویں اور مکانات بنوائے۔ مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کئے۔ نماز تراویح باجماعت پڑھنے کا اہتمام کیا۔ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔ نمازِ جنازہ میں چار تکبیروں پر سب کا اجماع کیا

متفرق حالات وخصوصیات

فاروقِ اعظمؓ کی غذا نہایت سادہ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ بیرونی علاقوں اور صوبوں سے جو قاصد یا وفود آتے تھے وہ فاروقِ اعظمؓ کے ساتھ بحیثیت مہمان کھانا کھاتے تھے۔ تو اُن کو اس لئے تکلیف ہوتی تھی۔ کہ وہ ایسی سادہ غذا کے عادی نہ ہوتے تھے۔ لباس بھی آپ کا بہت سادہ اور بے تکلفانہ ہوتا تھا۔ کپڑوں میں اکثر پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے۔ بعض اوقات کپڑے کی قمیص میں چمڑے کا پیوند بھی لگا لیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ دیر تک گھر میں رہے۔ جب باہر نکلے تو معلوم ہوا۔ کہ بدن کے کپڑے جو میلے ہوگئے تھے اُن کو دھوکر دھوپ میں ڈالا تھا۔ جب وہ سوکھ گئے تو پہن کر باہر آئے۔ دوسرے کپڑے نہ تھے۔ کہ اُن کو پہن لیتے۔ ہجرت کے بعد ابتداءً آپ مدینہ منورہ سے دو تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ خلیفہ ہونے کے بعد آپ شہر مدینہ میں آرہے تھے۔ مدینۂ منورہ میں آپ کا مکان مسجد نبویؐ کے قریب باب السلام اور باب الرحمتہ کے درمیان تھا۔ مرتے وقت آپ مقروض تھے۔ آپ نے حکم دیا۔ کہ میرا یہ مکان فروخت کرکے قرضہ ادا کردیا جائے۔ چنانچہ اس مکان کو امیر معاویہؓ نے خریدا۔ اور اس قیمت سے قرضہ ادا کیا گیا۔ ایک مرتبہ آپ نے خطبہ میں فرمایا۔ کہ لوگو! ایک وقت ایسا تھا کہ میں لوگوں کو پانی بھر کر لادیا کرتا تھا۔ وہ اس کے عوض مجھ کو کھجوریں دیتے۔ اور میں وہی کھا کر بسر کرتا تھا۔ بعد میں لوگوں نے کہا۔ کہ اس تذکرے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میری طبیعت میں کچھ غرور پیدا ہوگیا تھا۔ یہ اس کی دوا تھی۔ آپ نے بارہا مدینہ سے مکہ تک اور مکہ سے مدینے تک سفر کیا۔ کبھی کوئی خیمہ یا چھولداری ساتھ نہ ہوتی تھی۔ کسی کیکر کے درخت پر چادر پھیلادی اور اس کے نیچے آرام کی غرض سے ٹھہر گئے۔ لیٹنے یا سونے کی ضرورت پیش آتی زمین پر سنگریزوں اور پتھروں کو ہموار کرکے اور چھپلوں کو ایک جگہ جمع کرکے تکیہ بنا کر اور کپڑا بچھا کر سوجاتے۔ آپ نے ازواجِ مطہرات، اصحاب بدر، اصحاب بیعت الرضوان وغیرہ تمام جلیل القدر صحابیوں کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کررکھی تھیں۔ جب حضرت اُسامہؓ کی تنخواہ اپنے بیٹے عبداللہ کی تنخواہ سے زیادہ مقرر کی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس پر عذر کیا۔ آپ نے اپنے بیٹے سے کہا۔ کہ آنحضرت صلعم اُسامہؓ کو تجھ سے اور اُسامہؓ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

فاروقِ اعظمؓ کے مشیر و ندیم سب علماء ہوتے تھے خواہ وہ بوڑھے ہوں یا نوعمر آپ علماء کی بڑی قدر و عزت کرتے تھے۔ مردم شناسی وجوہر شناسی آپ کی خصوصیات میں شامل

ہے۔ ہر ایک شخص کی خوبیوں کو آپ بہت جلد معلوم کر لیتے۔ اور پھر اُن کی پوری پوری قدر کرتے۔ اسی طرح صحابہ کرام میں سے ہر ایک شخص میں جو جو خاص صفت تھی۔ اُسی کے موافق خدمات اور عہدے اُن کو عطا کئے تھے۔ فاروقِ اعظمؓ کسی شخص کے محض روزے نماز سے بھی کبھی دھوکا نہ کھاتے تھے۔ وہ اگرچہ خود بڑی زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن ذمہ داری کے کاموں پر یا فوجوں کی سرداری اور صوبوں کی حکومت پر جن لوگوں کو مقرر فرماتے۔ اُن کے انتخاب میں محض زہد و اتقا اور زاہدانہ زندگی ہی کو معیار قرار نہ دیتے۔ بلکہ جن کاموں پر جن لوگوں کو مقرر فرماتے اُن میں ان کاموں کے سرانجام و اہتمام کی پوری قابلیت دیکھ لیتے۔ آپ کی دس سالہ خلافت کے زمانے میں سینکڑوں بڑی بڑی لڑائیاں عراق و شام، فلسطین و مصر و خراسان وغیرہ ممالک میں ہوئیں۔ لیکن آپ خود کسی لڑائی میں نفس نفیس شریک نہ ہوئے۔ تاہم ان لڑائیوں کا اہتمام اور ضروری انتظام فاروقِ اعظمؓ ہی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ ہر ایک سردار کو آپ کی طرف سے نہایت معمولی معمولی باتوں کے متعلق بھی ہدایات پہنچ جاتیں۔ اور اس کو اُن ہدایات کے موافق ہی کام کرنا پڑتا تھا۔ کسی لڑائی اور کسی معرکہ میں یہ نہیں بتایا جا سکتا۔ کہ فلاں حکم فاروق اعظمؓ نے غلط اور غیر مفید دیا تھا۔ یا فلاں انتظام جو فاروق اعظمؓ نے کیا۔ وہ غیر ضروری تھا۔ آپ نے صوبوں کے تمام عمال کو لکھ بھیجا تھا۔ کہ کوئی سپاہی میدانِ جنگ میں مسلسل چار مہینے سے زیادہ نہ روکا جائے۔ چار مہینے کے بعد اس کو اپنے اہل و عیال میں آنے کی رخصت دے دی جائے۔ ایک مرتبہ آپ کو کسی مرض کی وجہ سے کسی نے شہد کھانے کو بتایا۔ آپ کے یہاں شہد نہ تھا۔ نہ کسی اور جگہ سے مل سکتا تھا۔ البتہ بیتُ المال میں تھوڑا سا شہد موجود تھا۔ لوگوں نے کہا۔ کہ آپ اس شہد کو استعمال کریں۔ آپ نے کہا۔ کہ یہ سارے مسلمانوں کا مال ہے۔ جب تک عام لوگ مجھ کو اجازت نہ دیں آپ نے شہد استعمال نہ کیا۔

ایک روز آپ اونٹ کے زخم دھوتے جاتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ مجھ کو خوف معلوم ہوتا ہے۔ کہ کہیں قیامت کے دن مجھ سے اس کی بابت بھی سوال نہ ہو۔ آپ نے ایک روز حضرت سلمانؓ سے دریافت کیا۔ کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ۔ انھوں نے جواب میں فرمایا۔ کہ اگر آپ کسی مسلمان سے ایک درہم یا اس سے کم و بیش وصول کر کے بے جا خرچ کریں۔ تو آپ بادشاہ ہیں ورنہ خلیفہ۔ آپ نے خلیفہ ہونے کے بعد ابتداءً مدتوں تک بیت المال سے ایک حبہ بھی نہیں لیا۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ آپ پر افلاس مستولی ہونے لگا۔ اور فقر و فاقہ

کی نوبت پہنچنے لگی۔ تب آپ نے اصحاب کرام کو مسجد نبویؐ میں جمع کر کے فرمایا۔ کہ میں کاروبار خلافت میں اس قدر مصروف رہتا ہوں کہ اپنے نفقہ کا کوئی فکر نہیں کر سکتا۔ آپ سب مل کر میرے لئے کچھ مقرر کر دیجئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ کہ صبح شام کا کھانا آپ کو بیت المال سے ملا کرے گا۔ فاروقِ اعظمؓ نے اسی کو منظور فرما لیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کہ فاروقِ اعظمؓ کو غصہ آیا ہو اور کسی نے خدا کا ذکر کیا ہو یا خدا کا خوف دلایا ہو یا قرآن شریف کی کوئی آیت پڑھی ہو اور آپ کا غصہ فرو نہ ہو گیا ہو۔ حضرت بلالؓ نے ایک مرتبہ حضرت اسلمؓ سے حضرت عمرؓ کا حال دریافت کیا۔ انھوں نے کہا۔ اس میں شک نہیں۔ کہ آپ تمام آدمیوں سے بہتر ہیں۔ لیکن جب آپ کو غصہ آجاتا ہے۔ تو غضب ہی ہو جاتا ہے۔ حضرت بلالؓ نے کہا کہ اُس وقت تم کوئی آیت کیوں نہیں پڑھ دیا کرتے۔ کہ سارا غصہ اُتر جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ نے ایک حصہ فوج پر ساریہؓ نامی ایک شخص کو سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔ ایک روز خطبہ میں آپ نے تین مرتبہ بلند آواز سے فرمایا۔ کہ "اے ساریہ پہاڑ کی طرف جا۔" چند روز (ایک ماہ) کے بعد ایک ایلچی آیا۔ اور اُس نے جنگ کے حالات سُناتے ہوئے کہا۔ کہ ہم کو شکست ہوا چاہتی تھی۔ کہ ہم نے تین مرتبہ کسی شخص کی آواز سُنی۔ کہ "ساریہ پہاڑ کی طرف جا۔" چنانچہ ہم نے پہاڑ کی طرف رُخ کیا۔ اور خدائے تعالیٰ نے ہمارے دشمنوں کو شکست دے دی۔ جس روز خطبہ میں فاروق اعظمؓ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں۔ اُس روز لوگوں نے کہا۔ کہ آپ یہاں ساریہ کو پُکار رہے ہیں۔ وہ تو نہاوند کے مقام پر کفار کے مقابلے میں مصروف ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اُس وقت میں نے ایسا ہی نظارہ دیکھا کہ مسلمان مصروفِ جنگ ہیں۔ اور پہاڑ کی طرف متوجہ ہونا اِس کے لئے مفید ہے۔ لہٰذا بے ساختہ میری زبان سے یہ الفاظ نکل گئے جب ساریہ کا خط اور ایلچی آیا۔ ٹھیک جمعہ کے روز عین نماز جمعہ کے وقت اُسی تاریخ کا واقعہ اُس خط میں لکھا تھا۔ اور ایلچی نے زبانی بھی بیان کیا۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فاروقِ اعظمؓ سے کہا۔ کہ لوگ آپ سے بہت ڈرتے ہیں۔ اور آپ کی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اور نہ آپ کے سامنے لب ہلا سکتے ہیں۔ فاروق اعظمؓ نے فرمایا۔ کہ واللہ جس قدر یہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں۔ اس سے زیادہ میں ان لوگوں سے ڈرتا ہوں۔

فاروقِ اعظمؓ نے صوبوں کے عاملوں اور گورنروں کو حکم دے رکھا تھا۔ کہ ایامِ حج میں سب

آکر شریکِ حج ہوں۔ آپ خود بھی ہر سال حج کو جاتے رہے۔ عاملوں کے شریک حج کرنے میں ایک خاص مصلحت یہ تھی۔ کہ حج کے موقعہ پر ہر ملک اور ہر صوبے کے لوگوں کو موقع حاصل ہے۔ کہ وہ آکر مجھ سے ملیں اور اپنے عامل میں اگر کوئی نقص دیکھتے ہیں۔ تو اس کی شکایت کریں۔ اور اُسی وقت اس عامل سے بھی جو وہاں موجود ہے۔ جواب طلب کیا جا سکے۔ اس طرح عاملوں کو اپنی عزت بچانے کا بہت خیال رہتا تھا۔ کہ اگر ذرا سی بھی لغزش ہو گئی تو حج کے مجمع عام میں بڑی فضیحت و رُسوائی ہو گی۔ آپ مساوات و جمہوریت کے حقیقی مفہوم سے واقف اور اس کو قائم کرنا چاہتے تھے۔ نہ یہ کہ آپ آج کل کی یورپی جمہوریت کے دل دادہ تھے جو تعلیم اسلامی اور اصولِ اسلامی کے خلاف ہے۔ ایک مرتبہ سرِ منبر ایک عورت نے آپ کو ٹوک دیا۔ اور آپ کے قول کو غلط بتایا۔ عورت نے چونکہ صحیح بات کہی تھی۔ لہٰذا آپ نے مجمع عام میں فوراً اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا۔ آج کل جبہ پوش نفس پرور مولویوں کی طرح اپنے قول کو صحیح ثابت کرنے کے لئے تاویلیں اور دور از حقیقت باتیں بنانے کی مطلق کوشش نہیں کی۔

فتوحات پر ایک نظر

فتوحات فاروقی کا رقبہ ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل بیان کیا جاتا ہے۔ یہ فتوحات ایران اور رُوم کی شہنشاہیوں کے مقابلے میں عرب کی ایک مفلوک الحال اور چھوٹی سی قوم کو حاصل ہوئیں۔ روم کی سلطنت جزیرہ نما بلقان۔ ایشیائے کوچک۔ شام۔ فلسطین۔ مصر۔ سوڈان پر چھائی ہوئی تھی۔ ایران کی سلطنت چند سال پیشتر اس قدر طاقتور تھی۔ کہ رومی سلطنت کو شکست دے کر شام کے ملک میں فاتحانہ بڑھتی ہوئی ساحل بحر اور مصر تک پہنچ گئی تھی۔ ایرانیوں کے قبضہ میں رومیوں سے کم مُلک نہ تھے۔ یہ دونوں سلطنتیں مشرقی و مغربی دنیا پر اپنے اثر شہرت اور تمدن کے اعتبار سے مستولی تھیں۔ اور کوئی تیسری طاقت ان کے مقابلہ پر آنے والی دنیا میں پائی نہیں جاتی تھی ... مسلمانوں کی اس حیرت انگیز کامیابی اور خارقِ عادت فتوحات کے اسباب بیان کرتے ہوئے عیسائی اور غیر مسلم مؤرخ کہتے ہیں۔ کہ رُومی اور ایرانی دونوں سلطنتیں کمزور ہو گئی تھیں اس لئے مسلمانوں کو بہ آسانی فتوحات کا موقع مل گیا۔ لیکن یہ وجہ بیان کرتے ہوئے وہ بھول جاتے ہیں۔ کہ عربوں یا مسلمانوں کی طاقت ان کمزور شدہ سلطنتوں کے مقابلے میں کیا تھی۔ جب مسلمان اور ان دونوں سلطنتوں کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا ہے۔ تو رُومیوں اور ایرانیوں کے درمیان کوئی مخالفت اور لڑائی نہیں تھی۔ نہ رومی ایرانیوں کے

دشمن تھے۔ نہ ایرانی رومیوں کے خون کے پیاسے تھے۔ دونوں سلطنتوں کو الگ الگ اپنی اپنی پوری طاقت مسلمانوں کے مقابلے میں صرف کر دینے کی سہولیت حاصل تھی مسلمانوں کو بیک وقت رومیوں اور ایرانیوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ دونوں سلطنتیں مہذب و متمدن سلطنتیں سمجھی جاتی تھیں۔ اور بہت پرانی حکومتیں تھیں۔ ان کے پاس سامانِ حرب بافراط انتظامات مکمل۔ فوج باقاعدہ مرتب۔ فوجی سردار اور انتظامی اہلکار شائستہ و تجربہ کار موجود مسلمان اور عرب توم ان چیزوں سے تہی دست تھی۔ پھر یوں بھی طاقتوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ ایرانی بھی اور رومی بھی ایک ایک میدان میں دو دو لاکھ سے زیادہ مسلح و آہن پوش لشکر لا سکے۔ در انحالیکہ اس دو لاکھ لشکر کی پشت پر کسی عقب کے مقام پر اسی قدر تعداد کا دوسرا مکمل لشکر بھی موجود ہوتا تھا۔ اور اس دو لاکھ کے لشکر کو لڑتے ہوئے اطمینان ہوتا تھا کہ ہماری امداد کے لیے ہمارے پیچھے ہمارے بھائیوں کی اتنی ہی بڑی تعداد اور موجود ہے لیکن مسلمانوں کی بڑی سے بڑی فوج جو کسی میدان میں جمع ہو سکی ہے۔ وہ تیس چالیس ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ اور یہ تعداد ہمیشہ اپنے دو دو لاکھ حریفوں کو میدان سے بھگانے اور فتح پانے میں کامیاب ہوئی۔ حالانکہ اس کی پشت پر کوئی زبردست فوجی چھاؤنی بھی نہ ہوتی تھی۔ پس یہ کہہ کر فارغ ہو جانا کہ ایرانیوں اور رومیوں کی سلطنتیں پہلے کی نسبت کمزور ہو گئی تھیں نہایت ہی احمقانہ بات ہے اور مسلمانوں کی فتح مندی کے اسباب تلاش کرنے کے کام سے ایک متلاشیٔ حقیقت کو فراغت حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس حقیقت کو اگر تلاش کرنا ہو۔ تو اس بات پر غور کرو۔ ایرانی اور رومی دونوں شرک میں مبتلا تھے۔ اور عرب ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر توحید پر قائم ہو چکے تھے۔ شرک ہمیشہ انسان کو بزدل اور ایمان ہمیشہ بہادر بنا دیتا ہے۔ پس ایمان و توحید کی بدولت عربوں میں وہ سچی بہادری پیدا ہو چکی تھی۔ جو ایمان کے لئے شرط لازم ہے۔ اور جو کسی طاقت سے کبھی مغلوب ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے۔ کہ اسلام نے عربوں کو قرآنِ کریم اور اُسوۂ نبوی کے ذریعہ جہاں بانی کے وہ اصول اور گُر سکھا دیئے تھے۔ کہ اُن کے مقابلے میں ایرانیوں اور رومیوں کی تہذیب اور اصول جہانداری کسی طرح ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکتے تھے مسلمانوں نے جس بستی۔ جس شہر۔ جس ضلع۔ جس صوبے کو فتح کیا۔ وہاں کی غیر مسلم آبادی نے مسلمانوں کی آمد اور مسلمانوں کی حکومت کو جنت خیال کیا۔ اور یہ سمجھا۔ کہ اپنے ہم

مذہبوں کی حکومت سے آزاد ہونا گویا ہمارے لئے دوزخ سے آزاد ہونا تھا۔مفتوح اقوام نے اپنے فاتح عربوں کے اخلاق۔ شفقت علی خلق اللہ۔ عدل۔ رحم۔ سیر چشمی۔ بلند حوصلگی وغیرہ کو دیکھ کر بخوشی اپنے آپ کو ان کے قدموں میں ڈال دیا۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ بنی نوع انسان اپنی انسانیت کو ان عرب فاتحین کی بدولت بچاسکی۔ پس رومیوں اور ایرانیوں کا کیا حوصلہ تھا۔ کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں فتح مند ہو سکتے۔ ایک تیسری بات یہ بھی قابل توجہ ہے کہ اسلام نے عربوں میں نہ صرف بہادری اور شجاعت ہی پیدا کردی تھی۔ بلکہ ان جیسی اتفاق و ایثار اور قربانی کی مثال کسی قوم اور کسی ملک میں ہرگز دستیاب نہ ہو سکے گی۔ جو صحابہ کرام میں اسلام کی بدولت پیدا ہو گئی تھی۔

خلافتِ راشدہ کا نصف اول

آنحضرت صلعم کے بعد صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کا عہدِ اسلام کی دینی و مذہبی حکومت یعنی خلافتِ راشدہ کا نصف اول کہا جا سکتا ہے۔ نصفِ آخر میں حضرت عثمان غنیؓ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہد حکومت ہے۔ خلافتِ راشدہ کے نصفِ اول کا حال بیان ہو چکا ہے۔ آئندہ حضرت عثمان غنیؓ کے حالات سے خلافتِ راشدہ کا نصفِ آخر شروع ہونے والا ہے۔ مذکورہ نصفِ اول کی خصوصیات میں ایک یہ بات ہے۔ کہ کسی جگہ بھی دین کے مقابلے میں دنیا مقدم نظر نہیں آتی۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے مقابلے میں کسی شخص کا واہمہ بھی کسی ذاتی غرض۔ ذاتی منفعت۔ قوم یا قبیلہ کی بے جا حمایت کسی رشتہ داری یا دوستی کے پاس و لحاظ کی طرف نہیں جاتا۔ خالص اسلامی رنگ اور خالص عربی تمدن ہر جگہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہے۔ آنحضرت صلعم کی صحبت میں بیٹھنے اور آنحضرت کے ساتھ معرکوں میں شریک ہونے والے حضرات بکثرت موجود تھے۔ وہی سب کی نگاہوں میں واجب التکریم سمجھے جاتے تھے۔ اور ان کا نمونہ سب کے لئے مشعل راہ تھا۔ مسلمانوں میں نااتفاقی اور پھوٹ کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا تھا۔ میدانِ جنگ میں۔ مسجدوں میں۔ قیام گاہوں میں، شہروں میں، مسافرت کے قافلوں میں غرض ہر جگہ جہاں جہاں مسلمان تھے۔ اتفاق۔ اتحاد۔ یک جہتی اور ایثار کے دریا بہتے ہوئے نظر آتے تھے۔ حسد۔ خود غرضی اور عداوت کا جمعیت اسلامی کے اندر کہیں پتہ نہ چلتا تھا۔ مسلمانوں کا ہر ایک کام خدائے تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے تھا۔ وہ اپنی سادگی کے مقابلے میں ایرانیوں اور رومیوں کے سامان

تکلف اور اسبابِ زینت کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ مسلمانوں کے اندر کوئی اختلافی مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ ہر شخص اپنے آپ کو ہر وقت خدائے تعالےٰ کی جناب میں حاضر سمجھتا۔ اور اپنے قلب کو ہمہ وقت گداز پاتا تھا۔ غرض یہ وہ زمانہ تھا جس میں ہر ساعت اور ہر لمحہ رُشد و سعادت کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ باقی نصف آخر بھی بہت اچھا اور رُشد و سعادت ہی کا زمانہ ہے۔ لیکن وہ اس نصفِ اوّل کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اس نصفِ اوّل میں آنحضرت صلعم کے زمانے کا پورا پورا نمونہ اور عکس موجود نظر آتا ہے۔

مسلمانوں کی ہمت رضائے الٰہی کے حصول اور اعلائے کلمۃ اللہ کی کوشش میں صرف ہوتی تھی۔ مال و دولت کا حاصل کرنا اور عیش جسمانی کی طلب میں ساعی رہنا قطعاً مفقود و معدوم تھا۔ خلیفۂ وقت خلیفہ ہونے سے پیشتر جس طرح پیوند لگے ہوئے کپڑے استعمال کرتا تھا۔ اسی طرح خلیفہ اور تمام اسلامی دنیا کا شہنشاہ بن جانے کے بعد بھی اس کے ملبوس میں کوئی فرق نہ ہوتا تھا۔ وہی پیوند جو مرتبۂ خلافت پر فائز ہونے سے پہلے تھے۔ بعد میں بھی برابر دیکھے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے عراق و شام و مصر کے سرسبز و زرخیز علاقوں کو فتح کیا۔ ایرانی شہروں پر قابض ہوئے۔ لیکن فاروقِ اعظمؓ کے آخر عہدِ خلافت تک ان فاتح مسلمانوں نے شام کے عسائیوں اور ایران کے مجوسیوں کی عیش پرستی و راحت طلبی سے رتی برابر بھی اثر قبول نہیں کیا۔ عراق و فارس کو مسلمانوں نے فتح کیا۔ لیکن اس فاتح فوج کا قیام کوفہ و بصرہ میں چھپروں اور خیموں کے اندر رہا۔ اسی طرح شام کے ملک میں اسلامی لشکر نے شام کے شہروں کو اپنا قیام گاہ نہیں بنایا۔ بلکہ وہ موصل و دمشق کے صحراؤں اور پہاڑوں میں شہروں اور شہریوں کے عیش و تکلفات سے بے خبر قیام پذیر رہتے۔ اور اپنی اس سپاہیانہ زندگی اور صعوبت کشی پر مسرور و مطمئن تھے۔ جس لشکر نے مصر کو فتح کیا۔ اس نے مصر کے سامان عیش رکھنے والے شہروں کو اپنے قیام کے لئے منتخب نہیں کیا۔ بلکہ فسطاط کی چھاؤنی کو جو آج شہرِ قاہرہ کی شکل میں تبدیل ہو گئی ہے پسند کیا۔ صدیقِ اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ نہ صرف خود لوگوں کو زاہدانہ زندگی بسر کرنے کی ترغیب دیتے تھے بلکہ خود اس کے اوپر عمل کر کے بھی انھوں نے اپنا بہترین نمونہ لوگوں کے سامنے رکھ دیا تھا۔ بیت المال کا ایک پیسہ بھی وہ بے جا خرچ نہ کرتے تھے۔ اور نہ کسی کو ایک پیسہ ناجائز

خرچ کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ خلیفۂ وقت بلا امتیاز خاندان وقبیلہ ہر ایک مسلمان کے ساتھ یکساں محبت کرتا۔ اور ہر خطا وار کو بلا امتیاز وقبیلہ یکساں سزا دیتا تھا۔ نہ کبھی خلیفہ کو کسی نے اس طرف متوجہ کیا۔ کہ وہ روپیہ حاصل کرنے اور اپنی مالی حالت درست کرنے کی کوشش میں مصروف ہوئے ہوں۔ اور نہ عام مسلمانوں کو اس طرف کوئی خصوصی توجہ تھی۔ کہ وہ مال ودولت حاصل کریں اور متمول بن جائیں۔ اب اس کے بعد خلافتِ راشدہ کا دوسرا نصف حصہ شروع ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا تمام امتیاز کم ہوتے اور مٹتے ہوئے نظر آنے لگتے۔ اور کم ہوتے ہوتے خلافت راشدہ کے ساتھ ہی تمام امتیازات فنا ہو جاتے ہیں!

چوتھا باب

خلافتِ راشدہ کا نصفِ آخر

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام و نسب عثمانؓ بن عفان بن ابو العاص بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب آپ کی کنیت ابو عمرو ابو عبداللہ تھی زمانہ جاہلیت میں آپ کی کنیت ابو عمرو تھی۔ مسلمان ہونے کے بعد حضرت رقیہؓ سے آپ کے یہاں حضرت عبداللہ پیدا ہوئے۔ تو آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ کی نانی آنحضرت صلعم کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کی حقیقی بہن تھیں۔ جو حضرت عبداللہ کے ساتھ توام پیدا ہوئی تھیں۔ اس طرح حضرت عثمانؓ آنحضرت صلعم کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے۔

فضائل آپ خلقِ حیا میں خاص طور پر ممتاز تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کا قول ہے کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ عثمانؓ میرے پاس سے گذرے تو مجھ سے ایک فرشتے نے کہا۔ کہ مجھے ان سے شرم آتی ہے۔ کیونکہ قوم ان کو قتل کر دے گی۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ جس طرح عثمانؓ خدا اور اُس کے رسولؐ سے حیا کرتے ہیں۔ فرشتے اُن سے حیا کرتے ہیں۔ حضرت امام حسنؓ سے حضرت عثمان غنیؓ کی حیا کا ذکر آیا۔ تو انھوں نے فرمایا۔ کہ اگر کبھی حضرت عثمانؓ نہانا چاہتے تو دروازہ کو بند کرکے کپڑے اُتارنے میں اس قدر شرماتے کہ پُشت سیدھی نہ کر سکتے تھے۔ آپ ذو ہجرتین تھے۔ یعنی آپ نے

حبش کی ہجرت بھی کی اور مدینہ کی بھی۔ آپ شکل و شمائل میں آنحضرت صلعم سے بہت مشابہ تھے۔ آنحضرت صلعم نے قبل از بعثت اپنی بیٹی رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی تھی۔ جب جنگِ بدر کے روز وہ فوت ہو گئیں۔ تو آنحضرت صلعم نے اپنی دوسری بیٹی حضرت اُمِ کلثوم کی شادی آپ سے کر دی۔ اسی لئے آپ ذی النورین کے خطاب سے مشہور ہیں۔ اُمِ کلثومؓ بھی ۹ھ میں فوت ہو گئیں۔ سوائے حضرت عثمان غنیؓ کے اور کوئی شخص دنیا میں ایسا نہیں گذرا۔ جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں رہی ہوں۔ مناسکِ حج سب سے بہتر حضرت عثمانؓ جانتے تھے۔ آپ کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ حضرت عثمان غنیؓ چوتھے مسلمان تھے۔ یعنی آپ سے پیشتر صرف تین شخص ایمان لا چکے تھے۔

آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تحریک سے مسلمان ہوئے تھے۔ آپ صحابہ کرام میں بہت مال دار تھے۔ اور اسی طرح سب سے زیادہ سخی اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے تھے۔ آپ حضرت رقیہؓ کی سخت علالت کے سبب جنگِ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ اور آنحضرت صلعم کی اجازت و حکم کے موافق مدینہ منورہ میں رہے تھے۔ لیکن جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے آپ کو حصہ اُسی قدر ملا۔ جس قدر شرکاءِ جنگ کو ملا۔ اور آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ عثمانؓ کو اصحابِ بدر میں شامل سمجھنا چاہیئے۔ چنانچہ اصحابِ بدر میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے۔ آپ صحابہ کرام میں کثرتِ عبادت کے لئے خصوصی شہرت رکھتے تھے۔ رات بھر کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرتے۔ اور برسوں روزے رکھا کرتے تھے۔ مسجد نبویؐ کی بغل میں ازواج مطہرات کے لئے کچھ زمین آپ نے اپنے خرچ سے خریدی تھی۔

ایک سال مدینہ میں قحط پڑا۔ تو آپ نے تمام محتاجوں کو غلہ دیا۔ مسلمان جب مدینہ میں آئے۔ تو پانی کی وہاں سخت تکلیف تھی۔ ایک یہودی کا کنواں تھا۔ وہ پانی نہایت گراں فروخت کرتا تھا۔ آپ نے وہ کنواں اُس یہودی سے ۳۵ ہزار درہم کو خرید کر وقف کر دیا۔ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ مسلمان ہونے کے بعد ہر ہفتے ایک غلام خرید کر آزاد کیا کرتے تھے۔ آپ نے کبھی اپنے مال دار ہونے پر فخر نہیں کیا۔ اور زمانۂ جاہلیت میں بھی آپ نے کبھی شراب نہیں پی۔ آپ حدیث نبویؐ کو نہایت عمدگی اور احتیاط کے ساتھ روایت کیا کرتے تھے۔ آپ نے جنگِ تبوک کے واسطے ساڑھے چھ سو اونٹ اور پچاس گھوڑے راہ خدا میں پیش کئے۔ عہد جاہلیت میں آپ اُمرائے مکہ میں شمار ہوتے تھے ؂

حلیۂ مبارک آپ میانہ قد چیچک زدہ خوبصورت شخص تھے۔ ڈاڑھی گھنی تھی۔ اس کو حنا سے رنگین رکھتے تھے۔ آپ کی ہڈی چوڑی تھی۔ رنگت میں سرخی جھلکتی تھی۔ پنڈلیاں بھری بھری تھیں۔ ہاتھ لمبے لمبے تھے۔ جسم پر بال تھے۔ سر کے بال گھونگر والے تھے۔ دونوں شانوں میں زیادہ فاصلہ تھا۔ دانت بہت خوبصورت تھے۔ کنپٹی کے بال بہت نیچے تک آتے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ حزم کا قول ہے۔ کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے زیادہ خوبصورت کسی مرد یا عورت کو نہیں دیکھا۔

انتخاب حضرت فاروق اعظمؓ نے انتخاب خلیفہ کے لئے تین دن کی مہلت مقرر فرما کر حضرت مقداد کو حکم دے دیا تھا کہ نامزد شدہ چھ اشخاص کی مجلس، جس جب تک کہ وہ اپنے آپ میں سے کسی کو خلیفہ منتخب نہ کرلیں۔ کسی دوسرے کو نہ جانے دینا۔ صرف عبداللہ بن عمرؓ کو رائے دینے کے لئے شریک ہونے کی اجازت تھی۔ تاکہ اس طرح رائے دہندوں کی تعداد طاق یعنی سات ہو جائے۔ لیکن عبداللہ بن عمرؓ کے لئے پہلے سے آپ نے یہ حکم صادر فرما دیا تھا۔ کہ ان کو ہرگز خلیفہ منتخب نہ کیا جائے۔ اس وقت کسی نے عبداللہ بن عمرؓ کے لئے کہا۔ تو آپ نے فرمایا تھا کہ بارِ خلافت کی ذمہ داری میرے ہی لئے کیا کم ہے۔ کہ میں اپنے خاندان میں دوسروں پر بھی یہ محنت ڈالوں اور اُن کو، بہت سی آسائشوں سے محروم کردوں۔ فاروقِ اعظمؓ سے جب کسی شخص نے خلیفہ کے متعین و نامزد فرما دینے کے لئے کہا۔ تو آپ نے جواب دیا۔ کہ میں صدیق اکبرؓ کی سنت پر عمل کر کے کسی شخص کو خلیفہ مقرر کرنا چاہوں تو ایسا کر سکتا ہوں۔ اور آنحضرت صلعم کی سنت پر عمل کر کے کسی کو اپنے بعد نامزد نہ کروں۔ تو یہ میرے لئے جائز ہے۔ میں اگر اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کرتا۔ تو وہ ابو عبیدہ بن الجراح تھے۔ جو مجھ سے پہلے فوت ہو گئے۔ یا پھر میں ابو حذیفہ کے غلام سالمؓ کو خلیفہ بناتا وہ بھی مجھ سے پہلے فوت ہو گئے۔ یہ فرما کر پھر آپ نے اُن چھ شخصوں کے نام لئے جو اوپر درج ہو چکے ہیں۔

حضرت مقداد الاسود اور حضرت ابو طلحہ انصاری نے وصیت فاروقی کے موافق فاروق اعظمؓ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر حضرت صہیب کو تو عارضی طور پر تین دن کے لئے نا انتخاب خلیفہ مدینہ کا حکمران اور امام مقرر کیا۔ اور خود اپنے آدمیوں کی جمعیت لے کر علیؓ۔ عثمانؓ۔ زبیرؓ سعدؓ۔ عبدالرحمنؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو مسور بن المخرمہؓ اور بقول دیگر حضرت عائشہؓ کے مکان میں جمع کر کے دروازے پر حفاظت کی غرض سے بیٹھ گئے۔ حضرت طلحہؓ مدینہ میں

موجود نہ تھے۔ کوئی اور اس مکان میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ دروازہ پر آکر بیٹھ گئے تھے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ کو معلوم ہوا۔ تو انھوں نے ان دونوں کو دروازے پر بھی نہ بیٹھنے دیا۔ اور وہاں سے اٹھوا دیا۔ تاکہ وہ کہیں یہ نہ کہہ سکیں۔ کہ ہم بھی اصحابِ شوریٰ میں شامل تھے۔ جب سب صاحب اطمینان سے آکر بیٹھ چکے۔ تو سب سے اوّل حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے کھڑے ہو کر کہا۔ کہ جو لوگ خلافت کے لئے نامزد کئے گئے ہیں۔ اُن میں سے کون ایسا ہے۔ جو اپنے آپ کو خلافت سے دست بردار قرار دیتا ہے۔ اُسی کو یہ اختیار دیا جائے گا۔ کہ وہ جس کو تم میں سب میں افضل و لائق سمجھے اُس کو خلیفہ مقرر کردے۔ اس بات کو سُن کر اُس مختصر مجمع میں سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سب خاموش رہے۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے پھر اعلان کیا۔ کہ میں اپنے آپ کو خلافت سے دست بردار قرار دیتا ہوں۔ اور انتخابِ خلیفہ کے کام کو انجام دینے پر تیار ہوں۔ یہ سُن کر سب نے تائید کی اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو اختیار دیا۔ کہ آپ جس کو چاہیں۔ ہم میں سے خلیفہ منتخب فرمادیں۔ مگر حضرت علیؓ بن ابی طالب بالکل خاموش رہے۔ انھوں نے ہاں یا ناں کچھ نہیں کہا۔ تب حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ کہ آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ آپ بھی اپنی رائے کا اظہار کیجئے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں بھی اس رائے سے متفق ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ تم پہلے یہ اقرار کرلو۔ کہ جو فیصلہ کروگے بلا رورعایت اور نفسانیت کو دخل دیئے بغیر محض حق پرستی اور اُمت کی خیر خواہی کے لئے کروگے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا کہ میں تم سے عہد کرتا ہوں۔ کہ بلا رورعایت بلا نفسانیت اور محض امت کی بہتری و بھلائی کے لئے حق پرستی کی بنا پر فیصلہ کروں گا لیکن تم سب اس بات کا اقرار کرو۔ کہ جس کو میں منتخب کروں گا اُس پر رضامند ہو جاؤ گے اور جو میری رائے اور میرے فیصلے کی مخالفت کرے گا۔ تم سب اُس کے مقابلہ میں میری مدد کروگے یہ سُن کر حضرت علیؓ اور تمام مجمع نے اقرار کیا کہ ہم سب تمہارے فیصلہ کی تائید اور اُس کے نفاذ میں تمہاری امداد کریں گے۔

یہ عہد و پیمان ہو جانے کے بعد مجمع منتشر ہوا۔ اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے آئے۔ کیونکہ ابھی تین دن کی مہلت باقی تھی۔ اس دن کے عرصہ میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف برابر صاحب الرائے اور جلیل القدر صحابہ کرام سے اُن کی رائیں دریافت کرتے رہے۔ خود بھی غور و خوض میں

مصروف رہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے الگ لے جاکر دریافت کیا۔ کہ اگر میں آپ سے بیعت نہ کروں۔ تو آپ مجھے کس کی بیعت کرنے کی رائے دیتے ہیں۔ انھوں نے کہا۔ کہ آپ کو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہیے۔ پھر میں نے حضرت علیؓ سے بھی تنہائی میں یہی سوال کیا۔ تو انھوں نے حضرت عثمانؓ کا نام لیا۔ پھر میں نے حضرت زبیرؓ سے دریافت کیا۔ تو انھوں نے کہا۔ کہ علیؓ یا عثمانؓ دونوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ پھر میں نے حضرت سعدؓ سے تنہائی میں دریافت کیا۔ تو انھوں نے حضرت عثمانؓ کا نام لیا۔ پھر میں نے اور صاحب الرائے حضرات سے دریافت کیا۔ تو کثرت رائے حضرت عثمانؓ ہی کی نسبت ظاہر ہوئی۔ سہ روزہ مہلت کی آخری شب کو پھر مذکورہ بالا حضرات کا مجمع اسی مذکورہ مکان میں ہوا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ کو الگ بلاکر کہا۔ کہ عام طور پر علیؓ و عثمانؓ کی نسبت لوگوں کی زیادہ رائیں ظاہر ہوئی ہیں۔ ان دونوں حضرات نے بھی انھیں دونوں کی نسبت اپنی رائے ظاہر کی۔ پھر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کہا۔ کہ آپ تو ہم سے بیعت لے لیں۔ اور ہم کو ان جھگڑوں سے آزاد کر دیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ میں تو ان لوگوں کے دائرہ سے آزاد ہو چکا ہوں۔ جو خلافت کے لئے نامزد ہوئے تھے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت علیؓ اور عثمانؓ کو الگ لے جاکر کچھ باتیں کیں۔ انھیں مشوروں اور باتوں میں صبح ہو گئی۔ یہی صبح انتخابِ خلیفہ کے اعلان ہونے کی صبح تھی۔ لوگ منتظر تھے۔ نمازِ فجر کے بعد تمام مسجد نبویؐ آدمیوں سے کھچا کھچ بھر گئی۔ تمام حضرات مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور منتظر تھے۔ کہ دیکھئے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کیا فیصلہ سناتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے کچھ فرمانے سے پہلے بعض لوگوں نے اپنی اپنی رائے ظاہر بھی کرنی شروع کر دی۔ یہ لوگ اصحابِ شوریٰ میں سے نہ تھے۔ مثلاً حضرت عمارؓ نے کہا کہ میں حضرت علیؓ کو مستحقِ خلافت سمجھتا ہوں۔ ابن ابی سرحؓ اور عبداللہ بن ابی ربیعہؓ نے کہا۔ کہ ہم حضرت عثمانؓ کو زیادہ مستحق و مناسب پاتے ہیں۔ اس قسم کی چہ می گوئیاں شروع ہوئیں تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہا کہ تم اب دیر کیوں کر رہے ہو۔ اندیشہ ہے کہ مسلمانوں میں کوئی فتنہ نہ پیدا ہو جائے۔ تم جلد اپنی رائے کا اظہار کر کے

اس مسئلہ کو ختم کر دو۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اٹھے اور تمام مجمع کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ جہاں تک میری طاقت میں تھا۔ میں نے ہر طبقہ اور ہر گروہ کی رائے معلوم کر لی ہے۔ اور اس کام میں کسی غفلت و کم التفاتی کو مطلق راہ نہیں دی۔ میرے فیصلے سے اب کسی کو انکار کا موقع حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ رضا و رغبت تمام اصحابِ شوریٰ اور نامزدگانِ خلافت نے میرے فیصلے کو ناطق تسلیم کر لیا ہے۔ اور میں اپنی تمام طاقت صحیح فیصلہ تک پہنچنے کے لئے صرف کر چکا ہوں۔ یہ کہکر انھوں نے حضرت عثمان غنیؓ کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔ کہ خدا و رسولؐ کے احکام اور سنتِ شیخین پر چلنے کا اقرار کرو۔ انھوں نے اقرار کیا کہ میں خدا اور رسولؐ کے حکم اور صدیقؓ و فاروقؓ کے نمونے پر چلنے کی کوشش کروں گا۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے بعد سب لوگ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اول اس نظارہ سے کچھ دل گرفتگی ہوئی۔ اور مسجد سے اٹھ کر باہر جانے لگے۔ لیکن پھر کچھ خیال آیا۔ تو فوراً بڑی عجلت و بے تابی کے ساتھ صفوں کو چیرتے ہوئے بڑھے۔ اور حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت طلحہؓ اس روز یعنی یکم محرم کو مدینہ میں موجود نہ تھے۔ اور اسی لئے وہ شریک مشورہ نہ ہو سکے تھے۔ حضرت طلحہؓ اگلے روز یعنی ۲ محرم ۲۴ھ کو مدینہ میں تشریف لائے۔ اور یہ سن کر کہ تمام لوگوں نے بالاتفاق حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بغرضِ بیعت حاضر ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے کہا کہ آپ کی غیر موجودگی میں میرا انتخاب ہو گیا ہے اور زیادہ دنوں آپ کا انتظار نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر آپ مدعئ خلافت ہوں۔ تو میں آپ کے حق میں خلع خلافت کرنے کو تیار ہوں۔ حضرت طلحہؓ نے کہا۔ کہ جب تمام لوگوں نے آپ کی خلافت پر بیعت کر لی ہے تو میں بھی آپ کی خلافت پر رضا مند ہوں۔ میں مسلمانوں میں کوئی فتنہ اور اختلاف ڈالنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر انھوں نے بھی حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

بیعت کے بعد حضرت عثمان غنیؓ ممبر پر کھڑے ہوئے۔ اور لوگوں کو مخاطب کر کے اعمالِ صالحہ کی رغبت دلائی۔ مال و دولت کی فراوانی سے جو غفلت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے ڈرایا۔ اور رضائے الٰہی کو ہمیشہ مقدم رکھنے کی نصیحت کی۔ اس کے بعد صوبوں کے عاملوں اور حاکموں کے نام ایک حکم جاری کیا۔ جس میں فاروقِ اعظمؓ کی وفات اور اپنے

انتخاب کا تذکرہ تھا۔ نیز ان کو تاکید کی گئی تھی۔ کہ جس طرح فاروقِ اعظمؓ کے عہد خلافت میں دیانت وامانت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے ہو۔ اسی طرح انجام دیتے رہو۔

دربارِ عثمانی میں پہلا مقدمہ } فاروق اعظمؓ کی شہادت سے چند روز پیشتر ایک روز ابولولو، ایک خنجر لئے ہوئے ہرمزان کے پاس گیا یہ وہی ایرانی سردار ہرمزان ہے۔ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ جو فاروقِ اعظمؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر مدینہ منورہ میں رہنے لگا تھا۔ ابولولو تھوڑی دیر تک ہرمزان کے پاس بیٹھا ہوا باتیں کرتا رہا۔ اُس وقت وہاں حیرہ کا باشندہ ایک عیسائی غلام جفینہ نامی بھی بیٹھا تھا۔ ان تینوں کو ایک جگہ بیٹھے اور باتیں کرتے ہوئے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے دیکھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کو قریب آتے دیکھ کر ابولولو، وہاں سے اُٹھ کر چل دیا۔ اُٹھتے وقت خنجر جو وہ لئے ہوئے تھا۔ اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔ جس کو گرتے ہوئے اور ابولولو کو اُٹھاتے ہوئے بھی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے دیکھا تھا۔ اُس وقت اُن کو نہ کوئی شبہ گذرا تھا۔ نہ کسی قسم کا خیال اُن کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ لیکن جب ابولولو نے حضرت فاروق اعظمؓ کو زخمی کیا۔ اور اس کے بعد ابولولو گرفتار ہو کر مقتول ہوا۔ تو اس کے پاس سے جو خنجر نکلا۔ اُس کو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے پہچانا۔ کہ یہ وہی خنجر ہے۔ جو چند روز ہوئے۔ اُس کے پاس دیکھا تھا۔ ساتھ ہی انھوں نے مذکورہ بالا تمام واقعہ بھی سُنا دیا۔ ابولولو کے ہرمزان کے پاس جانے اور باتیں کرنے وغیرہ کا حال فاروق اعظمؓ کی شہادت کے بعد جب اُن کے دوسرے صاحبزادے حضرت عبیداللہ بن عمرؓ نے سُنا تو طیش اور انتقام کے جوش میں انھوں نے موقع پاکر ہرمزان پر حملہ کیا۔ ہرمزان زخمی ہو کر گرتا ہوا دیکھ کر سعد بن ابی وقاص عبیداللہ بن عمرؓ کے گرفتار کرنے کو اور عبیداللہ بن عمرؓ جفینہ عیسائی غلام کے بھی قتل کرنے کو دوڑے۔ قبل اس کے کہ عبیداللہ بن عمرؓ جفینہ کے قتل پر قادر ہوں۔ سعد بن وقاصؓ نے ان کو گرفتار کر لیا۔ چونکہ ابھی تک کوئی خلیفہ منتخب نہیں ہوا تھا۔ اور حضرت صہیبؓ ہی عارضی طور پر خلافت کے ضروری کام انجام دے رہے تھے۔ لہٰذا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے عبیداللہ بن عمرؓ کو حضرت صہیبؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت صہیبؓ نے اُن کو خلیفہ کے منتخب ہونے تک کے لئے قید کر دیا۔

اب جب حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ منتخب ہوئے۔ اور بیعتِ عامہ مسجد نبوی میں ہو چکی

اور حضرت عثمان غنیؓ خطبۂ خلافت بھی لوگوں کو سُنا چکے۔ تو سب سے پہلے آپ کی خدمت میں یہ مقدمہ پیش ہوا۔ اور حضرت عبید اللہؓ کو آپ کے سامنے لایا گیا۔ حضرت عبید اللہ بن عمرؓ سے جب ہرمزآن کے قتل کی نسبت دریافت کیا گیا۔ تو انھوں نے قتل کا اقرار کیا۔ اس پر حضرت عثمان غنیؓ نے صحابۂ کرام سے مشورہ لیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ کہ عبید اللہ بن عمرؓ کو ہرمزآن کے قصاص میں قتل کر دینا چاہیئے۔ لیکن حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس رائے سے مخالفت کا اظہار کیا۔ اور کہا۔ کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں۔ ابھی کل پرسوں کی بات ہے۔ کہ باپ مارا گیا ہے۔ آج اُس کے بیٹے کو قتل کرتے ہو۔ اور لوگوں نے بھی عمرو بن العاصؓ کی رائے کی تائید کی۔ حضرت عثمان غنیؓ کچھ شش و پنج میں پڑے۔ لیکن پھر فوراً ہی انھوں نے فرمایا۔ کہ یہ معاملہ نہ عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت کا ہے۔ اور نہ میری خلافت کے زمانے کا۔ کیونکہ میرے خلیفہ منتخب ہونے سے پہلے یہ واقعہ ظہور میں آچکا تھا۔ لہٰذا میں اس کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے یہ بہترین صورت اختیار کی کہ خود عبید اللہ بن عمرؓ کا ولی بن کر اپنے پاس سے ہرمزان کے قتل کی دیت ادا کر دی۔ اور ممبر پر چڑھ کر ایک پُراثر تقریر کی۔ اس طرح تمام لوگ اس فیصلے سے خوش ہو گئے۔ اور حضرت عبید اللہ بن عمرؓ قصاص سے بچ گئے۔

ولایات کے عامل یا گورنر

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ منتخب و مقرر ہوئے ہیں۔ تو اسلامی صوبوں اور ولایتوں پر فاروقِ اعظمؓ کے مقرر کئے ہوئے مندرجہ ذیل عمال حکمران تھے:۔

مکہ میں نافع بن عبد الحراث۔ طائف میں سفیان بن عبد اللہ ثقفی۔ یمن میں یعلیٰ بن اُمیہ۔ عمان میں حذیفہ بن محصن۔ دمشق میں معاویہ بن ابی سفیان۔ مصر میں عمرو بن العاصؓ حمص میں عمر بن سعد۔ اردن میں عمر بن عتبہ۔ بصرہ میں ابو موسیٰ اشعری۔ کوفہ میں مغیرہ بن شعبہ بحرین میں عثمان بن ابی العاصؓ۔

عاملوں کے عزل و نصب کے متعلق سب سے پہلا حکم حضرت عثمان غنیؓ نے یہ جاری کیا۔ کہ مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے مدینہ میں بُلا لیا۔ اور ان کی جگہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کر کے بھیجا۔ لوگوں نے اس تقرر و برطرفی کا سبب دریافت کیا۔ تو اُنھوں نے فرمایا۔ کہ مغیرہ کو کسی خطا پر معزول نہیں کیا گیا۔ بلکہ میں نے

یہ انتظام وصیت فاروقیؓ کے موافق کیا ہے۔ کیونکہ حضرت فاروقؓ اپنے اس منشار کو مجھ سے فرما چکے تھے ۔

عہدِ عثمانی کے قابلِ تذکرہ واقعات

فتح اسکندریہ حضرت عثمان غنیؓ کے ابتدائی سالِ خلافت یعنی ۲۴ھ میں کوئی اہم اور قابلِ تذکرہ واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔ اس جگہ ایک بات بیان کردینی ضروری ہے۔ کہ قیصرِ روم ہرقل کا انتقال اسکندریہ کی فتح سے سات ماہ بعد قسطنطنیہ میں ہو چکا تھا۔ فتح بیت المقدس کے بعد ہرقل ایشیائے کوچک اور شام سے بھاگ کر قسطنطنیہ چلا گیا تھا۔ اور جس قدر مُلک مسلمانوں نے فتح کیا تھا۔ اس کے واپس کرنے سے مایوس اور بقیہ علاقہ کی حفاظت کی تدبیروں میں پریشان تھا۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے جب مصر پر فوج کشی کی۔ تو مقوقش شاہِ مصر نے جزیہ کی ادائیگی پر صلح کرکے مصر و اسکندریہ اُن کے سپرد کردیا تھا۔ ہرقل مصر کو اپنا ایک صوبہ سمجھتا تھا۔ اور مقوقش اس کا ماتحت تھا۔ مصر پر مسلمانوں کے قابض ہونے کی خبر سُن کر ہرقل کو اور بھی صدمہ ہوا اور اسی رنج میں سات مہینے کے بعد فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں فوت ہوا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا قسطنطین تخت نشین ہوا۔ قسطنطین نے اسکندریہ کے اوپر سے مسلمانوں کی سیادت اٹھانے اور براہِ راست اپنے قبضے میں لانے کے لئے ایک زبردست مہم بھیجی۔ رومی فوج جہازوں کے ذریعہ قسطنطنیہ سے روانہ ہوکر ساحلِ اسکندریہ پر اتری۔ اسکندریہ میں مقوقش نے رومیوں کو داخل ہونے سے روکا۔ اور اپنے اس عہد پر جو وہ مسلمانوں سے کر چکا تھا قائم رہا۔

مسلمانوں کو رومیوں کے اس حملہ کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ فسطاط (قاہرہ) سے نکلے۔ اُدھر سے رومی اسکندریہ کو چھوڑ کر اسلامی چھاؤنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ راستے ہی میں مقابلہ ہوا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ رومی فوج کا سپہ سالار اعظم مارا گیا۔ اور بہت سے رومی میدانِ جنگ میں کھیت رہے جو بچے انھوں نے بمشکل فرار اور اپنی کشتیوں پر سوار ہوکر قسطنطنیہ کی راہ لی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے رومیوں کو بھگا کر اسکندریہ اور نواحِ اسکندریہ

کے باشندوں کے تمام اُن نقصانات کی تحقیق کرائی۔ جو رومی فوج کے ذریعہ ہوا تھا۔ ان تمام نقصانات کو عمرو بن العاصؓ نے پورا کیا۔ کیونکہ وہ ذمیوں کی حفاظت اور اُن کو نقصانات سے بچانے کا ذمہ دار اپنے آپ کو سمجھتے تھے۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے شہر اسکندریہ کی شہر پناہ کو منہدم کیا۔ اور اپنی چھاؤنی فسطاط کو واپس چلے آئے۔ اسکندریہ کی شہر پناہ کا منہدم کرانا اس لئے ضروری تھا۔ کہ رومیوں کے حملہ آور ہونے اور اسکندریہ پر قابض ہو جانے کا خطرہ دور ہو جائے۔ یہ واقعہ ۲۵ھ کی ابتدا کا ہے۔

فتح آرمینیا فاروقِ اعظمؓ کی وفات کا حال سُن کر ہی رومیوں میں بھی اسکندریہ پر حملہ کرنے کی ہمت پیدا ہوئی تھی۔ اور اسی خبر کو سُن کر ہمدان ورے وغیرہ ایرانی علاقوں میں بھی بغاوتوں کی سازشیں نمودار ہوئیں۔ ایرانیوں نے کہا کہ ہم اب عربوں کی رعایا بن کر نہ رہیں گے۔ بلکہ اپنی خود مختار حکومتیں قائم کریں گے۔ ان بغاوتوں کا حال سُن کر حضرت عثمان غنیؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ۔ براء بن عازبؓ اور قرظہ بن کعبؓ وغیرہ سرداروں کو مامور فرما دیا۔ ان سرداروں نے بہت جلد اِن بغاوتوں کو فرو کر دیا تھا۔ حضرت سعد بن وقاصؓ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں گورنری سے معزول ہو کر مدینہ منورہ میں آ گئے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے تختِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی حضرت سعد بن وقاصؓ کو پھر گورنری پر مقرر کر دیا۔ اسی زمانہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ کے بیت المال کے عامل یا افسر خزانہ تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جو کوفہ کے گورنر مقرر ہو کر آئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اپنی کسی ضرورت کے لئے کچھ قرض لیا۔ چند روز کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اُس قرض کا تقاضا کیا۔ مگر حضرت سعدؓ اس کو ادا نہ کر سکے۔ اسی میں بات بڑھ گئی۔ اور دونوں صاحبوں کی شکر رنجی و بے لطفی کی خبر مدینہ منورہ میں حضرت عثمان غنیؓ تک پہنچی انھوں نے حضرت سعد بن وقاصؓ کو ۲۵ھ میں کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو مقرر کیا۔ آذربائیجان کی حفاظت کے لئے جو فوج رہتی تھی۔ وہ بھی گورنر کوفہ کے ماتحت سمجھی جاتی تھی اور کوفہ کی چھاؤنی ہی سے باری باری ایک سردار مناسب فوج کے ساتھ آذربائیجان کے لئے روانہ کیا جاتا تھا۔ سعد بن وقاصؓ کے زمانے میں عتبہ بن

فرقد آذر بائیجان میں مقرر تھے۔ سعدؓ کے معزول ہونے پر عقبہ بن فرقد بھی آذر بائیجان سے معزول کر کے بلائے گئے۔ آذر بائیجان والوں نے عقبہ کے جاتے ہی فوراً بغاوت کا علم بلند کیا۔ ولید بن عقبہ نے فوراً آذر بائیجان پر فوج کشی کی۔ آذر بائیجان والوں نے پرانی شرائط پر پھر صلح کی اور جزیہ ادا کرنے لگے۔ ولید بن عقبہ جو عہد فاروقی میں جزیرہ کے عامل تھے۔ اور اب کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے رضاعی بھائی تھے۔ حضرت سعدؓ چونکہ بڑے متقی پرہیزگار شخص تھے۔ اور ولید بن عقبہ زہد و عبادت میں سعدؓ کے مرتبہ کو نہ پہنچتے تھے۔ اس لیے اہلِ کوفہ ولید کے آنے اور سعدؓ کے جانے سے کچھ خوش نہ تھے۔ انھیں ایام میں جب کہ ولید بن عقبہ نے آذر بائیجان پر چڑھائی کی۔

حضرت امیر معاویہؓ عاملِ دمشق نے حبیب بن مسلمہؓ کو آرمینیا کی طرف روانہ کیا تھا۔ اور حبیب بن مسلمہ وہاں کے اکثر شہروں اور قلعوں پر قابض ہو کر رومیوں کو جزیہ ادا کرنے پر مجبور کر چکے تھے۔ یہ خبر سُن کر ایک رومی سردار قیصر قسطنطین کے حکم کے موافق ملیطہ سیواس۔ قونیہ وغیرہ شہروں اور چھاؤنیوں سے اسّی ہزار فوج لے کر براہ خلیج قسطنطنیہ حبیب بن مسلمہ پر چڑھ آیا۔ حبیبؓ نے اس فوج گراں کا حال سُن کر حضرت امیر معاویہؓ کو لکھا انھوں نے فوراً بلا توقف حضرت عثمان غنیؓ کو اطلاع دی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے فوراً ولید بن عقبہ گورنر کوفہ کو لکھا۔ کہ دس ہزار فوج حبیب بن مسلمہ کی مدد کے واسطے آرمینیا کی طرف روانہ کردو۔ یہ فرمان عثمانی حضرت ولید بن عقبہ کو موصل میں ملا۔ جب کہ وہ فتح آذر بائیجان سے واپس کوفہ کی طرف آرہے تھے۔ انھوں نے اسی وقت سلمان بن ربیعہ کو آٹھ ہزار فوج کے ساتھ ارمنیا کی جانب روانہ کردیا۔

حبیب بن مسلمہ اور سلمان بن ربیعہ نے مل کر تمام علاقہ آرمینیا کو فتح کرلیا۔ اور بحر خضر کے کنارے کوہ قاف تک پہنچ گئے۔ وہاں سلمان بن ربیعہ شروان اور تمام علاقہ جبال کو تصرف میں لاتے ہوئے کوفہ کی طرف آئے۔ اور حبیب بن مسلمہؓ حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں بمقام دمشق حاضر ہوئے۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے خود ایک جمعیت لے کر رومی علاقہ پر چڑھائی کی۔ رومی لشکر خوف زدہ ہو کر انطاکیہ وطرطوس کے تمام درمیانی قلعے چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے انھیں قلعوں میں اپنی چھاؤنیاں قائم کر کے ان میں سے بعض قلعوں کو ویران ومسمار بھی کردیا۔ یہ تمام واقعات ۲۵ھ میں وقوع پذیر

ہوئے۔ اب آئندہ ۲۶ھ شروع ہوتا ہے۔

مصر کے واقعات و تغیرات

حضرت عبداللہ ابن سعدؓ المعروف بہ ابن ابی سرح۔ حضرت عثمان غنیؓ کے رضاعی بھائی تھے۔ عہدِ نبوی صلعم میں ایک مرتبہ مُرتد ہو کر پھر صدقِ دل سے مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ان کو مصر کا عامل اور افسر خزانہ بنا کر بھیجا۔ اور عمرو بن العاصؓ کو صرف فوجی افسر رکھا۔ ان فوجی و مُلکی افسروں میں ناچاقی پیدا ہوئی۔ اور حضرت عثمان غنیؓ نے اس ناچاقی سے مطلع ہو کر ۲۶ھ میں حضرت عمرو بن العاصؓ کو قطعاً معزول و برطرف کر کے عبداللہ ابن سعدؓ کو مصر و اسکندریہ میں کامل اختیارات دے دیئے۔ اگرچہ حضرت عبداللہ بن سعدؓ بھی عرب کے مشہور بہادروں اور شہسواروں میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن وہ حضرت عمرو بن العاصؓ کی طرح نہ تجربہ کار تھے نہ مصر میں حضرت عمروؓ کی سی ہر دل عزیزی حاصل کر سکتے تھے۔ حضرت عمروؓ کے معزول ہونے سے اہلِ مصر کو سخت صدمہ ہوا۔ اور وہ اپنے نئے حاکم یعنی عبداللہ بن سعدؓ کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ قیصر قسطنطین نے جب مصر کا یہ حال اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے معزول ہونے کی کیفیت سُنی تو اُس نے اپنے ایک زبردست اور تجربہ کار سپہ سالار کو ایک زبردست فوج دے کر کشتیوں کے ذریعہ اسکندریہ کی جانب روانہ کر دیا۔ شہر میں جو رومی یعنی یونانی لوگ تھے۔ وہ سب اس رومی فوج سے مل گئے غرض کچھ معمولی سی زد و خورد اور خوں ریزی کے بعد اسکندریہ رومی فوج کے قبضہ میں آ گیا۔ یہ خبر سُن کر حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو پھر مصر کا گورنر مقرر کر کے روانہ کیا۔ عمرو بن العاصؓ نے اس ملک میں آتے ہی رومی فوج کے مقابلے کی ایسی تیاریاں کیں اور اس طرح مقابلہ کیا۔ کہ رومیوں کو سخت نقصان برداشت کرنے کے بعد اسکندریہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اب کی مرتبہ عمرو بن العاصؓ نے اسکندریہ کو تیسری مرتبہ فتح کیا تھا۔ اور اس مرتبہ اسکندریہ کے فتح کرنے سے پہلے قسم کھائی تھی۔ کہ تمام شہر کو ویران و مسمار کر دوں گا لیکن فتح کے بعد انھوں نے اپنے لشکر کو خوں ریزی اور قتل و غارت سے قطعاً روک دیا۔ جس جگہ لشکر کو قتل و غارت کی ممانعت کا حکم دیا تھا۔ اُس جگہ ایک مسجد تعمیر کرا دی۔ جس کا نام مسجد رحمت مشہور ہوا۔ جب حضرت عمرو بن العاصؓ ملکِ مصر پر پورے طور پر قابض و متصرف ہو گئے اور تمام انتظاماتِ مُلکی بھی مکمل ہو گئے۔ تو حضرت عثمان غنی خلیفہ وقت نے حضرت

عمرو بن العاص کو مصر کی حکومت سے معزول کر کے ان کی جگہ حضرت عبداللہ بن سعدؓ کو پھر مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ اس مرتبہ حضرت عمروؓ کو اپنے معزول ہونے کا صدمہ ہوا۔ اُدھر عبداللہ کو بھی اپنے مامور و مقرر ہونے کا رنج ہوا۔ کیونکہ وہ مصر کی بگڑی ہوئی حالت کو خود نہ سنبھال سکے تھے۔ اُس کو عمرو بن العاصؓ نے سُدھارا اور اس کے بعد پھر ملک کی حکومت ان کو دے دی گئی۔ اب عبداللہ بن سعد کو یہ فکر ہوئی۔ کہ کسی طرح اپنی گذشتہ بدنامی کی تلافی کر لیں۔

فتح افریقہ

حضرت عبداللہ بن سعدؓ نے حضرت عثمان غنیؓ سے اجازت طلب کی۔ کہ شمالی افریقہ پر چڑھائی ہونی چاہیئے۔ اِس زمانہ میں افریقہ ایک برّاعظم کا نام ہے۔ مگر اُس زمانہ میں افریقہ نام کی ایک ریاست بھی تھی۔ جو طرابلس اور طنجہ کے درمیانی علاقہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن اُس زمانہ میں افریقہ اُن ملکوں کے مجموعہ پر بھی بولا جاتا تھا۔ جو آج کل برّاعظم افریقہ کے شمالی حصہ میں واقع ہیں۔ یعنی طرابلس۔ الجیریا۔ ٹیونس مراکو وغیرہ۔ حضرت عثمان غنیؓ نے عبداللہ بن سعدؓ کو فوج کشی کی اجازت دی۔ انھوں نے دس ہزار فوج کے ساتھ مصر سے خروج کر کے علاقہ برقہ میں سرحدی رئیسوں کو مغلوب کیا۔ ان رئیسوں کو اپنے زمانہ حکومت میں عمرو بن العاصؓ بھی چڑھائی کر کے جزیہ کی ادائیگی پر مجبور کر چکے تھے۔ اور بعد میں موقع پا کر وہ خود مختار ہو گئے تھے۔ اس لئے اب انھوں نے جزیہ کے ادا کرنے اور اپنے آپ کو محکوم تسلیم کرنے میں زیادہ چون وچرا نہیں کی۔ اس کے بعد جب عبداللہ بن سعدؓ ملک کے درمیانی حصے اور طرابلس کی طرف بڑھنے لگے۔ تو حضرت عثمان غنیؓ نے مدینہ منورہ سے ایک فوج مرتب کر کے ان کی مدد کے لئے روانہ کی۔ اس فوج میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ حضرت عمرو بن العاصؓ۔ حضرت حسن بن علیؓ۔ حضرت حسین بن علیؓ۔ حضرت ابن جعفر وغیرہ حضرات شامل تھے۔ یہ فوج مصر ہوتی ہوئی برقہ میں پہنچی۔ تو وہاں عبداللہ بن سعدؓ نے استقبال کر کے اس سے ملاقات کی۔ اب سب مل کر طرابلس کی طرف بڑھے۔ رومیوں نے طرابلس سے نکل کر مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھا کر بھاگے۔ مسلمانوں کا طرابلس پر قبضہ ہو گیا۔ طرابلس پر قبضہ مکمل کر کے خاص ریاست افریقہ کی طرف لشکرِ اسلام بڑھا۔ افریقہ کا بادشاہ جرجیر نامی قیصر کا ماتحت اور خراج گزار تھا۔ اس کو جب اسلامی لشکر کے اپنی طرف متوجہ ہونے کی اطلاع ہوئی۔ تو اُس نے ایک لاکھ بیس ہزار فوج جمع کر کے ایک شبانہ روز کی مسافت پر آ گئے

بڑھ کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل پہنچ گئے۔ تو حضرت عبداللہ بن سعدؓ نے سب سے پہلے عیسائی لشکر کو اسلام کی دعوت دی۔ جرجیر نے اس دعوت کا صاف انکار کیا تو دوبارہ جزیہ ادا کرنے کے لئے کہا گیا۔ جب اُس نے جزیہ ادا کرنے سے بھی صاف انکار کیا تو مسلمانوں نے صف آرائی کرکے لڑائی شروع کی۔ لڑائی بڑے زور شور سے شروع ہوئی۔ فتح و شکست کی نسبت کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی تھی۔ کہ اتنے میں مسلمانوں کی کمک کے لئے ایک تازہ دم فوج پہنچی اور لشکرِ اسلام سے نعرۂ تکبیر بلند ہوا۔

اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے۔ کہ بُعد مسافت کے سبب اس لشکر کی خبر مدینہ منورہ میں جلد نہیں پہنچ سکتی تھی۔ حضرت عثمان غنی نے جب دیکھا۔ کہ لشکرِ افریقہ کی خبر آئے ہوئے زیادہ دن گذر گئے ہیں۔ تو انھوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن زبیرؓ کو ایک دستہ فوج کے ہمراہ افریقہ کی طرف روانہ فرما دیا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زبیرؓ اپنی فوج کے ساتھ لشکرِ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس لئے مسلمانوں نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ جرجیر نے نعرۂ تکبیر سُن کر دریافت کیا۔ کہ مسلمانوں میں کیوں یہ نعرۂ تکبیر بلند ہوا۔ تو اُس کو بتایا گیا۔ کہ مسلمانوں کی ایک تازہ دم فوج مدد کے لئے پہنچ گئی ہے۔ جرجیر یہ سُن کر بہت فکرمند ہوا۔ مگر اس روز لڑائی کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا شام ہوتے پر دونوں فوجیں اپنے اپنے خیموں کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اگلے روز جب لڑائی شروع ہوئی۔ تو عبداللہ بن زبیرؓ نے میدانِ جنگ میں عبداللہ بن سعدؓ کو موجود نہ پاکر سبب دریافت کیا۔ اُن کو بتایا گیا۔ کہ جرجیر نے منادی کرادی ہے۔ کہ جو شخص عبدالرحمٰن بن سعدؓ کا سر کاٹ کر لائے گا۔ اُس کو ایک لاکھ دینار بطور انعام دیئے جائیں گے۔ اور اُس کے ساتھ جرجیر اپنی لڑکی کی شادی بھی کر دے گا۔ لہٰذا عبداللہ ابن سعدؓ جان کے خوف سے میدان میں نہیں آئے۔ عبداللہ بن زبیرؓ یہ بات سُن کر عبداللہ بن سعدؓ کے پاس اُن کے خیمے میں گئے اور کہا کہ تم بھی اپنے لشکر میں منادی کرادو۔ کہ جو شخص جرجیر کا سر کاٹ کر لائے گا۔ اُس کو مالِ غنیمت سے ایک لاکھ دینار دیا جائے گا۔ اور جرجیر کی لڑکی سے اُس کا نکاح کیا جائے گا اور جرجیر کے مُلک کا حاکم اُس کو بنا دیا جائے گا۔

چنانچہ اُسی وقت عبداللہ ابن سعدؓ نے منادی کرائی۔ جس سے جرجیر کو سخت مصیبت پیش آئی۔ عبداللہ بن سعدؓ میدان میں گئے۔ اور آج بھی طرفین نے خوب خوب دادِ شجاعت دی۔ مگر فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ جب رات ہوئی۔ تو مجلس مشورت منعقد ہوئی۔

اور عبداللہ بن زبیرؓ نے رائے دی۔ کہ اسلامی لشکر سے آدھی فوج میدان جنگ میں جا کر دشمن کا مقابلہ کرے۔ اور آدھی خیموں میں رہے۔ جب حسب دستور دونوں فوجیں شام تک لڑتی ہوئی تھک کر ایک دوسرے سے جدا ہوں۔ اور اپنے اپنے خیموں کی طرف متوجہ ہوں۔ تو اُس وقت وہ تازہ دم فوج جو خیموں میں بیٹھی رہی ہے شمشیر بکف رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس طرح ممکن ہے۔ کہ لڑائی کا جلد فیصلہ ہو جائے۔ اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ اگلے دن یعنی تیسرے روز کی جنگ میں نصف فوج صبح سے مصروف جنگ ہوئی۔ اور نصف فوج عبداللہ بن زبیرؓ کی ماتحتی میں خیموں کے اندر منتظر رہی۔ دوپہر تک فریقین لڑتے رہے۔ اور بعد دوپہر ایک دوسرے سے جُدا ہوئے۔ فوراً ابن الزبیرؓ اپنی تازہ دم فوج لے کر خیموں سے نکل پڑے۔ اور رُومیوں پر حملہ آور ہوئے۔ رومی اس حملے کی تاب نہ لا کر اپنے خیموں کی پناہ میں گئے۔ لیکن اُن کو وہاں بھی امن نہ ملی۔ مسلمانوں نے اُن کو گرفتار اور قتل کرنا شروع کیا۔ جرجیر نے مقابلہ کیا۔ ابن الزبیرؓ نے اُس کو تلوار کے ایک ہی وار سے قتل کر دیا۔ اگلے روز مسلمان اس میدان سے کوچ کر کے آگے بڑھے اور افریقہ کے دارالصدر شہر سبیطلہ کا محاصرہ کیا۔ چند روز کے بعد اس کو فتح کر کے بے حد و بے شمار مالِ غنیمت پر قبضہ پایا۔ سواروں کو فی کس تین تین ہزار دینار ملے۔ شہر سبیطلہ کی فتح کے بعد مسلمانوں نے آگے بڑھ کر قلعہ جم کا محاصرہ کیا۔ جس کو اہل افریقہ نے خوب مستحکم کر رکھا تھا۔ اُس کو بھی مسلمانوں نے امان کے ساتھ فتح کر لیا۔ اہلِ افریقہ نے اسلامی طاقت کے آگے اپنے آپ کو مغلوب و مجبور دیکھ کر دس لاکھ دینار جزیہ دے کر صلح کر لی۔ ابن زبیرؓ فتح افریقہ کی بشارت اور مالِ غنیمت کا خمس لے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور حضرت عثمان غنیؓ خلیفۂ وقت کی خدمت میں پیش کیا اس خمس کو مروان الحکم نے پانچ لاکھ کے عوض خرید لیا۔ عبداللہ بن سعدؓ ایک برس تین مہینے کے بعد ۲۷ھ میں افریقہ سے مصر کو واپس آئے۔ افریقہ والوں نے بجائے جرجیر کے اپنا ایک اور بادشاہ منتخب کر لیا۔ اور مسلمانوں کو مقررہ جزیہ ادا کرنے لگے۔ افریقہ اُسی ریاست یا اُسی ملک کا نام سمجھنا چاہیئے۔ جس کو قرطاجنہ کا ملک کہتے تھے۔

فتح قبرص و روڈس

عبداللہ بن سعدؓ جب علاقہ قرطاجنہ یا افریقہ سے مصر واپس چلے آئے۔ اور اسی سال یعنی ۲۷ھ میں اُن کی جگہ عبداللہ بن نافعہ مصر کے گورنر مقرر ہوئے۔ تو قسطنطین نے پھر جنگی تیاریاں شروع کیں۔ ۲۸ھ میں اس

نے ایک بحری فوج افریقہ کی طرف روانہ کی۔ اس فوج نے ساحلِ افریقہ پر اُتر کر اس خراج کا مطالبہ اہلِ افریقہ سے کیا۔ جو وہ قیصر کو پہلے دیا کرتے تھے۔ اہلِ افریقہ نے اب قیصر کو خراج کے دینے سے انکار کیا۔ اور کہا۔ کہ جب ہمارے ملک پر مسلمان حملہ آور ہوئے تو قیصر ہماری کوئی امداد نہ کر سکا۔ لہٰذا اب اس کی سیادت تسلیم کرنا اور اس کو خراج دینا ہمارے لئے ضروری نہیں یہاں تک کہ اہلِ افریقہ اور رومی لشکر میں مقابلہ ہوا۔ رومیوں نے اہلِ افریقہ کو شکست دی اور وہاں سے اسکندریہ کی طرف بڑھے۔ یہاں عبداللہ بن نافعہ نے مدافعت اور مقابلہ کی تیاری کی۔ رومی سردار افریقہ کی طرف سے اسکندریہ کی طرف آیا۔ تو قیصر روم خود چھ سو کشتیاں لے کر اسکندریہ کے ارادے سے روانہ ہوا۔ دونوں طرف سے رومی لشکر اسکندریہ پر قبضہ کرنے کے لئے آگئے۔ ادھر سے اسلامی لشکر نے مقابلہ کیا۔ سخت خوں ریز لڑائی ہوئی۔ اور نتیجہ یہ ہوا۔ کہ قسطنطین اور اُس کی فوج باحالِ تباہ اسکندریہ سے فرار ہو کر قبرص کی طرف گئے۔ قبرص کو انھوں نے اپنا بحری مرکز اور جنگی سامان کا صدر مقام بنا کر رکھا تھا۔ اس کیفیت کو یہیں ملتوی چھوڑ کر حضرت امیر معاویہؓ کا حال بھی اس موقع پر تھوڑا سا عرض کر دینا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ سلسلہ مضمون پورے طور پر مربوط ہو سکے ۔

وفاتِ فاروقی کے وقت حضرت امیر معاویہؓ دمشق و اردن کے گورنر تھے۔ اور حمص و قنسرین کے حاکم حضرت عمیر بن سعید انصاریؓ تھے۔ وفاتِ فاروقی کے بعد حضرت عمیرؓ بن سعید نے استعفا داخل کیا۔ تو حضرت عثمان غنیؓ نے حمص و قنسرین کا علاقہ بھی حضرت امیر معاویہؓ کے دائرہ حکومت میں داخل کر دیا۔ اس کے بعد جب عبدالرحمٰن بن علقمہ حاکم فلسطین فوت ہوئے تو حضرت عثمان غنیؓ نے فلسطین کا ملک بھی حضرت امیر معاویہ کی حکومت میں دے دیا اس طرح رفتہ رفتہ ۲۶ھ میں حضرت امیر معاویہؓ تمام اضلاع شام کے مستقل حاکم ہو گئے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے خلافتِ فاروقی کے آخر ایام میں ساحل شام سے روانہ ہو کر جزیرہ قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت فاروق اعظمؓ سے چاہی تھی۔ فاروق اعظمؓ کو بحری حملہ کی اجازت دینے میں تامل تھا۔ اور بحری حملہ کی اجازت حاصل نہ ہونے پائی تھی۔ کہ فاروقؓ اعظم شہید ہو گئے اب حضرت عثمان غنیؓ سے امیر معاویہؓ نے بحری حملہ کی اجازت چاہی اور دربارِ عثمانی سے چند شرائط کے ساتھ اجازت حاصل ہو چکی تھی۔ منجملہ اور شرائط کے ایک شرط یہ تھی کہ اس لڑائی اور بحری حملہ میں جس شخص کا جی چاہے وہ شریک ہو۔ کسی کو ہرگز شرکت کے لئے مجبور

نہ کیا جائے۔

چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ کی تحریک سے ایک گروہ قبرص پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ جس میں حضرت ابوذر غفاریؓ۔ حضرت ابوالدرداءؓ۔ شداد بن اوسؓ۔ عبادہ بن صامتؓ اور ان کی بیوی ام حرامؓ بنت ملحان بھی شامل تھے۔ اس گروہ مجاہدین کی سرداری حضرت عبداللہ بن قیسؓ کو دی گئی۔ مجاہدین کا لشکر کشتیوں میں سوار ہوکر قبرص کی طرف روانہ ہوا۔ قسطنطین قیصر روم اسکندریہ سے شکست کھا کر قبرص میں آیا۔ تو اس کے تعاقب میں مصر کا اسلامی لشکر بھی کشتیوں میں سوار ہوکر پہنچ گیا۔ ادھر مصر سے اسلامی لشکر قبرص میں پہنچا۔ ادھر ساحل شام سے مذکورہ بالا اسلامی لشکر قبرص کے ساحل پر اُترا۔ جس وقت کشتی سے ساحل پر ام حرامؓ اُتریں تو گھوڑا بدک کر بھاگا۔ وہ گر پڑیں اور فوت ہوگئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق یہی پیشین گوئی کی تھی۔ جو حرف بحرف پوری ہوگئی۔ قسطنطین قبرص میں تاب مقابلہ نہ لاسکا۔ یہاں سے بہزار خرابی فرار ہوکر قسطنطنیہ پہنچا۔ اور وہاں فوت ہوا۔ لیکن بروایت دیگر اہل قبرص ہی نے قسطنطین کو مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست پر شکست کھاتے دیکھ کر ایک روز جب کہ وہ حمام میں گیا ہوا تھا۔ موقع پاکر قتل کردیا تھا۔ قبرص پر بڑی آسانی سے مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ حضرت امیر معاویہؓ بھی معہ لشکر قبرص میں پہنچ گئے۔ قبرص سے فارغ ہوکر انھوں نے روڈس کا ارادہ کیا۔ روڈس والوں نے خوب جم کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ کئی خونریز معرکوں کے بعد روڈس پر بھی اسلامی لشکر کا قبضہ ہوگیا۔ اسی جزیرے میں ایک بہت بڑا تانبے کا بُت تھا۔ جس کی ایک ٹانگ جزیرہ کے ساحل پر اور دوسری ٹانگ ساحل کے قریبی ٹاپو پر تھی۔ اور ان دونوں ٹانگوں کے بیچ میں اتنی چوڑی آبنائے تھی۔ کہ جہاز اس کے اندر ہوکر گذر جاتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اس بُت کو توڑ کر اس کے تانبے کے ٹکڑے اسکندریہ والی فوج کے ہمراہ اسکندریہ روانہ کردیئے۔ جہاں ان کو ایک یہودی نے خرید لیا تھا۔ قبرص و روڈس کی فتوحات سے حضرت امیر معاویہؓ کی شہرت و ہردلعزیزی میں بہت بڑا اضافہ ہوا۔ کیونکہ ان بحری فتوحات نے مسلمانوں کے لئے قسطنطنیہ اور دوسرے ملکوں پر چڑھائیوں کا گویا ایک دروازہ کھول دیا تھا۔ یہ تمام واقعات ۲۸ھ کے آخر یا ۲۹ھ کے شروع زمانہ تک کے ہیں۔

ایران میں تغیرات انتظامی:- ۲۹ھ کے ابتدائی ایام میں بصرہ والوں نے اپنے گورنر

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی شکایت مدینے میں آکر خلیفہ وقت سے کی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے
حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کی حکومت سے معزول کر کے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ
بن عامر کرز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس کو مقرر فرمادیا۔ اس وقت عبداللہ بن عامر کی عمر قریباً پچیس سال کی
تھی۔ ان کو حضرت عثمانؓ نے نہ صرف ابوموسیٰ اشعریؓ کے لشکر کی بلکہ عثمان بن العاص ثقفی والی عمان و
بحرین کے لشکر کی بھی سرداری سپرد کی، عبیداللہ بن معمر خراسان کے گورنر تھے۔ ان کو وہاں سے
خلیفہ وقت نے تبدیل کر کے فارس کے صوبہ کی گورنری تفویض کی اور خراسان کی حکومت پر عمیر بن عثمان
بن سعد کو مقرر فرمایا۔ عمیر بن عثمان نے خراسان پہنچتے ہی نہایت ہی مستعدی اور قوت کے ساتھ ملک کا
انتظام کیا۔ اور فرغانہ تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ۲۸ھ کے آخر اور ۲۹ھ کے شروع میں عمیر بن
عثمان خراسان کی گورنری سے معزول ہوئے۔ اُن کی جگہ ابن احمر مامور ہوئے۔ اور عبدالرحمٰن
بن عبس کرمان کی حکومت پر مقرر کئے گئے۔ چند روز کے بعد کرمان کی گورنری سے عبدالرحمٰن
معزول ہوئے۔ اور ان کی جگہ عاصم بن عمرو مقرر ہوئے۔ اور سجستان کی گورنری عمران بن الفضیل
کو دی گئی ॥

اہل ایران کی بغاوت اور اسلامی فتوحات مندرجہ بالا تبدیلیاں چونکہ جلد جلد وقوع پذیر
ہوئیں۔ لہٰذا ایرانیوں نے انتظامی تغیرات کو
اپنے لئے ایک غیبی تائید سمجھ کر آپس میں سازشیں شروع کر دیں۔ اور بغاوت پر آمادہ
ہو کر اسلامی لشکر کے مقابلہ کی تیاریاں کرلیں۔ ان تیاریوں اور بغاوتوں کے مرکز اصطخر
اور جور دو مقام تھے۔ عبیداللہ بن معمر فارس کے گورنر نے ان باغیانہ سازشوں اور تیاریوں
کا حال سن کر ۲۷ھ میں اصطخر والوں پر چڑھائی کی۔ اصطخر کے دروازہ پر لڑائی ہوئی اور
عبیداللہ بن معمر شہید ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن معمر کے شہید ہوتے پر ان کی فوج وہاں سے
فرار و منتشر ہوگئی۔ یہ خبر سُن کر عبداللہ بن عامر حاکم بصرہ اپنا لشکر لے کر فارس کی طرف بڑھے
ان کے مقدمۃ الجیش کی سرداری عثمان بن العاص کے سپرد تھی۔ عبداللہ بن عامر تو اصطخر کی
طرف گئے۔ اور ہرم بن حیان کو جور کا محاصرہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اصطخر کے نواح میں ایرانیوں
نے جمعیت کثیر کے ساتھ بڑی بہادری و پامردی سے اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا۔ بڑی خوفناک
اور خوں ریز جنگ ہوئی۔ بالآخر ایرانی مسلمانوں کے مقابلہ سے بھاگے۔ مسلمانوں نے اصطخر پر قبضہ
کیا۔ اور باغیوں کے قتل و غارت میں کمی نہ کی۔

ہرم بن حیان کو جور کا محاصرہ کئے ہوئے ایک مدت گذر چکی تھی۔ ہرم بن حیان دن بھر روزہ رکھتے اور دشمنوں سے لڑتے۔ شام کو افطار کر کے نماز میں مصروف ہو جاتے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا۔ کہ افطار کے بعد ان کو کھانے کے لیے روٹی نہ ملی۔ انھوں نے اگلے دن اس حالت میں روزہ رکھا۔ اس روز بھی کھانا نہ ملا۔ غرض اسی طرح ان کو ایک ہفتہ ہو گیا کہ روزہ پر روزہ رکھتے رہے۔ جب ضعف بہت بڑھ گیا۔ تو انھوں نے اپنے خادم سے کہا کہ بیٹے تجھ کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ میں ایک ہفتے سے پانی کے ساتھ روزہ افطار کر کے روزہ پر روزہ رکھ رہا ہوں۔ اور تو مجھ کو کھانے کے لیے روٹی نہیں دیتا۔ خادم نے کہا میرے سردار! میں روزانہ آپ کے لیے روٹی پکا کر جاتا ہوں۔ تعجب ہے۔ کہ آپ کو نہیں ملتی۔ اگلے روز خادم نے روٹی پکا کر حسب معمول رکھی۔ اور خود گھات میں بیٹھ کر روٹی کی نگرانی کرنے لگا۔ کہ دیکھوں کون آ کر روٹی لے جاتا ہے۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ شہر کی طرف سے ایک کتا آیا۔ اور روٹی اٹھا کر چل دیا۔ خادم بھی آہستہ سے اٹھ کر اُس کتے کے پیچھے ہو لیا۔ کتا روٹی لیے ہوئے شہر پناہ کی طرف گیا۔ اور ایک بدرو کے راستے شہر میں داخل ہو گیا۔ خادم یہ دیکھ کر واپس لوٹا۔ اور ہرم بن حیان کی خدمت میں تمام واقعہ عرض کیا۔ ہرم بن حیان نے اس کو تائید غیبی سمجھا۔ اور چند بہادر آدمیوں کو لے کر رات کے وقت اسی بدرو کے راستے شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ اور پاسبانوں کو قتل کر کے فوراً شہر کا دروازہ کھول دیا۔ اسلامی فوج نے شہر میں داخل ہو کر شہر کو فتح کیا۔ اور اس طرح بآسانی جور پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے یہاں یعنی شہر جور میں بھی اور اصطخر میں بھی باغیوں کو سخت سزائیں دے کر آئندہ کے لیے بغاوت کا سد باب کیا۔ اس فتح کی خبر مسلمانوں نے مدینہ منورہ کو بھیجی اور آئندہ کے لیے خلیفہ وقت سے ہدایات طلب کیں۔

۲۹ھ کا حج حضرت عثمان غنیؓ مدینہ منورہ سے مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ حج بیت اللہ کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ منیٰ میں پہنچ کر حکم دیا۔ کہ خیمہ نصب کریں اور حاجیوں کو جمع کر کے اس میں ضیافت کریں۔ لوگوں نے اس بات کو بدعت سمجھ کر ناپسند کیا۔ کیونکہ آنحضرت صلعم اور صدیقؓ و فاروقؓ کے زمانے میں ایسا نہیں ہوا تھا۔ اسی سفر میں قبیلہ جہینہ کی ایک عورت حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ یہ عورت پہلے بیوہ تھی پھر اس نے عقد ثانی کیا۔ اور بعد نکاح صرف چھ مہینے گذرنے پر اس کے لڑکا پیدا ہوا حضرت عثمانؓ نے اس عورت پر رجم کرنے کا حکم دیا۔ جب اس حکم کی خبر حضرت علیؓ کو پہنچی۔ تو وہ حضرت

عثمان غنی کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ حمل اور دودھ پلانے کی مدت تیس مہینے ہے۔ اور مدتِ رضاعت قرآن مجید میں دوسری جگہ بیان کی گئی ہے۔ کہ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ۔ پس دودھ پلانے کی مدت دو سال یعنی چوبیس مہینے تیس مہینے میں سے خارج کریں۔ تو باقی حمل کی اقل مدت چھ مہینے رہتی ہے۔ لہٰذا اس عورت پر زنا یقینی طور پر ثابت نہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت علیؓ کا یہ کلام سن کر فوراً آدمی دوڑایا۔ کہ اس عورت کو رجم نہ کیا جائے۔ لیکن اس آدمی کے پہنچنے سے پہلے اس کو رجم کیا جا چکا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کو اس کا سخت ملال و افسوس رہا۔ اسی سال حضرت عثمان غنیؓ نے مسجد نبویؐ کی توسیع کی۔ مسجد کا طول ایک سو ساٹھ گز اور عرض ایک سو پچاس گز رکھا۔ اور پتھر کے ستون لگائے در و دیوار میں تمام پختہ بنوائیں۔

۳۰ ہجری ولید بن عقبہ جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ کوفہ کی گورنری پر مامور تھے۔ ابو زبیدہ شاعر جو پہلے نصرانی تھا۔ اور اب مسلمان ہونے کے بعد بھی شراب خوری سے باز نہ آیا تھا۔ ولید بن عقبہ کی صحبت میں زیادہ رہتا تھا۔ لوگوں نے ولید بن عقبہ کو بھی شراب خوری کا الزام لگایا۔ رفتہ رفتہ یہ شکایت دربارِ خلافت تک پہنچی۔ وہاں سے ولید بن عقبہ کی طلبی کا حکم آیا۔ یہ مدینہ منورہ میں جواب دہی کے لئے حاضر ہوتے۔ ان کے مخالف شکایتیں کرنے بھی مدینہ میں پہنچ گئے۔ ولید جب مدینہ میں گئے۔ اور حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو انہوں نے ولید سے مصافحہ کیا۔ لوگوں کو یہ مصافحہ کرنا بھی ناگوار گذرا۔ پھر شراب خوری کے الزام کی تحقیق شروع ہوئی۔ تو کوئی ایسا گواہ پیش نہ ہوا۔ جو یہ کہے کہ میں نے ولید کو شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ لہٰذا شک و شبہ کی حالت میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے حد جاری کرنے میں تامل کیا۔ لوگوں نے اس تامل و توقف پر بھی بدگمانی کو راہ دی۔ بالآخر دربارِ خلافت میں یہ گواہی پیش ہوئی۔ کہ ہم نے ولید بن عقبہ کو شراب پیتے ہوئے تو نہیں دیکھا۔ لیکن شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے حکم دیا۔ کہ ولید کے دُرّے لگائے جائیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس مجلس میں موجود تھے۔ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے ولید کے دُرّے مارنے شروع کئے۔ جب چالیس دُرّے لگ چکے۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے روک دیا اور کہا کہ اگرچہ

فاروق اعظمؓ نے شراب خور کے اسی دُرّے لگائے ہیں، اور وہ بھی درست ہیں۔ لیکن صدیق اکبرؓ نے شراب خوری کے چالیس دُرّے لگائے ہیں۔ اور مجھ کو اس معاملہ میں صدیق اکبرؓ کی تقلید زیادہ محبوب ہے۔ اس کے بعد خلیفۂ وقت نے ولید بن عقبہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے اُن کی جگہ سعید بن العاصؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔

حضرت ابوذر غفاری کا واقعہ

اسی سنہ میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا واقعہ پیش آیا۔ کہ وہ مُلکِ شام میں حضرت امیر معاویہؓ کی ماتحتی میں تشریف رکھتے تھے۔ وہاں انھوں نے آیۂ کریمہ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ کے معانی ومطالب میں امیر معاویہؓ سے مخالفت کی۔ ابوذر غفاریؓ فرماتے تھے۔ کہ روپیہ کا جمع کرنا اور سب کا سب راہِ خدا میں خرچ نہ کر دینا کسی طرح جائز نہیں۔ اور حضرت امیر معاویہؓ فرماتے تھے۔ کہ انفاق فی سبیل اللہ سے مُراد زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے۔ جس روپیہ کی زکوٰۃ ادا کی جائے اُس کا جمع ہونا گناہ نہیں ہے۔ اگر روپیہ کا بلا شرط جمع کرنا گناہ ہوتا۔ تو قرآن کریم میں ترکہ کی تقسیم اور وراثت کے حصص کا ذکر نہ ہوتا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کے اس عقیدہ کا حال وہاں کے لوگوں کو معلوم ہوا تو سب نے اُن کا مذاق اُڑایا۔ اور نوعمر لوگ خاص کر زیادہ تمسخر کرنے لگے۔ حضرت ابوذرؓ کا اصرار اور بھی ترقی کرتا گیا۔ یہاں تک نوبت پہنچی۔ کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کو اس کیفیت کی اطلاع دی۔ خلیفۂ وقت نے حکم بھیجا۔ کہ حضرت ابوذرؓ کو نہایت تکریم کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ کر دو۔ مدینہ میں آ کر حضرت ابوذرؓ نے اپنے عقیدے کا اعلان شروع کر دیا۔ چونکہ ان کے مزاج میں درشتی تھی۔ لہٰذا لوگ ان سے عموماً چشم پوشی و درگذر ہی کرتے تھے۔ لیکن یہاں بھی نوعمر اور خوش طبع لوگ موجود تھے۔ وہ کبھی نہ کبھی ان کو چھیڑ ہی دیتے تھے۔ اتفاقاً اس عرصہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی وفات ہوئی۔ وہ بہت مال دار شخص اور عشرہ مبشرہ میں شامل تھے۔ کسی نے حضرت ابوذرؓ سے کہا۔ کہ عبدالرحمٰنؓ نے اس قدر دولت چھوڑی ہے۔ اُن کی نسبت آپ کا کیا حکم ہے۔ اُنھوں نے بلا تامل حضرت عبدالرحمٰنؓ پر بھی اپنا فتویٰ جاری کر دیا۔ اس پر حضرت کعبؓ احبار جو حضرت فاروق اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں مسلمان ہوئے تھے۔ اور بنی اسرائیل کے زبردست عالم تھے۔ معترض ہوئے۔ ابوذرؓ نے یہ کہہ کر

کہ اے یہودی تجھ کو ان مسائل سے کیا واسطہ اپنا عصا اٹھایا۔ اور کعب احبار پر حملہ آور ہوئے۔ کعب احبار بھاگے۔ اور حضرت عثمان غنیؓ کی مجلس کی طرف گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے ابو ذرؓ بھی اپنا عصا لئے ہوئے پہنچے۔ بڑی مشکل سے حضرت عثمانؓ کے غلاموں نے کعب احبار کو بچایا۔ اور حضرت ابو ذرؓ کو باز رکھا۔ حضرت ابوذرؓ کا غصہ جب فرو ہوا۔ تو وہ خود حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا۔ کہ میرا عقیدہ تو یہی ہے کہ سب کا سب مال خدا خدا کی راہ میں خرچ کر دینا واجب ہے۔ شام کے لوگوں نے میری مخالفت کی اور مجھ کو ستانا چاہا۔ اب مدینہ میں بھی لوگ اسی طرح میری مخالفت کرنے لگے ہیں۔ آپ بتائیں۔ کہ میں کیا تدبیر اختیار کروں اور کہاں چلا جاؤں۔ اس پر حضرت عثمان غنیؓ نے اُن کو مشورہ دیا کہ آپ مدینہ سے باہر کسی گاؤں میں سکونت اختیار فرمالیں۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام موضع ربذہ میں جاکر سکونت پذیر ہوگئے ؂

خاتم نبوی

آنحضرت صلعم کی انگشتری جس سے خطوط اور فرامین پر مُہر کیا کرتے تھے۔ وفات نبویؐ کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تھی۔ حضرت عائشہؓ نے وہ انگوٹھی جب کہ صدیق اکبرؓ خلیفہ منتخب ہوگئے۔ تو اُن کو سپرد کر دی۔ صدیق اکبرؓ کے بعد وہ انگوٹھی فاروق اعظمؓ کے پاس رہی۔ فاروق اعظمؓ نے جب کہ انتخاب خلیفہ کا کام اصحاب شوریٰ کے سپرد کیا۔ وہ انگوٹھی اُم المومنین حضرت حفصہؓ کو سپرد کر دی۔ کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو اُس کو پہنچا دی جائے۔ جب حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔ تو حضرت حفصہؓ نے وہ انگشتری اُن کی خدمت میں پہنچا دی۔ اسی سال یعنی ۳۰ھ میں مدینہ میں دو میل کے فاصلے پر ایک کنوئیں میں جس کا نام بیر اریس ہے۔ وہ انگشتری حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ سے گر گئی۔ اس کنوئیں کا تمام پانی سینچ دیا گیا۔ اور انگوٹھی کے لئے بڑی ہی تلاش و کوشش کی گئی لیکن وہ کہیں ہاتھ نہ آئی۔ خاتم نبویؐ کے اس طرح غائب ہو جانے سے حضرت عثمان غنیؓ کو سخت ملال ہوا۔ اسی وقت سے حضرت عثمان غنی پر حادثات وفتن کا نزول شروع ہوا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اس انگوٹھی کے گم ہو جانے پر ایک اور انگوٹھی بالکل اسی نمونہ اور اسی شکل و شمائل کی بنوائی تھی ؂

اسی سال جب مسجد نبویؐ میں نمازیوں کی کثرت ہوئی۔ اور جمعہ کے دن ایسی کثرت

ہونے لگی۔ کہ اذان کی آواز سب نمازیوں تک پہنچنی دشوار ہوئی۔ تو حضرت عثمان غنیؓ نے حکم دیا۔ کہ مؤذن بلند مقام پر چڑھ کر خطبہ کی اذان سے پہلے ایک اور اذان دیا کریں۔ اس طرح جمعہ کے دن دو اذانیں ہونے لگیں۔ اسی سال حضرت عثمان غنیؓ نے صحابہ کرام کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی عراق و شام کی جائدادیں فروخت کر کے مدینہ۔ مکہ۔ طائف وغیرہ میں جائدادیں خرید لیں۔ چنانچہ اکثر صحابہؓ نے اس پر عمل بھی کیا۔

فتح طبرستان سعید بن العاصؓ نے کوفہ کی گورنری پر مامور ہو کر اور کوفہ پہنچ کر ایک لشکر مرتب کیا۔ اس لشکر میں حسن بن علیؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ ابن عمروؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ حذیفہ بن الیمانؓ وغیرہ بھی شامل تھے۔ اس لشکر کے ساتھ سعید بن العاصؓ نے طبرستان پر حملہ کر کے طبرستان و جرجان کے تمام علاقے اور مشہور شہروں کو فتح کر لیا۔ اور یزید بن المہلب کو قومس کی طرف روانہ کیا۔

اشاعت قرآن مجید حضرت حذیفہ بن الیمانؓ جب بصرہ۔ کوفہ۔ رے۔ شام وغیرہ ہوتے ہوئے مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے تو انھوں نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے۔ کہ عراق والے قرآن مجید کو ایک اور قرأت پر پڑھتے۔ اور شام والے کسی دوسری قرأت کو پسند کرتے ہیں۔ بصرہ والوں کی قرأت کوفہ والوں سے اور کوفہ والوں کی قرأت فارس والوں سے الگ ہے۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ سب کو ایک ہی قرأت پر جمع کیا جائے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے صحابہ کرام کو جمع کر کے مجلس مشورت منعقد کی۔ سب نے حذیفہ بن الیمانؓ کی رائے کو پسند کیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس سے قرآن مجید کا وہ نسخہ منگوایا جو خلافت صدیقی میں حضرت زید بن ثابتؓ اور دوسرے صحابہ کے زیر اہتمام جمع اور مرتب ہوا تھا۔ اور اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس پھر ان کے بعد فاروق اعظمؓ کے زیر تلاوت رہا۔ اور فاروق اعظمؓ کی شہادت کے بعد حضرت حفصہؓ کے پاس تھا۔ اس قرآن مجید کی نقل اور کتابت پر عثمان غنیؓ نے کئی معقول و موزوں حضرات کو معمور کیا۔ جب بہت سی نقلیں تیار ہو گئیں۔ تو ایک ایک نسخہ بڑے بڑے شہروں میں بھیج کر ساتھ ہی حکم بھیجا۔ کہ سب اسی کے موافق قرآن مجید نقل کرائیں اور پہلی جو نقل جس کے پاس ہو وہ جلا دی جائے۔ کوفہ میں جب قرآن مجید پہنچا تو صحابہ کرام بہت خوش ہوئے۔ لیکن عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی ہی قرأت پر اصرار کیا۔

۳۱ھ کے واقعات } دربارِ خلافت سے جو احکام جاری ہوئے۔ ان کے موافق ہرم بن حیان یشکری۔ ہرم حیان عبسی حرث بن راشد بلاد فارس کے اضلاع میں احنف بن قیس خراسان میں اور حبیب بن قرہ مرو میں۔ خالد بن عبداللہ بلخ میں۔ قیس بن ہبیرہ طوس میں عامل مقرر ہوئے۔ خراسان کے کئی شہروں میں بغاوت نمودار ہوئی۔ عبداللہ بن عامرؓ نے فوج کشی کرکے تمام بغاوتوں کو فرو کیا۔ پھر نیشاپور پر چڑھائی کرکے وہاں کے سرکشوں کو درست کیا۔ نیشاپور سے فارغ ہو کر حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے ایک لشکر سرخس کی طرف روانہ کیا۔ اور ایک جمعیت لے کر خود ہرات کی جانب گئے۔ ہرات کو فتح کرکے بلخ و طبرستان کی بغاوتوں کو فرو کیا۔ اس کے بعد کرمان۔ سجستان اور فارس کے صوبوں میں جاکر وہاں کے تمام سرکشوں کو مطیع و منقاد کیا۔ اس طرح تمام بلادِ ایران و عراق میں عبداللہ بن عامر کی دھاک بیٹھ گئی۔ اور لوگ اُن کے نام سے خوف کھانے لگے۔

یزدجرد کی ہلاکت } ایرانی سلطنت تو فاروق اعظمؓ ہی کے عہد خلافت میں برباد ہو چکی تھی۔ سلطنت کے بعد سرحدی صوبے یا بعض شہر جو باقی تھے۔ وہ خلافتِ عثمانی میں مسخر ہو گئے تھے۔ لیکن یزدجرد شاہ فارس کی حالت یہ تھی۔ کہ کبھی رے میں ہے۔ کبھی بلخ میں۔ کبھی مرو میں ہے تو کبھی اصفہان میں۔ کبھی اصطخر میں ہے۔ تو کبھی جیحون کو عبور کرکے ترکستان میں چلا گیا ہے۔ کبھی چین میں ہے کبھی پھر فارس کے اضلاع میں آگیا ہے۔ غرض اس کے ساتھ کئی ہزار ایرانیوں کی جمعیت تھی۔ اور وہ اپنی خاندانی عظمت اور ساسانی اقتدار و بزرگی کی بدولت لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لینے میں کامیاب ہو جاتا۔ اور لوگ بھی اس توقع میں کہ شاید اس کا ستارۂ اقبال پھر طلوع ہو اس کے ساتھ ہو جاتے تھے۔ یہی سب سے بڑی وجہ تھی۔ کہ ایران کے اکثر صوبوں، ضلعوں اور شہروں میں کئی کئی مرتبہ بغاوت ہوئی۔ اور مسلمان سرداروں نے اُس کو بار بار فرو کیا۔ اس مرتبہ یعنی ۳۱ھ میں یزدجرد چین و ترکستان کی طرف سے ایک جمعیت کے ساتھ نواح بلخ میں آیا۔ یہاں اُس نے بعض شہروں پر چند روز قبضہ حاصل کیا۔ لیکن اس کے اقبال کی نحوست نے اس کو وہاں سے ناکام فرار ہونے اور مسلمان کی قید میں پڑنے کے لئے بھاگ کر ایک پن چکی والے کی پناہ میں جانے پر مجبور کیا۔ پن چکی والے نے اس کے قیمتی لباس

کے لالچ میں جب کہ وہ سو رہا تھا۔ قتل کر دیا۔ اور لباس و زیور اور ہتھیار وغیرہ اُتار کر اُس
کی لاش کو پانی میں ڈال دیا۔ یہ واقعہ نواح مرو میں مقام مرغاب کے متصل ۲۳ر اگست
۶۵۱ء کو وقوع پذیر ہوا۔ یزدجرد کے چار سال تو عیش و عشرت کی حالت میں گذرے۔ سولہ
برس تباہی اور آوارگی کے عالم میں بسر ہوئے۔ ان سولہ برس میں آخری دس سال مفروری
کے عالم میں گذرے۔ اس کے بعد ایرانی فتنے سب فرو ہو گئے۔

اسی سال محمد بن ابی حذیفہؓ اور محمد بن ابی بکرؓ نے جو مصر میں والی مصر عبداللہ بن سعد
بن ابی سرح کے پاس مقیم تھے۔ عبداللہ بن سعد سے مخالفت و ناخوشی کا اظہار کیا۔ عبداللہ بن سعد کے ساتھ
ان دونوں بزرگوں کی ناخوشی بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ انھوں نے علانیہ حضرت
عثمان غنیؓ پر اعتراض وطعن کیا۔ کہ انھوں نے عبداللہ بن سعد جیسے شخصوں کو جن سے آنحضرت صلعم ناخوش
ہے صوبوں کا گورنر بنا رکھا ہے۔ اور ان کی زیادتیاں اور مظالم دیکھ کر بھی معزول نہیں کرتے۔

۳۲ھ کے واقعات

۳۱ھ کے ماہ ذی الحجہ میں جب عبداللہ بن عامر حج بیت اللہ
کے لئے خانۂ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ تو ملکِ ایران کے
ایک ایرانی سردار مسمی قارن نے ملک کے مختلف صوبوں سے چالیس ہزار کا ایک لشکر جمع
کر کے ایران کے صوبوں پر قبضہ کر لینے کا مناسب موقع پایا۔ قارن کی اس شرارت و
دلیری کے مقابلہ میں عبداللہ بن حازم ایک سردار نے صرف چند ہزار مسلمانوں کی جمعیت
سے وہ کارنمایاں کیا۔ کہ ایرانیوں کو سخت ترین ذلت و نامرادی کے ساتھ شکست کھانی پڑی
عبداللہ بن حازم اپنی تین چار ہزار کی جمعیت کو لے کر ایرانیوں کے چالیس ہزار لشکر کی طرف
روانہ ہوئے۔ قریب پہنچ کر انھوں نے مجاہدین کو حکم دیا۔ کہ اپنے اپنے نیزوں کو کپڑا لپیٹ لیں۔
اور کپڑے تیل یا چربی سے تر کر لیں۔ جب لشکر قارن کے قریب پہنچا تو شام ہو کر رات ہو چکی
تھی۔ عبداللہ بن حازم نے حکم دیا۔ کہ تمام نیزوں کے کپڑوں کو آگ لگا دیں۔ اور دشمن پر حملہ
آور ہوں۔ اس اچانک حملہ آوری اور ان مشعلوں کی روشنی کو دیکھ کر ایرانی حواس باختہ ہو کر
بھاگے۔ اور کسی کو مقابلہ کرنے کا ہوش نہ رہا۔ مسلمانوں نے بہتوں کو قتل، بہتوں کو گرفتار
کیا۔ بہت سے اپنی جان بچا کر لے گئے اور بچ کر نکل گئے۔ عبداللہ بن عامر حج بیت اللہ
سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے۔ بعض روایات
کے بموجب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ۷۵ برس کی عمر میں اس سال یعنی ۳۲ھ میں

وفات پائی۔ اور بہت سی دولت اور اولاد چھوڑی۔

۳۳ھ کے واقعات } ولید بن عقبہ کی معزولی کے بعد کوفہ کی گورنری پر سعید بن العاص مقرر ہوئے تھے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ سعید بن العاصؓ نے کوفہ میں پہنچ کر اہل کوفہ کی دل جوئی اور مدارات میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ مالک بن حارث نخعی جو مالک بن اشتر کے نام سے مشہور ہے۔ ثابت بن قیس ہمدانی۔ اسود بن یزید علقمہ بن قیس۔ جندب بن زہیر۔ جندب بن کعب ازدی۔ عروہ بن الجعد۔ عمرو بن الحمق خزاعی صعصعہ و زید پسران سوجان بن الکوار عبدی۔ کمیل بن زیاد وغیرہم۔ سب سعید بن العاص کی صحبت میں آکر بیٹھتے اور بے تکلفانہ باتیں کرتے۔ کبھی ہنسی مذاق کی باتیں بھی ہو جاتیں۔

ایک روز سعید بن العاص گورنر کوفہ کی زبان سے نکلا۔ کہ یہ علاقہ تو قریش کا باغ ہے۔ یہ سُن کر مالک اشتر نے فوراً غصہ کے لہجہ میں کہا۔ کہ جس علاقہ کو اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کے زور سے فتح کیا ہے۔ تم اس کو اپنی قوم کا بُستان خیال کرتے ہو۔ ساتھ ہی دوسرے لوگوں نے بھی اس قسم کی باتیں شروع کیں۔ شور و غل بلند ہوا۔ تو عبد الرحمٰن اسدی نے لوگوں کو شور و غل مچانے سے منع کیا۔ اس پر سب نے مل کر عبد الرحمٰن کو مارا۔ اور اس قدر زدوکوب کیا۔ کہ بے چارہ بیہوش ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد سعید بن العاصؓ نے رات کی صحبت موقوف کرکے دربان مقرر کر دیئے۔ کہ لوگوں کو آنے سے باز رکھیں۔ اس رات کی روزانہ مجلس کے برخاست ہونے کا لوگوں کو بہت ملال ہوا۔ اور اب عام طور پر جہاں دو چار آدمی مل کر بیٹھتے یا کھڑے ہوتے سعید بن عاصؓ کی اور ان کے ساتھ حضرت عثمان غنیؓ کی بھی شکایت زبان پر لاتے۔ ان شکایت کرنے والوں کے گرد اور بہت سے بازاری آدمی جمع ہو جاتے۔

رفتہ رفتہ یہ سلسلہ طویل ہوا۔ اور فتنہ بڑھنے لگا۔ تو سعید بن العاصؓ نے یہ تمام روئداد حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں لکھ کر بھیج دی۔ عثمان غنیؓ نے جواباً سعید بن العاصؓ کو لکھا کہ ان لوگوں کو کوفہ سے شام کی طرف امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دو۔ چنانچہ سعید بن العاصؓ نے سب کو شام کی طرف روانہ کر دیا۔ وہاں حضرت معاویہؓ نے ان کی خوب خاطر مدارات کی۔ ان کے ساتھ ہی بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ اور سب کا روزینہ بھی مقرر کر دیا۔ بات یہ تھی کہ حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھ دیا تھا۔ کہ چند سرکش لوگوں کی ایک جماعت تمھاری طرف بھجوائی جاتی ہے تم کوشش کرو کہ وہ راہ راست پر آجائیں۔ اسی لئے امیر معاویہؓ نے ان

لوگوں کے ساتھ نہایت محبت و ہمدردی کا برتاؤ کیا۔ چند روز کے بعد انھوں نے ان لوگوں کو سمجھایا۔ کہ قریش کی سیادت کو تسلیم کریں۔ اور مسلمانوں کے باہمی اتفاق کو درہم برہم نہ ہونے دیں۔ لیکن صعصعہ ابن صوحان نے امیر معاویہؓ کی نہایت معقول اور ہمدردانہ باتوں کا بہت ہی غیر معقول اور سراسر نادرست جواب دیا۔ اور اپنی ضد پر اڑا رہا۔ مجبوراً امیر معاویہؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کو لکھا۔ کہ یہ لوگ راہ راست پر آنے والے نظر نہیں آتے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ان کو لکھا کہ ان لوگوں کو حمص کی جانب عبدالرحمٰن بن خالدؓ کے پاس بھیج دو۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ان کو حمص کی جانب روانہ کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن خالدؓ والی حمص نے ان کے ساتھ ان کے حسب حال سختی و درشتی کا برتاؤ کیا۔ حتیٰ کہ اپنی مجلس میں ان کو بیٹھنے کی اجازت بھی نہیں دی۔ چند روز کے بعد یہ لوگ سیدھے ہو گئے۔ اور اپنی سابقہ سرکشی کی حرکات پر اظہار افسوس کیا عبدالرحمٰن بن خالدؓ نے اس کی اطلاع دربار خلافت کو لکھ بھیجی۔ وہاں سے اجازت آ گئی۔ کہ اگر یہ لوگ اب کوفہ کی طرف جانا چاہیں تو جانے دو۔

عبداللہ بن سبا عبداللہ بن سبا المعروف بہ ابن السوداء شہر صنعا کا رہنے والا ایک یہودی تھا۔ وہ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کو دولت خوب حاصل ہوتی ہے۔ اور اب یہی دنیا میں سب سے بڑی فاتح قوم بن گئی ہے مدینہ میں آیا۔ اور بظاہر مسلمانوں میں شامل ہو گیا۔ مدینہ میں اس کا آنا اور رہنا بہت ہی غیر معروف اور ناقابل التفات تھا۔ لیکن اس نے مدینے میں رہ کر مسلمانوں کی اندرونی اور داخلی کمزوریوں کو خوب جانچا اور مخالف اسلام تدابیر کو خوب سوچا۔ انھیں ایام میں۔ بصرہ کے اندر ایک شخص حکیم بن جبلہ رہتا تھا۔ اس نے یہ وطیرہ اختیار کیا۔ کہ اسلامی لشکر کے ساتھ کسی فوج میں شریک ہو جاتا۔ تو موقع پا کر ذمیوں کو لوٹ لیتا۔ کبھی کبھی اور لوگوں کو بھی اپنا شریک بناتا اور ڈاکہ زنی اختیار کرتا۔ اس کی ڈاکہ زنی کی خبریں مدینہ میں حضرت عثمان غنیؓ تک پہنچیں تو انھوں نے گورنر بصرہ کو لکھا۔ کہ حکیم بن جبلہ کو شہر بصرہ کے اندر نظر بند رکھو اور حدود شہر سے باہر ہرگز نہ نکلنے دو۔ اس حکم کی تعمیل میں وہ بصرہ کے اندر محصور و نظر بند رہنے لگا۔ عبداللہ بن سبا حکیم بن جبلہ کے حالات سن کر مدینہ سے روانہ ہوا۔ اور بصرہ میں پہنچ کر حکیم بن عبداللہ کے مکان پر مقیم ہوا۔ یہاں اس نے حکیم بن جبلہ اور اس کے ذریعہ اس کے دوستوں اور دوسرے لوگوں سے مراسم پیدا کئے۔ اپنے آپ کو مسلمان اور حامی و خیر خواہ آل رسول ظاہر کر کے لوگوں کے دلوں میں اپنے منصوبے کے موافق فساد انگیز خیالات و عقائد پیدا کرنے لگا۔ کبھی کہتا، کہ

مجھ کو تعجب ہوتا ہے۔ کہ مسلمان اس بات کے تو قائل ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ لیکن اس بات کو نہیں مانتے۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دنیا میں ضرور آئیں گے۔ چنانچہ اس نے لوگوں کو اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ کی غلط تفسیر سنا سنا کر اس عقیدہ پر قائم کرنا شروع کیا۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مراجعت دوبارہ دنیا میں ضرور ہوگی۔ بہت سے احمق اس فریب میں آگئے۔ پھر اس نے ان احمقوں کو اس عقیدے پر قائم کرنا شروع کیا۔ کہ ہر پیغمبر کا ایک خلیفہ اور وصی ہوا کرتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ جس طرح آنحضرت صلعم خاتم الانبیاء ہیں اسی طرح حضرت علیؓ خاتم الاوصیاء ہیں۔ پھر اس نے علانیہ کہنا شروع کیا۔ کہ لوگوں نے آنحضرت صلعم کے بعد حضرت علیؓ کے سوا دوسروں کو خلیفہ بنا کر بڑی حق تلفی کی ہے۔ اب سب کو چاہیئے کہ حضرت علیؓ کی مدد کریں۔ اور موجودہ خلیفہ کو قتل یا معزول کر کے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا دیں۔ عبداللہ بن سبا یہ تمام منصوبے اور اپنی تحریک کی ان تمام تجویزوں کو مدینہ منورہ سے سوچ سمجھ کر بصرہ میں آیا تھا۔ اور اس نے نہایت احتیاط اور قابلیت کے ساتھ بہ اقساط اپنی مجوزہ بدعقیدگیوں کو شائع کرنا اور لوگوں کے سامنے بیان کرنا شروع کیا۔

رفتہ رفتہ اس فتنے کا حال بصرے کے گورنر عبداللہ بن عامر کو معلوم ہوا۔ تو انھوں نے عبداللہ بن سبا کو بلا کر پوچھا۔ کہ تم کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔ عبداللہ بن سبا نے کہا۔ مجھ کو اسلام سے دلچسپی ہے۔ میں اپنے یہودی مذہب کی کمزوریوں سے واقف ہو کر اسلام کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔ اور یہاں آپ کی رعایا بن کر زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ عبداللہ بن عامر نے کہا کہ میں نے تمھارے حالات اور تمھاری باتوں کو تحقیق کیا ہے مجھ کو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کوئی فتنہ برپا کرنا اور مسلمانوں کو گمراہ کر کے یہودی ہونے کی حیثیت سے جمعیتِ اسلامی میں افتراق و انتشار پیدا کرنا چاہتے ہو۔ چونکہ عبداللہ بن عامر کی زبان سے پتے کی باتیں نکل گئی تھیں۔ لہٰذا اس کے بعد عبداللہ بن سبا نے بصرے میں اپنا قیام مناسب نہ سمجھا اور اپنے خاص الخاص رازدار اور شریک کار لوگوں کو وہاں چھوڑ کر اور اپنی بنائی ہوئی جماعت کے لیے مناسب تجاویز و ہدایات سمجھا کر بصرہ سے چل دیا۔ اور دوسرے اسلامی فوجی مرکز یعنی کوفہ میں آیا۔ یہاں پہلے ہی سے ایک جماعت حضرت عثمان غنیؓ اور ان کے عامل

کی دشمن موجود تھی۔ عبداللہ بن سبا کو کوفہ میں آکر بصرہ سے زیادہ بہتر موقع اپنی شرارتوں کو کامیاب بنانے کا ملا۔

عبداللہ بن سبا کو ایک طرف تو اسلام سے مخالفت تھی۔ دوسری طرف اس کو حضرت عثمان غنیؓ سے خاص ذاتی عداوت تھی۔ اور وہ حضرت عثمان غنیؓ سے کوئی انتقام یا بدلہ لینے کا خواہش مند معلوم ہوتا تھا۔ کوفہ میں آکر بہت جلد عبداللہ بن سبا نے اپنے زہد و اتقا کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بٹھا دیا۔ عام طور پر لوگ اس کو تعظیم و تکریم کی نگاہ سے دیکھنے اور اس کا ادب و لحاظ کرنے لگے۔ جب کوفہ میں عبداللہ بن سبا کے پھیلائے ہوئے خیالات کا چرچا ہوا۔ تو یہاں کے گورنر سعید بن العاصؓ نے اس کو بلا کر ڈانٹا۔ اور وہاں کے سمجھدار اور شریف آدمیوں نے بھی اس کو مشتبہ آدمی سمجھا۔ چنانچہ عبداللہ بن سبا کوفہ سے نکل کر شام کی طرف روانہ ہوا۔ مگر جس طرح بصرہ میں وہ اپنی ایک جماعت چھوڑ آیا تھا۔ اسی طرح کوفہ میں بھی اس نے اپنی ایک زبردست جماعت چھوڑی۔ جس میں مالک اشتر وغیرہ مذکورۂ بالا اشخاص اور ان کے احباب و اقارب زیادہ تر شامل تھے۔ کوفہ سے جب وہ شام یعنی دمشق میں پہنچا۔ تو یہاں اس کی دال زیادہ نہ گلی۔ اور جلدی ہی اسے یہاں سے شہر بدر ہونا پڑا۔ عبداللہ بن سبا کی عداوت حضرت عثمان غنیؓ اور بنو امیہ سے دم بدم ترقی کر رہی تھی۔ اور ہر جلاوطنی اس کے لئے ایک نیا میدان اور نیا موقع کامیابی کا پیدا کر دیتی تھی۔ شام سے خارج ہو کر وہ سیدھا مصر میں پہنچا۔ وہاں کے گورنر عبداللہ بن سعدؓ تھے۔ مصر میں عبداللہ بن سبا نے اپنے سابقہ تجربہ سے فائدہ اٹھا کر زیادہ احتیاط اور زیادہ گہرے پن کے ساتھ کام شروع کیا۔ یہاں اس نے اپنی خفیہ سوسائٹی کا مکمل نظام مرتب کیا۔ اور محبتِ اہلبیت اور حمایتِ علیؓ کے اظہار کو خاص الخاص ذریعہ کامیابی بنایا۔ مصر کے گورنر عبداللہ بن سعدؓ کی نسبت بھی مصریوں کو اور وہاں کے مقیم عربوں کو شکایات تھیں۔ عبداللہ بن سعدؓ کو افریقہ بربر نیز قیصر قسطنطنیہ کے معاملات کی وجہ سے داخلی باتوں کی طرف زیادہ متوجہ رہنے کی فرصت بھی نہ تھی۔

یہاں سے عبداللہ بن سبا نے اپنے بصرہ اور کوفہ کے دوستوں سے خط و کتابت جاری کی۔ اور مقررہ بموجب نظام کے موافق مصر۔ کوفہ اور بصرہ سے وہاں کے عاملوں کی شکایت میں مدینہ والوں کے پاس پیہم خطوط جانے شروع ہوئے۔ ساتھ ہی بصرہ والوں کے پاس کوفہ اور مصر سے خطوط پہنچے کہ یہاں کے گورنروں نے بڑے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اور

رعایا پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ اسی طرح بصرہ اور کوفہ سے مصر والوں کے پاس اور بصرہ و مصر و دمشق سے کوفہ والوں کے پاس خطوط پہنچنے لگے۔ چونکہ کسی جگہ بھی عاملوں اور گورنروں کے ہاتھ سے رعایا پر ظلم نہ ہوتا تھا۔ لہٰذا ہر جگہ کے آدمیوں نے یہ سمجھا۔ کہ ہم سے زیادہ اور تمام صوبوں پر ظلم و تشدد اور بے انصافی روا رکھی جا رہی ہے۔ اور حضرت عثمان غنیؓ ظالمانہ طور پر اپنے عاملوں اور گورنروں کو ان کے عہدوں پر بحال رکھتے اور معزول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ چونکہ ہر ایک صوبے اور ہر ایک علاقے سے مدینہ منورہ میں بھی برابر خطوط پہنچ رہے تھے۔ لہٰذا حضرت عثمانؓ غنی نے عمار بن یاسرؓ کو مصر کی جانب اور محمد بن مسلمہ کو کوفہ کی طرف روانہ کیا۔ کہ وہاں کے حالات دیکھ کر آئیں۔ اور صحیح اطلاع دربار خلافت میں پہنچائیں۔ عمار بن یاسرؓ جب مصر میں پہنچے۔ تو وہاں کے اُن لوگوں نے جو عبداللہ بن سعدؓ گورنر مصر سے ناخوش تھے اور اُن لوگوں نے جو عبداللہ بن سبا کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ عمار بن یاسرؓ کو اپنا ہم نوا و ہم خیال بنا لیا۔ اور ان کو مدینہ منورہ میں واپس جانے سے یہ کہہ کر روک لیا۔ کہ حضرت عثمانؓ دیدہ و دانستہ ظلم و ستم کو روا رکھتے ہیں۔ اُن کی امداد و مصاحبت سے پرہیز کرنا مناسب ہے۔ محمد بن مسلمہؓ نے کوفہ پہنچ کر حضرت عثمان غنیؓ کو اطلاع دی۔ کہ یہاں کے عوام بھی اور بعض شرفا بھی علانیہ زبان درازی اور طعن و تشنیع پر زبان کھولتے اور غدر بغاوت کے علامات کا اظہار کر رہے ہیں۔ انھیں ایام میں اشعث بن قیس۔ سعید بن قیس۔ صائب بن اقرع۔ مالک بن حبیب۔ حکیم بن سلامت۔ جریر بن عبداللہ۔ سلمان بن ربیعہ وغیرہ حضرات جو صاحب اثر اور عزم و ہمت کے وارث اور خلافت اسلامیہ کے حامی تھے۔ کوفہ سے دوسرے مقامات کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔

سعید بن العاصؓ نے ہر طرف شورش اور لوگوں کی زبانوں پر علانیہ شکایات کو دیکھ کر قعقاع بن عمرو کو اپنا قائم مقام بنایا اور کوفہ سے مدینہ کا عزم کیا۔ کہ خلیفۂ وقت کو جا کر خود زبانی تمام حالات سنائیں۔ اور اندیشہ و خطرہ کی پوری کیفیت سمجھائیں۔ سعید بن العاصؓ کے روانہ ہونے کے بعد کوفہ کے لوگوں نے مالک اشتر وغیرہ کو جو حمص میں مقیم تھے لکھا کہ آج کل کوفہ بالکل خالی ہے۔ جس طرح ممکن ہو اپنے آپ کو کوفہ میں پہنچا دیں۔ کوفہ میں نائب عمال خلافت کے موجود نہ رہنے کے سبب عوام کی زبانیں بالکل بے لگام ہو گئیں۔ اور علانیہ لوگ عثمان غنیؓ اور اُن کے عاملوں کو بُرا کہنے اور طعن و تشنیع کرنے لگے۔ اس ہنگامہ نے یہاں تک

ترقی کی۔ کہ یزید بن قیس کوفہ والوں کی ایک جمعیت ہمراہ لے کر اس ارادے سے نکلا۔ کہ مدینہ میں پہنچ کر حضرت عثمان غنیؓ کو خلع خلافت پر مجبور کرے۔ قعقاع بن عمرو یہ دیکھکر سدِ راہ ہوئے۔ اور ایک جمعیت اپنے ہمراہ لے جا کر یزید بن قیس کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوئے۔

یزید نے قعقاع بن عمرو کی منت سماجت کرلی۔ اور کہا کہ مجھ کو سعید بن العاصؓ سے بعض شکایات ہیں۔ اِس کے سوا اور کوئی مقصد نہ تھا۔ کہ سعید بن العاص کو کوفہ کی گورنری سے معزول کرایا جائے۔ قعقاع بن عمرو نے یزید کو چھوڑ دیا۔ لیکن اس کے بعد ہی مالک اشتر اپنی جمعیت کے ساتھ حمص سے کوفہ میں پہنچ گیا۔ ان لوگوں کے کوفے پہنچنے پر شورش پسندوں میں ایک تازہ قوت اور جوش پیدا ہوا۔ مالک اشتر نے علانیہ لوگوں کو یزید بن قیس کی جماعت میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ اور خود بھی یزید بن قیس کے لشکریوں میں شامل ہو کر کوفہ سے روانہ ہوا۔ قعقاع اس جمعیت کا مقابلہ نہ کر سکے۔ یہ لوگ کوفہ سے روانہ ہو کر قادسیہ کے قریب مقام جرعہ میں پہنچے۔

۳۴ھ کے واقعات کوفہ کی تو وہ حالت تھی۔ جو اوپر مذکور ہوئی۔ اُدھر حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دوسرے عاملوں کے نام بھی فرامین روانہ کر دیئے تھے۔ کہ اس مرتبہ بعد حج سب مدینہ منورہ میں میرے پاس آ کر شریکِ مشورہ ہوں۔ چنانچہ شام سے حضرت امیر معاویہ۔ مصر سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ کوفہ سے سعید بن العاص۔ بصرہ سے عبداللہ بن عامر اور بعض دوسرے چھوٹے چھوٹے صوبوں سے بھی وہاں کے عامل مدینہ میں آ کر جمع ہوئے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے علاوہ اِن عمال کے مدینہ منورہ کے صاحب الرائے حضرات کو بھی شریک مجلس کیا۔ اور دریافت کیا۔ کہ یہ شورش جو میرے خلاف پھیلی ہے۔ اس کا سبب بتاؤ۔ اور مجھ کو مفید مشورہ دو کہ میں کیا کروں۔ عبداللہ بن عامر نے کہا۔ کہ میرے نزدیک ان لوگوں کو جہاد میں مصروف کر دینا بہترین علاج ہے۔ خالی بیٹھے ہوئے اس قسم کے فساد اور فتنے ان کو سوجھتے ہیں۔ جب جہاد میں مصروف ہو جائیں گے تو یہ شورشیں خود بخود فنا ہو جائیں گی۔ سعید بن العاصؓ نے کہا۔ کہ ان شریر لوگوں کے سرداروں یعنی شرارت کے اماموں کی بات بات پر معقول گرفت کی جائے اور ان کو منتشر کر دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ان کے پیرو لوگ خود بخود منتشر ہو جائیں گے۔ امیر المومنین حضرت عثمانؓ

نے کہا کہ یہ رائے تو معقول ہے۔ لیکن اس پر عمل درآمد آسان نہیں ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا۔ کہ ہم لوگ جو صوبوں کے گورنر ہیں۔ اپنے اپنے صوبوں کو سنبھالیں۔ اور ان مفسدوں سے ہر ایک صوبے کو بکلی پاک کر دیں۔ عبداللہ بن سعدؓ نے کہا۔ کہ یہ لوگ سب کے سب لالچی اور زبردست ہیں۔ ان کو مال و زر دے کر اپنا بنالینا چاہیے۔

اسی مجلس میں، جب شورش و فساد کے متعلق اصل حالات ایک دوسرے سے دریافت کئے گئے تو معلوم ہوا۔ کہ یہ تمام شورش محض فرضی اور خیالی طور پر برپا کی گئی ہے۔ اصلیت اس کی کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ معلوم ہو کر لوگوں کو اور بھی تعجب ہوا۔ بعض حضرات نے یہ مشورہ دیا۔ کہ جو لوگ اس قسم کی شرارتوں اور بغاوتوں میں خصوصی طور پر حصّہ لیتے ہیں۔ اُن سب کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیا جائے۔ اور مجرموں کے ساتھ کسی نرمی اور رعایت کو روا نہ رکھا جائے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا۔ کہ میں صرف اسی قدر سزا دے سکتا ہوں۔ جس قدر قرآن و حدیث نے مقرر کی ہے۔ جب تک میں کسی کو علانیہ مُرتد ہوتے ہوئے نہ دیکھوں۔ اُس وقت تک کیسے کسی کو قتل کر سکتا ہوں۔ جن جن جرموں کی حدود مقرر ہیں۔ انھیں پر حد جاری کر سکتا ہوں۔ باقی اپنے خلاف ہر ایک فتنے کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرنے کا عزم رکھتا ہوں۔ غرض اس قسم کی باتیں ہو کر یہ مجلس برخاست ہوئی۔ اور کوئی خاص تجویز اور طرزِ عمل نہیں سوچا گیا۔ البتہ یہ ضرور ہوا۔ کہ جہاد کے لئے بعض اطراف میں فوجیں روانہ کرنے کا حکم ضرور بعض عاملوں کو دیا گیا۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر عمال اپنے اپنے صوبوں کی طرف روانہ ہوئے۔ جب سعید بن العاصؓ اپنے صوبے کی طرف روانہ ہوئے۔ تو مقام جرعہ پر پہنچ کر انھوں نے دیکھا کہ کوفہ والوں کا ایک بڑا لشکر یزید بن قیس کی ماتحتی میں موجود ہے۔ سعید بن العاصؓ کے پہنچنے پر یزید نے بڑی سختی اور درشتی سے کہا۔ کہ تم یہاں سے فوراً واپس چلے جاؤ۔ ہم تم کو کوفہ میں ہرگز داخل نہ ہونے دیں گے۔ یہ سُن کر سعید بن العاصؓ کے غلام نے کہا۔ کہ یہ ناممکن ہے۔ کہ سعید واپس چلے جائیں۔ یہ سُن کر مالک اشتر نے فوراً آگے بڑھ کر سعید کے غلام کا پاؤں پکڑا اور اونٹ سے نیچے کھینچ کر قتل کر دیا۔ اور سعید بن العاص سے کہا کہ جاؤ عثمانؓ سے کہہ دو۔ کہ ابو موسیٰ اشعری کو بھیج دے۔ سعید مجبوراً وہاں سے لوٹے اور مدینہ میں واپس آکر تمام ماجرا حضرت عثمان غنیؓ کو سنایا۔ انھوں نے اُسی وقت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنے پاس بُلا کر کوفہ کی گورنری پر مامور فرمایا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ مدینہ سے

روانہ ہو کر کوفہ میں پہنچے اور اپنے ہمراہ حضرت عثمانؓ کا ایک خط کوفہ والوں کے نام لائے کہ تم نے جس شخص کو اپنے لئے پسند اور منتخب کیا ہے اُسی کو تمہاری طرف بھیجا جاتا ہے۔ یہ بھی لکھا تھا۔ کہ جہاں تک شریعت مجھ کو اجازت دے گی۔ میں تمہاری خواہشات کو پورا کئے جاؤں گا۔ اور تمہاری زیادتیوں کو برداشت کر کے تمہاری اصلاح کی کوشش کروں گا۔

ابو موسیٰؓ نے کوفہ میں پہنچ کر جمعہ کے روز تمام لوگوں کے سامنے ممبر پر چڑھ کر خطبہ دیا۔ جس میں جماعت المسلمین کے اندر تفرقہ مٹانے اور امیر المومنین عثمان غنیؓ کی اطاعت کرنے کی تاکید کی۔ ابو موسیٰؓ کی اس تقریر سے کوفہ میں کسی قدر سکون نمودار ہوا۔ اور عام لوگ جو سبائی جماعت سے بے خبر اور بے تعلق تھے۔ مطمئن ہو گئے۔ لیکن عبداللہ بن سبا کے گروہ اور حضرت عثمان غنیؓ سے عناد رکھنے والوں نے رفتہ رفتہ حضرت عثمان غنیؓ کے عمال اور کوفہ کے ارد گرد کے اضلاع میں رہنے والے چھوٹے چھوٹے حکام کے متعلق جو عثمان غنیؓ کے مقرر کئے ہوئے تھے۔ شکایات کرنی شروع کیں۔ اور خط و کتابت کے ذریعہ مدینہ منورہ میں دوسرے بااثر حضرات کو بھی حضرت عثمان غنیؓ سے بدگمان بنانا شروع کیا۔ مدینہ والوں کے پاس۔ جب باہر والوں سے عاملوں کی شکایت میں خطوط پہنچتے تو وہ بہت پیچ و تاب کھاتے حضرت عثمان غنیؓ کے پاس آتے اور اُن کو عمال کی سزا دہی اور معزولی کے لئے مجبور کرتے۔ حضرت عثمان غنیؓ عند التحقیق چونکہ اپنے عاملوں کو بے خطا پاتے۔ لہٰذا وہ ان کو سزا دینے یا معزول کرنے میں تامل کرتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ خود مدینہ منورہ میں حضرت عثمان غنیؓ کے متعلق لوگوں کی زبان پر علانیہ شکایتیں آنے لگیں۔ اور جا بجا خلیفۂ وقت کی نسبت سرگوشیاں ہونی شروع ہوئیں۔ یہ رنگ دیکھ کر ابو اُسید ساعدیؓ۔ کعب بن مالکؓ اور حسان بن ثابتؓ وغیرہ بعض حضرات مدینہ میں لوگوں کو طعن تشنیع سے روکتے۔ اور اطاعتِ خلیفہ کی تاکید کرتے تھے۔ مگر لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ عبداللہ بن سبا کے ایجنٹ تمام ممالکِ اسلامیہ اور تمام بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں پہنچ چکے اور اُس کے متبعین ہر جگہ پیدا ہو چکے تھے۔

ممالکِ اسلامیہ میں طاقت کے اعتبار سے آج کل پانچ بڑے بڑے مرکز تھے۔ مدینہ تو دار الخلافہ تھا۔ اور شروع ہی سے وہ اسلامی طاقت و شوکت کا منبع و مرکز رہا تھا۔ کوفہ اور بصرہ دونوں فوجی چھاؤنیاں یا لشکری لوگوں اور جنگ جو عربی قبائل کی بستیاں تھیں۔

اور دونوں مقاموں پر اسلامی طاقت اس قدر موجود تھی۔ کہ تمام ایرانی صوبوں پر جیحون کے پار ترکستان تک اور آرمینیا تک وجارجیہ کے صوبوں اور بحر خضر و بحر اسود کے ساحلوں تک کوفہ وبصرہ کا رُعب طاری تھا۔ فسطاط یا قاہرہ بھی فوجی چھاؤنی تھی۔ اور مصر کے علاوہ طرابلس وفلسطین تک اُس کا اثر پڑتا تھا۔ دمشق تمام ملک کا دارالصدر تھا۔ یہاں بھی مسلمانوں کی اس قدر فوجی طاقت موجود تھی۔ کہ قیصرِ روم اس طاقت سے خائف تھا۔ اور جب کبھی دمشقی فوج کا قیصری فوج سے مقابلہ ہوا۔ رومیوں نے ہمیشہ شکست ہی کھائی۔ عبداللہ بن سبا شروع ہی میں ان پانچوں مرکزوں کی اہمیت کو محسوس کر چکا تھا۔ اور اُس کو معلوم تھا۔ کہ ان کے سوا کوئی چھٹا مقام ایسا نہیں ہے۔ جہاں مسلمانوں کی فوجی طاقت اور عربوں کی جنگ جو جمعیت ان میں سے کسی مقام کے برابر موجود ہو۔ لہٰذا وہ سب سے پہلے مدینہ منورہ میں آیا یہاں سے وہ بصرہ پہنچا۔ بصرہ سے کوفہ۔ کوفہ سے دمشق اور دمشق سے مصر پہنچا۔ دمشق میں اس کو حضرت امیر معاویہؓ کی وجہ سے کم کامیابی ہوئی۔ باقی ہر جگہ وہ کامیابی کے ساتھ لوگوں کے خیالات کو خراب کرتا۔ اور چھوٹی یا بڑی ایک جماعت بناتا اور اپنے رازدار و شریک کار ایجنٹ ہر مقام پر چھوڑتا گیا۔ دمشق میں بھی اُس نے اتنا کام ضرور کیا۔ کہ حضرت ابو ذرؓ کے واقعہ سے فائدہ اُٹھا کر لوگوں میں اس خیال کو پھیلایا۔ کہ ابو ذرؓ سچ کہتے تھے۔ اور وہ راستی پر تھے۔ کیونکہ بیت المال کو امیر معاویہؓ نے اللہ کا مال بتا کر اُس پر اپنا قبضہ کرنا اور اپنے زیر تصرف رکھنا چاہا ہے۔ حالانکہ وہ مسلمانوں کا مال ہے۔ اور سارے مسلمان اس میں شریک ہیں۔ اور انھیں میں اس کو تقسیم کر دینا چاہیے۔ اسی سلسلہ میں اُس نے حضرت عثمان غنیؓ کو بھی موردِ الزام ٹھہرایا۔ اور لوگوں کو اُن کے خلاف بھڑکایا۔ اس کے بعد عبداللہ بن سبا حضرت ابو الدرداءؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت احتیاط و قابلیت کے ساتھ اپنے فاسد خیالات اُن کی خدمت میں پیش کرنے شروع کئے۔ انھوں نے عبداللہ بن سبا کی باتیں سُن کر صاف طور پر کہہ دیا۔ کہ مجھ کو تو تم یہودی معلوم ہوتے ہو اور اسلام کے پردے میں مسلمانوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہو۔ وہاں جب اس کی دال نہ گلی۔ تو وہ حضرت عبادہ بن صامت کی خدمت میں پہنچا۔ اُنھوں نے جب اس کے خیالات سُنے۔ اور اُس کی باتوں سے اس کا اندازہ کیا۔ تو فوراً اس کو پکڑ لیا۔ اور حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں لے جا کر کہا۔ کہ مجھ کو تو یہ شخص وہی معلوم ہوتا ہے۔ جس نے ابو ذرؓ کو بہکایا۔ اور تم سے لڑا دیا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اُسی وقت اس کو دمشق سے نکلوا دیا تھا۔ اور وہ وہاں سے مصر کی طرف جا کر مصروف کار

اور اپنی سازشی تدابیر کے جال پھیلانے میں مصروف ہوگیا تھا ؛

جب ممالکِ محروسہ کے ہر گوشہ سے مدینہ منورہ میں خطوط آنے لگے ۔ اور خود دار الخلافہ میں شورش کے سامان پیدا ہوئے ۔ تو حضرت عثمان غنیؓ کے پاس مدینہ کے بعض اکابر آئے اور اُن کو توجہ دلائی ۔ کہ اپنے عاملوں کی خبر لیں ۔ اور لوگوں کی شکایتوں کو دور کریں ۔ حضرت عثمان غنیؓ نے صحابہ کرام کی جماعت میں سے چند معتبر و معتمد حضرات کو منتخب کرکے ہر ایک صوبہ کی طرف ایک ایک آدمی بھیجا ۔ کہ اصل حالات معلوم کرکے آئیں ۔ اور یہاں آکر بیان کریں ۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ کوفہ کی جانب ۔ اسامہ بن زید بصرے کی جانب ۔ عبداللہ بن عمر شام کی جانب روانہ ہوئے ۔ اسی طرح ہر ایک چھوٹے یا بڑے صوبے کی طرف ایک ایک تفتیش کنندہ روانہ ہوا ۔ چند روز کے بعد سب نے بیان کیا ۔ کہ ہم نے تو عاملوں اور والیوں میں کسی قسم کی کوئی بُرائی نہیں دیکھی ۔ سب اپنے اپنے علاقے میں پوری توجہ اور کوشش کے ساتھ مصروف کار ہیں ۔ اور کوئی خلافِ شرع حرکت بھی اُن سے سرزد نہیں ہوتی ۔ نہ رعایا میں سے کوئی شریف و ذی عقل شخص اُن کا شاکی ہے ۔ یہ کیفیت اہل مدینہ نے سُنی اور قدرے ان کی تسکین ہوئی ۔ لیکن چند ہی روز کے بعد پھر وہی کیفیت پیدا ہوگئی ۔ اب یہ وہ زمانہ تھا ۔ کہ حج کا موسم قریب آگیا تھا ۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ایک منشور عام ہر شہر و قصبے میں عام رعایا کے نام اس مضمون کا کہ بھیجا کہ

> "میرے پاس اِس قسم کی خبریں پہنچ رہی ہیں ۔ کہ میرے عاملوں سے رعایا کو کچھ نقصان پہنچ رہا ہے ۔ اور وہ ظلم و ستم کا برتاؤ کرتے ہیں ۔ لہٰذا میں نے تمام عاملوں کے پاس احکام روانہ کر دیتے ہیں ۔ کہ وہ اس مرتبہ حج میں ضرور شریک ہوں ۔ پس جس شخص کو میرے کسی عامل سے کچھ شکایت ہو ۔ وہ حج کے موقع پر آکر اپنی شکایت میرے سامنے پیش کرے ۔ اور اپنا حق مجھ سے یا میرے عامل سے بعد تصدیق وصول کرے" ؛

حضرت عثمان کا فرمان

ایک ایک حکم ہر ایک عامل کے نام بھی پہنچ گیا ۔ کہ ضرور شریک حج ہونا چاہیے ۔ چنانچہ عبداللہ بن سعدؓ والی مصر معاویہؓ بن ابی سفیان والی شام ۔ عبداللہ بن عامرؓ وغیرہ تمام عمال مکہ معظمہ میں حج کے موقع پر جمع ہوگئے ۔ عبداللہ بن سبا کی تجویز کے موافق لوگ ہر ایک صوبے

اور ہر ایک مرکز سے روانہ ہوئے۔ اور وہ بجائے اس کے کہ مکہ معظمہ میں آتے۔ مدینہ منورہ میں آکر جمع ہو گئے۔ حج کے ایام میں حضرت عثمان غنیؓ نے اعلان کرایا۔ کہ تمام عامل موجود ہیں۔ جس کا جی چاہے آکر اپنی شکایت پیش کرے۔ مگر کوئی شخص کسی عامل کی شکایت لے کر نہ آیا۔ خلیفہ وقت کی مجلس میں جو لوگ موجود تھے۔ وہ اس فساد و فتنے کے مٹانے کی نسبت باہم مشورہ کرنے لگے۔ اور اس طرح اُن کی باتوں نے طول کھینچا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ "فتنہ تو ضرور برپا ہونے والا ہے۔ اور اس کا دروازہ عنقریب کھل جائے گا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ فتنے کے اس دروازے کے کھولنے کا الزام مجھ پر عائد ہو۔ خدائے تعالیٰ خوب آگاہ ہے کہ میں نے لوگوں کے ساتھ سوائے بہتری اور بھلائی کے اور کچھ نہیں کیا"۔ اس کے بعد سب خاموش ہو گئے اور حج سے فارغ ہو کر خلیفہ وقت مدینہ منورہ میں آئے۔ یہاں آکر حضرت عثمان غنیؓ نے اُن لوگوں کو جو باہر سے آئے ہوئے تھے۔ ایک جلسہ میں طلب کیا۔ اور اسی جلسہ میں حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی بلوایا۔ حضرت امیر معاویہؓ بھی مکہ سے حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ آئے تھے۔ اور وہ بھی اس وقت موجود تھے۔ اس مجلس میں سب سے پہلے حضرت امیر معاویہؓ نے کھڑے ہو کر حمد و نعت کے بعد کہا۔ کہ

"آپ سب حضرات جو رسول اللہ صلعم کے اصحاب اور صاحب حل و عقد ہیں۔ اس اُمت کے سرپرست ہیں۔ آپ حضرات نے اپنے دوست یعنی عثمان غنیؓ کو بلا رو رعایت خلیفہ منتخب کیا۔ اب وہ بوڑھے ہو گئے ہیں۔ اُن کی نسبت قسم قسم کی باتیں لوگوں کی زبان پر جاری ہیں۔ آپ لوگوں نے اس معاملہ میں اگر کوئی فیصلہ کیا ہے۔ تو اس کو ظاہر کیجئے۔ میں جواب دینے کے لئے تیار ہوں۔ ہاں یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ اگر کسی کو خلافت و امارت کی طمع ہو۔ تو یاد رکھو۔ کہ تم لوگ سوائے پیٹھ پھیر کر بھاگنے کے اور کچھ نہ حاصل کر سکو گے"۔

اس تقریر کے آخری فقرہ کو سُن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت امیر معاویہ کو جھڑک دیا۔ وہ بیٹھ گئے اور حضرت عثمان غنیؓ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے فرمایا۔ کہ

"اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے خلیفہ ہو کر احتیاط اور احتساب کی وجہ سے اپنے عزیز و اقارب کی مطلق بات نہ

پوچھی۔ حالانکہ آنحضرت صلعم اپنے رشتہ داروں کا لحاظ فرماتے اور ان کو مدد دیتے تھے۔ میرے عزیز واقارب غریب لوگ ہیں۔ میں اُن کے ساتھ سلوک کرتا ہوں۔ اگر تم اس کو ناجائز ثابت کردو۔ تو میں اس طرزِ عمل سے دست کش ہونے کو تیار ہوں"۔

اعتراض حضرت عثمان غنیؓ نے یہیں تک فرمایا تھا۔ کہ ایک شخص نے اُٹھ کر اعتراض کیا۔ کہ آپ اپنے رشتہ داروں کو ناجائز طور پر مال دیتے ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن سعدؓ کو آپ نے تمام مالِ غنیمت بخش دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے جواب دیا کہ میں نے اُس کو مالِ غنیمت کے خمس میں سے صرف پانچواں حصہ دیا ہے۔ مجھ سے پہلے خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ اس کے بعد ایک اور شخص اٹھا۔ اور اُس نے کہا۔ کہ تم نے اپنے عزیز واقارب کو امارتیں اور حکومتیں دے رکھی ہیں۔ مثلاً معاویہ بن ابی سفیان کو تمام ملکِ شام پر امیر بنا رکھا ہے۔ بصرے کی امارت سے ابو موسیٰ اشعری کو معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن عامر کو امیر بنایا۔ کوفے کی امارت سے مغیرہ بن شعبہ کو جُدا کر کے ولید بن عقبہ کو اور اس کے بعد سعید بن العاص کو امیر بنایا۔ یہ سُن کر حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔ کہ جن لوگوں کو میں نے امارتیں دے رکھی ہیں۔ وہ میرے اقارب نہیں ہیں۔ اور وہ اپنے عہدوں کے کام کو بحسن و خوبی انجام دینے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ اگر وہ آپ لوگوں کی رائے میں امارت کے قابل نہیں اور مجھ پر اُن کی بے جا رعایت کا الزام عائد ہوتا ہے تو میں ان لوگوں کی جگہ دوسروں کو مقرر کرنے کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ میں نے سعید بن العاص کو اُن کی امارت سے جدا کر کے ابو موسیٰ اشعری کو کوفہ کا گورنر بنا دیا ہے۔ اس کے بعد ایک شخص نے کہا۔ کہ تم نے بلا استحقاق اور نا قابل رشتہ داروں کو امارتیں دی ہیں۔ جو اُن امارتوں کے اہل نہ تھے۔ مثلاً عبداللہ بن عامر ایک نوجوان شخص ہیں۔ اُن کو والی نہیں بنانا چاہیئے تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے جواب دیا۔ کہ عبداللہ بن عامر عقل و فراست دین داری و قابلیت میں خاص طور پر ممتاز ہے۔ محض نوجوان ہونا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم نے اسامہ بن زیدؓ کو صرف ۱۷ سال کی عمر میں کیوں امیر بنایا تھا۔ اس کے بعد ایک اور شخص اُٹھا۔ اور اُس نے کہا۔ کہ آپ کو اپنے کنبے والوں سے بڑی محبت ہے۔ آپ اُن کو بڑے بڑے عطیات دیتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔ کہ اہلِ خاندان سے محبت کا ہونا کوئی گناہ

نہیں ہے۔ میں اُن کو اگر عطیات دیتا ہوں تو بیت المال سے نہیں۔ بلکہ اپنے ذاتی مال سے دیتا ہوں۔ بیت المال سے تو میں نے اپنے خرچ کے لئے بھی ایک کوڑی نہیں لی۔ اپنے رشتہ دار کے لئے بلا استحقاق کیسے لے سکتا تھا۔ اپنے ذاتی مال کا مجھ کو اختیار ہے جس کو چاہوں دوں۔

اس کے بعد ایک شخص اُٹھا اور اُس نے کہا۔ کہ تم نے چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کرلیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔ کہ میں جب خلیفہ منتخب ہوا تھا۔ تو مدینہ میں مجھ سے زیادہ نہ کسی کے اونٹ تھے۔ نہ بکریاں۔ لیکن آج کل میرے پاس صرف دو اونٹ ہیں جو صرف حج کی سواری کے لئے رکھ لئے ہیں۔ میں اُن کو چرائی پر بھی نہیں بھیجتا۔ البتہ بیت المال کے اونٹوں کی چراگاہ ضرور مخصوص ہے۔ اور وہ میرے زمانہ میں نہیں۔ بلکہ پہلے سے مخصوص چلی آتی ہے۔ اس کا مجھ پر کوئی الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ پھر ایک شخص نے کہا۔ کہ تم یہ بتاؤ۔ کہ تم نے منا میں پوری نماز کیوں پڑھی۔ حالانکہ قصر کرنی چاہیئے تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے جواب دیا کہ میرے اہل وعیال مکہ میں مقیم تھے۔ لہٰذا میرے لیے نماز کا قصر نہ کرنا جائز تھا۔ غرض اسی قسم کے اعتراضات سرِ مجلس لوگوں نے کئے۔ اور حضرت عثمان غنیؓ نے ہر ایک کا جواب کافی وشافی دیا۔ اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔ اور لوگ خاموشی کے ساتھ اُٹھ کر منتشر ہو گئے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عثمان غنیؓ سے کہا۔ کہ آپ کی طرف سے لوگوں کے ساتھ نرمی کا ضرورت سے زیادہ اظہار ہورہا ہے۔ فاروق اعظمؓ کا یہ طریقہ نہیں تھا۔ اُن سے سینکڑوں کوس کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے عامل ان کے پیش خدمت غلام سے بھی زیادہ ڈرتے اور خائف رہتے تھے۔ لوگوں کے ساتھ نرمی صرف اسی حد تک برتنی چاہیئے۔ جہاں تک کہ فتنہ وفساد کے پیدا ہونے کا اندیشہ تک نہ ہو۔ آپ جن لوگوں کو جانتے ہیں کہ وہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اُن کو قتل نہیں کرا دیتے۔

حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت عمروؓ کے اس مشورے کو سُنا اور خاموش ہو گئے۔

۲۵ھ کے واقعات مدینہ منورہ میں۔ جو صوبوں کے والی حضرت عثمانؓ کے ہمراہ مکہ معظمہ سے آئے تھے۔ وہ سب یکے بعد دیگرے اپنے اپنے صوبوں کی طرف رخصت ہو گئے۔ آخر میں حضرت معاویہؓ بھی رخصت ہونے کے لئے حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ کہ مجھ کو اندیشہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کہیں آپ پر حملہ

نہ ہو۔ اور آپ اُس کی مانعت نہ کرسکیں۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ میرے ساتھ ملک شام کی جانب چلیں۔ وہاں تمام اہلِ شام میرے فرماں بردار اور شریکِ کار ہیں حضرت عثمان غنیؓ نے جواب دیا۔ کہ میں کسی حالت میں بھی آنحضرت صلعم کا قرب وہمسائیگی ترک نہیں کرسکتا۔ یہ سُن کر حضرت امیر معاویہؓ نے کہا کہ اچھا آپ اجازت دیجئے کہ میں ایک زبردست لشکر ملک شام سے آپ کی حفاظت کے لئے یہاں بھیج دوں۔ کہ وہ مدینہ میں مقیم رہے حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ کہ میں آنحضرت صلعم کے پڑوسیوں یعنی مدینہ والوں کو تنگ کرنا نہیں چاہتا۔ یہ سُن کر حضرت معاویہؓ نے کہا۔ کہ آپ ضرور دھوکہ کھائیں گے۔ حضرت عثمان غنیؓ اس کے جواب میں حَسۡبِیَ اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ حضرت معاویہؓ پھر وہاں سے اُٹھ کر حضرت علیؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ کی خدمتوں میں حاضر ہوئے۔ اور بوقتِ ضرورت عثمان غنیؓ کی امداد کرنے کی سفارش و فرمائش کرکے شام کی جانب روانہ ہو گئے۔

عبداللہ بن سبا کی سازش

عبداللہ بن سبا نے مصر میں بیٹھے بیٹھے اپنے تمام انتظامات خفیہ طور پر مکمل کر لئے تھے۔ حضرت عمار بن یاسر اور ورقا بن رافع انصاری جیسے صحابیوں کو بھی اس نے اپنے دامِ تزویر میں لے لیا تھا۔ لیکن اس کی اصل تحریک اور مقصودِ حقیقی کا حال سوائے اس کے چند خاص لخاص مسلم نما یہودیوں کے اور کسی کو معلوم نہ تھا۔ بظاہر اس نے حُبِ علیؓ اور حُبِ اہلِ بیت کو خلافتِ عثمانی کے درہم برہم کرنے کے لئے ایک ذریعہ بنایا تھا۔ مذکورہ بالا فوجی مقاموں سے بہت سے سادہ لوح عرب اس کے فریب میں آچکے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن سبا کی تحریک و اشارے کے موافق ہر ایک مقام پر عثمانؓ کے لئے لوگوں نے تیاریاں کیں۔ ہر مقام اور ہر گروہ کے آدمی اس بات پر متفق تھے۔ کہ حضرت عثمانؓ کو معزول یا قتل کر دیا جاوے لیکن ان کے بعد کس کو خلیفہ بنایا جائے۔ اس میں اختلاف تھا۔ کوئی حضرت علیؓ کا نام لیتا تھا۔ کوئی حضرت زبیر بن العوام کو بہتر سمجھتا۔ اور کوئی حضرت طلحہؓ کو خلافت کے لئے سب سے موزوں سمجھتا تھا۔ چونکہ عبداللہ بن سبا کو اسلام سے کوئی ہمدردی تو تھی ہی نہیں۔ اُس کا مقصد حضرت عثمان غنیؓ کی مخالفت تھی۔ لہٰذا اُس نے حضرت علیؓ کی حمایت و محبت کے بہانے کو اس موقع پر زیادہ استعمال کرنا ترک کر دیا۔ اور لوگوں کو آئندہ خلیفہ کے انتخاب میں

مختلف الخیال دیکھ کر ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

فتنہ پرداز قافلوں کی روانگی سب سے پہلے ایک ہزار آدمیوں کا ایک قافلہ یہ مشہور کر کے کہ ہم حج ادا کرنے جاتے ہیں مصر سے روانہ ہوا۔ اس قافلہ میں عبدالرحمٰن بن عدیس۔ کنانہ بن بشر لیثی سودان بن حمران وغیرہ بھی شامل تھے۔ اس قافلہ کا سردار غافقی بن حرب عکی تھا۔ تجویز یہ کی گئی تھی کہ مصر سے یہ ایک ہزار آدمی سب کے سب ایک ہی مرتبہ ایک ساتھ روانہ نہ ہوں۔ بلکہ مختلف اوقات میں یکے بعد دیگرے چار چھوٹے چھوٹے قافلوں کی شکل میں روانہ ہوں۔ اور آگے کئی منزل کے بعد سب مل کر ایک قافلہ بن جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک ہزار کا قافلہ مقام کوفہ سے مالک اشتر کی سرداری میں اسی اہتمام کے ساتھ یعنی چار حصوں میں منقسم ہو کر روانہ ہوا۔ اس قافلہ میں زید بن صوحان عبدی۔ زیاد بن النضر حارثی۔ عبداللہ بن الاصم عامری بھی شامل تھے۔ اسی طرح ایک ہزار کا قافلہ حرقوص بن زہیر سعدی کی سرداری میں بصرہ سے روانہ ہوا۔ جس میں حکیم بن جبلہ عبدی۔ بشیر بن شریح قیسی وغیرہ شامل تھے۔ یہ تمام قافلے ماہ شوال ۳۵ھ میں اپنے اپنے شہروں سے روانہ ہوئے۔ اور سب نے یہ مشہور کیا۔ کہ ہم حج ادا کرنے جاتے ہیں۔ ان سب نے آپس میں پہلے ہی سے یہ تجویز پختہ کر لی تھی۔ کہ اس مرتبہ امیرالمومنین عثمان ابن عفانؓ کو ضرور معزول یا قتل کریں گے۔ اپنے اپنے مقاموں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر روانہ ہوئے۔ پھر سب یک جا ہوئے۔ اس کے بعد چند منزلیں طے کر کے تینوں صوبوں کے قافلے مل کر ایک ہو گئے اور سب کے سب مل کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مدینہ منورہ تین منزل کے فاصلے پر رہ گیا۔ تو وہ لوگ جو طلحہؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے آگے بڑھ کر ذوخشب میں ٹھیر گئے۔ جو لوگ زبیر بن العوامؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے مقام اعوص میں آ کر مقیم ہو گئے۔ جو لوگ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ وہ ذوالمروہ میں مقیم ہو گئے۔ طلحہؓ کے حامیوں میں زیادہ تعداد بصرہ کے لوگوں کی۔ زبیر بن العوامؓ کے طرفداروں میں زیادہ تعداد کوفے کے لوگوں کی تھی جو لوگ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ان میں زیادہ تر مصر کے لوگ شامل تھے۔

زیاد بن النضر اور عبداللہ بن الاصم نے ان تمام بلوائیوں سے کہا کہ تم لوگ یہیں ٹھہرے رہو۔ جلدی نہ کرو۔ ہم پہلے مدینہ میں داخل ہو کر اہل مدینہ کی حالت معلوم کر آئیں۔ کیونکہ ہم کو معلوم ہوا ہے۔ کہ مدینہ والوں نے بھی جنگی تیاری کی ہے۔ اگر یہ خبر صحیح ہے۔ تو پھر ہم

سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ تمام بلوائی یہ سُن کر خاموش ہو گئے۔ اور یہ دونوں مدینہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ میں پہنچ کر یہ دونوں حضرت علیؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ اور اُمہات المومنین سے ملے اور اُن سے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ اِن سبھوں نے اُن کو ملامت کی اور واپس جانے کے لیے حکم دیا۔

اس جگہ یہ بات خصوصیت سے قابل تذکرہ ہے۔ کہ عبداللہ بن سبا کے آدمی جو مدینہ منورہ میں موجود تھے۔ انھوں نے حضرت علیؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ اور اُمہات المومنینؓ کے نام سے بہت سے خطوط لکھ لکھ کر کوفہ، مصر و بصرہ کے ان لوگوں کے نام روانہ کیے جو ان بزرگوں کے نام سے عقیدت رکھتے اور عبداللہ بن سبا کے دام تزویر میں پورے اور یقینی طور پر نہیں پھنستے تھے، ان خطوط میں لکھا گیا تھا۔ کہ حضرت عثمانؓ اب اس قابل نہیں ہے۔ کہ اُن کو تخت خلافت پر متمکن رہنے دیا جائے مناسب یہی ہے اور اُمّت مسلمہ کی فلاح اسی میں مضمر ہے کہ اس آنے والے ماہ ذالحجہ میں اس ضروری کام کو سرانجام دے دیا جائے یہی وجہ تھی۔ کہ یہ تینوں قافلے مدینہ منورہ میں ہر قسم کا فساد مچانے اور کشت و خون کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔ تین ہزار آدمیوں کا کیا حوصلہ تھا۔ کہ وہ اُس مدینۃ النبیؐ پر تصرف کرتے اور زبردستی اپنے ارادے پورے کرانے کے عزم سے آتے جس مدینہ پر جنگ احزاب کے کثیر التعداد کفار دخل نہ پا سکے تھے۔ ان بلوائیوں کو یہی شیری اور دلیری تھی کہ مدینہ کے اکابر سب ہماری حمایت پر آمادہ ہیں۔ اور ہم جو کچھ کریں گے گویا ان ہی کے منشا کو پورا کریں گے مدینہ میں جب ہر ایک بزرگ نے ان کی آمد کو نامناسب قرار دیا۔ اور انھوں نے مدینہ میں کسی قسم کی مستعدی و جنگی تیاری بھی نہ دیکھی۔ تو انھوں نے ان بزرگوں کی مخالفت رائے کو مصلحت اندیشی پر محمول کیا۔ اور واپس جا کر تمام بلوائیوں کے نمائندوں اور سرداروں کو جمع کیا۔ اور مدینہ والوں کی طرف سے اطمینان دلا کر یہ تجویز پیش کی۔ سردارانِ مصر جن میں زیادہ تر حضرت علیؓ کے حامی ہیں حضرت علیؓ کے پاس۔ بصرہ والے طلحہؓ کے پاس اور کوفہ والے زبیرؓ کے پاس جائیں۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ میں داخل ہو کر تینوں حضرات کی خدمت میں الگ الگ حاضر ہوئے اور کہا۔ کہ ہم حضرت عثمانؓ کی خلافت کو کسی طرح پسند نہیں کرتے آپ ہم سے بیعت خلافت لے لیں۔ ہر ایک بزرگ سے بیعت لینے کی فرمائش کی گئی۔ اور ہر ایک نے سختی کے ساتھ انکار کیا۔ جب انکار دیکھا۔ تو مصر والوں نے حضرت علیؓ سے کہا۔ کہ ہمارے یہاں کا عامل عبداللہ بن سعد چونکہ ظالم ہے ہم اس کو معزول کرائے بغیر تو مدینہ سے ہرگز نہ جائیں گے۔ بلوائیوں کے ان سرداروں کے اصرار اور جرأت کو دیکھ کر

اور مناسب وقت سمجھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور بعض دوسرے اصحاب کرام نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشورہ دیا کہ ان بلوائیوں کو مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہاں سے ٹال دو۔ اوران کی ضد پوری کردو۔ یعنی عبداللہ بن سعدؓ کو مصر کی امارت سے معزول کردو۔ حضرت عثمان غنیؓ نے دریافت کیا۔ کہ پھر کس کو مصر کا عامل تجویز کیا جائے۔

حضرت علیؓ نے اپنے پروردہ کی سفارش کی

حضرت علیؓ نے اور دوسرے صحابہؓ نے محمد بن ابی بکر کا نام لیا۔ وہ پہلے ہی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حامی اور عبداللہ بن سبا کے فریب میں آئے ہوئے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو مصر کی امارت کا فرمان لکھ کردے دیا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بلوائیوں کے سرداروں کو رخصت کیا۔ اور کہا۔ کہ جاؤ۔ اب تمھاری ضد پوری ہوگئی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی بہت کچھ سمجھا بجھا کر لوگوں کو رخصت کردیا۔ تیسرے یا چوتھے روز کیا دیکھتے ہیں۔ کہ باغیوں کی ساری کی ساری جماعت تکبیر کے نعرے بلند کرتی ہوئی مدینہ میں داخل ہوئی اور حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا۔ کہ تم لوگ تو یہاں سے چلے گئے تھے۔ پھر کیسے واپس آگئے۔ انھوں نے کہا۔ کہ خلیفہ نے ایک خط اپنے غلام کے ہاتھ عبداللہ بن سعدؓ کے پاس مصر کی جانب روانہ کیا تھا۔ کہ ہم جب وہاں پہنچیں۔ تو وہ ہم کو قتل کردے۔ ہم نے وہ خط راستے میں پکڑ لیا ہے۔ اُس کو لے کر آئے ہیں۔ ساتھ ہی مصری، کوفی قافلے بھی واپس آگئے ہیں۔ کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ رنج و راحت میں شرکت کریں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ کہ واللہ یہ تم لوگوں کی سازش ہے۔ اور تمھاری نیت نیک نہیں ہے۔ ان لوگوں نے کہا۔ خیر جو کچھ بھی ہو اس خلیفہ کو قتل کرنا ضروری ہے۔ آپ اس کام میں ہماری امداد کریں حضرت علیؓ نے برہم ہو کر فرمایا۔ کہ میں بھلا تمھاری مدد کیسے کرسکتا ہوں۔ یہ سن کر ان لوگوں نے کہا۔ کہ پھر آپ نے ہم کو لکھا کیوں تھا؟ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ کہ میں نے کبھی تم کو کچھ بھی نہیں لکھا۔ یہ سن کر وہ آپس میں حیرت کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کے بعد مدینہ سے باہر مقام احجار الزیت میں تشریف لے گئے۔ اور

بلوائیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کو تنگ کرنا شروع کیا۔ اب تک بلوائی لوگ حضرت عثمان غنیؓ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ اب انھوں نے ان کے پیچھے نمازیں پڑھنی چھوڑ دیں۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی زبردستی حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکنا شروع کیا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے یہ رنگ اور مدینہ کی گلیوں کو بلوائیوں سے پُر دیکھ کر مختلف ممالک کے والیوں کو خطوط لکھے اور امداد طلب کی۔ یا یہ خبریں خود بخود ہی ان ممالک میں پہنچیں۔ چنانچہ مصر، شام، کوفہ، بصرہ سے نیک دل لوگوں اور صحابہ کرام نے مدینہ کی طرف لوگوں کو روانہ ہونے اور خلیفہ وقت کی مدد کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت معاویہؓ نے حبیب بن مسلمہ فہری کو اور عبداللہ بن سعد نے معاویہ بن خدیج کو روانہ کیا۔ کوفہ سے قعقاع بن عمرو ایک جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اسی طرح بصرے سے بھی ایک جمعیت روانہ ہوئی۔ ان خبروں کے پہنچنے اور ان امدادی جمعیتوں کے روانہ ہونے میں ضرور کچھ نہ کچھ تامل واقع ہوا۔ کیونکہ ان میں سے کوئی بھی حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت سے پہلے مدینہ میں نہ پہنچ سکا سب نے راستے ہی میں واقعہ شہادت کا حال سُنا۔ اور راستے ہی سے اپنے اپنے صوبوں کی طرف واپس روانہ ہو گئے۔ تیس دن تک حالت محاصرہ میں حضرت عثمان غنیؓ نمازوں کے لئے مسجد میں آتے رہے۔ اس کے بعد بلوائیوں نے ان کا گھر سے نکلنا اور گھر میں پانی کا جانا بند کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے ہر چند کہا۔ کہ تم عینی شاہد پیش کرو۔ کہ میں نے یہ خط لکھا ہے جس کو تم نے بہانہ بنایا ہے یا مجھ سے قسم لے لو۔ مجھ کو اس کا کوئی علم نہیں ہے۔ بلوائیوں نے کسی کی کوئی معقول بات پھر سُننی پسند نہ کی۔ ایک عام افراتفری اور ہلچل کا زمانہ تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ پر بلوائیوں نے پانی کا جانا بند کیا۔ تو ان کو بڑی تکلیف ہوئی۔ پھر ایک ہمسایہ کے ذریعہ پوشیدہ طور پر پانی گھر میں پہنچتا رہا۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی امامت

حضرت عثمان غنیؓ جب خود مسجد میں نہ آ سکے۔ تو انھوں نے نمازوں کی امامت کے لئے ابو ایوب انصاریؓ کو مقرر فرمایا۔ لیکن چند روز کے بعد بلوائیوں کے سردار غافقی بن حرب عکی نے خود نمازوں کی امامت شروع کر دی۔ مصر میں جس طرح محمد بن ابی بکر حضرت عثمانؓ کے خلاف کوشش فرماتے تھے۔ اُسی طرح محمد بن حذیفہ بھی مخالفت عثمانی میں

معروف تھے۔ جب مصر سے عبد الرحمٰن بن عدیس کی سرکردگی میں قافلہ روانہ ہوا۔ تو محمد بن ابی بکرؓ ان لوگوں کے ساتھ ہی مدینہ منورہ میں آئے تھے۔ لیکن محمد بن حذیفہ وہیں مصر میں رہ گئے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے محاصرہ کی خبر جب مصر میں پہنچی۔ تو عبداللہ بن سعدؓ وہاں سے خود ایک جمعیت لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مقام رملہ میں پہنچے تو ان کے پاس خبر پہنچی کہ محمد بن حذیفہ نے مصر پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ سن کر وہ واپس آ گئے۔ فلسطین ہی میں تھے۔ کہ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی خبر پہنچ گئی۔ محاصرہ کی خبر چالیس روز تک ممتد ہوئی۔ اس عرصہ میں حضرت علیؓ کئی مرتبہ حضرت عثمان غنیؓ کے پاس آئے۔ اور انھوں نے بلوائیوں کے سمجھانے اور واپس چلے جانے کی کوششیں بھی کیں۔ لیکن حضرت عثمان غنیؓ کے میر منشی مروان بن الحکم نے جو ان کا چچازاد بھائی بھی تھا۔ حضرت علیؓ اور بنو ہاشم کے دوسرے سرداروں کو ناخوش کرنے اور جلی کٹی باتوں کے کہنے کی غلطی بار بار کی۔ کئی مرتبہ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی پاک باطنی اور نیک نیتی سے بگڑے ہوئے معاملہ کو سلجھا بھی لیا۔ اور عیان قریش و انصار کی حمایت بھی حاصل کی۔ لیکن اس شخص مروان بن حکم نے عین وقت پر اپنی دریدہ دہنی اور بدلگامی سے بنے بنائے کام کو بگاڑ دیا۔

مروان بن حکم کی شرارتیں

حضرت عثمان غنیؓ ایک با مروّت اور نرم مزاج انسان تھے۔ اسی لئے مروان کو اس جرأت اور دیدہ دلیری کا موقع ملتا رہا۔ مروان اور اس کے باپ حکم کو آنحضرت صلعم نے مدینہ سے خارج کر دیا تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور فاروق اعظمؓ نے بھی اپنے اپنے عہد خلافت میں ان باپ بیٹوں کو مدینہ میں داخل ہونے نہ دیا تھا۔ لیکن جب حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے۔ تو انھوں نے مروان کو مدینہ میں بلا لیا۔ اور قرابت و رشتہ داری کے خیال سے اس پر احسان کرنا ضرور سمجھ کر اپنا میر منشی بنا لیا۔ کاتب یعنی میر منشی بن کر مروان نے خلیفہ کے مزاج میں اور بھی زیادہ دخل پا لیا۔ اور اپنی چالاکیوں سے صحابہ کرامؓ کے خلاف بعض اوقات دربار خلافت سے احکام صادر کرا دینے میں کامیاب ہونے لگا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ باشندگانِ مدینہ مروان بن حکم سے ناراض تھے۔ اور ان ایام محاصرہ اور چہل روزہ بدامنی کے دوران میں اہل مدینہ نے باغیوں اور بلوائیوں کے ساتھ مل کر کئی مرتبہ مروان کے مطالبہ کی آواز بلند کرائی۔ اور اگر حضرت عثمانؓ مروان کو بلوائیوں

کے سپرد کر دیتے۔ تو یقیناً یہ فتنہ بھی فرو ہو جاتا۔ کیونکہ کم از کم مدینہ میں تو کوئی شخص حضرت عثمانؓ کا مخالف باقی نہ رہتا مدینہ کے ہر شخص کو اگر ملال تھا۔ تو مروان سے تھا۔ حضرت عثمانؓ سے کسی کو کوئی خصوصی عناد اور عداوت نہ تھی۔ حضرت عثمانؓ نے مروان کے سپرد کرنے میں اس لئے انکار کیا۔ کہ ان کو یقین تھا کہ یہ لوگ مروان کو فوراً قتل کر دیں گے۔ لہٰذا انھوں نے پسند نہ کیا۔ کہ مروان کے قتل کا موجب بنیں۔ جب بلوائیوں نے زیادہ شورش برپا کی۔ اور یہ معلوم ہوا۔ کہ اب بلوائی حضرت عثمانؓ کے مکان کا دروازہ گرا کر اندر داخل ہونا اور ان کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے صاحبزادوں حضرت امام حسنؓ و حسینؓ کو بھیجا۔ کہ حضرت عثمانؓ کے دروازے پر مسلح موجود رہو اور بلوائیوں کو مکان کے اندر داخل ہونے سے روکو۔ اسی طرح حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی اپنے اپنے صاحبزادوں کو حضرت عثمانؓ کے دروازے پر بھیج دیا۔ ان صاحبزادوں نے دروازے پر پہنچ کر بلوائیوں کو روکا۔ اور ان کو اس لئے مجبوراً رکنا پڑا کہ اگر ان میں کسی کو کوئی صدمہ پہنچ جاتا۔ تو تمام بنی ہاشم کے مخالف اور درپے مقابلہ ہونے کا اندیشہ تھا۔ ادھر بلوائیوں کو اس بات کا اندیشہ تھا۔ کہ حضرت عثمانؓ کے عاملوں سے محاصرہ کی خبریں سن کر ضرور مدینہ کی طرف فوجیں روانہ کی ہوں گی۔ اگر وہ فوجیں پہنچ گئیں۔ تو پھر مقصد برآری دشوار ہو گی۔ لہٰذا انھوں نے فوری تدابیر شروع کر دیں۔ اور حضرت عثمان غنیؓ کے ایک متصلہ مکان میں داخل ہو کر اور دیوار کود کر ایک جماعت ان کے مکان کے اندر داخل ہو گئی ۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت بلوائیانِ مصر نے جب مدینہ میں دوبارہ واپس آ کر خط لوگوں کو دکھایا اور حضرت عثمان غنیؓ نے حلفیہ اس خط سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ تو عبدالرحمٰن بن عدیس نے جو بلوائی سرغنہ تھا۔ کہا کہ تم اپنے اس قول اور حلف میں جھوٹے ہو تب بھی اور سچے ہو تب بھی تمہارا خلیفہ رکھنا کسی طرح جائز نہیں۔ کیونکہ اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو جھوٹے کو مسلمانوں کا خلیفہ نہیں ہونا چاہیے۔ اور اگر سچے ہو تو ایسے ضعیف خلیفہ کو جس کی اجازت و اطلاع کے بغیر جو جس کا جی چاہے حکم لکھ کر بھیج دے خلیفہ نہیں رکھنا چاہیے۔ عبدالرحمٰن بن عدیس نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ خود ہی خلافت کو چھوڑ دیں۔ انھوں نے جواب میں کہا۔ کہ میں اس کرتے کو جو خدا نے مجھے پہنایا ہے۔ خود نہیں اتاروں گا۔ یعنی خلافت کے منصب کو خود نہیں چھوڑوں گا۔ اس کے بعد

بلوائیوں نے ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اور سختی شروع کی۔ جب خلیفۂ وقت پر پانی بھی بند کر دیا گیا۔ اور پانی کی نایابی سے تکلیف و اذیت ہوئی۔ تو حضرت عثمان غنیؓ اپنے مکان کی چھت پر چڑھے۔ اور اپنے حقوق جتائے اور اپنا سابق الایمان ہونا بھی لوگوں کو یاد دلایا۔ اس تقریر کا بلوائیوں پر کچھ ایسا اثر ہوا۔ کہ ان میں سے اکثر یہ کہنے لگے کہ بھائی اب ان کو جانے دو۔ اور ان سے در گذر کرو۔ لیکن اتنے میں مالک بن اشتر آگیا۔ اس نے لوگوں کے مجمع کو پھر سمجھایا۔ کہ دیکھو کہیں دامِ فریب میں نہ آجانا۔ چنانچہ لوگ پھر مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ بلوائیوں کو جب یقین ہو گیا۔ کہ ممالکِ اسلامیہ سے جو فوجیں آئیں گی۔ وہ ضرور حضرت عثمانؓ کی حامی اور ہماری مخالف ہوں گی۔ تو انھوں نے یعنی ان کے سرداروں نے حضرت عثمان غنیؓ کے شہید کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ انھیں ایام میں حضرت عائشہؓ نے حج کا ارادہ کیا۔ اور اپنے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو بلوایا۔ کہ وہ ہمارے ساتھ چلیں۔ تو محمد بن ابی بکرؓ نے ان کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ بلوائیوں کے ساتھ شیر و شکر ہو رہے تھے۔ حضرت حنظلہ کاتب وحی نے کہا۔ کہ تم امّ المومنین کے ساتھ نہیں جاتے اور اسفہائے عرب کی پیروی کرتے ہو۔ یہ تمھاری شان سے بعید ہے۔ محمد بن ابی بکرؓ نے ان کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر حنظلہؓ کوفہ کی طرف چلے گئے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور دوسرے صحابیوں نے اپنے اپنے دروازے بند کر لئے تھے۔ نہ گھر سے باہر نکلتے تھے۔ نہ کسی سے ملتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے عثمان غنیؓ کے دروازے پر موجود رہ کر بلوائیوں کا مقابلہ کیا۔ اور ان کو روکا۔ لیکن ان کو حضرت عثمانؓ نے امیر الحاج بنا کر باصرار مکہ کی طرف روانہ کیا۔ ورنہ وہ فرماتے تھے۔ کہ مجھ کو ان بلوائیوں سے جہاد کرنا حج کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ حسن بن علیؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ محمد بن طلحہؓ۔ سعید بن العاصؓ نے دروازہ کھولنے سے بلوائیوں کو روکا۔ اور لڑ کر ان کو پیچھے ہٹا دیا۔

لیکن حضرت عثمان غنیؓ نے ان لوگوں کو قسمیں دے کر لڑنے سے روکا۔ اور گھر کے اندر بلا لیا۔ بلوائیوں نے دروازے میں آگ لگا دی اور اندر گھس آئے۔ ان لوگوں نے ان کو پھر مقابلہ کر کے باہر نکال دیا۔ اس وقت حضرت عثمان غنیؓ قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے۔ الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا و قالوا حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ (یہ وہ لوگ ہیں جن کو لوگوں نے آکر خبر دی۔ کہ مخالف لوگوں

نے تمہارے ساتھ لڑنے کے لئے بڑی بھیڑ جمع کی ہے ذرا اُن سے ڈرتے رہنا۔ تو اس خبر کو سُن کر اُن کے ایمان اور بھی زیادہ مضبوط ہو گئے۔ اور بول اٹھے کہ ہم کو اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے)، تو حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ رسول اللہ صلعم نے مجھ سے ایک عہد لیا ہے۔ میں اپنے اُس عہد پر قائم ہوں۔ اور تم ہرگز ان بلوائیوں کا مقابلہ اور ان سے قتال بالکل نہ کرو۔ حضرت حسن بن علیؓ کو حکم دیا کہ تم ابھی اپنے باپ کے پاس چلے جاؤ۔ لیکن انھوں نے جانا پسند نہ کیا۔ اور دروازہ پر بلوائیوں کو روکتے رہے۔

مغیرہ بن الاخنسؓ یہ حالت دیکھ کر تاب نہ لا سکے۔ اپنے چند آدمیوں کو لے کر بلوائیوں کے مقابلہ پر آئے اور لڑ کر شہید ہوئے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ بھی یہ کہتے ہوئے یا قوم مَالِی اَدْعُوْکُمْ اِلَی النَّجَاۃِ تَدْعُوْنَنِیْ اِلَی النَّارِ (لوگو! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں۔ اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو) بلوائیوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت عثمان غنیؓ کو جب معلوم ہوا۔ تو انھوں نے باصرار حضرت ابو ہریرہؓ کو واپس بلوایا اور لڑائی سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اسی عرصہ میں حضرت عبداللہ بن سلام تشریف لائے۔ انھوں نے بلوائیوں کو سمجھانا اور فتنہ سے باز رکھنا چاہا۔ لیکن بجائے اس کے کہ ان کی نصیحت کا بلوائیوں پر کچھ اثر ہوتا۔ وہ حضرت عبداللہ بن سلام سے بھی لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے مکان میں جس قدر آدمی تھے۔ اُن میں سے کچھ تو کوٹھے پر چڑھے ہوئے تھے اور باغیوں کی کوشش اور نقل و حرکت کے نگران تھے۔ کچھ لوگ دروازہ پر تھے اور باہر سے داخل ہونے اور گھسنے والے بلوائیوں کو اندر آنے سے روک رہے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ اور ان کی بیوی نائلہ بنت الفرافضہ گھر میں تھے۔

بلوائیوں نے ہمسایہ کے ایک گھر میں داخل ہو کر اور دیوار کود کر حضرت عثمانؓ پر حملہ کیا سب سے پہلے محمد بن ابی بکرؓ حضرت عثمانؓ کے قریب پہنچے اور اُن کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا۔ کہ اے نعثل (لمبی ڈاڑھی والے) خدا تجھ کو رسوا کرے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا۔ کہ میں نعثل نہیں۔ بلکہ عثمان امیر المومنین ہوں۔ محمد بن ابی بکرؓ نے کہا۔ تجھ کو اس بڑھاپے میں بھی خلافت کی ہوس ہے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا۔ کہ تمہارے باپ ہوتے تو وہ میرے اس بڑھاپے کی قدر کرتے۔ اور میری اس ڈاڑھی کو اس طرح نہ پکڑتے۔ محمد بن ابی بکرؓ یہ سُن کر کچھ شرما گئے اور ڈاڑھی چھوڑ کر واپس چلے آئے۔ اُن کے واپس چلے جانے کے بعد بدمعاشوں کا ایک گروہ

اسی طرف سے دیوار کود کر اندر آیا جس میں بلوائیوں کا ایک سرغنہ عبدالرحمٰن بن عدیس۔ کنانہ بن بشیر۔ عمرو بن حمق۔ عمیر بن حنابی۔ سودان بن حمران غافقی تھے۔ کنانہ بن بشیر نے آتے ہی حضرت عثمان غنیؓ پر تلوار چلائی۔ اُن کی بیوی نائلہ نے فوراً آگے بڑھ کر تلوار کو ہاتھ سے روکا۔ ان کی اُنگلیاں کٹ کر الگ جاپڑیں۔ پھر دوسرا وار کیا۔ جس سے آپ شہید ہو گئے۔ اس وقت آپ قرآن کی تلاوت میں مصروف تھے۔ خون کے قطرات قرآن شریف کی آیت پر گرے۔ فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم۔ عمرو بن حمق نے آپ پر نیزے کے نو زخم پہنچائے۔

عمیر بن حنابی نے آگے بڑھ کر ٹھوکریں ماریں۔ جس سے آپ کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ وہ ہر ٹھوکر لگاتے ہوتے کہتا جاتا تھا۔ کیوں تم نے ہی میرے باپ کو قید کیا تھا۔ جو بے چارہ حالت قید ہی میں مر گیا تھا۔ گھر کے اندر یہ قیامت برپا ہو گئی۔ چھت والوں اور دروازے والوں کو خبر ہی نہ ہوئی۔ آپ کی بیوی نائلہ نے آوازیں دیں۔ تو لوگ چھت پر سے اُترے۔ اور دروازے کی طرف سے اندر متوجہ ہوئے۔ بلوائی اپنا کام کر چکے تھے وہ بھاگے۔ بعض اُن میں سے حضرت عثمانؓ کے غلاموں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اب نہ کسی کو دروازے پر رہنے کی ضرورت تھی۔ نہ کسی کی حفاظت باقی رہی تھی۔ چاروں طرف سے بلوائیوں، بدمعاشوں نے نرغہ کیا۔ گھر کے اندر داخل ہو کر تمام گھر کا سامان لوٹ لیا۔ حتیٰ کہ جسم کے کپڑے تک بھی نہ چھوڑے۔ اس بدامنی اور ہل چل کے عالم میں بجلی کی طرح تمام مدینے میں عثمان غنیؓ کی شہادت کی خبر پھیل گئی۔ یہ حادثہ ۱۸ ذالحجہ ۳۵ھ یوم جمعہ کو وقوع پذیر ہوا۔ تین دن تک حضرت عثمان غنیؓ کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔ آخر حکیم بن حزام اور جبیر بن مطعم دونوں حضرت علیؓ کے پاس گئے۔ انھوں نے دفن کرنے کی اجازت دی۔ رات کے وقت عشاء و مغرب کے درمیان جنازہ لے کر نکلے۔ جنازہ کے ساتھ زبیرؓ۔ حسنؓ۔ ابوجہم بن حذیفہؓ۔ مروان وغیرہ تھے۔ بلوائیوں نے جنازہ کی نماز پڑھنے اور دفن کرنے میں بھی رکاوٹ پیدا کرنی چاہی۔ مگر حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے سختی سے اُن کو منع کیا۔ جبیر بن مطعمؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی بغیر غسل کے انھیں کپڑوں میں جو پہنے ہوئے تھے دفن کیے گئے۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے وقت ممالک اسلامیہ میں مندرجہ ذیل عامل و امیر مامور تھے۔ عبداللہ بن الحضرمی مکہ میں۔ قاسم بن ربیعہ ثقفی طائف میں۔ یعلی بن منیہ صنعا (یمن)

ہیں۔ عبد اللہ بن ربیعہ جند میں۔ عبد اللہ بن عامل بصرہ میں۔ معاویہ بن ابی سفیان ملک شام میں۔ عبدالرحمٰن بن خالد حمص میں۔ حبیب بن مسلمہ قنسرین میں ابوالاعور سلمی اردن میں۔ عبداللہ بن قیس فزاری بحرین میں علقمہ بن حکیم کندی۔ معاویہ کی طرف سے فلسطین میں۔ ابو موسیٰ اشعری کوفہ میں امام اور قعقاع بن عمرو سالار لشکر تھے۔ جابر مزنی اور سماک انصاری دونوں خراج سواد پر مامور تھے۔ جریر بن عبد اللہ قرقیسیا میں۔ اشعث بن قیس آذربائیجان میں سائب بن اقرع اصفہان میں گورنر مقرر تھے۔ مدینہ منورہ میں بیت المال کے لئے عقبہ بن عمرو اور قضا پر زید بن ثابت مامور تھے۔

حضرت عثمان غنیؓ ۸۲ سال کی عمر میں بارہ سال خلافت کر کے فوت ہوئے۔ جنت البقیع کے قریب مدفون ہوئے۔ آپ کے کل گیارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں ہوئی تھیں۔

خلافت عثمانی پر ایک نظر خلافت عثمانی کے واقعات پڑھ کر بے اختیار قلب پر یہ نمایاں اثر ہوتا ہے کہ ہم عہد نبوی اور خلافت صدیقی و فاروقی کے زمانے کو طے کر کے کسی نئے زمانے میں داخل ہوتے ہیں۔ اس زمانے کی آب و ہوا بھی نئی ہے۔ اور لوگوں کی وضع قطع میں بھی غیر معمولی تغیر پیدا ہو گیا ہے۔ زمین و آسمان غرض ہر چیز کی کیفیت متغیر ہے۔ خلافتِ فاروقی تک مسلمانوں کی نگاہ میں مال و دولت کی کوئی وقعت و قیمت نہ تھی۔ خود خلیفہ کی یہ حالت ہوتی تھی کہ اپنے اہل و عیال کی ضروریات پورا کرنے کے لئے دوسرے لوگوں سے بھی بہت ہی کم روپیہ اس کے ہاتھ میں آتا تھا۔ اور اس بے زری و افلاس کو نہ خلیفہ وقت کوئی مصیبت تصور فرماتا تھا نہ عام لوگ مال و دولت کی طرف خواہشمند نظر آتے تھے۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی خواہش اعلاء کلمۃ اللہ اور ان کی سب سے بڑی مسرت راہِ خدا میں قربان ہو جانا تھا۔ عہدِ عثمانی میں یہ بات محسوس طور پر کم ہو گئی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ تو پہلے ہی سے مال دار شخص تھے۔ خلیفہ ہونے کے بعد بھی ان کی اور سابقہ دو خلفاء کی حالتوں میں نمایاں فرق نظر آنا چاہیئے تھا۔ چنانچہ وہ فرق نظر آیا۔ فاروق اعظمؓ کے آخر زمانے تک فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ اور دولت مند و زرخیز علاقے اُن کے زمانے میں مسلمانوں نے مسخر و فتوح کئے۔ اُن کی دولت تو مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی اور آ رہی تھی۔ لیکن وہ اس دولت کے استعمال اور عیش و راحت حاصل کرنے کے طریقوں سے نا آشنا تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں مسلمانوں نے حاصل شدہ دولت سے عیش حاصل

کرنا شروع کیا۔ مدینے کے معمولی چھپر محلوں اور ایوانوں کی شکل میں تبدیل ہونے لگے۔ لوگوں کے دلوں میں جائداد حاصل کرنے اور روپیہ جمع رکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس شوق کے ساتھ ہی سپہ گری و مردانگی کا خصوصی جذبہ جو مسلمانوں اور عربوں کا امتیازی نشان تھا کافور ہونے لگا۔ سپاہیانہ اخلاق کی جگہ آج کل کی اصطلاح کے متعلق رئیسانہ اخلاق پیدا ہونے لگے۔ جن کو حقیقتاً زنانہ اخلاق کہنا چاہیئے اور یہ سب سے بڑی مصیبت اور سب سے بڑی بدنصیبی تھی۔ جو مسلمانوں پر وارد ہوئی۔

صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے زمانے تک قریشی اور حجازی عرب جس میں اکثر آنحضرت صلعم کا زمانہ دیکھے ہوئے تھے ایک غالب عنصر کی حیثیت سے موجود تھے۔ وہ سب کے سب اسلام کو اپنی چیز سمجھتے اور اپنے آپ کو اسلام کا وارث جانتے تھے۔ اسلام کے مقابلے میں قبائلی امتیاز اُن کے دلوں سے بالکل مٹ گئے تھے۔ اسلام کے رشتے سے بڑھ کر ان کے نزدیک کوئی رشتہ نہ تھا۔ اور اسلام سے بڑھ کر اُن کے لئے کوئی محبوب چیز نہ تھی۔ فتوحات کے وسیع ہونے اور ممالکِ اسلامیہ کی تعداد کے کثیر ہونے سے مسلمانوں کی افواج اور مسلمانوں کی جمعیت میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی۔ جو ابھی چند روز سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور ان کے دلوں میں اسلامی محبت۔ قبائلی امتیاز اور قومی و خاندانی خصوصیات پر غالب نہیں ہونے پائی تھی۔ عہد فاروقی کی فتوحاتِ کثیرہ و عظیمہ جن افواج کے ذریعہ ہوئیں۔ اُن میں نبی بکر۔ نبی وائل۔ نبی عبدالقیس۔ نبی ربیعہ۔ نبی ازد۔ نبی کندہ۔ نبی تیم۔ نبی قضاعہ وغیرہ ہم قبائل کے لوگ زیادہ تھے۔ انھیں لوگوں نے ایرانی صوبوں۔ شامی علاقوں اور مصر و فلسطین وغیرہ کو فتح کیا تھا۔ انھیں کے ذریعہ ایرانی و رومی شہنشاہیوں کے پرخچے اُڑے تھے۔ لیکن ان مذکورہ قبائل میں سے کوئی بھی قبیلہ ایسا نہ تھا۔ جو آنحضرت صلعم کی شرفِ صحبت سے فیض یاب ہوا ہو۔ ان میں سے اگر کوئی شخص آنحضرت صلعم کا فیضِ صحبت پائے ہوئے تھا تو ایسے لوگوں کی تعداد الشاذ کالمعدوم کے حکم میں تھی۔ یہ تمام قبائل جو اسلام کی جرار فوج ثابت ہوئے۔ معصیت سوز ایمان اور مجنونانہ شیفتگیٔ اسلام میں قریشی اور حجازی صحابہ کرام کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔ مگر فاروق اعظمؓ کی نگاہ اس قدر وسیع و عمیق تھی۔ کہ ہر مسئلہ کی جزئیات تک کا ان کو احاطہ تھا۔ انھوں نے ایسا نظام قائم رکھا اور مہاجر و انصار کی سیادت کی ایسی حفاظت کی۔ کہ ان کے عہدِ خلافت میں یہ ممکن ہی نہ ہوا۔ کہ کوئی غیر مہاجر یا انصار کی ہمسری کا خیال تک بھی لاسکے

تمام مہاجرین وانصار کی حیثیت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں ایک شاہی خاندان اور فاتح قوم کی تھی۔ فاروق اعظمؓ نے ایک طرف بڑی کوشش اور احتیاط کے ساتھ اپنی فتح مند فوج اور صف شکن عربی سپاہیوں کے خصوصی سپاہیانہ اور جوانمردانہ جذبات کی حفاظت ونگرانی کی تھی کہ شام کے خوش سواد شہروں اور سامانِ عیش رکھنے والی بستیوں میں یا اُن کے قریب بھی عہدِ فاروقی میں اسلامی فوجوں کو قیام کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا تھا۔ دوسری طرف انھوں نے نہایت ہی اعلیٰ تدبر اور انتہائی تامل اندیشی کے ساتھ جلیل القدر اور صاحبِ اقتدار صحابیوں کو صحبتِ عوام بلکہ صحبتِ عام سے اس خوبی کے ساتھ بچا کر رکھا۔ کہ کسی کو بھی محسوس نہ ہونے پایا۔ اور ان جلیل القدر اصحاب کرام کے رعب وعظمت کی ایک طرف حفاظت ہوئی دوسری طرف ہمہ وقت ان کے گرد مدینہ منورہ میں نہ صرف ملک عرب بلکہ تمام دنیا کی منتخب اور با اقتدار و صاحبِ اثر جماعت موجود رہتی تھی۔

حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں یہ باتیں رفتہ رفتہ یکے بعد دیگرے مٹتی گئیں۔ مذکورہ بالا عربی قبائل اپنے آپ کو مہاجرین وانصار اور قریشی وحجازی لوگوں کا ہمسر بلکہ ان سے بڑھ کر سمجھنے لگے۔ صحابہ کرام جو شاہی خاندان کا مرتبہ رکھتے تھے۔ دور دراز صوبوں میں منتشر ہو گئے۔ مدینہ منورہ کی جمعیت درہم برہم ہو گئی۔ اور خود دار الخلافہ قوت کا مرکز نہ رہ سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ساتھ ہی ساتھ قومی وقبائلی امتیازات تازہ ہونے لگے۔ ہر ایک قبیلے اور ہر ایک خاندان کی الگ الگ عصبیت قائم ہو گئی۔ آپس میں وہی عہد جاہلیت کی رقابتیں تازہ ہونے لگیں۔ اور اسلامی رشتہ اور دینی اخوت کا اثر قومی وخاندانی امتیازات پر فائق نہ رہ سکا۔ مہاجرین وانصار نومسلموں کی کثرت کے اندر درخور ہونے کی وجہ سے اپنے اقتدار وعظمت کو قائم وباقی نہ رکھ سکے۔

حضرت عثمان غنیؓ نرم مزاج تھے۔ حکومت وانتظام کے باقی رکھنے کے لئے تنہا نرم مزاجی ہی کافی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اس کے لئے طاقت وسختی کے اظہار کی بھی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں ایک طرف تو مسلمانوں کے دلوں میں مال ودولت اور عیش وراحت جسمانی کی قدر پیدا ہونے لگی۔ دوسری طرف خلیفۂ وقت کا رعب واقتدار دلوں سے کم ہونے لگا۔ اس حالت میں شہرت پسند اور جاہ طلب لوگوں کو اپنی اولو العزمیوں کے اظہار اور اپنے ارادوں کے پورا کرنے کی کوششوں کا موقع ملنے لگا۔ قریشیوں اور حجازیوں میں جو اس قسم کے اولوالعزم اشخاص تھے۔ اُن کو بڑی آسانی کے ساتھ نومسلم

قبائل کی حمایت اور مستند لشکریوں کی اعانت و حمایت حاصل ہونے لگی۔

اسلام سے پیشتر قبیلۂ قریش دو حصوں میں منقسم سمجھا جاتا تھا۔ ایک بنواُمیہ دوسرے بنوہاشم۔ اگرچہ بنوہاشم اور بنواُمیہ دونوں خاندان مل کر تمام قبیلۂ قریش کو پورا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ مثل ان کے اور بھی خاندان قریش میں تھے۔ لیکن بنوہاشم اور بنواُمیہ چونکہ ایک دوسرے کے رقیب اور مخالف تھے۔ لہٰذا باقی خاندان بھی انھیں میں سے کسی نہ کسی کے طرف دار تھے۔ بنواُمیہ کی طاقت اور ان کا اثر و رسوخ ظہورِ اسلام کے قریب زمانہ میں بنوہاشم سے بڑھ گیا تھا۔ اگرچہ ظہورِ اسلام سے بہت پہلے وہ بنوہاشم سے کمزور تھے۔ جب آنحضرت صلعم قبیلۂ بنوہاشم میں مبعوث ہوئے۔ تو بنواُمیہ نے ہی آپ کی اور اسلام کی سب سے زیادہ مخالفت کی۔ اُحد اور احزاب کی خطرناک و عظیم الشان لڑائیوں میں مخالفین اسلام کی فوجوں کا سپہ سالار ابوسفیان تھا۔ جو بنواُمیہ سے تھا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا تھا۔ کہ خود ابوسفیان اور بنواُمیہ سب اسلام میں داخل ہوگئے۔ امویوں اور ہاشمیوں کا فرق و امتیاز بالکل مٹ گیا۔ اسلام نے بنوامیہ اور بنوہاشم دونوں کو بالکل ایک کر دیا۔ نسلی اور قبائلی امتیازات کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں بھی یہی کیفیت رہی۔ اور سارے کے سارے قبائل ایک ہی رنگ میں رنگین نظر آتے تھے۔ لیکن حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں بنواُمیہ کو عہدِ جاہلیت کی رقابتیں پھر یاد آگئیں۔ پھر حضرت عثمان غنیؓ چونکہ بنواُمیہ تھے۔ اور ساتھ ہی اُن کو اپنے کنبہ کی پرورش اور اپنے رشتہ داروں پر احسان کرنے کا زیادہ خیال تھا۔ لہٰذا بنواُمیہ کو زیادہ منافع حاصل ہونے شروع ہوئے۔ ادھر فوجی اور جنگی اولوالعزمیوں کے ساتھ مالی اولوالعزمیاں بھی لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے لگی تھیں۔ خلیفۂ وقت کے رعب و اقتدار کی گرفت بھی کم ہو گئی تھی۔ مہاجرین و انصار اور قریشیوں کا اقتدار بھی نومسلم بہادروں کی کثرت کے سبب ہلکا پڑنے لگا تھا۔ مدینہ منورہ میں بھی بااثر اور طاقتور لوگوں کی یک دلی جمعیت کمزور ہو کر تقریباً معدوم ہو چکی تھی۔ لہٰذا بنواُمیہ نے ان تمام باتوں سے فائدہ اٹھانے میں کمی نہیں کی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی نرم مزاجی سے تو انھوں نے یہ فائدہ اٹھایا۔ کہ مروان بن الحکم کو ان کا میر منشی ہونے کی حالت میں بنواُمیہ کا ایسا حامی و طرف دار بنایا۔ کہ اس نے جا اور بے جا ہمہ وقت اور بہر طور بنواُمیہ کو فائدہ پہنچوائے۔ آگے بڑھانے طاقتور بنانے میں مطلق کوتاہی نہیں کی۔

جب ملکوں اور صوبوں کی گورنریاں زیادہ تر بنواُمیہ ہی کو مل گئیں اور تمام مُلک اسلامیہ میں ہر جگہ بنواُمیہ ہی حاکم اور صاحب اختیار نظر آنے لگے۔ تو انھوں نے اپنے اقتدار رفتہ کے واپس لینے یعنی بنوہاشم کے مقابلہ میں اپنا مرتبہ بلند قائم کرنے کی کوششیں کیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا۔ کہ بنوہاشم اور دوسرے قبائل کو بھی بنواُمیہ کی اِن کوششوں کا احساس ہوا یہ کہنا کہ خود حضرت عثمان غنیؓ بنواُمیہ کی ایسی کوششوں کے محرک اور خواہشمند تھے۔ سراسر بہتان و افترا ہے۔ کیونکہ اُن کے اندر کسی سازش، کسی پالیسی، کسی منافقت کا نام و نشان تک بھی نہیں بتایا جاسکتا۔ اُن کی نرم مزاجی و در گذر اور رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک سے پیش آنے کی دونوں صفتوں نے مل کر بنواُمیہ کو موقع دے دیا۔ کہ وہ اپنے قومی و خاندانی اقتدار کے قائم کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہوں۔ اور اس طرح عہد جاہلیت کی فراموش شدہ رقابتیں پھر تازہ ہو جائیں۔ ان رقابتوں کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے مال و دولت کی فراوانی اور عیش و تن آسانی کی خواہش نے اور بھی سہارا دیا۔ اس قسم کی باتوں کا وہم و گمان بھی صدیقی و فاروقیؓ خلافتوں کے زمانے میں کسی کو نہیں ہو سکتا تھا۔ اس موقع پر مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ اگرچہ خاندان والوں اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرنا ایک خوبی کی بات ہے۔ لیکن اس اچھی بات پر ایک خلیفہ کو عمل درآمد کرانے کے لئے بڑی ہی احتیاط کی ضرورت ہے اور حضرت عثمان غنیؓ سے شائد کما حقہٗ احتیاط کے برتنے میں کمی ہوئی اور مروان بن الحکم اپنے چچازاد بھائی کو آخر وقت تک اپنا کاتب یعنی میر منشی اور وزیر و مشیر رکھنا تو بلاشک احتیاط کے خلاف تھا۔ نہ اس لئے کہ وہ آپ کا رشتہ دار تھا۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اتقا اور روحانیت میں ناقص اور اس مرتبۂ جلیلہ کا اپنی قابلیت و خصائل کے اعتبار سے اہل اور حق دار نہ تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ کے خلیفہ ہوتے ہی ایرانی صوبوں میں جگہ جگہ بغاوتیں ہوئیں۔ مگر اسلامی فوجوں نے باغیوں کی ہر جگہ گوشمالی کی۔ اور تمام بغاوت زدہ علاقوں میں پھر امن و امان اور اسلامی حکومت قائم کردی۔ ان بغاوتوں کے فرو کرنے میں ایک یہ بھی فائدہ ہوا کہ ہر باغی صوبہ کے سرحدی علاقوں کی طرف بھی توجہ کی گئی۔ اور اس طرح بہت سے نئے علاقے بھی مسلمانوں کے قبضے میں آگئے۔ مثلاً جنوبی ایران کی بغاوت فرو کرنے کے سلسلہ میں سیستان و کرمان کے صوبوں پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ شمالی و مشرقی ایران کی بغاوتوں

ترکوں اور چینیوں کی چڑھائیوں کے انسداد کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہرات۔ کابل، بلخ اور جیحوں پار کے علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ رومیوں نے مصر و اسکندریہ پر چڑھائیاں کیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ رومیوں کو مسلمانوں نے شکست دے کر بھگا یا۔ اور جزیرہ سائپرس اور روڈس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ افریقہ کے رومی گورنر نے فوجیں جمع کر کے مصر کی اسلامی فوج کو دھکا نا چاہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ برقہ طرابلس تک کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اسی طرح ایشیائے کوچک کی رومی فوجوں نے بھی ہاتھ پاؤں ہلانے چاہے۔ مسلمانوں نے ان کو واقعی سزا دے کر آرمینیا و طفلس تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔

غرض حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں بھی۔ بہت کافی اور اہم فتوحات مسلمانوں کو حاصل ہوئیں۔ اور حکومتِ اسلامیہ کے حدود پہلے سے بہت زیادہ وسیع ہو گئے۔ ایران و شام و مصر وغیرہ ملکوں میں حضرت عثمان غنیؓ کے حکم کے موافق گورنروں نے سڑکیں بنوائے۔ مدرسے قائم کرتے۔ تجارت و حرفت اور زراعت کو فروغ دینے کی کوششیں کیں۔ یعنی سلطنتِ اسلامیہ نے اپنی ظاہری ترقی کے ساتھ ہی معنوی ترقی بھی کی۔ لیکن یہ تمام ترقیات زیادہ تر خلافت عثمانی کے نصف اول یعنی ابتدائی چھ سال میں ہوئیں۔ نصف آخری یعنی چھ سال کے عرصہ میں اندرونی اور داخلی فسادات کی پیدائش اور نشو و نما ہوتی رہی۔ اس سے پیشتر مسلمانوں کا مطمح نظر اور قبلہ توجہ اشاعت اسلام اور شرک شکنی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ لیکن اب وہ توجہ آپس کی مسابقت اور برادرانگنی میں بھی صرف ہونے لگی۔ بنو امیہ نے مدینہ منورہ میں اپنی تعداد اور اثر کو بڑھا لیا۔ اور اطراف و جوانب کے صوبوں اور ملکوں میں بھی ان کا اثر روز افزوں ترقی کرنے لگا۔

یہ ضروری نہ تھا۔ کہ بنو امیہ کے اس طرز عمل کو دیکھ کر دوسرے مسلمان قبائل موافقت یا مخالفت میں بے سوچے سمجھے حصہ لینے لگتے۔ اور قومی جانب داری کی آگ میں کود پڑتے بلکہ بنو امیہ کی غلط کاریوں کو محسوس کرنے کے بعد صحابہ کرام یعنی مہاجرین و انصار کی محترم جماعت اگر سہولت و معقولیت کے ساتھ لوگوں کو سمجھاتی۔ اور اس فتنہ کو نشو نما پانے سے پہلے دبا دینے کی کوشش کرتی۔ تو اصحاب نبویؐ کا اتنا اثر امت محمدیہ میں ضرور موجود تھا کہ ان بزرگوں کی کوشش صدا بصحرا ثابت نہ ہوتی۔ بنو امیہ نے اپنا اقتدار بڑھانے کی کوششیں شروع کیں۔ ان کا احساس صحابہ کرام کو کچھ عرصہ کے بعد ہوا۔ اور جب احساس ہوا۔ تو اسی وقت

سے علاج کی کوششیں بھی شروع ہو کر کامیاب ہو سکتی تھیں۔ لیکن بدقسمتی اور سوء اتفاق سے اُمت مسلمہ کو ایک سخت وشدید ابتلا میں مبتلا ہونا پڑا۔ یعنی عین اسی زمانے میں نہایت چالاک وعقلمند اور صاحب عزم وارادہ یہودی عبداللہ بن سبا اسلام کی تخریب و مخالفت کے لئے آمادہ مستعد ہو گیا۔

آنحضرت صلعم کے عہد مبارک میں بھی منافقوں کے ہاتھوں سے مسلمانوں کو بارہا ابتلا میں مبتلا ہونا پڑا۔ اور اب عہد عثمانی میں بھی ایک منافق یہودی مسلمانوں کی ایذا رسانی کا باعث ہوا۔ یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ عبداللہ بن اُبی زیادہ خطرناک منافق تھا۔ یا عبداللہ بن سبا بڑا منافق تھا۔ لیکن یہ ضرور کہا جا سکتا ہے۔ کہ عبداللہ بن اُبی کو اپنے شرارت آمیز منصوبوں میں کامیابی کم حاصل ہوئی۔ اور نامرادی وناکامی بیشتر اُس کے حصہ میں آئی۔ لیکن عبداللہ بن سبا اگرچہ خود کوئی ذاتی کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ تاہم مسلمانوں کی جمعیت کو وہ ضرور نقصان عظیم پہنچا سکا۔ کیونکہ اس نقصانِ عظیم کے موجبات پہلے سے مرتب و مہیا ہو رہے تھے۔ عبداللہ بن سبا کی مسلم کُش کوششوں کا سب سے زبردست پہلو یہ تھا۔ کہ اُس نے بنو اُمیہ کی مخالفت میں یک لخت اور یکایک تمام عرب قبائل کو برانگیختہ اور مشتعل کر دیا۔ جس کے لئے اُس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حمایت ومحبت کو ذریعہ اور بہانہ بنایا۔ جن قبائل میں اُس نے مخالفت بنو اُمیہ اور عداوت عثمانی پیدا کرنی چاہی۔ یہ سب کے سب وہی لوگ تھے۔ جو اپنی فتوحات پر مغرور اور اپنے کارناموں کے مقابلے میں قریش و اہل حجاز کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ لیکن سابق الاسلام نہ تھے۔ بلکہ نومسلموں میں اُن کا شمار تھا۔ عبداللہ بن سبا نے بڑی آسانی سے بنو اُمیہ کے سوا باقی اہل مدینہ کو حضرت عثمان غنیؓ کی بدگوئی اور بنو اُمیہ کی عام شکایات پر آمادہ کر دیا۔ پھر وہ بصرہ۔ کوفہ، دمشق وغیرہ فوجی مرکزوں میں گھوما۔ جہاں سوائے دمشق کے ہر جگہ اس کو منا سب آب وہوا اور موافق سامان میسر ہوئے۔ دمشق میں بھی اس کو کم کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہاں بھی اس نے حضرت ابوذر غفاریؓ والے واقعہ سے خوب فائدہ اٹھایا۔ آخر میں وہ مصر پہنچا۔ اور تمام مرکزی مقاموں کے اندر جہاں وہ خود سامان فراہم کر آیا تھا مصر میں بیٹھے بیٹھے اپنی تحریک کو ترقی دی۔ مصر کو اس نے اپنا مرکز اس لئے بنایا۔ کہ یہاں کا گورنر عبداللہ بن سعد خود مختاری میں تو دوسرے گورنروں سے بڑھا ہوا اور وقعت نظر میں دوسروں سے کم اور رومیوں وغیرہ کے حملوں کی روک تھام کے خیال اور افریقہ و

طرابلس وغیرہ کی حفاظت کی فکر میں اندرونی تحریکوں اور داخلی کاموں کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ یہیں اُس کو دو تین صحابی ایسے مل گئے۔ جو بڑی آسانی سے اس کے ارادوں کی اعانت میں شریک و مصروف ہو گئے۔

اُس نے بصرہ میں حضرت طلحہؓ کی اور کوفہ میں حضرت زبیرؓ کی قبولیت کو بڑھا ہوا دیکھا۔ لیکن وہ جانتا تھا۔ کہ تمام عالم اسلام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قبولیت ان دونوں حضرات سے بڑھ جائے گی لہٰذا اس نے بصرہ۔ کوفہ، دمشق کو بڑی آسانی سے چھوڑ دیا۔ اور مصر میں بیٹھ کر اپنا کام اس طرح شروع کیا۔ کہ بصرہ اور کوفہ والوں کی اُس مخالفت کو ترقی دی جو اُن کو بنو اُمیہ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ پیدا ہو چکی تھی۔ لیکن مصر میں اس مخالفت کے پیدا کرنے اور اس کو ترقی دینے کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت اور ان کے مظلوم ہونے۔ حقدار خلافت ہونے۔ وصی ہونے وغیرہ کے خیالات کو شائع کیا۔ اس اشاعت میں بھی بڑی احتیاط سے کام لیا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طرفداروں کی ایک زبردست جماعت بنا لینے میں کامیاب ہوا۔ عبداللہ بن سبا کی ان کارروائیوں نے بہت ہی جلد عالم اسلامی میں ایک شورش پیدا کر دی۔ اس شورش کے پیدا ہو جانے کے بعد صحابہ کرام سے وہ موقع جاتا رہا۔ کہ وہ خود بنو اُمیہ کے راہِ راست پر رکھنے کی کوشش میں کامیاب ہوتے۔ عبداللہ بن سبا کی شرارتوں میں غالباً سب سے پلید قسم کی شرارت یہ تھی۔ کہ اُس نے مدینہ منورہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے فرضی خطوط کوفہ و بصرہ و مصر والوں کے پاس بھجوائے۔ اور اس طرح اپنے آپ کو بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایجنٹ یقین کرانے اور لوگوں کو دھوکا دینے میں خوب کامیاب ہوا۔ یہ اُس کا ایسا فریب تھا۔ کہ ایک طرف حضرت عثمان غنیؓ شہید ہوئے۔ دوسری طرف آج تک لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ کہ نعوذ باللہ حضرت علیؓ کے اشارے اور سازش سے حضرت عثمان غنیؓ شہید کیے گئے۔ حالانکہ اس سے زیادہ غلط اور نادرست کوئی دوسری بات نہیں ہو سکتی، وہ یعنی عبداللہ بن سبا نہ حضرت عثمانؓ کا دوست تھا، نہ حضرت علیؓ سے اُس کو کوئی ہمدردی تھی، وہ تو دونوں کا یکساں دشمن اور اسلام کی بربادی کا خواہاں تھا۔ اس لئے جہاں اُس نے ایک طرف حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کرایا۔ دوسری طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شریکِ سازش ثابت کر کے ان کی عزت و حرمت کو بھی سخت نقصان پہنچانا چاہا۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ؓ کے بعد اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ منتخب ہوتے تو یہ انتخاب عین وقت پر اور ترتیب کے اعتبار سے بالکل موزوں اور مناسب تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اگر حضرت عمر فاروق ؓ کے بعد تخت خلافت پر متمکن ہو جاتے۔ تو فاروق اعظم ؓ اور حضرت علی ؓ کی خلافت میں بے حد مشابہت نظر آتی۔ وہی سادگی۔ وہی زہد و اتقا۔ وہی مال و دولت سے بے تعلق ہونا۔ وہی خاندانی اور قومی حمایت سے بے تعلق ہونا وغیرہ باتیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں موجود تھیں۔ جو حضرت عمر ؓ میں پائی جاتی تھیں۔ اور اس طرح شاید عرصہ دراز تک قومی پاسداری اور خاندانی حمایت کا مسئلہ مسلمانوں میں پیدا نہ ہوتا۔ حضرت عثمان غنی ؓ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خلیفہ منتخب ہونا ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت کی عام ناکامیوں کا اصل سبب ہے۔ جیسا کہ آئندہ حالات سے ثابت ہو جائے گا۔

خصائل و خصائص عثمانی

عثمان غنی ؓ کی فطرت نہایت ہی سلیم و بُرد بار واقع ہوئی تھی۔ عہد جاہلیت ہی میں شراب اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔ کبھی جاہلیت میں بھی زنا کے پاس تک نہیں پھٹکے۔ نہ کبھی چوری کی۔ عہد جاہلیت میں بھی ان کی سخاوت سے لوگ ہمیشہ فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔ ہر سال حج کو جاتے۔ منا میں اپنا خیمہ نصب کراتے۔ جب تک حجاج کو کھانا نہ کھلا لیتے۔ لوٹ کر اپنے خیمہ میں نہ آتے۔ اور یہ وسیع دعوت صرف اپنی جیب خاص سے کرتے۔ جیش العسرۃ کا تمام سامان حضرت عثمان غنی ؓ نے جتیا فرمایا تھا۔ آنحضرت صلعم اور اہل بیت نبوی پر بارہا فاقہ کی مصیبت آتی تھی۔ اکثر موقعوں پر حضرت عثمان ؓ ہی واقف ہو کر ضروری سامان بھجوا تے تھے۔ آنحضرت صلعم نے بارہا ان کے لئے دعا کی ہے کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ قَدْ رَضِیْتُ عَنْ عُثْمَانَ فَارْضِ عَنْہُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ قَدْ رَضِیْتُ عَنْ عُثْمَانَ فَارْضِ عَنْہُ (اے اللہ میں عثمان ؓ سے راضی ہوں۔ تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا) ایک مرتبہ یہ دعا آپ شام سے صبح تک مانگتے رہے۔ ایک مرتبہ خلافت صدیقی میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں کو کھانا اور غلہ دستیاب نہ ہونے کی سخت تکلیف ہوئی۔ ایک روز خبر مشہور ہوئی۔ کہ حضرت عثمان غنی ؓ کے ایک ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے آتے ہیں۔ مدینہ کے تاجر فوراً حضرت عثمان ؓ کے پاس پہنچے اور کہا۔ کہ ہم کو ڈیوڑھے نفع سے غلہ دے دو۔ یعنی جس قدر تم کو غلہ سو روپیہ میں پڑا ہے ہم سے اس کے ڈیڑھ سو روپیہ لے لو۔ حضرت عثمان غنی ؓ نے کہا۔ کہ تم سب گواہ رہو کہ میں نے

اپنا تمام غلہ فقراء و مساکین مدینہ کو دے دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ اسی شب میں نے خواب دیکھا۔ کہ آنحضرت صلعم ایک گھوڑے پر سوار حلۂ نوری پہنے ہوئے جارہے ہیں۔ میں دوڑ کر آگے بڑھا۔ اور عرض کیا۔ مجھ کو آپ کی زیارت کا بے حد اشتیاق تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے جانے کی جلدی ہے عثمانؓ نے آج ایک ہزار اونٹ غلہ صدقہ دیا ہے۔ اور خدائے تعالیٰ نے اس کو قبول فرما کر جنت میں ایک عروس کے ساتھ عثمانؓ کا عقد کیا ہے اس عقد میں شریک ہونے جارہا ہوں"۔

حضرت عثمانؓ غنی جب سے ایمان لائے۔ آخر وقت تک برابر ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے رہے کبھی اگر کسی جمعہ کو آزاد نہ کر سکے۔ تو اگلے جمعہ کو دو غلام آزاد کئے۔ ایام محاصرہ میں بھی جب کہ بلوائیوں نے آپ پر پانی تک بند کر رکھا تھا۔ آپ نے غلاموں کو برابر آزاد کیا۔ آپ خود نہایت سادہ کھانا کھاتے اور سادہ لباس پہنتے۔ لیکن مہمانوں کو ہمیشہ نہایت لذیذ اور قیمتی کھانا کھلاتے تھے۔ عہد خلافت میں کبھی آپ نے دوسرے لوگوں سے برتری و فضیلت تلاش نہیں کی۔ سب کے ساتھ بیٹھتے۔ سب کی عزت کرتے۔ اور کسی سے اپنی تکریم کے خواہاں نہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے غلام سے کہا کہ میں نے تیرے اوپر زیادتی کی تھی۔ تو مجھ سے اس کا بدلہ لے لے۔ غلام نے آپ کے کہنے سے آپ کے کان پکڑے۔ آپ نے اس سے کہا۔ کہ بھائی خوب زور سے پکڑو۔ کیونکہ دُنیا کا قصاص آخرت کے بدلے سے بہرحال آسان ہے۔ قرآنِ کریم کی اشاعت اور قرآن کریم کی ایک قرأت پر سب کو جمع کرنا اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ مسجد نبویؐ کی توسیع کا حال بھی اوپر آچکا ہے۔ آپ نے روزینوں کی تقسیم اور وظائف کے دینے کے لئے ایام و اوقات مقرر فرما رکھے تھے۔ ہر ایک کام وقت پر اور باقاعدہ کرنے کی آپ کو عادت تھی۔ آنحضرت صلعم۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں جمعہ کے دن اذان اُس وقت ہوتی تھی۔ جب امام ممبر پر جاتا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں لوگوں کی کثرت ہوئی۔ تو آپ نے حکم دیا۔ کہ خطبہ کی اذان سے پہلے بھی ایک اذان ہوا کرے۔ چنانچہ اُس وقت سے لے کر آج تک جمعہ کے دن یہ اذان دی جاتی ہے۔

بعض ضروری اشارات جس وقت بلوائیوں نے مدینہ منورہ میں داخل ہو کر بدتمیزیاں شروع کر دی تھیں۔ اُس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ سے مکہ معظمہ کی جانب حج کے لئے روانہ ہوئیں۔ حج سے فارغ ہو کر آپ مدینہ

منورہ کو واپس آرہی تھیں۔ کہ مقام سرف میں بنی لیث کے ایک شخص عبید بن ابی سلمہ نامی کے ذریعہ یہ خبر سُنی۔ کہ حضرت عثمان غنیؓ کو بلوائیوں نے شہید کردیا۔ یہ سُن کر آپ مکہ واپس لوٹ گئیں۔

جس وقت بلوائیوں نے مدینہ میں ہجوم کیا۔ تو حضرت عمرو بن العاصؓ بھی مدینہ میں موجود تھے۔ مگر جب انھوں نے دیکھا۔ کہ بلوائیوں کی گستاخیاں اور اُن کا تسلط ترقی کرکے تمام مدینہ کو مغلوب کرچکا ہے اور شرفائے مدینہ بلوائیوں کے مقابلہ میں مجبور ہو چکے ہیں۔ تو عمرو بن العاصؓ نے معہ اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ و محمد کے مدینہ سے کوچ کیا۔ اور فلسطین میں آکر رہنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس فلسطین میں حضرت عثمان غنیؓ کے شہید ہونے کی خبر پہنچی۔

عبداللہ بن سعد گورنر مصر یہ سُن کر کہ مدینہ منورہ میں بلوائیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ مصر سے مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ مگر راستے میں یہ سُن کر کہ عثمان غنیؓ شہید ہوگئے۔ مصر کی جانب لوٹے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہاں محمد بن حذیفہ نے مصر پر قبضہ کرلیا ہے۔ عبداللہ بن سعدؓ مجبوراً فلسطین میں مقیم ہوگئے۔ اور پھر دمشق کی طرف چلے گئے۔

قتلِ عثمان غنیؓ کے وقت مدینہ منورہ میں علیؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ تین بڑے اور صاحب اثر حضرات موجود تھے۔ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت سعد بن وقاصؓ وغیرہ بھی اسی مرتبہ کے حضرات تشریف رکھتے تھے۔ مگر بلوائیوں اور باغیوں کے ہاتھوں سب کی عزتیں معرضِ خطر میں تھیں۔ مدینہ کی حکومت تمام و کمال ان بلوائیوں کے ہاتھ میں تھی۔ اوّل الذکر ہر سہ اصحاب اگرچہ بلوائیوں کی نگاہ میں خاص عزت و وقعت بھی رکھتے تھے۔ لیکن ان سب نے اپنی اپنی عزتوں کی حفاظت کے خیال سے گھروں کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ اور سب خانہ نشین ہو بیٹھے تھے۔ کوئی گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بعض ضرورتوں سے مدینہ کے باہر بھی تشریف لے جاتے تھے۔ اور بعض کا یہ خیال ہے۔ کہ آپ مدینہ سے باہر اسی غرض سے گئے تھے۔ کہ ان بلوائیوں کی شرارتوں سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ جب حضرت عثمان غنیؓ شہید ہوئے ہیں۔ تو آپ مدینہ سے کئی میل کے فاصلے پر تھے۔

مدینہ منورہ میں بلوائیوں کی حکومت } مصر۔ کوفہ اور بصرہ کے باغیوں نے جب سے مدینہ منورہ میں داخل ہو کر حضرت عثمان غنیؓ کو گھر سے نکلنے اور مسجد میں آنے سے روک دیا تھا۔ اُسی روز سے مدینہ منورہ میں ان کی حکومت تھی لیکن چونکہ خلیفۂ وقت گو حالت محاصرہ ہی میں کیوں نہ ہو، موجود تھا۔ لہٰذا بلوائیوں کی ظالمانہ

حکومت کو حکومت کے نام سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن حضرت عثمان غنیؓ کے شہید ہونے کے بعد مدینہ میں قریباً ایک ہفتہ غافقی بن حرب عکی بلوائیوں کے سردار کی حکومت رہی۔ وہی ہر ایک حکم جاری کرتا اور وہی نمازوں کی امامت کراتا تھا۔ ان بلوائیوں میں بعض لوگ مآل اندیش اور سمجھ دار بھی تھے۔ انھوں نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر ہم لوگ اسی طرح قتل عثمانؓ کے بعد یہاں سے منتشر ہوگئے۔ تو ہمارے لئے کبھی کوئی نیک نتیجہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ ہم جہاں ہوں گے قتل کئے جائیں گے۔ اور یہ شورش محض فساد و بغاوت سمجھی جائے گی۔ پھر اس طرح کبھی ہم جائز احتجاج کا جامہ نہیں پہنا سکیں گے۔ لہٰذا انھوں نے آپس میں مشورہ کرکے سب کو اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ اب کسی کو جلد خلیفہ منتخب کراؤ۔ اور بغیر خلیفہ منتخب کرائے ہوئے یہاں سے واپس ہونے اور جانے کا نام نہ لو۔ انھیں ایام شورش کے دوران میں یہ اطمینان کرلینے کے بعد کوفہ و بصرہ سے بھی اس تجویز و قرارداد کے موافق لوگ روانہ ہوکر مدینہ پہنچ گئے۔ عبداللہ بن سبا بھی مصر سے روانہ ہوا۔ اور نہایت غیر مشہور اور غیر معلوم طریقہ پر مدینہ میں داخل ہوکر اپنے ایجنٹوں اور دوستوں میں شامل ہوگیا۔ چونکہ بلوائیوں کے اس تمام لشکر میں سب کے سب ہی ایسے اشخاص نہ تھے۔ جو عبداللہ بن سبا کے رازدار ہوں۔ بلکہ بہت سے بیوقوف و واقعہ پسند اور دوسرے ارادوں کے لوگ تھے۔ لہٰذا عبداللہ بن سبا نے یہاں آکر خود کوئی سرداری یا نمبرداری کی شان مصلحتاً حاصل نہیں کی۔ بلکہ اپنے دوسرے ایجنٹوں ہی کے ذریعہ تمام مجمع کو متحرک کرکے اپنے حسب منشاء کام لیتا رہا۔ یہ انتخاب خلیفہ کی تجویز بھی عبداللہ بن سبا ہی کی تھی۔ چنانچہ یہ لوگ جمع ہوکر حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرت علیؓ کے پاس الگ الگ گئے۔ اور ان بزرگوں میں سے ہر ایک سے درخواست کی۔ کہ آپ خلافت قبول فرمالیں۔ اور ہم سے بیعت لے لیں۔ ہر ایک بزرگ نے خلافت کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور یہ مجبور و نامراد ہوکر رہ گئے۔ آخر عبداللہ بن سبا نے ایک تدبیر سجھائی۔ اور مدینہ منورہ میں ان باغیوں اور بلوائیوں نے ایک ڈھنڈورا پٹوا دیا۔ کہ اہل مدینہ ہی ارباب حل وعقد ہیں۔ اور اہل مدینہ ہی ابتدا سے خلیفہ کا انتخاب کرتے آئے ہیں۔ اور اہل مدینہ ہی کے مشورے اور انتخاب سے منتخب کئے ہوئے خلیفہ کو مسلمانوں نے ہمیشہ خلیفہ تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا ہم اعلان کرتے ہیں۔ اور اہل مدینہ کو آگاہ کئے دیتے ہیں۔ کہ تم کو صرف دو دن کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس دو دن کے عرصہ میں کوئی خلیفہ منتخب کرلو۔ ورنہ دو دن کے بعد ہم علیؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ تینوں کو

قتل کر دیں گے۔ اس اعلان کو سُن کر مدینہ والوں کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ وہ بیتابانہ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے پاس گئے۔ اسی طرح باقی دونوں حضرات کے پاس بھی مدینہ والوں کے وفود پہنچے۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے تو صاف انکار کر دیا۔ اور کہا کہ ہم خلافت کا بار اپنے کندھوں پر لینا نہیں چاہتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے بھی اوّل انکار ہی کیا تھا۔ لیکن جب لوگوں نے زیادہ اصرار و منّت سماجت کی تو وہ رضامند ہو گئے۔ ان کے رضامند ہو گئے۔ ان کے رضامند ہوتے ہی لوگ جوق در جوق ٹوٹ پڑے۔ اہلِ مدینہ نے بھی اور بلوائیوں کی جمعیت نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی:

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ

نام و نسب } علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب:

آنحضرت صلعم نے آپ کو ابوالحسن اور ابوتراب کی کنیت سے مخاطب فرمایا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھا۔ آپ پہلی ہاشمیہ تھیں۔ کہ خاندان ہاشمیہ میں منسوب ہوئیں اسلام لائیں اور ہجرت فرمائی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلعم کے چچازاد بھائی تھے۔ اور داماد بھی۔ یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت آنحضرت صلعم کے شوہر تھے۔ آپ میانہ قد، مائل بہ پستی تھے۔ دوہرا بدن۔ سر کے بال کسی قدر اُڑے ہوئے۔ باقی تمام جسم پہ بال۔ لمبی اور گھنی ڈاڑھی۔ گندم گون تھے:

آپ کی خصوصیات } حضرت علی کرم اللہ وجہہ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ آپ اُن لوگوں میں سے ہیں۔ جنھوں نے قرآن مجید کو جمع کر کے آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ آپ بنی ہاشم میں سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ آپ نے ابتدائے عمر سے کبھی بتوں کی پرستش نہیں کی۔ آنحضرت صلعم نے جب مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی۔ تو آپ کو مکہ میں اس لئے چھوڑ گئے کہ تمام امانتیں لوگوں کو دیں پہنچا۔ آنحضرت صلعم کے اس حکم کی تعمیل کرنے کے بعد آپ بھی ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچ گئے۔ سوائے ایک جنگ تبوک کے اور تمام لڑائیوں میں آپ آنحضرت صلعم کے ساتھ شریک ہوئے۔

جنگِ تبوک کو جاتے وقت آپ کو آنحضرت صلعم مدینہ کا عامل یعنی قائم مقام بنا گئے تھے۔
جنگِ اُحد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جسم مبارک پر سولہ زخم آئے تھے۔ جنگِ خیبر میں
آنحضرت صلعم نے جھنڈا آپ کے ہاتھ میں دیا تھا۔ اور پہلے سے فرما دیا تھا۔ کہ خیبر آپ کے
ہاتھ پر فتح ہوگا۔ آپ نے خیبر کا دروازہ اپنی پُشت پر اُٹھا لیا تھا۔ یہ دروازہ جب بعد میں لوگوں
نے اٹھانا چاہا۔ تو بہت سے آدمیوں کا زور لگے بغیر اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ آپ کو اپنا نام ابوتراب
بہت پسند تھا۔ جب کوئی شخص اس نام سے آپ کو پکارتا تھا۔ تو آپ بہت خوش ہوتے تھے۔
اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے۔ کہ ایک روز آپ گھر سے نکل کر مسجد میں آئے۔ اور وہیں پڑ کر سو گئے۔
آنحضرت صلعم مسجد میں تشریف لائے۔ اور حضرت علیؓ کو اٹھایا تو ان کے جسم سے مٹی پونچھتے
جاتے تھے۔ اور فرماتے جاتے تھے۔ کہ ابوتراب اُٹھو۔

آپ کے فضائل حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں۔ کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب
آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں رہنے کا حکم دیا۔
تو حضرت علیؓ نے کہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں پر
خلیفہ بنا کر چھوڑ جاتے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہوتے
کہ میں تم کو اسی طرح چھوڑ جاتا ہوں۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے حضرت
ہارون کو چھوڑا تھا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے۔ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ جنگِ خیبر
میں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علَم دوں گا۔ جس کے ہاتھ پر قلعہ فتح ہوگا۔
اور جس نے خدا اور اُس کے رسولؐ کو خوش کر لیا ہے۔ اگلے روز صبح کو تمام صحابہ منتظر تھے۔ کہ دیکھیں
وہ کون سا خوش قسمت شخص ہے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کو بلوایا۔ اور جھنڈا سپرد کیا۔
اور قلعہ فتح ہوا۔ جب آیت مباہلہ نازل ہوئی۔ تو آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ۔ فاطمہؓ۔ حسنؓ
حسینؓ۔ کو طلب فرمایا اور کہا۔ کہ الٰہی یہ میرے کنبہ کے لوگ ہیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے
فرمایا۔ کہ جس کا میں دوست ہوں اُس کے علیؓ بھی دوست ہیں۔ پھر فرمایا۔ کہ الٰہی جو شخص علیؓ
سے محبت رکھے۔ تو بھی اُس سے محبت رکھ۔ اور جو علیؓ سے دشمنی رکھے۔ تو بھی اُس سے دشمنی
رکھ۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ چار آدمی ایسے ہیں۔ جن سے محبت رکھنے کا مجھ کو حکم
دیا گیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ کہ اُن کا نام بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ علیؓ۔ ابوذرؓ۔ مقدادؓ۔
سلمان فارسیؓ۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم نے صحابیوں میں بھائی چارہ

کرادیا۔ تو حضرت علیؓ روتے ہوئے آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور کہا۔ کہ آپ نے ہر ایک میں مواخاۃ قائم کرادی۔ لیکن میں رہ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ آنحضرت صلعم نے ایک مرتبہ فرمایا۔ کہ میں علم کا شہر ہوں۔ تو علیؓ اُس کا دروازہ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ کہ ہم سب میں حضرت علیؓ زیادہ معاملہ فہم ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضرت علیؓ کا ذکر آیا۔ تو انھوں نے فرمایا۔ کہ علیؓ سے زیادہ سنّت کا اب کوئی واقف نہیں رہا۔ حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ دو شخص شقی ترین ہیں۔ ایک احمر جس نے حضرت صالحؑ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔ اور دوسرا وہ شخص جو تیرے سر پر تلوار مار کر تیری ڈاڑھی کو جسم سے جدا کرے گا۔

آپ کے قضایا و کلمات حضرت علیؓ نے فرمایا۔ کہ خدا کا شکر ہے۔ دین کے معاملہ میں میرا دشمن بھی مجھ سے استفتا کرتا ہے۔ معاویہؓ نے مجھ سے پوچھ بھیجا ہے۔ کہ خنثیٰ مشکل کی میراث میں کیا کیا جائے۔ میں نے اُسے لکھ بھیجا ہے۔ کہ اُس کی پیشاب گاہ کی صورت سے میراث کا حکم جاری ہونا چاہیئے۔ یعنی اگر اس کی پیشاب گاہ مردوں کی مانند ہو۔ تو اس کا حکم مرد کا ہو گا۔ اور اگر عورت کی طرح ہو تو عورت کی طرح کا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب بصرے میں تشریف لے گئے۔ تو ابن کوا اور قیس بن عبادہ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا۔ کہ میرے بعد تم خلیفہ بنائے جاؤ گے۔ اس معاملہ میں آپ سے بڑھ کر اور کون ثقہ ہو سکتا ہے۔ ہم آپ ہی سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ یہ کیا بات ہے۔ یہ سُن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ کہ یہ بالکل غلط ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے کوئی وعدہ فرمایا تھا۔ اگر فی الحقیقت آنحضرت صلعم نے مجھ سے کوئی ایسا وعدہ فرمایا ہوتا۔ تو میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلعم کے منبر پر کبھی کھڑا ہونے دیتا۔ اور ان کو اپنے ہاتھ سے قتل نہ کر دیتا۔ چاہے میرا ساتھ دینے والا ایک بھی نہ ہوتا۔ بات یہ ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم کی بیماری نے طول کھینچا تو ایک روز موذن نے حاضر ہو کر آپ کو نماز کے واسطے بلایا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ ابو بکرؓ کو لے جاؤ۔ وہ میری جگہ نماز پڑھائیں گے۔ لیکن اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ نے آپ کو اس ارادے سے باز رکھنا چاہا۔ تو آنحضرت صلعم کو غصہ آیا۔ اور فرمایا۔ کہ تم حضرت یوسفؑ کے

دنیا کی سی عورتیں ہو۔ ابوبکرؓ ہی کو لے جاؤ۔ جس دن آنحضرت صلعم نے وفات پائی۔ تو ہم نے اپنی جگہ غور کیا۔ تو اس شخص کو اپنی دنیا کے واسطے بھی قبول کر لیا۔ جس کو آنحضرت صلعم نے ہمارے دین کے واسطے انتخاب فرمایا تھا۔ کیونکہ نماز اصل دین ہے۔ اور آپ دین کے امیر اور دنیا کے قائم رکھنے والے تھے۔ پس ہم نے ابوبکرؓ کو مستحق سمجھ کر ان سے بیعت کر لی۔ اور اسی لئے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ اور کسی نے کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں کیا۔ نہ کوئی متنفس ابوبکرؓ سے بیزار ہوا۔ لہٰذا میں نے بھی حضرت ابوبکرؓ کا حق ادا کیا۔ اُن کی اطاعت کی۔ اُن کے لشکر میں شامل ہو کر اُن کی طرف سے لڑا۔ وہ جو کچھ مجھے دیتے تھے لے لیتا تھا۔ جہاں کہیں مجھے لڑنے کا حکم دیتے تھے۔ میں لڑتا تھا۔ اور اُن کے حکم سے حد شرع لگاتا تھا۔ جب اُن کا انتقال ہوا۔ تو وہ حضرت عمرؓ کو اپنا خلیفہ بنا گئے۔ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا۔ اور اُن کے ساتھ اسی طرح پیش آیا۔ جس طرح حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا۔ تو میں نے اپنے دل میں سوچا۔ کہ میری پیش قدمیِ اسلام اور قرابت اور دوسری خصوصیات کو دیکھتے ہوئے حضرت عمرؓ میری خلافت کا حکم دے جائیں گے۔ لیکن وہ ڈرے کہ کہیں ایسے شخص کو انتخاب نہ کر جاؤں۔ جس کا انجام اچھا نہ ہو چنانچہ انھوں نے اپنے نفس کے ساتھ اپنی اولاد کو بھی خلافت سے محروم کر دیا۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخشش وعطا کے اصول پر چلتے۔ تو اپنے بیٹے سے بڑھ کر کس کو مستحق سمجھتے۔ غرض انتخاب اب قریش کے ہاتھ میں آیا۔ جن میں سے ایک میں بھی تھا۔ جب لوگ انتخاب کے جمع ہوئے۔ تو میں نے خیال کیا کہ وہ مجھ سے تجاوز نہ کریں گے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ہم سے وعدے لئے۔ کہ جو کوئی خلیفہ مقرر کیا جائے۔ ہم اُس کی اطاعت کریں گے۔ پھر انھوں نے عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب جو میں نے غور کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ مجھ سے جو کچھ وعدہ لیا گیا تھا۔ وہ غیر کی اطاعت کے واسطے لیا گیا تھا۔ لہٰذا میں نے عثمانؓ سے بیعت کر لی۔ اور اُن کے ساتھ میں نے وہی سلوک کیا۔ اور اُن سے اُسی طرح پیش آیا۔ جس طرح حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ جب اُن کا بھی انتقال ہو گیا۔ تو میں نے خیال کیا۔ کہ وہ لوگ تو گذر گئے جن کو آنحضرت صلعم نے ہمارا امام بنایا تھا۔ اور وہ بھی گذر گئے۔ جن کے لئے مجھ سے وعدہ لیا گیا تھا۔ تو میں بیعت لینے پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ اہل حرمین (مکہ ومدینہ) نے اور کوفہ وبصرہ کے رہنے والوں نے مجھ سے بیعت کر لی۔ اب اس معاملۂ خلافت میں ایک ایسا شخص میرا مدمقابل ہے۔ جس کی نہ قرابت

میری مانند ہے نہ علم نہ سبقتِ اسلام۔ حالانکہ میں مستحق خلافت ہوں ؟

ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا۔ کہ آپ نے ایک خطبہ میں کہا تھا۔ کہ الٰہی ہم کو ویسی ہی صلاحیت عطا فرما۔ جیسی تو نے خلفائے راشدین کو فرمائی تھی۔ تو آپ کے نزدیک وہ خلفائے راشدین کون تھے۔ یہ سُن کر حضرت علیؓ آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور فرمانے لگے۔ وہ میرے دوست ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ دونوں امام الہدیٰ اور شیخ الاسلام تھے۔ قریش نے بعد رسول اللہ صلعم کے ان دونوں کی پیروی کی۔ اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی۔ انھوں نے نجات پائی۔ اور جو لوگ ان کے راستے پر پڑ گئے وہی گروہِ خدا ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جھوٹ سے سخت نفرت تھی۔ ایک مرتبہ آپ کچھ فرما رہے تھے۔ کہ ایک شخص نے آپ کو جھٹلایا۔ آپ نے بددعا کی۔ وہ ابھی مجلس سے اُٹھنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ اُس کی آنکھیں جاتی رہیں ؟

ایک مرتبہ دو آدمی کھانا کھانے بیٹھے۔ ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں۔ اور دوسرے کے پاس تین۔ اتنے میں ایک اور آدمی آگیا۔ اُن دونوں نے اسے اپنے ساتھ کھانے کو بٹھالیا۔ جب وہ تیسرا آدمی کھانا کھا کر چلنے لگا۔ تو اُس نے آٹھ درم اُن دونوں کو دے کر کہا۔ کہ جو کچھ میں نے کھایا ہے یہ اُس کے عوض میں سمجھو۔ اُس کے جانے کے بعد اُن دونوں میں درموں کی تقسیم کے متعلق جھگڑا ہوا۔ پانچ روٹیوں والے نے دوسرے سے کہا۔ کہ میں پانچ درم لوں گا۔ اور تجھ کو تین ملیں گے۔ کیونکہ تیری روٹیاں تین تھیں۔ تین روٹیوں والے نے کہا۔ میں تو نصف سے کم پر ہرگز راضی نہ ہوں گا۔ یعنی چار درم لے کر چھوڑوں گا۔ اس جھگڑے نے یہاں تک طول کھینچا۔ کہ وہ دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان دونوں کا بیان سُن کر تین روٹیوں والے سے کہا۔ کہ تیری روٹیاں کم تھیں۔ تین درم تجھ کو زیادہ مل رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ تو رضامند ہو جا۔ اُس نے کہا جب تک میری حق رسی نہ ہو گی۔ میں کیسے راضی ہو سکتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ کہ پھر تیرے حصہ میں صرف ایک درم آئے گا۔ اور تیرے ساتھی کے حصے میں سات درم آئیں گے۔ یہ سُن کر اُس کو بہت ہی تعجب ہوا۔ اور اُس نے کہا۔ کہ آپ بھی عجیب قسم کا انصاف کر رہے ہیں۔ ذرا مجھ کو سمجھا دیجئے۔ کہ میرے حصے میں ایک اور اس کے حصے سات کس طرح آتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اچھا سنو۔ کُل آٹھ روٹیاں تھیں اور تم تین آدمی تھے۔ چونکہ یہ مساوی طور پر تقسیم نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا ہر ایک روٹی کے تین ٹکڑے قرار دے کر کل چوبیس ٹکڑے سمجھو۔ یہ تو معلوم نہیں ہو سکتا۔ کہ کس نے کم کھایا۔ اور کس نے زیادہ

لہٰذا یہی فرض کرنا پڑے گا۔ کہ تینوں نے برابر کھانا کھایا۔ اور ہر ایک شخص نے آٹھ آٹھ ٹکرے کھائے۔ تیری تین روٹیوں کے نو ٹکڑوں میں سے ایک اُس تیسرے شخص نے کھایا۔ اور آٹھ تیرے حصے میں آئے۔ اور تیرے ساتھی کی پانچ روٹیوں کے پندرہ ٹکڑوں میں سے سات اُس تیسرے شخص نے کھائے۔ اور آٹھ تیرے ساتھی کے حصے میں آئے۔ چونکہ تیرا ایک ٹکڑا اور تیرے ساتھی کے سات ٹکڑے کل آٹھ ٹکڑے کھا کر اُس نے آٹھ درم دیئے ہیں۔ لہٰذا ایک درم تیرا ہے اور سات درم تیرے ساتھی کے۔ یہ سُن کر اُس نے کہا۔ ہاں اب میں راضی ہوتا ہوں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کے یہاں نالش کی۔ کہ فلاں شخص یہ کہتا ہے کہ اُس نے خواب میں میری ماں سے جماع کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اُس خواب بیان کرنے والے کو دھوپ میں کھڑا کر کے اُس کے سایہ کے کوڑے لگاؤ۔

آپ کے اقوالِ حکمیہ

آپ نے فرمایا۔ لوگو اپنی زبان اور جسم سے خلا ملا اور اپنے اعمال و قلوب سے جُدائی پیدا کرو۔ قیامت میں آدمی کو اُسی کا بدلہ ملے گا۔ جو کچھ کر جائے گا۔ اور اُن ہی کے ساتھ اُس کا حشر ہوگا۔ جن سے اُسے محبت ہوگی۔ قبولِ عمل میں اہتمام بلیغ کرو۔ کیونکہ کوئی عمل بغیر تقویٰ اور خلوص کے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اے عالمِ قرآن عاملِ قرآن بھی بن۔ عالم وہی ہے۔ جس نے پڑھ کر اس پر عمل کیا۔ اور اپنے علم و عمل میں موافقت پیدا کی۔ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ عالموں کے علم و عمل میں سخت اختلاف ہوگا۔ وہ لوگ حلقے باندھ کر بیٹھیں گے۔ اور ایک دوسرے پر فخر و مباہات کریں گے۔ حتیٰ کہ کوئی شخص اُن کے پاس آ بیٹھے گا۔ تو اُس کو الگ بیٹھنے کا حکم دیں گے۔ یاد رکھو۔ کہ اعمال حلقہ و مجلس سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ ذات الٰہی سے۔ حُسنِ خلق آدمی کا جوہر عقل اس کی مددگار اور ادب انسان کی میراث ہے۔ وحشت غرور سے بھی بدتر چیز ہے۔ ایک شخص نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ مجھے مسئلۂ تقدیر سمجھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ اندھیرا راستہ ہے نہ پوچھ۔ اُس نے پھر وہی عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ وہ بحرِ عمیق ہے۔ اُس میں غوطہ مارنے کی کوشش نہ کر۔ اُس نے پھر وہی عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ خدا کا بھید ہے۔ تجھ سے پوشیدہ رکھا گیا ہے کیوں اس کی تفتیش کرتا ہے۔ اُس نے پھر اصرار کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اچھا یہ بتا۔ کہ خدائے تعالےٰ نے تجھ کو اپنی مرضی کے موافق بنایا ہے۔ یا تیری فرمائش کے موافق۔ اُس نے کہا۔ خدا نے اپنی مرضی کے موافق بنایا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بس پھر جب وہ چاہے تجھے استعمال کرے تجھے اس میں کیا

چارہ ہے۔ ہر مصیبت کی ایک انتہا ہوتی ہے۔ اور جب کسی پر مصیبت آتی ہے تو وہ اپنی انتہا تک پہنچ کر رہتی ہے۔ عاقل کو چاہیے کہ جب مصیبت میں گرفتار ہو تو بھٹکتا نہ پھرے۔ اور اس کے دفع کی تدبیریں نہ کرے۔ کیونکہ اور زحمت ہوتی ہے۔ مانگنے پر کسی کو کچھ دینا تو بخشش ہے۔ اور بغیر مانگے دینا سخاوت۔ عبادت میں سستی کا پیدا ہونا۔ معیشت میں تنگی کا واقع ہونا۔ لذتوں میں کمی کا آجانا گناہ کی سزا ہے۔ حضرت امام حسنؓ کو آپ نے آخری وقت نصیحت کی کہ سب سے بڑی تونگری عقل ہے اور سب سے زیادہ مفلسی حماقت ہے۔ سخت ترین وحشت غرور ہے۔ اور سب سے بڑا کرم حسنِ خلق ہے۔ احمق کی صحبت سے پرہیز کرو۔ وہ چاہتا تو ہے۔ کہ تمھیں نفع پہنچائے۔ لیکن نقصان پہنچاتا ہے۔ جھوٹے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ وہ قریب ترین کو بعید اور بعید ترین کو قریب کر دیتا ہے۔ بخیل سے بھی پرہیز کرو۔ کیونکہ وہ تم سے وہ چیز چھڑا دے گا جس کی تم کو سخت احتیاج ہے۔ فاجر کے پاس بھی نہ بیٹھو۔ وہ تمھیں کوڑیوں کے بدلے بیچ ڈالے گا پانچ باتیں یاد رکھو۔ کسی شخص کو سوائے گناہ کے اور کسی چیز سے نہ ڈرنا چاہیے۔ سوائے خدا کے اور کسی آدمی سے اُمید نہ رکھنی چاہیے۔ جو شخص کوئی چیز نہ جانتا ہو۔ اُس کے سیکھنے میں کبھی شرم نہ کرے۔ کسی عالم سے جب کوئی ایسی بات پوچھی جائے۔ جس کو وہ نہ جانتا ہو۔ تو اُسے بلا دریغ کہہ دینا چاہیے۔ کہ خدا بہتر جانتا ہے۔ صبر اور ایمان میں وہی نسبت ہے جو سر اور جسم میں۔ جب صبر جاتا رہے تو سمجھو کہ ایمان جاتا رہا۔ جب سر ہی جاتا رہا۔ تو جسم کیسے بچ سکتا ہے۔ فقیہ اُس شخص کو کہنا چاہیے جو لوگوں کو خدا سے نا اُمید نہ کرے۔ اور گناہوں کی رخصت نہ دے۔ اور خدا کے عذاب سے بے خوف نہ کر دے۔ قرآن شریف سے اعراض کرا کر کسی اور چیز کی طرف مائل نہ کر دے۔ انار کو اُس تپلی سی جھلی کے ساتھ کھانا چاہیے جو دانوں کے درمیان ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ معدہ میں جا کر غذا کو پکا دیتی ہے۔ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ مومن ادنیٰ غلام سے بھی زیادہ ذلیل ہو گا۔

...

خلافتِ علوی کے اہم واقعات

بیعت خلافت حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے ایک ہفتہ بعد ۲۵ ذالحجہ ۳۵ھ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر مدینہ منورہ میں بیعتِ عام ہوئی۔ شہادت عثمانی کے بعد مدینہ منورہ میں قاتلین عثمانؓ کا ہی زور تھا۔ انھوں نے اول اہل مدینہ کو ڈرا دھمکا کر انتخاب خلیفہ کے کام پر آمادہ کیا۔ بلوائیوں میں زیادہ تعداد حضرت علیؓ کی جانب مائل تھی۔ اہلِ مدینہ کی بھی حضرت علی کے متعلق کثرت آرا تھی۔ لوگ جب حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کے لئے عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ تم لوگ تو مجھ کو خلیفہ انتخاب کرتے ہو۔ لیکن تم لوگوں کے انتخاب کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ جب تک کہ اصحابِ بدر مجھ کو خلیفہ تسلیم نہ کریں۔ یہ سُن کر لوگ اصحاب بدر کی طرف گئے۔ اور جہاں تک ممکن ہوا اُن کو جمع کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں لائے۔ سب سے پہلے مالک اُشتر نے بیعت کی۔ اُس کے بعد اور لوگوں نے ہاتھ بڑھائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ کہ طلحہؓ اور زبیرؓ کی نیت بھی معلوم ہونی چاہیئے۔ چنانچہ مالک اشتر طلحہؓ کی جانب اور حکیم بن جبلہ زبیرؓ کی جانب روانہ ہوئے۔ اور دونوں حضرات کو زبردستی پکڑ کر حضرت علیؓ کے سامنے لائے۔ حضرت علیؓ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا۔ کہ آپ میں سے جو شخص خلافت کا خواہش مند ہو۔ میں اُس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہوں۔ ان دونوں نے انکار کیا۔ پھر ان دونوں سے کہا گیا۔ کہ اگر تم خود خلیفہ بننا نہیں چاہتے ہو۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ یہ دونوں کچھ سوچنے لگے۔ تو مالک اشتر نے تلوار کھینچ کر حضرت طلحہؓ سے کہا۔ کہ ابھی آپ کا قصہ پاک کر دیا جائے گا۔ حضرت طلحہؓ نے یہ حالات دیکھ کر حضرت علیؓ سے کہا۔ کہ میں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں۔ کہ آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق حکم دیں۔ اور حدودِ شرعی جاری کریں۔ یعنی قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لیں۔ حضرت علیؓ نے ان باتوں کا اقرار کیا۔ حضرت طلحہؓ نے بیعت کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ جو کٹا ہوا تھا۔ (جنگ اُحد میں ان کا ہاتھ زخموں کی کثرت سے بیکار ہو گیا تھا) بعض لوگوں نے اس مجلس میں سب سے پہلے حضرت طلحہؓ کے کٹے ہوئے ہاتھ کا بیعت کے لئے بڑھتے ہوئے دیکھ کر بد فالی سمجھی۔ اس کے بعد حضرت زبیرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ اور انھوں نے

بھی حضرت طلحہؓ والی شرطیں پیش کر کے بیعت کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے بھی بیعت کے لئے کہا گیا۔ انھوں نے اپنا دروازہ بند کر لیا۔ اور کہا۔ کہ جب سب لوگ بیعت کرلیں گے اس کے بعد میں بیعت کروں گا۔ اور اس بات کا بھی وعدہ کیا۔ کہ میری طرف سے کسی قسم کا اندیشہ نہ کرو۔ ان کو حضرت علیؓ نے ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی طرح بیعت میں تامل کیا۔ ان سے لوگوں نے ضامن طلب کیا۔

مالک اشتر نے تلوار نکال کر کہا۔ کہ ان کو قتل کئے دیتا ہوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مالک اشتر کو روکا اور کہا۔ کہ عبداللہ بن عمرؓ کا ضامن میں ہوں۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ عمرے کے ارادے سے مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس کا حال حضرت علیؓ کو معلوم ہوا اور لوگوں نے اُن سے کہا۔ کہ وہ آپ کے خلاف ارادے سے گئے روانہ ہوئے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فوراً اُن کی گرفتاری کے لئے لوگوں کو روانہ کرنا چاہا۔ اتنے میں حضرت علیؓ کی صاحبزادی اُمِ کلثوم جو حضرت عمر فاروقؓ کی زوجہ تھیں آئیں۔ اور انھوں نے حضرت علیؓ کو یقین دلایا۔ کہ عبداللہ بن عمرؓ آپ کے خلاف کوئی حرکت نہ کریں گے۔ اور وہ صرف عُمرہ ادا کرنے کے لئے روانہ ہوئے ہیں۔ تب حضرت علیؓ کو اطمینان ہوا۔ ان کے علاوہ محمد بن مسلمہؓ۔ اسامہ بن زیدؓ۔ حسان بن ثابتؓ۔ کعب بن مالکؓ۔ ابو سعید خدریؓ۔ نعمان بن بشیرؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ۔ عبداللہ بن سلام وغیرہ جلیل القدر حضرات نے بھی بیعت نہیں کی۔ بہت سے اشخاص بالخصوص بنو اُمیہ بیعت میں شامل نہ ہونے کے لئے مدینہ سے شام کی طرف فوراً روانہ ہو گئے۔ بعض حضرات اسی غرض سے مکّہ کی طرف چل دیئے۔ جو اصحابی مدینہ منورہ میں موجود تھے۔ اور پھر بھی انھوں نے بیعت نہیں کی۔ اُن کو حضرت علیؓ نے طلب کر کے وجہ دریافت کی۔ تو اُنھوں نے صاف جواب دیا کہ ابھی مسلمانوں میں خوں ریزی کے اسباب موجود ہیں اور فتنہ کا کلی انسداد نہیں ہوا۔ اس لئے ہم ابھی رُکے ہوئے ہیں۔ اور بالکل غیر جانب دار رہنا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے مروان بن الحکم کو طلب کیا۔ مگر اُس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ حضرت نائلہ زوجہ حضرت عثمانؓ سے قاتلوں کا نام دریافت کیا۔ تو انھوں نے دو شخصوں کا صرف حُلیہ بتایا۔ اور نام نہ بتا سکیں۔ محمد بن ابی بکرؓ کی نسبت اُن سے پوچھا۔ کہ یہ بھی قاتلوں میں ہیں۔ تو انھوں نے کہا۔ کہ حضرت عثمانؓ کے قتل ہونے سے پہلے یہ دروازے سے باہر

واپس جا چکے تھے۔ بنو امیہ کے بعض افراد زوجہ عثمانؓ حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں اور خون آلود کرتا لے کر ملکِ شام کی طرف حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کے پاس گئے۔

خلافت کا دوسرا دن حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں اگلے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ کہ ہم نے تو بیعت اسی شرط پر کی ہے۔ کہ آپ قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لیں۔ اگر آپ نے قصاص لینے میں تامل فرمایا۔ تو ہماری بیعت فسخ ہو جائے گی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں قاتلینِ عثمانؓ سے ضرور قصاص لوں گا۔ اور حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں پورا پورا انصاف کروں گا۔ لیکن ابھی تک بلوائیوں کا زور ہے۔ اور امرِ خلافت پورے طور پر مستحکم نہیں ہوا ہے۔ میں اطمینان وسہولت حاصل ہونے پر اس طرف توجہ کروں گا۔ فی الحال اس معاملہ میں کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دونوں صاحب حضرت علیؓ کی گفتگو سُن کر اور اُٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے آئے۔ لیکن لوگوں میں اس کے متعلق سرگوشیاں اور چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ قاتلین عثمانؓ اور بلوائیوں کو تو یہ فکر ہوئی۔ کہ اگر قصاص لیا گیا۔ تو پھر ہماری خیر نہیں ہے۔ اور اُن لوگوں کو جو حضرت عثمانؓ کو مظلوم سمجھتے۔ اور بلوائیوں سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ ان کو اس بات کا یقین ہوا۔ کہ یہ لوگ جنھوں نے حضرت عثمانؓ کو ظالمانہ طور پر شہید کیا ہے۔ اپنے کیفرِ کردار کو نہ پہنچیں گے۔ اور مزے سے فاتحانہ گلچھرے اڑاتے ہوئے پھرتے رہیں گے۔ اس قسم کے خیالات کا لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے لئے مُضر تھا۔ مگر ان کے پاس اس کے لئے کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ اور وہ حالات موجودہ میں۔ جب کہ پہلے ہی سے نظامِ حکومت درہم برہم ہو کر دارالخلافہ کی ہوا بگڑ چکی تھی کچھ کر بھی نہ سکتے تھے۔

بلوائیوں کی سرتابی بیعتِ خلافت کے تیسرے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حکم دیا۔ کہ کوفہ، بصرہ، مصر وغیرہ ممالک اور دوسرے صوبوں سے آئے ہوئے تمام اعراب واپس چلے جائیں۔ اس حکم کو سُن کر عبداللہ بن سبا اور اس کی جماعت کے لوگوں نے واپس جانے اور مدینہ کو خالی کرنے سے انکار کیا۔ اور اکثر بلوائیوں نے ان کا اس انکار میں ساتھ دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کی یہ حقیقتاً سب سے پہلی بدفالی تھی۔ کہ اُن کے حکم کو انھیں لوگوں نے ماننے سے انکار کیا۔ جو بظاہر اپنے آپ کو اُن کا بڑا فدائی اور شیدائی ظاہر کرتے تھے۔ اس کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ کہ آپ ہم کو بصرہ و کوفہ کی طرف بھیج دیجئے۔ وہاں کے لوگوں کو چونکہ ہم سے ایک گونہ عقیدت ہے۔ لہٰذا ہم وہاں جاکر لوگوں کے منتشر خیالات کو یکسو کردیں گے۔ حضرت علیؓ کو شبہ ہوا اور انھوں نے ان دونوں صاحبوں کو مدینہ سے باہر جانے کی ممانعت کردی۔

مغیرہؓ و ابن عباسؓ کا مفید مشورہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کے تیسرے چوتھے ہی دن حضرت عثمانؓ کے زمانے کے تمام عاملوں اور والیوں کی معزولی کا فرمان لکھوایا۔ اور ان والیوں اور عاملوں کی جگہ دوسرے لوگوں کا تقرر فرمایا۔ یہ سن کر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جو بڑے مدبر و دور اندیش اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قریبی رشتہ دار تھے حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا۔ کہ آپ نے طلحہؓ و زبیرؓ اور دوسرے قریش کو جو مدینہ سے باہر جانے کی ممانعت کردی ہے اور ان کو روک لیا ہے اس کا اثر یہ ہوگا۔ کہ تمام قریش آپ کی خلافت کو اپنے لئے باعث تکلیف سمجھیں گے اور ان کو آپ کے ساتھ ہمدردی نہ رہے گی۔ دوسرے آپ نے عہدِ عثمانی کے عاملوں کو معزول کرنے میں عجلت سے کام لیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ اب بھی اپنے روانہ کئے ہوئے عاملوں کو واپس بلوالیں اور انھیں عاملوں کو اپنے اپنے علاقوں میں مامور رہنے دیں۔ اور ان سے صرف بیعت و اطاعت کا مطالبہ کریں۔

حضرت علیؓ نے مغیرہؓ کی اس گفتگو کو سن کر اس کے تسلیم کرنے سے صاف انکار کردیا۔ اگلے دن جب مغیرہؓ کے برادر عم زاد اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی حضرت علیؓ کی خدمت میں موجود تھے آئے۔ اور عند التذکرہ انھوں نے اپنی پہلی رائے کے خلاف حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ آپ کو عمال عثمانؓ کے معزول کرنے میں بہت عجلت سے کام لینا چاہیے۔ جب مغیرہؓ اس مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ مغیرہ نے کل آپ کو نصیحت کی تھی۔ اور آج دھوکا دیا ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا، کہ پھر آپ کی رائے کیا ہے عبداللہ بن عباسؓ نے کہا، کہ مناسب تو یہ تھا، کہ شہادت عثمانؓ کے وقت آپ مکہ چلے جاتے، لیکن اب مناسب یہی ہے کہ عمالِ عثمانؓ کو بحال رکھو۔ یہاں تک کہ آپ کی خلافت کو استقلال و استحکام حاصل ہوجائے۔ اور اگر آپ نے عمالِ عثمانؓ کے تبدیل و معزول کرنے میں جلدی کی۔ تو بنو اُمیہ لوگوں کو دھوکا دیں گے۔ کہ ہم قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص طلب کرتے ہیں۔ جیسا کہ اہل مدینہ بھی کہہ رہے ہیں۔ اسی طرح لوگ ان کے شریک ہوجائیں گے۔ اور آپ کی خلافت کا شیرازہ درہم برہم اور کمزور ہوجائے گا۔

یہ سُن کر حضرت علیؓ نے فرمایا۔ کہ میں معاویہؓ کو صرف تلوار کے ذریعہ سیدھا کروں گا۔کوئی رعایت روا نہ رکھوں گا۔ ابن عباسؓ نے کہا۔ کہ آپ ایک بہادر شخص ضرور ہیں۔ لیکن آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ الحرب خدعۃ۔ اگر آپ میرے کہنے پر عمل کریں۔ تو میں آپ کو ایسی تدبیر بتاؤں ۔کہ بنو امیہ سوچتے ہی رہ جائیں۔ اور اُن سے کچھ بن نہ پڑے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ کہ مجھ میں نہ تو تمہاری سی خصلتیں ہیں نہ معاویہؓ کی سی۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا۔ کہ میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ تم اپنا مال و اسباب لے کر ینبوع چلے جاؤ۔ اور وہاں دروازہ بند کرکے بیٹھ جاؤ۔ عرب لوگ خوب سرگردان و پریشان ہوں گے۔ لیکن آپ کے سوا کسی کو لائق امارت نہ پائیں گے۔ اور اگر تم اُن لوگوں یعنی قاتلین عثمانؓ کے ساتھ اٹھو گے۔ تو لوگ تم پر خون عثمانؓ الزام لگائیں گے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں تمہاری بات پر عمل کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ بلکہ تم کو میری بات پر عمل کرنا چاہیئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا۔ بے شک میرے لیے یہی مناسب ہے کہ آپ کے احکام کی تعمیل کروں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ کہ میں تم کو بجائے معاویہؓ کے شام کا والی بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا۔ کہ معاویہؓ حضرت عثمانؓ کا ایک جدی بھائی ہے۔ اور مجھ کو آپ کے ساتھ تعلق قرابت ہے وہ مجھ کو شام کے مُلک میں داخل ہوتے ہی قتل کرڈالے گا۔ یا قید کر دے گا۔ مناسب یہی ہے کہ معاویہؓ سے خط و کتابت کی جائے۔ اور کسی طرح بیعت لے لی جائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس بات کے ماننے سے انکار فرما دیا۔ مغیرہ بن شعبہؓ نے دیکھا۔ کہ حضرت علیؓ نے ان کے مشورے پر عمل نہیں کیا۔ اور حضرت عباسؓ کے مشورہ کو بھی رد کر دیا۔ تو وہ ناراض و بددل ہو کر مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف چلے گئے۔

عمّال کا عزل و نصب

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بصرہ پر عثمان بن حنیف کو۔ کوفہ پر عمارہ بن شہاب کو یمن پر عبیداللہ بن عباس کو۔ مصر پر قیس بن سعد کو۔ شام پر سہیل بن حنیف کو عامل و والی مقرر کرکے روانہ کیا۔

عثمان بن حنیف جب بصرہ میں پہنچے۔ تو بعض لوگوں نے اُن کو اپنا عامل و حاکم تسلیم کرکے اُن کی اطاعت قبول کرلی۔ مگر بعض نے کہا۔ کہ ہم فی الحال سکوت اختیار کرتے ہیں۔ آئندہ جو طرزِ عمل اہل مدینہ کا ہوگا۔ ہم اُسی کی اتباع کریں گے۔ کوفہ کی طرف عمارہ بن شہاب روانہ کیے گئے تھے۔ وہ ابھی راستے ہی میں تھے۔ کہ طلیحہ بن خویلدؓ سے ملاقات ہوئی۔ طلیحہؓ نے

عمارہ سے کہا۔ کہ مناسب یہی ہے۔ کہ تم واپس چلے جاؤ۔ اہلِ کوفہ ابو موسیٰ کو کسی دوسرے عامل سے تبدیل کرنا نہیں چاہتے۔ اور اگر تم میرا کہنا نہیں مانتے ہو تو میں تمہاری گردن ابھی اڑائے دیتا ہوں۔ یہ سن کر عمارہ خاموشی کے ساتھ مدینہ کی طرف واپس چلے آئے عبیداللہ بن عباسؓ کے یمن میں داخل ہونے سے پیشتر ہی وہاں کے سابق عامل یعلیٰ بن منیہ مکہ کی جانب روانہ ہو چکے تھے۔ عبیداللہ بن عباسؓ نے باطمینان یمن کی حکومت سنبھالی۔ قیس بن سعد مصر میں پہنچے۔ تو وہاں کے بعض شخصوں نے ان کی اطاعت قبول کی۔ بعض نے سکوت اختیار کیا۔ بعض نے یہ کہا۔ کہ جب تک ہمارے بھائی مدینہ سے مصر میں واپس نہ آجاتیں گے۔ اُس وقت ہم کچھ نہیں کرنا چاہتے۔ سہیل بن حنیف جو امیر شام ہو کر جا رہے تھے۔ تبوک پہنچ کر چند سواروں سے مُلاقی ہوئے۔ اُن سواروں نے دریافت کیا۔ کہ تم کون ہو۔ سہیل نے جواب دیا۔ کہ میں امیرِ شام مقرر ہو کر جا رہا ہوں۔ اُن سواروں نے کہا۔ کہ تم کو عثمانؓ کے سوا کسی اور نے امیر مقرر کر کے روانہ کیا ہے۔ تو تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ فوراً واپس چلے جاؤ۔ یہ سن کر سہیل مدینہ کی طرف واپس چلے آئے۔ یہ جب مدینہ میں داخل ہوئے ہیں۔ تو ان کے ساتھ ہی بعض دوسرے واپس شدہ عمال بھی مدینے میں پہنچے۔ جریر بن عبداللہ البجلی حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت ہمدان کے عامل تھے۔ حضرت علیؓ نے ان کو لکھا کہ اپنے صوبہ سے بیعت لے کر ہمارے پاس چلے آؤ۔ وہ اس حکم کی تعمیل میں مدینہ چلے آئے۔

امیر معاویہ کی حمایتِ حق

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے معبد اسلمی کے ہاتھ ابو موسیٰ اشعری کے پاس ایک خط روانہ کیا۔ جس کے جواب میں ابو موسیٰؓ نے لکھا۔ کہ اہلِ کوفہ نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ اکثر نے یہ بیعت برضا و رغبت کی ہے اور بعض نے بہ اکراہ اس خط کے آجانے سے گونہ اطمینان کوفہ کی طرف سے حاصل ہوا جب ابو موسیٰؓ کے نام کوفہ کی جانب خط روانہ کیا گیا تھا۔ اُسی وقت دوسرا خط جریر بن عبداللہ اور سبرہ جہنی کے ہاتھ حضرت امیر معاویہؓ کے نام دمشق کی جانب بھیجا گیا۔ وہاں سے تین مہینے تک کوئی جواب نہیں آیا حضرت امیر معاویہؓ نے کئی مہینے تک قاصد کو ٹھہرائے رکھا۔ پھر ایک خط سربمہر اپنے قاصد قبیصہ عبسی کو دے کر جریر بن عبداللہ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ اس خط کے

لفافہ پر حضرت علیؓ کا پتہ صاف لکھا ہوا تھا۔ یعنی "من معاویۃ الی علی" یہ خط لے کر دو لڑں قاصد ماہ ربیع الاول ۳۶ھ کے آخر ایام میں مدینہ پہنچے۔ قاصد نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر خط پیش کیا۔ حضرت علیؓ نے لفافہ کھولا تو اُس کے اندر سے کوئی خط نہ نکلا۔ آپ نے غصہ کے ساتھ قاصد کی طرف دیکھا۔ قاصد نے کہا کہ میں قاصد ہوں مجھ کو جان کی امان ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ہاں تجھ کو امان ہے۔ اُس نے کہا کہ ملک شام میں کوئی آپ کی بیعت نہ کرے گا۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ ساٹھ ہزار شیوخ عثمان غنیؓ کے خون آلودہ قمیص پر رو رہے تھے۔ وہ قمیص لوگوں کو مشتعل کرنے کی غرض سے جامع دمشق کے ممبر پر رکھی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ وہ لوگ مجھ سے خون عثمانؓ کا بدلہ طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ میں خون عثمانؓ سے بری ہوں۔ خدا قاتلین عثمانؓ سے سمجھے۔ یہ کہکر قاصد کو معاویہؓ کی طرف واپس کر دیا۔

سبائیوں کی گمراہی

بلوائیوں اور سبائیوں نے اس قاصد کو گالیاں دے کر مارنا چاہا۔ لیکن اہلِ مدینہ کے بعض اشخاص نے اُس کو آزار پہنچنے سے بچا لیا۔ اور وہ مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق پہنچا۔ جریر بن عبداللہ کی نسبت بھی بلوائیوں کے سرداروں نے معاویہؓ سے سازباز کرنے کا الزام لگایا۔ کیونکہ وہ دیر تک شام میں رہے تھے۔ اور فوراً واپس نہ آ سکے تھے۔ جریر اس الزام کو سُن کر کشیدہ خاطر ہوتے اور مدینہ سے قرقیسا کی طرف چلے گئے۔ حضرت معاویہؓ کو جب یہ خبر لگی۔ تو انھوں نے قرقیسا میں اپنے قاصد بھیج کر باصرار جریر کو اپنے پاس بلوا لیا۔

شام کے ملک پر حملہ کی تیاری } مدینہ والوں کو جب امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے قاصدوں کے آنے جانے اور تعلقات کے منقطع ہونے کا حال معلوم ہوا۔ تو اب اُن کو فکر ہوئی۔ کہ دیکھئے آپس میں کہیں اور عظیم الشان کشت و خون نہ ہو۔ چنانچہ اہلِ مدینہ نے زیاد بن حنظلہ تمیمی کو حضرت علیؓ کی مجلس میں بھیجا کہ اُن کا عندیہ جنگ کے متعلق معلوم کر کے ہم کو مطلع کرے۔ حضرت علیؓ نے زیاد سے مخاطب ہو کر کہا کہ تیار ہو جاؤ۔ اُس نے کہا کس کام کے لئے۔ آپ نے فرمایا۔ ملک شام پر حملہ آور ہونے کے لئے۔ زیاد نے عرض کیا۔ کہ نرمی اور مہربانی سے کام لینا تھا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا۔ کہ نہیں باغیوں کی سزا دہی ناگزیر ہے۔ اہلِ مدینہ کو جب یہ معلوم ہوا۔ کہ حضرت علیؓ ضرور ملک شام پر چڑھائی کرنے والے ہیں تو حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ دونوں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم عمرہ کرنے مکہ معظمہ کو جاتے ہیں۔ ہم کو مدینہ سے جانے کی اجازت دی جائے۔ حضرت علیؓ نے ان دونوں حضرات کا مدینہ میں زیادہ روکنا اور نظر بند رکھنا مناسب نہ سمجھ کر اجازت دے دی۔ اور مدینہ میں اعلان کرا دیا۔ کہ ملکِ شام پر فوج کشی کرنے کے لئے لوگ تیار ہو جائیں۔ اور اپنا سامان درست کر لیں۔ پھر ایک خط عثمان بن حنیف کے پاس بصرہ کی جانب۔ ایک ابوموسیٰ کے پاس کوفہ کی جانب اور قیس بن سعد کے پاس مصر کی جانب روانہ کیا۔ کہ جہاں تک ممکن ہو اپنی طاقت اور اثر کو کام میں لاکر لشکر فراہم کرو۔ اور جس وقت ہم طلب کریں فوراً ہمارے پاس بھیج دو۔

مسلمانوں کے خلاف فوج کشی

جب اکثر اہل مدینہ حضرت علیؓ کے حکم کے موافق تیار ہو گئے۔ تو آپ نے قثم بن عباسؓ کو اپنی جگہ مدینہ کا حاکم و عامل تجویز کر کے اپنے بیٹے محمد بن حنیفہؓ کو لشکر کا جھنڈا عطا کیا۔ میمنہ کا افسر عبداللہ بن عباسؓ کو مقرر فرمایا۔ میسرہ پر عمرو بن ابی سلمہ کو مامور کیا۔ اور ابولیلیٰ ابن الجراح برادرِ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو مقدمۃ الجیش کی سرداری سپرد فرمائی۔ اور اس احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا کہ بلوائیوں میں سے جن کی اکثر تعداد ابھی تک مدینہ میں موجود تھی۔ کسی کو فوج کے کسی حصہ کا سردار نہیں بنایا۔ ابھی حضرت علیؓ فوج کے حصوں کی سرداریاں ہی تقسیم فرما رہے تھے۔ لیکن فوج ابھی مرتب ہو کر مدینہ سے روانہ نہیں ہوئی تھی۔ کہ مکہ کی جانب سے خبر پہنچی۔ کہ وہاں آپ کی مخالفت میں تیاریاں ہو رہی ہیں۔ یہ خبر سُن کر آپ نے سردست ملکِ شام کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

مکہ میں حضرت اُمّ المومنینؓ کی تیاریاں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد ادائے حج مدینہ کو واپس آ رہی تھیں۔ کہ راستہ میں مقام سرف میں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا حال سُن کر مکہ کو واپس لوٹ گئیں۔ اس خبر کے ساتھ ہی آپ کو یہ خبر بھی معلوم ہو گئی تھی۔ کہ

حضرت علیؓ کے ہاتھ پر لوگوں نے مدینہ میں بیعت کرلی ہے۔ جب آپ مکہ میں واپس تشریف لے آئیں۔ تو آپ کی اس طرح واپسی کا حال سُن کر لوگ آپ کی سواری کے اردگرد جمع ہو گئے آپ نے اس مجمع کے روبرو فرمایا۔ کہ "واللہ عثمانؓ مظلوم مارے گئے۔ میں اُن کے خون کا بدلہ لوں گی۔ افسوس ہے کہ اطراف وجوانب کے شہروں اور جنگلوں سے آتے ہوئے لوگوں اور مدینہ کے غلاموں نے مل کر بلوہ کیا۔ اور عثمانؓ کی مخالفت اس لئے کی کہ اُس نے نوعمروں کو عامل مقرر کیا تھا۔ حالانکہ اُس کے پیشتروں نے بھی ایسا کیا تھا۔ یہ بلوائی جب اپنے دعوے پر دلیل نہ لا سکے تو عثمانؓ کی عداوت پر کمربستہ اور بدعہدی پر آمادہ ہو گئے۔ جس خون کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا۔ اُس کو بہایا۔ اور جس شہر کو خدائے تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کا دارِ ہجرت بنایا تھا وہاں خوں ریزی کی۔ اور جس مہینے میں خوں ریزی ممنوع تھی۔ اُس مہینے میں خوں ریزی کی۔ اور جس مال کا لینا جائز نہ تھا۔ اُس کو لوٹ لیا۔ واللہ عثمانؓ کی ایک اُنگلی بلوائیوں جیسے تمام جہان سے افضل ہے۔ جس وجہ سے یہ لوگ عثمانؓ کے دشمن ہوئے تھے۔ عثمانؓ اُس سے پاک وصاف ہو چکا تھا"۔

مکہ معظمہ میں حضرت عثمان غنیؓ کی جانب سے عبداللہ بن عامر حضرمی عامل تھے۔ انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ تقریر سُن کر کہا کہ "سب سے پہلے خون عثمانؓ کا بدلہ لینے والا میں ہوں"۔

یہ سنتے ہی تمام بنوامیہ جو بعد شہادت عثمان غنیؓ ابھی مکہ میں پہنچے تھے۔ بول اُٹھے ہم سب آپ کے شریک ہیں۔ انھیں میں سعید بن العاصی اور ولید بن عقبہ وغیرہ بھی شامل تھے۔ عبداللہ بن عامر بصرہ سے معزول ہو کر مکہ ہی کی جانب آئے۔ یعلیٰ بن منیہ یمن سے آئے اور چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ دینار لے کر آئے۔ اور یہ تجویزیں ہونے لگیں کہ خون عثمانؓ کا معاوضہ لیا جائے۔

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جب مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ میں پہنچے تو حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ نے اُن دونوں کو بلوا کر دریافت کیا۔ کہ تم لوگ کس طرح تشریف لاتے ہو۔ دونوں صاحبوں نے جواب دیا۔ کہ مدینہ کے نیک اور شریف لوگوں پر اعراب اور بلوائی مستولی ہو گئے ہیں۔ اُنھیں کے خوف سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ کہ پھر تو تم کو ہمارے ساتھ اُن کی طرف خروج کرنا چاہیئے۔ دونوں صاحبوں نے آمادگی و رضامندی کا اظہار کیا۔

اہلِ مکہ سب حضرت اُم المومنینؓ کے تابع فرمان تھے۔ عبداللہ بن عامر سابق گورنر بصرہ۔ یعلی بن منبیہ گورنر یمن۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ یہ چار شخص اُم المومنین کے لشکر میں سردار اور صاحب حل و عقد سمجھے جاتے تھے۔ اوّل کسی نے یہ مشورہ دیا۔ کہ مکہ سے روانہ ہو کر اور مدینہ سے کترا کر ہم کو شام کے ملک میں جانا چاہیئے۔ اس پر عبداللہ بن عامر نے کہا کہ ملک شام میں امیر معاویہؓ موجود ہیں۔ اور وہ ملک شام کو سنبھالے رکھنے کی کافی طاقت و اہلیت رکھتے ہیں۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم سب یہاں سے بصرہ کی جانب چلیں۔ وہاں میرے دوستوں اور ہمدردوں کی بھی ایک بھاری تعداد ضرور موجود ہے۔ میں وہاں اب تک عاملانہ حیثیت سے رہا ہوں۔ نیز اہل بصرہ کا رجحانِ طبع حضرت طلحہؓ کی جانب زیادہ ہے۔ لہٰذا بصرہ میں ہم کو یقیناً کامیابی حاصل ہو گی۔ اور اس طرح ایک زبردست صوبہ اور بہت بڑی جمعیت ہمارے ہاتھ آجائے گی۔ کسی شخص نے کہا کہ ہم کو مکہ ہی میں رہ کر کیوں نہ مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اس کے جواب میں عبداللہ بن عامر نے کہا کہ مکہ والوں کو ضرور ہم خیال بنا چکے ہیں۔ اور وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ لیکن ان لوگوں میں اتنی طاقت نہیں ہے۔ کہ اگر وہ لوگ جو مدینہ میں موجود ہیں حملہ آور ہوں۔ تو اُن کا حملہ سنبھال سکیں۔ لیکن یہاں سے اپنی طاقت اور جمعیت کو لے کر ہم بصرہ کی طرف گئے تو جس طرح اہل مکہ ہمارے ساتھ ہو گئے۔ اُسی طرح اہل بصرہ بھی یقیناً ہمارے ساتھ ہو جائیں گے اور پھر ہماری طاقت اِس قدر ہو گی کہ ہم ہر ایک حملہ کو سنبھال سکیں۔ اور خون عثمانؓ کے مطالبہ میں طاقت پیدا کر سکیں؛

غرض اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ اور بصرہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اس کے بعد سب کی یہ رائے ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ مکہ میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اُن کو بھی شریک کرو بلکہ اُنھیں کو اپنا سردار بناؤ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بلوائے گئے۔ اور اُن کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ کہ آپ قاتلین عثمانؓ پر خروج کریں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا۔ کہ ہم مدینہ والوں کے ساتھ ہیں۔ جو وہ کریں گے۔ یہ جواب سُن کر پھر اُن سے کسی نے اصرار نہیں کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سوا باقی امہات المومنینؓ بھی حضرت عائشہؓ کے ساتھ مکہ میں تشریف لائی ہوئی تھیں۔ اُنھوں نے جب یہ سُنا کہ حضرت عائشہؓ بصرہ کا قصد رکھتی ہیں۔ تو اُنھوں نے بھی حضرت عائشہؓ کا ساتھ دینے اور اُن کے ہمراہ رہنے کا ارادہ کیا۔ اُنھیں میں حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ بھی تھیں۔ اُن کو اُن کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ نے بصرہ

کی طرف جانے سے منع کیا۔ اور وہ رُک گئیں۔ مغیرہ بن شعبہؓ بھی مکہ پہنچ گئے تھے۔ وہ بھی اس لشکر کے ہمراہ ہو لئے۔

اُم المومنین کی مکہ سے بصرہ کی جانب روانگی

عبداللہ بن عامر اور یعلی بن منیہ بصرہ اور یمن سے کافی روپیہ اور سامان لے کر مکہ میں پہنچے تھے۔ لہٰذا انھیں دونوں نے لشکر ام المومنینؓ کے سامانِ سفر کی تیاری و فراہمی میں حصہ لیا۔ ان دونوں نے روانگی سے پہلے تمام مکہ میں منادی کرادی کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ بصرہ کی طرف جارہے ہیں۔ جو شخص اسلام کا ہمدرد اور خون عثمانؓ کا بدلہ لینا چاہتا ہو وہ آئے اور شریک لشکر ہوجائے۔ اُس کو سواری وغیرہ دی جائے گی۔ غرض اس طرح مکہ معظمہ سے ڈیڑھ ہزار آدمیوں کا لشکر روانہ ہوا۔ عین روانگی کے وقت مروان بن الحکم اور سعید بن العاص بھی مکہ میں پہنچے اور شریک لشکر ہوئے۔ مکہ سے تھوڑی ہی دُور چلے تھے۔ کہ اطراف و جوانب سے جوق در جوق لوگ آآکر شریک ہونا شروع ہوئے۔ اور بہت جلد اس لشکر کی تعداد تین ہزار ہوگئی۔ اُمِّ فضل بنت الحرث مادر عبداللہ بن عباسؓ بھی اتفاقاً شریک لشکر تھیں۔ انھوں نے قبیلہ جہنیہ کے ایک شخص ظفر نامی کو اُجرت دے کر حضرت علیؓ کی جانب روانہ کیا اور ایک خط دیا۔ جس میں اس لشکر اور اُس کی روانگی کے تمام حالات لکھ کر حضرت علیؓ کو آگاہ کیا گیا تھا۔ باقی اُمّہات المومنین جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہمراہ آئی تھیں۔ مقام ذات عرق تک تو ہمراہ آئیں۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہؓ سے رو رو کر رخصت ہوئیں۔ اور مدینہ کی طرف روانہ ہوگئیں۔

جیسا کہ بیان ہوچکا ہے مروان بن الحکم بھی اس لشکر کے ہمراہ ہے۔ مروان بن الحکم ہی وہ شخص ہے۔ جس نے حضرت عثمان غنیؓ کو موردِ اعتراضات بنایا۔ مروان بن الحکم ہی نے حضرت عثمان غنیؓ کو مسلمانوں کی عام خواہش کے موافق اپنے طرز عمل میں تبدیلی پیدا کرنے سے باز رکھا۔ مروان بن الحکم ہی سے لوگوں کو نفرت تھی۔ اگر ایام محاصرہ میں بھی حضرت عثمان غنیؓ مروان بن الحکم کو بلوائیوں کے مُطالبہ کے موافق بلوائیوں کے سپرد کر دیتے تو حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ ہرگز اس سختی کا برتاؤ نہ کر سکتے۔ اور نہ اُن کی شہادت تک نوبت پہنچتی۔ بلکہ تمام جھگڑوں کا خاتمہ ہوجاتا۔ لیکن حضرت عثمان غنیؓ نے مناسب نہیں سمجھا کہ مروان

بن الحکم کو بلوائیوں کے ہاتھ میں دے دیں - جو اُس کو یقیناً قتل کر دیتے - مروان بن الحکم ہی وہ شخص ہے جس کو آنحضرت صلعم نے اُس کے کسی جھوٹ بولنے پر مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا - غرض مروان بن الحکم ایک نہایت چالاک اور خطرناک آدمی تھا - اس لشکر کے ہمراہ ہو کر بھی اُس نے اپنی فطرت کے تقاضے سے مجبور ہو کر فتنہ پیدا کر دینے والی حرکت کی - مکہ سے نکلنے کے بعد اول نماز کا وقت آیا - تو مروان نے اذان دی - پھر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے پاس آکر کہا کہ آپ دونوں میں سے امامت کس کے سپرد کی جائے - یہ دونوں حضرات ابھی کچھ کہنے نہ پائے تھے - کہ ابن زبیرؓ نے کہا "میرے باپ کو" ابن طلحہؓ فوراً بول اُٹھے کہ نہیں "میرے باپ کو" یہ حال حضرت اُم المومنین کو معلوم ہوا - تو انھوں نے مروان کو پاس بلا بھیجا اور کہا "کیا تم ہمارے کام کو درہم برہم کرنا چاہتے ہو - امامت میرا بھانجا عبداللہ بن زبیرؓ کرے گا"۔

چند منزل اور چل کر ایک روز مروان بن الحکم نے طلحہؓ اور زبیرؓ سے پوچھا - کہ اگر تم فتح مند ہو گئے تو خلیفہ کس کو بناؤ گے - انھوں نے جواب دیا کہ ہم دونوں میں سے جس کو لوگ منتخب کریں گے - وہی حاکم بن جائے گا - یہ سُن کر سعید بن العاصؓ نے کہا - کہ تم لوگ تو صرف عثمان غنیؓ کے خون کا بدلہ لینے کو نکلے ہو - حکومت عثمانؓ کے لڑکے کو دینی چاہیے - ان دونوں بزرگوں نے جواب دیا - کہ تم کسی اور کا نام لیتے تو خیر - لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ مہاجرین کے بوڑھے بوڑھے اور بزرگ لوگوں کو چھوڑ کر نو عمر لڑکوں کو حاکم بنا دیا جائے - سعید بن العاصؓ نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو میں شریک نہیں رہ سکتا - یہ کہہ کر وہ واپس چل دیے - اُن کے لوٹتے ہی عبداللہ بن خالد بن اسید اور مغیرہ بن شعبہ بھی واپس ہو گئے - اُن لوگوں کے ساتھ قبیلۂ ثقیف کے بہت سے آدمی واپس لوٹ گئے - حضرت طلحہؓ و زبیرؓ باقی آدمیوں کو لئے ہوئے آگے روانہ ہوئے - اتفاقاً حواب کے چشمہ پر پہنچے تو کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا - اس چشمہ کا نام معلوم کیا تو بتایا گیا کہ یہ چشمہ حوّاب ہے - یہ نام سنتے ہی حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا - کہ مجھ کو لوٹاؤ - لوٹاؤ - لوگوں نے دریافت کیا کہ کیوں ؟ آپ نے فرمایا - کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم کے پاس بیویاں بیٹھی ہوئی تھیں - آپ نے ارشاد فرمایا - کہ "کاش مجھے معلوم ہو جاتا - کہ تم میں سے کس کو دیکھ کر حوّاب کے کتے بھونکیں گے" یہ کہہ کر حضرت عائشہؓ نے اونٹ کی گردن پر ہاتھ مارا اور اُس کو وہیں بٹھا دیا - ایک دن اور ایک رات

وہیں مقیم رہیں۔ اور تمام لشکر آپ کے ساتھ خیمہ زن رہا۔ یہاں تک کہ لشکر میں یکایک شور مچا کہ جلدی کرو جلدی کرو۔ علیؓ تم تک پہنچ گئے۔ یہ سُن کر نہایت عجلت کے ساتھ تمام لشکر بصرہ کی جانب چل کھڑا ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی لشکر کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ کیونکہ اُن سے پہلے ہی یہ کہہ دیا گیا تھا کہ غلطی سے کسی نے اس چشمہ کا نام حواب بتا دیا تھا۔ درحقیقت یہ وہ چشمہ نہیں ہے۔ نہ وہ اس راستہ میں آسکتا ہے۔ اسی طرح چشمہ حوّاب کے تمام کا خاتمہ ہو گیا۔

امیر بصرہ کی مخالفت

یہ لشکر جب بصرہ کے قریب پہنچا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اوّل عبداللہ بن عامر کو اہل بصرہ کی طرف بھیجا۔ اور بصرہ کے عمائدین کے نام خطوط بھی روانہ کئے۔ اور خود جواب کے انتظار میں ٹھہر گئیں۔ بصرہ کے موجودہ گورنر عثمان بن حنیف کو جب حضرت عائشہؓ کی تشریف آوری کا حال معلوم ہوا تو اُس نے بصرہ کے چند بااثر لوگوں کو بُلا کر بطور ایلچی حضرت عائشہؓ کے لشکر کی جانب بھیجا۔ اُن لوگوں نے حضرت اُم المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر تشریف لانے کا سبب دریافت کیا۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ عام بلوائیوں اور قبائل کے فتنہ پرداز لوگوں نے یہ ہنگامہ برپا کیا ہے۔ اور مسلمانوں کی جمعیت کو نقصان پہنچا کر اسلام کو نقصان پہنچانا چاہا ہے۔ میں مسلمانوں کی یہ جماعت لے کر اس لئے نکلی ہوں کہ اُن کو اصلی واقعات سے مطلع کروں اور اُن کی اصلاح کروں۔ اس خروج سے میرا مقصود اصلاح بین المسلمین کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ وہاں سے اُٹھ کر یہ لوگ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی خدمت میں آئے۔ اور آنے کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے جواب دیا۔ کہ ہم عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے نکلے ہیں۔ پھر اُن بصرہ والوں نے دریافت کیا کہ کیا تم دونوں نے حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں ہم نے بیعت کی تھی۔ مگر اس شرط پر کہ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ ہم سے جب بیعت لی گئی تھی تو تلوار ہمارے سر پر تھی۔ یہاں سے اُٹھ کر یہ لوگ بصرہ میں عثمان بن حنیف کے پاس واپس گئے اور جو کچھ سُن کر گئے تھے سُنایا۔ عثمان بن حنیف نے سُن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ پھر ان لوگوں سے یعنی عمائدین بصرہ سے کہا کہ

تمھارا کیا ارادہ ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ خاموشی اختیار کرو۔ عثمان بن حنیف نے کہا کہ میں ان کو روکوں گا۔ جب تک حضرت علیؓ یہاں تشریف نہ لے آئیں۔ عمائدین بصرہ اپنے اپنے گھروں میں آکر بیٹھ رہے۔ عثمان نے تمام کوفہ والوں کو لڑائی کے لئے تیار کرنے اور مسجد میں جمع ہونے کا اعلان کیا۔ جب لوگ مسجد میں جمع ہو گئے تو عثمان بن حنیف نے کوفہ کے ایک شخص قیس نامی کو تقریر کرنے کے لئے کھڑا کیا۔ اُس نے کہا کہ "لوگو! اگر طلحہؓ اور زبیرؓ اور اُن کے ہمراہی مکہ سے یہاں اپنی جان کی امان طلب کرنے آئے ہیں تو یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ مکہ میں تو چڑیوں تک کو جان کی امان حاصل ہے۔ کوئی کسی کو نہیں ستا سکتا۔ اور اگر یہ لوگ خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے آئے ہیں تو ہم لوگ عثمانؓ کے قاتل نہیں ہیں۔ پس مناسب یہی ہے کہ ان کو جس طرف سے یہ آئے ہیں۔ اُسی طرف لوٹا دو"۔ یہ تقریر سُن کر اسود بن سریع سعدی نے اُٹھ کر کہا کہ "یہ لوگ ہم کو قاتلین عثمانؓ سمجھ کر نہیں آئے بلکہ قاتلین عثمانؓ کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم سے مدد طلب کرنے آئے ہیں"۔ یہ الفاظ سُن کر لوگوں نے قیس مذکور پر کنکریاں پھینکنی شروع کیں اور جلسہ درہم برہم ہوگیا عثمان بن حنیف کو یہ معلوم ہوگیا کہ بصرہ میں بھی طلحہؓ و زبیرؓ کے ہمدرد و معاونین موجود ہیں ۔

صف آرائی

حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے لشکر کو لئے ہوئے مقام مربد تک آپہنچیں تو عثمان بن حنیف اپنا لشکر لئے ہوئے بصرہ سے نکلا اور صف آرا ہوا۔ اُم المومنینؓ کے لشکر کا میمنہ حضرت طلحہؓ کے سپرد تھا۔ اور میسرہ کے سردار حضرت زبیرؓ تھے۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ایک دوسرے کے قریب آگئے۔ تو اول میمنہ کی جانب صفِ لشکر سے حضرت طلحہؓ نکلے اور اُنھوں نے حمد و صلوٰۃ کے بعد حضرت عثمانؓ کی فضیلتیں بیان کیں اور اُن کے خون کا بدلہ لینے کی لوگوں کو ترغیب دی۔ اِس کے بعد میسرہ کی جانب سے حضرت زبیرؓ نکلے اور انھوں نے حضرت طلحہؓ کی تقریر کی تصدیق کی۔ پھر اس کے بعد حضرت اُم المومنینؓ نے نصائح فرمائے۔ حضرت اُم المومنینؓ کی تقریر سُن کر عثمان بن حنیف کے لشکریوں کے اُسی وقت دو گروہ ہو گئے۔ ایک تو عثمان بن حنیف کے ساتھ مقاومت اور مقابلہ پر

آمادہ تھے۔ اور دوسرے وہ جو طلحہؓ و زبیرؓ سے لڑنے کو اچھا نہیں جانتے تھے۔ حضرت اُم المومنینؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے جب یہ دیکھا۔ کہ عثمان بن حنیف کے لشکریوں میں خود ہی پھوٹ پڑگئی ہے۔ تو میدان سے واپس چلے آئے اور پیچھے ہٹ کر اپنے خیموں میں مقیم ہو گئے۔ لیکن عثمان بن حنیف اپنے ساتھیوں کو لئے ہوئے برابر مقابلہ پر کھڑا رہا۔ اور اُس نے جاریہ بن قدامیہ کو حضرت اُم المومنینؓ کی خدمت میں بھیجا۔ جس نے آکر عرض کیا کہ "اے اُم المومنینؓ عثمان غنیؓ کا قتل ہونا زیادہ پسندیدہ تھا بمقابلہ اس کے کہ تم اس ملعون اونٹ پر سوار ہو کر نکلیں۔ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے پردہ مقرر کیا تھا۔ تم نے پردہ کی ہتک کی۔ اگر تم اپنے ارادے سے آئی ہو تو مدینہ منورہ کی طرف واپس چلی جاؤ۔ اور اگر بجبر و اکراہ آئی ہو تو خدائے تعالیٰ سے مدد چاہو اور لوگوں سے واپس چلنے کو کہو۔ یہ تقریر ابھی ختم نہ ہونے پائی تھی۔ کہ حکیم بن جبلہ نے اُم المومنینؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ ادھر سے بھی مدافعت کی گئی۔ مگر شام ہونے کے سبب لڑائی ختم ہو گئی۔ اگلے دن علی الصباح حکیم بن جبلہ نے صف آرائی کی اور طرفین سے لڑائی شروع ہوئی۔ حکیم بن جبلہ مارا گیا۔ خلاصہ یہ کہ عثمان بن حنیف کو انجام کار شکست ہوئی۔ بصرہ پر طلحہؓ و زبیرؓ کا قبضہ ہو گیا۔ عثمان بن حنیف گرفتار ہو کر حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے سامنے آئے تو حضرت ام المومنینؓ کو اطلاع دی گئی۔ اُنھوں نے چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ وہ وہاں سے چھوٹ کر حضرت علیؓ کی طرف روانہ ہوئے۔ اب حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور حضرت اُم المومنینؓ کا بصرہ پر قبضہ ہو گیا۔ لیکن یہ قبضہ بھی ویسا ہی تھا جیسا کہ عثمان بن حنیف کا قبضہ تھا۔ یعنی موافق و مخالف دونوں قسم کے لوگ بصرے میں موجود تھے۔

حضرت علیؓ کی مدینہ سے روانگی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو جب یہ معلوم ہوا۔ کہ اہل مکہ مخالفت پر آمادہ ہیں۔ تو آپ نے ملک شام کی طرف روانگی کا قصد ملتوی فرما دیا۔ اس کے بعد ہی خبر پہنچی کہ حضرت عائشہؓ۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ معہ لشکر مکہ سے بصرے کی طرف روانہ ہو گئے۔ تو آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ آپ نے تمام اہل مدینہ سے امداد طلب کی۔ خطبہ پڑھا اور لوگوں کو لڑائی کے لئے آمادہ کیا۔ اہلِ مدینہ کو یہ بہت ہی شاق گذرتا تھا۔ کہ وہ حضرت عائشہؓ۔ طلحہؓ اور زبیرؓ کے مقابلہ میں لڑنے کو نکلیں۔ لیکن جب حضرت ابوالہثیم بدریؓ۔ زیاد بن حنظلہؓ۔ خزیمہ

بن ثابتؓ ابو قتادہ نے آمادگی ظاہر کی تو اور لوگ بھی آمادہ ہو گئے۔ آخر ماہ ربیع الثانی ۳۶ھ کو حضرت علیؓ مدینہ سے نکل کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کوفیوں اور مصریوں کے گروہوں نے بھی آپ کی معیت اختیار کی۔

عبداللہ بن سبا یہودی منافق

اسی لشکر میں عبداللہ بن سبا بھی معہ اپنے ساتھیوں اور رازداروں کے موجود تھا۔ جب آپ مدینہ سے روانہ ہوئے تو راستہ میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ مل گئے۔ حضرت علیؓ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ "اے امیرالمومنینؓ آپ مدینہ سے تشریف نہ لے جائیں۔ واللہ اگر آپ یہاں سے نکل جائیں گے تو مسلمانوں کا امیر یہاں پھر لوٹ کر نہ آئے گا۔" لوگ گالیاں دیتے ہوئے عبداللہ بن سلامؓ کی طرف دوڑے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اس کو چھوڑ دو۔ آنحضرت صلعم کے صحابہ میں یہ اچھا آدمی ہے۔ اس کے بعد آپ آگے بڑھے اور مقام ربذہ میں پہنچے تو خبر سُنی کہ طلحہؓ اور زبیرؓ بصرہ میں داخل ہو گئے۔

حضرت علیؓ نے مقام ربذہ میں قیام کر دیا اور یہیں سے مُلک کے مختلف حصوں میں لوگوں کے نام احکام جاری کر دیئے۔ محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن جعفرؓ کو کوفہ کی جانب روانہ کیا۔ کہ وہاں سے لوگوں کو جمع کر کے لائیں۔ خود ربذہ میں ٹھیرے ہوئے لوگوں کو جنگ کی ترغیب دیتے رہے۔ چند روز کے بعد مدینہ منورہ سے اپنا اسباب اور سواری وغیرہ منگا کر روانگی کا عزم فرمایا۔ لوگوں کو چونکہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے لڑنا پسند نہ تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا۔ کہ میں اُن لوگوں پر حملہ نہ کروں گا۔ اور جب تک وہ خود حملہ کر کے مجھ کو مجبور نہ کر دیں گے۔ اُن سے نہ لڑوں گا۔ اور جہاں تک ممکن ہو گا۔ اُن کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے گی۔ ابھی ربذہ سے روانہ نہ ہوئے تھے۔ کہ قبیلہ طے کی ایک جماعت آکر شریک لشکر ہوئی۔ آپ نے اُن کی تعریف کی۔ ربذہ سے روانگی کے وقت آپ نے عمرو بن الجراح کو مقدمۃ الجیش کا افسر مقرر فرمایا۔ مقام فید میں پہنچے تو قبیلہ طے اور قبیلہ اسد کے کچھ لوگوں نے حاضر ہو کر ہم رکاب چلنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تم لوگ اپنے اقرار پر ثابت قدم رہو۔ یہی بہت ہے اور لڑنے کے لئے مہاجرین کافی ہیں۔ اسی مقام پر آپ کو کوفہ سے آتا ہوا ایک

شخص ملا۔ اُس سے آپ نے دریافت کیا۔ کہ ابوموسٰی اشعری کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے۔ اُس نے کہا اگر تم صلح و صفائی کے ارادے سے نکلے ہو یعنی طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ سے صلح کرنا چاہتے ہو تو ابوموسٰی تمہارا شریک نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک ہم پر کوئی حملہ آور نہ ہو ہمارا ارادہ لڑائی کا نہیں ہے۔ فید سے روانہ ہو کر مقام ثعلبیہ پر قیام ہوا۔ تو وہاں خبر پہنچی کہ حکیم بن جبلہ مارا گیا۔ اور عثمان بن حنیف خود آکر حاضر خدمت ہوئے۔ اُن کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ تم کو تمہاری مصیبتوں پر اجر ملے گا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ طلحہؓ و زبیرؓ نے اوّل میرے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر انھوں نے بدعہدی کر کے مجھ پر خروج کیا۔ اُن لوگوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی اطاعت کی اور میری مخالفت کرتے ہیں۔ کاش یہ لوگ جانتے کہ میں اُن سے جُدا نہیں ہوں۔ یہ کہہ کر آپ طلحہؓ اور زبیرؓ کے حق میں بددعا کرنے لگے۔

محمدین کوفہ میں محمد بن ابوبکرؓ اور محمد بن جعفرؓ کو حضرت علیؓ نے کوفہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ انھوں نے کوفہ میں پہنچ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خط ابوموسٰی کو دیا اور لوگوں کو حضرت علیؓ کے حکم کے موافق لڑائی پر آمادہ کرنے لگے۔ مگر کسی نے آمادگی کا اظہار نہ کیا۔ جب محمد بن ابوبکرؓ نے زیادہ اصرار کے ساتھ ترغیب دی۔ تو لوگوں نے کہا کہ لڑائی کے لئے نکلنا دنیا کا راستہ ہے۔ اور بیٹھ رہنا آخرت کی راہ ہے۔ لوگ یہ سُن کر بیٹھ رہے۔ محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن جعفرؓ کو یہ دیکھکر غصہ آیا۔ اور ابوموسٰی سے سختی کا برتاؤ کیا۔ ابوموسٰی نے اُن دونوں سے کہا کہ عثمان غنیؓ کی بیعت میری اور علیؓ دونوں کی گردن میں ہے اگر لڑائی ضروری ہے تو قاتلین عثمانؓ سے، جہاں کہیں وہ ہوں لڑنا چاہیے۔ یہ دونوں صاحب مایوس ہو کر کوفہ سے چل دیئے۔ اور مقام ذی قار میں حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچ کر کوفہ کا تمام حال گوش گذار کیا۔

اشتر و ابن عباسؓ کوفہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن جعفر کے ناکام واپس آنے پر اُشتر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تم ابن عباسؓ کو ہمراہ لے کر جاؤ اور ابوموسٰی کو جس طرح ممکن ہو سمجھاؤ۔ چنانچہ یہ دونوں کوفے پہنچے۔ ہر چند ابوموسٰی کو سمجھایا۔ اور فوجی امداد طلب کی۔ لیکن ابوموسٰی آخر تک ہر ایک بات کا صرف ایک ہی جواب دیتے رہے۔ کہ جب تک فتنہ فرو نہ ہو جائے میں تو سکوت ہی

اختیار رکھوں گا۔ اُشتر اور ابن عباسؓ دونوں مجبور ہو کر واپس چلے آئے۔ اور عرض کیا کہ وہاں ابو موسیٰ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

عمار بن یاسرؓ اور حسن بن علیؓ کوفہ میں

حضرت علیؓ نے اُشتر وابن عباسؓ کے واپس آنے پر اپنے بیٹے حسنؓ اور عمار بن یاسرؓ کو کوفہ کی جانب روانہ کیا۔ جب یہ دونوں کوفہ میں پہنچے تو ان کے آنے کی خبر سُن کر ابو موسیٰ مسجد میں آئے۔ حسن بن علیؓ سے معانقہ کیا۔ اور عمار بن یاسرؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم نے حضرت عثمان غنیؓ کی کوئی امداد نہیں کی۔ اور فاجروں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ عمار نے کہا۔ نہیں میں نے ایسا نہیں کیا۔ اتنے میں حضرت حسنؓ بول پڑے کہ لوگوں نے اس معاملہ میں ہم سے کوئی مشورہ نہیں کیا۔ اور اصلاح کے سوا ہمارا دوسرا مقصود نہیں ہے۔ اور امیر المومنینؓ اصلاحِ اُمت کے کاموں میں کسی دوسرے سے ڈرتے نہیں ہیں۔ ابو موسیٰ نے نہایت ادب کے ساتھ جواب دیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ نے سچ فرمایا۔ لیکن آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ عنقریب فتنہ برپا ہونے والا ہے۔ اُس میں بیٹھا ہوا شخص کھڑا ہونے والے سے۔ کھڑا ہوا پیادہ چلنے والے سے۔ پیادہ چلنے والا سوار سے بہتر ہوگا۔ اور کُل مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ان کا خون و مال حرام ہے۔ عمار بن یاسرؓ کو ابو موسیٰ کی باتوں سے کچھ ایسی برافروختگی ہوئی۔ کہ وہ ابو موسیٰ کو گالی دے بیٹھے۔ ابو موسیٰ گالی سُن کر خاموش ہو گئے۔ مگر حاضرین میں سے کسی نے ترکی بترکی جواب دیا۔ بات بڑھی اور لوگ عمارؓ پر ٹوٹ پڑے۔ مگر ابو موسیٰ نے عمار کو بچا لیا۔

انھیں ایام میں حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ نے بصرہ سے اہل کوفہ کے نام خطوط روانہ کئے۔ جن میں لکھا تھا کہ اس زمانہ میں تم لوگ کسی کی مدد نہ کرو۔ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو یا ہماری مدد کرو۔ کہ ہم عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے نکلے ہیں۔ اسی جلسہ میں زید بن صوحان نے اُم المومنینؓ کا خط مسجد میں لوگوں کو پڑھ کر سُنانا شروع کیا۔ شبث بن ربعی گالی دے بیٹھا۔ اس سے حاضرین میں ایک جوش پیدا ہو گیا۔ اور علانیہ حضرت اُم المومنینؓ کی طرف داری کا اظہار کرنے لگے۔ ابو موسیٰ اس جوش و خروش کو کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کہ فتنہ کے فرو ہونے تک گھروں میں بیٹھے رہو۔ میری اطاعت کرو۔ عرب کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلہ بن جاؤ۔ تاکہ مظلوم تمھارے سایہ میں آ کر پناہ گزیں ہوں۔

تم لوگ اپنے نیزوں کی نوکیں نیچے کر لو اور اپنی تلواروں کو نیام میں کر لو۔

ان باتوں کو سُن کر زید بن صوحان نے کھڑے ہو کر لوگوں کو حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی مدد کرنے کی ترغیب دی۔ اس کے بعد اور کئی شخص یکے بعد دیگرے تائید کرنے کو کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد عمار بن یاسرؓ بولے۔ کہ لوگو! حضرت علیؓ نے تم کو حق دیکھنے کے لئے بلایا ہے۔ چلو اور اُن کے ساتھ ہو کر لڑو۔ پھر حضرت حسنؓ بن علیؓ نے فرمایا۔ کہ لوگو! ہماری دعوت قبول کرو۔ ہماری اطاعت کرو۔ اور جس مصیبت میں تم اور ہم سب مبتلا ہو گئے ہیں۔ اُس میں ہماری مدد کرو۔ امیر المومنینؓ کہتے ہیں۔ کہ اگر ہم مظلوم ہیں تو ہماری مدد کرو۔ اور اگر ہم ظالم ہیں تو ہم سے حق لو۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ طلحہؓ و زبیرؓ نے سب سے پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کی اور سب سے پہلے بد عہدی کی۔ حضرت حسن بن علیؓ کی تقریر سے لوگوں کے دلوں پر ایک فوری اثر ہوا اور سب نے اپنی آمادگی ظاہر کر دی۔ عمار بن یاسرؓ اور حضرت حسنؓ کو روانہ کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے مالک اشتر کو بھی روانہ کر دیا تھا اُشتر کوفہ میں اُس وقت پہنچا جب کہ حضرت حسن بن علیؓ تقریر کر رہے تھے۔ اُشتر کے آ جانے سے اور بھی تقویت ہوئی۔ اور ابو موسیٰ اشعری کی بات پھر کسی نے نہ سُنی۔ حالانکہ وہ آخر تک اپنی اُسی رائے کا اظہار کرتے رہے کہ گوشہ نشینی اور غیر جانب داری اختیار کرو۔ مالک اُشتر نے پہنچ کر قبائل کو آمادہ کرنے میں خوب کار نمایاں کیا۔ ابو موسیٰ اشعری کو حکم دیا گیا کہ تم کل تک دار الامارت کو خالی کر دو۔

غرض یہ کہ حسن بن علیؓ۔ عمار بن یاسرؓ اُشتر کوفہ سے نو ہزار کی جمعیت لے کر روانہ ہوئے جس وقت اہل کوفہ کا یہ لشکر مقام ذی قار کے متصل پہنچا تو حضرت علیؓ نے اُن کا استقبال کیا۔ اور اُن لوگوں کی ستائش کی۔ پھر فرمایا کہ اے اہلِ کوفہ ہم نے تم کو اس لئے تکلیف دی ہے۔ کہ تم ہمارے ساتھ ہو کر اہل بصرہ کا مقابلہ کرو۔ اگر وہ لوگ اپنی رائے سے رجوع کر لیں تو سبحان اللہ اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں۔ اور اگر انھوں نے اپنی رائے سے اصرار کیا۔ تو ہم نرمی سے پیش آئیں گے۔ تاکہ ہماری طرف سے ظلم کی ابتدا نہ ہو۔ ہم کسی کام کو بھی جس میں ذرا سا بھی فساد ہو گا بغیر اصلاح نہ چھوڑیں گے۔ یہ باتیں سننے کے بعد اہل کوفہ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ مقام ذی قار میں قیام پذیر ہو گئے۔ دوسرے دن حضرت علیؓ نے قعقاع بن عمروؓ کو بصرہ کی طرف روانہ کیا۔ اسی مقام ذی قار میں حضرت اویس قرنیؓ مشہور

تابعی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

مصالحت کی کوشش حضرت قعقاع بن عمروؓ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس لئے بصرہ کی طرف روانہ کیا۔ کہ وہ وہاں جاکر حضرت اُم المومنینؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کا عندیہ معلوم کریں اور جہاں تک ممکن ہو ان حضرات کو صلح و آشتی کی طرف مائل کرکے بیعت اور تجدید بیعت پر آمادہ کریں۔ حضرت قعقاع بن عمروؓ بڑے زبان آور عقلمند اور ذی اثر اور آنحضرت صلعم کی صحبت سے فیض یافتہ تھے۔ انھوں نے بصرہ میں پہنچ کر مذکورۃ الصدر بزرگوں سے ملاقات کی۔ حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ آپ کو اس کام پر کس چیز نے آمادہ کیا ہے۔ اور آپ کی کیا خواہش ہے۔ اُنھوں نے فرمایا۔ کہ میرا مدعا صرف مسلمانوں کی اصلاح اور اُن کو قرآن پر عامل بنانا ہے حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی وہیں موجود تھے۔ اُن سے بھی یہی سوال کیا گیا۔ اور اُنھوں نے بھی وہی جواب دیا جو کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دیا تھا۔ یہ سُن کر حضرت قعقاع بن عمروؓ نے کہا کہ اگر آپ کا منشاء اصلاح اور عمل بالقرآن ہے تو یہ مقصد تو اس طرح پورا نہ ہوگا۔ جس طرح آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اُن بزرگوں نے جواب دیا کہ قرآن کریم میں قصاص کا حکم ہے۔ ہم خون عثمانؓ کا قصاص لینا چاہتے ہیں۔ حضرت قعقاعؓ نے کہا کہ قصاص اس طرح کہاں لیا جاتا ہے۔ اوّل امامت و خلافت کا قیام و استحکام ضروری ہے تاکہ امن و امان قائم ہو۔ اس کے بعد قاتلینِ عثمانؓ سے بہ آسانی قصاص لیا جاسکتا ہے۔ لیکن جب امن و امان اور کوئی نظام مُلکی باقی نہ رہے۔ تو ہر شخص کہاں مجاز ہے کہ وہ قصاص لے۔ دیکھو یہیں بصرہ میں آپ نے بہت سے آدمیوں کو قصاص عثمانؓ میں قتل کردیا لیکن حرقوص بن زہیر آپ کے ہاتھ نہ آیا۔ آپ نے اُس کا تعاقب کیا تو چھ ہزار آدمی اُس کی حمایت میں آپ سے لڑنے کو آمادہ ہوگئے اور آپ نے مصلحتاً اُس کا تعاقب چھوڑ دیا۔ اسی طرح حضرت علیؓ اگر مصلحتاً فتنہ کے دبانے اور طاقت حاصل کرنے کے انتظار میں مجبورانہ طور پر فوراً قصاص نہ لے سکے تو آپ کو انتظار کرنا چاہیئے تھا۔ آپ کے لئے یہ کہاں جائز تھا۔ کہ آپ خود کھڑے ہوجائیں اور اس فتنہ کو اور بڑھائیں۔ اسی طرح تو فتنہ ترقی کرے گا۔ مسلمانوں میں خوں ریزی ہوگی اور قاتلینِ عثمانؓ قصاص سے بچے رہیں گے"

یہ باتیں کہہ کر آخر میں حضرت قعقاع بن عمروؓ نے نہایت دل سوزی کے ساتھ کہا

کہ "اے بزرگو! اس وقت سب سے بڑی اصلاح یہی ہے کہ آپس میں صلح کر لو۔ تاکہ مسلمانوں کو امن و عافیت حاصل ہو۔ آپ حضرات مفاتیح خیر اور انجمِ ہدایت ہیں۔ آپ برائے خدا ہم لوگوں کو بلا میں نہ ڈالیں۔ ورنہ یاد رہے۔ کہ آپ بھی ابتلا میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اور اُمتِ مسلمہ کو بڑا نقصان پہنچے گا"۔

حضرت قعقاع کی ان باتوں کا حضرت اُم المومنینؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے دلوں پر بڑا اثر ہوا۔ اور انھوں نے کہا۔ کہ "اگر حضرت علیؓ کے یہی خیالات ہیں جو آپ نے بیان کئے اور وہ قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو پھر لڑائی اور مخالفت کی کوئی بات ہی باقی نہیں رہتی۔ ہم اب تک یہی سمجھتے رہے کہ اُن کو قاتلین عثمانؓ سے ہمدردی ہے۔ اور اسی لئے قاتلینِ عثمانؓ اُن کے لشکر میں شریک اور اُن کے زیر حمایت سب اہم کاموں میں دخیل ہیں"۔ قعقاع بن عمروؓ نے کہا۔ کہ "میں نے جو کچھ کہا ہے یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے"۔ ان حضرات نے فرمایا۔ کہ "پھر ہم کو بھی اُن سے کوئی مخالفت نہ ہو گی۔ اس گفتگو کے بعد حضرت قعقاعؓ بصرہ سے رخصت ہو کر امیر المومنین حضرت علیؓ کے لشکر کی طرف چلے۔ ان کے ساتھ ہی بصرہ کے بااثر لوگوں کا ایک وفد بھی ہو لیا۔ یہ لوگ اس لئے گئے۔ کہ حضرت علیؓ اور اہل کوفہ کے خیالات معلوم کر کے آئیں۔ کہ وہ حقیقتاً مصالحت پر آمادہ ہیں۔ یا نہیں۔ کیونکہ انھوں نے یہ افواہیں سُنی تھیں۔ کہ حضرت علیؓ کا یہ ارادہ ہے کہ بصرہ کو فتح کر کے جوانوں کو قتل کر دیں گے۔ اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیں گے۔ یہ خبریں عبداللہ بن سبا کی جماعت کے لوگوں نے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شریک تھے بصرہ میں مشہور کرا دی تھیں۔

جب حضرت قعقاع بن عمروؓ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے تمام کیفیت گوش گذار کی تو حضرت علیؓ بہت ہی خوش ہوئے۔ پھر اہلِ بصرہ کے وفد نے کوفہ والوں سے جو حضرت علیؓ کے لشکر میں شریک تھے مل کر اُن کی رائے دریافت کی تو سب نے صلح و آشتی کو مناسب اور بہتر بتایا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان بصرہ والوں کو اپنی خدمت میں طلب کر کے ہر طرح اطمینان دلایا۔ یہ لوگ بھی خوش و خرم واپس آئے۔ اور سب کو صلح و مصالحت کے یقینی ہونے کی خوشی

خبری سُنائی ؛

فتنہ پردازی کے لئے مشورت } صلح کی تمہید قائم ہو جانے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تمام اہلِ لشکر کو جمع کر کے ایک فصیح و بلیغ اور نہایت پُر تاثیر تقریر فرمائی۔ اور حکم دیا۔ کہ کل اہل بصرہ کی جانب کوچ ہوگا لیکن ہمارا بصرہ کی جانب بڑھنا جنگ و پیکار کے لئے نہیں۔ بلکہ صُلح و آشتی قائم کرنے اور آتشِ جنگ پر پانی ڈالنے کے لئے ہے۔ ساتھ ہی آپ نے یہ حکم دیا۔ کہ جو لوگ محاصرِ عثمانؓ میں شریک تھے۔ وہ ہمارے ساتھ کوچ نہ کریں۔ بلکہ ہمارے لشکر سے علیحدہ ہو جائیں۔ یہ تقریر سُن کر اور حکم سُن کر اہل مصر اور عبداللہ بن سبا کو بڑی فکر پیدا ہوئی ؛

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں ایسے لوگوں کی تعداد دو ڈھائی ہزار کے قریب تھی۔ جن میں بعض بڑے با اثر اور چالاک بھی تھے۔ اُن لوگوں کے سرداروں اور سمجھ داروں کو عبداللہ بن سبا نے الگ ایک خاص مجلس میں مدعو کیا۔ اس مجلس خاص میں عبداللہ بن سبا۔ ابن ملجم۔ اشتر۔ اُشتر کے خاص خاص احباب علیا بن الہیثم۔ سالم بن ثعلبہ شریح بن اوفی وغیرہم بلوائی۔ سردار شریک ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ اب تک طلحہؓ اور زبیرؓ قصاص کے خواہاں تھے۔ لیکن اب تو امیر المومنینؓ بھی انھیں کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں۔ آج ہم کو جدا ہونے کا حکم مِل چکا ہے۔ اگر آپس میں ان کی صلح ہو گئی تو متفق ہونے کے بعد یہ ہم سے ضرور قصاص لیں گے۔ اور ہم سب کو سزا دیں گے۔ اُشتر نے کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ طلحہؓ و زبیرؓ ہوں یا علیؓ ہوں۔ ہمارے متعلق تو سب کی رائے ایک ہی ہے۔ اب جو یہ صلح کر لیں گے تو یقیناً ہمارے خون پر ہی صلح کریں گے لہٰذا میرے نزدیک تو مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلحہؓ و زبیرؓ و علیؓ تینوں کو عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں۔ اس کے بعد خود بخود امن و سکون پیدا ہو جائے گا۔ عبداللہ بن سبا نے جو اس مجلس کا پریسیڈنٹ بنا ہوا تھا۔ کہا کہ تم لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔ اور حضرت علیؓ کے ہمراہ اس وقت بیس ہزار کا لشکر موجود ہے۔ اسی طرح بصرہ میں طلحہؓ و زبیرؓ کے ہمراہ بھی تیس ہزار سے کم فوج نہیں ہے۔ ہمارے لئے اپنے مقصد کا پورا کرنا سخت دشوار ہے۔ سالم بن ثعلبہ بولا کہ ہم کو صلح ہو جانے تک کہیں الگ اور دور چلے جانا چاہیے۔ شُریح نے بھی اسی رائے سے اتفاق ظاہر کیا۔ لیکن عبداللہ بن سبا

بولا کہ یہ رائے بھی کمزور اور غیر مفید ہے اس کے بعد ہر شخص اپنی اپنی رائے بیان کرتا رہا اور کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ آخر کار سب نے عبداللہ بن سبا سے کہا کہ آپ اپنی رائے کا اظہار کریں۔ ممکن ہے کہ اُسی پر سب متفق ہو جائیں۔ عبداللہ بن سبا نے کہا کہ بھائیو! ہم سب کے لئے بہتری اسی میں ہے کہ سب کے سب حضرت علیؓ کے لشکر میں ملے جلے رہیں اور ان کے لشکر سے جُدا نہ ہوں۔ بالفرض وہ اگر جُدا بھی کر دیں اور ہم کو نکال بھی دیں تو ہم اُن کے لشکر کے قریب ہی رہیں۔ زیادہ فاصلہ اختیار نہ کریں اور کہہ دیں کہ ہم اس لئے آپ سے قریب رہنا چاہتے ہیں کہ مبادا صلح نہ ہو اور لڑائی چھڑ جائے تو ہم بروقت شریکِ جنگ ہو کر آپ کی امداد کر سکیں۔ شریکِ لشکر یا قریبِ لشکر رہ کر ہم کو کوشش کرنی چاہیئے کہ دونوں لشکر جانبین سے جب ایک دوسرے کے قریب ہوں۔ تو کسی صورت سے لڑائی چھڑ جائے۔ اور صلح نہ ہونے پائے۔ اور یہ کچھ مشکل کام نہیں ہے جس وقت فریقین آپس میں لڑ پڑے تو ہمارے لئے کوئی خطرہ باقی نہ رہے گا"۔

جنگِ جمل صبح اُٹھ کر حضرت علیؓ نے کوچ کا حکم دیا۔ بلوائیوں کا لشکر جو مدینہ سے آپ کے ساتھ تھا۔ شریک لشکر رہا۔ اُن کا ایک حصہ الگ ہو کر لشکر کے قریب قریب رہا۔ اور ایک حصہ لشکر میں ملا جُلا رہا۔ راستے میں بکر بن وائل اور عبدالقیس وغیرہ قبائل بھی لشکرِ علی میں شریک ہو گئے۔ بصرہ کے قریب پہنچ کر مقام قصر عبیداللہ کے میدان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ خیمہ زن ہوئے۔ اُدھر سے حضرت اُم المومنینؓ اور حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی بمعہ لشکر آکر اُسی میدان میں فرو کش ہوئے تین روز تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل خاموش پڑے رہے۔ اس عرصہ میں حضرت زبیرؓ کے بعض ہمراہیوں نے کہا کہ ہم کو لڑائی شروع کر دینی چاہیئے۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ قعقاع بن عمرو کی معرفت مصالحت کی گفتگو ہو رہی ہے۔ ہم کو اُس کے نتیجہ کا انتظار کرنا چاہیئے صلح کی گفتگو کے دوران میں حملہ آوری کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کی خدمت میں بھی اُن کے بعض لشکریوں نے۔ جنگ کے شروع کرنے کا تقاضا کیا تو اُنھوں نے بھی یہی جواب دیا۔ ایک روز ایک شخص نے حضرت علیؓ سے استفسار کیا۔ کہ آپ بصرہ کی طرف کیوں تشریف لائے ہ آپ نے جواباً فرمایا کہ فتنہ فرو کرنے اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت پیدا کرنے کے لئے۔ اُس نے کہا اگر بصرہ والے آپ کا کہا مانیں اور آپ کے

مد مقابل لوگ صلح و آشتی کی طرف متوجہ نہ ہوں تو پھر آپ کیا کریں گے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں گے۔ اس شخص نے کہا کہ آپ تو ان کو چھوڑ دیں گے۔ لیکن اگر انھوں نے آپ کو نہ چھوڑا تو پھر آپ کیا کریں گے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس حالت میں ہم مدافعت کریں گے۔ اتنے میں ایک شخص بول اٹھا۔ کہ طلحہؓ اور زبیرؓ وغیرہ کہتے ہیں کہ ہم نے خدائے تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے خروج کیا ہے۔ کیا آپ کے نزدیک ان کے پاس بھی کوئی دلیل خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کی ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ کہ ہاں ان کے پاس بھی دلیل ہے۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ آپ کے پاس بھی کوئی دلیل اس بات کی ہے کہ آپ نے اس خون کا معاوضہ لینے میں تاخیر کی؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ہاں۔ جب کوئی امر مشتبہ ہو جائے اور حقیقت کا دریافت کرنا دشوار ہو تو فیصلہ احتیاط سے کرنا چاہیے۔ جلدی کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ پھر اسی شخص نے پوچھا کہ اگر کل مقابلہ ہو گیا اور لڑائی شروع ہو گئی تو ہمارا اور ان کا کیا حال ہو گا؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ "ہمارے اور ان کے یعنی دونوں طرف کے مقتولین جنت میں ہوں گے"۔

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حکم بن سلام اور مالک بن حبیب کو حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ اگر آپ حضرات اس اقرار پر جس کی حضرت قعقاع بن عمروؓ نے اطلاع دی ہے قائم ہیں تو لڑائی سے رُکے رہیں۔ جب تک کہ کوئی بات طے نہ ہو جائے۔ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے کہلا بھجوایا۔ کہ آپ مطمئن رہیں۔ ہم اپنے اقرار پر قائم ہیں۔ اس کے بعد حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ صفِ لشکر سے نکل کر دونوں لشکروں کے درمیان میدان میں آئے۔ ان دونوں کو میدان میں دیکھ کر ادھر سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اپنے لشکر سے نکلے اور اس قدر قریب پہنچ گئے کہ گھوڑوں کے منہ آپس میں مل گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اول حضرت طلحہؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم نے میرے خلاف اور میری دشمنی کے لئے یہ لشکر فراہم کیا۔ اور میرے مقابلہ پر آئے۔ کیا عند اللہ تم کوئی عذر پیش کر سکتے ہو؟ اور اپنے اس کام کو جائز ثابت کر سکتے ہو؟ کیا میں تمھارا دینی بھائی نہیں ہوں؟ کیا تم پر میرا اور مجھ پر تمھارا خون حرام نہیں ہے؟ حضرت طلحہؓ نے جواب دیا کہ کیا تم نے عثمانؓ کے قتل میں سازش نہیں کی؟ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ کہ خدائے تعالیٰ دانا و بینا ہے اور وہ قاتلینِ عثمانؓ پر لعنت بھیجے گا۔ اور اے

طلحہؓ کیا تم نے میری بیعت نہیں کی تھی؟ حضرت طلحہؓ نے جواب دیا کہ ہاں میں نے بیعت کی تھی۔ لیکن میری گردن پر تلوار تھی۔ یعنی میں نے مجبورًا بیعت کی تھی اور وہ قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لینے کے ساتھ مشروط تھی۔

اس کے بعد حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ کیا تم کو وہ دن یاد ہے۔ جب آنحضرت صلعم نے تم سے فرمایا تھا۔ کہ تم ایک شخص سے لڑوگے اور تم اس پر ظلم کرنے والے ہوگے؟ یہ سن کر حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ ہاں مجھ کو یاد آگیا۔ لیکن آپ نے میری روانگی سے پہلے مجھ کو یہ بات یاد نہ دلائی ورنہ میں مدینہ سے روانہ نہ ہوتا اور اب واللہ میں تم سے ہرگز نہ لڑوں گا۔ اس گفتگو کے بعد ایک دوسرے سے جدا ہوکر اپنے اپنے لشکر کی طرف واپس آکر حضرت اُم المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آج مجھ کو علیؓ نے ایک ایسی بات یاد دلائی ہے کہ میں اُن سے کسی حالت میں لڑنا پسند نہ کروں گا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں سب کو چھوڑ کر واپس چلا جاؤں گا۔ حضرت اُم المومنینؓ بھی پہلے ہی سے اسی قسم کا خیال رکھتی تھیں۔ کیونکہ اُن کو چشمۂ حواب پر آنحضرت صلعم کی پیش گوئی یاد آچکی تھی۔ مگر اُم المومنینؓ نے حضرت زبیرؓ کی بات کا ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنے باپ حضرت زبیرؓ سے کہنے لگے کہ آپ نے جب دونوں فریق میدان میں جمع کر دیئے۔ اور ایک دوسرے کی عداوت پر اُبھار دیا تو اب چھوڑ کر جانے کا قصد فرماتے ہیں مجھ کو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت علیؓ کے لشکر کو دیکھ کر ڈر گئے۔ اور آپ کے اندر بزدلی پیدا ہوگئی ہے۔ یہ سن کر حضرت زبیرؓ اسی وقت اُٹھے اور تن تنہا ہتھیار لگا کر حضرت علیؓ کے لشکر کی طرف گئے۔ اور اُن کی فوج کے اندر داخل ہوکر اور ہر طرف پھر کر واپس آئے۔ حضرت علیؓ نے اُن کو آتے ہوئے دیکھ کر پہلے ہی اپنے آدمیوں کو حکم دے دیا تھا۔ کہ خبردار کوئی شخص ان سے متعرض نہ ہو اور ان کا مقابلہ نہ کرے۔ چنانچہ کسی نے ان کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی۔

حضرت زبیرؓ نے واپس جاکر اپنے بیٹے سے کہا۔ کہ میں اگر ڈرتا تو تنہا علیؓ کے لشکر میں اس طرح نہ جاتا۔ بات صرف یہ ہے کہ میں نے علیؓ کے سامنے قسم کھالی ہے کہ تمہارا مقابلہ نہ کروں گا اور تم سے نہ لڑوں گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا کہ آپ قسم کا کفارہ دے دیں اور اپنے غلام کو آزاد کر دیں۔ حضرت زبیرؓ نے کہا۔ کہ میں نے علیؓ کے لشکر میں عمارؓ کو دیکھا

ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عمارؓ کو گروہِ باغی قتل کرے گا۔
غرض جنگ و پیکار کے خیالات اور ارادے طرفین کے سرداروں نے بتدریج اپنے دلوں سے نکال ڈالے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت زبیرؓ و طلحہؓ کی خدمت میں۔ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کی طرف سے حضرت محمد بن طلحہؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں آئے اور صلح کے تمام شرائط تیسرے دن شام کے وقت طے اور مکمل ہو گئے اور یہ بات قرار پائی کہ کل صبح صلح نامہ لکھا جائے اور اس پر فریقین کے دستخط ہو جائیں۔ دونوں لشکروں کو ایک دوسرے کے سامنے پڑے ہوئے تین دن گذر چکے تھے۔ اس تین دن کے عرصہ میں عبداللہ بن سبا کی جماعت اور بلوائیوں کے گروہ کو، جو حضرت علیؓ کے لشکر کے متصل پڑے ہوئے تھے۔ کوئی موقعہ اپنے شرارت آمیز ارادوں کے پورا کرنے کا نہ ملا۔ اب جب کہ اُن کو یہ معلوم ہوا کہ صبح کو صلح نامہ لکھا جائے گا۔ تو بہت فکر مند ہوئے اور رات بھر مشورے کرتے رہے آخر سپیدۂ سحر کے نمودار ہونے کے قریب انھوں نے حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکر یعنی اہل جمل پر حملہ کر دیا۔ جس حصۂ فوج پر یہ حملہ ہوا اُس نے بھی مدافعت میں ہتھیاروں کا استعمال شروع ہو گیا۔ جب ایک طرف لڑائی شروع ہو گئی۔ تو فوراً ہر طرف طرفین کی فوجیں لڑائی پر مستعد ہو کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئیں۔

لڑائی کا یہ شور سُن کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اپنے خیموں سے نکلے اور شور و غل کا سبب دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کی فوج نے اچانک حملہ کر دیا۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ فرمانے لگے افسوس حضرت علیؓ بغیر کشت و خون کئے باز نہ آئیں گے۔ اِدھر شور و غل کی آواز سُن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے خیمہ سے نکلے اور شور و غل کی وجہ پوچھی تو وہاں پہلے ہی سے عبداللہ بن سبا نے اپنے چند آدمیوں کو لگا رکھا تھا۔ انھوں نے فوراً جواب دیا کہ طلحہؓ و زبیرؓ نے ہمارے لشکر پر اچانک بے خبری میں حملہ کر دیا ہے اور مجبوراً ہمارے آدمی بھی مدافعانہ لڑائی پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ افسوس طلحہ و زبیرؓ بغیر خوں ریزی کئے باز نہ آئیں گے۔ یہ فرما کر اپنے فوج کے حصوں کو احکام بھیجنے اور دشمن کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کرنے لگے۔ غرض بڑے شور زور سے لڑائی شروع ہو گئی۔ فریقین کے سپہ سالاروں میں سے ہر ایک نے دوسرے کو مجرم سمجھا اور حقیقت اصلیہ سے دونوں بے خبر

وناواقف رہے۔ تاہم فریقین کے لشکر میں لڑائی شروع ہونے کے بعد ایک ہی قسم کی منادی ہوئی۔ کہ "اس معرکہ میں کوئی شخص بھاگنے والے کا تعاقب نہ کرے۔ کسی زخمی پر حملہ نہ کرے۔ نہ کسی کا مال و اسباب چھینے"۔ یہ منادی طلحہؓ و زبیرؓ کی طرف سے بھی ہوئی اور حضرت علیؓ کی طرف سے بھی جو دلیل اس امر کی ہے۔ کہ دلوں میں ایک دوسرے کی عداوت و دشمنی موجود نہ تھی۔ بلکہ دونوں فریق اس لڑائی کو بہت ہی گراں اور ناگوار محسوس کر رہے تھے۔ اور مجبوراً میدان میں موجود تھے۔ عبداللہ بن سبا اور مصر وغیرہ کے بلوائیوں کی جماعت نے اب خوب آزادانہ میدانِ جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھانے شروع کر دیئے اور ان سبائی اور بلوائی جماعت کے سرداروں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اردگرد رہ کر اپنی جاں فروشی وجاں فشانی کے نظارے اُن کو دکھائے۔ کعب بن سور حضرت اُم المومنین کی خدمت میں آ کر عرض کرنے لگے کہ لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ اونٹ پر سوار ہو جائیں اور میدانِ قتال کی طرف چلیں۔ ممکن ہے کہ آپ کی سواری کو دیکھ کر لوگ قتال سے رُک جائیں اور صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ یہ سُن کر حضرت اُم المومنین نے آمادگی ظاہر کی اور فوراً اونٹ پر سوار ہو گئیں۔ آپ کے ہودج پر لوگوں نے احتیاط کی غرض سے زرہیں پھیلا دیں۔ اور اُونٹ کو ایسے موقع پر لا کھڑا کر دیا۔ جہاں سے لڑائی کا ہنگامہ خوب نظر آتا تھا۔ مگر توقع کے خلاف بجائے اس کے کہ لڑائی کم ہوتی اور رُکتی اس اُونٹ یعنی حضرت اُم المومنینؓ کی سواری کو دیکھ کر لڑائی میں اور بھی زیادہ اشتعال واشتداد پیدا ہو گیا۔

لڑنے والوں نے یہ سمجھا کہ حضرت اُم المومنینؓ بحیثیت سپہ سالار میدان جنگ میں تشریف لائی ہیں۔ اور ہم کو زیادہ بہادری کے ساتھ لڑنے کی ترغیب دے رہی ہیں۔ لہٰذا ادھر سے حضرت علیؓ نے اہلِ جمل کی شدت وچیرہ دستی دیکھ کر خود مسلح ہو کر حملہ آور ہونا اور اپنی فوج کو ترغیب جنگ دینا ضروری سمجھا لڑائی کو شروع ہوئے تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ حضرت طلحہؓ کے پاؤں میں ایک تیر لگا۔ اور تمام موزہ خون سے بھر گیا۔ اس تیر کا زخم نہایت اذیت رساں تھا۔ اور خون کسی طرح نہ رُکتا تھا۔ حضرت طلحہؓ کی یہ حالت حضرت قعقاع بن عمروؓ نے دیکھی جو حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل تھے۔ اور فرمایا کہ اے ابو محمد! آپ کا زخم بہت خطرناک ہے آپ فوراً بصرہ میں واپس تشریف لے جائیں۔ چنانچہ حضرت طلحہؓ بصرہ کی

طرف متوجہ ہوئے۔ بصرہ میں داخل ہوتے ہی وہ زخم کے صدمہ سے بے ہوش ہو گئے اور وہاں پہنچنے کے بعد ہی انتقال کر گئے۔ وہیں مدفون ہوئے۔ مروان بن الحکم اس لڑائی میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکر میں شامل تھا۔ جب لڑائی شروع ہو گئی تو حضرت طلحہؓ نے ارادہ کیا کہ میں بھی علیؓ کا مقابلہ ہرگز نہ کروں گا۔ اسی خیال میں وہ لشکر سے الگ ہو کر ایک طرف کھڑے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی باتوں پر غور کر رہے تھے۔ اور حضرت زبیرؓ و حضرت علیؓ کی گفتگو اور عمار بن یاسرؓ والی پیش گوئی کو یاد کر کے اس لڑائی سے بالکل جُدا اور غیر جانب دار ہونا چاہتے تھے۔ اس حالت میں مروان بن حکم نے اُن کو دیکھا اور سمجھ گیا۔ کہ یہ لڑائی میں کوئی حصہ لینا نہیں چاہتے اور صاف بچ کر نکل جانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اُس نے اپنے غلام کو اشارہ کیا۔ اُس نے مروان کے چہرے پر چادر ڈال دی۔ مروان نے چادر سے اپنا منہ چھپا کر کہ کوئی شناخت نہ کرے۔ ایک زہر آلود تیر کمان میں جوڑ کر حضرت طلحہؓ کو نشانہ بنایا۔ یہ تیر حضرت طلحہؓ کے پاؤں کو زخمی کر کے گھوڑے کے پیٹ میں لگا۔ اور گھوڑا حضرت طلحہؓ کو لئے ہوئے گرا۔ حضرت طلحہؓ نے اُٹھ کر حضرت علیؓ کے غلام کو جو اتفاقاً اُس طرف سامنے آ گیا بُلایا۔ اور اُس کے ہاتھ پر یا حضرت قعقاعؓ کے ہاتھ پر جو وہاں آ گئے تھے نیا بتاً حضرت علیؓ کی بیعت کی اور اس تجدید بیعت کے بعد بصرہ میں آ کر انتقال فرمایا۔ حضرت علیؓ کو جب یہ معلوم ہوا۔ تو انھوں نے حضرت طلحہؓ کے لئے دُعا کی اور اُن کی بہت تعریف فرماتے اور افسوس کرتے رہے۔

حضرت زبیر کی صلح پسندی

جب لڑائی شروع ہو گئی تو حضرت زبیر بن العوام جو پہلے ہی سے ارادہ فرما چکے تھے۔ کہ حضرت علیؓ سے نہ لڑیں گے۔ میدانِ جنگ سے جُدا ہو گئے۔ اتفاقاً حضرت عمارؓ نے اُن کو دیکھ لیا۔ اور بڑھ کر اُن کو لڑائی کے لئے ٹوکا۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ میں تم سے نہ لڑوں گا۔ لیکن حضرت عمارؓ اُن کو لڑائی کا بانی سمجھ کر سخت ناراض تھے۔ اُنھوں نے حملہ کیا۔ حضرت زبیرؓ اُن کے ہر ایک وار کو روکتے اور اپنے آپ کو بچاتے رہے اور خود اُن پر کوئی حملہ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمارؓ تھک کر رہ گئے اور حضرت زبیرؓ وہاں سے نکل کر چل دیئے۔ اہل بصرے سے احنف بن قیس اپنے قبیلہ کی ایک بڑی جمعیت لئے ہوئے دونوں لشکروں سے الگ بالکل غیر جانب دار حالت میں ایک طرف خیمہ زن تھے۔ اُنھوں نے پہلے ہی سے دونوں طرف کے

سرداروں کو مطلع کردیا تھا۔ کہ ہم دونوں میں سے کسی کی حمایت یا مخالفت نہ کریں گے۔
حضرت زبیرؓ میدان جنگ سے نکل کر چلے تو احنف بن قیس کی لشکرگاہ کے قریب سے ہو کر گذرے۔ احنف بن قیس کے لشکر سے ایک شخص عمرو بن الجرموز حضرت زبیرؓ کے پیچھے ہو لیا۔ اور قریب پہنچ کر اُن کے ساتھ ساتھ چلنے اور کوئی مسئلہ اُن سے دریافت کرنے لگا۔ جس سے حضرت زبیرؓ کو اُس کی نسبت کوئی شک و شبہ پیدا نہ ہو۔ لیکن اُس کی طبیعت میں کھوٹ تھا۔ وہ ارادۂ فاسد سے اُن کے ہمراہ ہوا تھا۔ وادی السباع میں پہنچ کر نماز کا وقت آیا تو حضرت زبیرؓ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے بہ حالتِ نماز جب کہ یہ سجدہ میں تھے۔ عمرو بن الجرموز نے اُن پر وار کیا........ وہاں سے وہ سیدھا حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اول کسی شخص نے آکر حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ زبیر بن العوامؓ کا قاتل آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ اُس کو اجازت دے دو مگر ساتھ ہی اُس کو جہنم کی بشارت بھی دے دو۔ جب وہ سامنے آیا اور آپ نے اُس کے پاس حضرت زبیرؓ کی تلوار دیکھی تو آپ کے آنسو نکل پڑے اور کہا کہ اے ظالم یہ وہ تلوار ہے جس نے عرصۂ دراز تک رسول اللہ صلعم کی حفاظت کی ہے عمرو بن الجرموز پر ان الفاظ کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ حضرت علیؓ کی شان میں اُن کے سامنے ہی چند گستاخانہ الفاظ کہہ کر اور تلوار خود ہی اپنے پیٹ میں بھونک کر مر گیا۔ اور اس طرح واصل بہ جہنم ہو گیا؛

حضرت طلحہ کی علیحدگی

لڑائی کے شروع ہی میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ میدانِ جنگ سے جُدا ہو گئے تھے۔ قبائل کے افسر اور چھوٹے چھوٹے سردار اپنی اپنی جمعیتوں کو لئے ہوئے حضرت عائشہؓ کی طرف سے مقابلہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہؓ خود اس کوشش میں مصروف تھیں۔ کہ کسی طرح لڑائی رُکے اور صلح کی صورت پیدا ہو۔ لہٰذا اس طرف یعنی اہلِ جمل کی طرف فوج کو لڑانے والا کوئی ایک سردار نہ تھا۔ لڑنے والوں کو یہ بھی معلوم نہ تھا۔ کہ ہم لڑائی میں جو کوشش کر رہے ہیں۔ یہ حضرت اُم المومنینؓ کا منشاء اصلی ہے یا نہیں۔ حضرت اُم المومنین اور اُن کا تمام لشکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت یہ خیال رکھتے تھے کہ انھوں نے صُلح

کی گفتگو کر کے ہم کو دھوکا دینا چاہا اور پھر ظالمانہ طور پر اچانک ہم پر حملہ کر دیا۔ اس حالت میں وہ اپنے لشکر کو لڑنے اور مدافعت کرنے سے روک بھی نہیں سکتی تھیں۔ اُدھر اہل بصرہ کو اس بات کا یقین ہو گیا۔ کہ جو خبریں ہم نے حضرت علیؓ کی نسبت پہلے سُنی تھیں کہ وہ اہلِ بصرہ کو قتل کر کے اُن کے بیوی بچوں کو باندی غلام بنا لیں گے وہ صحیح تھیں۔ غرض دس ہزار سے زیادہ مسلمان دونوں طرف مقتول ہوئے۔ اور آخر تک اصلِ حقیقت کسی کو معلوم نہ ہوئی۔ کہ یہ لڑائی کس طرح ہوئی۔ ہر شخص اپنے فریق مقابل ہی کو ظالم اور خطا کار سمجھتا رہا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ چونکہ خود لشکر کی سپہ سالاری فرما رہے تھے لہٰذا اُن کی طرف سے ایسے ایسے سخت حملے ہوئے کہ اہل جمل کو پسپا ہونا پڑا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا جمل حضرت علیؓ کی حملہ آور فوج کی زد میں آگیا۔ اسی اونٹ کی مہار کعب کے ہاتھ میں تھی۔ وہی حضرت عائشہؓ کو مشورہ دے کر میدانِ جنگ کی طرف لائے تھے۔ کہ شاید کوئی صلح کی صورت پیدا ہو جائے۔ جب حضرت اُم المومنینؓ نے دیکھا کہ حملہ آور فوج کسی طرح نہیں رُکتی اور اونٹ کو بچانے کے لئے بصرہ والوں نے جو اوّل پسپا ہو گئے تھے از سرِ نو اپنے قدم جما لئے ہیں اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ تلوار چل رہی ہے تو انہوں نے کعب کو حکم دیا کہ تم اونٹ کی مُہار چھوڑ کر قرآن مجید کو بلند کر کے آگے بڑھو اور لوگوں کو قرآن مجید کے محاکمہ کی طرف بُلاؤ اور کہو کہ ہم کو قرآن مجید کا فیصلہ منظور ہے۔ تم بھی قرآن مجید کا فیصلہ مان لو۔ کعب نے آگے بڑھ کر یوں ہی اعلان کیا۔ عبداللہ بن سبا کے لوگوں نے یک لخت اُن پر تیروں کی بارش کی اور وہ شہید ہو گئے۔ اس کے بعد اہل بصرہ میں اور بھی جوش ہوا اور حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے اِردگرد لاشوں کے انبار لگ گئے۔ اہل بصرہ برابر قتل ہو رہے تھے۔ لیکن حضرت عائشہؓ کے اونٹ تک حریف کو نہیں پہنچنے دیتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کیفیت کو دیکھ کر فوراً سمجھ لیا۔ کہ جب تک یہ ناقہ میدان جنگ میں نظر آتا رہے گا۔ لڑائی کے شعلے کبھی فرو نہ ہوں گے۔ حضرت عائشہؓ کا اونٹ لڑائی اور کشت و خون کا مرکز بنا ہوا تھا۔ چاروں طرف سے حضرت عائشہؓ کے کجاوہ پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ اور وہ قاتلین عثمانؓ پر بددُعا کر رہی تھیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اس ناقہ کو کسی طرح مارو۔

جس وقت ناقہ گرا فوراً لڑائی ختم ہو جائے گی۔ حضرت علیؓ کی طرف سے اشتر جو بلوائیوں کا سر گروہ تھا۔ اُس وقت میدانِ جنگ میں بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا۔ اسی طرح اور بھی بلوائی سردار اور سبائی لوگ خدمات انجام دے رہے تھے۔ حضرت علیؓ کی طرف سے پیہم کئی زبردست حملے ہوئے مگر اہل جمل نے ہر ایک حملہ کو بڑی ہمت و شجاعت کے ساتھ روکا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور مروان بن الحکم ان حملوں کو روکنے میں زخمی ہوئے۔ عبدالرحمٰن بن عتاب۔ جندب بن زہیر۔ عبداللہ بن حکیم وغیرہ حضرات جمل کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے جسم پر بہتّر زخم آئے تھے۔ ناقہ کی مہار یکے بعد دیگرے لوگ پکڑتے جاتے اور شہید ہوتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ سینکڑوں آدمی ناقہ کی مہار پر شہید ہو گئے۔ بالآخر اہل جمل نے ایسا سخت حملہ کیا کہ ناقہ کے سامنے دُور تک میدان صاف کر لیا۔ حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو پسپا ہوتے ہوئے دیکھ کر پھر حملہ کیا اور آگے بڑھا یا۔ کئی مرتبہ ناقہ کے سامنے لڑنے والوں کی صفیں آگے بڑھیں اور پیچھے ہٹیں۔ بالآخر ایک شخص نے موقع پا کر ناقہ کے پاؤں میں تلوار ماری اور ناقہ چلا کر سینے کے بل بیٹھ گیا۔

اُس وقت حضرت قعقاع بن عمروؓ ناقہ کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ناقہ کے گرتے ہی اہل جمل منتشر ہو گئے۔ اور حضرت علیؓ کے لشکر نے حملہ کر کے ناقہ کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے محمد بن ابی بکرؓ کو جو اُن کے ساتھ تھے حکم دیا۔ کہ جا کر اپنی بہن کی حفاظت کرو اور اُن کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ قعقاع بن عمروؓ۔ محمد بن ابی بکر اور عمار بن یاسرؓ نے کجاوہ کی رسیاں کاٹ کر کجاوہ کو اٹھا کر لاشوں کے درمیان سے الگ لے جا کر رکھا اور پردہ کے لئے اُس پر چادریں تان دیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود تشریف لائے اور قریب پہنچ کر سلام علیک کے بعد کہا۔ اماں جان آپ کا مزاج بخیر ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ "خدائے تعالیٰ آپ کی ہر ایک غلطی کو معاف کرے"۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا "خدا تمہاری بھی ہر ایک غلطی کو معاف کرے"۔ اس کے بعد سردارانِ لشکر یکے بعد دیگرے حضرت اُمّ المومنین کے سلام کو حاضر ہوتے۔ حضرت قعقاعؓ سے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "کاش میں آج کے واقعہ سے بیس برس پہلے مر جاتی"۔ حضرت قعقاعؓ نے جب حضرت علیؓ سے اس قول کو روایت کیا۔ تو انھوں نے بھی یہی فرمایا۔ کہ "کاش میں آج سے بیس برس

مرجاتا"۔

اس جنگ کا نام جنگِ جمل اس لئے مشہور ہوا کہ حضرت عائشہؓ جس جمل پر سوار تھیں وہی جمل لڑائی کا مرکز بن گیا تھا۔ اس لڑائی میں حضرت عائشہؓ کی طرف سے لڑنے والوں کی تعداد تیس ہزار تھی۔ جس میں سے نو ہزار آدمی میدان جنگ میں کام آئے۔ حضرت علیؓ کے فوج کی تعداد میدانِ جنگ میں بیس ہزار تھی۔ جس میں سے ایک ہزار ستر آدمی کام آئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تمام مقتولین کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ سب کو دفن کرایا۔ لشکرگاہ اور میدانِ جنگ میں جو مال و اسباب تھا۔ اُس کے متعلق منادی کرا دی کہ جو شخص اپنے مال و اسباب کی شناخت کرے وہ لے جائے۔ جب شام ہو گئی تو حضرت اُم المومنینؓ کو محمد بن ابی بکرؓ اُن کے بھائی نے بصرہ میں لے جاکر عبداللہ بن خلف خزاعی کے مکان میں صفیہ بنت الحرث بن ابی طلحہؓ کے پاس ٹھہرایا۔ اگلے دن حضرت علیؓ بصرہ میں داخل ہوئے۔ تمام اہل بصرہ نے آپ کی بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت اُم المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ عبداللہ بن خلف اس معرکہ میں کام آگئے تھے۔ لہٰذا عبداللہ بن خلف کی والدہ نے حضرت علیؓ کو دیکھ کر بہت کچھ سخت و سست کہا۔ مگر حضرت علیؓ نے کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ بعض ہمراہیوں نے کچھ گراں محسوس کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ عورتیں چونکہ ضعیف ہوتی ہیں۔ اس لئے ہم تو مشرکہ عورتوں سے بھی درگذر ہی کیا کرتے ہیں۔ اور یہ تو مسلمان عورتیں ہیں۔ ان کی ہر ایک بات کو برداشت کرنا چاہیے۔ حضرت اُم المومنینؓ سے حضرت علیؓ نے بڑی تعظیم و تکریم کا برتاؤ کیا۔ اور اُن سے پوچھا۔ کہ آپ کو کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے۔ پھر تمام معاملات میں ہر طرح صلح و صفائی ہو گئی۔ حضرت علیؓ نے بھی معذرت کی اور حضرت عائشہؓ نے بھی معذرت کا اظہار فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حضرت علیؓ نے بصرہ کا حاکم اور گورنر مقرر فرما کر محمد بن ابی بکرؓ کو حکم دیا کہ سامانِ سفر کی تیاری کریں۔ چنانچہ یکم ماہ رجب ۳۶ھ کو ہر قسم کا سامان سفر درست کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ کو رؤسا بصرہ کی چالیس عورتوں اور محمد بن ابی بکرؓ کے ہمراہ بصرہ سے روانہ کیا۔ کئی کوس تک خود بطریق مشایعت ہمراہ آئے اور دوسری منزل تک حضرت حسن بن علیؓ پہنچانے آئے۔ اُم المومنینؓ اول مکہ معظمہ گئیں۔ اور ماہ ذالحجہ تک مکہ میں رہیں

وہاں حج ادا کر کے محرم ۳۶ھ میں مدینہ منورہ تشریف لے گئیں ؛

جنگِ جمل میں بہت سے بنو اُمیہ بھی شریک تھے۔ اور اہل جمل کی طرف سے لڑے تھے۔ لڑائی کے بعد مروان بن الحکم۔ عتبہ بن ابی سفیان۔ عبدالرحمٰن و یحییٰ برادران مروان وغیرہ تمام بنو امیہ بصرہ سے شام کی طرف چل دیئے اور حضرت امیر معاویہؓ کے پاس دمشق میں پہنچے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو معرکہ جمل میں زخمی ہو گئے تھے۔ بصرہ میں ایک شخص ازدی کے یہاں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو بھیج کر انھیں بلوایا اور اپنے ہمراہ مکہ کو لے کر روانہ ہوئیں ؛

فرقہ سبائیہ کی ایک اور شرارت

حضرت عائشہؓ کو بصرہ سے روانہ کرنے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بصرہ کے بیت المال کو کھولا اور اُس میں جس قدر زر نقد تھا۔ وہ سب اُن لشکریوں میں تقسیم کر دیا۔ جو معرکۂ جمل میں حضرت علیؓ کے زیر علم لڑ رہے تھے ہر شخص کے حصہ میں پانچ پانچ سو درم آئے۔ یہ روپیہ تقسیم کر کے آپؐ نے فرمایا۔ کہ اگر تم لوگ ملک شام پر حملہ آور ہو کر فتح یاب ہو گئے۔ تو تمھارے مقررہ وظائف کے علاوہ اتنا ہی روپیہ اور دیا جائے گا۔ عبداللہ بن سبا کا گروہ جس کو فرقہ سبائیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جنگ جمل کے ختم ہوتے ہی حضرت علیؓ کے خلاف علانیہ بدزبانیاں شروع کر چکا تھا۔ اور اس بدزبانی اور طعن و تشنیع کے لئے حضرت علیؓ کے اس حکم کو وجہ قرار دی تھی کہ آپ نے مال و اسباب کے لوٹنے سے منع کر دیا تھا۔ اب تک تو اس حکم کے خلاف یہ فرقہ شکایات کرتا اور لوگوں کو بھڑکاتا تھا۔ اب جب کہ ہر ایک لشکر کو پانچ پانچ سو درم ملے تو اس پر بھی اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور یہ مخالفت یہاں تک سختی و شدت کے ساتھ شروع کی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے ان کی طرف سے چشم پوشی اختیار کرنا دشوار ہو گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جس قدر اس گروہ کو نصیحت و فہمائش کی اسی قدر اُس نے شوخ چشمی میں ترقی کی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہ لوگ ایک روز سب کے سب بصرہ سے نکل کر چل دیئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں مُلک میں جا کر فساد برپا نہ کریں۔ اُن کے تعاقب کے لئے آپ بصرہ سے لشکر لے کر نکلے لیکن وہ ہاتھ نہ آئے اور غائب ہو کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ اس جگہ یاد کرنا چاہیئے کہ عبداللہ بن سبا نے اپنے آپ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کا فدائی اور طرف دار ظاہر کیا تھا۔ اور حضرت علیؓ کی محبت کے پردہ میں اس نے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے سامان مہیا کئے تھے۔ اب تک وہ حضرت علیؓ کے شیدائیوں میں اپنے آپ کو شمار کرتا اور لوگوں کو بہکاتا تھا۔ لیکن اب فتح بصرہ اور جنگ جمل کے بعد اس سبائی گروہ نے دیکھا کہ حضرت علیؓ کی مخالفت کا اظہار کرنے سے اسلام کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔ تو وہ بلا تامل مخالفت پر آمادہ ہو گیا یہی گروہ جو درحقیقت مسلم نما یہودیوں اور اسلام کے دشمنوں کا گروہ تھا۔ آئندہ چل کر گروہ خوارج کے نام سے نمودار ہونے والا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد سے دشمنانِ اسلام کی خفیہ سازشوں۔ خفیہ سوسائٹیوں اور خفیہ انجمنوں کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے۔ وہ آج تک دنیا میں مسلسل موجود ہے اور کوئی زمانہ ایسا نہیں بتایا جاسکتا ہے۔ جس میں یہ دشمنِ اسلام خفیہ گروہ اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف نہ رہا ہو۔ کبھی یہ ابولولو اور اس کے ترغیب دہندوں کی شکل میں تھا۔ کبھی یہ عبداللہ بن سبا اور سبائیہ گروہ کی صورت میں دیکھا گیا۔ کبھی اس کا نام گروہ خوارج ہوا۔ کبھی یہ عباسیوں اور علویوں کی سازش بنو امیہ کے خلاف کرتا تھا۔ کبھی یہ عباسیوں کے خلاف علویوں کی طرف سے کوشش میں مصروف تھا۔ کبھی اس کا نام فدائی اسمٰعیلیہ گروہ ہوا۔ کبھی اس نے فری میسن کی شکل اختیار کی۔ کبھی اس خفیہ سوسائٹی نے نہلسٹوں اور انارکسٹوں کی شکل و صورت میں ظہور کیا۔ کبھی اس نے ڈپلومیسی اور پالسی کا جامہ پہنا۔ کبھی شہنشاہیوں اور بادشاہیوں کی وزارت خارجہ کے دفتروں میں اس کو جگہ ملی۔ اسی طرح آنحضرت صلعم کی زندگی کے آخر ایام سے پہلے پہلے کا تمام زمانہ بھی اِن خفیہ سازشوں والے گروہ سے خالی نہیں ہے۔ کبھی یہ بابل میں ہاروت و ماروت اور حضرت حزقیل و دانیال کی تدابیر کے کامیاب بنانے میں مصروف تھا۔ کبھی اس نے بابلیوں کو یک لخت برباد کردیا۔ کبھی اس گروہ نے ہندوستان میں مہانند کے خاندان کی عظیم الشان سلطنت کو مٹا کر چانکیہ برہمی کے ذریعہ چندر گپت کو کامیاب بنایا۔ کبھی اسی گروہ نے رستم کو ہلاک کرکے کیانیوں کے مشہور خاندان کے زوال کو دعوت دی۔ کبھی اس نے بودھ مذہب کو ہی نہیں بلکہ بودھوں کی حکومت، تمدن۔ معاشرت وغیرہ ہر ایک چیز کو ہندوستان سے نیست و نابود کرکے دکھایا۔ کبھی جولیس سیزر کو قتل کرا کر سلطنت روما

کی عظمت و شوکت کے طلسم کو مٹایا۔ غرضیکہ دنیا میں صرف بیس پچیس سال ہی ایسے گذرے ہیں۔ جب اس سازشی خفیہ گروہ کو ہم معدوم و غیر معلوم پاتے ہیں۔ اور یہ زمانہ آنحضرت صلعم ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کا زمانہ تھا۔ اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی یہ خفیہ گروہ برابر دنیا میں موجود پایا جاتا ہے۔ بہر حال اس تاریخ کے پڑھنے والوں اور خلافتِ راشدہ کے نصف آخر کی تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں کو اس دشمنِ اسلام خفیہ سازشیں کرنے والے گروہ کو چشم گرم سے نہیں دیکھنا چاہیے؛

فرقہ سبائیہ جو علی الاعلان اظہار مخالفت کرکے بصرہ سے فرار ہوا اُس نے بہت جلد عراق عرب کے مختلف مقامات میں منتشر ہوکر اوباشں اور واقعہ پسند لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کرکے ایک معقول جمعیت فراہم کرلی۔ اور اوّل صوبہ سجستان کا رُخ کیا۔ مدعا ان لوگوں کا یہ تھا۔ کہ یکے بعد دیگرے تمام ایرانی صوبوں کو باغی بناکر خلیفۃ المسلمین کو یہ موقعہ حاصل نہ ہونے دیں کہ وہ مسلمانوں کی ایک مستقل سلطنت پھر قائم کرسکیں۔ ایرانی صوبوں میں بغاوت پیدا کرنے سے وہ چاہتے تھے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اطمینان اور فراغ خاطر حاصل نہ ہو اور وہ ملکِ شام پر حملہ آور ہونے اور فتح پانے کا موقع بھی نہ پاسکیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سجستان کی طرف ان لوگوں کی توجہ کا حال سُن کر عبدالرحمٰن بن جرو طائی کو ان کے استیصال کی غرض سے روانہ کیا۔ ان لوگوں سے جب مقابلہ ہوا تو لڑائی میں عبدالرحمٰن طائی شہید ہوئے۔ یہ خبر سُن کر ربعی بن کاس چار ہزار کی جمعیت لے کر روانہ ہوئے۔ انھوں نے ان اوباشوں کو شکست دے کر منتشر کردیا۔ اسی عرصہ میں جنگ صفین کے لئے طرفین سے تیاریاں شروع ہوگئیں۔ اور ان مسلم نما یہودیوں یعنی گروہ سبائیہ نے حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہوجانا ضروری سمجھا۔ چنانچہ وہ ہر ایک ممکن اور مناسب طریقے سے آکر لشکر علیؓ میں شامل ہوگئے؛

کوفہ کا دارالخلافہ بننا جنگ جمل سے فارغ ہوکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے سب سے بڑا کام ملک شام کا قابو میں لانا اور حضرت امیر معاویہؓ سے بیعت لینا تھا۔ اس کام کے لئے انھوں نے کوفہ کو اپنا قیام گاہ بنانا مناسب سمجھا۔ حضرت علیؓ کے لشکر میں سب سے بڑی طاقت کوفیوں کی تھی۔ اس لئے بھی کوفہ کا دارالخلافہ بنانا مناسب تھا۔ نیز یہ کہ مدینہ کے مقابلہ میں کوفہ دمشق سے قریب تھا۔

کوفہ کا اثر ایرانی صوبوں پر بھی زیادہ پڑتا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں مدینہ کے شرفا یعنی صحابہ کرام میں سے اکثر صوبوں کی حکومت پر مامور ہو ہو کر باہر چلے گئے تھے اور ہر ایک شخص جو کسی صوبہ کا عامل ہو کر مدینہ سے روانہ ہوتا تھا وہ اپنے ہمراہ ایک جمعیت اپنے عزیزوں اور دوستوں کی بھی ضرور لے کر جاتا تھا۔ کہ وہاں رعب قائم رہے اور انتظام ملکی میں سہولیت ہو لہٰذا مدینہ منورہ کی جمعیت عہد عثمانی میں منتشر ہو کر کمزور ہو چکی تھی۔ فاروقِ اعظمؓ نے اپنے زمانے میں مدینہ کو سب سے بڑی اور مرکزی طاقت بنا رکھا تھا۔ اور اسی کی خلافت اسلامیہ کو ضرورت بھی تھی۔ لیکن اب وہ حالت باقی نہ رہی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پہلے خلفا کو خود میدان جنگ میں جانے اور سپہ سالاری کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ لیکن حضرت علیؓ مجبور ہو گئے تھے کہ خود فوجیں لے کر میدان میں نکلیں اور ایک سپہ سالار کی حیثیت سے کام کریں (یہی مجبوری تھی جو آخر کار نظام خلافت کے لئے بے حد مضر ثابت ہوئی)، لہٰذا اس حالت میں اُن کے لئے بجائے مدینہ کے کوفہ کا قیام زیادہ مناسب اور ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بصرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حاکم مقرر کر کے خود معہ لشکر کوفہ کی طرف تشریف لے گئے۔

اس جگہ یہ بات بھی بتا دینا ضروری ہے کہ قاتلینِ عثمانؓ اور بلوائیوں میں سے ایک حصہ عبداللہ بن سبا کی کوششوں سے ماؤف ہو کر اس کا معتقد بن چکا تھا۔ اور اس کو عبداللہ بن سبا کی جماعت کہہ سکتے تھے۔ لیکن اس سبائی جماعت میں چونکہ بہت سے فریب خوردہ مسلمان اپنی سادہ لوحی سے شریک تھے۔ لہٰذا اصل سبائی جماعت جو بطور تخم کے کام کرتی تھی۔ وہ صرف چند افراد پر مشتمل تھی۔ اور وہ جس وقت جیسی ضرورت سمجھتی تھی اپنے گروہ میں اسی قسم کے لوگوں کو شامل کر کے اُنھیں میں سے کسی کو سردار بنا لیتی تھی۔ اور جن لوگوں سے پہلے کام لے رہی تھی۔ اُن کو چھوڑ دیتی تھی۔ یہی سبب تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے قتل میں سبائی جماعت نے تمام بلوائیوں سے کام لیا۔ اور جنگ جمل تک ان کے بڑے حصے سے کام لیتی رہی جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ کی مخالفت اور عیب چینی کا کام جب شروع کیا۔ تو بلوائی لوگوں کا بڑا حصہ اس سبائی جماعت سے الگ تھا۔ یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ رہے۔ اور اپنی کارگذاریوں اور جاں فشانیوں کی بدولت اُن کو دربارِ خلافت میں کافی رسوخ بھی حاصل ہو گیا۔ کوفہ میں جب

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے اقامت اختیار فرمائی تو کوفیوں کے اعتبار و اعتماد نے اور بھی زیادہ ترقی کرلی۔ اس طرح قاتلینِ عثمانؓ کا حضرت علیؓ کے لشکر میں نہ صرف پناہ گزیں بلکہ بااعتبار ہونا اور بھی باعث اس کا ہوا۔ کہ حضرت امیر معاویہؓ کو قوت و طاقت حاصل ہوئی۔ کیونکہ جو لوگ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینا ضروری سمجھتے تھے وہ جب ان قاتلین میں سے بعض کو حضرت علیؓ کے لشکر میں باعزت دیکھتے تھے۔ تو باوجود اس کے کہ اُن کو امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کی فضیلت تسلیم تھی۔ پھر بھی حضرت معاویہؓ کے ساتھ ساتھ شامل ہو جاتے تھے۔ کیونکہ امیر معاویہؓ نے خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے علمِ مخالفت بلند کیا تھا۔

امارتِ مصر اور محمد بن ابی بکرؓ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے وقت مصر کی حکومت سے عبداللہ بن سعد کو برطرف کرکے محمد بن ابی حذیفہ مصر پر قبضہ کر چکے تھے۔ جیسا اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد ہی قیس بن سعدؓ کو مصر کا عامل بنا کر مدینہ منورہ سے روانہ کر دیا تھا۔ قیس بن سعدؓ اپنے ہمراہ صرف سات آدمیوں کو لے کر روانہ ہوئے اور مصر پہنچتے ہی محمد بن ابی حذیفہ کو برطرف کرکے خود وہاں کے حاکم بن گئے۔ مصر میں یزید بن الحرث اور مسلمہ بن مخلد وغیرہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خونِ عثمانؓ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے قیس کی بیعت سے اس عذر کے ساتھ انکار کیا۔ کہ ہم کو بھی انتظار کرنے دو۔ کہ خون عثمانؓ کا معاملہ کس طرح طے ہوتا ہے۔ جب یہ معاملہ طے ہو جائے گا۔ اس وقت ہم بیعت کرلیں گے۔ اور جب تک بیعت نہیں کرتے اس وقت تک خاموش ہیں۔ تمہاری مخالفت نہ کریں گے۔ قیس بن سعدؓ نے اپنے اخلاق اور اپنی قابلیت سے مصر میں پورے طور پر قوت حاصل کرلی۔ اور اُن کے اخلاق نے خوب ترقی حاصل کی۔

جب جنگ جمل ختم ہو گئی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کوفہ کی طرف تشریف فرما ہوئے۔ تو حضرت امیر معاویہؓ کو فکر ہوئی۔ کہ اب ہمارے اوپر حملہ آوری ہوگی۔ ساتھ ہی اُن کو اس بات کا بھی خیال تھا۔ کہ مصر میں قیس بن سعد کو بخوبی قوت و قبولیت حاصل ہے اور وہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھیجے ہوئے اور اُنھیں کے ہمدرد و ہوا خواہ ہیں۔ پس حضرت علیؓ جب کوفہ کی طرف سے حملہ آور ہوں گے۔ تو وہ ضرور قیس بن سعد کو حکم دیں گے

کہ تم دوسری طرف مصر سے فوج لے کر حملہ کرو۔ جب دو طرف سے ملکِ شام پہ حملہ ہوگا۔ تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ حضرت امیر معاویہؓ کو قدرتاً اپنے آپ کو طاقتور بنانے کی مہلت بخوبی مل گئی تھی۔ دوسرے انھوں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھانے میں کوتاہی بھی بالکل نہیں کی۔ حضرت عثمان غنیؓ کا خون آلود پیراہن اور اُن کی بیوی کی کٹی ہوئی انگلیاں اُن کے پاس پہنچ گئی تھیں وہ روزانہ اُس خون آلود پیراہن اور اُن انگلیوں کو جامع دمشق میں ممبر پر رکھتے تھے۔ اور لوگ اُن کو دیکھ دیکھ کر آہ وزاری کرتے تھے۔ شام کا صوبہ چونکہ ہر وقت قیصرِ روم کے حملوں کا مقام بن سکتا تھا۔ لہٰذا ملکِ شام میں پہلے ہی سے زبردست فوج ہمہ وقت موجود رہتی تھی۔ ان تمام لوگوں نے قسمیں کھائی تھیں کہ جب تک خونِ عثمانؓ کا بدلہ نہ لیں گے اُس وقت تک فرش پر نہ سوئیں گے اور ٹھنڈا پانی نہ پئیں گے۔ ملکِ عرب کے نامور اور بہادر لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور اُن کی خاطر مدارات بجا لانے میں بھی حضرت معاویہؓ کمی نہ کرتے تھے۔ کام کے آدمی کو اپنے ساتھ ملانے اور اُس کی دلجوئی کرنے میں اُن سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہوتا تھا۔ اپنے دعوے اور مطالبے کی معقولیت ثابت کرنے اور اپنے آپ کو حضرت عثمانؓ کا وارث بتا کر مظلوم ظاہر کرنے سے بھی وہ غافل نہ تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد اُن کو ایک سال کی مہلت مل چکی تھی۔ جس میں سوائے اِن تیاریوں کے اُن کو اور کوئی کام نہ تھا۔ لیکن حضرت علیؓ کو اس عرصہ میں برابر مصروفیت در پیش رہی۔ اگرچہ کوفہ میں تشریف لانے کے بعد بظاہر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دائرۂ حکومت میں سوائے ایک صوبہ شام کے تمام ممالک اسلامیہ شامل تھے۔ لیکن اُن کو اِن اسلامی ممالک میں وہ اثر اور وہ اقتدار حاصل نہ ہوا۔ جو فاروقِ اعظمؓ کے زمانے میں خلیفۂ اسلام کو حاصل تھا۔ حجاز۔ یمن۔ عراق۔ مصر۔ ایران وغیرہ ہر جگہ اُن کے فرماں برداروں کے ساتھ ہی ساتھ ایسے لوگ بھی برابر پائے جاتے تھے۔ جو حضرت علیؓ پر علانیہ اعتراضات کرتے اور اُن کے طرزِ عمل پر نکتہ چینی کرنے میں خوب سرگرم و مستعد پائے جاتے تھے۔ لہٰذا حضرت علیؓ کسی صوبہ سے پوری پوری فوجی امداد حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت امیر معاویہؓ کی حالت اِس کے بالکل خلاف تھی۔ اگرچہ وہ صرف ملکِ شام

پر تصرف رکھتے تھے۔ لیکن سارا کا سارا ملک اُن کا ہم خیال وہم عنان تھا۔ اور تمام ملک میں اُن کو پوری پوری قبولیت حاصل تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ اُن کو معرکہ آرائی کرنی پڑے گی۔ اِس کا یقین اُن کو پہلے سے ہو چکا تھا۔ لہٰذا سب سے بڑی تدبیر جو اُنھوں نے پیشتر سے کی یہ تھی کہ مصر کی جانب سے حملہ آوری کے امکان کو دور کیا۔ حضرت امیر معاویہؓ قیس بن سعدؓ کی قوت وقابلیت سے بہت مرعوب تھے۔ اُن کی خوش قسمتی سے ایک ایسی وجہ پیدا ہوگئی کہ وہ اپنے ارادے اور خواہش میں پورے کامیاب ہوگئے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے قیس بن سعد کو خط لکھا۔ کہ حضرت عثمان غنیؓ مظلوم شہید ہوگئے ہیں۔ لہٰذا آپ کو مطالبہ قصاص میں میری مدد کرنی چاہیئے۔ قیس بن سعد نے جواباً لکھا کہ مجھ کو جہاں تک معلوم ہے حضرت علیؓ قتل عثمانی کی سازش میں ہرگز شریک نہ تھے۔ اُن کے ہاتھ پر جب کہ لوگوں نے بیعت کرلی اور وہ خلیفہ مقرر ہوگئے۔ تو پھر تم کو اُن کا مقابلہ اور مخالفت نہیں کرنی چاہیئے۔ اب حضرت امیر معاویہؓ مجبور تھے۔ کہ حضرت علیؓ کے حملہ آور ہونے سے پہلے پہلے مصر پر پوری طاقت سے حملہ آور ہو کر قیس بن سعد کے خطرہ کو مٹا دیں اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حملہ کو روکیں۔ لیکن یہ کام خطرہ سے خالی نہ تھا۔ کیونکہ اگر مصر کی لڑائی میں ذرا بھی طوالت ہو جائے اور حضرت امیر معاویہؓ اُدھر سے جلد اپنی طاقت اس طرف واپس نہ لا سکیں تو پھر تمام مُلکِ شام حضرت علیؓ کے قبضہ میں ہوتا اور حضرت امیر معاویہؓ کے لئے کوئی مفر باقی نہ تھا۔ اُدھر قیس بن سعد لڑائی کو ٹالنا اور وقت کو گذارنا چاہتے تھے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حملہ آور ہونے کی خبر اُن کو پہنچ جائے۔ تو فوراً وہ مصر کی طرف سے فوج لے جا کر حضرت امیر معاویہؓ کو مجبور کردیں۔

اسی دوران میں قیس بن سعد کا ایک مراسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں مقام کوفہ پہنچا۔ اُس میں لکھا تھا۔ کہ مصر کے اندر بہت سے لوگ ابھی خاموش ہیں۔ اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے اور کسی قسم کی سختی کو مناسب نہیں سمجھا گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت عبداللہ بن جعفر نے یہ مشورہ دیا۔ کہ قیس بن سعد کو حکم دیا جائے۔ کہ وہ سکوت اختیار کرنے والوں سے لڑیں۔ اور اُن کو بیعت کے لئے مجبور کریں۔ اس طرح آزاد اور خاموش نہ رہنے دیں۔ چنانچہ یہ حکم قیس بن سعد کے پاس بھیج دیا گیا۔ قیس بن سعد نے اس حکم کی تعمیل کو غیر ضروری اور مضر خیال کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لکھا کہ جو لوگ فی الحال خاموش

ہیں وہ آپ کے لئے نقصان رساں نہیں ہیں لیکن اگر اُن کے ساتھ اعلانِ جنگ کر دیا گیا۔ تو وہ سب کے سب آپ کے دشمنوں سے جا ملیں گے۔ اور بے حد نقصان رساں ثابت ہوں گے مناسب یہ ہے کہ اُن کو اسی حال میں رہنے دیا جائے۔ اس خط کے پہنچنے پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مشیروں نے اُن کو یقین دلایا کہ قیس بن سعد ضرور امیر معاویہؓ سے ساز باز رکھتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس بات کے ماننے میں متامل تھے اور قیس بن سعد کو مصر کے لئے ضروری سمجھتے تھے حضرت امیر معاویہؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ قیس کی نسبت حضرت علیؓ کے دربار میں شُبہ کیا جا رہا ہے تو اُنھوں نے علانیہ اپنے دربار میں قیس بن سعد کی تعریفیں بیان کرنی شروع کر دیں اور لوگوں سے کہنے لگے کہ قیس ہمارے طرف دار ہیں۔ اُن کے خطوط بھی ہمارے پاس آتے رہتے ہیں۔ وہ ضروری باتوں کی ہم کو اطلاع بھی دیتے ہیں۔ کبھی لوگوں کے مجمع میں ذکر کرتے کہ قیس بن سعد نے مصر میں خونِ عثمانؓ کا مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ بڑے بڑے احسانات کئے ہیں۔ اور اُن کو بڑی عزت کے ساتھ رکھتے ہیں۔ دمشق سے امیر معاویہؓ کی اِن باتوں کا حال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اُن کے جاسوسوں نے بلا توقف لکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قیس بن سعد کو مصر کی امارت سے فوراً معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو روانہ کیا۔ محمد بن ابی بکرؓ نے مصر میں پہنچ کر اپنی امارت اور قیس بن سعد کی معزولی کا فرمان دکھایا تو قیس بہت ملول و افسردہ ہوئے اور مصر سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے۔

مدینہ منورہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وہاں سے تشریف لے آنے کے بعد کسی کی حکومت نہ تھی۔ وہاں بعض ایسے اشخاص بھی موجود تھے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفۂ برحق تسلیم کرتے اور ان کے ہر ایک حکم اور ہر ایک فعل کو واجبُ التعمیل و واجبُ الاقتدا یقین کرتے تھے اور ایسے لوگ بھی بکثرت موجود تھے جو حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں سے قصاص نہ لئے جانے کے سبب سخت بے چین اور اس معاملہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ڈھیل اور درگذر کو سخت قابلِ اعتراض سمجھتے اور اُن کو نشانۂ ملامت بنانے سے ذرا نہ چوکتے تھے۔ قیس بن سعد جب مدینہ پہنچے تو اُن کے تعاقب ہی میں حضرت امیر معاویہؓ نے مروان بن الحکم کو روانہ کیا کہ جس طرح ممکن ہو قیس بن سعد کو ترغیب دے کر لے آوے۔ مروان بن الحکم نے قیس بن سعد کو اوّل بہکایا۔ جب وہ نہ مانے تو تنگ کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ

وہ دق ہوکر مدینہ سے روانہ ہوئے اور کوفہ میں حضرت علیؓ کے پاس پہنچ گئے وہاں تمام حالات زبانی سُنائے اور حضرت علی نے مطمئن ہوکر اُن کو اپنی مصاحبت میں رکھا۔ معاویہؓ نے یہ خبر سُن کر مروان کو لکھا کہ اگر تو ایک لاکھ جنگ جو لشکر سے علیؓ کی مدد کرتا تو وہ آسان تھا۔ بمقابلہ اس کے کہ قیس علیؓ کے پاس چلے گئے۔

محمد بن ابی بکرؓ نے مصر پہنچ کر اُن لوگوں کو جو سکوت کی حالت میں تھے اعلان دیدیا کہ یا تو تم لوگ ہماری اطاعت قبول کرو اور امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی بیعت میں داخل ہو، ورنہ ہمارے ملک سے نکل جاؤ۔ انھوں نے کہا ہمارے ساتھ جنگ کرنے اور سختی برتنے میں جلدی نہ فرمایئے زیادہ نہیں تو چند روز کی مہلت دیجئے تاکہ ہم اپنے مآل کار پر غور کرلیں۔ محمد بن ابی بکرؓ نے کہا کہ تم کو قطعاً مہلت نہیں دی جا سکتی۔ انھوں نے اس نئے عامل سے یہ جواب سُن کر فوراً اپنی حفاظت کا معقول انتظام کرلیا۔ اور مدافعت پر آمادہ ہو بیٹھے۔ محمد بن ابی بکر ان لوگوں کے ساتھ جنگ صفین کے ختم ہونے کے بعد تک اُلجھے رہے اور حضرت امیر معاویہؓ مصر کی جانب سے بالکل بے فکر ہوکر جنگ صفین کی تیاریوں میں مصروف ہوئے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت معاویہؓ کے پاس

حضرت عمرو بن العاصؓ نے خلافت فاروقی میں مصر کو فتح کرکے ممالک اسلامیہ میں شامل کیا تھا۔ جب بلوائیوں نے مدینہ میں داخل ہوکر حضرت عثمان غنیؓ کا محاصرہ کیا تھا تو یہ مدینہ میں موجود تھے۔ بلوائیوں کے نامناسب طرز عمل اور اس فساد کے نتیجے پر غور کرکے اُنھوں نے یہی مناسب سمجھا تھا۔ کہ مدینہ سے نکل جائیں چنانچہ وہ اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور محمد کو ہمراہ لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے اور بیت المقدس میں جاکر مقیم ہوگئے۔ وہاں نہایت خاموشی کے ساتھ حالات پر غور کرتے اور واقعات کی خبریں سنتے رہے۔ اول حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا حال سُنا۔ پھر خبر پہنچی کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوگئی ہے مگر اُنھوں نے قاتلین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قصاص لینے میں تامل فرمایا ہے۔ پھر سُنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہمراہ لے کر طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و زبیرؓ بصرہ کی جانب روانہ ہوئے ہیں اور امیر معاویہؓ نے بیعت سے انکار کرکے خون عثمانؓ کا مطالبہ کیا ہے۔ پھر سُنا کہ حضرت علیؓ بھی بصرہ کی جانب روانہ ہوگئے۔ اس

کے بعد سُنا کہ جنگِ جمل میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں شہید ہو گئے اور حضرت علیؓ بصرہ پر قابض و متصرف ہو کر اور وہاں عبداللہ بن عباسؓ کو عامل مقرر کرکے کوفہ میں تشریف لے آئے اور مُلکِ شام پر حملہ کی تیاری فرما رہے ہیں۔ نیز امیر معاویہؓ بھی مقابلہ پر آمادہ و مستعد ہو رہے ہیں۔

یہ سُن کر حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے دونوں بیٹوں سے مشورہ لیا۔ اور کہا کہ اب موقع آگیا ہے کہ میں امیر معاویہؓ کے پاس چلا جاؤں۔ اور وہاں اس مسئلہ خلافت میں دخیل ہو کر اس کو طے کرا دوں۔ جنگِ جمل سے پہلے مدعیانِ خلافت چار شخص تھے۔ اوّل حضرت علیؓ کہ وہ خلیفہ منتخب ہو ہی گئے تھے۔ اور لوگوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ دوم حضرت طلحہؓ کہ بصرہ والے اُن کے حامی و مددگار تھے۔ اور اُن کو مستحقِ خلافت سمجھتے تھے۔ سوم حضرت زبیرؓ کوفہ میں اُن سے عقیدت رکھنے اور اُن کو مستحق خلافت سمجھنے والوں کی تعداد زیادہ تھی۔ چہارم امیر معاویہؓ یہ مُلکِ شام کے گورنر تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے سے ذمہ دارانہ عہدوں پر منصوب اور عرصہ دراز سے شام کی حکومت پر مامور تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے رشتہ دار اور وارث ہونے کی وجہ سے اُن کے خون کا دعوےٰ کرتے اور قصاص چاہتے تھے۔ اب حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کی شہادت کے بعد صرف دو ہی شخص باقی رہ گئے تھے۔ امیر معاویہؓ کہتے تھے۔ کہ حضرت علیؓ صرف اُن باغیوں کے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں جنھوں نے حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کیا تھا۔ اکثر جلیل القدر صحابہ نے جو مدینہ میں موجود تھے۔ حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کیا تھا۔ باقی جلیل القدر صحابہ کی ایک بڑی تعداد مدینہ سے باہر تھی۔ حالانکہ اس سے پہلے بیعتِ خلافت میں اُن کی شرکت ضروری سمجھی جاتی رہی ہے۔ اس انتخاب میں اُن سے مشورہ نہیں لیا گیا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قاتلینِ عثمانؓ کو حضرت علیؓ نے اپنے لشکر میں پناہ دے رکھی ہے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہٗ فرماتے تھے۔ کہ امیر معاویہؓ خدماتِ اسلام میں، آنحضرت صلعم کے قرب میں، رشتے میں، سابق الاسلام ہونے میں ہرگز ہرگز میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ غرض دونوں ایک دوسرے کے مقابل دعاوی رکھتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اب اپنے آپ کو بے تعلق رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ عبداللہ بن عمروؓ نے باپ کو مشورہ دیا۔ کہ آنحضرت صلعم، ابوبکر صدیقؓ۔ عمر فاروقؓ۔ عثمان غنیؓ سب آخر وقت تک آپ سے

خوش رہے لہٰذا اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بالکل خاموش اور گوشہ نشین رہیں یہاں تک کہ لوگوں کا کسی ایک شخص پر اتفاق و اجماع ہوجائے۔ دوسرے بیٹے محمد بن عمروؓ نے کہا کہ آپ عرب کے عمائدین و بااثر اور صاحبُ الرائے لوگوں میں سے ہیں۔ جب تک آپ دخل نہ دیں گے معاملہ کیسے طے ہوسکتا ہے۔

عمرو بن العاصؓ نے دونوں بیٹوں کی تقریریں سُن کر کہا کہ عبداللہ کے مشورہ میں دین کی بھلائی اور محمد کے مشورہ میں دنیا کی بہتری ہے۔ اس کے بعد کچھ سوچ سمجھ کر حضرت عمرو بن العاصؓ بیت المقدس سے روانہ ہوکر دمشق میں حضرت امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے۔ انھوں نے ان کے تشریف لانے کو بہت ہی غنیمت سمجھا۔ انھوں نے جاتے ہی امیر معاویہؓ سے کہا کہ خلیفۂ مظلوم کا بدلہ لینا ضروری ہے اور آپ اس مطالبہ میں حق پر ہیں۔ ابتداءً امیر معاویہؓ ان سے احتیاط کے ساتھ ملتے رہے لیکن پھر ان پر پورے طور پر اعتماد کرکے ان کو اپنی حکومت کا رُکنِ رکین اور مشیر و وزیر بنالیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو مشورہ دیا۔ کہ حضرت عثمانؓ کا خون آلود قمیص اور حضرت نائلہ کی اُنگلیاں روزانہ لوگوں کے سامنے لانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس طرح اُن کا جوش بتدریج کم ہونے لگے گا۔ مناسب یہ ہے کہ ان چیزوں کی نمائش کبھی کبھی خاص خاص موقعوں پر کی جائے۔ اس رائے کو حضرت امیر معاویہؓ نے پسند فرمایا اور وہ گریہ و زاری جو روزانہ قمیص کو دیکھ دیکھ کر لوگ کیا کرتے تھے موقوف ہوئی۔ عمرو بن العاصؓ نے امیر معاویہؓ کو یہ بھی سمجھایا۔ کہ حضرت علیؓ درحقیقت واقعۂ جمل کے بعد اپنی فوجی طاقت کو بہت کچھ کمزور بنا چکے ہیں۔ کیونکہ جنگِ جمل میں اہلِ بصرہ کے آٹھ نو ہزار آدمی مارے گئے۔ جن میں بڑے بڑے نامی سردار تھے۔ اب جو اہلِ بصرہ اُن کے ہاتھ پر بیعت کرچکے ہیں وہ اہلِ کوفہ کے ساتھ مل کر لڑائی میں پوری پوری جاں فشانی نہیں دکھائیں گے اور حضرت علیؓ کی فوج میں سارے کے سارے سپاہی یک دل اور آپس میں پورے طور پر متفق نہیں ہیں۔ یہ اندازہ حضرت عمرو بن العاصؓ کا غلط نہ تھا۔ اور اس حقیقت سے سبائی فرقہ بھی ناآشنا نہ تھا۔

محاربات صفین کا دیباچہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے کوفہ میں تشریف لاکر ملک شام پر چڑھائی کی تیاری شروع کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

اپنا لشکر لے کر بصرہ سے روانہ ہو گئے۔ اس خبر کے سنتے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بھی کوفہ میں ابو مسعود انصاری کو اپنا قائم مقام مقرر فرما کر مقام نخیلہ کی طرف تشریف لے گئے اور ترتیب لشکر میں مصروف ہوئے۔ یہیں عبداللہ بن عباسؓ بھی اہلِ بصرہ کا لشکر لئے ہوئے آ پہنچے۔ حضرت علیؓ نے یہاں زیاد بن نضر حارثی کو آٹھ ہزار فوج دے کر بطور مقدمۃ الجیش آگے روانہ کیا۔ اس کے بعد شریح بن ہانی کو چار ہزار کی جمعیت دے کر زیاد کے پیچھے بھیجا۔ اور خود نخیلہ سے کوچ کر کے مدائن تشریف لائے۔ مدائن میں مسعود ثقفی کو عامل مقرر کر کے معقل بن قیس کو تین ہزار لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ مدائن سے روانہ ہو کر رقہ کی طرف چلے۔ رقہ کے قریب دریائے فرات کو عبور کیا۔ اور یہاں زیاد، شریح، معقل وغیرہ تمام سرداروں کا لشکر مجتمع ہو گیا۔ اُدھر حضرت معاویہؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ لشکرِ عظیم لئے ہوئے مُلکِ شام کے قصد سے آ رہے ہیں۔ تو اُنھوں نے ابو الاعور سلمی کو ایک دستہ فوج دے کر بطور مقدمۃ الجیش روانہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے دریائے فرات کو عبور کرنے کے بعد زیاد و شریح دونوں سرداروں کو پھر بطورِ مقدمۃ الجیش آگے روانہ کیا۔ زیاد و شریح کو حدودِ شام میں داخل ہو کر معلوم ہوا کہ ابو الاعور السلمی لشکر شام لئے ہوئے آ رہا ہے۔ اُنھوں نے فوراً حضرت علیؓ کو اطلاع دی، حضرت علیؓ نے اُشتر کو روانہ کیا اور حکم دیا کہ تم جب زیاد و شریح تک پہنچنا تو تمام لشکر کی سرداری اپنے ہاتھ میں لے کر زیاد و شریح کو میمنہ و میسرہ کی سرداری پر متعین کر دینا اور جب تک لشکرِ شام تم پر حملہ آور نہ ہو اُس پر حملہ آور نہ ہونا۔ اُشتر نے پہنچ کر تمام کی کمان اپنے ہاتھ میں لے کر زیاد و شریح کو میمنہ و میسرہ سپرد کیا۔ اُدھر ابو الاعور بھی مقابل آ کر خیمہ زن ہوا۔ صبح سے شام تک دونوں لشکر خاموش ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن رہے۔ لیکن شام کے وقت ابو الاعور نے حملہ کیا۔ تھوڑی دیر لڑ کر فریقین ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اگلے دن صبح کو ابو الاعور صفِ لشکر سے نکل کر میدان میں آیا۔ اِدھر سے ہاشم بن عتبہ نے نکل کر مقابلہ کیا۔ عصر کے وقت تک دونوں لڑتے رہے۔ پھر ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنے اپنے لشکر کو واپس ہو رہے تھے کہ اُشتر نے اپنی فوج کو حملہ کا حکم دیا۔ ابو الاعور نے بھی اپنے آدمیوں کو حملہ آور کیا۔ شام تک کُشت و خون جاری رہا۔ رات کی تاریکی نے حائل ہو کر لڑائی کو ملتوی کیا۔ فریقین اپنے

اپنے خیموں میں رات بسر کرنے کے لئے چلے گئے۔

اگلے دن حضرت علیؓ بھی پہنچ گئے اور معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہؓ بھی اپنا لشکر لئے ہوئے قریب آپہنچے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لڑائی اور حملہ آوری موقوف کرا کر اُشتر کو حکم دیا۔ کہ تم بہت جلد دریائے فرات کے ساحل پر پہنچ کر پانی پر قبضہ کرو۔ اُشتر جب فرات کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ امیر معاویہؓ نے پہلے ہی آکر پانی پر قبضہ کر لیا ہے۔ حضرت علیؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی۔ تو اُنھوں نے صعصعہ بن صوحان کو حضرت امیر معاویہؓ کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ ہم تم سے اُس وقت تک نہ لڑتے۔ جب تک کہ تمھارے عذرات نہ سُن لیتے اور بذریعہ تبلیغ حق تم پر حجت پوری نہ کر لیتے۔ لیکن تمھارے آدمیوں نے شتاب زدگی کر کے لڑائی چھیڑ دی۔ اب ہم مناسب یہی سمجھتے ہیں۔ کہ تم کو اول راہِ حق کی دعوت دیں اور جب تک حجت پوری نہ کر لیں۔ لڑائی شروع نہ کریں۔ مگر افسوس ہے۔ کہ تم نے فرات پر قبضہ کر کے ہمارے لئے پانی بند کر دیا۔ لوگوں کا پیاس سے بُرا حال ہو رہا ہے تم اپنے ہمراہیوں کو حکم دو کہ پانی لینے سے ہم کو نہ روکیں یہاں تک کہ نزاعی امور کا فیصلہ ہو جائے۔ اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ جس غرض سے ہم یہاں آئے ہیں اُس کو فراموش کر کے پانی پر لڑیں اور جو غالب ہو وہی پانی پی سکے تو ہم اُس کے لئے بھی تیار ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اسی وقت اپنے مشیروں کو طلب کر کے یہ مسئلہ اُن کے سامنے پیش کیا۔ عبداللہ بن سعد سابق گورنر مصر اور ولید بن عقبہ نے کہا کہ ہم کو پانی سے قبضہ نہیں اٹھانا چاہیئے اور اُن کو پیاسا ہی مارنا چاہیئے۔ کیونکہ ان لوگوں نے بھی حضرت عثمان غنیؓ کا پانی بند کر دیا تھا۔ اور اُن کو پیاسا شہید کیا تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس کے خلاف رائے دی کہ پانی ہرگز بند نہ کیا جائے اور حضرت علیؓ کے لشکر کو پیاس کی تکلیف نہ دی جائے۔ اسی مجلس میں صعصعہ اور ولید بن عقبہ کے درمیان ذرا سخت گفتگو ہوئی اور بڑھتے بڑھتے گالی گلوج تک نوبت پہنچ گئی۔ صعصعہ وہاں سے ناراض اُٹھ کر حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا۔ کہ وہ ہم کو پانی لینے کی اجازت نہیں دیتے۔ حضرت علیؓ نے اشعث بن قیس کو سواروں کا دستہ دے کر بھیجا کہ زبردستی پانی پر قبضہ کرو۔ اُدھر سے ابوالاعور سلمی نے مقابلہ کی تیاری کی اور طرفین سے تیر بازی بھی ہوئی۔ نیزے بھی چلے۔ تلواریں بھی چمکیں، خون بھی بہا اور سر بھی جسم سے جُدا ہوئے لیکن یہ فیصلہ ابھی نہ ہونے پایا تھا۔ کہ پانی پر

کون فریق قابض و متصرف رہ سکے گا۔ اتنے میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو سمجھایا کہ اگر تم نے پانی کے اوپر سے اپنا قبضہ نہ اٹھایا۔ اور حضرت علیؓ اور اُن کے لشکر کو پانی کی تکلیف پہنچی اور وہ پیاس کے مارے تڑپنے لگے۔ تو یقیناً خود تمہارے لشکر کے بہت سے آدمیوں کا جذبۂ رحم متحرک ہو گا۔ اور وہ تمہارا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر حضرت علیؓ کے لشکر میں جا ملیں گے۔ اور تم کو قساوتِ قلبی اور ظلم سے متہم کر کے حضرت علیؓ کی طرف سے لڑیں گے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اُسی وقت اعلان کرا دیا۔ کہ فریقِ مخالف کو پانی سے نہ روکا جائے۔ اور پانی کی تکلیف نہ دی جائے۔ اسی طرح یہ ہنگامہ بھی مشتعل ہو کر جلد فرو ہو گیا۔

اس کے بعد دو دن تک دونوں لشکر بلا جدال و قتال خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابل پڑے رہے۔ حضرت علیؓ کے پاس حجاز و یمن اور عرب کے مختلف حصوں نیز ہمدان وغیرہ ایرانی صوبوں سے بھی جمعیتیں آ گئی تھیں۔ اور کل تعداد حضرت علیؓ کے لشکر کی نوّے ہزار تھی۔ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس کل تعداد اسّی ہزار آدمیوں کی تھی۔ ان دونوں لشکروں کے سپہ سالار اعظم حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ تھے۔ فوج کے بڑے بڑے حصّوں کی سرداریاں اس طرح تقسیم ہوئی تھیں۔ کہ حضرت علیؓ کے لشکر میں سواران کوفہ پر اشتر۔ سواران بصرہ پر سہیل بن حنیف۔ کوفہ کی پیادہ فوج پر حضرت عمار بن یاسرؓ۔ بصرہ کی پیادہ فوج پر قیس بن سعد بن عبادہ افسر تھے۔ اور ہاشم بن عتبہ کو لشکر کا علَم دیا گیا تھا۔ باقی قبائل اور صوبوں کی جماعتوں کے اپنے اپنے الگ الگ افسر اور علَم تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے لشکر میں میمنہ کی سرداری ذوالکلاع حمیری کو۔ میسرہ کی حبیب بن مسلمہ کو۔ مقدمہ کی ابوالاعور سلمی کو سپرد ہوئی تھی۔ سوارانِ دمشق پر عمرو بن العاصؓ۔ پیادہ فوج پر مسلم بن عقبہ سردار مقرر کئے گئے تھے۔ ان کے علاوہ اور چھوٹے چھوٹے حصّوں پر عبدالرحمٰن بن خالد۔ عبیداللہ بن عمر۔ بشیر بن مالک کندی وغیرہ افسر مقرر ہوئے تھے۔

دونوں کی خاموشی کے بعد تیسرے دن یکم ذالحجہ ۳۶ھ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بشیر بن عمروؓ بن محصن انصاری۔ سعید بن قیس اور شیث بن ربعی تمیمی کا ایک وفد حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا۔ کہ اُن کو سمجھائیں اور اطاعت قبول کرنے پر آمادہ کریں۔ یہ لوگ جب

امیر معاویہؓ کی خدمت میں پہنچے تو اول بشیر بن عمرو نے کہا کہ اے معاویہؓ تم مسلمانوں کی جماعت میں تفریق پیدا نہ کرو اور خوں ریزی کا موقع آپس میں نہ آنے دو۔ حضرت امیر معاویہؓ نے جواب دیا۔ کہ تم نے اپنے دوست علیؓ کو بھی یہ نصیحت کی یا نہیں؟ بشیرؓ نے جواب دیا۔ کہ وہ سابق بالا سلام اور آنحضرت صلعم کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے خلافت و امارت کے زیادہ حق دار ہیں۔ تم کو چاہیئے کہ اُن کی بیعت اختیار کر لو حضرت امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ ہم خون عثمانؓ کا مطالبہ چھوڑ دیں۔ شیث بن ربعی نے کہا اے معاویہؓ خونِ عثمانؓ کے مطالبہ کے متعلق ہم تمہارے اصل مدعا کو خوب سمجھتے ہیں۔ تم نے اسی لئے عثمانؓ کی مدد کرنے میں تاخیر کی تھی کہ وہ شہید ہو جائیں اور تم اُن کے خون کے مطالبہ کو بہانہ بنا کر خلافت و امارت کا دعوٰی کرو۔ اے معاویہؓ تم اپنے خام خیال سے درگذرو اور حضرت علیؓ سے جھگڑا نہ کرو۔ حضرت معاویہؓ نے اس کا سختی سے جواب دیا۔ شیث نے بھی ویسا ہی ترکی بترکی جواب دیا اور یہ سفارت بلا نتیجہ واپس چلی آئی۔ اسی وقت سے لڑائی شروع ہو گئی۔

جنگِ صفین کا پہلا حصہ جب صلح کی کوشش ناکام رہی تو مجبوراً لڑائی شروع ہوئی مگر چونکہ دونوں طرف مسلمان اور ایک دوسرے کے عزیز دوست تھے۔ لہٰذا دلوں میں جدال و قتال کا ویسا جوش نہ تھا۔ جیسا کفار کے مقابلہ میں ہوا کرتا تھا۔ عام طور پر لوگ یہی چاہتے تھے کہ یہ لڑائی ٹل جائے اور مصالحت ہو جائے۔ لڑائی کی صورت یہ تھی کہ ایک ایک آدمی طرفین سے میدان میں نکلتا اور ایک دوسرے سے لڑتا باقی لشکر دونوں طرف سے اس لڑائی کا تماشا دیکھتا۔ چند روز تک تو روزانہ اس جنگ مبارزہ ہی کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر لڑائی نے کسی قدر ترقی اور اشتعال کی صورت اختیار کی تو صرف یہیں تک محدود رہی کہ طرفین سے ایک ایک سردار اپنی اپنی محدود جماعت لے کر نکلتا اور اس طرح ایک جماعت کی دوسری جماعت سے معرکہ آرائی ہوتی۔ باقی لشکر اپنی جگہ خاموش اور تماشائی رہتا۔ یہ سلسلہ ایک مہینے تک جاری رہا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک مہینے تک دونوں لشکروں نے آئندہ بڑی خوں ریز جنگ کے لئے آپس میں جنگی مشق کو جاری رکھا۔ اس ایک مہینے کی معرکہ آرائیوں کو جنگ صفین کا پہلا حصہ سمجھنا چاہیئے۔ ماہ ذی الحجہ ختم ہو کر جب محرّم کا مہینہ

شروع ہوا تو یکم محرم ۳۷ھ سے آخر محرم ۳۷ھ تک ایک مہینے کے لئے طرفین نے لڑائی کی بالکل تعطیل کردی۔ اس ایک مہینے میں دونوں طرف کی فوجیں بالکل خاموش رہیں مصالحت کی گفتگو اور سلسلہ جنبانی پھر جاری ہو گئی۔ اس جگہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ محرم کے اس ایک مہینے میں مسلمانوں کی دونوں فوجوں کا ایک دوسرے کے مقابل بلا زد و خورد خیمہ زن ہونا ضرور یہ نتیجہ پیدا کر دیتا اور یہ خیال خود بخود طاقت پیدا کر لیتا کہ جنگ سے صلح بہرحال بہتر ہے اور مسلمانوں کو ہرگز آپس میں نہیں لڑنا چاہیئے۔ جب تمام لشکری لوگوں میں یہ کُرَۂ ہوائی پیدا ہو جاتا تو سردارانِ لشکر کو بھی مجبوراً صلح پر رضامند ہونا پڑتا۔ لیکن اس سکون اور خاموشی کے ایام میں سبائی جماعت جو شریک تھی۔ اور جس کا کوئی جُداگانہ وجود نہ تھا۔ بڑی سرگرمی سے مصروف کار رہی۔ اُس نے اپنی انتہائی کوشش اس کام میں صرف کردی کہ لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت و رعایت مطلق پیدا نہ ہو سکے اور نفرت و عداوت ترقی کرے۔ سردارانِ لشکر کی حالت یہ تھی کہ حضرت علیؓ کسی طرح خلافت سے دست بردار نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ قاتلینِ عثمانؓ اور بلوائی لوگوں کو بھی سزا نہ دے سکتے تھے کیونکہ مالک اُشتر جیسے زبردست سپہ سالار۔ محمد بن ابی بکرؓ جیسے گورنر اور عمار بن یاسر جیسے محترم صحابی کو سزا دینا اور تمام کوفی و مصری لشکر کو باغی و دشمن بنا لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ نیز یہ کہ قاتلین اور سازشِ قتل کے شرکاء کا تعیّن شہادتوں کے ذریعہ امرِ مشتبہ کی حد سے آگے بڑھ کر یقین کے درجہ تک نہیں پہنچتا تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ کے مقابلے میں وہ یقیناً ہر طرح مستحقِ خلافت تھے۔

اُدھر حضرت امیر معاویہؓ اپنے آپ کو مکّہ کے رئیس اور اُحد و احزاب کی عظیم الشّان فوجوں کے سپہ سالار اعظم ابو سفیان کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے امیرِ عرب سمجھتے تھے۔۔ آنحضرت صلعم کی زوجۂ محترمہ کے بھائی اور کاتبِ وحی ہونے کا بھی شرف رکھتے تھے۔۔ حضرت عثمان غنیؓ کے ہم جد اور وارث ہونے کی حیثیت سے خونِ عثمانؓ کا قصاص طلب کرنے میں وہ اپنے آپ کو سراسر حق و راستی پر یقین کئے ہوئے تھے۔ اتنے بڑے قتل کو مشتبہ قرار دے کر ٹال دینا اور کسی کو بھی زیرِ قصاص نہ لانا اُن کے نزدیک جیتی مکھی نگلنا تھا اور حضرت علیؓ کی توجیہہ نہ اُن کی سمجھ میں آتی تھی اور وہ نہ سمجھنا چاہتے تھے۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے خروج اور مدینہ کے کئی اکابر صحابہ کی بیعتِ علیؓ سے پرہیز کرنے اور عمرو بن عاصؓ وغیرہ حضرات کے تائید کرنے نے اُن کے ارادے اور یقین میں اور بھی زیادہ قوت پیدا

ہو گئی تھی - طرفین اپنی اپنی باتوں اور ارادوں پر صحیح نظر ڈالنے اور اپنی خواہشوں اور اُمیدوں کے فریب سے بکلی بچ جانے کے قابل ہو جاتے اگر اُن کے ساتھی اور لشکری خود صحیح راستے کو اختیار کرکے اُنھیں مجبور کر دیتے اور اس کے لئے یہ محرم یعنی تعطیل کا زمانہ بہترین موقع تھا - لیکن سبائی جماعت اپنی شرارت پاشی کے کام میں خوب مستعد تھی - اور وہ اپنی اِس کوشش میں کامیاب ہو گئی - کہ مسلمان مصالحت کی طرف نتیجہ خیز طور پر متوجہ نہ ہو سکے -

ایام تعطیل میں صلح کی دوسری کوشش

لڑائی کو بند کرنے کے بعد ۳۷ھ کی کسی تاریخ میں حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہٗ نے ایک سفارت حضرت امیر معاویہؓ کے پاس روانہ کی پھر صلح و مصالحت کی سلسلہ جنبانی کریں - اس سفارت میں عدیؓ بن حاتم - زید بن قیس - زیاد ابن حصفہ - شیث بن ربعی شامل تھے - شیث بن ربعی پہلی مرتبہ بھی گئے تھے اور انھیں سے حضرت امیر معاویہؓ کی سخت کلامی تک نوبت پہنچ گئی تھی - اس مرتبہ پھر شیث کا سفارت میں شامل ہونا خطرے سے خالی نہ تھا اِس وفد نے حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا فرض ادا کیا - اوّل عدیؓ بن حاتم نے حمد و ثنا کے بعد کہا کہ اے معاویہؓ حضرت علیؓ کی اطاعت اختیار کر لو - تمھارے بیعت کر لینے سے مسلمانوں میں اتفاق پیدا ہو جائے گا - تمھارے اور تمھارے دوستوں کے سوا اور کوئی بیعت سے منحرف نہیں ہے اگر تم نے مخالفت پر اصرار کیا تو ممکن ہے کہ وہی صورت پیش آئے - جو اصحاب جمل کو پیش آئی - معاویہؓ نے قطع کلام کر کے کہا کہ اے عدیؓ تم صلح کرانے آئے ہو یا لڑنے - کیا تم مجھ کو اصحاب جمل کا واقعہ یاد دلاکر لڑائی سے ڈرانا چاہتے ہو - تم نہیں جانتے کہ میں حرب کا پوتا ہوں مجھے لڑائی کا مطلق خوف نہیں ہے - میں جانتا ہوں کہ تم بھی قاتلانِ عثمانؓ میں سے ہو اللہ تعالیٰ تم کو بھی قتل کرائے گا - اس کے بعد یزید بن قیس بولے کہ ہم لوگ سفیر ہو کر آئے ہیں - ہمارا یہ منصب نہیں کہ تم کو نصیحت کریں - لیکن ہم کو اس امر کی ضرور کوشش کرنی چاہیئے کہ مسلمانوں میں اتفاق پیدا ہو اور نااتفاقی دُور ہو - یہ کہکر حضرت علیؓ کے فضائل اور اُن کا مستحق خلافت ہونا بیان کیا - اس کے جواب میں امیر معاویہؓ نے کہا - کہ تم ہم کو جماعت کی طرف کیا بلاتے ہو - جماعت ہمارے ساتھ بھی ہے - ہم تمھارے دوست کو مستحق خلافت نہیں سمجھتے کیونکہ انھوں نے ہمارے خلیفہ کو قتل کیا اور اُس کے قاتلین کو پناہ دی - صلح تو اُس وقت ہو سکتی

ہے۔ جب کہ وہ قاتلین عثمانؓ کو ہمارے سپرد کر دیں۔ معاویہؓ یہیں تک کہنے پائے تھے کہ شبث بن ربعی فوراً بول اٹھے۔ کہ اے معاویہؓ کیا تو عمار بن یاسر کو قتل کر دے گا۔۔ امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ مجھ کو عمارؓ کے قتل میں کون سی چیز منع کر سکتی ہے۔ میں تو اس کو حضرت عثمانؓ کے غلام کی عوض قتل کر ڈالوں گا۔ شبث بن ربعی نے کہا کہ تو اس کے قتل پر ہرگز قادر نہ ہو سکے گا۔ جب تک کہ زمین تجھ پر تنگ نہ ہو جائے گی۔ امیر معاویہؓ نے کہا کہ اس سے پہلے تو زمین تجھ پر تنگ ہو جائے گی۔ اس قسم کی سخت کلامی کے بعد یہ وفد بھی بلا نتیجہ واپس چلا آیا۔

حضرت علی کی تاریخی تقریر

اس کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے حبیب بن مسلمہ۔ شرجیل بن السمط۔ معن بن یزید کو حضرت علیؓ کی خدمت میں بطور سفیر روانہ کیا۔ حبیب بن مسلمہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ عثمانؓ خلیفہ برحق تھے اور کتاب سنت کی موافق حکم دیتے تھے ان کی زندگی تم کو ناگوار گذری اور تم نے اس کو قتل کر ڈالا۔ اگر تم نے ان کو قتل نہیں کیا تو ان کے قاتلین کو ہمارے سپرد کر دو پھر خلافت سے دست بردار ہو جاؤ۔ اس کے بعد مسلمان جس کو چاہیں گے اپنا خلیفہ اور امیر مقرر کر لیں گے۔ یہ کلام سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو غصہ آیا اور انھوں نے فرمایا کہ تو خاموش ہو جا۔ امارت و خلافت کے متعلق ایسی تقریر کرنے کا تجھ کو کوئی حق نہیں ہے۔ حبیب بن مسلمہ نے کہا کہ تم مجھ کو ایسی حالت میں دیکھ لوگے جو تم کو ناگوار ہوگی۔ مدعا یہ تھا۔ کہ تلوار کے ذریعہ ہم فیصلہ کر لیں گے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ جا جو تیرا جی چاہے کر۔ یہ کہہ کر حضرت علیؓ کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے کا ذکر کیا۔ پھر خلافت شیخین اور ان کے خصائل پسندیدہ کا ذکر کر کے فرمایا۔ کہ ہم نے ان دونوں کو اپنے فرائض عمدگی ادا کرتے ہوئے پایا۔ لہٰذا ہم نے باوجود اس کے کہ آنحضرت صلعم سے رشتہ میں قریب تر تھے۔ ان کی خلافت میں کوئی دست اندازی نہیں کی۔ پھر لوگوں نے عثمانؓ کو خلیفہ بنایا۔ ان کا طرز عمل ایسا تھا۔ کہ لوگ ان سے ناراض ہو گئے اور انھوں نے عثمانؓ کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد لوگوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کرنے کی درخواست کی۔ میں نے اس درخواست کو قبول کر لیا۔ بیعت کے بعد طلحہؓ و زبیرؓ نے عہد شکنی

اور معاویہؓ نے میری مخالفت کی حالانکہ وہ میری طرح سابق بالاسلام نہیں۔ مجھ کو تعجب ہے کہ تم لوگ کس طرح اُس کے مطیع ہو گئے۔ حالانکہ میں کتاب و سنّت اور ارکانِ دین کی طرف بلاتا۔ احیا رحق اور ابطال کی کوشش کرتا ہوں۔ شرجیل بن السمط نے یہ تقریر سننے کے بعد حضرت علیؓ سے کہا کہ کیا آپ اس امر کی شہادت نہیں دیتے کہ عثمان مظلوم شہید ہوئے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں نہ عثمانؓ کو مظلوم کہتا ہوں نہ ظالم۔ یہ سُن کر تینوں شخص یہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے کہ جو شخص عثمانؓ کو مظلوم نہیں کہتا ہم اُس سے بیزار ہیں۔ اِن لوگوں کو نصیحت کرنا نہ کرنا مساوی ہے۔ ان پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ اس کے بعد پھر مصالحت کی کوئی کوشش جو قابل تذکرہ ہو عمل میں نہیں آئی ‎۴

جنگِ صفین کا ایک ہفتہ ماہ محرم ۳۷ھ کی آخری تاریخ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے لشکر کو حکم عام دے دیا۔ کہ کل یکم ماہ صفر سے فیصلہ کن جنگ شروع ہوگی۔ ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا کہ حریف جب تمہارے سامنے سے پسپا ہو تو بھاگنے والوں کا نہ تو تعاقب کیا جائے نہ اُن کو قتل کیا جائے۔ زخمیوں کا مال نہ چھینا جائے۔ کسی لاش کو مُثلہ نہ کیا جائے۔ عورتیں اگرچہ گالیاں بھی دیں اُن پر کوئی زیادتی نہ کی جائے۔ اسی قسم کے احکام امیر معاویہؓ نے بھی اپنے لشکر میں جاری کر دیئے۔ یکم صفر کی صبح سے لڑائی شروع ہوئی۔ اُس روز اہلِ کوفہ نے اُشتر کی سرداری میں اور اہلِ شام نے حبیب بن مسلمہ کی سرداری میں ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ صبح سے شام تک برابر ہنگامۂ کارزار گرم رہا۔ مگر کوئی فیصلہ شکست و فتح کی شکل میں نمودار نہ ہو سکا۔ دوسرے دن حضرت علیؓ کی طرف سے ہاشم بن عتبہ سوار و پیادہ لشکر لے کر نکلے اور اہلِ شام کی طرف سے ابو الاعور سلمی نے مقابلہ کیا۔ اس روز بھی شام تک بڑی خوں ریز لڑائی جاری رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ تیسرے روز حضرت علیؓ کی طرف سے عمار بن یاسرؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن العاصؓ لشکروں کو لے کر مقابل ہوئے۔ یہ لڑائی سابقہ دو دن کی لڑائیوں سے بھی زیادہ سخت و شدید تھی۔ حضرت عمار بن یاسرؓ نے شام کے قریب آخر میں ایسا سخت حملہ کیا کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کو کسی قدر پسپا ہو جانا پڑا تاہم آج بھی کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ چوتھے روز حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے عبید اللہ بن عمرؓ اور حضرت علیؓ کی طرف سے اُن کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ لشکر لے کر نکلے اُس روز بھی

خوب زور شور کی لڑائی ہوئی۔ جب شام ہونے کو آئی تو عبید اللہ بن عمرؓ نے محمد بن الحنفیہ کو صفِ لشکر سے جُدا ہو کر مبارزہ کی لڑائی کے لئے للکارا۔ محمد بن الحنفیہ جوش شجاعت میں مقابلہ کے لئے نکلے۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے گھوڑا دوڑا کر اور قریب جا کر محمد بن الحنفیہ کو واپس لوٹا لیا۔ ان کے واپس ہونے کے بعد عبید اللہ بن عمرؓ بھی لشکر شام کی طرف واپس چلے آئے۔ پانچویں روز حضرت علی کی طرف سے ولید بن عقبہ نکلے اور صبح سے شام تک بڑی سخت لڑائی جاری رہی۔ چھٹے روز اِدھر سے مالک اشتر اور اُدھر سے حبیب بن مسلمہ دوبارہ برد آزما ہوئے۔ اس روز بھی شام تک کی زور آزمائی و خونریزی نے کوئی نتیجہ پیدا نہیں کیا۔ ساتویں روز حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اور حضرت امیر معاویہؓ نے بنفسِ نفیس خود لشکر کو لڑائی پر آمادہ کیا۔ اُس روز بھی اگرچہ لڑائی سابقہ ایام کی نسبت زیادہ سخت ہوئی۔ مگر دونوں فریق میدان میں برابر کا جوڑ ثابت ہوئے۔

اس جنگِ ہفت روزہ میں ہر روز دونوں طرف سے نئے نئے سپہ سالار مقرر ہو ہو کر اپنی اپنی جنگی قابلیت کا اظہار کرتے رہے۔ چونکہ دونوں لشکروں کی تعداد بھی نوّے اور اسّی ہزار یعنی تقریباً برابر ہی تھی۔ اور طرفین کے لڑنے والوں میں بھی ایک ہی حیثیت اور ایک ہی سی طاقت و شجاعت والے لوگ تھے۔ لہٰذا کسی کو نہ فتح حاصل ہوئی نہ شکست البتہ اس بات کا اظہار ہوتا رہا کہ طرفین میں لڑائی کے لئے کافی جوش اور اظہارِ شجاعت کا کافی شوق ہے۔ یہ ہفتہ اسلام کے لئے بڑا ہی منحوس تھا۔ کہ مسلمانوں کی تلواریں پوری تیزی کے ساتھ مسلمانوں کی گردنیں کاٹ رہی تھیں۔ اور دشمنانِ اسلام اطمینان کے ساتھ مصروف تماشا تھے۔ لیکن اس ہفتہ سے بھی زیادہ منحوس دو دن اور آنے والے تھے۔

جنگِ صفین کے آخری دو دن پورے ایک ہفتہ کی سخت زور آزمائیوں کے بعد ۱۰ صفر ۳۷ھ کو جمعرات کے روز دونوں لشکر آخری اور فیصلہ کن معرکہ آرائی کے لئے تیار ہو گئے۔ چہار شنبہ و پنجشنبہ کی درمیانی شب دونوں نے فیصلہ کن جنگ کی تیاریوں میں بسر کی۔ جمعرات کے دن نماز فجر کے وقت بعد از نماز فجر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے اپنے پورے لشکر کو لے کر شامیوں پر حملہ کیا۔ اس حملہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ قلبِ لشکر میں تھے۔ جہاں کوفہ و بصرہ کے شرفا اور اہلِ مدینہ جن میں اکثر انصار اور کمتر بنو خزاعہ و بنو کنانہ تھے شامل تھے۔ میمنہ کی سرداری حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے عبد اللہ بن بدیل

بن ورقا خزاعی کو سپرد کی تھی۔ اور میسرہ حضرت عبداللہ کے سپرد کیا تھا۔ ہر ایک قبیلہ کے لئے جگہ اور مقام مقرر کر دیا گیا تھا۔ ہر ایک قبیلہ کا الگ الگ جھنڈا اور الگ الگ افسر تھا۔ حضرت عمار بن یاسر کو آج رجز خوانوں اور قاریوں کا انتظام سپرد تھا۔ قیس بن سعد اور عبداللہ بن یزید بھی رجز خوانوں کی افسری پر مامور تھے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے خیمہ میں بیٹھ کر لوگوں سے موت پر بیعت لی تھی۔ اُن کے لشکر میں حبیب بن مسلمہ میسرہ کے اور عبیداللہ بن عمرؓ میمنہ کے افسر تھے۔ حضرت علیؓ کے لشکر کا میمنہ اوّل آگے بڑھا۔ اور عبداللہ بن بدیل خزاعی نے اپنی ماتحت فوج یعنی میمنہ کو لے کر امیر معاویہؓ کے میسرہ یعنی حبیب بن مسلمہ پر حملہ کیا۔ یہ حملہ اگرچہ نہایت سخت اور نقصان رساں تھا۔ لیکن اس کا نتیجہ لشکرِ شام کے لئے اچھا نکلا۔ حبیب بن مسلمہ کی رکابی فوج کو عبداللہ بن بدیل دباتے اور پیچھے ہٹاتے ہوئے اُس مقام تک لے گئے جہاں حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر موت کے لئے بیعت کی گئی تھی اپنے میمنہ کی اس نازک حالت کو دیکھکر حضرت امیر معاویہؓ نے ان لوگوں کو جو ان کے گرد تھے حملہ کا حکم دیا۔ ان لوگوں کا حملہ ایسا زبردست تھا کہ عبداللہ بن بدیل صرف ڈھائی سو آدمیوں کے ساتھ رہ گئے۔ باقی تمام عراقی پسپا اور فرار ہو کر اُس مقام تک پہنچ گئے جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے تھے اپنے میمنہ کی ایسی ابتر حالت دیکھکر حضرت علیؓ نے سہیل بن حنیف کو اہلِ مدینہ کا افسر بنا کر عبداللہ بن بدیل کی حفاظت و اعانت کے لئے روانہ کیا لیکن شامیوں نے سہیل بن حنیف کو عبداللہ بن بدیل تک نہ پہنچنے دیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد عبداللہ بن بدیل شامی لشکر کے ہاتھ سے معہ اپنے ہمراہیوں کے کام آئے۔ ادھر میمنہ کی یہ شکست حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو اپنی طرف متوجہ کئے ہوئے تھی۔ کہ اُدھر اُن کے میسرہ کو بھی شامیوں کے مقابلے میں ہزیمت ہوئی میسرہ میں صرف ایک قبیلہ ربیعہ پامردی و استقلال کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم رہا۔ باقی دستے فرار ہونے پر مجبور ہو گئے۔ اپنے میسرہ کو فرار ہوتے ہوئے دیکھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حسنؓ۔ حسینؓ۔ محمد اپنے تینوں بیٹوں کو اُس طرف روانہ کیا۔ کہ قبیلہ ربیعہ کے بھی کہیں پاؤں نہ اُکھڑ جائیں۔ اور اُشتر کو حکم دیا۔ کہ میمنہ کے مفروروں سے جا کر یہ کہو کہ تم اس موت سے کہاں بھاگے جاتے ہو۔ جس کو تم حیات کے ذریعہ مجبور نہ کر سکو گے۔ اُشتر نے گھوڑا دوڑا کر میمنہ کے بھاگے ہوئے لوگوں کو حضرت علیؓ کا یہ پیغام سُنایا اور بلند آواز سے غیرت دلانے والے فقرے کہہ کر اُن کو روکا اور اپنے ہمراہ لے کر لشکرِ شام کے مقابلہ پر مستعد کیا۔ اُدھر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ میسرہ کی حالت سنبھالنے کے لئے خود متوجہ ہوئے۔ قبیلۂ ربیعہ نے جب دیکھا کہ حضرت علیؓ خود ہم میں شامل ہو کر تلوار چلا رہے ہیں۔ تو اُن کی ہمتوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

حضرت علیؓ کو بذاتِ خود لڑتے ہوئے دیکھ کر ابو سفیان کا غلام احمر اُن کی طرف جھپٹا لیکن حضرت علیؓ کے غلام کیسان نامی نے آگے بڑھ کر اُس کا مقابلہ کیا دونوں میں تلوار چلنے لگی۔ بالآخر احمر کے ہاتھ سے کیسان مقتول ہوا۔ حضرت علیؓ نے اپنے خادم کو مقتول دیکھکر احمر پر حملہ کیا اور جوشِ غضب میں اُس کو اُٹھا کر اس زور سے زمین پر دے کر مارا کہ اُس کے دونوں ہاتھ بیکار ہو گئے۔ لشکر شام نے حضرت علیؓ کو مصروف جنگ دیکھ کر اُن پر حملہ کیا مگر اہل ربیعہ نے اُن کے حملہ کو روک لیا اور حضرت علیؓ تک اُنھیں نہ پہنچنے دیا۔ اُشتر نے بھی اِدھر میمنہ کی حالت کو سنبھال لیا۔ اور لڑائی کا عنوان جو حضرت علیؓ کے لئے بہت خطرناک ہو چکا تھا۔ کسی قدر درست ہوا اور طرفین نے میدان میں جم کر تلواریں چلانی شروع کیں۔ عصر کے وقت تک برابر تلوار چلتی رہی۔ عصر کے قریب مالک اُشتر نے امیر معاویہؓ کے میسرہ کو دبا کر پیچھے ہٹایا۔ لیکن امیر معاویہؓ کی رکابی فوج نے جو مرنے پر بیعت کر چکی تھی اپنے میسرہ کو سہارا دیا اور حضرت علیؓ کے میمنہ کو دھکیل کر دُور تک پیچھے ہٹا دیا۔ حضرت علیؓ کی طرف سے عبد اللہ بن حصین جو عمار بن یاسرؓ کے ہمراہیوں میں سے تھے رجز پڑھتے ہوئے آگے نکلے۔ مخالف سمت سے عقبہ بن حدیبہ نمیری نے بڑھ کر مقابلہ کیا۔ عقبہ کے مارے جانے پر شامیوں کی طرف سے سخت حملہ ہوا اور اہلِ عراق کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑا لیکن وہ اپنی جگہ پر قائم رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ میسرہ کی طرف سے میمنہ والوں کی ہمت بندھانے اور اُن کو لڑائی کی ترغیب دینے کے لئے تشریف لائے یہاں خوب جم کر نہایت زور شور سے تلوار چل رہی تھی۔ اُدھر ذو الکلاع حمیری اور عبید اللہ بن عمرؓ نے حضرت علیؓ کے میسرہ پر اس شدت سے حملہ کیا کہ قبیلہ ربیعہ کا قدم بھی اپنی جگہ پر قائم نہ رہ سکا اور کشتوں کے پُشتے لگ گئے۔ میسرہ کی اس تباہ حالت کو دیکھ کر عبد القیس نے آگے بڑھ کر ربیعہ کو سنبھالا۔ اور اہلِ شام کی پیش قدمی کو روکا۔ اس بروقت امداد سے میسرہ کی حالت پھر سنبھل گئی اور اتفاق کی بات کہ ذو الکلاع حمیری اور عبید اللہ بن عمرؓ دونوں لڑائی میں کام آئے۔

غرض صبح سے شام تک میمنہ و میسرہ سے بڑے زور شور سے تلوار چلتی رہی مگر دونوں فوجوں کے قلب ابھی تک ہنگامہ کارزار کے شور و عمل سے خالی اور خاموش تھے۔ آخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے حضرت عمار بن یاسرؓ نے بلند آواز سے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہو اور اس کو مال و اولاد کی طرف واپس جانے کی خواہش نہ ہو وہ میرے ساتھ آ جائے۔ وہ یہ کہتے ہوئے چلے اور اُن کے ساتھ بہت سے لوگ مارنے اور مرنے پر مستعد ہو کر شامل ہو گئے۔ آخر وہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے علمبردار ہاشم بن عتبہ کے پاس پہنچے۔ وہ بھی علَم لئے ہوئے اُن کے ساتھ ہو لئے۔ عمار بن یاسرؓ اپنے فدائی گروہ کو لئے ہوئے لشکرِ شام کے قلب پر حملہ آور ہوئے۔ اب دن ختم ہو کر رات شروع ہو گئی تھی۔ عمار بن یاسرؓ کا یہ حملہ نہایت سخت تھا۔ جس کو عمرو بن العاصؓ نے بڑی مشکل سے روکا۔ خوب تلوار چلی اور آخر کار حضرت عمارؓ اسی لڑائی میں کام آئے۔

عمار بن یاسرؓ کے مارے جانے کی خبر جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوئی۔ تو سخت صدمہ ہوا اور اس کے بعد لشکرِ اہلِ شام کا بھی ہر حصہ مصروفِ جنگ ہو گیا۔ تلواروں کی کچاچج اور نیزوں کی طعن و ضرب نیز رجز خوانوں کی آوازوں اور لڑنے والوں کی تکبیروں سے تمام عرصۂ شب معمور رہا۔ یہ رات جمعہ کی رات تھی لیلۃ الہریر کے نام سے مشہور ہے۔ اسی شب میں حضرت اویس قرنیؒ بھی شہید ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کبھی میمنہ میں ہوتے تھے۔ کبھی میسرہ میں نظر آتے اور کبھی لشکر میں شمشیر زنی کرتے ہوئے دیکھے جاتے تھے۔ عبداللہ بن عباسؓ میسرہ کو سنبھالے ہوئے تھے اور اُشتر نے میمنہ کو سنبھال رکھا تھا۔ اسی طرح معاویہؓ عمرو بن العاصؓ اور دوسرے سرداروں نے لشکرِ شام کو مصروفِ جنگ رکھا۔ ساری رات اسی جنگ و پیکار میں بسر ہو گئی دن کے بعد رات بھی ختم ہو گئی مگر لڑائی کے ختم ہونے کی کوئی صورت ظاہر نہ ہوئی۔ جمعہ کا دن شروع ہوا اور آفتاب اُفقِ مشرق سے طلوع ہوا تو اُس نے غروب ہوتے وقت دونوں لشکروں کو جس طرح مصروفِ قتال چھوڑا تھا۔ اُسی طرح مصروفِ قتال دیکھا۔

لیلۃ الہریر کی جنگ و پیکار میں ایک قابلِ تذکرہ واقعہ یہ بھی ہوا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک مرتبہ بارہ ہزار سواروں کا زبردست دستہ لئے ہوئے اس سُرعت و قوت سے

حملہ آور ہوئے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے خیمے تک پہنچ گئے اور امیر معاویہؓ کو آواز دے کر کہا کہ مسلمانوں کے قتل کرانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ آؤ ہم دونوں میدان میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں ہم میں جو کامیاب ہو وہی خلیفہ ہو جائے گا۔ اس آواز کو سن کر عمرو بن العاصؓ نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ بات تو معقول ہے آپ کو مقابلہ کے لئے نکلنا چاہیے۔ امیر معاویہؓ نے کہا کہ اس فیصلے کو تم اپنے لئے کیوں پسند نہیں کرتے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ علیؓ کے مقابلہ پر جو شخص میدان میں نکلتا ہے وہ جاں بر نہیں ہوتا۔ پھر ہنس کر کہا کہ شاید تم مجھ کو اس لئے مقابلہ پر بھیجتے ہو کہ میں مارا جاؤں اور میرے بعد تم ملکِ شام کے مالک بن بیٹھو۔ غرض امیر معاویہؓ کی طرف سے حضرت علیؓ کو کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ اور وہ اپنے لشکر کی طرف تشریف لے آئے۔ جمعہ کے دن بھی دوپہر تک بدستور لڑائی جاری رہی۔ اب تلوار چلتے ہوئے مسلسل تیس گھنٹے سے زیادہ مدت گذر چکی تھی۔ اس تیس گھنٹہ میں ستر ہزار کے قریب آدمی طرفین سے مارے جا چکے تھے اسلام کی اتنی بڑی طاقت کا آپس میں لڑ کر ضائع ہونا سب سے بڑی مصیبت تھی۔ جو اس تیس گھنٹہ کی منحوس مدت میں مسلمانوں پر وارد ہوئی ستر ہزار ایسے بے نظیر بہادروں کو قتل کرا کر تو مسلمان نہ صرف اس زمانہ کی ساری دنیا بلکہ ایسی ایسی کئی دنیاؤں کو فتح کر سکتے تھے۔ جب دوپہر ڈھل گیا تو مالک اشتر نے اپنے متعلقہ حصہ فوج کا چارج عیان بن ہوذہ کو سپرد کیا۔ اور خود سواروں کی جمعیت کو ایک طرف لے جا کر اہلِ شام پر حملہ کرنے اور جان دینے کی ترغیب دی۔ سواروں نے اِس بات کا اقرار کیا کہ ہم فتح حاصل کئے یا جان دیئے بغیر واپس نہ آئیں گے سواروں کا ایک حصہ حضرت علیؓ کی رکاب میں رہا۔ اور بڑے حصہ کو اُشتر نے لے کر ایک مناسب سمت سے شامی لشکر پر حملہ کیا۔ لڑائی کا فیصلہ کرنے کے لئے یہ وقت بھی بہت ہی مناسب آگیا تھا۔ کیونکہ اب تک کی لڑائی میں اگرچہ پہلے دن یعنی جمعرات کے روز شامی لشکر چیرہ دست اور غالب نظر آتا تھا۔ حضرت علیؓ کے لشکر کی حالت جمعرات کے دن شام تک ایسی خطرناک تھی جس سے گمان ہو سکتا تھا۔ کہ شکست انھیں کے حصے میں آئے گی اور لشکرِ شام فتح مند ہو جائے گا۔ لیکن رات کے معرکہ میں شامیوں کے آدمی زیادہ مارے گئے اور اب جمعہ کے دن دوپہر ڈھلے تک اگرچہ لڑائی کانٹے کی تول برابر تلی ہوئی نظر آتی تھی مگر شامیوں کے نصف سے زیادہ آدمی مارے جا چکے تھے اور اُن کی تعداد اب بجائے اسّی ہزار

کے صرف ۳۵ ہزار کے باقی رہ گئی تھی۔ حضرت علیؓ کے لشکر میں اب تک بیس پچیس ہزار آدمی مارے گئے تھے اور اُن کی تعداد ساٹھ ہزار باقی تھی۔ یعنی حضرت علیؓ کے لشکر کی تعداد اب حضرت امیر معاویہؓ کے لشکر کی تعداد سے دُگنی تھی۔

ایسی حالت میں حضرت علیؓ کے لئے موقع تھا۔ کہ وہ دشمن کو مصروفِ جنگ رکھتے ہوئے اپنی فوج کے ایک معقول حصہ کو جُدا کر کے مصروف و مشغول دشمن کے پہلو یا پشت پر ایک زبردست ضرب لگائیں کہ اس کا کام تمام ہو جائے اور لڑائی کا نتیجہ فتح کی شکل میں فوراً برآمد ہو جائے۔ چنانچہ مالک اُشتر نے اپنے فدائی سواروں کے ساتھ ایک نہایت ہیبت ناک حملہ کیا۔ یہ حملہ سواروں ہی کے ذریعہ ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ جو فوج تیس یا بتیس گھنٹہ سے برابر مصروف جنگ تھی اس کے سپاہیوں میں جسمانی طاقت بہت کچھ ضعف و تکان کی مغلوب ہو چکی ہو گی۔ ایسے سپاہیوں کے حملے میں مرغوب کُن شان کا پیدا کرنا آسان نہ تھا۔ لیکن گھوڑوں کو اب تک زیادہ کام نہ کرنا پڑا تھا۔ اور وہ پیدل سپاہیوں کی نسبت یقیناً تازہ دم تھے۔ اُشتر نے برق و باد کی طرح حملہ کیا۔ صفوں کو ریلتا دھکیلتا اور روندتا ہوا شامیوں کے قلب لشکر تک پہنچ گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب اُشتر کو کامیاب حملہ کرتے اور اُس کے عَلَم کو دم بدم آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تو اِدھر سے اپنے رکابی سواروں کے کمکی دستے یکے بعد دیگرے پیہم بھیجنا شروع کئے تاکہ اس حملہ کی ترقی کسی جگہ رُکنے نہ پائے اور اُشتر دم بدم زیادہ طاقتور ہوتا جائے۔

اس تدبیر کا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا۔ شامی فوج کا علمبردار بھی اُشتر کے ہاتھ سے مارا گیا اور عمرو بن العاصؓ اور حضرت معاویہؓ کی فرودگاہ کے سامنے کُشت و خون ہونے لگا۔ اُشترؓ کے حملہ آور ہونے کے وقت شدتِ جنگ کی وجہ سے دونوں فوجوں کا پھیلاؤ سمٹ چکا تھا۔ میمنہ اور میسرہ اپنے اپنے قلب کے ساتھ مل کر ایک ہو گئے تھے اور پوری تیزی سے ایک دوسرے کے قتل کرنے میں مصروف تھے۔ اگر میمنے اور میسرے پھیلے ہوئے ہوتے اور لڑائی کے مرکز ہوتے تو اُشتر کا یہ حملہ کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ فوج کے ایک حصے کا زور بآسانی دوسرے حصے کی جانب منتقل کیا جا سکتا اور سپہ سالارِ اعظم کوئی نہ کوئی تدبیر نکال سکتا تھا۔ لیکن یہ حملہ ایسے صحیح موقع اور مناسب وقت پر کیا گیا تھا۔ کہ شامی لشکر کی شکست میں کوئی کسر باقی نہ تھی۔ لشکرِ شام کے سردار حریف

کو اپنے قلبِ لشکر میں پجیرہ دست اور اپنے علمبردار کو مقتول دیکھ کر حواس باختہ ہو چکے تھے۔ ساری کی ساری طاقت اپنے مدِ مقابل سے زور آزمائی میں مصروف تھی اور ان اچانک آپڑنے والے حملہ آوروں کی مدافعت کے لئے کوئی محفوظ طاقت باقی نہ تھی۔ ابھی تک شامیوں نے میدانِ جنگ سے منہ نہیں موڑا تھا۔ اور ابھی تک وہ کسی طرح شکست خوردہ نہیں کہے جا سکتے تھے۔ لیکن اُن کے شکست پانے اور ہزیمت یافتہ ہونے میں اب گھنٹوں کی نہیں بلکہ منٹوں کی دیر تھی۔ کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کی انگشت تدبیر کے ایک اشارے نے نتیجہ جنگ کو ادھر سے اُدھر پلٹ دیا ؏

ادھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

خاتمۂ جنگ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اشتر کے کامیاب حملہ کو دیکھ کر جس قدر مسرور و مطمئن تھے۔ امیر معاویہؓ اسی قدر پریشان و حواس باختہ ہو رہے تھے۔ عمرو بن العاصؓ نے معاویہؓ سے کہا کہ اب دیکھتے کیا ہو۔ لوگوں کو حکم دو کہ وہ فوراً نیزوں پر قرآن مجید کو بلند کریں اور بلند آواز سے کہیں ھٰذا کتاب اللہ بیننا وبینکم (ہمارے تمھارے درمیان خدا تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید ہے) چنانچہ فوراً یہ حکم دیا گیا اور اہلِ شام نے نیزوں پر قرآن شریف کو بلند کر کے کہنا شروع کیا کہ ہم کو قرآن شریف کا فیصلہ منظور ہے۔ بعض حصوں سے آواز آتی تھی کہ مسلمانو ہماری لڑائی دین کے لئے ہے۔ آؤ قرآن شریف کے فیصلے کو منظور کریں اور لڑائی کو ختم کر دیں۔ بعض سمتوں سے آواز آتی تھی کہ مسلمانو قرآن شریف کو حَکَم بنا لو۔ اگر لڑائی میں شامی لوگ تباہ ہو گئے تو رومیوں کے حملے کو کون روکے گا۔ اور اہلِ عراق برباد ہو گئے تو مشرقی حملہ آوروں کا مقابلہ کون کرے گا۔ حضرت علیؓ کے لشکر والوں نے جب قرآن مجید کو نیزوں پر بلند دیکھا۔ تو لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے شامیوں کی یہ حرکت دیکھ کر کہا کہ اب تک تو لڑائی تھی۔ لیکن اب فریب شروع ہو گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے لوگوں کو سمجھایا کہ تم اس وقت کوتاہی نہ کرو بہت جلد تم کو کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ لوگ مسلسل لڑتے لڑتے تھک گئے تھے اور اس لڑائی کو جو مسلمانوں کے درمیان ہو رہی تھی مضرِ اسلام بھی سمجھتے تھے۔ اس لئے انھوں نے لڑائی کے بند کرنے اور صلح پر رضامند ہو جانے کی اس درخواست کو بہت ہی غنیمت سمجھا۔ اور فوراً تلواریں میان میں رکھ لیں۔ اب تک دونوں لشکروں کی طاقت

مقابلہ میں بالکل مساوی ثابت ہوتی رہی تھی اور فتح کا قریب ہونا جس طرح حضرت علیؓ اور بعض تجربہ کار و باخبر سرداروں کو نظر آتا تھا۔ عام سپاہیوں اور لڑنے والوں کو اُس کے سمجھنے کا موقع نہ ملا تھا۔ اس لئے بھی فوج کی غالب تعداد نے شامیوں کی اس خواہش کو بہت ہی غنیمت اور مناسب سمجھا۔ یہ رنگ دیکھ کر سبائی گروہ کے افراد کی بھی آنکھیں کھلیں وہ فوراً میدان عمل میں نکل آئے اور حضرت علیؓ کے گرد جمع ہو کر ان کو مجبور کرنا شروع کیا کہ آپ اُشتر کو واپس بُلالیں۔

اُشتر اپنی کامیابی کو یقینی سمجھتا اور فتح و فیروزی کو پیش پا افتادہ دیکھتا تھا۔ اُشتر کے واپس بُلانے اور لڑائی بالکل بند کر دینے کا مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ عام لشکری آ آکر شریک ہونے لگے۔ اِدھر لوگوں نے لڑائی بند کر دی اور اُشتر کے حملہ کو روکنے کے لئے شامی فوج فارغ ہو گئی۔ اُدھر حضرت علیؓ کو لوگوں نے چاروں طرف سے گھیر کر یہاں تک گستاخانہ کلام کیا کہ اگر آپ اُشتر کو واپسی کا حکم نہ دیں گے۔ تو ہم آپ کے ساتھ بھی وُہی سلوک کریں گے جو ہم نے عثمان غنیؓ کے ساتھ کیا ہے۔ یہ خطرناک صورت دیکھ کر حضرت علیؓ نے اُشتر کے پاس فوراً آدمی دوڑایا کہ یہاں فتنہ کا دروازہ کُھل گیا ہے۔ جس قدر جلد ممکن ہو اپنے آپ کو میرے پاس واپس پہنچاؤ۔ اُشتر بادلِ ناخواستہ واپس آیا۔ اور لڑائی کا ہنگامہ یک لخت بند ہو کر تمام میدان پر سکون و خاموشی طاری ہو گئی۔ اُشتر کے واپس آنے پر حضرت علیؓ نے صورت واقعہ بیان کی۔ اُشتر نے افسوس کیا اور کہا کہ اے اہلِ عراق جس وقت تم اہلِ شام پر غالب ہونے والے تھے اسی وقت ان کے دام فریب میں مبتلا ہو گئے۔ لوگوں میں یہاں تک لڑائی کے خلاف جوش پیدا ہو چکا تھا۔ کہ انھوں نے اُشتر پر حملہ کرنا چاہا۔ مگر حضرت علیؓ کے ڈانٹنے اور روکنے سے وہ رُک گئے۔ اِس کے بعد اشعث بن قیس نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ امیر المومنین! لوگوں نے قرآن کو حَکَم تسلیم کر لیا۔ اور لڑائی بند ہو گئی۔ اب اگر چہ آپ اجازت دیں تو میں معاویہؓ کے پاس جا کر اُن کے منشائے دلی کو معلوم کروں۔ حضرت علیؓ نے اُن کو اجازت دی، وہ امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور دریافت کیا کہ تم نے قرآن شریف کو کس غرض سے نیزوں پر بلند کیا تھا۔ اُنھوں نے جواب دیا۔ "ہم اور تم دونوں خدا اور رسولؐ کے حکم کی طرف رجوع کریں۔ ایک شخص کو ہم اپنی طرف سے منتخب کریں اور ایک کو تم اپنی طرف سے مقرر کر دو۔ ان دونوں

سے حلف لیا جائے کہ وہ قرآن مجید کے موافق فیصلہ کریں گے۔ اس کے بعد وہ جو فیصلہ صادر کریں، اُس پر ہم تم دونوں راضی ہو جائیں "۔

اشعث بن قیس یہ سُن کر حضرت علیؓ کی خدمت میں واپس آئے اور امیر معاویہؓ سے جو کچھ سُنا تھا۔ وہ سب بیان کر دیا۔ حضرت علیؓ کے اردگرد جس قدر لوگ موجود تھے۔ یہ سُن کر اُن سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم اس بات پر راضی ہیں۔ اور ایسے فیصلہ کو پسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہؓ اور اہلِ شام سے دریافت کیا گیا۔ کہ تم اپنی طرف سے کس کو حَکَم منتخب کرتے ہو۔ انھوں نے کہا کہ عمرو بن العاصؓ کو۔ اب حضرت علیؓ کی مجلس میں یہ مسئلہ پیش ہوا۔ کہ ہماری طرف سے کون حَکَم مقرر کیا جائے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں عبداللہ بن عباسؓ کو پسند کرتا ہوں۔ اُن کے اہلِ مجلس نے کہا۔ کہ عبداللہ بن عباسؓ آپ کے رشتہ دار ہیں۔ ہم ایسے شخص کو حَکَم مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ جس کا آپ سے اور امیر معاویہؓ سے یکساں تعلق ہو۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ کہ اچھا تم بتاؤ کس کو پسند کرتے ہو۔ لوگوں نے کہا کہ ابو موسیٰؓ اشعری کو بہت مناسب سمجھتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ کہ میں ابو موسیٰؓ کو ثقہ نہیں سمجھتا۔ تم اگر ابن عباسؓ کو میرا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے انتخاب نہیں کرتے ہو۔ تو مالک اُشتر کو مقرر کر دو۔ وہ میرا رشتہ دار بھی نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا۔ کہ ابو موسیٰؓ کو آنحضرت صلعم کی صحبت ملی ہے وہ صحابی ہیں۔ اور مالک اُشتر اس شرف سے محروم ہے۔ لہٰذا ہم اُس کو ابو موسیٰؓ پر ہرگز ترجیح نہ دیں گے۔ آخر ابو موسیٰ اشعریؓ حَکَم تجویز ہو گئے۔ ابھی یہ مجلس برپا ہی تھی۔ کہ امیر معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمروؓ اقرار نامہ لکھنے کے لئے آ گئے۔

اقرار نامہ کی تحریر اور میدانِ جنگ سے واپسی

عمرو بن العاصؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر اقرار نامہ تحریر کرنے کے لئے عرض کیا۔ چنانچہ اُسی وقت مندرجہ ذیل اقرار نامہ لکھا گیا۔

"یہ اقرار نامہ علی بن ابی طالبؓ اور معاویہ ابن ابی سفیانؓ کے درمیان علی ابن ابی طالبؓ نے اہلِ کوفہ اور اُن تمام لوگوں کی طرف سے جو اُن کے ساتھ ہیں ایک مُنصف یا پنچ مقرر کیا ہے اور اسی طرح معاویہ ابن سفیان نے اہلِ شام اور اُن تمام لوگوں کی طرف سے جو اُن کے ساتھ ہیں ایک

پنچ مقرر کر دیا ہے ۔ ہم خدا تعالیٰ کی کتاب اور اُس کے حکم کو قاضی قرار دے کر اس بات کا اقرار کرتے ہیں ۔ کہ حکمِ خدا اور کتاب خدا کے سوا دوسرے کو دخل نہ دیں گے ۔ ہم الحمد سے لے کر والناس تک تمام قرآن شریف کو مانتے اور وعدہ کرتے ہیں کہ قرآن شریف جن کاموں کے کرنے کا حکم دے گا اس کی تعمیل کریں گے ۔ اور جن سے منع کرے گا اُن سے رُک جائیں گے ۔ دونوں پنچ جو مقرر ہوئے ہیں ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ ہیں یہ دونوں جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں گے اُسی کی موافق فیصلہ کریں گے اور اگر کتاب اللہ میں نہ پائیں گے تو سنتِ عادلہ جامعہ غیر مختلف فیہا پر عمل کریں گے "۔

اس کے بعد حکمین یعنی ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ سے اقرار لیا گیا ۔ کہ ہم خدائے تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھ کر کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے موافق صحیح فیصلہ کریں گے ۔ اور اُمتِ مرحومہ کو جنگ و فساد اور تفرقہ میں مبتلا نہ کریں گے ۔ اس کے بعد رمضان تک یعنی چھ مہینے کی مُہلت حکمین کو دی گئی کہ اس مدت کے اندر اندر اُن کو اختیار ہے کہ جب چاہیں فریقین کو اطلاع دے کر مقام اوزح متصل دومۃُ الجندل جو دمشق و کوفہ کے درمیان دونوں شہروں سے برابر فاصلہ پر ہے آکر اپنا فیصلہ سُنا دیں اور اس عرصہ میں زیر بحث مسئلہ کے متعلق اپنی تحقیقات کو مکمل اور اپنے خیالات کو مجتمع کر لیں ۔ یہ بھی تجویز ہوا کہ جب کوفہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ اور دمشق سے عمرو بن العاصؓ مقام اوزح کی طرف فیصلہ سُنانے کے لئے روانہ ہوں تو حضرت علیؓ ابو موسیٰ اشعریؓ کے ہمراہ چار سو آدمی اور حضرت امیر معاویہؓ عمرو بن العاصؓ کے ہمراہ چار سو آدمی روانہ کریں ۔ یہ آٹھ سو آدمی تمام مسلمانوں کے قائم مقام سمجھے جائیں گے ۔ جن کو حکمین اپنا فیصلہ سُنا دیں گے ۔

ان مذکورہ باتوں کے طے ہو جانے کے بعد قرار داد کے موافق حضرت علیؓ نے اپنے تمام لشکر سے اور حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے تمام لشکر سے اس بات کا اقرار کر لیا کہ فیصلہ سُنانے کے بعد حکمین کے جان و مال اور اہل و عیال سب محفوظ اور امن میں ہوں گے ۔ دونوں لشکروں نے بخوشی اس کا اقرار کیا ۔ اس کے بعد اقرار نامہ کی دو نقلیں کی گئیں ۔ اُن پر حضرت علیؓ کی طرف سے اشعث بن قیس ۔ سعد بن قیس ہمدانی ۔ ورقا بن سمی البجلی

عبداللہ ابن محل عجلی ۔ حجر بن عدی کندی ۔ عبداللہ بن الطفیل عامری ۔ عقبہ بن زیاد حضرمی ۔ یزید بن حجیہ تیمی ۔ مالک بن کعب ہمدانی نے بطور گواہ اور ضامن کے دستخط کئے ۔ اور حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے ابوالاعور ۔ حبیب بن مسلمہ ۔ زمل ابن عمرو عذری ۔ حمزہ بن مالک ہمدانی ۔ عبدالرحمٰن بن خالد مخزومی ۔ سبیع بن یزید انصاری ۔ عتبہ بن ابو سفیان ۔ یزید بن الحر عبسی کے دستخط ہوئے ۔ جب دونوں نقلیں مکمل ہوگئیں تو ایک ابو موسیٰ اشعریؓ کو دی گئی ۔ اور دوسری عمرو بن العاصؓ کو سپرد کی گئی ۔ حضرت علیؓ کی طرف سے جن لوگوں نے بطور ضامن دستخط کئے اُن میں مالک اشتر سے دستخط کے لئے کہا گیا ۔ لیکن اس نے دستخط کرنے سے صاف انکار کیا ۔ اشعث بن قیس نے اصرار کیا تو دونوں میں سخت کلامی تک نوبت پہنچی ، مگر کوئی فساد نہ ہونے پایا ۔ اقرار نامہ کے مکمل اور دوسری متعلقہ باتوں کے طے ہونے میں چار دن صرف ہوگئے ۔ ۱۳ ماہ صفر کو اقرار نامے حکمین کو سپرد کئے گئے اور دونوں لشکر میدان صفین سے سفر کی تیاری کرکے کوفہ اور دمشق کی جانب روانہ ہوئے ۔ امیر معاویہؓ کوچ و مقام کرتے ہوئے بخیریت دمشق پہنچ گئے ۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے اسی وقت سے ایک اور نئے فتنے کا دروازہ کھل گیا ؛

فتنۂ خوارج حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب ۱۳ ماہ صفر ۳۷ھ کو میدانِ صفین سے کوفہ کی طرف واپسی کا قصد کیا تو کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ واپسی کا ارادہ فسخ کردیں اور شامیوں پر حملہ آور ہوں ۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں اقرار نامہ لکھنے کے بعد کیسے بدعہدی کرسکتا ہوں اب ہم کو ماہِ رمضان تک انتظار کرنا اور صلح کے بعد جنگ کا خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہیے ۔ یہ سُن کر وہ لوگ آپ کے پاس سے چلے گئے ۔ لیکن الگ ہوکر اپنے ہم خیال لوگوں کو ترغیب دی کہ حضرت علیؓ سے جُدا ہوکر اپنی راہ الگ اختیار کرنی چاہیے ۔ چنانچہ حضرت علیؓ جب لشکر کو کوفہ کوچ کر روانہ ہوئے تو راستہ بھر لشکرِ علیؓ میں ایک ہنگامہ اور تُو تُو مَیں مَیں برپا تھی ۔ کوئی کہتا تھا ۔ کہ پنچایت کا مقرر ہونا اچھا ہوا ۔ کوئی کہتا تھا بُرا ہوا ۔ کوئی کہتا تھا اس معاملہ میں پنچایت کا مقرر ہونا شرعاً جائز ہے ۔ کوئی جواب دیتا تھا ۔ کہ خدائے تعالیٰ نے زوجین کے معاملہ میں حکمین کے تقرر کا حکم دیا ہے ۔ کوئی کہتا تھا ۔ کہ اس معاملہ کو زوجین کے معاملہ سے تشبیہہ دینا غلطی ہے ۔ یہ ہم کو خود اپنی قوتِ بازو سے طے کرنا چاہیئے تھا ۔

کبھی کوئی یہ اعتراض کرتا تھا۔ کہ حکمین کا عادل ہونا ضروری ہے اگر وہ عادل نہیں ہیں تو اُن کو حکم کیوں تسلیم کیا۔ پھر کوئی کہتا تھا۔ کہ حضرت علیؓ نے جنگ کے ملتوی کرنے اور اشتر کے واپس بلانے کا جو حکم دیا وہ ناجائز تھا۔ اس کو ہرگز نہیں ماننا چاہیے تھا۔ اس کے جواب میں دوسرا کہتا تھا کہ ہم نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ اُن کا ہر ایک حکم ماننا میرا فرض ہے۔ یہ سن کر تیسرا فوراً بول اٹھتا تھا کہ ہم ہرگز اُن کا کوئی نا منا سب حکم نہ مانیں گے ہم مختار ہیں عقل و فہم رکھتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ہمارے لئے کافی ہے اس کے سوا ہم اور کسی کی اطاعت کا جوا اپنی گردن پر نہیں رکھ سکتے۔ یہ سن کر کچھ لوگ کہنے لگتے تھے کہ ہم ہر حالت میں علیؓ کے ساتھ ہیں اور اُن کی اطاعت کو فرض اور عینِ شریعت سمجھتے اور اُن کی نافرمانی کو کفر جانتے ہیں۔ یہ باتیں بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہر منزل پر آپس میں گالی گلوج اور مار پیٹ تک نوبت پہنچی جاتی تھی۔ لشکر کی اس ابتر حالت کو اصلاح پر لانے اور لوگوں کو سمجھانے کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہر چند کوشش فرماتے تھے مگر جلتی ہوئی آگ پر پھوس اور تیل ڈالنے والے لوگ بھی چونکہ لشکر میں موجود تھے۔ لہٰذا حضرت علیؓ کی کوششیں حسبِ منشا، نتائج پیدا نہ کر سکیں۔ وہ لشکر، جو کوفہ سے صفین تک جاتے ہوئے بالکل متفق اور یک دل نظر آتا تھا۔ اب صفین سے کوفہ کو واپس ہوتے ہوئے اُس کی عجیب و غریب حالت تھی۔ تشتت و افتراق کا اس میں ایک طوفان موج زن تھا اور اختلاف آراء نے مخالفت و عداوت کی شکل اختیار کر کے فوج کے ضبط و نظام کو بالکل درہم برہم کر دیا تھا۔ بیسیوں گروہ تھے۔ جو بالکل الگ الگ خیالات و عقائد کا اظہار کر رہے تھے اور ایک دوسرے کو بُرا کہنے، طعن و تشنیع کرنے۔ چابک رسید کر دینے اور شمشیر و خنجر کی زبان سے جواب دینے میں تامل نہ کرتے تھے۔

لیکن ان میں دو گروہ زیادہ اہمیت رکھتے اور اپنی تعداد اور جوش و خروش کے اعتبار سے خصوصی طور پر قابل توجہ تھے۔ ایک وہ جو حضرت علیؓ کو ملزم ٹھہراتے اور اُن کی اطاعت و فرماں برداری کو مطلق ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اور دوسرے وہ جو پہلے گروہ کی ضد میں حضرت علیؓ کو معصوم عن الخطا کہتے اور اُن کی اطاعت و فرماں برداری کو خدا و رسولؐ کی فرماں برداری پر بھی ترجیح دینے کے لئے تیار تھے۔ پہلا گروہ خوارج اور دوسرا شیعانِ علیؓ کے نام سے مشہور ہوا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ خوارج کے گروہ میں وہی لوگ امام اور لیڈر تھے۔ جنھوں نے

حضرت علیؓ کو مجبور کیا تھا اور کہا تھا کہ جلد اشترؔ کو واپس بلایئے اور لڑائی کو ختم کیجئے ورنہ ہم آپ کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو عثمانِ غنیؓ کے ساتھ کیا تھا۔ حضرت علیؓ بار بار اُن لوگوں کو یاد دلاتے تھے کہ تم ہی لوگوں نے میرے منشار کے خلاف لڑائی کو بند کرایا اور صلح کو پسند کیا۔ اب تم ہی صلح کو ناپسند کرتے اور مجھ کو ملزم ٹھہراتے ہو مگر اُن کی اس بات کو کوئی نہیں سنتا تھا۔ آخر نوبت بایں جا رسید کہ کوفہ کے قریب پہنچ کر بارہ ہزار آدمی حضرت علیؓ کے لشکر سے جُدا ہو کر مقام حروراء کی طرف چل دیئے۔

یہ خوارج کا گروہ تھا۔ اس نے حروراء میں جا کر قیام کیا اور وہاں عبداللہ بن الکواء کو اپنی نمازوں کا امام شبث بن ربعی کو سپہ سالار مقرر کیا۔ یہ وہی شبث بن ربعی ہیں۔ جن کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے میدان صفین کے زمانۂ قیام میں دو مرتبہ سفارتی وفد میں شامل کر کے امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا تھا اور دونوں مرتبہ انھیں کی سخت کلامی امیر معاویہؓ سے ہوئی اور دونوں سفارتیں صلح کی کوشش میں ناکام رہیں۔ اس گروہ نے حروراء میں اپنا نظام درست کر کے اعلان کر دیا کہ

"بیعت صرف خدائے تعالیٰ کی ہے۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی موافق نیک کاموں کے لئے حکم دینا، بُرے کاموں سے منع کرنا ہمارا فرض ہے۔ کوئی خلیفہ اور کوئی امیر نہیں ہے۔ فتح حاصل ہونے کے بعد سارے کام تمام مسلمانوں کے مشورے اور کثرت رائے سے انجام دیا جایا کریں گے امیر معاویہؓ اور علیؓ دونوں یکساں اور خطا کار ہیں"

خوارج کی ان حرکات کا حال معلوم کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے نہایت ضبط و تحمل اور درگذر سے کام لیا۔ کوفہ میں داخل ہو کر اول اُن لوگوں کے اہل و عیال کو جو صفین میں مارے گئے تھے تسکین و تشفی دی اور کہا کہ جو لوگ میدانِ صفین میں مارے گئے ہیں وہ سب شہید ہوئے ہیں۔ پھر آپ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خوارج کے پاس بھیجا کہ اُن کو سمجھائیں اور راہِ راست پر لائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اُن کے لشکر گاہ میں پہنچ کر اُن کو سمجھانا چاہا۔ مگر وہ بحث و مباحثہ کے لئے بھی تیار تھے۔ انھوں نے عبداللہ بن عباسؓ کی باتوں کو رد کرنا شروع کیا۔

اس طرح عبداللہ بن عباسؓ سے اُن کا مباحثہ جاری تھا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ

کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حضرت علیؓ نے بصرہ کی طرف رخصت کر دیا۔ کیونکہ وہ بصرہ کے گورنر تھے اور اُن کو اب بصرہ میں پہنچ کر وہاں کے انتظامات کو درست کرنا تھا۔

مقام اذرح میں حکمین کے فیصلے کا اعلان

جب چھ مہینے کی مہلت ختم ہونے کو آئی تو حضرت علیؓ نے بصرہ سے عبداللہ بن عباسؓ کو بُلایا اور شریح بن ہانی الحارثی کو چار سو آدمیوں کی سرداری پر اور عبداللہ بن عباسؓ کو نمازوں کی امامت پر مقرر فرما کر ابو موسیٰ اشعریؓ کے ہمراہ مقام اذرح کی طرف روانہ کیا۔ اور شریح بن ہانی کو سمجھا دیا کہ جب اذرح میں عمرو بن العاصؓ سے ملاقات ہو تو کہہ دینا۔ کہ راستی اور صداقت کو ترک نہ کیجئے اور قیامت کے دن کو یاد رکھیئے۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ نے بھی عمرو بن العاصؓ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ اس فیصلے کے سُننے اور مقام اذرح کی مجلس میں شریک ہونے کے لئے مکہ اور مدینہ سے بھی بعض بااثر بزرگوں کو تکلیف دی گئی۔ اور انھوں نے مسلمانوں کا اختلاف باہمی رفع کرنے کی کوشش میں شریک ہونے سے انکار نہ کیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ اور سعد بن وقاصؓ وغیرہ کئی حضرات تشریف لے آئے۔ اذرح میں جمع ہونے کے بعد لوگوں کو سخت انتظار تھا کہ کیا فیصلہ سُنایا جاتا ہے۔ لیکن مقام اذرح میں حکمین نے جاتے ہی فیصلہ نہیں سُنایا۔ بلکہ وہاں آپس میں حکمین کو خود بھی ایک دوسرے سے تبادلۂ خیالات کرنا تھا۔ مکہ اور مدینہ کے بزرگوں کا انتظار بھی ضروری تھا۔

جس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ابو موسیٰ اشعریؓ کو کوفہ سے اذرح کی طرف روانہ کرنے لگے تھے تو خوارج کی طرف سے حرقوص بن زہیر نے آکر حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ آپ نے ثالثی کے فیصلے کو تسلیم کرنے میں بڑی غلطی کی ہے۔ اب بھی آپ باز آجایئے اور دشمنوں کی طرف لڑائی کے ارادے سے کوچ کیجئے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ کہ میں اقرار نامہ کے خلاف بد عہدی پر آمادہ نہیں ہوسکتا یہ وہی حرقوص بن زہیر ہے جو حضرت عثمان غنیؓ کے واقعہ قتل کے ہنگامہ میں بلوائیوں کا خاص الخاص سردار تھا۔ اور اب خارجیوں کے گروہ میں بھی سرداری کا مرتبہ رکھتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کی روانگی کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہٗ جلد جلد اور روزانہ خطوط روانہ

کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ بھی عمرو بن العاصؓ کے پاس روزانہ بذریعہ قاصد خطوط اور پیغامات بھیجتے رہتے تھے۔ یہ معاملہ ہی ایسا تھا۔ کہ دونوں صاحبوں کو اس کا خاص خیال ہونا چاہیئے تھا۔ حضرت علیؓ کے خطوط عبداللہ بن عباسؓ کے نام آتے تھے اور امیر معاویہؓ کے خطوط عمرو بن العاصؓ کے نام۔ عمرو بن العاصؓ کے ہمراہیوں میں ضبط ونظام اعلیٰ درجہ کا تھا۔ وہ سب کے سب عمرو بن العاصؓ کے فرماں بردار تھے اور اُن میں سے کسی کو بھی اس کا خیال تک نہ آتا تھا۔ کہ عمرو بن العاصؓ سے یہ دریافت کریں کہ امیر معاویہؓ نے آپ کو کیا لکھا ہے لیکن حضرت علیؓ کے بھیجے ہوئے چارسو آدمیوں کی حالت اِس کے بالکل خلاف تھی۔ وہ روزانہ حضرت علیؓ کا خط آنے پر عبداللہ بن عباسؓ کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ ہر شخص پوچھتا تھا کہ حضرت علیؓ نے کیا لکھا ہے۔ اس طرح کوئی بھی بات صیغۂ راز میں نہیں رہ سکتی تھی۔ اور فوراً اُس کی شہرت ہو جاتی تھی۔ عبداللہ بن عباسؓ سخت مصیبت میں گرفتار تھے۔ بعض باتوں کو وہ پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے اور بیان کرنے میں تامل کرتے تھے تو لوگ اُن سے ناراض ہوتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن عباسؓ سے اُن کے تمام ہمراہی ناخوش ہوگئے۔ اور علانیہ اُن کی شکایتیں کرنے لگے۔ کہ یہ علیؓ کے خطوط کو چھپاتے ہیں۔ اور باتیں ہم کو نہیں سُناتے۔

غرض عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ عبدالرحمٰن بن الحرثؓ۔ عبدالرحمٰن بن عبدیغوث زہریؓ۔ ابوجہم بن حذیفہؓ۔ مغیرہ بن شعبہؓ۔ سعد بن وقاصؓ وغیرہم حضرات جب سب اذرح میں پہنچ گئے تو ان خاص الخاص اور نامور حضرات کی ایک محدود مجلس منعقد ہوئی اور اس میں ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ بھی تشریف لائے۔ اس صحبتِ خاص میں عمرو بن العاصؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کی گفتگو شروع ہوئی۔ عمرو بن العاصؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے اول اس بات کا اقرار کرایا کہ عثمان غنیؓ مظلوم قتل کئے گئے۔ پھر اس بات کا بھی اقرار کرایا کہ معاویہؓ ہم جد ہونے کی حیثیت سے عثمانؓ کے خون کا دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہیں۔ یہ دونوں باتیں ایسی تھیں کہ ابوموسیٰؓ نے کبھی ان کے خلاف اپنی رائے ظاہر نہیں کی تھی۔ اِن کے تسلیم کرنے میں اِن کو کوئی تامل نہ ہوا۔

پھر عمرو بن العاصؓ نے مسئلہ خلافت کو چھیڑا اور کہا کہ امیر معاویہؓ قریش کے ایک شریف اور نامور خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلعم کی زوجۂ مطہرہ اُم حبیبہؓ کے

بھائی ہیں۔ صحابی بھی ہیں اور کاتبِ وحی بھی۔ ان باتوں کو سُن کر ابو موسیٰؓ نے مخالفت کی اور کہا کہ امیر معاویہؓ کی ان خصوصیات سے مجھ کو انکار نہیں۔ لیکن اُمتِ مرحوم کی امارت اُن کو حضرت علیؓ یا دوسرے محترم حضرات کی موجودگی میں کیسے سپرد کی جا سکتی ہے یہ باتیں حضرت علیؓ میں فائق تر موجود ہیں یعنی وہ رشتہ میں آنحضرت صلعم سے بہت ہی قریب ہیں۔ شریف خاندان سے تعلق رکھتے اور سردارانِ قریش میں سے شمار ہوتے ہیں۔ علم شجاعت تقویٰ وغیرہ صفات میں بھی وہ خاص طور پر ممتاز ہیں۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ امیر معاویہؓ میں انتظامی قابلیت اور سیاست دانی زیادہ ہے۔ ابو موسیٰؓ نے کہا تقویٰ اور ایمان داری کے مقابلہ میں یہ چیز قابل لحاظ نہیں غرض اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ آخر ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ میری تو رائے یہ ہے کہ معاویہؓ اور علیؓ دونوں کو معزول کر کے عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ عبداللہ بن عمرؓ اُس وقت آنکھیں بند کئے ہوئے اپنے کسی خیال میں محو بیٹھے تھے انھوں نے اپنا نام سُن کر اور آنکھیں کھول کر بلند آواز سے کہا کہ مجھ کو منظور نہیں ہے۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ تم میرے بیٹے عبداللہ کو کیوں منتخب نہیں فرماتے۔

ابو موسیٰؓ نے کہا کہ ہاں تیرا بیٹا عبداللہ بھی بہت نیک ہے لیکن تو نے اُس کو اِس لڑائی میں شریک کر کے فتنہ میں ڈال دیا ہے۔ جب دیر تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا اور کوئی ایسی بات طے نہ ہوئی جس پر دونوں متفق ہو جاتے تو عمرو بن العاصؓ نے اپنی یہ رائے پیش کی کہ معاویہؓ اور علیؓ دونوں کی مخالفت اور جنگ سے تمام مسلمان مصیبت اور فتنہ میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ان دونوں کو ہم معزول کر دیں اور مسلمانوں کو اختیار دیں کہ وہ کثرت رائے یا اتفاق رائے سے کسی کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیں۔ عمرو بن العاصؓ نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور تجویز ہوا۔ کہ ابھی باہر چل کر جلسۂ عام میں اس کا اعلان کر دیں۔ اگرچہ دونوں صاحب اس رائے پر متفق ہو گئے۔ لیکن یہ رائے بھی خطرے اور اندیشے سے خالی نہ تھی۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی معزولی کو ہرگز تسلیم نہیں فرما سکتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ بھی مُلک شام کی پوری حمایت اور بعض صحابہ کرام کو اپنا معاون رکھتے ہوئے اس فیصلے کو رضا مندی اور خوشی کے ساتھ نہیں سُن سکتے تھے۔ بہر حال باقاعدہ طور پر مجمع عام کا اعلان ہوا۔ تمام آدمی جو فیصلے کے لئے گوش بر آواز و چشم براہ تھے فوراً جمع ہو گئے۔ منبر لا کر رکھا گیا۔ اور دونوں پنچ معہ دیگر باا‌ثر حضرات کے وہاں آئے۔

فیصلہ

عمرو بن العاصؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ اعلان کر دیجئے اور فیصلہ جو ہو چکا ہے لوگوں کو سُنا دیجئے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا، کہ

"لوگو! ہم دونوں نے بہت غور کیا۔ لیکن سوائے ایک بات کے ہم اور کسی تجویز پر متفق نہ ہو سکے۔ اب میں تم کو اپنا وہی متفقہ فیصلہ سُناتا ہوں اور اُمید ہے کہ اسی تجویز پر عمل کرنے سے مسلمانوں کی نااتفاقی دُور ہو کر اُن میں صُلح قائم ہو جائے گی وہ فیصلہ جس پر میں اور عمرو بن العاصؓ دونوں متفق ہیں یہ ہے کہ اس وقت علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرتے ہیں۔ اور تم لوگوں کو اختیار دیتے ہیں کہ تم اپنے اتفاق رائے سے جس کو چاہو خلیفہ منتخب کر لو"۔

مجمع نے اس تقریر کو سُنا اور ابو موسیٰؓ منبر سے اُتر آئے۔ اِس کے بعد عمرو بن العاصؓ منبر پر چڑھے اور انھوں نے لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا، کہ

"آپ حضرات گواہ رہیں کہ ابو موسیٰؓ نے اپنے دوست حضرت علیؓ کو معزول کر دیا۔ میں بھی اُن کی اِس بات سے متفق ہوں اور حضرت علیؓ کو معزول کرتا ہوں۔ لیکن معاویہؓ کو میں معزول نہیں کرتا بلکہ بحال رکھتا ہوں۔ کیونکہ وہ مظلوم شہید ہونے والے خلیفہ کے ولی اور اُن کی قائم مقامی کے مستحق ہیں"۔

اگر حضرت عمرو بن العاصؓ ابو موسیٰ اشعریؓ کی رائے کی تمام و کمال تائید کرتے اور امیر معاویہؓ کی حمایت میں کچھ نہ فرماتے تو حکمین کے فیصلہ کی وہ بے حرمتی جو بعد میں ہوئی ہرگز نہ ہوتی۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے جو کچھ فرمایا۔ اُس میں بھی گو کمزوری اور غلطی موجود ہو لیکن کم از کم بددیانتی اور خیانت کا شائبہ اُس میں نہ تھا۔ اس سے اُس آٹھ سو مسلمانوں کے مجمع کو بھی غالباً کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ کیونکہ کسی ایک خلیفہ کے انتخاب کا حکمین کی طرف سے انھیں آٹھ سو آدمیوں کو دیا گیا تھا۔ مگر جو کچھ بعد میں ہُوا یہ سب کچھ پھر بھی ہونے والا تھا۔ اور ممکن تھا کہ اس سے بھی زیادہ خرابیاں مسلمانوں کے لئے پیدا ہوتیں کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

اپنی معزولی کو تسلیم کرنے سے یقیناً انکار فرماتے۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ بھی ملک شام کی حکومت اور اپنے مطالبات سے دست بردار نہ ہوتے۔ اور ایک تیسرا خلیفہ یا امیر جس کو یہ مجمع منتخب کرتا، حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو سکتا تھا۔ اس طرح بجائے دو رقیبوں کے تین شخص پیدا ہو جاتے اور مسلمانوں کی تباہی و خوں ریزی اور بھی ترقی کر جاتی۔

بات دراصل یہ ہے کہ امیر معاویہؓ مصالحت پر آمادہ نہ تھے اگرچہ وہ مصالحت کے خواہاں ہوتے تو جنگِ صفین میں بڑی لڑائی شروع ہونے سے پیشتر جب کہ حضرت علیؓ کی طرف سے مصالحت کی کوشش کی گئی تھی وہ صلح کی یہی صورت یعنی طرفین سے ایک ایک حَکَم مقرر کرنے کی درخواست پیش کر سکتے تھے لیکن اُنھوں نے یہ خواہش اُس وقت پیش کی جب کہ اُن کو اپنی شکست کا یقین ہونے لگا تھا لہٰذا اُن کی طرف سے پنچوں کے تقرر کی خواہش کا پیش ہونا۔ اور ھٰذا کتاب اللہ بیننا و بینکم کا اعلان کرنا مصیبت کو دور کرنے اور شکست سے بچنے کے لئے ایک جنگی تدبیر اور خدعۂ حرب کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پنچایت کی تجویز کو بطیب خاطر نہیں مانا تھا۔ وہ تو اس کے خلاف تھے مگر لوگوں نے اُن کو مجبور کر کے اور دھمکیاں دے کر اشتر کو واپس بُلوایا اور لڑائی کو ختم کرایا تھا۔ لہٰذا یہ یقین کر لینا کہ اگر عمرو بن العاصؓ مجمعِ عام میں ابو موسیٰ اشعریؓ کے بیان کی حرف بحرف تائید کرتے اور دونوں حضرات کو معزول کر دیتے۔ تو دونوں اس فیصلے کو تسلیم کرتے یا نہ کرتے آسان نہیں ہے۔ بہر حال دونوں صاحبوں نے مجمع کے سامنے وہ تقریریں جو اوپر درج ہو چکی ہیں کیں۔ عمرو بن العاصؓ کی تقریر سُن کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دوسرے حضرات نے ابو موسیٰؓ کو ملامت کرنا شروع کیا۔ کہ تم فریب کھا گئے۔ ابو موسیٰؓ نے عمرو بن العاصؓ کو سخت سُست کہا کہ تم نے قرارداد باہمی کے خلاف اظہار رائے کیا اور مجھ کو دھوکا دیا۔ غرض فوراً مجلس کا سکون درہم برہم ہو کر بدنظمی کی کیفیت پیدا ہو گئی۔

شریح بن ہانی نے عمرو بن العاصؓ پر تلوار کا وار کیا۔ عمرو بن العاصؓ نے بھی اپنے آپ کو بچا کر شریح پر جوابی وار کیا۔ لوگ درمیان میں آ گئے۔ اور لڑائی کو بڑھنے نہ دیا۔ اس مجلس میں بدنظمی اور افراتفری پیدا ہو جانے کا نتیجہ بھی امیر معاویہؓ کے لئے بہتر ہوا۔ حضرت

علیؓ کے لئے مضر ثابت ہوا۔ کیونکہ اب شامی و عراقی دونوں گروہوں کا ایک جگہ رہنا دونوں طرف کے سرداروں کی نگاہ میں مضر تھا۔ لہٰذا نہ اُن آٹھ سو مسلمانوں کی جمعیت اب کوئی تجویز اتفاق رائے سے پاس کر سکتی تھی نہ اکابر صحابہ۔ ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ بھی وہاں سے اپنی جمعیت کو ہمراہ لے کر فوراً دمشق کی جانب روانہ ہو گئے۔ شریح اور عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کوفہ کی جانب کوچ کیا۔ مکہ اور مدینہ سے جو چند حضرات یہاں آئے تھے وہ بھی متاسف حالت میں اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ غرض تھوڑی ہی دیر میں اذرح کی انجمن درہم برہم ہو کر چڑیاں سی اُڑ گئیں۔

شامی لوگ عمرو بن العاصؓ کے ہمراہ خوشی خوشی دمشق کو جا رہے تھے اور انھوں نے حضرت امیر معاویہؓ کو امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کہنا شروع کر دیا تھا۔ دمشق میں پہنچ کر شامیوں نے امیر معاویہؓ کو کامیابی کی خوش خبری سُنائی اور اُن کے ہاتھ پر سب نے بیعت کی۔ عراقی جمعیت جو عبداللہ بن عباس اور شریح بن ہانی کے ہمراہ کوفہ کو جا رہی تھی اس کی حالت شامیوں کے خلاف تھی۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کو بُرا کہتے اور جھگڑتے تھے۔ کوئی ابو موسیٰؓ کو ملزم ٹھہراتا اور بُرا کہتا۔ کوئی ابو موسیٰؓ کی تائید کرتا اور بے خطا ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ کوئی حضرت علیؓ کو بُرا کہتا اور حکمین کے تقرر پر رضامندی ظاہر کرنے کے فعل کو غلطی بتاتا اور کوئی اس رائے کی مخالفت کر کے عمرو بن العاصؓ کو گالیاں دیتا تھا۔ غرض ان چار سو آدمیوں کی بالکل وہی حالت تھی۔ جو صفین سے کوفہ کی طرف جاتے ہوئے حضرت علیؓ کے لشکر کی تھی۔ کوفہ میں پہنچ کر عبداللہ بن عباسؓ نے تمام روئداد حضرت علیؓ کو سنائی اور اُنھوں نے ابو موسیٰؓ اور عمرو بن العاصؓ دونوں کے فیصلے کو قرآن مجید کے خلاف بتا کر اس کے ماننے سے قطعاً انکار کیا۔ اور معاویہؓ۔ عمرو بن العاصؓ حبیب بن مسلمہ۔ عبدالرحمٰن بن مخلد ضحاک بن قیس۔ ولید۔ ابوالاعور کے لئے بددُعا کی اور اُن پر لعنت بھیجی۔ اس لعنت اور بددُعا کا حال امیر معاویہؓ کو معلوم ہوا۔ تو انھوں نے بھی حضرت علیؓ کی شان میں اسی قسم کی بددُعا کی۔ اور اُسی وقت سے ایک دوسرے پر لعنت کرنے کا سلسلہ جاری ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ؕ

مقام اذرح کی کارروائی سے امیر معاویہؓ کو صرف اس قدر فائدہ پہنچا کہ جو لوگ ان کے ساتھ شامل تھے۔ پہلے وہ ان کو امیر المومنین اور مسلمانوں کا خلیفہ نہیں کہتے تھے۔

اب وہ علانیہ اُن کو امیر المومنین کہنے لگے۔ مگر کوئی نئی جماعت محض اذرح کی کارروائی کی بنا پر اُن کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہوئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے پہلے ہی سے دوگونہ مشکل تھی اب وہ سہ گونہ ہوگئی۔ امیر معاویہؓ اور شامیوں کو زیر کرنا اور خارجیوں کو قابو میں رکھنا یہ کام تو پہلے ہی سے درپیش تھے۔ اب تیسری مصیبت یہ پیش آئی کہ خود اپنے دوستوں اور معتقدوں کو یہ سمجھانا پڑتا تھا کہ حکمین نے چونکہ آپس میں بھی اختلاف کیا ہے لہٰذا اُن کا کوئی فیصلہ نہیں مانا جا سکتا دوسرے یہ کہ حکمین کو قرآن مجید نے یہ اختیار نہیں دیا تھا۔ کہ وہ خدا و رسولؐ کے حکم کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی تائید کریں۔ اور حق و راستی سے جدا ہو جائیں۔ چند روز تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اہل کوفہ کو یہی بات سمجھائی کہ حکمین کا فیصلہ ہرگز قابل تسلیم نہیں ہے اور ہم کو اہل شام پر چڑھائی کرنی چاہیئے۔ جب یہ حقیقت لوگوں کی سمجھ میں آگئی اور وہ حضرت علیؓ کے ساتھ شام پر چڑھائی کرنے کے لئے آمادہ ہونے لگے۔ تو گروہِ خوارج نے بھی جو کوفہ میں کافی تعداد کے ساتھ موجود تھا کروٹ لی ؛

خوارج کی شورش } اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ حکمین کا فیصلہ سننے کے لئے چار سَو آدمی مقام اذرح کی طرف بھیجنے لگے تھے تو حرقوص بن زہیر نے کہا تھا۔ کہ آپ اب بھی اپنی پنچایت کی کارروائی میں حصّہ نہ لیں اور مُلک شام پر چڑھائی کریں۔ لیکن حضرت علیؓ نے اس بات کے ماننے سے صاف انکار فرما دیا تھا اور کہا تھا۔ کہ ہم بدعہدی نہیں کر سکتے اور اپنے تحریری اقرار نامہ سے نہیں پھر سکتے۔ اب حرقوص اور تمام خوارج نے جب دیکھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پنچایت اور پنچوں کے فیصلے کو بے حقیقت اور ناقابلِ التفات ثابت کر کے لوگوں کو ملکِ شام پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ تو زرعہ بن البرج اور حرقوص بن زہیر دونوں خارجی سردار حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ نے ہمارے صحیح مشورہ کو پہلے حقارت سے رد کر دیا۔ اور اب آپ کو وہی کام کرنا پڑا جس کے لئے ہم کہتے تھے۔ پنچایت کے تسلیم کرنے میں آپ نے غلطی کی تھی۔ لیکن آپ نے اس غلطی کو تسلیم نہیں کیا۔ حالانکہ اب آپ پنچایت کو بے حقیقت بتاتے اور مُلک شام پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پس ہم اب آپ کا ساتھ اُس وقت دیں گے جب آپ اپنی غلطی اور گناہ کا اقرار کر کے اُس سے توبہ کریں گے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ پنچایت کے تسلیم کرنے اور حکم مقرر کرنے میں تم ہی لوگوں نے

تو مجھ کو مجبور کیا تھا۔ ورنہ لڑائی کے ذریعہ اسی وقت فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ یہ کیسی اُلٹی بات ہے کہ اب مجھ کو خطا کار ٹھہراتے اور مجھ سے توبہ کراتے ہو۔ اُنھوں نے کہا کہ اچھا ہم تسلیم کئے لیتے ہیں کہ ہم نے بھی گناہ کیا۔ لہٰذا ہم بھی توبہ کرتے ہیں۔ آپ بھی اپنے گناہ کا اقرار کرکے توبہ کریں پھر شامیوں سے لڑنے چلیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب میں گناہ ہی تسلیم نہیں کرتا تو توبہ کیسے کروں۔ یہ سُن کر وہ دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے اور لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ کہتے ہوئے اپنی قیام گاہوں کی طرف چلے گئے۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ مسجد کوفہ میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو مسجد کے ایک گوشہ سے ایک خارجی نے بلند آواز سے کہا کہ لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ دیکھو یہ لوگ کلمۂ حق سے باطل کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے پھر خطبہ شروع کیا تو یہی آواز آئی لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم لوگ ہمارے ساتھ بہت ہی نامناسب برتاؤ کر رہے ہو۔ ہم تم کو مسجدوں میں آنے سے منع نہیں کرتے۔ جب تک تم ہمارے ساتھ رہے ہم نے مال غنیمت میں بھی تم کو برابر حصّہ دیا۔ اور ہم تمھارے ساتھ اُس وقت تک نہ لڑیں گے جب تک کہ تم ہم سے نہ لڑو۔ اور ہم اب تمھاری بابت اللہ کے حکم کو دیکھیں گے کہ وہ کیا فیصلہ کرتا ہے۔ یہ فرما کر حضرت علیؓ مسجد سے نکل کر مکان کی طرف تشریف لے گئے۔ اُن کے بعد خارجی لوگ بھی عبداللہ بن وہب کے مکان پر بغرض مشورت جمع ہوئے۔ عبداللہ بن وہب۔ حرقوص بن زہیر۔ حمزہ بن سنان۔ زید بن حصین الطائی۔ شریح بن اوفی عبسی وغیرہ کی یہی رائے قرار پائی کہ بصرہ سے نکل کر پہاڑی مقامات کو قرارگاہ بنانا اور حضرت علیؓ کی حکومت سے آزاد ہو کر اپنی الگ حکومت قائم کرنا چاہیے۔ حمزہ بن سنان اسدی نے کہا کہ روانگی سے پہلے ہم کو چاہیئے کہ کسی ایک شخص کو امیر بنالیں اور اُس کے ہاتھ میں اپنا جھنڈا دیں۔

اس کام کے لئے اگلے دن شریح کے مکان پر پھر مجلس منعقد ہوئی۔ اس مجلس میں عبداللہ بن وہب کو خوارج نے اپنا امیر بنایا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ عبداللہ بن وہب نے کہا کہ ہم کو یہاں سے اب کسی ایسے شہر کی جانب چلنا چاہیے جہاں ہم خدا کے حکم کو جاری کرسکیں کیونکہ ہم اہلِ حق ہیں۔ شریح نے کہا کہ ہم کو مدائن کی طرف جانا چاہیے کیونکہ اُس پر ہمارا قبضہ بڑی آسانی سے ہو جائے گا اور وہاں کی تھوڑی سی فوج کو ہم بآسانی مغلوب کرسکیں گے وہیں ہم اپنے اُن بھائیوں کو بلوالیں گے جو بصرہ میں موجود ہیں۔ زید بن حصین نے کہا کہ اگر

ہم سب کے سب مجتمع ہو کر نکلے تو عجب نہیں ہمارا تعاقب کیا جائے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ دو دو چار چار دس دس کی ٹولیوں میں یہاں سے نکلیں۔ اور اوّل مدائن نہیں بلکہ جز نہروان کی جانب چلیں اور وہیں اپنے بھائیوں کو خط بھیج کر بصرہ سے بُلوالیں۔ اسی آخری رائے کو سب نے پسند کیا۔ قرارداد کی موافق یہ لوگ متفرق طور پر چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں کوفے سے نکلے۔ کوفے سے نکل کر انھوں نے خوارجِ بصرہ کو لکھا کہ تم بھی بصرے سے نکلو اور ہم سے نہروان میں آملو۔ بصرہ سے مشعر بن فدکی تیمی پانسو خوارج کی جمعیت لے کر نکلا۔ جب کوفے میں حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ خوارج کی جمعیت کثیر کوفے سے نکل کر مدائن کی طرف روانہ ہوئی ہے تو انھوں نے مدائن کے عامل سعد بن مسعود کے پاس تیز رو ایلچی بھیجا کہ خوارج کی روک تھام کریں اور ان سے غافل نہ رہیں۔ سعد بن مسعود نے اپنے بھتیجے کو اپنا قائم مقام بنا کر مدائن میں چھوڑا اور خود فوج لے کر خوارج کے روکنے کو روانہ ہوئے۔ راستے میں خوارج کی ایک جمعیت سے مقام کرج میں مقابلہ ہوا۔ شام تک لڑائی رہی۔ رات کی تاریکی میں خوارج دجلہ کو عبور کر گئے۔ اس کے بعد بصرے کے خوارج پہنچ گئے۔ اُن سے بھی مقابلہ و مقاتلہ ہوا۔ وہ بھی دجلہ کو عبور کر گئے اور مقام نہروان میں اپنے بھائیوں سے جا ملنے میں کامیاب ہو گئے۔ نہروان میں خوارج نے اپنی جمعیت کو خوب مضبوط اور منظم کر لیا۔ اور حضرت علیؓ اور اُن کے تابعین پر کفر کا فتویٰ لگا کر اُن لوگوں کو جو حضرت علیؓ کو حق پر تسلیم کرتے تھے۔ قتل کرنا شروع کیا۔ اُن کی جمعیت روز بروز ترقی کرتی گئی۔ یہاں تک کہ پچیس ہزار تک نوبت پہنچ گئی۔

جنگ نہروان حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خوارج کے کوفے سے خارج ہونے کے بعد اہلِ کوفہ کو جنگ شام کے لیے ترغیب دی۔ اُنھوں نے یہی مقدم سمجھا تھا۔ کہ امیر معاویہؓ کو مُلکِ شام سے بے دخل کیا جائے۔ خوارج کے فتنہ کو وہ زیادہ اہم اور شام کی مہم پر مقدم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے بصرہ کی جانب عبداللہ بن عباسؓ کے پاس خط بھیجا کہ جنگ شام کے لئے جس قدر فوج ممکن ہو روانہ کرو۔ بصرہ سے بھی خوارج چونکہ خارج ہو چکے تھے۔ لہٰذا اُن کے اس اخراج کو غنیمت سمجھا گیا کہ نہ یہ لوگ شہر میں ہوں گے نہ فساد برپا کریں گے۔ بصرے میں اس وقت ساٹھ ہزار جنگجو موجود تھے۔ لیکن جب عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت علیؓ کا خط لوگوں کو سُنایا اور شام پر حملہ آور ہونے کے لیے ترغیب دی تو بڑی مشکل سے صرف تین ہزار ایک سو آدمی جانے کے لئے تیار ہوئے۔ باقی سب نے اس کان سُنا اور اُس کان اُڑا دیا کوفے میں بھی لوگوں پر سرد مہری چھائی ہوئی تھی۔ جب بصرہ کی یہ تین ہزار فوج جارِیہ بن قدامہ کی سرداری میں کوفے پہنچی۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ

نے اہل کوفہ کو جمع کر کے خطبہ دیا اور لوگوں کو لڑائی کے لئے آمادہ کیا۔ آخر کوفے والے آمادہ ہو گئے۔ چالیس ہزار سے زیادہ لشکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جھنڈے کے تلے جمع ہو گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مناسب سمجھا کہ خوارج کو بھی ایک مرتبہ پھر اپنے ساتھ شامل ہونے کی ترغیب دیں۔ چنانچہ انھوں نے نہروان میں عبداللہ بن وہب کے پاس ایک خط بھیجا اور لکھا کہ تم لوگ شامیوں سے جنگ کرنے کے لئے ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہم اسی پہلی رائے پر اور اہلِ شام سے جنگ کرنے پر آمادہ ہیں۔ عبداللہ بن وہب نے حضرت علی کرم اللہ کا یہ خط اپنے ساتھیوں کو سُنایا اور سب کے مشورے سے جواب لکھا۔ کہ

"تم نے حکمین کا تقرر خدا ورسولؐ کے حکم کے خلاف کیا تھا۔ اور اب جو اہلِ شام سے لڑائی کا ارادہ کر رہے ہو۔ یہ بھی اپنے نفس کی خواہش سے کر رہے ہو۔ اگر تم اپنے کافر ہونے کا اقرار کرنے کے بعد توبہ کرو تو ہم تمھاری مدد کو تیار ہیں۔ نہیں تو ہم تم سے لڑنے کو آمادہ ہیں"۔

اس خط کے آنے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خوارج کی طرف سے مایوسی ہو گئی۔ مگر اُنھوں نے مُلک شام پر چڑھائی کرنے کے ارادے کو فسخ نہیں کیا۔ حضرت علیؓ کی تمام تر کوشش خوارج کو راہِ راست پر لانے میں صرف ہوئی۔ لیکن وہ کسی طرح مصالحت کی جانب نہ آئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب اُن سے یہ کہتے تھے کہ تم ہی لوگوں نے تو مجھ کو لڑائی بند کرنے کے لئے مجبور کیا تھا۔ اب تم کس منہ سے مجھ کو ملزم قرار دیتے ہو۔ تو وہ کہتے تھے۔ کہ "ہم اپنی خطا اور غلطی کو تسلیم کرتے ہیں۔ تم بھی اپنی خطا کو تسلیم کرو۔ ہم مانتے ہیں۔ کہ ہم غلطی کر کے کافر ہو گئے تھے۔ لیکن توبہ کر کے مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح تم بھی توبہ کر کے مسلمان ہو جاؤ۔ تاکہ ہم اپنا فتویٰ جو تمھارے کفر کی نسبت صادر کر چکے ہیں واپس لے لیں۔ نہیں تو ہم تم کو کافر یقین کرتے ہوئے تمھارے خلاف جہاد کریں گے"۔

ان مجنونانہ باتوں کی طرف سے چشم پوشی اختیار کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ملک شام پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہونے ہی کو تھے۔ کہ حضرت عبداللہ بن خبابؓ صحابی کے شہید ہونے کی خبر پہنچی۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن خبابؓ کسی سفر میں تھے کہ نہروان کے قریب ہو کر گذرے اور خوارج کی ایک جماعت کو معلوم ہوا کہ یہ صحابی ہیں۔ اُنھوں نے آ کر سوال کیا کہ آپ ابوبکرؓ و عمرؓ کی نسبت کیا کہتے ہیں۔ حضرت

عبداللہ بن خباب ؓ نے جواب دیا کہ وہ دونوں بہت اچھے اور خدا تعالےٰ کے برگزیدہ اور نیک بندے تھے۔ پھر خوارج نے دریافت کیا۔ آپ عثمان غنی ؓ کی خلافت کے اول اور آخر زمانے کی نسبت کیا کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ خباب ؓ نے جواب دیا کہ وہ اول سے آخر تک حق پرست اور حق پسند تھے۔ پھر خوارج نے پوچھا کہ علی ؓ کی نسبت حکمین کے مقرر کرنے سے پہلے اور حکمین کے مقرر کرنے کے بعد آپ کا کیا خیال ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ حضرت علی ؓ تم لوگوں سے زیادہ خدا و رسول ؐ کے حکم کو سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے والے ہیں۔ خوارج نے یہ سنتے ہی طیش میں آکر حضرت عبداللہ بن خباب ؓ اور اُن کی بیوی اور اُن کے ہمراہیوں کو قتل کر ڈالا۔ حضرت علی ؓ نے جب یہ خبر سُنی تو تحقیق حال کے لیے حرث بن مرہ کو روانہ کیا۔ خوارج نے اُن کو بھی مار ڈالا۔ ساتھ ہی خبر پہنچی کہ خوارج بلا دریغ ہر اُس شخص کو، جو اُن کا ہم خیال و ہم عقیدہ نہ ہو قتل کر ڈالتے ہیں۔ اب اُن لوگوں کو جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں تھے یہ فکر ہوئی کہ ہم اگر شام کے مُلک کی طرف گئے تو خوارج کوفہ و بصرہ وغیرہ تمام عراق پر قابض و متصرف ہو کر ہمارے اہل و عیال کو قتل کر دیں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی یہ خیال کیا کہ اگر خوارج نے کوفہ و بصرہ پر قبضہ کر لیا۔ تو پھر ملکِ شام پر حملہ آوری بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہو گی۔ چنانچہ جنگِ شام کو ملتوی کر کے خوارج کی طرف کوچ اور لشکر خوارج کے قریب پہنچ کر اُن کے پاس پیغام بھیجا کہ:-

> "تم میں سے جن لوگوں نے ہمارے بھائیوں کو قتل کیا ہے اُن کو ہمارے سپرد کر دو تاکہ ہم اُن کو قصاص میں قتل کر دیں اور تم کو تمھارے حال پر چھوڑ کر اہلِ شام کی طرف روانہ ہوں۔ اس عرصہ میں جب تک کہ ہم جنگ اہلِ شام سے فارغ ہوں ممکن ہے کہ خدائے تعالےٰ تم کو راہ راست پر لے آئے"

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کئی بزرگ صحابیوں کو یکے بعد دیگرے خوارج کو نصیحت اور وعظ و پند کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اور خوارج کے وفود کو بُلا کر خود بھی نصیحت کی کہ غلطی حکمین کے مقرر کرنے میں اگر ہوئی تو باعثِ اصلی تم ہی لوگ

تھے۔ اب جو کچھ گذرا اُس کو فراموش کر دو اور ہمارے ساتھ شامل ہو کر اہل شام سے لڑنے کو چلو۔ خوارج نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ بے شک ہم لوگوں نے خدا اور رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور کافر ہوئے۔ لیکن توبہ کر کے پھر مسلمان ہو گئے۔ اب تم بھی جب تک گناہ کا اقرار کر کے توبہ نہ کرو گے کافر ہو گے اور ہم تمھاری مخالفت میں کوئی کوتاہی نہ کریں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ فرماتے تھے۔ کہ میں اللہ پر ایمان لایا۔ ہجرت کی۔ خدا کی راہ میں جہاد کیا میں کس طرح اپنے آپ کو کافر کہوں۔ آخر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ خود لشکر خوارج کے قریب تشریف لے گئے اور اُن لوگوں کو وعظ و پند فرمانے لگے۔ خوارج کے سرداروں نے یہ دیکھ کر کہ ہمارے عوام پر کہیں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی تقریر کا اثر نہ ہو جائے بلند آواز سے اپنے لوگوں کو ہدایت کی کہ

"علیؓ کی باتوں کو ہرگز ہرگز نہ سنو۔ نہ ان سے باتیں کرو۔ بلکہ اللہ کی ملاقات کے لئے دوڑو۔ یعنی لڑائی شروع کر دو"۔

یہ حالت دیکھ کر حضرت علیؓ واپس تشریف لے آئے اور اپنے لشکر کو مرتب فرما کر ہر حصہ پر سردار مقرر کئے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کو امان کا جھنڈا دے کر فرمایا۔ کہ تم اس جھنڈے کو لے کر ایک بلند مقام پر کھڑے ہو جاؤ اور بلند آواز سے اعلان کر دو کہ جو شخص بغیر جنگ کئے ہوئے چلا آئے گا اُس کو امن دی جائے گی اور جو شخص کوفہ یا مدائن کی طرف چلا جائے گا۔ وہ بھی محفوظ رہے گا اس اعلان کو سن کر خوارج کے لشکر سے ابن نوفل اشجعی پانسو سواروں کے ساتھ جدا ہو گیا۔ کچھ لوگ کوفہ کی طرف چل دیئے۔ کچھ مدائن کی طرف روانہ ہوئے کچھ امیرالمومنین حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ غرض خوارج کے لشکر میں ایک تہائی سے بھی کم آدمی باقی رہ گئے۔ اُن پر حملہ کیا گیا اور سب کو گھیر کر تہ تیغ کیا۔ عبداللہ بن وہب، زید بن حصین۔ حرقوص بن زہیر۔ عبداللہ بن شجر۔ شریح بن اوفی وغیرہ خوارج کے تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ صرف نو آدمی خوارج کے زندہ بچ کر فرار ہوئے باقی سب میدان جنگ میں لڑ کر مارے گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ خارجیوں کی لاشوں کو بغیر دفن کئے ہوئے اسی طرح میدان میں چھوڑ کر وہاں سے واپس ہوئے۔

اس لڑائی میں بظاہر خارجیوں کا پورے طور پر استیصال ہو چکا تھا اور اب کوئی خطرہ اُن کی طرف سے باقی نہ رہا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے جنگ نہروان سے فارغ ہو کر ملکِ شام کا عزم فرمایا۔ تو اشعث بن قیس نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ فی الحال چند روز کے لئے شام کے قصد کو ملتوی کر کے لشکر کو آرام کرنے کا موقع دیجئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے اس بات کو ناپسند فرمایا۔ اور مقام نخیلہ

میں آکر قیام کیا اور حکم دیا۔ کہ کوئی شخص کوفہ میں نہ جائے، جب تک اہل شام پر فتح مند نہ ہو کر واپس آئے۔ نخیلہ کے قیام میں لوگوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی اور لشکرگاہ کو خالی چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اس طرح لشکرگاہ کو خالی دیکھ کر خود بھی کوفہ میں تشریف لے آئے اور سرداروں کو جمع کر کے اس سُستی اور تن آسانی کی وجہ دریافت کی۔ بہت ہی کم لوگوں نے شام پر حملہ آوری کے لئے آمادگی ظاہر کی باقی خاموش رہے۔ پھر حضرت علیؓ نے تمام لوگوں کو جمع کر کے تقریر کی اور اُن کو جنگِ شام کے لئے ترغیب دی۔ مگر سب نے خاموشی سے اس تقریر کو سُنا اور کسی قسم کی آمادگی و مستعدی کا مطلق اظہار نہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ لوگوں کی اس سرد مہری کو دیکھ کر مجبوراً خاموش ہو گئے اور مُلک شام پر حملہ آور نہ ہو سکے۔

مِصر کی حالت

جیسا کہ اوپر تحریر ہو چکا ہے۔ جنگِ صفین کے وقت مصر کے عامل محمد بن ابی بکر تھے۔ اور وہ اس لڑائی میں حضرت علیؓ کی حمایت اور امیر معاویہؓ کی مخالفت میں کوئی خدمت انجام نہ دے سکے تھے۔ کیونکہ وہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے ہوا خواہوں کے ساتھ معرکہ آرائی اور اندرونی جھگڑوں میں گرفتار تھے۔ ہوا خواہانِ عثمانؓ نے معاویہ بن خدیج کو اپنا سردار بنا کر باقاعدہ مقابلہ اور معرکہ آرائی شروع کر دی۔ اور اُن کو کئی معرکوں میں کامیابی بھی حاصل ہو گئی تھی۔ جنگ صفین سے فارغ ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے اوّل مالک اُشتر نخعی کو جزیرہ کی حکومت پر مامور کر کے بھیجا۔ لیکن چند روز کے بعد مالک کو مصر کی گورنری پر نامزد کر کے روانہ کیا۔ محمد بن ابی بکر نے جب یہ خبر سُنی کہ مالک اُشتر مصر کی حکومت پر مامور ہو کر آرہا ہے تو اُن کو سخت ملال ہوا۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ نے اس خبر کو سُنا تو وہ بھی بہت فکر مند ہوئے کیونکہ وہ مالک اُشتر کو صاحب تدبیر شخص سمجھتے اور جانتے تھے۔ کہ مالک اُشتر کے مصر پر قابض ہونے کے بعد مصر کا معاملہ بہت تکلیف دہ اور خطرناک صورت اختیار کرے گا۔ مگر اتفاق کی بات کہ مالک اُشتر کا مصر میں پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں انتقال ہو گیا اور محمد بن ابی بکر مصر پر بدستور قابض و متصرف رہے۔ مالک اُشتر کے مرنے کی خبر سُن کر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے محمد بن ابو بکرؓ کو خط لکھا کہ ہم نے مالک اُشتر کو مصر کی حکومت پر اس لئے نامزد نہیں کیا تھا۔ کہ ہم تم سے ناراض تھے۔ بلکہ اُس کا تقرر محض اس لئے عمل میں آیا تھا۔ کہ وہ بعض سیاسی امور کو قابلیت سے

انجام دے سکتا تھا۔ جس کی حکومتِ مصر کے لئے ضرورت تھی۔ اب جب کہ اُس کا راستے ہی میں انتقال ہوگیا تو ہم تم ہی کو مصر کی حکومت کے لئے بہتر شخص سمجھتے ہیں۔ تم کو چاہیے کہ دشمنوں کے مقابلہ میں جرأت و استقلال سے کام لو۔ اس خط کے جواب میں محمد بن ابی بکرؓ نے لکھا کہ میں آپ کا تابع فرمان ہوں۔ اور آپ کے دشمنوں سے لڑنے کو ہمہ وقت تیار رہتا ہوں۔ یہ واقعات حکمین کے فیصلہ سُنانے سے پہلے وقوع پذیر ہو چکے تھے۔ جب مقام اذرح میں حکمین کے فیصلہ کا اعلان ہو گیا۔ تو اہل شام نے حضرت امیر معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کرکے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس سے اُن کی قوت و شوکت میں پہلے سے اضافہ ہوگیا۔ اور اُنھوں نے معاویہ بن خدیج سے خط و کتابت کرکے اُس جماعت کی ہمت افزائی کی جو محمد بن ابی بکرؓ سے برسرِ پرخاش تھی۔ انھوں نے امیر معاویہؓ سے اعانت و امداد طلب کی۔ یہی امیر معاویہؓ کا منشا رتھا۔ چنانچہ انھوں نے عمرو بن العاصؓ کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا۔ اور ایک خط بھی محمد بن ابی بکرؓ کے نام لکھ کر دیا۔ عمرو بن العاصؓ نے مصر کے قریب پہنچ کر امیر معاویہؓ کا خط معہ اپنے خط کے محمد بن ابی بکرؓ کے پاس بھیجا۔ محمد بن ابی بکرؓ نے یہ دونوں خط حضرت علیؓ کے پاس کوفہ میں بھیج دیئے۔ حضرت علیؓ نے لوگوں کو جمع کرکے بہت کچھ ترغیب دی۔ مگر دو ہزار سے زیادہ آدمی مصر کی مہم کے لئے تیار نہ ہوئے۔ آخر انھیں دو ہزار کو مالک بن کعب کی سرداری میں مصر کی جانب روانہ کیا۔ اُدھر عمرو بن العاصؓ کے مقابلہ پر محمد بن ابی بکرؓ نے دو ہزار کی جمعیت کنانہ بن بشر کی سرداری میں روانہ کردی تھی۔ کنانہ بن بشر لشکرِ شام کے مقابلہ میں شہید ہو گئے۔ اُن کے ہمراہی کچھ مارے گئے۔ کچھ اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔

اس شکست کا حال سُن کر محمد بن ابی بکرؓ نے خود میدان جنگ کا قصد کیا۔ لیکن اُن کے ہمراہیوں پر اہل شام کا کچھ ایسا رُعب طاری ہوا کہ وہ بغیر لڑے اُن کا ساتھ چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے۔ محمد بن ابی بکرؓ اپنے آپ کو تنہا پا کر میدان جنگ سے واپس آکر جبلہ بن مسروق کے مکان میں پناہ گزیں ہوئے۔ لشکر شام اور معاویہ بن خدیج کے ہمراہیوں نے آکر جبلہ بن مسروق کے مکان کا محاصرہ کیا۔ محمد بن ابی بکرؓ زندگی سے مایوس ہو کر نکلے اور دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ معاویہ بن خدیج نے اُن کو قتل کرکے ایک مُردہ گھوڑے کی کھال میں بھر کر جلا دیا۔ اس حادثہ کی خبر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے جاسوس عبدالرحمٰن

ابن شبت فزاری نے شام سے آکر حضرت علیؓ کو سُنائی۔ آپ نے اسی وقت مالک بن کعب کے واپس بُلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ اُدھر مالک بن کعب نے تھوڑا ہی راستہ طے کیا تھا کہ حجاج بن عزنہ انصاری مصر سے آتے ہوئے راستے میں ملے انھوں نے محمد بن ابی بکرؓ کے مارے جانے اور عمرو بن العاصؓ کے مصر پر قابض ہونے کا حال سنایا۔ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اہلِ کوفہ کو جمع کر کے ایک تقریر فرمائی اور ان کو ملامت کی کہ تمہاری ہی سستی اور غفلت کے سبب مصر کا ملک ہاتھ سے جاتا رہا۔ مگر اس تقریر کو سُن کر بھی اہلِ کوفہ خاموش رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے مجبور ہو کر مصر اور شام دونوں کا خیال چھوڑ دیا۔ محمد بن ابی بکرؓ ۳۸ھ میں مصر کے اندر مارے گئے تھے۔

دوسرے صوبوں پر بھی قابض ہونے کی کوشش

مصر پر قبضہ حاصل ہونے کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے حوصلے پہلے سے زیادہ ترقی کر گئے۔ مصر کے بعد انھوں نے بصرہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہ کی حکومت سے نکالنے کی کوشش کی۔ بصرہ کی حالت بھی مصر سے مشابہ تھی۔ واقعۂ جمل کی وجہ سے بہت سے اہل بصرہ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ناخوش اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا معاوضہ طلب کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے عبد اللہ بن الحضرمی کو بصرہ کی طرف روانہ کیا۔ اور سمجھایا کہ اُن لوگوں کو، جو حضرت علی کرم اللہ وجہ سے خوش نہیں ہیں اور خونِ عثمانؓ کے مطالبہ کو ضروری سمجھتے ہیں اپنی طرف جذب کریں اور اُن کی تالیفِ قلوب میں پوری کوشش عمل لاکر بصرہ پر قابض ہو جائیں۔ ابن حضرمی جب بصرے پہنچے تو وہاں اُن دنوں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حاکم بصرہ موجود نہ تھے وہ حضرت علیؓ کے پاس آئے ہوئے تھے۔ اس لئے عبد اللہ بن الحضرمی کے لئے یہ بہت اچھا موقع تھا۔ چنانچہ بصرہ میں ایک طاقتور جمعیت اُن کے ساتھ شامل ہو گئی۔ یہ خبر جب کوفہ میں حضرت علیؓ کے پاس پہنچی تو انھوں نے اعین بن ضبیعہ کو یہ ہدایت کر کے بھیجا۔ کہ جس طرح ممکن ہو ابن الحضرمی کے گرد جمع ہونے والے لوگوں میں نااتفاقی اور پھوٹ پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ چنانچہ اعین بن ضبیعہ کو اپنی کوشش میں کامیابی حاصل ہوئی۔ عبد اللہ بن الحضرمی بصرہ میں ۳۸ھ کے آخری ایام میں مقتول ہوئے۔

۳۹ھ میں اہلِ فارس نے یہ دیکھ کر کہ بصرہ کے لوگوں میں اختلاف موجود ہے۔

اور وہاں کچھ لوگ حضرت علیؓ کے ہمدرد ہیں تو کچھ امیر معاویہؓ کے ہمدرد بھی پائے جاتے ہیں - بغاوت اختیار کر کے اپنے حاکم سہیل بن حنیف کو نکال دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابن عباسؓ حاکم بصرہ کو لکھا کہ زیاد کو فارس کی حکومت پر روانہ کردو۔ چنانچہ زیاد نے فارس میں جا کر اہلِ فارس کو بزور شمشیر سیدھا کر دیا۔

حضرت امیر معاویہؓ نے ان حالات میں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ساتھ دینے اور اُن کے ساتھ مل کر لڑنے کے لئے لوگ آمادہ نہ ہوئے تھے اور جا بجا اُن کے خلاف بغاوتوں کی سازشوں کے سامان نظر آتے تھے خوب فائدہ اٹھایا۔ اور اپنی سخاوت، درگذر، چشم پوشی، احسان، قدر دانی، مآل اندیشی سے کام لینے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ مدینہ طائف اور یمن وغیرہ سے لوگ کھنچ کھنچ کر دمشق میں جمع ہونے لگے۔ اُنھوں نے نعمان بن بشیر کو عین التمر کی طرف بھیجا - وہاں کے والی مالک بن کعب کو حضرت علیؓ کی طرف سے کوئی امداد نہ پہنچی اور نعمان نے عین التمر کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ سفیان بن عوف کو ایک زبردست جمعیت دے کر مدائن کی طرف روانہ کیا۔ سفیان بن عوف نے انبار اور مدائن وغیرہ کے علاقوں سے مال واسباب لُوٹ کر اور جس قدر خزانہ مل سکا سب لے کر دمشق کا رُخ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ سُن کر تعاقب کے لئے نکلے۔ مگر سفیان بن عوف ہاتھ نہ آئے۔

حضرت علی کی خلافت صرف عراق و ایران تک

اسی طرح بُسر بن ارطاط کو حجاز و یمن کی طرف روانہ کیا۔ اہلِ مدینہ نے امیر معاویہؓ کی بیعت اختیار کی۔ اس کے بعد اہلِ مکہ اور اہلِ یمن نے بھی امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی اور عبید اللہ بن عباس کو یمن کے دارالسلطنت صنعاء سے نکال دیا۔ غرض ۴۰ھ کے ابتدا میں امیر معاویہؓ کی حکومت یمن - حجاز - شام - فلسطین - مصر وغیرہ ممالک پر قائم ہو چکی تھی اور ان مقبوضہ ممالک کی حکومت میں کسی قسم کی کمزوری واضحلال کے آثار بھی نہیں پائے جاتے تھے نہ کسی بغاوت اور اندرونی مخالفت کا اُن کو اندیشہ تھا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں شہروں کو غیر جانب دار اور آزاد چھوڑ دیا گیا تھا۔ یعنی ان شہروں میں نہ حضرت علیؓ کی حکومت تھی۔ نہ امیر معاویہؓ کی، اور اس پر دونوں حضرات رضامند ہو گئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حکومت عراق و ایران پر قائم تھی - مگر عراق میں عربی قبائل کی ایک

بڑی تعداد ایسی تھی جو اُن کی حکومت کے ساتھ دلی ہمدردی نہ رکھتے تھے۔ اسی طرح ایران میں بھی سازشوں اور بغاوتوں کا سلسلہ جاری تھا۔ ایران کے مجوسی لوگ اپنی گئی ہوئی سلطنت کے دوبارہ قائم کرلینے کے خواب ابھی تک دیکھ رہے تھے اور کسی موقع کو فوت نہ ہونے دیتے تھے۔ کوفہ اور بصرہ جو دو مرکزی شہر سمجھے جاتے تھے خود ان میں بھی ایسے لوگ موجود تھے۔ جن کو حضرت علیؓ کے خلاف امیر معاویہؓ سے ہمدردی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی شجاعت اور بلند ہمتی سے سب کچھ کرنا چاہتے اور اپنی خلافت کو تمام عالم اسلامی کی ایک ہی شہنشاہی قائم کرنے کے خواہش مند تھے لیکن اُن کے ساتھیوں کی طرف سے عموماً پست ہمتی اور نافرمانی کا اظہار ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ مجبور تھے۔ حضرت علیؓ کے لشکر میں عجمی لوگ زیادہ تھے۔ اور امیر معاویہؓ کی فوج میں عربی لوگوں کی کثرت تھی۔ حجاز و یمن کی حکومت قبضہ میں آجانے سے امیر معاویہؓ کی حیثیت و اہمیت اور بھی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ تاہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتی حیثیت و شجاعت اور اُن کی بزرگی و عظمت اس قدر بلند پایہ تھی کہ امیر معاویہؓ اُن کی ہمسری کے دعوے میں اپنے آپ کو کمزور پاتے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہمیشہ خائف رہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بصرہ سے رخصت ہونا انھیں ایام یعنی ۴۰ھ کے ابتدائی ایام میں ایک اور ناگوار واقعہ پیش آیا یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ناراض ہو کر بصرہ کی حکومت چھوڑ کر مکہ کی طرف چلے گئے۔ اس ناگوار واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ بصرہ سے ابوالاسود نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جھوٹی شکایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ لکھ کر بھیجی کہ انھوں نے بیت المال کے مال کو آپ کی اجازت کے بغیر خرچ کر ڈالا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابوالاسود کو شکریہ کا خط لکھا کہ اس قسم کی اطلاع دینا اور عاملوں کی بے راہ روی سے آگاہ کرتے رہنا ہمدردی و عقیدت کی دلیل ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو لکھا کہ ہمارے پاس اس قسم کی اطلاع پہنچی ہے تم جواب میں کیا کہتے ہو۔ عبداللہ بن عباسؓ کے خط میں ابوالاسود کا حوالہ نہیں دیا گیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جواباً لکھا کہ آپ کو جو خبر پہنچی ہے وہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ میں نے جو مال خرچ کیا ہے وہ میرا ذاتی مال تھا۔ اُس کو بیت المال سے کوئی تعلق نہ تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دوبارہ خط لکھا کہ اگر وہ تمھارا

ذاتی مال تھا تو یہ بتاؤ کہ وہ تم کو کہاں سے اور کس طرح حاصل ہوا تھا اور تم نے اُس کو کہاں رکھا تھا۔ اس خط کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے لکھا کہ میں ایسی گورنری سے باز آیا۔ آپ جس کو مناسب سمجھیں بصرہ کا عامل مقرر کر کے بھیج دیں۔ میں نے جو مال خرچ کیا ہے وہ میرا ذاتی مال تھا اور میں اس کو اپنے اختیار سے خرچ کرنے کا حق رکھتا تھا۔ یہ لکھ کر وہ اپنا سامانِ سفر درست کر کے بصرہ سے روانہ ہو گئے اور مکہ معظمہ پہنچ گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شہادت

انھیں ایام میں جب کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ کی حکومت چھوڑ کر مکہ معظمہ میں چلے آئے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے بھائی حضرت عقیل بن ابی طالبؓ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے ناراض ہو کر امیر معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔ امیر معاویہؓ نے اُن کا معقول روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو حضرت عقیلؓ کے اس طرح جُدا ہونے اور امیر معاویہؓ کے پاس چلے جانے کا سخت ملال ہوا۔ اور آپ نے امیر معاویہؓ کے خلاف جنگی تیاریوں کو ضروری سمجھا۔ کوفیوں کو شام پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور اس مرتبہ کوفیوں پر آپ کی ترغیب کا یہ اثر ہوا۔ کہ ساٹھ ہزار کوفیوں نے آپ کے ہاتھ پر اس امر کی بیعت کی کہ ہم تا زیست آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور مارنے مرنے پر آمادہ رہیں گے۔ آپ ان ساٹھ ہزار کے علاوہ اور لوگوں کو بھی فراہم کرنے اور سامانِ حرب درست کرنے میں مصروف تھے۔ خارجیوں کی فوجی طاقت جنگ نہروان میں زائل ہو چکی تھی۔ اور بظاہر اُن کی طرف سے کوئی اندیشہ باقی نہ رہا تھا۔

خوارج کا خطرناک منصوبہ

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جنگ نہروان میں خوارج کے صرف نو آدمی بچ گئے تھے۔ اُن نو آدمیوں نے جو خوارج میں امامت و سرداری کی حیثیت رکھتے تھے۔ اوّل فارس کے مختلف مقامات میں حضرت علیؓ کے خلاف بغاوتوں اور سازشوں کو کامیاب بنانے کی کوششوں میں حصہ لیا۔ مگر جب کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی تو عراق و حجاز میں آ کر اِدھر اُدھر آوارہ پھرنے لگے آخر مکہ معظمہ میں عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی۔ برک بن عبداللہ تمیمی عمرو بن بکر تمیمی تین شخص جمع ہوئے اور آپس میں مقتولین نہروان کا ذکر کر کے دیر تک افسوس کرتے رہے۔ پھر تینوں اس کے لئے

پر متفق ہوئے۔ کہ اُن تین سب سے بڑے سرداروں کو جنھوں نے عالمِ اسلام کو پریشان کر رکھا ہے قتل کر ڈالیں۔ تینوں نے باہم عہد و پیمان کیا اور یہ قرار پایا کہ عبد الرحمٰن ابن ملجم مرادی مصری حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو اور برک بن عبد اللہ تمیمی حضرت معاویہؓ کو اور عمرو بن بکر تمیمی سعدی عمرو بن العاصؓ حاکمِ مصر کو قتل کرے اور یہ تینوں قتل ایک ہی تاریخ اور ایک ہی وقت میں وقوع پذیر ہوں۔ چنانچہ ۱۷ رمضان المبارک یوم جمعہ نمازِ فجر کا وقت مقرر ہوا۔ تینوں آدمی کوفہ۔ دمشق اور مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب رمضان المبارک کی مقررہ تاریخ آئی تو برک بن عبد اللہ تمیمی نے دمشق کی مسجد میں داخل ہو کر جب کہ امیر معاویہؓ نمازِ فجر کی امامت کر رہے تھے تلوار کا ایک ہاتھ مارا اور یہ سمجھ کر کہ تلوار کا ہاتھ کاری لگا ہے بھاگا لیکن گرفتار کر لیا گیا۔ امیر معاویہؓ زخمی تو ہوئے مگر زخم مہلک نہ تھا۔ چند روز کے علاج معالجہ سے اچھا ہو گیا۔ برک کو ایک روایت کی مطابق اُسی وقت اور دوسری روایت کے موافق کئی برس کے بعد قید رکھ کر قتل کیا گیا۔ امیر معاویہؓ نے اس کے بعد مسجد میں اپنے لئے محفوظ جگہ بنوائی اور پہرہ بھی مقرر کیا۔ اسی مقررہ تاریخ اور مقررہ وقت میں عمرو بن بکر نے مصر کی مسجد میں نمازِ فجر کی امامت کرتے ہوئے خارجہ بن ابی حبیبہ بن عامر کو عمرو بن العاصؓ سمجھ کر تلوار کے ایک ہی وار میں قتل کر دیا۔ اُس روز اتفاقاً عمرو بن العاصؓ بیمار ہو گئے تھے اور انھوں نے اپنی جگہ خارجہ بن حبیبہ ایک فوجی افسر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ عمرو بن بکرؓ نے سمجھا کہ یہی عمرو بن العاصؓ ہیں اور اُن کو قتل کیا۔ اسی روز کوفہ میں عبد الرحمٰن بن ملجم نے نمازِ فجر کے وقت مسجد میں حضرت علیؓ پر حملہ کیا اور اس زخم کے صدمہ سے دو روز کے بعد ۲۰ رمضان المبارک ۴۰ھ کو حضرت علیؓ شہید ہوئے۔ تفصیل اس حادثۂ جانکاہ کی یہ ہے کہ عبد الرحمٰن بن ملجم کوفہ میں آکر اپنے دوستوں سے ملا مگر کسی پر اپنے ارادہ کو ظاہر نہ کیا۔ آخر خوب سوچ سمجھ کر اپنے ایک دوست شبیب بن شجرہ اشجعی پر اپنا راز ظاہر کیا اور اُس سے امداد چاہی اور کہا کہ ہم کو مقتولینِ نہروان کے عوض حضرت علیؓ کو قتل کرنا چاہیئے۔ اوّل تو شبیب نے اِس ارادے سے باز رکھنا چاہا پھر کچھ متامل ہوا اور آخرکار ابن ملجم کے کام میں امداد کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ قبیلۂ تمیم کے دس آدمی جو خارجی ہو کر لشکر خوارج میں شامل تھے جنگ نہروان میں مقتول ہوتے تھے۔ ان مقتولین کے عزیزوں اور رشتہ داروں کو جو کوفہ میں رہتے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عناد اور ملال تھا۔

ابن ملجم ان لوگوں سے اکثر ملتا اور اکثر اُن کے گھروں میں جاتا آتا رہتا تھا۔ اُس نے ایک نہایت حسین وجمیل عورت دیکھی جس کا نام قطام تھا۔ اس عورت کا باپ اور بھائی دونوں اُنھیں دس مقتولین میں شامل تھے۔ ابن ملجم نے قطام کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ قطام نے کہا کہ پہلے مہر ادا کردو تو میں نکاح کے لئے تیار ہوں۔ جب اُس سے مہر کی مقدار دریافت کی گئی تو اُس نے کہا کہ تین ہزار درہم۔ ایک لونڈی، ایک غلام اور حضرت علیؓ کا کٹا ہوا سر میرا مہر ہے۔ ابن ملجم تو حضرت علیؓ کے قتل کی نیت سے آیا ہی تھا اُس نے کہا کہ میں صرف آخری شرط کو پورا کرسکتا ہوں باقی شرائط کی بجا آوری سے اِس وقت مجبور ہوں۔

قطام نے کہا کہ اگر تم آخری شرط کو پورا کردو تو میں باقی چیزوں کو خود چھوڑتی ہوں۔ ابن ملجم نے کہا کہ اگر تو چاہتی ہے کہ میں حضرت علیؓ کے قتل پر قادر ہوجاؤں تو اِس راز کو کہیں فاش نہ کرنا۔ قطام نے راز کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ اور اپنے رشتہ داروں میں سے ایک شخص وردان نامی کو ابن ملجم کے ساتھ مقرر کیا۔ کہ وہ ابن ملجم کی مدد کرے۔ آخر مقررہ تاریخ یعنی ۱۶ ار رمضان المبارک جمعہ کا دن آپہنچا اور ابن ملجم، شبیب بن شجرہ۔ وردان تینوں پچھلی رات سے مسجد کوفہ میں آئے اور دروازہ کے قریب چھپ کر بیٹھ گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ لوگوں کو حسب عادت نماز کے لئے آوازیں دیتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے وردان نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا مگر اس کی تلوار دروازہ کی چوکھٹ یا دیوار پر پڑی۔ اور حضرت علیؓ آگے بڑھ گئے۔ ابن ملجم نے فوراً آگے لپک کر آپ کی پیشانی پر تلوار کا ہاتھ مارا جو بہت کاری پڑا۔ حضرت علیؓ نے زخم کھا کر حکم دیا کہ ان کو پکڑو۔ لوگ نماز کے لئے مسجد میں آچکے تھے یہ حکم سنتے ہی دوڑ پڑے۔ وردان اور شبیب دونوں مسجد سے نکل کر بھاگے۔ مگر ابن ملجم مسجد سے باہر نہ نکل سکا وہ مسجد ہی کے ایک گوشہ میں چھپا اور گرفتار کرلیا گیا۔ شبیب کو ایک شخص حضرمی نے پکڑا مگر وہ چھوٹ کر بھاگ گیا۔ اور ہاتھ نہ آیا۔ وردان بھاگ کر اپنے گھر کے قریب پہنچ چکا تھا کہ لوگوں نے جالیا۔ اور وہیں قتل کردیا۔ ابن ملجم گرفتار ہوکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اگر میں اِس زخم سے مرجاؤں تو تم بھی اس کو قتل کردینا اور اگرچہ میں اچھا ہوگیا۔ تو خود جو مناسب سمجھوں گا

کروں گا پھر آپ نے بنو عبد المطلب کو وصیت کی ۔میرے قتل کو مسلمانوں کی خوں ریزی کا بہانہ نہ بنانا صرف اسی ایک شخص کو جو میرا قاتل ہے ۔قصاص میں قتل کر دینا ۔پھر حضرت حسنؓ بن علیؓ اپنے بیٹے کو مخاطب کرکے فرمایا ۔کہ اے حسنؓ! اگر اس زخم کے صدمہ سے میں مرجاؤں تو تم بھی اس کی تلوار سے ایسا ہی ایک وار کرنا کہ اس کا کام تمام ہو جائے اور مُثلہ ہرگز نہ کرنا کیونکہ آنحضرت صلعم نے مُثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ابن ملجم کی تلوار کا زخم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کنپٹی تک پہنچا تھا ۔اور تلوار کی دھار دماغ تک اُتر گئی تھی ۔مگر آپ جمعہ کے دن زندہ رہے ۔ہفتہ کے روز ۱۷ رمضان المبارک کو آپ نے وفات پائی ۔آپ کے وفات پانے سے پیشتر جندب بن عبد اللہ نے آکر عرض کیا کہ آپ ہم سے جُدا ہو جائیں یعنی وفات پا جائیں تو کیا ہم حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں ؟ آپ نے فرمایا کہ میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہتا تم جو مناسب سمجھنا کرنا ۔پھر حسنینؓ کو بُلاکر فرمایا کہ میں تم کو خدائے تعالےٰ کا تقویٰ اختیار کرنے اور دنیا میں مبتلا نہ ہونے کی وصیت کرتا ہوں ۔تم کسی چیز کے حاصل نہ ہونے پر افسوس نہ کرنا ہمیشہ حق بات کہنا ۔یتیموں پر رحم اور بیکسوں کی مدد کرنا ۔ظالم کے دُشمن اور مظلوم کے مددگار رہنا ۔قرآن شریف پر عامل رہنا اور حکم خدا کی تعمیل میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہ ڈرنا ۔پھر محمد بن الحنفیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تم کو بھی انھیں باتوں کی اور دونوں بھائیوں کی تعظیم مدنظر رکھنے کی وصیت کرتا ہوں ان کا حق تم پر زیادہ ہے ۔ان کی منشار کے خلاف تم کو کوئی کام نہیں کرنا چاہیے ۔حسنینؓ کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کو بھی محمد بن الحنفیہ کے ساتھ ہمیشہ حسنِ سلوک اور رعایت کے ساتھ پیش آنا چاہیے ۔پھر ایک عام وصیت تحریر کرانے لگے کہ وفات کا وقت آگیا اور سوائے لا الٰہ الا اللہ کے دوسرا کلمہ زبان مبارک سے نہ نکلا ۔

حضرت علیؓ کی قبر کا پتہ نہیں

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شہادت کے بعد ابن ملجم کو حضرت حسنؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور انھوں نے ایک ہی وار میں اُس کا کام تمام کیا ۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ تریسٹھ سال کی عمر اور پونے پانچ سال کی خلافت کے بعد شہید ہوئے ۔حضرت حسن بن علیؓ

حضرت حسین بن علیؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے آپ کو غسل دیا اور تین کپڑوں میں کفنا یا جن میں قمیص نہ تھا۔ حضرت امام حسنؓ نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ بعض روایتوں کے بموجب مسجد کوفہ میں، بعض کی موافق اپنے مکان میں بعض کی موافق کوفہ سے دس میل کے فاصلہ پر دفن کیے گئے۔ بعض روایتوں کی بموجب حضرت امام حسن علیہ السلام نے آپ کے جسدِ مبارک کو خارجیوں کے خوف سے کہ کہیں آپ کی بے حرمتی نہ کریں نکال کر ایک دوسری قبر میں پوشیدہ طور پر دفن کیا۔ ایک اور روایت کی موافق آپ کے تابوت کو مدینہ منورہ لے جانے لگے کہ آنحضرت صلعم کے قریب دفن کریں اثنا راہ میں وہ اونٹ جس پر آپ کا جنازہ تھا بھاگ گیا۔ اور پھر اُس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ ایک اور روایت کی موافق وہ اونٹ طے کی سرزمین میں ملا لوگوں نے اُس کو پکڑ کر آپ کا جنازہ وہیں دفن کر دیا۔ غرض آج تک اتنے بڑے اور عظیم الشان شخص کے مزار کا صحیح حال کسی کو معلوم نہ ہوا کہ کہاں ہے اس کی وجہ دہی معلوم ہوتی ہے۔ کہ خارجیوں کے خوف سے آپ کو ایسی جگہ دفن کیا گیا جس کا حال عام لوگوں کو معلوم نہ ہو۔ اس میں ایک یہ بھی حکمت الہٰی معلوم ہوتی ہے کہ بعد میں لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خدائی تک مرتبہ دینے میں تامل نہیں کیا۔ اگر اُن کے مزار کا صحیح علم ہوتا تو اُس کو لوگ شرک کی منڈی بنائے بغیر ہرگز نہ رہتے جیسا کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ بزرگوں کی قبروں کو لوگوں نے قبلہ اور بُت بنا رکھا ہے اور مسلمان کہلا کر مشرکین مکہ سے کسی حالت میں کم نظر نہیں آتے۔ جس کا جی چاہے سالانہ عُرسوں کے موقع پر جو بزرگوں اور نیک لوگوں کی قبروں پر ہوتے ہیں مسلم نما مشرکوں کے کرتوتوں کا تماشا جا کر دیکھ آئے

ازواج واولاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے باوقاتِ مختلف نو بیویاں کیں جن سے چودہ لڑکے اور سترہ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ آپ کا پہلا نکاح حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلعم سے ہوا جن کے بطن سے دو لڑکے حسنؓ و حسینؓ اور دو لڑکیاں زینبؓ اور اُمِ کلثومؓ پیدا ہوئیں۔ حضرت فاطمہؓ کے فوت ہونے کے بعد آپ نے ام البنین بنت حرام کلابیہ سے نکاح کیا جن کے بطن سے عباسؓ۔ جعفرؓ۔ عبداللہؓ۔ عثمانؓ چار لڑکے پیدا ہوئے تیسرا نکاح آپ نے لیلیٰ بنت مسعود بن خالد سے کیا جن کے بطن سے عبیداللہؓ و ابوبکرؓ پیدا ہوئے۔ چوتھا نکاح آپ نے اسمار بنت عمیس کیا جن کے بطن سے محمد ن الاصغرؓ اور یحیٰیؓ پیدا ہوئے۔ یہ آخرالذکر آٹھوں بھائی معرکۂ کربلا میں اپنے بھائی امام حسین علیہ السّلام کے

ساتھ شہید ہوئے۔ پانچواں نکاح آپ نے امامہ بنت ابی العاص بن الربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس سے کیا جن کی ماں زینب بنت رسول اللہؐ تھیں اُن کے بطن سے محمد الاوسط پیدا ہوئے۔ چھٹا نکاح آپ نے خولہ بنت جعفر سے کیا جو قبیلۂ حنفیہ سے تعلق رکھتی تھیں اُن کے بطن سے محمد الاکبرؒ پیدا ہوئے جن کو محمد بن الحنفیہ بھی کہتے ہیں۔ ساتواں نکاح آپ نے صہبا، بنت ربیعہ تغلبیہ سے کیا جن کے بطن سے ام الحسن۔ رملۃ الکبریٰ اور اُمِ کلثوم صغرا پیدا ہوئیں۔ آٹھواں نکاح آپ نے ام سعید بنت عروہ بن مسعود ثقفیہ سے کیا جن سے تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ نواں نکاح آپ نے بنت امرء القیس بن عدی کلبی سے کیا جن کے بطن سے صرف ایک لڑکی پیدا ہو کر کم سنی میں فوت ہو گئی۔ مندرجہ بالا لڑکیوں کے سوا اور بھی لڑکیاں تھیں جن کے نام نہیں معلوم ہو سکے۔ ایک لڑکے آپ کے عون بن علیؓ بھی تھے۔ جن کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ بھی اسماء بنت عمیس کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ سلسلۂ نسب آپ کا صرف حسنؓ۔ حسینؓ۔ محمد بن الحنفیہؒ۔ عباسؓ اور جعفرؓ سے چلا۔ باقیوں کی نسل باقی نہ رہی ؛

خلافت علوی پر ایک نظر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اُن عالی جاہ و بلند پایہ بزرگوں کے خاتم تھے۔ جن کے بعد کوئی شخص باقی نہ رہا۔ جس کی عزت و عظمت تمام عالم اسلامی میں مسلم ہو اور وہ جرأت و ہمت کے ساتھ نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کر سکے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شہادت کا حال سُنا تو فرمایا۔ کہ "اب عرب لوگ جو چاہیں سو کریں کیونکہ علیؓ کے بعد ایسا کوئی باقی نہ رہا کہ اُن کو کسی بُرے کام سے منع کرے گا"۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ حضرت علیؓ کے بعد صحابہ کرامؓ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام ترک کر دیا تھا۔ بلکہ صحابۂ کرامؓ ایک ناصح اور واعظ کی حیثیت سے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے۔ اور حضرت علیؓ اُن لوگوں میں شامل تھے جو لوگوں کو نبیوں اور پیغمبروں کی طرح حکم دیتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ بھی باوجود اس کے حضرت علیؓ سے مخالفت رکھتے تھے۔ مذہبی مسائل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے فتوے حاصل کیا کرتے تھے ؛

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پالیسی اور چالاکی سے قطعًا پاک اور مبرّا تھے۔ اُن کے نزدیک حق اور سچ کو تسلیم کرنا سب سے زیادہ ضروری تھا۔ وہ ابتداءً آنحضرت صلعم

کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اپنے کو سب سے زیادہ حق دارِ خلافت سمجھتے تھے لہٰذا انھوں نے نہایت صفائی کے ساتھ اس کا اظہار کر دیا اور چند روز تک حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ پھر انہیں ایام میں جب ابو سفیان نے اُن کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلاف خروج پر آمادہ کرنا چاہا تو انھوں نے ابو سفیان کو نہایت حقارت کے ساتھ جھڑک دیا۔ کیونکہ وہ اس فعل کو بُرا جانتے تھے۔ جب اُن کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ خلافت کے معاملہ میں کسی رشتہ داری کو کوئی دخل نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے اور ضرور باتیں قابل لحاظ ہیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرت صلعم کے بعد خلافت کے مستحق تھے۔ تو وہ خود بخود آکر صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔ اور بیعت ہونے کے بعد وہی سب سے زیادہ صدیق اکبرؓ کے معین و مددگار اور دل سے فرماں بردار تھے۔ فاروق اعظم اپنے عہد خلافت میں سب سے زیادہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مشوروں کی قدر کرتے اور اعاظمِ امور میں عموماً انھیں کی رائے کو قابلِ عمل جانتے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کو بھی انھوں نے ہمیشہ سچے اور اچھے مشورے دیئے اور اس بات کی مطلق پرواہ نہ کی۔ کہ حضرت عثمانؓ ان کے مشورے پر عمل کرتے ہیں یا دوسرے کی بات مانتے ہیں۔ انھوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے بعض کاموں کو قابلِ اعتراض پایا تو بلا تامل اُن پر اعتراض بھی کیا۔ لوگوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو جہاں تک اُن کے نزدیک یہ احتجاج جائز تھا۔ وہاں تک انھوں نے اُس کو اطمینان کی نظر سے دیکھا اور جس قدر حصہ انھوں نے جائز سمجھا اسی قدر اُس کی مخالفت کی اور روکنا چاہا۔ مدینہ منورہ میں جب بلوائیوں کا زور شور دیکھا۔ اور ناشدنی علامات ظاہر ہوئے تو انھوں نے چالاکی اور چال بازی کے ساتھ اپنی پوزیشن صاف دکھانے کے لئے کوئی تدبیر نہیں کی بلکہ صرف اپنی پاک طینتی اور صاف باطنی پر مطمئن رہے۔ شہادتِ عثمانی کے بعد جب لوگوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہی تو چونکہ وہ اب اپنے آپ کو حضرت عثمانؓ کے بعد سب سے زیادہ اس عہدۂ جلیلہ کا مستحق سمجھتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے کسی کسرِ نفسی اور تکلف کو کام میں لانے اور انکار کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ حضرت عثمان غنیؓ کے خلیفہ منتخب ہونے کے وقت اُن کو توقع تھی۔ کہ مجھ کو خلیفہ منتخب کیا جائے گا۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ کے بعد وہ اگر خلیفہ منتخب ہوتے تو عالمِ اسلامی کو اُن

پریشانیوں سے دوچار ہونا نہ پڑتا جو بعد میں پیش آئیں۔ لیکن صحابہ کرام کی اس احتیاط نے کہ خلافتِ اسلامی میں کسی رشتہ داری کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قابلیت کو حضرت عثمان غنیؓ کے مقابلہ میں موخر کر دیا۔ تو حضرت علیؓ نے اپنے اقرار پر ثابت قدم رہنا ضروری سمجھا اور بلا اظہارِ مخالفت بیعتِ عثمانی میں داخل ہو گئے۔ غرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تمام کاموں سے آفتاب نصف النہار کی طرح یہ امر ثابت ہے۔ کہ وہ جس بات کو حق اور سچ جانتے تھے اُس کے حق اور سچ کہنے میں کسی مصلحت اور پالیسی کی وجہ سے تامّل کرنا ہرگز ضروری نہ سمجھتے تھے۔ اُن کا چہرہ اُن کے قلب کی تصویر اور اُن کا ظاہر اُن کے باطن کا آئینہ تھا۔ وہ ایک شمشیرِ برہنہ تھے اور حق کو حق کہنے میں کبھی نہ چوکتے تھے۔ اگر اُن کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو وہ اپنے آپ کو قتلِ عثمانؓ کے وقت بہت کچھ بچا کر رکھتا اور بیعت خلافت کے وقت بڑی بڑی احتیاطیں عمل میں لاتا۔ اسی طرح بیعت خلافت کے بعد عام افواہوں کے اثر کو زائل کرنے اور بنو امیہ کی مخالفانہ کوششوں کو ناکام رکھنے کی غرض سے محمد بن ابی بکرؓ اور مالک اُشتر وغیرہ چند بلوائی سرداروں کا قصاص عثمانی میں قتل کرا دینا اور زیر سیاست لانا زیادہ کچھ مشکل نہ تھا کیونکہ عام عالمِ اسلامی اس معاملہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تائید کے لئے مستعد تھا لیکن اُن کو ایسی پختہ شہادتیں نہ مل سکیں جن کی بنا پر وہ ان لوگوں کو شرعاً زیرِ قصاص لا سکتے لہٰذا انھوں نے تامّل فرمایا۔ اور اس تامّل سے جو فتنے پیدا ہوئے اُن سب کا مقابلہ کیا مگر اپنے نزدیک جس کام کو نا کردنی سمجھا تھا اُس کو ہرگز نہ کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا اُن میں زیادہ تر ایسے لوگ شامل تھے، جو چالاکیوں، مصلحت اندیشیوں اور چال بازیوں سے کام لینا جانتے تھے۔ وہ خالص اسلامی رنگ ہوائی جو آنحضرت صلعم کے زمانے سے پیدا ہو کر فاروق اعظمؓ کے آخر عہد تک قائم تھا دنیا طلبی، جاہ طلبی، نسلی و خاندانی تفوق و امتیاز اور ایران و مصر وغیرہ کے کثیر التعداد نو مسلموں کے اسلامی برادری کے شامل ہو جانے کے سبب کسی قدر غبار آلود ہونے لگا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فاروقِ اعظمؓ کے بعد خلیفہ ہوتے تو عہد فاروقی کی حالت کو باقی اور قائم رکھنے کی قابلیت رکھتے تھے۔ لیکن حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے بعد وہ عہد فاروقی کی حالت کو واپس لانے میں ناکام رہے اُن کے زمانے میں صحابہ کرام کی جماعت بہت مختصر رہ گئی تھی۔ بڑے بڑے صاحب اثر اور جلیل القدر صحابہ فوت ہو چکے تھے۔ جو تھوڑی سی

تعداد باقی تھی وہ سب منتشر تھی۔ کوئی کوفہ میں تھا۔ کوئی بصرہ میں، کوئی دمشق میں تھا۔ کوئی مصر میں، کوئی یمن میں تھا۔ کوئی فلسطین میں، کوئی مکہ میں تھا۔ کوئی مدینہ میں۔ فاروقِ اعظمؓ کے زمانے تک صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد مدینہ منورہ میں موجود تھی اور بہت ہی کم لوگ باہر دوسرے شہروں میں ضرورتاً جاتے اور مدینے میں واپس آتے رہتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مدینہ کی سکونت ترک کرکے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا۔ اور سوءِ اتفاق سے وہ فائدہ جو کوفہ کو دارالخلافہ بنانے میں اُنھوں نے سوچا تھا حاصل نہ ہوا۔ ساتھ ہی اُس فائدہ سے، جو مدینہ کے دارالخلافہ ہونے میں مضمر تھا۔ وہ محروم ہوگئے۔ عالم اسلام میں ملکِ حجاز کو جو اہمیت حاصل تھی۔ کوفہ کے دارالخلافہ ہونے سے حجاز کی حیثیت اور اہمیت کم ہوگئی۔ جس کے سبب وہ امداد جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ملکِ حجاز سے حاصل ہوتی حاصل نہ ہو سکی۔

منافقوں اور خفیہ سازشیں کرنے والوں نے آنحضرت صلعم کے عہد مبارک میں بھی مسلمانوں کو کئی مرتبہ پریشانیوں میں مبتلا کیا۔ لیکن وہ اپنے پلید و ناستودہ مقاصد میں ناکام و نامراد ہی رہے۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں یہ شریر لوگ کوئی قابل تذکرہ حرکت نہ کرسکے۔ عہد عثمانی میں اُن کو پھر شر انگیزی کے مواقع میسر آگئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تمام عہدِ خلافت انھیں شریروں کی شرارتوں کے پیدا کئے ہوئے ہنگاموں میں گذرا۔ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اور بھی مواقع ملتے اور اُن کی شہادت کا واقعہ اس قدر جلد عمل میں نہ آتا۔ تو یقیناً وہ چند روز کے بعد تمام مفسدوں کی مفسدہ پردازیوں پر غالب آکر عالمِ اسلامی کو ان اندرونی ہنگامہ آرائیوں سے پاک وصاف کردیتے کیونکہ اُن کے عزم و ہمت اور استقلال و شجاعت میں کبھی کوئی فرق نہیں پایا گیا۔ وہ مشکلات کا مقابلہ کرنے اور اُن پر غالب آنے کے لئے ہمیشہ مستعد پائے جاتے تھے۔ کسی وقت بھی اُن کے قلب پر پوری مایوسی اور پست ہمتی طاری نہ ہو سکتی تھی۔ اور یہ وہ بات تھی جس کی توقع کسی دوسرے شخص سے ایسے حالات میں ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ لوگوں کی دھوکہ بازیوں، چالاکیوں اور پست ہمتیوں کے متعلق بھی اب تجربہ حاصل کرچکے تھے۔ وہ اُن باتوں سے بھی واقف ہو چکے تھے جن کے نتائج اُن کی توقع کے خلاف برآمد ہوئے تھے۔ لیکن مشیتِ ایزدی اور حکمِ الٰہی یہی تھا۔ کہ وہ جلد شہادت پائیں اور بنواُمیہ کے لئے میدان خالی چھوڑ جائیں۔

بنوامیہ کا قبیلہ اپنے آپ کو ملکِ عرب کا سردار اور بنو ہاشم کو اپنا رقیب سمجھتا تھا۔ اسلام نے اُن کے مفاخر کو مٹا اور اور بھلا دیا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت نے اُن کو پھر چونکا دیا۔ وہ اپنی کھوئی ہوئی سیادت کو واپس لانے کے لئے تدابیر سوچنے میں مصروف ہو گئے اور منافقوں کی سازشوں نے اُن کی تدابیر کو عملی جامہ پہنانے اور کامیاب بنانے میں امداد پہنچائی۔ عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں جو ناگوار اور ناشدنی حالات پیدا ہو چکے تھے ان حالات کو رُو باصلاح کرنے اور پہلی حالت دوبارہ قائم کرنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو زیادہ پریشانی اُٹھانی پڑی اور زیادہ وقت یعنی اپنا تمام عہدِ خلافت صرف کرنے پر بھی وہ مشکلات پر غالب نہ ہونے پائے تھے کہ شہید ہوئے۔ لیکن اگر حضرت عثمان غنیؓ کے بعد یہ ممکن ہوتا کہ فاروقِ اعظمؓ دوبارہ تختِ خلافت پر متمکن ہو سکتے اور وہ پھر زمامِ خلافت اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تو یقیناً وہ چند ہفتوں میں وہی پہلی حالت قائم کر لیتے۔ مگر یہ سب ہماری خیالی باتیں ہیں مصلحتِ الٰہی اور مشیتِ ایزدی نے اسی کو مناسب سمجھا جو ظہور میں آیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کی معرکہ آرائیوں اور حضرت زبیرؓ و حضرت طلحہؓ اور حضرت علیؓ کی لڑائیوں وغیرہ کو ہم لوگ اپنے زمانہ کی مخالفتوں اور لڑائیوں پر قیاس کر کے بہت کچھ دھوکے اور فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہم اُن بزرگوں کے اخلاق کو اپنے اخلاقی پیمانوں سے ناپنا چاہتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے خوب غور کرو اور سوچو کہ جنگِ جمل کے موقع پر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے کس عزم ہمت کے ساتھ مقابلہ اور معرکہ آرائی کی تیاری کی تھی۔ لیکن جب اُن کو آنحضرت صلعم کی ایک حدیث یاد دلائی گئی۔ تو کس طرح وقت کے وقت پر جب کہ ایک زبردست فوج جاں نثاروں کی اُن کے قبضہ میں تھی۔ وہ میدانِ جنگ سے جدا ہو گئے۔ اُن کو غیرت بھی دلائی گئی۔ اُن کو بزدل بھی کہا گیا۔ وہ لڑائی اور میدانِ جنگ کو کھیل تماشے سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔ ان کی شمشیر خاراشگاف ہمیشہ بڑے بڑے میدانوں کو سر کرتی رہی تھی مگر انھوں نے کسی چیز کی بھی پرواہ دین و ایمان کے مقابلہ میں نہ کی۔ اُنھوں نے ایک حدیث سنتے ہی اپنی تمام کوششوں تمام اُمیدوں، تمام اولوالعزمیوں کو یک لخت ترک کر دیا۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ عالی جناب مولوی جو مسلمانوں میں بڑی عزت و تکریم کا مقام رکھتے ہیں۔ اگر کسی مسئلہ

میں ایک دوسرے کے مخالف ہو جائیں تو برسوں مباحثوں اور مناظروں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ایک دوسرے کی ہر طرح تذلیل و تنقیص کرتے اور بعض اوقات کچہریوں میں مقدمات تک دائر کرا دیتے ہیں۔ گالیاں دینا اور اپنے حریف کو برا کہنا اپنا حق سمجھتے ہیں مگر یہ سراسر محال ہے کہ اُن دونوں میں سے کوئی ایک اپنی غلطی کو تسلیم کرلے اور اپنے حریف کی سچی بات تسلیم کرکے لڑائی جھگڑے کا خاتمہ کردے۔ جنگِ صفین اور فیصلۂ حکمین کے بعد ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں ایک استفتا بھیجا اور فتویٰ طلب کیا کہ خنثیٰ مشکل کی میراث کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُن کو جواب میں لکھ بھیجا کہ اس کے پیشاب گاہ کی صورت سے حکم میراث جاری ہوگا۔ یعنی اگر پیشاب گاہ مردوں کی مانند ہے تو حکم مرد کا ہوگا اور اگر عورت کی مانند ہے تو عورت کا حکم جاری ہوگا۔ بصرہ میں جنگِ جمل کے بعد آپ داخل ہوئے تو قیس بن عبادہ نے عرض کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے بعد تم خلیفہ بنائے جاؤ گے۔ کیا یہ بات درست ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ یہ بات غلط ہے۔ میں آنحضرت صلعم پر ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اگر آپ مجھ سے یہ وعدہ فرماتے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کو خلیفہ کیوں بننے دیتا اور کیوں اُن کی بیعت کرتا۔ آج کے مولویوں اور صوفیوں سے اس قسم کی توقعات کہاں تک ہوسکتی ہیں۔ ہر ایک شخص خود ہی اپنے دل میں اندازہ کرے۔ اس قرآن مجید کی نسبت بھی جس کی ابتدائی آیت ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ ہے خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَّ يَهْدِي بِهِ كَثِيرًا۔ آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر قیامت تک حق و باطل کی معرکہ آرائی اور لڑائی کا سلسلہ جاری رہا ہے اور جاری رہے گا۔ رحمانی اور شیطانی دونوں گروہ دنیا میں ہمیشہ پائے گئے ہیں اور پائے جائیں گے۔ اربابِ حق اور اربابِ باطل کا وجود دنیا کو کبھی خالی نہیں چھوڑ سکتا۔ اور یہی حق و باطل کا مقابلہ ہے۔ جس کی وجہ سے نیکوں کے لئے اُن کی نیکی کا اجر مرتب ہوتا ہے۔ اور مومن کے ایمان کی قدر خدا کی جناب میں کی جاتی ہے۔ پس جس طرح قرآن مجید کا وجود اکثر کے لئے ہدایت اور کسی کے لئے گمراہی کا موجب بن جائے تو تعجب کی بات نہیں ہے۔ مومنوں اور مسلمانوں کی

تعریف خدائے تعالےٰ نے قرآن مجید میں اُمتہً وسطاً فرمائی ہے۔ اسلام میانہ روی سکھاتا اور افراط وتفریط کے پہلوؤں سے بچاتا ہے۔ بہت سے لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے معاملہ میں افراط وتفریط کے پہلوؤں کو اختیار کرکے گمراہ ہوگئے ہیں۔ ان گمراہ لوگوں میں سے ایک گروہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف پہلو پر اس قدر زور دیا کہ اپنی مخالفت کو عداوت بلکہ ذلیل ترین عناد کے درجہ تک پہنچا اور خدائے تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے کو گالیاں تک دینے میں تامل نہ کرکے اپنی گمراہی اور خسران وخذلان میں کوئی کمی نہ رکھی دوسرے گروہ نے اُن کی محبت میں ضرورت سے زیادہ مُبالغہ کرکے اُن کو خدائی کے مرتبہ تک پہنچادیا۔ اور ایک بندے کو خدائی صفات کا مظہر قرار دے کر دوسرے پاک اور نیک بندوں کو گالیاں دینا اور بُرا کہنا ثواب سمجھا۔ اور اس طرح اپنی گمراہی کو حدِ کمال تک پہنچاکر پہلے گروہ کے ہمسر بن گیا۔ اس معاملہ میں حضرت علیؓ کا وجود بہت کچھ حضرت مسیح علیہ السّلام کے وجود سے مشابہ نظر آتا ہے۔ کیونکہ یہودی ان کی مخالفت کے سبب گمراہ ہوئے اور عیسائی اُن کی محبت وتعظیم میں مُبالغہ کرنے اور اُن کو خدائی تک کا مرتبہ دینے میں گمراہ ہوئے۔ سچے پکے مسلمان جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے معاملہ میں افراط وتفریط کے پہلوؤں یعنی یہود ونصاریٰ کے عقائد سے بچ کر طریقِ اوسط پر قائم ہیں۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے معاملہ میں بھی وہ خارجیوں اور شیعوں کے عقائد سے محترز رہ کر طریقِ اوسط پر قائم ہیں۔ یہ چند سطریں غالباً ایک تاریخ کی کتاب میں غیرموزوں اور تاریخ نویسی کے فرائض سے بالاتر سمجھی جائیں گی۔ لیکن ایسے عظیم الشان معاملہ کی نسبت، جو آئندہ چل کر عالمِ اسلام پر نہایت قوی اثر ڈالنے والا ہے ایک مسلمان کے قلم سے چند الفاظ کا نکل جانا عیب نہ سمجھا جائے گا۔ جب کہ واقعاتِ تاریخی کو بلا کم وکاست لکھ دینے کے بعد مؤلف کی رائے بالکل الگ اور غیر ملتبس طور پر نظر آئے۔

جس طرح صحابہ کرام کو آج کل کے مسلمانوں، مولویوں اور صوفیوں پر قیاس کرنا غلطی ہے اسی طرح اُن کو عالمِ انسانیت سے بالاتر ہستیاں سمجھنا اور انسانی کمزوریوں سے قطعاً مبرا یقین کرنا بھی غلطی ہے۔ آخر وہ انسان تھے کھانے پینے پہننے۔ سونے کی تمام ضرورتیں اُن کو اسی طرح لاحق تھیں جس طرح تمام انسانوں کو ہوا کرتی ہیں صحابہ کرام کا تو کہنا ہی کیا خود آنحضرت صلعم کو بھی اپنے انسان ہونے کا اقرار اور بشر رسول ہونے

فخر تھا۔ ہم روزانہ اپنی نمازوں میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کہتے اور آنحضرت صلعم کے عبدِ خدا ہونے کا اقرار کرتے اور بندہ ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ ہاں! ہم آنحضرت صلعم کو معصوم عن الخطا اور جامع جمیع کمالاتِ انسانیہ یقین کرتے اور نوع انسان کے لئے آپؐ کی زندگی کو ایک ہی سب سے بہتر کامل و مکمل نمونہ جانتے اور آپ ہی کی اقتدا میں سعادتِ انسانی تک پہنچنے کا طریق مانتے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت وہ برگزیدہ جماعت ہے۔ جنھوں نے براہِ راست بلا توسط غیر آنحضرت صلعم کی زندگی کے نمونہ کو دیکھا اور ہدایت یاب و سعادت اندوز ہوئے۔ لیکن چونکہ وہ نبی نہ تھے۔ معصوم بھی نہ تھے۔ اُن کی استعدادیں بھی مختلف تھیں لہٰذا اُن میں ایک طرف صدیقؓ و فاروقؓ نظر آتے ہیں تو دوسری طرف اُن کی جماعت میں معاویہؓ و مغیرہؓ بھی موجود ہیں۔ ایک طرف اُن میں عائشہؓ و علیؓ جیسے فقیہ موجود ہیں تو دوسری طرف اُن میں ابوہریرہؓ و ابن مسعودؓ جیسے راوی و محدث بھی پائے جاتے ہیں۔ ایک طرف اُن میں عمرو بن العاصؓ جیسے سیاسی لوگ ہیں تو دوسری طرف اُن میں عبداللہ بن عمرؓ اور ابوذرؓ جیسے متقی پائے جاتے ہیں۔ پس مختلف استعدادوں کی بنا پر اگر اُن کے کاموں اور کارناموں میں ہمیں کوئی اختلاف نظر آئے تو وہ اختلاف درحقیقت ہمارے لئے ایک رحمت اور سامانِ ترقی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن کے اختلاف کو اپنے لئے صبر و سکون کے ساتھ سامانِ رحمت بنالیں اور عجلت و کوتاہ فہمی کے ذریعہ باعثِ گمراہی نہ بننے دیں۔

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ۳۰ھ تک یعنی بیس سال برابر صحابہ کرامؓ کو دنیا میں فتوحات حاصل ہوتی رہیں اور ہر سال بلکہ ہر مہینے کوئی نہ کوئی ملک یا صوبہ مفتوح ہو کر اسلامی سلطنت میں شامل ہوتا رہا۔ اس بست سالہ فتوحات نے برّاعظم ایشیا و افریقہ کے قریباً تمام متمدن ممالک کو اسلامی حکومت کے دائرہ میں داخل کر دیا تھا۔ اور اسلامی سیادت تمام دنیا میں مسلّم ہو چکی تھی۔ ۳۰ھ سے ۴۰ھ تک فتوحات کا سلسلہ قریباً رُکا رہا اور اس دس سال کی مدت میں مسلمانوں کے اندر آپس کے جھگڑے اور اندرونی نزاعات برپا رہے۔ چشم ظاہر بین اس دہ سالہ مدت کو سراسر زیان و نقصان ہی محسوس کرتی ہے۔ لیکن فہم و فراست اور غور و تامل کے لئے اس میں بہت سی بھلائیاں اور خوبیاں پوشیدہ ہیں۔ وہ بست سالہ فتوحات جس طاقت کے ذریعہ حاصل ہوئیں وہ طاقت نتیجہ تھی اُس روحانیت اور اُنس

تعلیم کا جو اسلام اور قرآن مجید کے ذریعہ صحابہ کرامؓ کو حاصل ہوئی تھی اور یہ وہ اندرونی خرخشے جس چیز نے پیدا کئے تھے وہ نتیجہ تھا اُس طاقت کا جو مادیت اور اس دنیا کے باشندے ہونے کی وجہ سے ہر انسان میں پیدا ہو سکتی ہے۔ان دہ سالہ رکاوٹوں اور اندرونی جھگڑوں نے عالمِ اسلام کے لئے اسی طرح قوت اور سامانِ نمونہ بہم پہنچایا جس طرح موسمِ خزاں میں درخت اپنے نشو و نما کے مادے جمع کر لیتا اور موسمِ بہار کے آنے پر پھول پھل اور پتے پیدا کرتا ہے۔اگر ان ابتدائی ایام میں مسلمان آپس کی لڑائیوں اور تباہیوں کے نظارے نہ دیکھ لیتے اور اُن کی تاریخ کے ابتدائی صفحات میں دہ سالہ دردانگیز صفحہ موجود نہ ہوتا تو آگے چل کر قرونِ اولیٰ کے بعد جب کبھی وہ ایسی زبردست ٹھوکر کھاتے تو ایسے حواس باختہ ہوتے اور اس طرح گرتے کہ پھر کبھی سنبھل ہی نہ سکتے۔ٹھوکریں کھانا،آپس میں اختلافات کا پیدا ہونا،بھائی کا بھائی سے لڑنا،خانہ جنگی کے شعلوں کا گھروں کے اندر بلند ہونا۔ہابیل و قابیل کے زمانہ کی انسانی سنت ہے۔اور بنی نوع انسان جب تک اس ربع مسکون میں آباد ہے یہ چیز بھی اس دنیا میں برابر موجود رہیں گی۔حق و باطل کی جنگ جس طرح دنیا میں جاری رہی ہے اسی طرح روحانیت کے کمزور اور مادیت کے نمایاں ہو جانے پر حامیانِ حق۔کے اندر تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد کھٹ پٹ ہوتی رہی ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السّلام بھی جب کہ حضرت ہارون علیہ السّلام کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچ سکتے۔یوسف علیہ السّلام کو اُن کے بھائی کنوئیں میں گرا سکتے اور چند درہموں کے عوض فروخت کر سکتے اور حوارئین مسیح میں سے بعض بروایتِ اناجیلِ مروجہ خود حضرت مسیح علیہ السّلام کے خلاف گواہی دے سکتے ہیں تو اربابِ حق کی اندرونی مخالفتوں اور صحابہ کرامؓ کے مشاجرات پر حیران ہونے اور تعجب کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے آپس کی مخالفتوں اور لڑائی جھگڑوں سے نوعِ انسان کبھی بکلی محفوظ نہیں ہو سکتی۔پس یہ فطری تقاضا اگر صحابہ کرامؓ کے زمانے میں ظہور پذیر نہ ہوتا تو بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے اندرونی نزاعات کی مصیبت سے گذر کر پھر ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونے۔گر کر پھر سنبھلنے۔رُک کر پھر چلنے کا موقع نہیں رہتا۔اور اسلام آج اپنی اصلی حالت میں تلاش کرنے سے بھی کسی کو نہ مل سکتا۔دوسرے الفاظ میں اس مضمون کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اور حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ

کی مخالفتیں اسلامی حکومت کی آئندہ زندگی کے لئے اُس ٹیکہ کی مثال تھیں جو چیچک سے محفوظ رہنے کے لئے بچوں کے لگایا جاتا ہے یا طاعون سے بچنے کے لئے لوگوں کے جسم میں ٹیکہ کے ذریعہ طاعونی مادہ داخل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ ٹیکہ بھی بہت مفید ثابت ہوا اور اس کی ناگوار یاد آج تک مسلمانوں کے لئے درسِ عبرت بن کر ہر تباہی و بربادی کے بعد اُن کو پھر مستعد اور چوکس بناتی رہتی ہے۔ بنوامیہ اور بنو عباس کی مخالفت بنو عباس کے عہد خلافت میں سادات کا خروج۔ سلجوقیوں اور دیلمیوں کی رقابت۔ غزنویوں اور غوریوں کی لڑائیاں۔ فاطمیین و موحدین کی کشمکش، عثمانیوں اور صفویوں کی زور آزمائیاں، افغانوں اور مغلوں کی معرکہ آرائی۔ غرض ہزارہا خانہ جنگیاں ہیں جن میں سے ہر ایک مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا کافی سامان رکھتی تھی اور ہر موقع پر غیروں کی طرف سے یہی حکم لگایا جاتا۔ کہ اب مسلمان سنبھلنے اور اُبھرنے کے قابل نہیں رہے۔ لیکن دنیا نے ہمیشہ دیکھا کہ وہ سنبھلے اور اُبھرے۔ انھوں نے مایوسی کو کافروں کا حصّہ سمجھا اور اپنے آپ کو ہمیشہ امیدوں سے پُر استقامت واستقلال سے لبریز رکھا۔ اسلام کی عزت کو اپنی عزت پر اور اسلام کی بقا کو اپنی بقا پر ترجیح دی۔ ہلاکو نے بغداد کو برباد کیا تو مسلمانوں نے فوراً ہلاکو کی اولاد کے قلوب کو اسلام سے آباد کر دیا۔ عالم عیسائیت نے متحد و متفق ہو کر بیت المقدس مسلمانوں سے چھین لیا۔ مگر صلاح الدین ایوبی نے تمام یورپی طاقتوں کو نیچا دکھا کر اُس مقدس شہر کو واپس لے لیا۔ انگورہ کے میدان نے بایزید یلدرم کی تمام اولو العزمیوں کو عملی جامہ پہنا دیا۔ غرض خلافت راشدہ کے آخری دس سال میں جو جو کچھ ظہور میں آیا اُس نے مسلمانوں کو آئندہ کے لئے زیادہ باہمت، زیادہ صعوبت کش، زیادہ سخت جان، زیادہ مستقل مزاج، زیادہ اولوالعزم بنا دیا۔ بہر حال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے کی لڑائیوں کو اگر اسلام اور عالم اسلام کے لئے نقصان رساں کہتے ہو تو کم از کم اُن کے فوائد کو بھی گو وہ نقصان کے مقابلہ میں کم ہی کیوں نہ ہوں بالکل فراموش نہ کرو۔

دن کے ساتھ رات۔ روشنی کے دامن میں تاریکی، بہار کی آغوش میں خزاں، گُل کے پہلو میں خار شیر کی خوبصورت اور دل رُبا شکل و وضع میں درندگی، سانپ کی دل کش صورت و رفتار میں سم قاتل اور دریا کی پُر از گوہر تہ میں غرق و ہلاکت موجود پائی جاتی ہے ایمان کی نعمت کا ہم کو مطلق احساس نہ ہوتا اگر کفر کی لعنت دنیا میں موجود نہ ہوتی۔ چاندنی رات

ہم کو ہرگز مسرور نہ کر سکتی اگر شب مہجور سے ہم کو واسطہ نہ پڑا کرتا۔ غرضکہ خدائے تعالیٰ نے ہر خوبی کے دامن سے ایک برائی کو باندھ دیا ہے اور ہر نوش میں ایک نیش رکھ دیا ہے اسی اصول پر ایک کارخانۂ عالم چل رہا ہے۔ خلافتِ اسلامیہ یا حکومت و سلطنتِ اسلامیہ نوعِ انسان کے لئے دنیا میں ایک نعمت کہی جا سکتی ہے۔ جب کہ چاند اور سورج کے چہروں کو بھی گہن کی سیاہی سے مفر نہیں ہے تو اس نعمت کو مکدر کرنے اور زوال و نکال میں مبتلا کرنے کے سامان بھی اگر دنیا میں موجود ہوتے رہے ہوں تو ہم کو حیران و پریشان ہونا نہیں چاہیے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں منافقوں اور مسلم نما دشمنانِ اسلام کے سازشی گروہ کا پیدا ہو جانا تاریخ کے مطالعہ کرنے والے کو سخت ناگوار معلوم ہوتا ہے اور وہ اس سازشی گروہ پیدا ہو سکنے کی ذمہ داری اسلام پر عائد کرنے سے درگذر نہیں کرتا۔ لیکن اگر وہ غور کرے گا تو جس طرح زندگی یا حیات کو وہ تنازع للبقا، کشمکش، جدوجہد اور کشمکش کا ایک سلسلہ تسلیم کرے گا۔ اسلام درحقیقت نام ہے تمام شیطانی طاقتوں کے مقابلے میں ہمہ اوقات کمربستہ رہنے کا۔ اور شیطانی طاقتوں کو مغلوب کر کے رحمانی طاقتوں کے بول بالا کرنے کا۔ شیطانی طاقتوں میں سے سلطنتِ اسلامی کے خلاف سب سے زیادہ نقصان رساں منافقوں اور سازشی گروہوں کی شرارتیں ہوا کرتی ہیں۔ آج تک جب کبھی اور جہاں کہیں خلافتِ اسلامیہ یعنی سلطنت اسلامیہ کو نقصان پہنچا ہے وہ انھیں منافقوں اور سازش کنندوں کی بدولت پہنچا ہے۔ ان منافقوں کا سلسلہ آج تک دنیا میں موجود ہے اور آج کل تو پہلے سے زیادہ طاقتور معلوم ہوتا ہے۔ اس کی پیدائش حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں ہوئی بلکہ یوں کہئے کہ شہادتِ فاروقی سے اس کی ابتدا ہوئی اور اس کے بعد جلد جلد نشوونما ہو کر شہادت عثمانیؓ سے شہادتِ علویؓ تک اس کو نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئیں پھر آج تک اس کا سلسلہ موجود پایا جاتا ہے۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ جب سے حضرت عمر فاروقؓ نے شہادت پائی اسلام کے اقبال میں کمی آ گئی۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تک یہ شخص (حضرت عمر فاروقؓ کی طرف اشارہ فرما کر) تم میں موجود ہے فتنوں کا دروازہ بند رہے گا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ آسمان کا ہر فرشتہ عمرؓ کا وقار کرتا اور زمین کا ہر شیطان اُن سے ڈرتا ہے۔ ایک روز کعب احبارؓ سے حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا کہ تم نے کہیں میرا ذکر بھی صحائفِ بنی اسرائیل میں دیکھا ہے،

اُنھوں نے کہا کہ ہاں آپ کی نسبت لکھا ہے کہ آپ امیر شدید ہوں گے۔ اور راہِ خدا میں کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈریں گے۔ آپ کے بعد جو خلیفہ ہوگا اُس کو ظالم لوگ قتل کرڈالیں گے اور اُن کے بعد بلا اور فتنہ پھیل جائے گا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ہم اکثر یہ ذکر کیا کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں شیاطین قید میں رہے۔ اور آپ کے انتقال کے بعد آزاد ہو گئے ؎

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام و نسب و حلیہ وغیرہ } حسن بن علی بن ابی طالب خلفاء راشدین میں سب سے آخری خلیفہ سمجھے جاتے ہیں۔ آپ نصف شعبان ۳ھ میں پیدا ہوئے آپ کی صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بہت مشابہ تھی۔ آپ کا نام آنحضرت صلعم نے رکھا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں یہ نام کسی کا نہ تھا۔ امام بخاریؒ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ممبر پر تشریف رکھتے تھے حضرت حسنؓ آپ کے پہلو میں بیٹھے تھے آپ کبھی لوگوں کی طرف اور کبھی حضرت امام حسنؓ کی طرف دیکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور یہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں مصالحت کرائے گا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے ایک روز حضرت حسنؓ کو اپنے کندھے پر بٹھا رکھا تھا ایک شخص راستے میں ملا اُس نے حضرت حسنؓ کو مخاطب کرکے کہا کہ میاں صاحبزادے تم نے کیا اچھی سواری پائی ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ سوار بھی تو بہت اچھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا قول ہے کہ اہلِ بیت میں حضرت امام حسنؓ آنحضرت صلعم سے بہت زیادہ مشابہ تھے اور آنحضرت صلعم اُن کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے ؎

خصائلِ حمیدہ } حضرت امام حسنؓ نہایت حلیم۔ صاحبِ وقار، صاحبِ حشمت اور نہایت سخی تھے۔ فتنہ و خوں ریزی سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ آپ نے پیادہ پا پچیس ۲۵ حج کئے۔ حالانکہ اُونٹ کوتل آپ کے ہمراہ ہوتے تھے۔ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ صرف حضرت حسنؓ ہی ایک ایسے شخص تھے کہ جب بات کرتے تھے تو میں چاہتا تھا کہ آپ باتیں

کیے جائیں اور اپنا کلام ختم نہ کریں اور آپ کی زبان سے میں نے کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں سُنا۔

مروان بن الحکم جب مدینہ کا عامل تھا اور حضرت امام حسنؓ بھی بعد ترکِ خلافت مدینہ ہی میں رہتے تھے تو مروان نے ایک مرتبہ حضرت امام حسنؓ کے پاس ایک آدمی کے ہاتھ کہلا کر بھجوایا کہ تیری مثال خچر کی سی ہے (نعوذ باللہ)، کہ جب اُس سے پوچھا جائے کہ تیرا باپ کون تھا تو وہ کہتا ہے کہ میری ماں گھوڑی تھی۔ آپ نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں یہ بات کبھی نہ بھولوں گا کہ تو مجھے بلا سبب گالیاں دیتا ہے۔ آخر ایک روز تجھ کو اور مجھ کو خدا تعالیٰ کے سامنے جانا ہے اگر تو اپنے قول میں سچا ہے تو خدائے تعالیٰ تجھ کو سچ بولنے کی جزائے خیر دے اور اگر تو جھوٹا ہے تو خوب یاد رکھ کہ خدائے تعالیٰ سب سے زیادہ منتقم ہے۔ جریر بن اسماءؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت امام حسنؓ نے وفات پائی تو مرواؔن آپ کے جنازے پر رونے لگا۔ حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ اب تو تو روتا ہے اور زندگی میں اُن کو ستاتا رہا۔ مرواؔن نے کہا جانتے بھی ہو میں اُس شخص کے ساتھ ایسا کرتا تھا جو پہاڑ سے بھی زیادہ حلیم تھا۔ علی بن زیدؓ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسنؓ نے دو مرتبہ اپنا مال راہِ خدا میں خیرات کیا اور تین مرتبہ نصف نصف خیرات کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک جوتا رکھ لیا، ایک دے دیا۔ ایک موزہ رکھ لیا اور ایک دے دیا۔ آپ عورتوں کو طلاق بہت دیا کرتے تھے بجز اُس کے جس کو آپ سے محبت ہو جاتی۔ حتیٰ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو اہلِ کوفہ سے کہنا پڑا کہ تم میرے بیٹے حسنؓ کو لڑکیاں نہ دو۔ لیکن ہمدان نے کہا کہ ہم سے یہ نہ ہو گا کہ لڑکیاں اُن کے نکاح میں نہ دیں۔ ایک مرتبہ آپ کے سامنے ذکر ہوا کہ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں تونگری سے مفلسی کو اور تندرستی سے بیماری کو زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا اُن پر رحم کرے میں تو اپنے آپ کو بالکل خدا کے ہاتھ میں چھوڑتا ہوں اور کسی بات کی تمنّا نہیں کرتا۔ وہ جو کچھ چاہے کرے مجھے دخل دینے کی کیا مجال ہے۔

آپ نے ربیع الاوّل ۴۱ھ میں خلافت حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد کر دی تو اس کے بعد آپ کے دوست جب آپ کو عارالمسلمین کے نام سے پُکارتے تو آپ فرمایا کرتے کہ عار (شرمندگی) نار (دوزخ) سے بہتر ہے۔ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ اے مسلمانوں کے ذلیل کرنے والے تجھ پر سلام ہو۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں مسلمانوں کا ذلیل کرنے والا نہیں ہوں۔ بلکہ مجھے

یہ اچھا نہ معلوم ہوا۔ کہ تم کو ملک کے لئے قتل کرا دیتا۔ جبیر بن نفیل رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ افواہ ہے کہ آپ پھر خلافت کے خواہشمند ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب اہلِ عرب کے سر میرے ہاتھ میں تھے جس سے چاہتا لڑوا دیتا اُس وقت میں نے محض خوشنودیِ الٰہی کے لئے خلافت چھوڑ دی تو اب محض اہلِ حجاز کو خوش کرنے کے لئے کیوں قبول کرنے لگا تھا۔ آپ نے ماہِ ربیع الاول ۵۰ھ میں وفات پائی بعض لوگ کہتے ہیں آپ کی شہادت زہر کے ذریعہ ہوئی۔ حضرت امام حسینؓ نے ہر چند آپ سے معلوم کرنا چاہا کہ آپ کو کس نے زہر دیا مگر آپ نے نہ بتلایا اور فرمایا کہ جس پر میرا شبہ ہے اگر وہی میرا قاتل ہے تو خدائے تعالیٰ سخت انتقام لینے والا ہے ورنہ میرے واسطے کوئی کیوں ناحق قتل کیا جائے۔

حضرت امام حسن کی خلافت کے قابلِ تذکرہ واقعات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے وفات کے وقت دریافت کیا گیا تھا کہ آپ کے بعد حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی جائے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا میں اپنے حال میں مشغول ہوں تم جس کو پسند کرو اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لینا۔ لوگوں نے اس کو حضرت امام حسنؓ کے متعلق اجازت سمجھ کر اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سب سے پہلے قیس ابن سعد ابن عبادہ نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اس کے بعد اور لوگ بھی آ آ کر بیعت کرنے لگے۔ بیعت کے وقت حضرت امام حسنؓ لوگوں سے اقرار لیتے جاتے تھے کہ

میرے کہنے پر عمل کرنا، جس سے میں جنگ کروں تم بھی جنگ کرنا۔ اور جس سے میں صلح کروں تم بھی اُس سے صلح کرنا"۔

اس بیعت کے بعد ہی اہلِ کوفہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ ان کا ارادہ جنگ کرنے کا نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت امیر معاویہؓ کو جب حضرت علیؓ کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے لئے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا اور اگرچہ وہ اہلِ شام سے فیصلۂ حکمین کے بعد ہی بیعتِ خلافت لے چکے تھے لیکن اب دوبارہ پھر تجدیدِ بیعت کرائی۔ قیس بن سعدؓ جب حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے تھے۔ تو انھوں نے کہا تھا کہ میں کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ نیز ملحدین سے جہاد کرنے پر بیعت کرتا ہوں۔ حضرت امام حسنؓ نے

اُن سے فرمایا تھا کہ قتال وجہاد وغیرہ سب کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہؐ میں شامل ہیں ان کے علیحدہ نام لینے کی ضرورت نہیں۔ اسی فقرہ سے اہلِ کوفہ کو مذکورہ سرگوشی کا موقع ملا تھا اور اُن کو شبہ ہوگیا تھا کہ یہ جنگ کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ حضرت امیر معاویہؓ تجدید بیعت کے کام سے فارغ ہوکر اور ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر دمشق سے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے اور حضرت امام حسنؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ صلح جنگ سے بہتر ہے اور مناسب یہی ہے کہ آپ مجھ کو خلیفۂ وقت تسلیم کر کے میرے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ حضرت امام حسنؓ نے یہ سُن کر کہ حضرت امیر معاویہؓ کوفہ کا عزم رکھتے ہیں چالیس ہزار کا لشکر ہمراہ لیا اور کوفہ سے روانہ ہوئے منزلیں طے کرتے ہوئے جب مقام دیرِ عبدالرحمٰن میں پہنچے تو قیس بن سعدؓ کو بارہ ہزار کی جمعیت سے بطور مقدمۃ الجیش آگے روانہ کیا۔ ساباطِ مدائن میں پہنچ کر لشکر کا قیام ہوا تو وہاں کسی نے یہ غلط خبر مشہور کردی کہ قیس بن سعدؓ مارے گئے۔ حضرت امام حسنؓ نے یہاں ایک روز قیام کیا تاکہ سواری کے جانوروں کو آرام کرنے کا موقع مل جائے۔ اس جگہ آپ نے لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور حمد وثنا کے بعد کہا کہ

> "لوگو تم نے میرے ہاتھ پر اس شرط کے ساتھ بیعت کی ہے کہ صلح وجنگ میں میری متابعت کروگے۔ میں خدائے برتر وتوانا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھ کو کسی سے بغض وعداوت نہیں۔ مشرق سے مغرب تک ایک شخص بھی مجھ کو ایسا نظر نہیں آتا کہ میرے دل میں اُس کی طرف سے رنج وملال اور نفرت وکراہت ہو۔ اتفاق واتحاد محبت وسلامتی اور صلح واصلاح کو میں نااتفاقی اور دشمنی سے بہرحال بہتر سمجھتا ہوں"۔

امام حسنؓ پر کفر کا فتویٰ

اس تقریر کو سُن کر خوارج اور منافقین نے فوراً تمام لشکر میں یہ بات مشہور کردی کہ امام حسنؓ معاویہؓ سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ پھر ساتھ ہی حضرت امام حسنؓ پر کفر کا فتوے لگادیا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگانے کی رسم منافقوں اور سبائیوں کی ایجاد کردہ رسم ہے۔ انہیں لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر بھی کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ آج ہمارے زمانے کے بڑے بڑے اعلم العلماء اور افضل الفضلاء کہلانے

والے جبہ پوش مفتی منافقوں اور مسلم نما یہودیوں کی اس پلید سنت کے زندہ رکھنے اور امتِ محمدیہ کے شیرازہ کو اپنی تکفیر بازی و فتوئی گری کے خنجر سے پارہ پارہ اور پریشان کرنے میں پوری مستعدی و سرگرمی کو کام میں لارہے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

غرض اس کفریہ فتوے کا حضرت امام حسنؓ کے لشکر پر یہ اثر ہوا کہ تمام لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ کوئی کہتا تھا کہ امام حسنؓ کافر ہوگئے۔ کوئی کہتا تھا کہ کافر نہیں ہوئے۔ آخر کافر کہنے والوں کا زور ہوگیا اور انھوں نے اپنے مخالف خیال کے لوگوں پر زیادتی اور مار دھاڑ شروع کردی۔ پھر بہت سے لوگ کافر کہتے ہوئے حضرت امام حسنؓ کے خیمے میں گھس آئے اور ہر طرف سے آپ کا لباس پکڑ پکڑ کر کھینچنا شروع کیا یہاں تک کہ آپ کے جسم پر تمام لباس پارہ پارہ ہوگیا۔ آپ کے کاندھے پر سے چادر کھینچ کرلے گئے اور ہر چیز خیمے کی لوٹ لی۔ یہ حال دیکھ کر حضرت امام حسنؓ فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور قوم ربیعہ و ہمدان کو آواز دی۔ یہ دونوں قبیلے آپ کی حمایت و حفاظت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور بدمعاشوں کو آپ کے پاس سے دفع کرنے میں کامیاب ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ شور و شر جو لشکر میں برپا تھا فرو ہوا۔

وہاں سے آپ شہر مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک خارجی نے جس کو جراح بن قبیصہ کہتے تھے موقع پاکر آپ کے ایک نیزہ مارا جس سے آپ کی ران زخمی ہوئی۔ آپ کو ایک چارپائی یا سریر پر اُٹھا کر مدائن کے قصرِ ابیض میں لائے اور وہیں آپ مقیم ہوئے۔ عبداللہ بن خنظل اور عبداللہ بن ظبیان نے جراح بن قبیصہ خارجی کو قتل کیا۔ قصر ابیض میں آپ کے زخم کا علاج جراحوں نے کیا اور جلد یہ زخم اچھا ہوگیا۔ قیس بن سعد جو بارہ ہزار کا لشکر لے کر بطور مقدمۃ الجیش آگے روانہ ہوئے تھے مقام انبار میں مقیم تھے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے آکر اُن کا محاصرہ کرلیا اور عبداللہ بن عامر کو تحریک صلح کے لئے مدائن کی طرف بطور مقدمۃ الجیش روانہ کیا۔ اِدھر مدائن میں پہنچ کر اور اپنے لشکر والوں کی یہ بدتمیزیاں دیکھ کر حضرت امام حسنؓ پہلے ہی صلح کا ارادہ کرکے حضرت امیر معاویہؓ کے پاس ایک قاصد یعنی عبداللہ بن حارث بن نوفل کو جو امیر معاویہؓ کے بھانجے تھے معہ درخواست صلح روانہ کرچکے تھے۔

عبداللہ بن عامر کو مدائن کے قریب پہنچا ہوا سُن کر حضرت امام حسنؓ مقابلہ کے لئے معہ لشکر مدائن سے نکلے۔ عبداللہ بن عامر نے اپنے مقابلہ پر لشکر کو آتے ہوئے دیکھ کر اور قریب پہنچ کر اہلِ عراق کو مخاطب کرکے کہا کہ میں لڑنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ میں امیر معاویہؓ

کا مقدمۃ الجیش ہوں اور امیر معاویہؓ انبار میں بڑے لشکر کے ساتھ مقیم ہیں۔ تم لوگ امام حسنؓ کی خدمت میں میرا سلام پہنچاؤ اور عرض کرو کہ عبداللہ آپ کو خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہے کہ لڑائی سے ہاتھ روکو تاکہ ہلاکت سے بچ جائیں۔ جب حضرت امام حسنؓ نے یہ بات سُنی تو مدائن میں واپس چلے آئے اور عبداللہ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں امیر معاویہؓ کے ساتھ صلح کرنے اور خلافت سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہوں بشرطیکہ امیر معاویہؓ میری چند شرطیں منظور کرلیں۔ جن میں سب سے مقدم یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کتاب و سنّت پر عامل رہنے اور سابقہ مخالفتوں کو فراموش کر کے کسیؓ کی جان و مال سے تعرض نہ کرنے اور ہمارے طرف داروں کو جان کی امان دینے کا وعدہ کرلیں۔ الصلح خیر۔ عبداللہ بن عامر یہ سُن کر فوراً حضرت امیر معاویہؓ کے پاس واپس گئے اور کہا کہ چند شرطوں کے ساتھ حضرت حسنؓ تفویض خلافت پر آمادہ ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے پوچھا وہ شرطیں کیا ہیں۔ عبداللہ بن عامر نے کہا کہ پہلی شرط یہ ہے کہ جب تم فوت ہوجاؤ تو تمھارے بعد خلافت حضرت امام حسنؓ کو ملے دوسری شرط یہ ہے کہ جب تک تم زندہ رہو ہر سال پانچ لاکھ درم سالانہ بیت المال سے امام حسنؓ کے پاس بھیجتے رہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ علاقہ اہواز و فارس کا خراج امام حسنؓ کو ملا کرے۔

یہ تینوں شرطیں عبداللہ بن عامر نے بطور خود حضرت امام حسنؓ کی طرف سے پیش کر کے پھر وہ شرطیں سُنائیں جو حضرت امام حسنؓ نے عبداللہ بن عامر سے کہلا کر بھجوائی تھیں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا کہ مجھ کو یہ تمام شرطیں منظور ہیں اور حضرت امام حسنؓ ان کے علاوہ بھی کوئی اور شرط پیش کریں گے۔ تو وہ بھی مجھ کو منظور ہے کیونکہ اُن کی نیت نیک معلوم ہوتی ہے اور مسلمانوں میں صلح و آشتی کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ یہ کہکر حضرت امیر معاویہؓ نے ایک سفید کاغذ پر اپنی مُہر و دستخط ثبت کر کے عبداللہ بن عامر کو دیا اور کہا کہ یہ کاغذ حضرت امام حسنؓ کے پاس لے جاؤ اور اُن سے کہو کہ جو جو شرطیں آپ چاہیں اس کاغذ پر لکھ لیں میں سب کو پورا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت امام حسنؓ صلح پر آمادہ ہیں تو وہ اُن کے پاس آئے اور اس ارادے سے باصرار باز رکھنا چاہا لیکن حضرت امام حسنؓ نے اُن کی رائے کو پسند نہ فرمایا وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے سے اہل کوفہ اور اہلِ عراق کو دیکھ رہے تھے دوسری

طرف امیر معاویہؓ کے انتظام ملکی اور نظامِ حکومت کی مضبوطی بھی اُن کے پیشِ نظر تھی لہٰذا وہ صلح کے ارادے پر قائم رہے۔

صلح نامہ

جب عبداللہ بن عامر امیر معاویہؓ کا مُہری و دستخطی کاغذ لے کر آئے اور تمام پیش کردہ شرائط کا تذکرہ کیا۔ تو حضرت امام حسنؓ نے کہا کہ میں اس شرط کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ کہ حضرت امیر معاویہؓ کے بعد میں خلیفہ بنایا جاؤں۔ کیونکہ اگر مجھ کو خلافت کی خواہش ہوتی تو میں اسی وقت کیوں اس کے چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتا۔ اس کے بعد اپنے کاتب کو بُلایا اور صلح نامہ لکھنے کا حکم دیا۔ جو اس طرح لکھا گیا :-

"یہ صلح نامہ حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب اور معاویہؓ بن ابی سفیان کے درمیان لکھا جاتا ہے دونوں مندرجۂ ذیل باتوں پر متفق اور رضامند ہیں" —

امرِ خلافت معاویہؓ بن ابی سفیان کو سپرد کیا گیا۔ معاویہؓ کے بعد مسلمان مصلحتِ وقت کے مطابق جس کو چاہیں گے خلیفہ بنائیں گے۔ معاویہؓ کے ہاتھ اور زبان سے سب اہلِ اسلام محفوظ و مامون رہیں گے اور معاویہؓ سب کے ساتھ نیک سلوک کریں گے۔ حضرت علیؓ کے متعلقین اور اُن کے طرف داروں سے امیر معاویہؓ کوئی تعرض نہ کریں گے۔ حسن بن علیؓ اور حسینؓ بن علیؓ اور اُن کے متعلقین کو امیر معاویہؓ کوئی ضرر نہ پہنچائیں گے اور یہ دونوں بھائی اور اُن کے متعلقین جس شہر اور جس آبادی میں چاہیں گے سکونت اختیار کریں گے۔ امیر معاویہؓ اور اُن کے عاملوں یا گماشتوں کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اُن کو اپنا محکوم سمجھ کر اپنے کسی ذاتی حکم کی تعمیل کے لئے مجبور کریں۔ صوبہ اہواز کا خراج حسنؓ بن علیؓ کو امیر معاویہؓ پہنچاتے رہیں گے۔ کوفہ کے بیت المال میں جس قدر روپیہ اب موجود ہے وہ سب امام حسنؓ بن علیؓ کی ملکیت سمجھا جائے گا۔ وہ اپنے اختیار سے اُس پر جس طرح چاہیں گے تصرف کریں گے۔ امیر معاویہؓ بنی ہاشم کو انعام وعطیہ میں دوسروں پر مقدم رکھیں گے"۔

اس عہد نامہ پر عبد اللہ بن الحارث بن نوفل اور عمر بن ابی سلمہ وغیرہ کئی اکابر کے دستخط بطور گواہ اور ضامن کے ہوئے۔ جب یہ صلح نامہ مرتب ہو کر امیر معاویہؓ کے پاس مقام انبار میں پہنچا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ وہاں سے محاصرہ اٹھا کر اور قیس بن سعدؓ کو آزاد چھوڑ کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قیس بن سعدؓ بھی اسی روز شام کو معہ اپنے ہمراہیوں کے کوفہ میں پہنچ گئے۔ امیر معاویہؓ نے کوفہ کی جامع مسجد میں پہنچ کر امام حسنؓ اور اہلِ کوفہ سے بیعت لی۔ قیس بن سعدؓ نے بیعت سے انکار کیا اور مسجد میں نہ آئے۔ امیر معاویہؓ نے اُن کے پاس بھی ایک سادہ کاغذ پر اپنی مُہر اور دستخط ثبت کر کے بھیجدیا۔ اور کہلا بھجوایا کہ جو کچھ تمہاری شرطیں ہوں اس پر لکھ لو مجھ کو منظور ہوں گی۔ انھوں نے صرف اپنی اور اپنے ہمراہیوں کی جان کی امان چاہی مال وغیرہ مطلق طلب نہ کیا۔ امیر معاویہؓ نے فوراً اُن کی شرط کو منظور کر لیا۔ اس کے بعد انھوں نے اور اُن کے ہمراہیوں نے بھی آکر بیعت کرلی۔

حضرت امام حسینؓ نے بھی بیعت سے انکار کیا۔ حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے اصرار ہوا تو حضرت امام حسنؓ نے معاویہؓ سے کہا کہ آپ حسینؓ سے اصرار نہ کریں۔ آپ کی بیعت کرنے کے مقابلے میں اُن کو اپنا فخر عزیز تر ہے۔ یہ سُن کر امیر معاویہؓ خاموش ہو گئے لیکن بعد میں پھر امام حسینؓ نے بھی امیر معاویہؓ سے بیعت کرلی۔ اس سفر میں امیر معاویہؓ کے ہمراہ عمرو بن العاصؓ بھی موجود تھے۔ اُنھوں نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ اب آپ امام حسنؓ سے فرمائش کیجئے کہ وہ مجمع عام کے روبرو ایک خطبہ بیان فرمائیں۔ امیر معاویہؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور اُن کی درخواست کے موافق حضرت امام حسنؓ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ:۔

"مسلمانو! میں فتنے کو بہت مکروہ رکھتا ہوں۔ اپنے جدِّ امجد کی اُمت میں سے فساد اور فتنے کو دور کرنے اور مسلمانوں کی جان و مال کو محفوظ رکھنے کے لئے میں نے حضرت امیر معاویہؓ سے صُلح کی اور اُن کو امیر اور خلیفہ تسلیم کیا۔ اگر امارت اور خلافت اُن کا حق تھا تو اُن کو پہنچ گیا اور اگر یہ میرا حق تھا تو میں نے اُن کو بخش دیا"۔

آنحضرتؐ کی پیش گوئی

اس کے بعد صلح کے تمام مدارج طے ہو گئے اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیش گوئی بھی جو حضرت امام حسنؓ کی نسبت آپؐ نے ارشاد فرمائی تھی پوری ہو گئی کہ "میرا یہ بیٹا سردار ہے اور خدا تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دیگا" حضرت امام حسنؓ منبر سے اُترے تو امیر معاویہؓ نے بے ساختہ اُن سے مخاطب ہو کر کہا کہ

"ابو محمد! آپ نے آج اس قسم کی جواں مردی اور بہادری دکھائی ہے۔ کہ ایسی جواں مردی اور بہادری آج تک کوئی بھی نہ دکھا سکا"۔

یہ صلح ۴۱ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی شہادت سے چھ ماہ بعد وقوع پذیر ہوئی اس لیے ۴۱ھ کو عام الجماعت کے نام سے موسوم کیا گیا۔

بعد تکمیل صلح حضرت امیر معاویہؓ کوفہ سے دمشق کی جانب روانہ ہوئے اور جب تک حضرت امام حسنؓ زندہ رہے اُن کے ساتھ امیر معاویہؓ نے بڑی تکریم و تعظیم کا برتاؤ کیا اور برابر اُن کی خدمت میں حسب قرارداد صلح نامہ روپیہ بھیجتے رہے۔ امیر معاویہؓ کے کوفہ سے واپس چلے جانے کے بعد اہل کوفہ نے آپس میں یہ چرچا کرنا شروع کیا کہ صوبہ اہواز کا خراج تو ہمارا مال غنیمت ہے ہم امام حسنؓ کو ہرگز نہ لینے دیں گے۔ حضرت امام حسنؓ نے سُن کر اہل کوفہ کو جمع کیا اور اُن کے سامنے تقریر کی کہ

"اے اہلِ عراق! میں تم سے بارہا درگذر کر چکا ہوں۔ تم نے میرے باپ کو شہید کیا۔ میرا گھر بار لوٹا۔ مجھے نیزہ مار کر زخمی کیا۔ تم دو قسم کے مقتولین کو یاد رکھتے ہو۔ ایک وہ لوگ جو صفین میں مقتول ہوئے دوسرے وہ جو نہروان کے مقتولین کا معاوضہ طلب کر رہے ہیں۔ معاویہؓ نے جو معاملہ تم سے کیا ہے اُس میں تمھاری کوئی عزت بھی نہیں اور انصاف بھی یہی ہے۔ پس اگر تم موت پر راضی ہو تو میں اس صلح کو فسخ کر دوں اور تیغ تیز کے ذریعہ فیصلہ طلب کروں۔ اور اگر تم زندگی کو عزیز رکھتے ہو تو پھر میں اس صلح پر قائم رہوں"۔

یہ سنتے ہی ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ صلح قائم رکھیے۔ صلح قائم رکھیے۔ بات

یہ تھی کہ حضرت امام حسنؓ اہل کوفہ کی کم ہمتی اور بیوقوفی سے خوب واقف تھے انھوں نے صرف دھمکی سے اُن کو سیدھا کرنا مناسب سمجھا۔ حضرت امیر معاویہؓ اب بلااختلاف عام عالم اسلام کے خلیفہ ہو گئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جو معاملاتِ مُلکی سے قطع تعلق کرکے اونٹوں اور بکریوں کے چرانے اور گوشہ نشینی کے عالم میں مصروفِ عبادت رہتے تھے انھوں نے بھی حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ غرض کوئی ایسا قابل تذکرہ شخص باقی نہ رہا جس نے جلد یا کچھ تامل کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کو خلیفہ وقت تسلیم کرکے بیعت نہ کی ہو۔ بعد انعقاد صلح حضرت امام حسنؓ چند روز کوفہ میں رہے پھر کوفہ کی سکونت ترک کرکے مع جملہ متعلقین مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اہل کوفہ تھوڑی دور تک بطریق مشایعت ہمراہ آئے۔ مدینہ آکر پھر آپ نے کبھی کسی دوسری جگہ کی سکونت کا قصد نہیں فرمایا۔

زہر کا افسانہ

۵۰ھ یا ۵۱ھ میں آپ نے وفات پائی۔ عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو آپ کی بیوی جعدہ بنت الاشعث نے زہر دیا تھا۔ مگر جب کہ خود حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو بھی تحقیق نہ ہو سکا۔ کہ زہر کس نے دیا اور کیوں دیا تو دوسروں کو حق نہیں ہے کہ وہ سینکڑوں ہزاروں برسوں کے بعد یقینی طور پر اُسے مجرم قرار دیں۔

وفات کے وقت حضرت امام حسنؓ نے حضرت امام حسینؓ سے کہا کہ "آنحضرت محمد صلعم کے بعد حضرت علیؓ تک خلافت پہنچی اور تلواریں میانوں سے نکل آئیں اور یہ معاملہ طے نہ ہوا۔ اب میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ نبوت اور خلافت ہمارے خاندان میں جمع نہیں رہ سکتیں۔ یہ بھی ایک اندیشہ ہے کہ سفہائے کوفہ تم کو یہاں سے نکالنے کی کوشش کریں گے تم اُن کے فریب میں نہ آنا۔ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کہا تھا۔ کہ مجھے آنحضرت صلعم کے پاس دفن ہونے کی اجازت دے دیں۔ اُس وقت تو اُنھوں نے مان لیا تھا۔ اب لوگوں کا خیال ہے کہ تم پوچھو گے تو نہ مانیں گی۔ مگر میرے بعد تم اُن سے پھر دریافت کرنا۔ اگر وہ اجازت نہ دیں تو اصرار نہ کرنا۔" حضرت امام حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت امام حسینؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے بسر و چشم منظور ہے۔ لیکن مروان نے جب یہ خبر سُنی کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اجازت

دے دی ہے تو وہ مانع ہوا۔ حضرت امام حسینؓ اور اُن کے ساتھی مسلح ہوکر چلے مگر حضرت ابوہریرہؓ نے آکر حضرت امام حسینؓ کو سمجھایا اور کشت و خون کے ارادے سے باز رکھا چنانچہ حضرت امام حسنؓ کو اُن کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس دفن کردیا گیا۔ حضرت امام حسنؓ کے نو بیٹے اور چھ بیٹیاں کُل پندرہ اولاد تھیں ؕ

خلافت حسنی پر ایک نظر بعض مورخین نے حضرت امام حسنؓ کی شش ماہہ خلافتِ راشدہ میں شامل نہیں سمجھا کیونکہ وہ قلیل مدت کے لئے تھی اور نامکمل تھی۔ نامکمل کہنا اس لئے نادرست ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کو بھی پھر تو نامکمل کہہ کر خلافت راشدہ سے خارج کرنا پڑے گا، حالانکہ یہ جائز نہیں۔ مدتِ خلافت کا کم ہونا بھی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ حضرت امام حسنؓ کی خلافت پر اگر صبر و سکون کے ساتھ نظر ڈالی جائے تو وہ خلافتِ راشدہ کا نہایت ہی اہم حصہ ہے اور حضرت امام حسنؓ کی خلافت اگرچہ مُلکی فتوحات اور جنگ و پیکار کے ہنگاموں سے خالی ہے لیکن حضرت امام حسنؓ نے جنگ کے میدان گرم کئے اور خون کے دریا بہائے بغیر اسلام اور عالمِ اسلام کو اس قدر فائدہ پہنچا دیا جو شاید بیسیوں برس کی خلافت اور سینکڑوں لڑائیاں لڑنے کے بعد بھی نہیں پہنچایا جا سکتا تھا۔ خدمتِ اسلام کے اعتبار سے حضرت امام حسنؓ یقیناً خلفاء راشدین کے پہلو بہ پہلو جگہ پانے کا حق رکھتے ہیں۔ انھوں نے دس سال کی خانہ جنگی کو جس کے دُور ہونے کی توقع نہ تھی یک لخت دُور کردیا۔ انھوں نے منافقوں اور مسلم نما یہودیوں کی شرارتوں اور ریشہ دوانیوں کو جو دس سال سے نشو و نما پاکر اب بہت طاقتور اور عظیم الشان ہو چکی تھیں یکایک درہم برہم کردیا اور شرارت پیشہ لوگ حیران و مبہوت ہو کر اُن کا منہ تکنے لگے۔ اُنھوں نے دس سال سے رُکی ہوئی فتوحاتِ اسلامی کو پھر جاری ہونے کا موقع دیا۔ انھوں نے مشرکین کے اطمینان کو جو دس سال سے مسلمانوں کی خانہ جنگی کا تماشا مزے لے کر دیکھ رہے تھے۔ برباد کردیا۔ اُنھوں نے اُن خارا شگاف تلواروں اور آہن گداز نیزوں کا رخ دشمنانِ اسلام کی طرف پھیر دیا۔ جو اس سے پہلے مسلمانوں کی گردنیں اُڑانے اور سینے زخمی کرنے میں مصروف تھے۔ خالد بن ولیدؓ کے بعد خالد بن ولیدؓ سے بھی بڑھ کر بہادری کا نمونہ دکھایا جب کہ کوفہ میں امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اُن کے اپنے ان مختصر الفاظ سے کہ:۔

"اگر امارت وخلافت امیر معاویہؓ کا حق تھا تو اُن کو پہنچ گیا اور اگر یہ میرا حق تھا۔ تو میں نے اُن کو بخش دیا"۔

نہ صرف اُسی زمانے کے مسلمانوں کو عظیم الشان درسِ معرفت حاصل ہوا بلکہ قیامت تک کے لئے مسلمانوں کی رہبری کا عظیم الشان کام انجام دینے کی غرض سے خونخوار وبے پناہ سمندروں کی تاریکیوں میں ایک لائٹ ہوس قائم ہوگیا۔ حضرت امام حسن علیہ السّلام کے پاس چالیس ہزار جنگجو فوج موجود تھی۔ یہ فوج خواہ کیسے ہی بیوقوف اور متلوّن مزاج لوگوں پر مشتمل ہو اور اُن سے کیسی گستاخیاں بھی سرزد ہوئی ہوں لیکن اہل شام اور امیر امیر معاویہؓ سے لڑنے اور مارنے مرنے کا حلف سب اٹھائے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں ایک ۳۷ سالہ جوان العمر، جنگ آزمودہ اور بہادر باپ کا بیٹا اپنے باپ کے رقیب اور مدِمقابل سے دودو ہاتھ کئے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتا تھا۔ حضرت امام حسنؓ یہ بھی جانتے تھے کہ تمام عالمِ اسلام اس بات سے واقف ہے کہ ہمارے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کس قدر محبت تھی اور اُن کو حضرت علیؓ سے بھی زیادہ اس بات کا موقع حاصل تھا۔ کہ وہ صحابہ کرام اور عالمِ اسلام کے تمام مسلمانوں کی حمایت وہمدردی کو تھوڑی سی مدّت اور بڑی آسانی سے اپنی طرف جذب کرسکیں۔ ہم چشموں، بھائیوں، ماتحتوں، جنگی افسروں کی ترغیب اور صلح کی حالت میں طعن وتشنیع بھی اُن کے لئے دامن گیر تھے۔ وہ خود سپہ سالاری کی قابلیت اور شہنشاہی کی اہلیّت بخوبی رکھتے تھے۔ اولوالعزمی اور بلند ہمتی اس عمر کا خاصہ ہے لیکن خدائے تعالیٰ کی ہزاروں ہزار اور بے شمار رحمتیں حضرت امام حسنؓ کی روح پر نازل ہوں کہ انھوں نے اخلاص، ایثار اور خدمتِ اسلام کا وہ بہترین نمونہ اُمّتِ محمّدیہ کے لئے چھوڑا جس کی توقع خیرالبشر، رحمۃ للعالمین اور جامع جمیع کمالات انسانیہ کے نواسے سے ہوسکتی تھی۔

اے حسنؓ! تو نے مسلمانوں کے دوٹکڑوں کو آپس میں ملا کر ایک کردینے کا وہ عظیم الشان کام کیا ہے جو دولخت شدہ کرۂ زمین کے جوڑنے۔ شق شدہ آسمان کا باہم جوڑ ملانے سے بھی زیادہ مشکل کام تھا۔ اے حسنؓ! تو نے اپنی مدّتِ خلافت میں کوئی میدانِ کارزار گرم نہیں کیا۔ لیکن تو نے دنیا کے تمام بہادروں، تمام شمشیر زنوں، تمام سپہ سالاروں، تمام تنگ گیروں، تمام شیر افگنوں کی سرداری حاصل کرلی۔ اے حسنؓ! تیرے ہی فعل حسن کا نتیجہ

ہے کہ مسلمانوں نے بحر روم اور بحر روم کے جزیروں پر قبضہ کیا۔ قسطنطنیہ کی فصیل تک پہنچ کر عباسی شہنشاہی کو ذلیل و فضیحت کیا۔ طرابلس الغرب۔ مراکو۔ اسپین۔ سندھ۔ افغانستان ترکستان وغیرہ ممالک اسلامی حکومت میں شامل ہو گئے۔ اے حسنؓ! تونے عالم اسلام میں زندگی کی روح پھونک دی۔ اے حسنؓ! تونے اپنی شرافت کا نمونہ دکھا کر کشتِ اسلام کو از سرِ نو سرسبز کیا۔ اے حسنؓ! مسلمانوں کی ہر ایک کامیابی مسلمانوں کی ہر ایک فتحمندی مسلمانوں کی ہر ایک سربلندی تیری روح پر رحمت الٰہی کی ایک بارش بن جاتی ہوگی۔ اے فاطمۃ الزہراؓ کے لاڈلے۔ اے خاندان ابی طالب کے ماہتاب اور اے اُمتِ مسلمہ کے چشم و چراغ میری روح تیری محبت میں گداز ہے۔ میرا دل تیری عزت و عظمت سے لبریز ہے میرے جسم کے ہر رونگٹے اور میرے بدن کے ہر ذرّے سے تیری مدح و ثنا کا ایک شور برپا ہے تیری بہادری کوہ ہمالہ سے زیادہ عظیم الشان ہے۔ تیری مردانگی بحر اٹلانٹک سے زیادہ شوکت و جبروت رکھتی ہے۔ او اشجع الناس اور او اہل جنّت کے سردار میری طرف سے لاتعداد سلام و صلوٰۃ و برکات قبول فرما اور قیامت کے دن او بہادر مجھ کو بھول نہ جا۔ والسّلام۔

خلافتِ راشدہ کے متعلق چند جملے!

خلافت راشدہ کی تاریخ ختم ہو چکی ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد خلافت بنو اُمیہ کا بیان شروع ہو گا خلافت بنو اُمیہ اور اُس کے بعد قائم ہونے والی دوسری خلافتوں کے مقابلہ میں خلافت راشدہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ خلفاء راشدین میں سے ہر ایک خلیفہ مسلمانوں کی صاحب الرائے جماعت کے انتخاب سے مقرر ہوتا تھا اگر کسی خلیفہ کو اُس کے پیشتر خلیفہ نے پہلے ہی سے نامزد اور تجویز کیا تو یہ نامزدگی اور تعیین بھی صاحب الرائے حضرات سے مشورہ لینے کے بعد عمل میں آتا تھا جس میں وراثت اور خاندانی حقوق کو مطلق دخل انداز نہیں ہونے دیا جاتا تھا۔ دوسری خلافتوں میں یہ طرز پسندیدہ نہیں پائی گئی بلکہ وراثت و ولیعہدی کی نامعقول رسم جاری ہو گئی ؛

خلافتِ راشدہ میں مسلمانوں کو معاملاتِ حکومت اور انتظام سلطنت میں دخل دینے اعتراض، جواب طلب کرنے، مشورہ دینے کا پورا حق حاصل تھا لیکن بعد کی خلافتوں میں یہ حق مسلمانوں کو نہیں مل سکا ؛

خلافت راشدہ میں خلفاء راشدین کی حیثیتِ ظاہری، اُن کا لباس، اُن کا مکان، اُن کی سواری۔ اُن کی خوراک۔ اُن کی نشست برخاست سب عام لوگوں کی مانند ہوتی تھی۔ خلیفہ کو دوسرے لوگوں پر کوئی فوقیت حاصل نہ تھی۔ لیکن بعد کی خلافتوں میں خلیفہ کی شان شاہانہ اور دوسروں سے بہت برتر و اعلیٰ ہوتی تھی ؛

خلافت راشدہ میں خلفاء اپنے اختیار سے ایک پائی بھی اپنی ذات کے لئے یا بلا استحقاق کسی اپنے عزیز و رشتہ دار کے لئے خرچ نہیں کر سکتے تھے لیکن بعد کی خلافتوں میں عام طور پر خلیفہ بیت المال کا مالک سمجھا جانے لگا۔ اور اپنے اختیار سے لوگوں کو بلا استحقاق بھی انعام اکرام دیتا اور کوئی اعتراض کی جرأت نہ کر سکتا تھا ؛

خلفاء راشدین سب کے سب جلیل القدر صحابہؓ میں سے تھے اور حضور نبی کریمؐ کی صحبت میں ہمیشہ رہتے تھے۔ بعد کی خلافتوں میں حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے سوا کوئی قابل تذکرہ صحابی خلیفہ نہ تھا ؛

خلفاء راشدین سب کے سب اُن لوگوں میں سے تھے جو جنتی ہونے کی بشارت آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے سُن چکے تھے لیکن بعد کی خلافتوں میں ایسے صحابہ نہیں پائے گئے ؛

خلفاء راشدین کو مسلمانوں کی صلاح و فلاح کا خیال سب سے زیادہ تھا۔ وہ اعلاء کلمتہ اللہ اور اجرار احکام شرع کے سب سے زیادہ خواہاں تھے لیکن ملک گیری کا نصب العین نہ تھا ؛

خلفائے راشدین ملکوں کے محاصل اور مال غنیمت کی آمدنی کو خزانہ میں ذخیرہ رکھنے کے عادی نہ تھے۔ جس قدر مال و دولت آتی وہ سب مسلمانوں کو تقسیم کر دیتے یا مسلمانوں کی بہتری کے کاموں میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بیت المال کا تمام خرچ کر کے بیت المال میں جھاڑو دلوا دیا کرتے تھے لیکن بعد میں قائم ہونے والی خلافتوں کی حالت اس کے خلاف رہی ؛

خلفائے راشدین ہمیشہ خود حج کے لئے جاتے اور وہاں عالم اسلام کے ہر حصّے اور ہر گوشے سے آئے ہوئے مسلمانوں سے ملتے اور اُن کی ضرورتوں اور شکایتوں سے واقف ہوکر وہاں کے عاملوں کی قابلیّت اور ناقابلیّت سے واقف ہوتے۔ ضروری احکام جاری کرتے اور اس طرح حج کے موقع پر عظیم الشان اجتماع سے فائدہ اُٹھا کر اپنے فرائض کو پورا کرتے اگر کسی ضروری کام یا مجبوری کی وجہ سے خود حج کے لئے نہ جا سکتے تو اپنا قائم مقام بھیج کر اُن ضرورتوں کو پورا کر لیتے تھے لیکن خلافت راشدہ کے بعد حج کے اجتماع عظیم سے خلفاء نے یہ فائدہ اٹھانا ترک کر دیا ؛

خلفائے راشدین دارالخلافہ میں خود ہی نمازوں کی امامت کرتے اور جمعہ کا خطبہ بیان فرماتے تھے لیکن بعد میں صرف خلافت بنواُمیہ کے اندر یہ رسم باقی رہی۔ اُن کے علاوہ باقی خلافتوں میں خلفاء نے نمازوں کی امامت اور جُمعہ کے خطبے دوسرے کے ذمے ڈال دیئے ؛

خلفائے راشدین کے زمانے میں مسلمانوں کے اندر الگ الگ مذہبی فرقے اور جماعتیں قائم نہ تھیں آپس میں اختلاف بھی ہوتا تھا لیکن دین و ملت اور عقائد کے معاملے میں اس گروہ بندی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ جو بعد میں پائی گئیں اور آج شیعہ، سُنّی، وہابی،

حنفی، شافعی، قادری، چشتی وغیرہ سینکڑوں فرقے اپنی الگ الگ حیثیتیں قائم رکھنے پر مصر نظر آتے ہیں ۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں مذہب اور شریعت کے مقابلے میں کسی رشتہ داری، قومیت، ہم وطنی وغیرہ کی کوئی حقیقت نہ تھی ۔ اُن کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بھائی بھائی کی پرواہ نہیں کرتا ۔ باپ بیٹے کی رعایت ضروری نہیں سمجھتا جب دین وملّت کا معاملہ درمیان میں آجائے ۔ ہر شخص کو رائے کی آزادی حاصل تھی ۔ خلیفہ کو سرِ منبر معمولی طبقہ کا آدمی روک اور ٹوک سکتا تھا ۔ بعد میں رائے کی یہ آزادی اور دین وملّت کی یہ پاس داری کم ہوگئی تھی ۔

خلفائے راشدین اپنے آپ کو مسلمانوں کا بادشاہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا خادم سمجھ کر اُن کی خدمت کرتے اور مسلمانوں کا چرواہا اور چوکیدار سمجھ کر اُن کی پاسبانی کرتے اور مسلمانوں کو اپنی اولاد سمجھ کر اُن پر شفقت فرماتے تھے ۔ مسلمانوں کو اپنا غلام نہیں جانتے تھے اور اُن سے غلاموں کی طرح اپنے احکام کی تعمیل نہیں کراتے تھے ۔ بعد کی خلافتوں میں اس کے برعکس حالات پیدا ہوئے اور خلفاء نے اپنے آپ کو قیصر وکسریٰ کا نمونہ بنا کر ظاہر کیا ۔

خلفائے راشدین کی حکومت وسلطنت دنیوی اعتبار سے قیصر وکسریٰ کی طرح قہر وجبر کی حکومت نہ تھی ۔ دینی معاملات میں بھی وہ بااختیار خود کچھ نہیں کرسکتے تھے ۔ جب کسی دینی مسئلہ میں اختلاف یا شبہ پیدا ہوتا تو دوسرے صحابہؓ کو بُلا کر اُن سے دریافت کرتے اور جو بات آنحضرت صلعم سے ثابت ہو جاتی اُسی کے موافق احکام جاری کرتے ۔ اگر کسی دینی معاملہ میں اُن سے غلطی ہو جاتی اور بعد میں اُن کو اپنی غلطی کا احساس وعلم ہوتا تو فوراً اُس کی اصلاح کرلیتے تھے ۔ غرض دینی ودنیوی ہر دو پہلوؤں میں اُن کی سیادت وحکومت آج کل کی جمہوری حکومتوں کے صدر اور آج کل کے دینی علماء کی سیادت وحکومت سے بھی بہت ہی کم تھی ۔ اُن کا کام شریعت کے احکام کا نفاذ اور امن وامن کا قائم رکھنا تھا ۔ اُن کے زمانے میں لوگوں کی ہر قسم کی جائز آزادی حاصل تھی اور ہر چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں ہر شخص اُن سے جواب طلب کرسکتا ۔ اُن کو اپنے احکام کے نافذ کرنے کے لئے کسی طاقت اور فوج کی ضرورت نہ تھی بلکہ ہر شخص اُن کے حکم کو چاہے وہ اُس کے خلاف ہو خود ہی اپنے

اوپر جاری اور صادر کر لیتا اور اُس کی تعمیل کرتا تھا جو دلیل اس امر کی ہے کہ اُن کی حکومت محبّت اور عقیدہ کی بنیاد پر قائم تھی خوف و دہشت اور قہر و جبر کے ذریعہ قائم نہ تھی۔ لیکن بعد کی خلافتوں میں احکام شرع کے نفاذ و قیام کا کام خلفاء نے خود چھوڑ کر مولویوں، مفتیوں اور قاضیوں کے سپرد کر دیا۔ مساجد کے خطیب و امام الگ مقرر ہوئے۔ فوج اور خزانے کا اختیار اپنے قبضہ میں رکھ کر ان دونوں قوتوں کا استعمال مطلق العنان ہو کر شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی حکومت و سلطنت قہر و جبر و خوف و دہشت پر قائم ہوئی۔ لوگوں کی جائز آزادی چھن گئی۔ مذہبی احکام کے نفاذ و قیام میں بھی انہام و تفہیم اور رفع شکوک کی جائز آزادی لوگوں سے سلب ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کسی شخص کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک معمولی نواب یا رئیس کی جس قدر ہیبت لوگوں کے دلوں پر طاری ہے اور وہ جس قدر اُس کی تعظیم و تکریم بجا لانا ضروری سمجھتے ہیں۔ خلفاء راشدین کی اس قدر ہیبت اور اس قدر تعظیم و تکریم خوف و دہشت کی وجہ سے کسی کے قلب پر طاری نہ تھی۔ اُن کی ہیبت و عظمت شفیق اُستاد اور والدین کی ہیبت و عظمت کے مانند تھی۔ شیر مردم در اور نار مردم کُش کی مانند نہ تھی۔ آج ایک صوفی، ایک مفتی، ایک جُبّہ پوش مولوی کے قول و فعل پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لوگ جس قدر ڈرتے اور خوف زدہ ہوتے ہیں خلفائے راشدین کے قول و فعل پر اگر ذرا بھی شبہ ہوتا تھا تو لوگ آزادانہ اعتراض اور نکتہ چینی کرتے تھے۔

خلافت راشدہ کے زمانے میں جس قدر ممالک میں اسلام پھیل گیا تھا اور دنیا کے جن جن حصّوں میں صحابہ کرام کا قدم پہنچ گیا تھا۔ اُس کی برکت سے آج تک بھی اُن تمام ملکوں کی غالب آبادی کا مذہب اسلام ہی ہے۔ جو ممالک خلافت راشدہ کے بعد مفتوح ہوئے اور جن میں صحابہ کرام کے قدم نہیں پہنچے، اُن ملکوں کے مسلمانوں کی اسلامی عصبیت اور اُن ملکوں میں اسلامی عظمت اور اُس کا استحکام اس درجہ پر نہیں پایا جاتا۔ اس حقیقت پر غور کرنے سے اُس روحانی اثر و طاقت کا کچھ کچھ اندازہ ہو سکتا ہے جو صحابہ کرام میں صحبت نبویؐ سے پیدا ہو گئی تھی۔

تاریخ اسلام کی اس پہلی جلد میں خلافت راشدہ کی مختصر و مجمل تاریخ بیان ہو چکی ہے اس پہلی جلد میں اکثر صحابہ کرام کے نام واقعات کے سلسلہ میں بیان ہوئے ہیں۔ اُن

ناموں کی برکت سے امید ہے کہ اس جلد کا مطالعہ قارئین کرام کے لئے ضرور مبارک ہوگا۔
صحابہ کرامؓ میں دس صحابی جن کو عشرہ مبشرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے زیادہ معزز و مکرم ہیں۔ یہ وہ دس بزرگ ہیں جنھوں نے اپنے اعمال حسنہ کی بدولت اس دنیا ہی میں آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے اپنے جنتی ہونے کی بشارت سن لی۔ ان بزرگوں میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نو بزرگوں کا ذکر تھوڑا یا بہت اس جلد میں بیان ہو چکا ہے اور قارئین کرام اُن سے ضرور واقف ہو گئے ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے صرف ایک بزرگ یعنی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا ذکر شروع اوراق میں آچکا ہے۔ ان آخری اوراق میں نہیں آیا۔ لہٰذا اس جلد کے ختم کرنے سے پیشتر اُن کے متعلق چند سطریں اس خاتمہ میں لکھنی مناسب معلوم ہوتی ہیں۔

حضرت سعید بن زیدؓ } آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چچیرے بھائی اور بہنوئی تھے۔ آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔ سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبداللہ بن قرط بن رباح بن عدی۔ تمام غزوات میں آنحضرت صلعم کے ساتھ رہے۔ صرف بدر میں شریک نہ تھے مگر آنحضرت صلعم نے ان کو بدر کی غنیمت سے حصہ دیا اور بدریوں میں شمار کیا۔ آپ بڑے باکرامت اور مستجاب الدعوات تھے۔ ۵۱ھ میں بہتر سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ ایک مرتبہ عورت نے زمین کا جھوٹا دعویٰ آپ پر کیا۔ آپ نے بددعا کی کہ الٰہی اگر یہ اپنے دعویٰ میں جھوٹی ہے تو تو اس کو اندھا کردے۔ وہ عورت اندھی ہو گئی اور چند ہی روز کے بعد کہیں جاتی تھی کہ ایک کنوئیں میں گر پڑی اور مر گئی۔ ایک روز کوفہ کی جامع مسجد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت ایک شخص سے ناشدنی الفاظ سن کر آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و طلحہؓ و زبیرؓ و ابوعبیدہؓ و سعد و قاصؓ و عبدالرحمٰن بن عوفؓ یہ نو اشخاص عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت اُس دسویں کا بھی نام بتا دیجئے۔ آپ یہ سن کر خاموش رہے۔ جب اُس نے دوبارہ باصرار دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ دسواں میں ہوں۔
الٰہی عشرہ مبشرہ کے طفیل مجھ گنہگار کو بھی جنت عطا فرما اور حسنات دارین عطا کر آمین یا رب العالمین۔
رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ

مُناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ وَاَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اَللّٰھُمَّ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا وَمِنْ ضِیْقِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔ رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ ؂

اے اللہ! مجھ سے اس تصنیف میں جو غلطی سرزد ہوئی ہو تو اُس کے بدنتیجے سے مجھ کو اور اس کے مطالعہ کرنے والے کو محفوظ رکھ، الٰہی تو میری اس محنت کو مثمر ثمراتِ خیر کر اور میرے اس عمل کو ضائع ہونے سے بچالے۔ الٰہی کتابت و طباعت کی غلطیوں سے بہت سی تصانیف کا مرتبہ کم ہوجاتا ہے اس نقص اور سُقم سے اپنی کتاب کو بچانے کے لئے میرے پاس کوئی طاقت اور سامان نہیں ہے تو ہی اس کاتب و طابع کو نیک توفیق دے اور نقائص و اسقام سے اس کو بچا۔ الٰہی ابن جریر۔ ابن اثیر۔ ابن خلدون، ابو الفدا، ابن سعد، جلال الدین سیوطی، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، ابن ہشام اور واقدی کی روحوں پر اپنی رحمتیں نازل کر، کیونکہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی جلد زیادہ تر انھیں کی محنتوں کے نتائج کی خوشہ چینی سے مرتب ہوسکی ہے۔ الٰہی میرے آئندہ کام میں میرے لئے آسانیاں پیدا کردے اور تاریخ اسلام کی آئندہ جلدیں حسن و خوبی کے ساتھ مرتب کرنے کی توفیق اور ضروری سامان عطا فرما۔ آمین! اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ۔

(مصنف)